وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ (القرآن)

الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون (الحديث)

مجموعہ کتب

حیات الانبیاء علیہم السلام

۶



مکتبہ سراجیہ لنشر الکتب الاسلامیہ

حضوری باغ روڈ، ملتان فون: 061-4783486

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ (القرآن)

الْأَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُورِهِمْ يُصَلُّونَ (الحدیث)

مجموعۂ کُتب

حیات انبیاء علیہم السلام

۶

مکتبہ رحمانیہ لنشر الکتب الاسلامیہ
معروف شاہ روڈ ملتان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب : مجموعہ کتب حیات الانبیاء علیہم السلام (جلد ششم)

مصنفین :

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ	حضرت مولانا سید نور الحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ
حضرت مولانا سید شاہ عون احمد قادری پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ	حضرت مولانا سید امین الحق رحمۃ اللہ علیہ
حضرت مولانا محمد منظور الحق رحمۃ اللہ علیہ	حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ
جناب محمد عبد الرحمن کانپوری رحمۃ اللہ علیہ	حضرت مولانا اخلاق حسین قاسمی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت مولانا رشید احمد رحمۃ اللہ علیہ	حضرت مولانا قاضی عبد اللطیف شجاع آبادی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت مولانا علامہ غلام مصطفیٰ بہاولپوری رحمۃ اللہ علیہ	

صفحات : ۴۷۲

مطبع : طیب شمشاد پرنٹنگ پریس لاہور

طبع اوّل : نومبر ۲۰۲۴ء

اسٹاکسٹ : ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان
0322-6180738

ناشر : مکتبہ سراجیہ لنشر الکتب الاسلامیہ
حضوری باغ روڈ ملتان

0303-7396203 0301-7500173

0344-7121967 0301-7904257

اجمالی فہرست

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (الحدیث)

آپ کے مسائل اور اُن کا حل

(ماخوذ از جلد دہم)

تالیف: شہید الاسلام

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ

آپ کے مسائل

اور

اُن کا حل

جلد دہم

شہیدِ اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ

مکتبہ لدھیانوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفصیلی فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(حرفے چند)

شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

پیدائش: ۱۹۳۲ء ...... وفات: ۱۸ مئی ۲۰۰۰ء

شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نامور عالم ربانی اور اپنے دور کے شہرہ آفاق دانشور اور محقق تھے۔ آپ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ حق تعالیٰ نے آپ کو علم نافع نصیب کیا تھا۔ ایسے خوش نصیب تھے کہ جس میدان میں قدم رکھا کامرانی کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ آپ کی ایک کتاب ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' دس جلدوں پر مشتمل ہے جو بلا مبالغہ ہزاروں ہزار شائع ہوئی۔ اس کے قدیم ایڈیشن کی دسویں جلد کے ص ۷۳۳ سے ۵۶۴ تک حیات النبی ﷺ کے عنوان پر لوگوں کے سوالات اور آپ کے جوابات ہیں۔ اس مجموعہ میں اس کو شامل کرنے کا شرف نصیب ہو رہا ہے۔ (ناشر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، امابعد!

جنابِ محترم مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب

السلام علیکم!

گزارش ہے کہ چند روز قبل مجھے بھینس کالونی کمرشل ایریا کی گول مسجد میں درسِ قرآن سننے کا اتفاق ہوا، اپنے درس کے دوران مسجد کے پیش امام صاحب نے عذابِ قبر پر درس دیتے ہوئے فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں بجسدِ حیات ہیں اور دلائل دیتے ہوئے فرمایا کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص میرے روضۂ اقدس پر حاضری دے گا تو میں قیامت کے دن اس کے لئے شفاعت کروں گا۔ (مولانا موصوف کا تعلق دیوبند مسلک سے ہے) جبکہ میں نے خود شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب سے سنا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پاچکے ہیں اور اس پر حضرت صاحب نے ایک کتاب "وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم" بھی لکھی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دُنیا کا کوئی علم نہیں ہے۔

جنابِ والا سے قرآن و حدیث کی روشنی میں تفصیل معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ:

(۱) کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں؟

(۲) کیا دنیاوی معاملات کا آپ کو علم ہے؟

(۳) کیا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک پر حاضری دینا ضروری ہے؟ جبکہ حج کے تمام ارکان مکہ مکرمہ میں تکمیل کو پہنچتے ہیں۔

جواب: آپ کے سوال میں چند مسائل قابلِ تحقیق ہیں:

پہلا مسئلہ

مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، اس ضمن میں چند اُمور کا سمجھ لینا ضروری ہے:

اوّل: یہ کہ محلِ نزاع کیا ہے؟ یہ بات تو ہر عامی سے عامی بھی جانتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا سے رحلت فرماگئے ہیں، اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضۂ مطہرہ و مقدسہ میں مدفون ہیں، اس لئے حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مسئلے پر گفتگو کرتے ہوئے کسی کے ذہن میں یہ بات نہیں ہوتی (اور نہ ہونی چاہئے) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیوی حیات زیرِ بحث ہے، نہیں! بلکہ گفتگو اس میں ہے کہ دُنیا سے رخصت ہونے کے بعد برزخ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو حیات حاصل ہے، اس کا تعلق جسدِ اطہر سے بھی ہے یا نہیں؟ اس تنقیح سے معلوم ہوگا کہ یہاں تین چیزیں ہیں:

(۱) دُنیا کی حیات کا نہ ہونا۔

(۲) برزخ کی حیات کا حاصل ہونا۔

(۳) اور اس برزخی حیات کا جسدِ اطہر سے تعلق ہونا یا نہ ہونا۔

پہلے دو نکتوں میں کسی کا اختلاف نہیں، اختلاف صرف تیسرے نکتے میں ہے، ہمارے اکابر جسدِ اطہر کو ایک خاص نوع کی حیات کے ساتھ متصف مانتے ہیں۔

دوم: اہلِ حق کا عقیدہ یہ ہے کہ قبر کا عذاب و ثواب برحق ہے، چنانچہ شرح عقائد نسفی میں ہے: ''وعذاب القبر للکافرین ولبعض عصاۃ المؤمنین وتنعیم اھل الطاعۃ فی القبر...... وسؤال منکر ونکیر ثابت بالدلائل السمعیۃ'' (شرح عقائد ص۹۸)

ترجمہ: ''کافروں اور بعض گناہگار اہلِ ایمان کو قبر میں عذاب ہونا اور قبر میں اہلِ اطاعت کو نعمت و ثواب کا ملنا اور منکر ونکیر کا سوال کرنا، یہ تمام امور برحق ہیں، دلائلِ سمعیہ سے ثابت ہیں۔''

عقیدہ طحاویہ میں ہے: ''ونؤمن بعذاب القبر ونعیمہ لمن کان لذالک اھل، وبسؤال منکر ونکیر للمیت فی قبرہ عن ربہ ودینہ ونبیہ، علٰی ما جاءت بہ الآثار عن النبی ﷺ وعن اصحابہ، والقبر روضۃ من ریاض الجنۃ، او حفرۃ من حفر النار'' (عقیدہ طحاویہ ص۲۰، ۲۱، مطبوعہ دارالمعارف الاسلامیہ، آسیا آباد، بلوچستان)

ترجمہ: ''اور ہم ایمان رکھتے ہیں کہ قبر میں عذاب یا ثواب اس شخص کو ہوگا جو اس کا مستحق ہو، اور منکر و نکیر قبر میں میت سے سوال کرتے ہیں، اس کے رب، اس کے دین اور اس کے نبی ﷺ کے بارے میں، جیسا کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس پر احادیث وارد ہیں، اور قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔''

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ ''فقہ اکبر'' میں ہے: ''وسؤال منکر ونکیر فی القبر حق، واعادۃ الروح الی العبد وضغطۃ القبر وعذابہ حق کائن للکفار کلھم اجمعین ولبعض المسلمین''

(شرح فقہ اکبر ص۱۲۱ ومابعد، مطبوعہ مجتبائی ۱۳۴۸ھ)

ترجمہ: ''اور قبر میں منکر ونکیر کا سوال کرنا برحق ہے، اور قبر میں رُوح کا لوٹایا جانا اور میت کو قبر میں بھینچنا اور تمام کافروں کو اور بعض مسلمانوں کو قبر میں عذاب ہونا برحق ہے، ضرور ہوگا۔''

قبر کے عذاب پر قرآن کریم کی آیات اور آنحضرت ﷺ کی احادیثِ متواترہ وارد ہیں، اور سلف صالحین، صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کا اس پر اجماع ہے، چنانچہ شرح عقائد میں چند آیات و احادیث کا حوالہ دینے کے بعد لکھا ہے: ''وبالجملۃ الاحادیث فی ھٰذا المعنٰی وفی کثیر من احوال الآخرۃ متواترۃ المعنٰی وان لم یبلغ آحادھا حد التواتر'' (شرح عقائد ص۱۰۰، مطبوعہ مکتبہ خیرِ کثیر، کراچی)

ترجمہ: ''حاصل یہ کہ عذاب و ثوابِ قبر اور بہت سے احوالِ آخرت میں احادیث متواتر ہیں، اگرچہ فرداً فرداً آحاد ہیں۔''

شرح عقائد کی شرح ''نبراس'' میں ہے: ''ثم قد روی احادیث عذاب القبر وسؤالہ عن جمع عظیم من الصحابۃ فمنھم عمر بن الخطاب، وعثمان بن عفان، وانس بن مالک، والبراء، وتمیم الداری، وثوبان، وجابر بن عبداللہ، وحذیفۃ، وعبادۃ بن صامت، وعبداللہ بن رواحۃ، وعبداللہ بن عباس، وعبداللہ بن عمر، وعبداللہ بن مسعود، وعمرو بن العاص، ومعاذ بن جبل، وابو امامۃ، وابو الدرداء، وابو ھریرۃ، وعائشۃ رضی اللہ عنہم، ثم روی عنھم اقوام لا یحصٰی عددھم'' (نبراس ص۲۰۸، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ، ملتان)

ترجمہ: ''قبر کے عذاب و ثواب اور سوال کی احادیث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت سے مروی ہیں، جن میں مندرجہ ذیل حضرات بھی شامل ہیں: حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت انس، حضرت براء، حضرت تمیم داری، حضرت ثوبان، حضرت جابر، حضرت حذیفہ، حضرت عبادہ، حضرت عبداللہ بن رواحہ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عمرو بن عاص، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابوامامہ، حضرت ابوالدرداء، حضرت ابوہریرہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم، پھر ان سے اتنی قوموں نے روایت کی ہے، جن کی تعداد کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے عذابِ قبر کے باب میں قرآن کریم کی تین آیات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چھ احادیث ذکر کی ہیں، جو مندرجہ ذیل پانچ صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں: حضرت براء بن عازب، حضرت عمر، حضرت عائشہ، حضرت اسماء اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم! (دیکھئے صحیح بخاری ج:۱ ص:۱۸۳)

اس کے ذیل میں حافظ الدنیا ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''وقد جاء فی عذاب القبر غیر ھذہ الاحادیث: منھا عن ابی ھریرۃ، وابن عباس، وابی ایوب، وسعد، وزید بن ارقم، وام خالد فی الصحیحین او احدھما، وعن جابر عند ابن ماجۃ، وابی سعید عند ابن مردویۃ، وعمر، وعبدالرحمٰن بن حسنۃ، وعبداللہ بن عمرو عند ابی داؤد، وابن مسعود عند الطحاوی، وابی بکرۃ واسماء بنت یزید عند النسائی، وام مبشر عند ابن ابی شیبۃ، وعن غیرھم'' (فتح الباری ج:۳ ص:۲۴۰، دارالنشر الکتب الاسلامیہ، لاہور)

ترجمہ: ''اور عذابِ قبر میں ان مذکورہ بالا احادیث کے علاوہ اور احادیث بھی وارد ہیں، چنانچہ ان میں سے حضرت ابوہریرہ، ابن عباس، ابوایوب، سعد، زید بن ارقم اور ام خالد رضی اللہ عنہم کی احادیث تو صحیحین میں یا ان میں سے ایک میں موجود ہیں۔

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ابن ماجہ میں ہے، حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث ابن مردویہ نے روایت کی ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ، عبدالرحمٰن بن حسنہ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی ابوداؤد میں ہیں، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی حدیث طحاوی میں ہے، حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ اور اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا کی احادیث نسائی میں ہیں، اور حضرت ام بشر رضی اللہ عنہا کی حدیث مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے، اور ان کے علاوہ دُوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث مروی ہیں۔''

اور مجمع الزوائد (ج:۳ ص:۵۷، مطبوعہ دارالکتاب بیروت) میں یعلی بن سیابہ رضی اللہ عنہ کی روایت بھی نقل کی ہے۔

یہ قریباً تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسمائے گرامی کی فہرست ہے، جو میں نے عجلت میں مرتب کی ہے، اور جن سے عذابِ قبر کی احادیث مروی ہیں، اس لئے قبر کے عذاب و ثواب کے متواتر ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

سوم: جب یہ ثابت ہوا کہ قبر کا عذاب و ثواب برحق ہے، اور یہ اہلِ حق کا اجماعی عقیدہ ہے تو اب اس سوال پر غور کرنا باقی رہا کہ قبر کا یہ عذاب و ثواب صرف رُوح سے متعلق ہے یا میت کے جسمِ عنصری کی بھی اس میں مشارکت ہے؟ اور یہ کہ اس عذاب و ثواب کا محل آیا یہی حسی گڑھا ہے جس کو عرفِ عام میں ''قبر'' سے موسوم کیا جاتا ہے یا برزخ میں کوئی جگہ ہے جہاں میت کو عذاب و ثواب ہوتا ہے، اور اسی کو عذابِ قبر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے تتبع سے بالبداہت معلوم ہوتا ہے کہ قبر کا عذاب و ثواب صرف رُوح کو نہیں ہوتا بلکہ میت کا جسم بھی اس میں شریک ہے، اور یہ کہ عذاب و ثواب کا محل یہی حسی قبر

ہے جس میں مردہ کو دفن کیا جاتا ہے، مگر چونکہ یہ عذاب وثواب دُوسرے عالم کی چیز ہے، اس لئے میّت پر جو حالات قبر میں گزرتے ہیں، زندوں کو ان کا ادراک وشعور عموماً نہیں ہوتا (عموماً اس لئے کہا کہ بعض اوقات بعض اُمور کا انکشاف بھی ہوجاتا ہے) جس طرح نزع کے وقت مرنے والا فرشتوں کو دیکھتا ہے اور دُوسرے عالم کا مشاہدہ کرتا ہے، مگر پاس بیٹھنے والوں کو ان معاملات کا ادراک وشعور نہیں ہوتا جو نزع کی حالت میں مرنے والے پر گزرتے ہیں۔

ہمارے اس دعویٰ پر کہ عذاب وثواب اسی حسی قبر میں ہوتا ہے اور یہ کہ میّت کا بدن بھی عذاب وثواب سے متأثر ہوتا ہے، احادیثِ نبویہ ﷺ سے بہت سے شواہد پیش کئے جاسکتے ہیں، مگر چونکہ ان شواہد کا استیعاب نہ تو ممکن ہے اور نہ ضروری ہے، اس لئے چند عنوانات کے تحت ان شواہد کا نمونہ پیش کرتا ہوں:

۱......حدیثِ جرید

"عن ابن عباس (رضی اللہ عنہما) قال: مر النبی ﷺ بقبرین (وفی روایة: فسمع صوت انسانین یعذبان فی قبورهما) فقال: انهما لیعذبان وما یعذبان فی کبیر، اما احدهما فکان لا یستتر من البول، واما الآخر فکان یمشی بالنمیمة۔ ثم اخذ جریدة رطبة فشقها نصفین فغرز فی کل قبر واحدة۔ قالوا: یا رسول الله! لم فعلت هذا؟ قال: لعله یخفف عنهما ما لم ییبسا" (صحیح بخاری ج۱ ص۳۵)

ترجمہ: "حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو آپ ﷺ نے دو آدمیوں کی آواز سنی، جن کو قبر میں عذاب ہو رہا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ان دونوں قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے، اور عذاب بھی کسی بڑی چیز پر نہیں ہو رہا ہے (کہ جس سے بچنا مشکل ہو)، ان میں سے ایک تو پیشاب سے نہیں بچتا تھا، اور دُوسرا چغل خور تھا۔ پھر آپ ﷺ نے (کھجور کی) ایک تر شاخ لی اور اس کو بیچ سے آدھوں آدھ چیرا، انہیں ایک ایک کرکے دونوں قبروں پر گاڑ دیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے (یہ دیکھ کر) پوچھا: یا رسول اللہ! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: شاید (اس عمل سے) ان کے عذاب میں (اس وقت تک کے لئے) تخفیف ہوجائے جب تک کہ یہ شاخیں خشک نہ ہوں۔"

یہ مضمون حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ مندرجہ ذیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے:

(۱) حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ (ابن ماجہ ص۲۹، مجمع الزوائد ج۱ ص۲۰۷، فتح الباری ج۱ ص۳۲۱)

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (ابن ابی شیبہ ج۱ ص۳۷۶، موارد الظمآن ص۱۹۹، مجمع ج۳ ص۵۷)

(۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ (مجمع الزوائد ج۱ ص۲۰۸)

(۴) حضرت جابر رضی اللہ عنہ (افراد دارقطنی، فتح الباری ج۱ ص۳۱۷)

(۵) حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ (نسائی بحوالہ فتح الباری ج۱ ص۳۱۹)

(۶) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ (مجمع ج۳ ص۵۶، فتح ج۱ ص۳۲۰)

(۷) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (مجمع ج۱ ص۲۰۷)

(۸) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما (مجمع ج۳ ص۵۷)

(۹) حضرت یعلیٰ بن سیابہ رضی اللہ عنہ (ابن ابی شیبہ ج۳ ص۳۷۶، مجمع ج۳ ص۵۷)

(۱۰) اس نوعیت کا ایک اور واقعہ حضرت جابرؓ سے صحیح مسلم میں منقول ہے۔ (ج۲ ص۴۱۸)

(۱۱) اور اسی نوعیت کا ایک اور واقعہ حضرت ابوہریرہؓ سے مسندِ احمد میں بسندِ صحیح منقول ہے۔
(مجمع الزوائد ج۲ ص۵۷)

(۱۲) نیز اسی نوعیت کا ایک واقعہ مصنف ابن ابی شیبہ ج۳ ص۳۷۶ اور مسندِ احمد میں حضرت یعلیٰ بن سیابہؓ سے منقول ہے۔ (مجمع ج۳ ص۵۷)

ان احادیث میں ہمارے دعویٰ پر درج ذیل شواہد ہیں:

☆...... آنحضرت ﷺ کا ان دونوں قبروں کے پاس سے گزرتے ہوئے عذابِ قبر کو محسوس فرمانا، اور جن دو شخصوں کو عذابِ قبر ہو رہا تھا ان کی آواز سننا۔

☆...... دونوں قبروں پر شاخِ خرما کا گاڑنا۔

☆...... اور دریافت کرنے پر یہ فرمانا کہ: شاید ان کے عذاب میں کچھ تخفیف ہوجائے جب تک کہ یہ شاخیں خشک نہ ہوں۔

اگر یہ گڑھا، جس کو قبر کہا جاتا ہے، عذابِ قبر کا محل نہ ہوتا تو ان شاخوں کو قبروں پر نصب نہ فرمایا جاتا، اور اگر میت کے بدن کو عذاب نہ ہوتا تو آپ ﷺ ان دو شخصوں کی آواز نہ سنتے، اور نہ قبر کے پاس سے گزرتے ہوئے عذابِ قبر کا احساس ہوتا۔

۲......آنحضرت ﷺ کا عذابِ قبر کو سننا

اُوپر حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں آیا ہے: ”فسمع صوت انسانین یعذبان فی قبورھما“
(صحیح بخاری ج۱ ص۳۴)

ترجمہ: ”آنحضرت ﷺ نے دو آدمیوں کی آواز سنی جن کو قبر میں عذاب ہو رہا تھا۔“

یہ مضمون بھی متعدد احادیث میں آیا ہے:

(۱) ”عن ابی ایوب الانصاریؓ قال: خرج رسول اللہ ﷺ بعد ما غربت الشمس فسمع صوتاً، فقال: یھود تعذب فی قبورھا“ (صحیح بخاری ج۱ ص۱۸۴، صحیح مسلم ج۲ ص۳۸۶)

ترجمہ: ”حضرت ابوایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ: آنحضرت ﷺ غروبِ آفتاب کے بعد باہر نکلے تو آواز سنی، فرمایا: یہود کو ان کی قبروں میں عذاب ہو رہا ہے۔“

(۲) ”عن انسؓ قال: بینما رسول اللہ ﷺ فی نخل لابی طلحۃ یبرز لحاجتہ۔ قال: وبلال یمشی وراءہ یکرم نبی اللہ ﷺ ان یمشی الٰی جنبہ، فمر نبی اللہ ﷺ بقبر فقام حتّٰی تم الیہ بلال، فقال: ویحک یا بلال! ھل تسمع ما اسمع؟ قال: ما اسمع شیئاً! قال: صاحب القبر یعذب! فسأل عنہ فوجد یھودیا“

(رواہ احمد ورجالہ رجال الصحیح، مجمع الزوائد ج۳ ص۵۶، واخرجہ فی المستدرک ج۱ ص۴۰، وقال صحیح علٰی شرط الشیخین واقرہ الذھبی)

ترجمہ: ”حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ، حضرت ابوطلحہؓ کے کھجوروں کے باغ میں قضائے حاجت کے لئے تشریف لے جارہے تھے، حضرت بلال آپ ﷺ کے پیچھے چل رہے تھے، ادب کی بنا پر برابر

نہیں چل رہے تھے، آنحضرت ﷺ ایک قبر کے پاس سے گزرے تو کھڑے ہوگئے، یہاں تک کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی آپہنچے، فرمایا: بلال! کیا تم بھی سن رہے ہو جو میں سن رہا ہوں؟ عرض کیا: میں تو کچھ نہیں سن رہا! فرمایا: صاحبِ قبر کو عذاب ہو رہا ہے! آپ ﷺ نے اس قبر کے بارے میں دریافت فرمایا کہ یہ کس کی قبر ہے؟ تو معلوم ہوا کہ یہودی کی قبر ہے۔''

(۳) ''عن انس رضی اللہ عنہ قال: اخبرنی من لا اتهم من اصحاب النبی ﷺ قال: بینما رسول الله ﷺ وبلال یمشی بالبقیع، اذ قال رسول الله ﷺ: یا بلال! هل تسمع ما اسمع؟ قال: والله یا رسول الله ما اسمعه! قال: الا تسمع اهل هذه القبور یعذبون فی قبورهم؟ یعنی قبور اهل الجاهلیة''

(رواہ احمد ورجالہ رجال الصحیح، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۵۶)

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مجھے آنحضرت ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی صاحب نے بتایا کہ: آنحضرت ﷺ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ بقیع میں چل رہے تھے، اچانک آنحضرت ﷺ نے فرمایا: بلال! جو کچھ میں سن رہا ہوں، کیا تم بھی سن رہے ہو؟ عرض کیا: اللہ کی قسم! یا رسول اللہ! میں اس کو نہیں سن رہا۔ فرمایا: کیا تم اہلِ قبور کو سنتے نہیں ہو؟ ان کو قبروں میں عذاب ہو رہا ہے!''

(۴) ''عن جابر بن عبدالله رضی اللہ عنہ قال: دخل رسول الله ﷺ محلا لبنی النجار، فسمع اصوات رجال من بنی النجار ماتوا فی الجاهلیة یعذبون فی قبورهم، فخرج رسول الله ﷺ فزعا فامر اصحابه ان یتعوذوا من عذاب القبر'' (رواہ احمد والبزار ورجال احمد رجال الصحیح، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۵۵، وکشف الاستار عن زوائد البزار ج ۱ ص ۴۱۲)

ترجمہ: ''حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ بنونجار کی ایک جگہ میں داخل ہوئے تو بنونجار کے چند مُردوں کی آواز سنی، جو جاہلیت کے زمانے میں مرے تھے اور ان کو قبروں میں عذاب ہو رہا تھا، آنحضرت ﷺ وہاں سے گھبرا کر نکلے، اور اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم فرمایا کہ عذابِ قبر سے پناہ مانگیں۔''

ان احادیث میں قبروں کے پاس جاکر آنحضرت ﷺ کا عذابِ قبر کو سننا مذکور ہے، اگر یہ گڑھے (جن کو قبریں کہا جاتا ہے) عذاب کا محل نہ ہوتے اور قبروں میں مدفون ابدان کو عذاب نہ ہوتا، تو اس عذابِ قبر کا قبروں کے پاس سننا نہ ہوتا۔

۳...... آنحضرت ﷺ کے علاوہ دوسروں کے لئے بھی عذابِ قبر کا سننا ممکن ہے

متعدد احادیث میں یہ مضمون بھی وارد ہوا ہے کہ اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم مُردوں کو دفن کرنے کی ہمت نہیں کرسکو گے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ قبر کا جو عذاب میں سنتا ہوں وہ تم کو بھی سنا دیتے، اس مضمون کی چند احادیث درج کی جاتی ہیں:

(۱) ''عن زید بن ثابت رضی اللہ عنہ قال: بینما النبی ﷺ فی حائط لبنی النجار علی بغلة له ونحن معه اذ حادت به فکادت تلقیه واذا اقبر ستة او خمسة او اربعة - قال: کذا کان یقول الجریری - فقال: من یعرف هذه الاقبر؟ فقال رجل: انا! قال: فمتی مات هؤلاء؟ قال: ماتوا فی الاشراک! فقال: ان هذه الامة تبتلی فی قبورها فلولا ان لا تدافنوا الدعوت الله ان یسمعکم من عذاب القبر الذی اسمع منه... الحدیث''

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۸۶)

ترجمہ: ''حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر پر سوار ہوکر بنو نجار کے ایک باغ میں تشریف لے گئے، ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے، اچانک خچر بدک گیا قریب تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گر جاتے، وہاں کوئی چار، پانچ یا چھ قبریں تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان قبروں کو کوئی پہچانتا ہے؟ ایک آدمی نے عرض کیا: جی ہاں! میں جانتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کب مرے تھے؟ اس نے عرض کیا: حالت شرک میں! پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک یہ لوگ اپنی قبروں میں عذاب دیئے جاتے ہیں، اور اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم اپنے مردے دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ وہ تمہیں بھی عذابِ قبر سنا دیتے جس طرح میں سنتا ہوں۔''

(۲) یہی حدیث صحیح ابن حبان میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ (موارد الظمآن ص ۲۰۲)

(۳) ''عن انس رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم سمع صوتا من قبر، فقال: متی مات ھٰذا؟ قالوا: مات فی الجاھلیة! فسر بذالک وقال: لو لا ان لا تدافنوا الدعوت اللہ ان یسمعکم عذاب القبر''

(سنن نسائی ج ۱ ص ۲۹۰، صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۸۶، موارد الظمآن ص ۲۰۰)

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قبر سے آواز سنی تو فرمایا: یہ کب مرا تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا گیا کہ زمانۂ جاہلیت میں! اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے اور فرمایا: اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم اپنے مُردے دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ تمہیں بھی عذابِ قبر ہوتا ہوا سنائی دیتا۔''

(۴) ''عن انس رضی اللہ عنہ قال: دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خربًا لبنی النجار کأنه یقضی حاجته فخرج وهو مذعور، فقال: لو لا ان تدافنوا الدعوت اللہ ان یسمعکم من عذاب القبر ما اسمعنی''

(اسنادہ صحیح، کنز العمال ج ۱۵ ص ۶۴۰، حدیث: ۴۲۹۴۳)

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنو نجار کے ویرانے میں قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے تو گھبرا کر نکلے، اور فرمایا: اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم مُردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ تمہیں بھی وہ عذابِ قبر سنا دے جو میں سنتا ہوں!''

مندرجہ بالا احادیث ہمارے مدعا پر تین وجہ سے شاہد ہیں: (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عذابِ قبر کو خود سننا۔ (۲) اور یہ فرمانا کہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ تمہیں بھی عذابِ قبر سنا دیں، جو میں سن رہا ہوں، جس سے معلوم ہوا کہ عذابِ قبر کا سننا ہمارے حق میں بھی ممکن ہے، اگر عذاب کا تعلق قبر کے گڑھے سے نہ ہوتا تو قبروں کے اس عذاب کے سننے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ (۳) اور یہ فرمانا کہ: اندیشہ یہ ہے کہ خوف کی وجہ سے تم مُردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے، اگر عذاب کا تعلق قبر کے گڑھے سے نہ ہوتا تو اس اندیشہ کی کوئی وجہ نہ تھی۔

۴...... بہائم کا عذابِ قبر کو سننا

اُوپر حضرت زید بن ثابت اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما کی احادیث میں عذابِ قبر کے سننے سے جانور کا بدکنا مذکور ہے، یہ مضمون بھی متعدد احادیث میں آیا ہے کہ مردے کو قبر میں جو عذاب ہوتا ہے اس کو جن و انس کے علاوہ قریب کے سب حیوانات سنتے ہیں، اس سلسلہ میں درج ذیل احادیث کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

(۱) حدیث انس رضی اللہ عنہ: "ثم یضرب بمطرقة من حدید ضربة بین اذنیه فیصیح صیحة یسمعها من یلیه الا الثقلین" (صحیح بخاری ج۱ ص۱۷۸، سنن ابوداؤد ج۲ ص۶۵۳، نسائی ج۲ ص۲۸۸، مسند احمد ج۳ ص۱۲۶، ۲۳۳)

ترجمہ: "پھر اس (مردے) کو لوہے کے ہتھوڑے سے اس کے کانوں کے درمیان مارا جاتا ہے، جس سے وہ مردہ ایسی چیخ مارتا ہے جسے جن وانس کے علاوہ قریب کے تمام حیوانات سنتے ہیں۔"

(۲) حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ: "فیفتح له باب من جهنم، ثم یضرب ضربة تمسع کل دابة الا الثقلین" (رواہ البزار، مجمع الزوائد ج۳ ص۵۳، کشف الاستار عن زوائد البزار ج۱ ص۴۱۳)

ترجمہ: "پھر اس کے لئے جہنم کا ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے، پھر اس کو ماری جاتی ہے ایسی مار کہ اس کو سنتے ہیں تمام جانور سوائے جن وانس کے۔"

(۳) حدیث ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ: "ویفتح له باب الی النار ثم یقمعه قمعة بالمطراق یسمعها خلق الله کلهم غیر الثقلین" (مسند احمد ج۳ ص۴، ۲۹۶، کشف الاستار ج۱ ص۴۱۳، مجمع الزوائد ج۳ ص۴۸)

ترجمہ: "پھر اس (کافر مردے) کے لئے دوزخ کی طرف دروازہ کھول دیا جاتا ہے، پھر فرشتہ اس کو ایسا گرز مارتا ہے جس کو جن وانس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق سنتی ہے۔"

(۴) حدیث براء بن عازب رضی اللہ عنہ: "فیضربه بها ضربة یسمعها ما بین المشرق والمغرب الا الثقلین فیصیر ترابا قال ثم تعاد فیه الروح" (سنن ابوداؤد ج۲ ص۶۵۴)

ترجمہ: "پس فرشتہ اس کو ایسی ضرب لگاتا ہے، جس کو جن وانس کے سوا مشرق ومغرب کے درمیان کی ساری مخلوق سنتی ہے، وہ اس ضرب سے مٹی ہوجاتا ہے۔ فرمایا: پھر اس میں دوبارہ رُوح لوٹائی جاتی ہے۔"

(۵) حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا: "انهم معذبون عذابا تسمعه البهائم کلها" (بخاری ج۲ ص۹۴۲، مسلم ج۱ ص۲۱۷)

ترجمہ: "مُردوں کو قبروں میں ایسا عذاب دیا جاتا ہے جس کو سب چوپائے سنتے ہیں۔"

(۶) حدیث ام مبشر رضی اللہ عنہا: "عن ام مبشر قالت: دخل علیَّ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وانا فی حائط من حوائط بنی النجار فیه قبور منهم، وهو یقول: استعیذوا بالله من عذاب القبر! فقلت: یا رسول الله! وللقبر عذاب؟ قال: نعم! انهم لیعذبون فی قبورهم تسمعه البهائم" (رواہ احمد، مجمع الزوائد ج۳ ص۵۶، موارد الظمآن ص۲۰۰)

ترجمہ: "حضرت ام مبشر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں ایک دن بنونجار کے باغ میں تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، وہاں بنونجار کی کچھ قبریں تھیں (انہیں دیکھ کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے عذابِ قبر سے پناہ مانگو! میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا قبر میں عذاب دیا جاتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! بے شک انہیں اپنی اپنی قبروں میں عذاب دیا جارہا ہے، جسے تمام جانور سنتے ہیں۔"

(۷) حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ: "ان الموتٰی لیعذبون فی قبورهم حتی ان البهائم تسمع اصواتهم" (رواہ الطبرانی فی الکبیر واسنادہ حسن، مجمع الزوائد ج۳ ص۵۶)

ترجمہ: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: مُردوں کو ان کی قبروں میں عذاب ہوتا ہے، یہاں تک کہ چوپائے ان کی آواز سنتے ہیں۔"

(۸) حدیث ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ: "کنت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر وھو یسیر علی راحلتہ فنفرت، قلت: یا رسول اللہ! ماشأن راحلتک نفرت؟ قال: انھا سمعت صوت رجل یعذب فی قبرہ فنفرت لذالک" (رواہ الطبرانی فی الاوسط وفیہ جابر الجعفی وفیہ کلام کثیر وقد وثق، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۵۶)

ترجمہ: "ایک سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ناقہ پر تشریف لے جارہے تھے کہ اچانک سواری بدک گئی، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کو کیا ہوا؟ یہ بدک کیوں گئی؟ فرمایا: اس نے ایک شخص کی آواز سنی جس کو اس کی قبر میں عذاب ہورہا ہے، اس کی وجہ سے بدک گئی۔"

ان احادیث میں جن وانس کے علاوہ باقی حیوانات کا عذابِ قبر کو سننا مذکور ہے، ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ عذابِ قبر ایک حسی چیز ہے جس کو نہ صرف اس عالم میں محسوس کیا جاسکتا ہے، بلکہ جن وانس کے علاوہ باقی مخلوق کو اس کا ادراک بھی ہوتا ہے، جن وانس کو جو ادراک نہیں ہوتا اس میں ایک حکمت یہ ہے کہ ان کا ایمان، ایمان بالغیب رہے۔ دُوسری وہ حکمت ہے جو اُوپر بیان ہوچکی ہے کہ اگر عذابِ قبر کا انکشاف انسانوں کو عام طور سے ہوجایا کرتا تو کوئی شخص مُردوں کو قبرستان میں دفن کرنے کی ہمت نہ کرتا۔ بہرحال اس عذاب کا محسوس ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ عذابِ قبر اسی گڑھے میں ہوتا ہے اور یہ کہ میّت کے بدن کو بھی ہوتا ہے۔

۵...... عذابِ قبر کے مشاہدہ کے واقعات

عذابِ قبر کو انسانوں اور جنات کی نظر سے پوشیدہ رکھا گیا ہے، لیکن بعض اوقات خرقِ عادت کے طور پر عذابِ قبر کے کچھ آثار کا مشاہدہ بھی کرادیا جاتا ہے، اس نوعیت کے بے شمار واقعات میں سے چند واقعات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

(۱) "عن قبیصۃ بن ذویب رضی اللہ عنہ قال: اغار رجل من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی سریۃ من المشرکین فانھزمت فغشی رجل من المسلمین رجلا من المشرکین وھو منھزم فلما اراد ان یعلوہ بالسیف قال الرجل: لا الٰہ الا اللہ! فلم ینزع عنہ حتی قتلہ، ثم وجد فی نفسہ من قتلہ فذکر حدیثہ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: فھلا نقبت عنہ قلبہ! فلم یلبثوا الا قلیلا حتی توفی ذالک الرجل القاتل، فدفن فاصبح علی وجہ الارض فجاء اھلہ فحدثوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فقال: ادفنوہ! فدفنوہ فاصبح علی وجہ الارض فجاء اھلہ فحدثوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فقال: ادفنوہ! فدفنوہ فاصبح علی وجہ الارض فجاؤوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فحدثوہ ذالک، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان الارض قد ابت ان تقبلہ فاطرحوہ فی غار من الغیران!" (بیہقی دلائل النبوۃ ج ۴ ص ۳۰۹، خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۸۷، مصنف عبدالرزاق ج ۱۰ ص ۱۷۳، کنزالعمال ج ۱۵ ص ۱۴۷، ۱۴۸ حدیث: ۴۰۴۵۴)

ترجمہ: "حضرت قبیصہ بن ذویب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک صاحب نے مشرکین کے ایک دستہ پر حملہ کیا، اس دستہ کو شکست ہوئی، پھر ایک مسلمان نے مشرکوں کے ایک آدمی کو بھاگتے ہوئے جالیا، جب اس پر تلوار اُٹھانے کا ارادہ کیا تو اس شخص نے "لا الٰہ الا اللہ" پڑھا، لیکن مسلمان کلمہ سن کر بھی ہٹا نہیں، یہاں تک کہ اسے قتل کردیا، پھر اس کے ضمیر نے اس کے قتل پر ملامت کی، چنانچہ اس نے اپنا قصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ذکر کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا: تو نے اس کا دل کرید کر کیوں نہ دیکھ لیا؟ تھوڑی

مدت گزری تھی کہ اس قاتل کا انتقال ہوگیا، اسے دفن کیا گیا مگر اگلے دن دیکھا گیا کہ وہ کھلی زمین پر پڑا ہے، اس کے گھر کے لوگوں نے یہ قصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو دفن کردو! دوبارہ دفن کیا گیا تو پھر دیکھا کہ زمین پر پڑا ہوا ہے، تین بار یہی ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زمین نے اس کو قبول کرنے سے انکار کردیا ہے، اسے کسی غار میں ڈال دو!"

(۲) "عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال: کان منا رجل من بنی النجار قد قرأ البقرة وآل عمران وکان یکتب لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانطلق هاربا حتی لحق باهل الکتاب، قال: فرفعوه، قالوا: هذا قد کان یکتب لمحمد فاعجبوا به فما لبث ان قصم اللہ عنقه فیهم فحفروا له فواروه فاصبحت الارض قد نبذته علی وجهها، ثم عادوا فحفروا له فواروه فاصبحت الارض قد نبذته علی وجهها، ثم عادوا فحفروا له فواروه فاصبحت الارض قد نبذته علی وجهها، فترکوه منبوذا" (صحیح بخاری ج۱ ص۵۱۱، صحیح مسلم ج۲ ص۳۷۰، واللفظ لہ، مسند احمد ج۳ ص۱۲۰، ۱۲۱، ۲۴۵، صحیح ابن حبان بحوالہ موارد الظمآن ص۳۶۵، خصائص کبریٰ ج۲ ص۷۸)

ترجمہ: "حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ایک شخص ہم سے یعنی بنونجار سے تھا، اس نے سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران پڑھی ہوئی تھی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وحی لکھا کرتا تھا، پھر وہ بھاگ کر اہل کتاب سے جاملا، انہوں نے اس کو خوب اُچھالا اور کہا کہ: یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے وحی لکھا کرتا تھا، وہ لوگ اس پر بہت خوش ہوئے، کچھ ہی دنوں بعد اللہ تعالیٰ نے اس کی گردن توڑ دی (یعنی مرگیا)، انہوں نے گڑھا کھود کر اسے دفن کردیا، صبح ہوئی تو زمین نے اس کو باہر پھینک دیا، انہوں نے اسے پھر دفن کیا، زمین نے اسے پھر باہر پھینک دیا، انہوں نے سہ بارہ دفن کیا، زمین نے اسے پھر اُگل دیا، عاجز ہوکر انہوں نے اسے بغیر دفن کے پڑا رہنے دیا۔"

(۳) "عن اسامة بن زید قال: بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجلا فکذب علیه، فدعا علیه رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوجد میتا قد انشق بطنه ولم تقبله الارض" (بیہقی دلائل النبوة ج۶ ص۲۴۵، خصائص کبریٰ ج۲ ص۷۸)

ترجمہ: "حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو (کسی کام سے) بھیجا، اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کرکے ایک جھوٹ بولا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حق میں بددعا فرمائی، اس کے نتیجہ میں وہ مردہ حالت میں پایا گیا، اس کا پیٹ پھٹا ہوا تھا، اور زمین نے اسے قبول نہیں کیا۔"

(۴) "عن عمران قال: شهدت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقد بعث جیشا من المسلمین الی المشرکین، الی قوله: فلم یلبث الا یسیرا حتی مات فدفناه فاصبح علی ظهر الارض، فقالوا: لعل عدوا نبشه فدفناه ثم امرنا غلماننا یحرسونه فاصبح علی ظهر الارض فقلنا: لعل الغلمان نبشوه، فدفناه ثم حرسناه بانفسنا فاصبح علی ظهر الارض، فالقیناه فی بعض تلک الشعاب۔ وفی روایة: فنبذته الارض فاخبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم، قال: ان الارض لتقبل من هو اشر منه، ولکن اللہ احب ان یریکم تعظیم حرمة لا اله الا اللہ"

(سنن ابن ماجہ ص۲۸۱، دلائل النبوۃ بیہقی ج۷ ص۱۲۸)

ترجمہ: "حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کا ایک لشکر کافروں سے جہاد کے لئے بھیجا، (اس کے بعد ایک شخص کے قتل کا واقعہ ذکر کیا)، پھر وہ قاتل چند ہی دنوں کے بعد مرگیا، ہم نے اس

کو دفن کیا تو صبح کو کھلی زمین پر پڑا تھا، ہم نے سوچا شاید کسی دشمن نے اس کو اُکھاڑ پھینکا ہے، ہم نے دوبارہ دفن کردیا، اور اس پر اپنے غلاموں کا پہرہ لگادیا، اگلے دن پھر زمین کی سطح پر پڑا تھا، ہم نے سوچا شاید غلام سوگئے ہوں گے، ہم نے تیسری بار دفن کیا اور خود پہرہ دیا، لیکن اگلے دن پھر زمین پر پڑا تھا، بالآخر ہم نے اسے ایک غار میں ڈال دیا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ: زمین نے اسے باہر پھینک دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر کی گئی تو فرمایا: زمین تو اس سے بھی برے لوگوں کو قبول کرلیتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ چاہا کہ تمہیں یہ دکھائیں کہ لا الٰہ الا اللہ کی حرمت کس قدر بڑی ہے!"

(۵) "عن الحسن البصری ان محلمًا لما جلس بین یدہ علیه الصلٰوة والسلام قال له: آمنته ثم قتلته؟ ثم دعا علیه، قال الحسن: فوالله! ما مکث محلمًا الا سبعًا حتی مات فلفظته الارض ثم دفنوہ فلفظته الارض، ثم دفنوہ فلفظته الارض، فرضموا علیه من الحجارة حتی واروہ فبلغ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فقال: ان الارض لتطابق علٰی من ھو شر منه ولٰکن الله اراد ان یعظکم فی حرم ما بینکم لما اراکم منه"

(البدایہ والنہایہ ج۴ ص۲۲۵، مجمع الزوائد ج۷ ص۲۹۴)

ترجمہ: "حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ: محلم (ایک مسلمان کو قتل کرکے) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو نے اسے امن دینے کے بعد قتل کردیا؟ پھر اس کے حق میں بددعا فرمائی، حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: محلم اس واقعہ کے ایک ہفتہ بعد مرگیا، تو زمین نے اس کو اُگل دیا، لوگوں نے اسے پھر دفن کیا، تو زمین نے اسے پھر اُگل دیا، بالآخر لوگوں نے اس کے گرد پتھر جمع کرکے اسے چھپادیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر پہنچی تو فرمایا کہ: زمین تو اس سے بھی برے لوگوں کو چھپالیتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ منظر تم کو دکھاکر یہ چاہا کہ تمہاری آپس کی حرمتوں کے بارے میں تم کو نصیحت و عبرت دلائیں۔"

(۶) "عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: بینما اسیر بجنبات بدر اذ خرج رجل من حفرة فی عنقه سلسلة فنادانی: "یا عبدالله! اسقنی۔" فلا ادری اعرف اسمی او دعانی بدعایة العرب، وخرج رجل فی ذالک الحفیر فی یدہ سوط فنادانی: "لا تسقه فانه کافر!" ثم ضربه بالسوط حتی عاد الی حفرته، فاتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم مسرعًا فاخبرته، فقال لی: او قد رأیته؟ قلت: نعم! قال: ذاک عدو الله ابو جهل بن هشام! وذاک عذابه الی یوم القیامة!"　　(قال الہیثمی رواہ الطبرانی فی الاوسط وفیہ عبداللہ بن محمد مغیرة وھو ضعیف، مجمع الزوائد ج۳ ص۵۷)

ترجمہ: "حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: دریں اثنا کہ میں بدر کے قریب سے گزر رہا تھا، اتنے میں ایک گڑھے سے ایک شخص نکلا جس کے گلے میں زنجیر تھی، اس نے مجھے پکار کر کہا: "اے عبداللہ! مجھے پانی پلاؤ" مجھے معلوم نہیں کہ آیا اسے میرا نام معلوم تھا، یا عرب کے دستور کے مطابق اس نے "عبداللہ" (اللہ کا بندہ) کہہ کر پکارا، اس گڑھے سے ایک اور آدمی نکلا، جس کے ہاتھ میں کوڑا تھا، اس نے مجھے پکار کر کہا کہ: "اس کو پانی نہ پلانا، یہ کافر ہے!" پس اس نے پہلے شخص کو کوڑا مارا اور مار مار کر گڑھے کی طرف واپس لے گیا، میں جلدی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ سارا قصہ عرض کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تو نے واقعی اس کو دیکھا ہے؟ عرض کیا: جی ہاں! فرمایا: یہ اللہ کا دشمن ابوجہل تھا! اور قیامت تک اس کی یہی سزا ہے!" نعوذ باللہ من ذالک!

(۷) "(وقال) ابن ابی الدنیا حدثنی ابی، حدثنا موسیٰ بن داؤد، حدثنا حماد بن سلمة عن هشام بن عروة، عن ابیه، قال: بینما راکب یسیر بین مکة والمدینة اذ مر بمقبرة فاذا برجل قد خرج من قبر یلتهب نارا مصفدا فی الحدید، فقال: "یا عبدالله! انضح، یا عبدالله! انضح۔" قال: وخرج آخر یتلوه فقال: "یا عبدالله! لا تنضح، یا عبدالله! لا تنضح۔" قال: وغشی علی الراکب، وعدلت به راحلته الی العرج، قال: واصبح قد ابیض شعره، فاخبر عثمان بذالک فنهی ان یسافر الرجل لوحده" (کتاب الروح ص ۹۴)

ترجمہ: "ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: مجھ سے بیان کیا میرے والد نے، وہ کہتے ہیں کہ: ہم سے بیان کیا حماد بن سلمہ نے، وہ روایت کرتے ہیں ہشام بن عروہ سے، وہ اپنے والد سے: دریں اثنا کہ ایک سوار مکہ و مدینہ کے درمیان جارہا تھا کہ ایک قبرستان سے گزرا، اچانک ایک شخص قبر سے نمودار ہوا جو آگ سے بھڑک رہا تھا، اور لوہے کی بیڑیوں میں جکڑا ہوا تھا، اس نے کہا: "اے بندۂ خدا! مجھے پانی دے دو، اے بندۂ خدا! مجھے پانی دے دو۔" اور ایک اور شخص اس کے پیچھے سے نکلا، اس نے پکار کر کہا: "اے بندۂ خدا! اسے پانی نہ دینا، اے بندۂ خدا! اسے پانی نہ دینا۔" اس منظر سے سوار پر غشی طاری ہوگئی اور اس کی سواری اس کو موضع "عرج" لے گئی، اور اس صدمہ سے اس شخص کے بال سفید ہوگئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع کی گئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے آدمی کے تنہا سفر کرنے سے منع فرمادیا۔"

(۸) "وقد ذکر ابن ابی الدنیا فی "کتاب القبور" عن الشعبی انه ذکر رجلا قال للنبی صلی اللہ علیہ وسلم: مررت ببدر فرأیت رجلا یخرج من الارض فیضربه رجل بمقمعة حتی یغیب فی الارض، ثم یخرج فیفعل به ذالک۔ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ذالک ابو جهل بن هشام یعذب الی یوم القیامة!" (کتاب الروح ص ۹۴)

ترجمہ: "ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ نے کتاب القبور میں امام شعبی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ: ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: میں بدر سے گزر رہا تھا، میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ زمین سے نکلتا ہے تو دُوسرا آدمی اس کو ہتھوڑے سے مارتا ہے، یہاں تک کہ وہ زمین میں غائب ہوجاتا ہے، وہ پھر نکلتا ہے تو دُوسرا اس کے ساتھ یہی کرتا ہے، یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ابوجہل بن ہشام ہے! اسے قیامت تک یہی عذاب ہوتا رہے گا۔"

(۹) "(وذکر) من حدیث حماد بن سلمة عن عمرو بن دینار، عن سالم بن عبدالله عن ابیه، قال: بینما انا اسیر بین مکة والمدینة علی راحلة وانا محقب اداوة اذ مررت بمقبرة فاذا رجل خارج من قبره یلتهب نارا وفی عنقه سلسلة یجرها، فقال: "یا عبدالله! انضح، یا عبدالله! انضح۔" فوالله! ما ادری اعرفنی باسمی ام کما تدعوا الناس؟ قال: فخرج آخر فقال: "یا عبدالله! لا تنضح، یا عبدالله! لا تنضح۔" ثم اجتذب السلسلة فاعاده فی قبره" (کتاب الروح ص ۹۴)

ترجمہ: "اور ابن ابی الدنیا نے حماد بن سلمہ کی روایت سے، انہوں نے عمرو بن دینار سے، انہوں سے سالم بن عبداللہ سے، انہوں نے اپنے والد عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ: انہوں نے فرمایا کہ: دریں اثنا کہ میں مکہ اور مدینہ کے درمیان اُونٹنی پر سوار ہوکر جارہا تھا، میری سواری پر پانی کا مشکیزہ بھی تھا، ایک قبرستان سے گزرا تو دیکھا کہ ایک شخص اپنی قبر سے نکل رہا ہے، جس پر آگ بھڑک رہی ہے اور اس کی گردن میں زنجیر ہے، جس کو وہ گھسیٹ رہا ہے، اس نے مجھے پکار کر کہا کہ: "اے عبداللہ! پانی دو، اے عبداللہ! پانی دو" پس اللہ کی قسم! مجھے

نہیں معلوم کہ وہ میرے نام کو جانتا تھا یا جس طرح لوگ کسی کو بندۂ خدا کہہ کر پکارتے ہیں اسی طرح اس نے مجھے بھی پکارا، پھر اس کے پیچھے ایک اور شخص نکلا، اس نے مجھے پکار کر کہا کہ: ''اے عبداللہ! اس کو پانی نہ دینا، اے عبداللہ! اس کو پانی نہ دینا'' پھر وہ پہلے شخص کی زنجیر کھینچ کر اسے دوبارہ قبر میں لے گیا۔''

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے ''کتاب الروح'' میں اس نوعیت کے مزید اٹھارہ واقعات نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: ''وھذہ الاخبار واضعافھا واضعاف اضعافھا مما لا یتسع لھا الکتاب مما اراہ اللہ سبحانہ وتعالٰی لبعض عبادہ من عذاب القبر ونعیمہ عیانًا، واما رؤیۃ المنام فلو ذکرناھا لجائت عدۃ اسفار'' (کتاب الروح ص۹۹)

ترجمہ: ''یہ واقعات اور اس سے دوگنے چوگنے واقعات، جو اس کتاب میں نہیں سما سکتے، ایسے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے بعض بندوں کو قبر کے عذاب وثواب کا مشاہدہ کرادیا، جہاں تک خواب کے واقعات کا تعلق ہے، اگر ہم انہیں ذکر کرنے بیٹھیں تو ان کے لئے کئی دفتر چاہئیں۔''

قبر میں پیش آنے والے حالات وواقعات

احادیث شریفہ میں ان حالات وواقعات کو بڑی تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے، جو میّت کو قبر میں پیش آتے ہیں، ان میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حالات اسی قبر میں پیش آتے ہیں، اور یہ کہ ان حالات کا تعلق میّت کے جسم سے بھی ہے، یہاں چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں، ان کے بعد قبر میں پیش آنے والے حالات کا ایک خاکہ پیش کیا جائے گا۔

(۱) ''عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: ان العبد اذا وضع فی قبرہ، وتولّٰی عنہ اصحابہ، انہ لیسمع قرع نعالھم، اذا انصرفوا، اتاہ ملکان، فیقعدانہ فیقولان لہ: ما کنت تقول فی ھذا الرجل، لمحمد؟ فاما المؤمن فیقول: اشھد انہ عبداللہ ورسولہ! فیقال لہ: انظر الی مقعدک من النار، ابدلک اللہ بہ مقعدًا من الجنۃ! قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: فیراھما جمیعًا۔ قال قتادۃ: وذکر لنا انہ یفسح لہ فی قبرہ۔ ثم رجع الٰی حدیث انس، قال: واما المنافق، او الکافر - وفی روایۃ - واما الکافر والمنافق فیقول: لا ادری! کنت اقول مایقول الناس۔ فیقال: لا دریت ولا تلیت، ثم یضرب بمطرقۃ من حدید ضربۃ بین اذنیہ فیصیح صیحۃ یسمعھا من یلیہ الا الثقلین!''

(بخاری ج۱ ص۱۷۸، ۱۸۳، واللفظ لہ، مسلم ج۲ ص۳۸۶، ابوداؤد ج۲ ص۶۵۴، نسائی ج۱ ص۲۸۸، شرح السنہ ج۵ ص۴۱۵)

ترجمہ: ''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: بندے کو جب اس کی قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کو دفن کرنے والے اس کے دفن سے فارغ ہوکر لوٹتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے، تب اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، اس کو بٹھاتے ہیں پھر اس سے کہتے ہیں کہ تو اس شخص یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں کیا کہتا تھا؟ پس اگر مردہ مؤمن ہو تو کہتا ہے کہ: میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں! پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ: اپنے دوزخ کے ٹھکانے کی طرف دیکھ! اللہ تعالیٰ نے تجھے اس کے بدلے میں جنت کا ٹھکانا عطا فرمایا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: پس وہ جنت اور دوزخ دونوں میں اپنے ٹھکانوں کو دیکھتا ہے۔ قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: ہم سے یہ ذکر کیا گیا کہ پھر اس کی قبر کشادہ کردی جاتی ہے۔

لیکن کافر اور منافق، وہ فرشتوں کے سوال کے جواب میں کہتا ہے کہ: میں نہیں جانتا (کہ یہ کون ہیں؟) میں تو ان کے بارے میں وہی بات کہتا تھا جو دُوسرے (کافر) لوگ کہتے تھے! پس اس سے کہا جاتا ہے کہ: نہ تو نے خود جانا اور نہ کسی جاننے والے کے پیچھے چلا! پھر لوہے کے ہتھوڑے سے اس کے کانوں کے درمیان مارا جاتا ہے، جس سے وہ ایسا چلاتا ہے کہ جن و انس کے علاوہ قریب کی ساری مخلوق سنتی ہے۔"

(۲) "عن سمرة بن جندب رضی اللہ عنہ انه قال: كان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی صلٰوةً اقبل علينا بوجهه فقال: من رأى منكم الليلة رؤيا؟ قال: فان رأى احد قصها، فيقول: ما شاء الله! فسألنا يوم فقال: هل رأى منكم احد رؤيا؟ قلنا: لا! قال: لٰكني رأيت الليلة رجلين اتياني فاخذا بيدي واخرجاني الٰى ارض مقدسة، فاذا رجل جالس ورجل قائم بيده كلوب من حديد، يدخله في شدقه فشقه حتٰى يبلغ قفاه، ثم يفعل بشدقه الآخر مثل ذالك ويلتئم شدقه هذا، فيعود فيصنع مثله، قلت: ما هذا؟ قالا: انطلق! فانطلقنا حتٰى اتينا علٰى رجل مضطجع علٰى قفاه، ورجل قائم علٰى رأسه بفهر، او صخرة، فيشدخ بها رأسه، فاذا ضربه تدهده الحجر، فانطلق اليه ليأخذه فلا يرجع الٰى هذا حتٰى يلتئم رأسه وعاد رأسه كما هو، فعاد اليه فضربه۔ قلت: ما هذا؟ قالا: انطلق! فانطلقنا الٰى نقب مثل التنور، اعلاه ضيق واسفله واسع تتوقد تحته النار، فاذا اقترب ارتفعوا حتٰى يكادوا يخرجون، فاذا خمدت رجعوا فيها (وفيها) رجال ونساء عراة فقلت: ما هذا؟ قالا: انطلق! فانطلقنا حتٰى اتينا علٰى نهر من دم فيه رجل قائم، وعلٰى وسط النهر رجل بين يديه حجارة، فاقبل الرجل الذى في النهر، فاذا اراد ان يخرج رماه الرجل بحجر في فيه فرده حيث كان، فجعل كلما جاء ليخرج رمى في فيه بحجر فيرجع كما كان، فقلت: ما هذا؟ فقلت: قد طوفتماني الليلة فاخبراني عما رأيت! قالا: نعم! اما الذى رأيته يشق شدقه فكذاب يحدث بالكذبة فتحمل عنه حتٰى تبلغ الآفاق، فيصنع به ما ترى الٰى يوم القيامة، والذى رأيته يشدخ رأسه فرجل علمه الله القرآن فنام عنه بالليل ولم يعمل فيه بالنهار، يفعل به الٰى يوم القيامة، والذى رأيته في النقب فهم الزناة، والذى رأيته في النهر آكل الربا۔" الحديث!

(صحیح بخاری ج۱ ص۱۸۵، ج۲ ص۱۰۴۳، واللفظ لہ، ترمذی ج۲ ص۵۳۔ یہی روایت حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، ملاحظہ ہو: موارد الظمآن ص۴۴۵، مجمع الزوائد ج۱ ص۷۶، کنز العمال ج۱۴ ص۵۳۷، ۵۳۸، مستدرک حاکم ج۲ ص۲۱۰)

ترجمہ: "جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ فجر کی نماز پڑھ کر اپنے یار و اصحاب کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کرتے تھے کہ: تم میں سے رات کو کسی نے کوئی خواب تو نہیں دیکھا؟ اگر کوئی دیکھتا تو عرض کردیا کرتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ تعبیر ارشاد فرمادیا کرتے تھے۔ عادت کے موافق ایک بار سب سے پوچھا کہ: کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ سب نے عرض کیا: کوئی نہیں دیکھا! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میں نے آج رات ایک خواب دیکھا ہے کہ دو شخص میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھ کو ایک زمینِ مقدس کی طرف لے چلے، دیکھتا کیا ہوں کہ ایک شخص بیٹھا ہوا ہے اور دُوسرا کھڑا ہوا ہے، اور اس کے ہاتھ میں لوہے کا زنبور ہے، اس بیٹھے ہوئے کے کلے کو اس سے چیر رہا ہے، یہاں تک کہ گدی تک جا پہنچتا ہے، پھر دُوسرے کلے کے ساتھ بھی یہی معاملہ کر رہا ہے، اور پھر وہ کلا اس کا درست ہوجاتا ہے، پھر اس کے ساتھ ایسا ہی کرتا ہے۔ میں نے پوچھا: یہ کیا بات ہے؟ وہ دونوں شخص بولے: آگے

چلو! ہم آگے چلے یہاں تک کہ ایک ایسے شخص پر گزر ہوا جو کہ لیٹا ہوا ہے، سر پر ایک شخص ہاتھ میں بڑا بھاری پتھر لئے کھڑا ہے، اس سے اس کا سر نہایت زور سے پھوڑتا ہے، جب وہ پتھر اس کے سر پر دے مارتا ہے، پتھر لڑھک کر دور جا گرتا ہے، جب وہ اس کے اُٹھانے کے لئے جاتا ہے تو اب تک لوٹ کر اس کے پاس نہیں آنے پاتا کہ اس کا سر پھر اچھا خاصا جیسا تھا ویسا ہی ہوجاتا ہے، اور وہ پھر اس کو اسی طرح پھوڑتا ہے۔ میں نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ وہ دونوں بولے: آگے چلو! ہم آگے چلے، یہاں تک کہ ہم ایک غار پر پہنچے جو مثل تنور کے تھا، نیچے سے فراخ تھا اور اُوپر سے تنگ، اس میں آگ جل رہی تھی، اور اس میں بہت سے ننگے مرد اور عورت بھرے ہوئے ہیں، جس وقت وہ آگ اُوپر کو اُٹھتی ہے اس کے ساتھ وہ سب اُٹھ آتے ہیں، یہاں تک کہ قریب نکلنے کے ہوجاتے ہیں، پھر جس وقت بیٹھتی ہے وہ بھی نیچے چلے جاتے ہیں۔ میں نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ وہ دونوں بولے: آگے چلو! ہم آگے چلے، یہاں تک کہ ایک خون کی نہر پر پہنچے، اس کے بیچ میں ایک شخص کھڑا ہے، اور نہر کے کنارے پر ایک شخص کھڑا ہے اور اس کے سامنے بہت سے پتھر پڑے ہیں، وہ نہر کے اندر والا شخص نہر کے کنارہ کی طرف آتا ہے، جس وقت نکلنا چاہتا ہے کنارہ والا شخص اس کے منہ پر ایک پتھر اس زور سے مارتا ہے کہ وہ پھر اپنی پہلی جگہ پر جا پہنچتا ہے۔ پھر جب کبھی وہ نکلنا چاہتا ہے تو اسی طرح وہ پتھر مار کر اس کو ہٹا دیتا ہے۔ میں نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ میں نے ان دونوں شخصوں سے کہا کہ: تم نے مجھ کو تمام رات پھرایا، اب بتاؤ کہ یہ سب کیا اسرار تھے؟ انہوں نے کہا کہ: وہ شخص جو تم نے دیکھا تھا کہ اس کے کلے چیرے جاتے تھے، وہ شخص جھوٹا ہے کہ جھوٹی باتیں کہا کرتا تھا اور وہ باتیں تمام جہان میں مشہور ہوجاتی تھیں، اس کے ساتھ قیامت تک یوں ہی کرتے ہیں۔ اور جس کا سر پھوڑتے ہوئے دیکھا، وہ وہ شخص ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو علمِ قرآن دیا، رات کو اس سے غافل ہوکر سورہا اور دن کو اس پر عمل نہ کیا، قیامت تک اس کے ساتھ یہی معاملہ ہوگا۔ اور جن کو تم نے آگ کے غار میں دیکھا وہ زنا کرنے والے لوگ ہیں۔ اور جس کو خون کی نہر میں دیکھا وہ سود کھانے والا ہے۔" (بہشتی زیور حصہ اوّل سچی کہانیاں حکایت نمبر ۴)

(۳) "عن البراء بن عازب رضی اللہ عنہ قال: خرجنا مع رسول الله ﷺ فی جنازة رجل من الانصار فانتهینا الی القبر ولما یلحد بعد، فجلس رسول الله ﷺ وجلسنا حوله کأنما علٰی رؤوسنا الطیر، وبیده عود ینکت به فی الارض، فرفع رأسه فقال: تعوذوا بالله من عذاب القبر! مرتین او ثلاثًا۔

زاد فی روایة: وقال: ان المیت لیسمع خفق نعالهم اذا ولوا مدبرین، حین یقال له: یا هٰذا! من ربک؟ وما دینک؟ ومن نبیک؟

وفی روایة: ویأتیه ملکان، فیجلسانه، فیقولان له: من ربک؟ فیقول: ربی الله! فیقولان له: ما دینک؟ فیقول: دینی الاسلام! فیقولان له: ما هٰذا الرجل الذی بعث فیکم؟ فیقول: هو رسول الله! فیقولان له: وما یدریک؟ فیقول: قرأت کتاب الله، وامنت به، وصدقت!

زاد فی روایة: فذٰلک قوله: "یثبت الله الذین امنوا بالقول الثابت فی الحیٰوة الدنیا وفی الأخرة" ثم اتفقا۔ فینادی منادٍ من السماء: ان صدق عبدی، فأفرشوه من الجنة، والبسوه من الجنة وافتحوا له بابًا من الجنة! فیأتیه من روحها وطیبها، ویفسح له فی قبره مد بصره۔

وان الکافر...... فذکر موته، قال: فتعاد روحه فی جسده، ویأتیه ملکان، فیجلسانه، فیقولان له: من ربک؟ فیقول: هاه! هاه! لا ادری! فیقولان له: ما دینک؟ فیقول: هاه! هاه! لا ادری! فیقولان له: ما هذا الرجل الذی بعث فیکم؟ فیقول: هاه! هاه! لا ادری! فینادی مناد من السماء: ان کذب، فأفرشوه من النار، والبسوه من النار، وافتحوا له بابا الی النار! فیأتیه من حرها وسمومها، ویضیق علیه قبره حتی تختلف فیه اضلاعه۔

زاد فی روایة: ثم یقیض له اعمٰی، ابکم، معه مرزبة من حدید، لو ضرب بها جبل لصار ترابا، فیضربه بها ضربة یسمعها من بین المشرق والمغرب الا الثقلین، فیصیر ترابا ثم تعاد فیه الروح''

(جامع الاصول ج۱۱ ص۱۷۷، ابوداؤد ج۲ ص۶۵۴، مصنف عبدالرزاق ج۳ ص۵۸۱، مسند احمد ج۴ ص۲۹۶)

ترجمہ: ''حضرت براء بن عازب ﷛ سے روایت ہے کہ ہم ایک انصاری کے جنازے میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے، قبر پر پہنچے تو ابھی لحد تیار نہیں ہوئی تھی، اس لئے رسول اللہ ﷺ بیٹھ گئے، اور ہم بھی آپ ﷺ کے گرد بیٹھ گئے، گویا ہمارے سروں پر پرندے تھے، آنحضرت ﷺ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس کے ساتھ زمین کرید رہے تھے (جیسا کہ گہری سوچ میں آدمی ایسا کیا کرتا ہے)، پھر سر مبارک کو اُوپر اُٹھا کر فرمایا کہ: عذابِ قبر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو! دو مرتبہ یا تین مرتبہ فرمایا، پھر فرمایا کہ: جب لوگ میت کو دفن کرکے لوٹتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے، اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، اس کو بٹھاتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ: تیرا ربّ کون ہے؟ وہ کہتا ہے کہ: میرا ربّ اللہ ہے! وہ کہتے ہیں کہ: تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ: میرا دین اسلام ہے! وہ کہتے ہیں کہ: یہ آدمی کون تھا جو تم میں بھیجا گیا تھا؟ وہ کہتا ہے کہ: وہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں! فرشتے کہتے کہ: تجھے کیسے معلوم ہوا؟ وہ کہتا ہے کہ: میں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھی ہے، میں اس پر ایمان لایا، اور میں نے آنحضرت ﷺ کی تصدیق کی!

حق تعالیٰ شانہ کے ارشاد: ''یُثَبِّتُ اللهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ'' (ابراہیم: ۲۷) (اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس پکی بات (یعنی کلمہ طیبہ کی برکت) سے دُنیا اور آخرت میں مضبوط رکھتا ہے) میں جس تثبیت کا ذکر ہے اس سے مردے کا نکیرین کے سوال و جواب میں ثابت قدم رہنا مراد ہے۔

پھر ایک منادی آسمان سے آواز دیتا ہے کہ: میرے بندے نے سچ کہا! اس کے لئے جنت سے فرش بچھاؤ، اس کو جنت کا لباس پہناؤ، اور اس کے لئے جنت کی طرف دروازہ کھول دو! چنانچہ (اس کے لئے جنت کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے، پس) اس کو جنت کی ہوا اور خوشبو آتی ہے، اور حدِ نظر اس کی قبر کشادہ کردی جاتی ہے۔

پھر آپ ﷺ نے کافر کی موت کا ذکر کرنے کے بعد اس کی قبر کے حالات کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ: اس کی رُوح اس کے بدن میں لوٹادی جاتی ہے، اور دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں، وہ اس کو بٹھاتے ہیں، پھر اس سے کہتے ہیں کہ تیرا ربّ کون ہے؟ وہ کہتا ہے: ہاہ! ہاہ! میں نہیں جانتا! وہ کہتے ہیں کہ: تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے: ہاہ! ہاہ! میں نہیں جانتا! وہ کہتے ہیں کہ: یہ کون آدمی تھا جو تم میں بھیجا گیا؟ وہ کہتا ہے: ہاہ! ہاہ! میں نہیں جانتا! پس آسمان سے ایک منادی آواز دیتا ہے کہ: یہ جھوٹ بولتا ہے! اس کے لئے آگ کا فرش بچھاؤ، اس کو آگ کا لباس پہناؤ، اور اس کے لئے دوزخ کی طرف دروازہ کھول دو! چنانچہ دوزخ کی طرف دروازہ کھول دیا جاتا ہے، پس اس کو دوزخ کی گرمی اور اس

کی لپٹ پہنچتی ہے، اور اس کی قبر تنگ ہوجاتی ہے یہاں تک کہ پسلیاں ایک دُوسری میں نکل جاتی ہیں۔ نعوذ باللہ! پھر اس پر ایک اندھا بہرا فرشتہ مقرر کردیا جاتا ہے، جس کے ہاتھ میں لوہے کا گرز ہوتا ہے، اگر وہ گرز پہاڑ پر ماردیا جائے تو وہ مٹی ہوجائے، وہ کافر مردے کو اس گرز سے ایسی مار مارتا ہے جس کو جنوں اور انسانوں کے سوا مشرق و مغرب کے درمیان کے سارے حیوان سنتے ہیں، وہ گرز لگنے سے مٹی ہوجاتا ہے، پھر اس میں دوبارہ رُوح لوٹائی جاتی ہے۔"

(۴) "عن ابی هریرة رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: ان المیت یسمع خفق نعالهم اذا ولوا مدبرین، فان کان مؤمنا کانت الصلٰوة عند رأسه، وکان الصوم عن یمینه، وکانت الزکٰوة عن یساره، وکان فعل الخیرات من الصدقة والصلٰوة والصلة والمعروف والاحسان الی الناس عند رجلیه، فیؤتی من قبل رأسه فتقول الصلٰوة: ما قبلی مدخل! ویؤتی من عن یمینه فیقول الصوم: ما قبلی مدخل! ویؤتی من عن یساره فتقول الزکٰوة: ما قبلی مدخل! ویؤتی من قبل رجلیه فیقول فعل الخیرات: ما قبلی مدخل! فیقال له: اقعد! فیقعد، وتمثل له الشمس قد دنت للغروب فیقال له: ما تقول فی هٰذا الرجل الذی کان فیکم؟ وما تشهد به؟ فیقول: دعونی اصلی! فیقولون: انک ستفعل، ولٰکن اخبرنا عما نسألک عنه! قال: وعم تسألونی عنه؟ فیقولون: اخبرنا عما نسألک عنه! فیقول: دعونی اصلی! فیقولون: انک ستفعل، ولٰکن اخبرنا عما نسألک عنه! قال: وعم تسألونی؟ فیقولون: اخبرنا ماتقول فی هٰذا الرجل الذی کان فیکم؟ وماتشهد به علیه؟ فیقول: محمدًا (صلی الله علیه وسلم) اشهد انه عبدالله وانه جاء بالحق من عند الله! فیقال له: علٰی ذالک حییت، وعلٰی ذالک مت، وعلٰی ذالک تبعث ان شاء الله! ثم یفتح له باب من قبل النار، فیقال له: انظر الٰی منزلک والٰی ما اعد الله لک لو عصیت! فیزداد غبطة وسرورًا، ثم یفتح له باب من قبل الجنة، فیقال له: انظر الٰی منزلک والٰی ما اعد الله لک! فیزداد غبطة وسرورًا، وذالک قول الله تبارک وتعالٰی: "یثبت الله الذین اٰمنوا بالقول الثابت فی الحیٰوة الدنیا وفی الاٰخرة ویضل الله الظالمین ویفعل الله ما یشاء۔" قال: وقال ابو الحکم عن ابی هریرة فیقال له: ارقد رقدة العروس الذی لا یوقظ الا اعز اهله الیه او احب اهله الیه! ثم رجع الٰی حدیث ابی سلمة عن ابی هریرة قال: وان کان کافرًا اتی من قبل رأسه، فلا یوجد شیء، ویؤتی عن یمینه، فلا یوجد شیء، ثم یؤتی عن یساره، فلا یوجد شیء، ثم یؤتی من قبل رجلیه فلا یوجد شیء، فیقال له: اقعد! فیقعد خائفًا مرعوبًا، فیقال له: ما تقول فی هٰذا الرجل الذی کان فیکم؟ وماذا تشهد به علیه؟ فیقول: ای رجل؟ فیقولون: الرجل الذی کان فیکم! قال: فلا یهتدی له۔ قال: فیقولون: محمد! فیقول: سمعت الناس قالوا، فقلت کما قالوا! فیقولون: علٰی ذالک حییت، وعلٰی ذالک مت، وعلٰی ذالک تبعث ان شاء الله! ثم یفتح له باب من قبل الجنة فیقال له: انظر الٰی منزلک والٰی ما اعد الله لک لو کنت اطعته! فیزداد حسرة وثبورًا۔ قال: ثم یضیق علیه قبره حتٰی تختلف اضلاعه۔ قال: وذالک قوله تبارک وتعالٰی: فان له معیشة ضنکا ونحشره یوم القیامة اعمٰی"

(مستدرک حاکم ج:۱ ص:۳۷۹-۳۸۱ واللفظ لہ، ابن حبان ج:۶ ص:۶۵، موارد الظمآن ص:۱۹۷، ۱۹۸، ابن ماجہ ص:۳۱۵، ترمذی ج:۱ ص:۱۲۷)

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جب لوگ مردے کو دفنا کر واپس لوٹتے ہیں تو مردہ ان کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے، پھر اگر مردہ مؤمن ہو تو نماز اس کے سر کی طرف ہوتی ہے، روزہ دائیں طرف ہوتا ہے، زکوٰۃ بائیں جانب ہوتی ہے، اور دُوسری نفلی عبادتیں مثلاً: صدقہ، نفل نماز،

صلہ رحمی، لوگوں کے ساتھ بھلائی اور حسن سلوک کرنا، اس کی پائنتی کی طرف ہوتے ہیں، اگر کوئی اس کے سر کی طرف آنا چاہے تو نماز کہتی ہے کہ: ادھر راستہ نہیں! اور اگر دائیں جانب سے آنا چاہے تو روزہ کہتا ہے کہ: ادھر سے کوئی راستہ نہیں! اور اگر بائیں جانب سے آنا چاہے تو زکوٰۃ کہتی ہے: ادھر سے کوئی راستہ نہیں! اور پاؤں کی طرف سے آنا چاہے تو نفلی عبادتیں کہتی ہیں کہ: ادھر سے کوئی راستہ نہیں!

پھر فرشتے (منکر ونکیر) اس کو کہتے ہیں کہ: اُٹھ کر بیٹھ! وہ بیٹھ جاتا ہے، تو اس کو ایسا لگتا ہے گویا سورج غروب ہونے کے قریب ہے، فرشتے اس سے کہتے ہیں: تو اس شخص کے بارے میں کیا کہتا ہے جو تم میں تھا؟ اور تو اس کے بارے میں کیا گواہی دیتا ہے؟ مردہ کہتا ہے: ٹھہرو! میں ذرا نماز پڑھ لوں! فرشتے کہتے ہیں کہ: نماز خیر تم پڑھتے رہنا، ہم جو کچھ پوچھتے ہیں اس کا جواب دے! وہ کہتا ہے: تم مجھ سے کیا پوچھتے ہو؟ وہ کہتے ہیں: یہی جو ہم نے سوال کیا ہے، اس کا جواب دو! وہ کہتا ہے: ذرا ٹھہرو! میں نماز پڑھ لوں! وہ کہتے ہیں: یہ تو خیر تم کرتے رہو گے، ہم تجھ سے جو کچھ پوچھتے ہیں وہ ہمیں بتاؤ! وہ کہتا ہے: اور تم مجھ سے پوچھتے کیا ہو؟ وہ کہتے ہیں: ہمیں یہ بتا کہ یہ شخص جو تم میں تھا، اس کے بارے میں تو کیا کہتا ہے؟ اور کیا شہادت دیتا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ: تمہاری مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے؟ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کے پاس سے حق اور سچا دین لے کر آئے! پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ: تو اسی عقیدے پر جیا، اسی پر مرا، اور اِن شاء اللہ اسی پر اُٹھایا جائے گا! پھر اس کے لئے دوزخ کی طرف دروازہ کھول کر بتایا جاتا ہے کہ: دیکھ! اگر تو نافرمان ہوتا تو دوزخ میں تیرا یہ ٹھکانا تھا، اور اللہ تعالیٰ نے تیری سزا کے لئے یہ سامان تیار کر رکھا تھا! اس سے اس کی مسرت اور شادمانی میں اضافہ ہوجاتا ہے، پھر اس کے لئے جنت کی طرف دروازہ کھول کر بتایا جاتا ہے کہ: دیکھ! اب جنت میں یہ تیرا گھر ہے، اور اللہ تعالیٰ نے تیری راحت کا یہ سامان تیار کر رکھا ہے! اور حق تعالیٰ شانہ کے مندرجہ ذیل ارشاد کا یہی مطلب ہے: ''یُثَبِّتُ اللهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ'' (ابراہیم:۲۷)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس پکی بات (یعنی کلمہ طیبہ کی برکت) سے دُنیا اور آخرت میں مضبوط رکھتا ہے۔'' (ترجمہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ)

پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ سو جاؤ! جیسے دلہن سو جاتی ہے کہ اس کی محبوب ترین شخصیت کے سوا کوئی نہیں جگا سکتا۔

اگر مردہ کافر ہو تو اگر اس کے سر کی طرف سے آنا چاہیں تو کوئی روکنے والا نہیں، دائیں طرف سے آنا چاہیں تو وہاں بھی کوئی موجود نہیں، بائیں طرف سے آنا چاہیں تو ادھر بھی کوئی چیز موجود نہیں، اور اگر پائنتی کی طرف سے آنا چاہیں تو اس جانب بھی کوئی روکنے والی چیز موجود نہیں، چنانچہ فرشتے اس کو کہتے ہیں: بیٹھ جا! وہ خوفزدہ اور مرعوب ہو کر بیٹھ جاتا ہے، فرشتے کہتے ہیں: یہ شخص کون تھا جو تم میں موجود تھا؟ اور تو اس کے بارے میں کیا گواہی دیتا ہے؟ وہ کہتا ہے: کون سا آدمی؟ فرشتے کہتے ہیں کہ: یہی شخص جو تم میں تھا! لیکن وہ نہیں سمجھتا کہ کس آدمی کے بارے میں پوچھ رہے ہیں؟ پھر فرشتے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ نامی لے کر) کہتے ہیں کہ: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں کیا کہتے ہو؟) وہ کہتا ہے کہ: میں نے لوگوں کو ان کے بارے میں ایک بات کہتے ہوئے سنا تو میں نے بھی وہی بات کی (کہ نعوذ باللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچے نہیں!)، فرشتے کہتے ہیں کہ: تو اسی عقیدے پر جیا، اسی پر مرا، اور اِن شاء اللہ اسی پر اُٹھایا جائے گا! پھر اس کے لئے جنت کی طرف دروازہ کھول کر اس سے کہا جاتا ہے کہ: دیکھ! اگر تو فرماں بردار ہوتا تو تیری

یہ جگہ تھی، اور اللہ تعالیٰ نے تیری راحت کا یہ سامان تیار کر رکھا تھا! پس اس کی حسرت و ہلاکت میں اضافہ ہوجاتا ہے، پھر اس کی قبر تنگ کردی جاتی ہے، یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ایک دُوسری میں سے نکل جاتی ہیں۔ اور یہی مطلب ہے حق تعالیٰ شانہ کے اس ارشاد کا: ''فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ'' (طٰہٰ:۱۲۴)

ترجمہ: ''اور جو شخص میری اس نصیحت سے اعراض کرے گا، تو اس کے لئے تنگی کا جینا ہوگا، اور قیامت کے روز ہم اس کو اندھا کرکے (قبر سے) اُٹھائیں گے۔'' (ترجمہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

(۵) ''عن ابی سعید قال: دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مصلاہ فرأی ناسا کأنھم یکتشرون، قال: اما انکم لو اکثرتم ذکر ھاذم اللذات لشغلکم عما اری، فأکثروا من ذکر ھاذم اللذات الموت! فانہ لم یأت علی القبر یوم الا تکلم فیہ، فیقول: انا بیت الغربۃ! انا بیت الوحدۃ! وانا بیت التراب! وانا بیت الدود! فاذا دفن العبد المؤمن قال لہ القبر: مرحبا واھلا! اما ان کنت لاحب من یمشی علٰی ظھری الٰی فاذ ولیتک الیوم وصرت الٰی فستری صنیعی بک! قال: فیتسع لہ مد بصرہ، ویفتح لہ باب الی الجنۃ۔ واذا دفن العبد الفاجر او الکافر قال لہ القبر: لا مرحبا ولا اھلا! اما ان کنت لابغض من یمشی علٰی ظھری الی فاذ ولیتک الیوم وصرت الی، فستری صنیعی بک! قال: فیلتئم علیہ حتی تلتقی علیہ وتختلف اضلاعہ! قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بأصابعہ فأدخل بعضھا فی جوف بعض۔ قال: یقیض اللہ لہ سبعین تنینا لو ان واحدا منھا نفخ فی الارض ما انبتت شیئا ما بقیت الدنیا فینھشنہ ویخدشنہ حتٰی یفضی بہ الحساب۔ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: انما القبر روضۃ من ریاض الجنۃ، او حفرۃ من حفر النار! قال ابوعیسٰی: ھذا حدیث حسن غریب لا نعرفہ الا من ھذا الوجہ'' (جامع ترمذی ج۲ ص۶۹)

ترجمہ: ''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مصلیٰ پر تشریف لائے تو دیکھا کہ کچھ لوگ ہنس رہے ہیں، یہ دیکھ کر فرمایا کہ: سنو! اگر تم لذتوں کو چور چور کرنے والی چیز کو کثرت سے یاد کرتے تو وہ تم کو اس حالت سے مشغول کردیتی جو میں دیکھ رہا ہوں، پس لذتوں کو توڑنے والی چیز یعنی موت کو کثرت سے یاد کیا کرو، کیونکہ قبر پر کوئی دن نہیں گزرتا ہے جس میں یہ بات نہ کہتی ہو کہ میں بے وطنی کا گھر ہوں، میں تنہائی کا گھر ہوں، میں مٹی کا گھر ہوں، میں کیڑوں کا گھر ہوں، پھر جب بندۂ مؤمن اس میں دفن کیا جاتا ہے تو قبر اس کو خوش آمدید کہنے کے بعد کہتی ہے کہ: میرے پشت پر جتنے لوگ چلتے تھے تو ان میں مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا، آج جبکہ تو میرے سپرد کیا گیا ہے اور مجھ تک پہنچا ہے تو تو دیکھ لے گا کہ میں تجھ سے کیسا اچھا برتاؤ کرتی ہوں، چنانچہ وہ اس کے لئے حدِ نظر تک کشادہ ہوجاتی ہے، اور اس کے لئے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔

اور جب بدکار یا (فرمایا کہ) کافر دفن کیا جاتا ہے تو قبر کہتی ہے کہ: تیرا آنا نامبارک ہے، میری پشت پر جتنے لوگ چلتے پھرتے تھے تو ان میں مجھے سب سے زیادہ مبغوض تھا، آج جبکہ تو میرے حوالے کیا گیا ہے، اور میرے پاس پہنچا ہے تو دیکھ لے گا کہ میں تجھ سے کیسا برا سلوک کرتی ہوں، پس قبر اس پر مل جاتی ہے یہاں تک کہ اس کو اس قدر بھینچ دیتی ہے کہ اِدھر کی ہڈیاں اُدھر نکل جاتی ہیں، (اس کو سمجھانے کے لئے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھوں کی انگلیاں ایک دُوسری میں ڈالیں۔ فرمایا: اور اس پر ستر زہریلے سانپ مسلط کردیئے جاتے ہیں، (یہ سانپ اس قدر زہریلے ہیں کہ) اگر ان میں سے ایک زمین پر پھونک مارے تو رہتی دُنیا تک زمین پر کوئی سبزہ نہ اُگے، پس وہ

سانپ اسے ہمیشہ نوچتے اور کاٹتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ اسے قیامت کے دن حساب کے لئے پیش کیا جائے گا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے، یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا!''

مندرجہ بالا چند احادیث بطورِ نمونہ ذکر کی ہیں، ان میں جو مضامین ذکر فرمائے گئے ہیں، ان کا خلاصہ درج ذیل عنوانات کے تحت پیش کیا جاتا ہے:

میت کا دفن کرنے والے کے جوتوں کی آہٹ سننا

یہ مضمون درج ذیل احادیث میں آیا ہے:

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث پہلے گزر چکی ہے، جس میں یہ الفاظ ہیں: ''قال: العبد اذا وضع فی قبرہ وتولی وذھب اصحابہ حتی انہ لیسمع قرع نعالھم'' (بخاری ج۱ ص۱۷۸، ۱۸۳، مسلم ج۲ ص۳۸۶، ابوداؤد ج۲ ص۶۵۴، نسائی ج۱ ص۲۸۸، شرح السنۃ ج۵ ص۴۱۵، ابن حبان ج۶ ص۴۹)

ترجمہ: ''مردہ جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کو دفن کرنے والے واپس لوٹتے ہیں، یہاں تک کہ وہ ان کے قدموں کی آہٹ سنتا ہے۔''

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''قال: فیجلس۔ قال ابو ھریرۃ: فانہ یسمع قرع نعالھم'' (عبدالرزاق ج۳ ص۵۶۷)

ترجمہ: ''اسے بٹھایا جاتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: پھر وہ (دفن کرکے لوٹنے والوں کے) قدموں کی آہٹ سنتا ہے۔''

(۳) مسندِ احمد کے الفاظ یہ ہیں: ''قال ان المیت لیسمع خفق نعالھم اذا ولوا مدبرین''

(مسندِ احمد ج۲ ص۴۴۵، حاکم ج۱ ص۳۸۰، ۳۷۹، وقال صحیح علی شرط مسلم، واقرہ الذھبی، ابن حبان ج۶ ص۴۵ تا ۴۸، موارد الظمآن ص۱۹۶، ۱۹۷، مجمع الزوائد ج۳ ص۵۲، اتحاف ج۱۰ ص۴۱۹)

ترجمہ: ''جب لوگ مردہ کو دفن کرکے واپس لوٹتے ہیں تو وہ ان کے قدموں کی آہٹ سنتا ہے۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک دُوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''ان المیت یسمع حس النعال اذا ولوا عنہ مدبرین'' (شرح السنۃ ج۵ ص۴۱۳)

ترجمہ: ''بے شک میت جوتوں کی آہستہ سی آہٹ کو بھی سنتا ہے، جب لوگ اسے دفن کرکے واپس لوٹتے ہیں''

(۴) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''فانہ یسمع خفق نعال اصحابہ اذا ولوا عنہ'' (عبدالرزاق ج۳ ص۵۸۱، احمد ج۴ ص۲۹۶، ابوداؤد ج۲ ص۶۵۴)

ترجمہ: ''اور بے شک وہ ان کے قدموں کی چاپ سنتا ہے، جب لوگ اسے دفن کرکے واپس لوٹتے ہیں۔''

(۵) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''اذا دفن المیت سمع خفق نعالھم اذا ولوا مدبرین''

(رواہ الطبرانی فی الکبیر ورجالہ ثقات، مجمع الزوائد ج۳ ص۵۴، کنز العمال ج۱۵ ص۶۰۰، اتحاف ج۱۰ ص۴۱۶، درمنثور ج۴ ص۸۲)

ترجمہ: ''میت کو جب دفن کر کے لوٹتے ہیں تو وہ (میت) ان کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے۔''

(۶) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''حتی یسمع صاحبکم خبط نعالکم''
(مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۵۸۳)

ترجمہ: ''یہاں تک کہ تمہارا ساتھی (میت) تمہارے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے۔''

(۷) عبداللہ بن عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''قال: ان المیت یقعد وھو یسمع خطو مشیعیه'' (اتحاف السادة ج ۱۰ ص ۳۹۷)

ترجمہ: ''میت کو بٹھایا جاتا ہے اور وہ اپنے رُخصت کرنے والوں کے قدموں کی چاپ کو سنتا ہے۔''

منکر نکیر کا آنا

یہ مضمون متواتر احادیث میں وارد ہوا ہے کہ جب میت کو دفن کیا جاتا ہے تو دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں، اس کو بٹھاتے ہیں اور اس سے سوال و جواب کرتے ہیں، ان کے سوال و جواب کو ''فتنۃ القبر'' (قبر میں مردے کا امتحان) فرمایا گیا ہے، حافظ سیوطی رحمہ اللہ، شرح الصدور میں اور علامہ زبیدی رحمہ اللہ، شرح احیاء میں لکھتے ہیں: ''جاننا چاہئے کہ ''فتنۂ قبر'' دو فرشتوں کے سوالوں کا نام ہے، اور اس بارے میں مندرجہ ذیل صحابہ رضی اللہ عنہم سے متواتر احادیث مروی ہیں: ابوہریرہ، براء، تمیم داری، عمر بن خطاب، انس، بشیر بن اکال، ثوبان، جابر بن عبداللہ، حذیفہ، عبادہ بن صامت، ابن عباس، ابن عمر، ابن عمرو، ابن مسعود، عثمان بن عفان، عمرو بن عاص، معاذ بن جبل، ابوامامہ، ابوالدرداء، ابورافع، ابوسعید خدری، ابوقتادہ، ابوموسیٰ، اسماء، عائشہ (رضی اللہ عنہم)'' (شرح الصدور ص ۴۹، اتحاف السادة المتقین ج ۱۰ ص ۴۱۲)

اس کے بعد ان دونوں حضرات نے ان تمام روایات کی تخریج کی ہے، یہاں پہلے ان احادیث کے ماخذ کی طرف اشارہ کرتا ہوں، جن کو ان دونوں حضرات نے ذکر فرمایا ہے، اس کے بعد مزید احادیث کا اضافہ کروں گا، اور جن ماخذ تک ہماری رسائی نہیں وہاں شرح صدور اور شرح احیاء کے حوالہ سے ماخذ ذکر کئے جائیں گے۔

(۱) حدیثِ انس رضی اللہ عنہ پہلے گزر چکی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: ''اتاہ ملکان فاقعداہ فیقولان له...''
(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷۸، ۱۸۳، صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۸۶، ابوداؤد ج ۲ ص ۶۵۴، نسائی ج ۱ ص ۲۸۸)

ترجمہ: ''اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھلاتے ہیں......''

(۲) حدیثِ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، جس کے الفاظ یہ ہیں: ''اذا مات عرض علیه مقعده بالغداۃ والعشی، ان کان من اھل الجنة فمن اھل الجنة، وان کان من اھل النار فمن اھل النار، فیقال: ھذا مقعدک!''
(بخاری ج ۱ ص ۱۸۴، ترمذی ج ۱ ص ۱۲۷، نسائی ج ۱ ص ۲۹۲، ابن ماجہ ص ۳۱۵)

ترجمہ: ''جب آدمی مر جاتا ہے (تو قبر میں سوال و جواب کے بعد) اس کے سامنے اس کا اصل ٹھکانا پیش کیا جاتا ہے، اگر وہ جنتی ہو تو جنت میں اس کا ٹھکانا اسے پیش کیا جاتا ہے، اور اگر دوزخی ہو تو دوزخ میں اس کا ٹھکانا پیش کیا جاتا ہے، پھر اس کو بتایا جاتا ہے کہ: یہ تیرا ٹھکانا ہے!''

اتحاف السادة المتقین شرح احیاء علوم الدین میں دیلمی کی مسند الفردوس سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

''الظوا السنتکم قول لا الٰہ الا اللہ وان محمدًا رسول اللہ، وان اللہ ربنا، والاسلام دیننا، ومحمدًا نبینا، فانکم تسئلون عنھا فی قبورکم'' (اتحاف السادۃ المتقین ج:۱۰ ص:۴۱۶)

ترجمہ: ''اپنی زبانوں کو کلمہ ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کا عادی بناؤ، اور یہ بات بہ کثرت کہا کرو کہ: ''اللہ تعالیٰ ہمارا ربّ ہے، اسلام ہمارا دین ہے، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے نبی ہیں'' کیونکہ تم سے ان اُمور کے بارے میں قبروں میں سوال کیا جاتا ہے۔''

(۳) حدیثِ براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں: ''قال: اذا قعد المؤمن فی قبرہ اتی...''

(صحیح بخاری ج:۱ ص:۱۸۳، صحیح مسلم ج:۲ ص:۳۸۶، نسائی ص:۲۹۰، ابوداؤد ج:۲ ص:۶۵۴، ابن ابی شیبہ ج:۳ ص:۳۷۷)

ترجمہ: ''فرمایا: جب مؤمن کو اس کی قبر میں بٹھایا جاتا ہے، تو اس کے پاس فرشتوں کی آمد ہوتی ہے۔''

(۴) حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''یقال: ما علمک بھٰذا الرجل؟ فاما المؤمن -او الموقن- لا ادری ایھا قالت اسماء، فیقول: ھو محمد رسول اللہ جائنا بالبینات والھدیٰ فاجبناہ واتبعناہ ھو محمد ثلاثا'' (صحیح بخاری ج:۱ ص:۱۸، صحیح مسلم ج:۱ ص:۲۹۸، مؤطا ص:۱۷۶)

ترجمہ: ''میت سے کہا جاتا ہے کہ: تم اس شخص (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں کیا جانتے ہو؟ تو مؤمن جواب دیتا ہے کہ: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ ہیں جو ہمارے پاس واضح اَحکام اور ہدایت لے کر آئے، ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قبول کیا اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کی، تین مرتبہ کہتا ہے کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔''

(۵) حدیثِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پہلے گزر چکی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: ''اذا قبر المیت او قال احدکم اتاہ ملکان اسودان ازرقان یقال لاحدھما المنکر والآخر النکیر''

(ترمذی ج:۱ ص:۱۲۷، ابن ماجہ ص:۳۱۵، مستدرک ج:۱ ص:۳۷۹، ابن حبان ج:۶ ص:۴۵)

ترجمہ: ''جب میت کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، سیاہ رنگ اور نیلی آنکھوں والے، ایک کو منکر اور دُوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے۔''

(۶) حدیثِ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں: ''فاذا دفنتمونی فسنوا علی التراب سنا، ثم اقیموا حول قبری قدر ما تنحر جزور ویقسم لحمھا، حتی استأنس بکم وانظر ماذا اراجع بہ رسل ربی''

(صحیح مسلم ج:۱ ص:۷۶، سنن کبریٰ ج:۴ ص:۵۶)

ترجمہ: ''جب مجھے دفن کرچکو تو مجھ پر مٹی ڈالنا، پھر میری قبر کے گرد اتنی دیر تک کھڑے رہنا کہ اُونٹ کو ذبح کرکے اس کا گوشت تقسیم کیا جائے، تاکہ مجھے تمہاری موجودگی سے اُنس ہو، اور میں یہ دیکھوں کہ اپنے ربّ کے فرستادوں کو کیا جواب دیتا ہوں؟''

(۷) حدیثِ عثمان رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں: ''فقال: استغفروا لاخیکم واسألوا لہ بالتثبیت فانہ الآن یسأل!'' (ابوداؤد ج:۲ ص:۴۵۹، مستدرک حاکم ج:۱ ص:۳۷۰، مشکوٰۃ ص:۲۶، کنز العمال ج:۷ ص:۵۸، سنن کبریٰ ج:۴ ص:۵۶)

ترجمہ: ''فرمایا: اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو اور اس کے لئے ثابت قدمی کی دعا کرو، کیونکہ اب اس سے سوال و جواب ہو رہا ہے۔''

(۸) حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں: ''فاذا ادخل المؤمن قبرہ وتولی عنہ اصحابہ جائہ ملک شدید الانتهار، فیقول: ما کنت تقول فی هذا الرجل؟... الخ''

(مجمع الزوائد ج ۳ ص ۴۸، مسند احمد ج ۳ ص ۳۴۶، مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۵۸۵، الاحسان بترتیب ابن حبان ج ۶ ص ۴۷)

ترجمہ: ''جب مؤمن کو قبر میں داخل کیا جاتا ہے اور اس کو دفن کرنے والے لوٹتے ہیں، تو اس کے پاس فرشتہ آتا ہے، نہایت جھڑکنے والا، وہ کہتا ہے کہ: تو اس شخص کے (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے) بارے میں کیا کہتا ہے؟''

(۹) ''حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ یہ ہیں: ''فاما فتنة القبر! فبی تفتنون وعنی تسألون، فاذا کان الرجل الصالح اجلس فی قبرہ غیر فزع ولا مشعوف، ثم یقال له: فیم کنت؟ فیقول: فی الاسلام!''

(مسند احمد ج ۶ ص ۱۴۰، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۴۸، ۴۹)

ترجمہ: ''رہی قبر کی آزمائش! سو تم سے میرے بارے میں امتحان لیا جاتا ہے اور میرے بارے میں تم سے سوال کیا جاتا ہے، پس جب مردہ نیک آدمی ہو تو اسے قبر میں بٹھایا جاتا ہے، درآں حالیکہ نہ وہ گھبرایا ہوا ہوتا ہے اور نہ حواس باختہ ہوتا ہے، پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ: تو کس دین پر تھا؟ وہ کہتا ہے: اسلام پر!''

(۱۰) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''اذا دخل الرجل قبرہ فان کان من اهل السعادة ثبته اللہ بالقول الثابت، فیسأل: ما انت؟ فیقول: انا عبداللہ حیًا ومیتًا!''

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۷۷، اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ ص ۴۱۶، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۵۴)

ترجمہ: ''جب آدمی کو قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو اگر اہل سعادت میں سے ہو تو اللہ تعالیٰ اسے قول ثابت کے ساتھ ثابت قدم رکھتے ہیں، چنانچہ اس سے سوال کیا جاتا ہے کہ: تم کون ہو؟ تو وہ جواب میں کہتا ہے کہ: میں زندگی میں بھی اللہ تعالیٰ کا بندہ تھا اور مرنے کے بعد بھی!''

(۱۱) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ بھی یہی ہیں۔

(۱۲) حضرت عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ کی موقوف حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''وذکر منکرا ونکیرا یخرجان فی افواههما واعینهما النار... فقالا: من ربک؟''　　(عبدالرزاق ج ۳ ص ۵۹۰، ۵۹۱)

ترجمہ: ''اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منکر نکیر کا تذکرہ فرمایا کہ: ان کے منہ سے اور آنکھوں سے آگ کے شعلے نکلتے ہیں، اور وہ کہتے ہیں: تیرا ربّ کون ہے؟''

(۱۳) حدیثِ ابورافع رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں: ''فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا! ولکنی افففت من صاحب هذا القبر الذی سئل عنی فشک فی''　　(مجمع الزوائد ج ۳ ص ۵۳، کنزالعمال ج ۱۵ ص ۶۴۱، اتحاف ج ۱ ص ۴۱۸)

ترجمہ: ''پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! (میں نے تم پر اُف نہیں کی) بلکہ اس قبر والے پر اُف کی ہے، جس سے میرے بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے میرے بارے میں شک کا اظہار کیا۔''

(۱۴) حدیثِ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے الفاظ یہ ہیں: ''ان المیت یسمع خفق نعالهم حین یولون، قال: ثم یجلس فیقال له: من ربک؟ فیقول: اللہ!''　　(مجمع الزوائد ج ۳ ص ۵۴، اتحاف ج ۱۰ ص ۴۱۶)

ترجمہ: ''میّت کو دفن کرنے والے جب واپس لوٹتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی چاپ سنتا ہے، فرمایا: پھر اس کو بٹھلایا جاتا ہے، پس اس سے کہا جاتا ہے کہ: تیرا ربّ کون ہے؟ وہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے!''

(۱۵) حدیث ابودرداء رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں: "فجائک ملکان ازرقان جعدان یقال لهما منکر و نکیر، فقالا: من ربک؟ وما دینک؟ ومن نبیک؟... الخ" (اتحاف السادۃ المتقین ج۱۰ ص۴۱۷، شرح الصدور ص۵۵)

ترجمہ: "پھر تیرے پاس دو فرشتے آئیں گے، جن کی آنکھیں نیلی اور بال مڑے ہوئے ہوں گے، ان کو منکر و نکیر کہا جاتا ہے، وہ دونوں کہیں گے کہ: تیرا ربّ کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ تیرا نبی کون ہے؟"

(۱۶) حضرت بشیر اکال المعوی کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "انی مررت بقبر وھو یسأل عنی فقال: لا ادری! فقلت: لا دریت!" (کنز العمال ج۱۵ ص۶۴۲، مجمع الزوائد ج۳ ص۴۸، شرح الصدور ص۵۰)

ترجمہ: "بے شک میں ایک قبر کے پاس سے گزرا تھا، جس سے میرے بارے میں سوال کیا جا رہا تھا، اس نے جواب دیا کہ: میں نہیں جانتا! اس پر میں نے کہا کہ: تم نے نہ خود جانا (نہ کسی جاننے والے کی بات مانی!)"

(۱۷) حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "ان المؤمن اذا مات اجلس فی قبرہ فیقال له: من ربک؟ فیقول: اللہ تعالیٰ!... الخ" (اتحاف السادۃ المتقین ج۱۰ ص۴۱۸، شرح الصدور ص۵۵)

ترجمہ: "جب مؤمن مرجاتا ہے تو اسے اس کی قبر میں بٹھایا جاتا ہے، پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ: تیرا ربّ کون ہے؟ وہ کہتا ہے: اللہ تعالیٰ!"

(۱۸) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "فاذا وضع فی قبرہ وسوی علیه وتفرق عنه اصحابه، اتاہ منکر و نکیر، فیجلسانه فی قبرہ" (اتحاف السادۃ المتقین ج۱۰ ص۴۱۷، شرح الصدور ص۵۴)

ترجمہ: "جب مردے کو قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس پر مٹی ڈال دی جاتی ہے اور اس کو دفن کرنے والے رُخصت ہوجاتے ہیں، تو اس کے پاس منکر اور نکیر آتے ہیں، پس اسے قبر میں بٹھاتے ہیں۔"

(۱۹) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "کیف انت فی اربع اذرع فی ذراعین، ورأیت منکرا ونکیرا؟ قلت: یا رسول اللہ! وما منکر و نکیر؟ قال: فتانا القبر!"

(اتحاف السادۃ ج۱۰ ص۴۱۴، شرح الصدور ص۵۴)

ترجمہ: "چار ہاتھ لمبی اور دو ہاتھ چوڑی جگہ (قبر) میں تیری کیا حالت ہوگی جب تم منکر اور نکیر کو دیکھو گے؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! منکر اور نکیر کون ہیں؟ فرمایا: قبر میں امتحان لینے والے فرشتے!"

(۲۰) حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "ثم سدوا علیک من اللبن واکثروا علیک من التراب، فجائک ملکان ازرقان جعدان یقال لهما منکر و نکیر"

(کتاب الزہد ابن مبارک رحمہ اللہ، بیہقی، ابن ابی شیبہ ج۳ ص۳۸۷-۳۸۹، اتحاف السادۃ ج۱۰ ص۴۱۷، شرح الصدور ص۵۵)

ترجمہ: "تیری اس وقت کیا حالت ہوگی جب تمہیں قبر میں رکھ کر تمہارے اُوپر اینٹیں چن دیں گے اور ڈھیر ساری مٹی ڈال دیں گے؟ پھر تیرے پاس کیری آنکھوں اور ڈراؤنی شکل کے دو فرشتے آئیں گے، جنہیں منکر و نکیر کہا جاتا ہے۔"

(۲۱) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "فان منکرا ونکیرا یأخذ کل واحد منهما بید صاحبه ویقول: انطلق بنا... الخ"

(مجمع الزوائد ج۳ ص۴۵، کنز العمال ج۱۵ ص۶۰۵، شرح الصدور ص۴۴، اتحاف السادۃ ج۱۰ ص۳۶۸)

ترجمہ: ''جب (مردہ سوالوں کے جواب صحیح دے دیتا ہے تو) منکر و نکیر ایک دُوسرے کا ہاتھ پکڑ کر کہتے ہیں کہ: بس اب یہاں سے چلئے!''

(۲۲) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''ان الملک یمشی معہ الی القبر، فاذا سوی علیہ سلک فیہ، فذلک حین یخاطب'' (شرح الصدور ص:۴۰، اتحاف السادۃ ج:۱۰ ص:۴۲۲)

ترجمہ: ''بے شک فرشتہ جنازہ کے ہمراہ قبر کی طرف جاتا ہے، پس جب میت کو قبر میں رکھ کر اس پر مٹی ڈال دی جاتی ہے تو وہ فرشتہ اس کی قبر میں چلا جاتا ہے، اور اس سے مخاطب ہوتا ہے۔''

(۲۳) حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''ویبعث اللہ الیہ ملکین، ابصارھما کالبرق الخاطف، واصواتھما کالرعد القاصف... الخ'' (اتحاف السادۃ ج:۱۰ ص:۴۹۸)

ترجمہ: ''(کافر) میت کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس دو فرشتے (منکر و نکیر) بھیجتے ہیں، جن کی آنکھیں چندھیا دینے والی بجلی کی طرح چمکتی ہوں گی اور آواز کڑکتی بجلی کی طرح ہوگی۔''

(۲۴) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی مروی حدیث کے علاوہ اس مضمون پر حضرت عطاء بن یسار رحمہ اللہ کی مرسل بھی ہے۔

فتنۃ القبر

قبر میں میت کے پاس منکر و نکیر کا آنا اور سوال و جواب کرنا، اس کو حدیث شریف میں ''فتنۃ القبر'' (یعنی قبر میں مردے کا امتحان) فرمایا گیا ہے، مندرجہ ذیل احادیث میں اس کا ذکر ہے:

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''انھم یعذبون عذابا تسمعہ البھائم کلھا، فما رأیتہ بعد فی صلوۃ الا تعوذ من عذاب القبر'' (صحیح بخاری ج:۱ ص:۱۸۳، ج:۲ ص:۹۴۲، نسائی ج:۱ ص:۲۹۱)

ترجمہ: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: لوگوں کو قبر میں عذاب ہوتا ہے، جس کو تمام چوپائے سنتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں عذابِ قبر سے پناہ ضرور مانگتے تھے۔''

صحیح مسلم کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''کان یدعو بھؤلاء الدعوات: اللّٰھم فانی اعوذ بک من فتنۃ النار وعذاب النار وفتنۃ القبر'' (صحیح مسلم ج:۲ ص:۳۴۷، ترمذی ج:۲ ص:۱۸۷، ابن ماجہ ص:۲۷۶، مسند احمد ج:۶ ص:۵۷، ۲۰۷، مصنف عبدالرزاق ج:۲ ص:۲۰۸، ج:۳ ص:۵۸۹، شرح السنہ ج:۵ ص:۱۵۷)

ترجمہ: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان الفاظ کے ساتھ دعا کیا کرتے تھے: اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں دوزخ کے فتنہ اور عذاب سے، اور قبر کے فتنہ سے۔''

مسند حمیدی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''انکم تفتنون فی قبورکم''

(مسند حمیدی ص:۹۳، مسند احمد ج:۶ ص:۲۳۸،۸۹،۵۳)

ترجمہ: ''قبروں میں تمہارا امتحان (یعنی تم سے سوال و جواب) ہوتا ہے۔''

(۲) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''اللّٰھم انی اعوذ بک من العجز والکسل، والجبن والھرم، واعوذ بک من عذاب القبر، واعوذ بک من فتنۃ المحیا والممات'' (بخاری

ج ۲ ص ۹۴۲، صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۴۷، ترمذی ج ۲ ص ۱۸۷، نسائی ج ۲ ص ۳۱۳، مسند احمد ج ۳ ص ۱۷۹، ۲۰۵، ۲۳۶، ۲۶۴، ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۷۵)

ترجمہ: "اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں عجز و کسل سے، بزدلی اور انتہائی بڑھاپے سے، اور میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں زندگی اور موت کے فتنوں سے۔"

مسند احمد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: "قال: تعوذوا باللہ من عذاب القبر، وعذاب النار، وفتنة الدجال! قالوا: وماذاک یارسول اللہ! قال: ان ھذہ الامة تبتلی فی قبورھا" (مسند احمد ج ۳ ص ۲۳۳)

ترجمہ: "فرمایا: اللہ کی پناہ مانگو عذابِ قبر سے، اور دوزخ کے عذاب سے اور فتنۂ دجال سے! صحابہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! فتنۂ قبر کیا چیز ہے؟ فرمایا: قبر میں اس اُمت کا امتحان کیا جاتا ہے۔"

اور ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "فان مات او قتل غفرت لہ ذنوبہ کلھا واجیر من عذاب القبر" (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۹۱)

ترجمہ: "پس مرابط اگر مرجائے یا شہید ہوجائے تو اس کے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور اسے عذابِ قبر سے بچالیا جاتا ہے۔"

(۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدعو: اللّٰھم انی اعوذ بک من عذاب القبر ومن عذاب النار" (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸۴، نسائی ج ۱ ص ۲۹۰، حاکم ج ۱ ص ۵۳۳، کنز العمال ج ۲ ص ۱۹۰)

ترجمہ: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے: اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں عذابِ قبر سے اور دوزخ کے عذاب سے۔"

ترمذی شریف کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: "استعیذوا باللہ من عذاب القبر!" (ترمذی ج ۲ ص ۲۰۰)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو عذابِ قبر سے!"

سنن ابن ماجہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: "من مات مرابطا فی سبیل اللہ اجری علیہ اجر عملہ الصالح الذی کان یعمل، واجری علیہ رزقہ، وامن من الفتان" (ابن ماجہ ص ۱۹۸، کنز العمال ج ۲ ص ۴۱۸)

ترجمہ: "جو شخص اللہ تعالیٰ کے راستے میں پہرہ دیتے ہوئے مرجائے، اس کے وہ تمام اعمالِ صالحہ جاری رہتے ہیں جو وہ کیا کرتا تھا، اور اس کا رزق جاری رکھا جاتا ہے، اور وہ قبر میں امتحان لینے والوں سے محفوظ رہتا ہے، اس سے سوال وجواب نہیں ہوتا۔"

(۴) حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی حدیث (جو پہلے گزر چکی ہے) کے الفاظ یہ ہیں: "قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطیبا فذکر فتنة القبر" (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸۳، نسائی ج ۱ ص ۲۹۰، مشکوٰۃ ص ۲۶)

ترجمہ: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا، اس میں فتنۂ قبر کا ذکر فرمایا۔"

مسند احمد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: "انہ قد اوحی الی انکم تفتنون فی القبور!" (ج ۶ ص ۳۴۵)

ترجمہ: "مجھے وحی کی گئی ہے کہ تم سے قبروں میں امتحان ہوتا ہے۔"

(۵) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "اللّٰھم انی اعوذ بک من البخل،

واعوذ بک من الجبن، واعوذ بک من ان ارد الی ارذل العمر، واعوذ بک من فتنة الدنیا، واعوذ بک من عذاب القبر'' (بخاری ج۲ ص۹۴۲، ۹۴۳، ج۲ ص۹۴۵، نسائی ج۲ ص۳۱۳، ابن ابی شیبہ ج۳ ص۳۷۶، ج۱۰ ص۱۸۸)

ترجمہ: ''اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں بخل سے، اور میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں بزدلی سے، اور میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں کہ میں نکمی عمر کی طرف اُٹھایا جاؤں، اور میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں دُنیا کے فتنہ سے، اور میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں عذابِ قبر سے۔''

(۶) حضرت ام خالد بنت خالد بن سعد بن العاص رضی اللہ عنہا کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وهو یتعوذ من عذاب القبر''

(صحیح بخاری ج۱ ص۱۸۴، ج۲ ص۹۴۲، ابن ابی شیبہ ج۱۰ ص۱۹۳، مسند احمد ج۶ ص۳۶۵، کنز العمال ج۱۵ ص۳۸۷)

ترجمہ: ''میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عذابِ قبر سے پناہ مانگتے ہوئے سنا۔''

مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''قد اوحی الی انکم تفتنون فی القبور''

(ابن ابی شیبہ ج۳ ص۳۷۵)

ترجمہ: ''مجھے وحی کی گئی ہے کہ قبروں میں تمہارا امتحان ہوتا ہے۔''

کنز العمال بحوالہ طبرانی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''استجیروا باللہ من عذاب القبر!''

(کنز العمال ج۱۵ ص۶۳۸)

ترجمہ: ''عذابِ قبر سے اللہ کی پناہ مانگو!''

(۷) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''فقال: تعوذوا باللہ من عذاب القبر! فقالوا: نعوذ باللہ من عذاب القبر!''

(صحیح مسلم ج۲ ص۳۸۶، شرح السنہ ج۵ ص۱۶۲، ابن ابی شیبہ ج۳ ص۳۷۳، ج۱۰ ص۱۸۵، کنز العمال ج۲ ص۲۶۳)

ترجمہ: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی پناہ مانگو عذابِ قبر سے! پس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہنے لگے: ہم اللہ سے پناہ مانگتے ہیں عذابِ قبر سے!''

(۸) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''اللّٰھم انی اعوذ بک من عذاب جھنم ومن عذاب القبر''

(ترمذی ج۲ ص۱۸۷، نسائی ج۱ ص۲۹۰، ابن ماجہ ص۲۷۲، ۲۷۳، مسند احمد ج۱ ص۳۰۵، کنز العمال ج۲ ص۲۶۳)

ترجمہ: ''اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں جہنم کے عذاب سے اور قبر کے عذاب سے۔''

(۹) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''رباط یوم ولیلة خیر من صیام شھر وقیامه، وان مات جری علیه عمله الذی کان یعمله، واجری علیه رزقه، وامن من الفتان'' (صحیح مسلم ج۲ ص۱۴۲، سنن کبریٰ بیہقی ج۹ ص۳۸، کنز العمال ج۴ ص۲۹۴، مسند احمد ج۵ ص۴۴۰، مشکوٰۃ ص۳۲۹، درمنثور ج۲ ص۳۶۸)

ترجمہ: ''ایک دن رات اسلامی سرحد کا پہرہ دینا ایک مہینے کے قیام وصیام سے افضل ہے، اور اگر یہ شخص مرجائے تو جو عمل وہ کیا کرتا تھا وہ اس کے لئے برابر جاری رکھا جائے گا، اور اس کا رزق بھی جاری رکھا جائے گا، اور یہ شخص قبر کے امتحان سے مامون رہے گا۔''

ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں: "رباط یوم فی سبیل اللہ افضل، وربما قال: خیر من صیام شهر وقیامه، ومن مات فیه وقی فتنة القبر ونمی له عمله الی یوم القیامة"

(ترمذی ج۱ ص۲۰۰، کنز العمال ج۴ ص۳۲۶، ۳۲۷، مجمع الزوائد ج۵ ص۲۹۰)

ترجمہ: "ایک دن اللہ کے راستے میں پہرہ دینا ایک مہینے کے قیام وصیام سے افضل ہے، اور جو شخص اس حالت میں مرجائے اسے قبر کے سوال وجواب سے بچایا جائے گا، اور اس کا عمل تا قیامت بڑھتا رہے گا۔"

ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں: "من مات مرابطا اجیر من فتنة القبر!"

(مستدرک حاکم ج۲ ص۸۰، ابن ابی شیبہ ج۵ ص۳۲۷، اتحاف ج۱۰ ص۳۸۱)

ترجمہ: "جو خدا کی راہ میں پہرہ دیتے ہوئے مرے، اسے فتنۂ قبر سے پناہ میں رکھا جائے گا!"

(۱۰) حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "کان یقول: اللّٰھم انی اعوذ بک من العجز والکسل والجبن والبخل والھرم وعذاب القبر"

(صحیح مسلم ج۲ ص۳۵۰، نسائی ج۲ ص۳۱۴، ابن ابی شیبہ ج۳ ص۳۷۴، ج۱۰ ص۱۸۶)

ترجمہ: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں عاجز ہونے سے، کسل مندی سے، بزدلی سے، بخل سے، انتہائی بڑھاپے سے، اور قبر کے عذاب سے۔"

ترمذی کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "انه کان یتعوذ من الھرم وعذاب القبر" (ترمذی ج۲ ص۱۹۷)

ترجمہ: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پناہ مانگتے تھے انتہائی بڑھاپے سے اور قبر کے عذاب سے۔"

(۱۱) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "اللّٰھم انی اعوذ بک من الھم والکسل وعذاب القبر" (ترمذی ج۲ ص۱۸۸، نسائی ج۲ ص۳۱۴، مسند احمد ج۵ ص۴۲، حاکم ج۱ ص۳۵، ۲۵۲۔ قال صحیح علی شرط مسلم، واقرہ الذھبی۔ ابن ابی شیبہ ج۳ ص۳۷۴، کنز العمال ج۲ ص۱۸۱)

ترجمہ: "اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں دنیوی افکار سے، کسل مندی سے اور عذابِ قبر سے۔"

(۱۲) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یتعوذ من الجبن والبخل وارذل العمر وعذاب القبر وفتنة الصدر" (نسائی ج۲ ص۳۱۶، مسند احمد ج۱ ص۲۲، ۵۴، ابن ماجہ ص۲۷۳، مستدرک حاکم ج۱ ص۵۳۰، وقال ھذا حدیث صحیح علی شرط الصحیحین، واقرہ الذھبی، ابن ابی شیبہ ج۲ ص۳۷۴)

ترجمہ: "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پناہ مانگتے تھے بزدلی سے، بخل سے، نکمی عمر سے، عذابِ قبر سے اور سینے کے فتنے سے"

(۱۳) حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "للشھید عند اللہ ست خصال: یغفر له من اول دفعة، ویری مقعده من الجنة، ویجار من عذاب القبر... الخ"

(ترمذی ج۱ ص۱۹۹، ابن ماجہ ص۲۰۱، مسند احمد ج۴ ص۱۳۱، مشکوٰۃ ص۳۳۳، کنز العمال ج۴ ص۴۰۵)

ترجمہ: "شہید کو چھ انعام ملتے ہیں، اول مرتبہ میں اس کی بخشش ہوجاتی ہے، جنت میں اس کو اس کا ٹھکانا دکھایا جاتا ہے، اور اسے عذابِ قبر سے بچایا جاتا ہے۔"

(۱۴) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "لو سألت اللہ ان یعافیک من

عذاب فی النار وعذاب فی القبر، لکان خیرًا لک"

(مسلم ج۲ ص۳۸۳، جامع الاصول ج۴ ص۳۴۸، مسند احمد ج۱ ص۴۳۳، ابن ابی شیبہ ج۳ ص۳۷۴، شرح السنہ ج۵ ص۱۶۳)

ترجمہ: "اگر تم اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کرتے کہ تمہیں دوزخ کے عذاب سے اور قبر کے عذاب سے عافیت میں رکھیں، تو یہ تمہارے لئے بہتر ہوتا۔"

ترمذی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: "واعوذبک من عذاب النار وعذاب القبر" (ترمذی ج۲ ص۱۷۵)

ترجمہ: "اور میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں دوزخ کے عذاب سے اور قبر کے عذاب سے۔"

حاکم کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: "اللّٰھم انی اعوذبک... من فتنۃ الدجال وعذاب القبر"

(مستدرک حاکم ج۱ ص۵۳۴)

ترجمہ: "اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں.........دجال کے فتنہ سے اور عذابِ قبر سے۔"

(۱۵) فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "الذی مات مرابطا فی سبیل اللہ فانہ ینمی لہ عملہ الی یوم القیامۃ، ویأمن فتنۃ القبر" (ترمذی ج۱ ص۱۹۵، ابوداؤد ج۱ ص۳۳۸، مشکوٰۃ ص۳۳۲، مستدرک حاکم ج۲ ص۷۹، مسند احمد ج۶ ص۲۰، موارد الظمآن ص۳۹۱، اتحاف ج۱۰ ص۳۸۱، درمنثور ج۲ ص۱۱۴)

ترجمہ: "جو شخص راہِ خدا میں پہرہ دیتے ہوئے مرجائے، قیامت تک اس کا عمل بڑھتا رہتا ہے، اور وہ قبر کے فتنہ سے مامون رہتا ہے۔"

(۱۶) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث (جو پہلے گزر چکی ہے) کے الفاظ یہ ہیں: "قال: ویأتیہ ملکان فیجلسانہ فیقولان لہ: من ربک؟... الخ"

(ابوداؤد ج۲ ص۶۵۴، عبدالرزاق ج۳ ص۵۸۱، ابن ابی شیبہ ج۳ ص۳۷۴، ۳۷۵، مسند احمد ج۴ ص۲۹۶)

ترجمہ: "اور میّت کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، پس اس کو بٹھاتے ہیں اور اس سے یہ سوال کرتے ہیں کہ: تیرا ربّ کون ہے؟......الخ!"

(۱۷) حضرت عمرو بن میمون رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یتعوذ بھن دبر الصلوٰۃ: اللّٰھم انی اعوذبک من الجبن، واعوذبک من البخل، واعوذبک من ارذل العمر، واعوذبک من فتنۃ الدنیا وعذاب القبر" (ترمذی ج۲ ص۱۹۶، نسائی ج۲ ص۳۱۶، ۳۱۷، ابن ماجہ ص۲۷۳)

ترجمہ: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد ان چیزوں سے پناہ مانگا کرتے تھے، اور فرماتے: اے اللہ! میں آپ سے بزدلی، بخل، ارذلِ عمر، دُنیا کی آزمائش اور عذابِ قبر سے پناہ مانگتا ہوں۔"

(۱۸) حضرت سلیمان بن صرد اور خالد بن عرفطہ رضی اللہ عنہما کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "من یقتلہ بطنہ لم یعذب فی قبرہ"

(ترمذی ج۱ ص۱۲۶، نسائی ج۱ ص۲۸۸، کنز العمال ج۴ ص۴۲۴، مسند احمد ج۴ ص۲۶۲، ج۵ ص۲۹۲، موارد الظمآن ص۱۸۶)

ترجمہ: "جو شخص پیٹ کے مرض میں فوت ہوا، اسے عذابِ قبر نہیں ہوگا۔"

(۱۹) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "اللّٰھم انی اعوذبک من عذاب القبر ووسوسۃ الصدر" (ترمذی ج۲ ص۱۹۰، کنز العمال ج۲ ص۱۸۱، عن شعب الایمان بیہقی)

ترجمہ: ''اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں قبر کے عذاب سے، اور سینے کے وسواس سے۔''

(۲۰) حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ رضی اللہ عنہم کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''اللّٰھم انی اعوذ بک من الکسل... واعوذ بک من عذاب القبر، واعوذ بک من النار'' (نسائی ج۲ ص۳۱۶، مسند احمد ج۲ ص۱۸۵، ۱۸۶)

ترجمہ: ''اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں سستی سے، قبر کے عذاب سے اور آگ سے۔''

(۲۱) حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتعوذ من خمس: من البخل، والجبن، وسوء العمر، وفتنۃ الصدر، وعذاب القبر'' (نسائی ج۲ ص۳۱۳)

ترجمہ: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان پانچ چیزوں سے پناہ مانگا کرتے: بخل، بزدلی، بری عمر، سینے کے فتنہ اور عذابِ قبر سے۔''

(۲۲) حضرت راشد بن سعد عن رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''قال: یا رسول اللہ! ما بال المؤمنین یفتنون فی قبورھم الا الشھید؟'' (نسائی ج۱ ص۲۸۹)

ترجمہ: ''یا رسول اللہ! کیا شہید کے علاوہ تمام مؤمنوں کو قبر میں آزمایا جائے گا؟''

(۲۳) حضرت عثمان بن ابوالعاص رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''اللّٰھم انی اعوذ بک...... ومن فتنۃ المحیا والممات'' (نسائی ج۲ ص۳۱۶)

ترجمہ: ''اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں زندگی اور مرنے کے بعد کے فتنہ سے۔''

(۲۴) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''اعوذ بک... من عذاب القبر... ومن فتنۃ الغنی ومن فتنۃ القبر'' (مستدرک حاکم ج۱ ص۵۲۴)

ترجمہ: ''اے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں قبر کے عذاب سے، دولت کے فتنہ سے اور قبر کی آزمائش سے۔''

(۲۵) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''ان ھٰذہ الامۃ تبتلی فی قبورھا!''
(مسند احمد ج۳ ص۳۴۶، کنز العمال ج۱۵ ص۶۳۶، مجمع الزوائد ج۳ ص۴۸)

ترجمہ: ''بے شک یہ امت قبروں میں آزمائی جاتی ہے!''

مصنف عبدالرزاق کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''فامر اصحابہ ان یتعوذوا من عذاب القبر''
(مصنف عبدالرزاق ج۳ ص۵۸۴)

ترجمہ: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فرمایا کہ: عذابِ قبر سے پناہ مانگا کرو۔''

(۲۶) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث (جو گزر چکی ہے) کے الفاظ یہ ہیں: ''ان ھٰذہ الامۃ تبتلی فی قبورھا!'' (مسند احمد ج۳ ص۳، ابن ابی شیبہ ج۳ ص۳۷۳)

ترجمہ: ''بے شک یہ امت اپنی قبروں میں آزمائی جاتی ہے۔''

مجمع الزوائد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''من توفی مرابطا وقی فتنۃ القبر!'' (مجمع الزوائد ج۵ ص۲۹۰)

ترجمہ: ''جو شخص اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرتے ہوئے فوت ہوا، وہ عذابِ قبر سے محفوظ رہے گا۔''

موارد الظمآن کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''لو لا ان تدافنوا لدعوت اللہ ان یسمعکم عذاب القبر الذی اسمع منہ، ان ھٰذہ الامۃ تبتلی فی قبورھا'' (موارد الظمآن ص۱۹۹، کنز العمال ج۱۵ ص۶۴۴)

ترجمہ: ''اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دوگے، تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ تمہیں بھی عذابِ قبر سنادے جو میں سنتا ہوں۔''

اتحاف السادة المتقین شرح احیاء علوم الدین کے الفاظ یہ ہیں: ''من توفی مرابطا وقی فتنة القبر!''
(اتحاف السادة المتقین ج۱۰ ص۳۸۲)

ترجمہ: ''جو شخص اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرتے ہوئے فوت ہوا، وہ عذابِ قبر سے محفوظ رہے گا۔''

(۲۷) حضرت ام بشر رضی اللہ عنہا کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''استعیذوا باالله من عذاب القبر! قلت: یا رسول الله! وللقبر عذاب؟ قال: انهم لیعذبون فی قبورهم عذابا تسمعه البهائم''
(ابن ابی شیبہ ج۳ ص۳۷۴، ۳۷۵، موارد الظمآن ص۲۰۰، مجمع الزوائد ج۳ ص۵۶)

ترجمہ: ''عذابِ قبر سے اللہ کی پناہ مانگا کرو! میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا قبر میں عذاب ہوگا؟ فرمایا: ہاں! ان (کفار) کو قبر میں ایسا عذاب دیا جارہا ہے جسے تمام جانور سنتے ہیں۔''

(۲۸) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''ویؤمن من فتان القبر''
(مسند احمد ج۴ ص۱۵۰، مجمع الزوائد ج۵ ص۲۸۹، اتحاف السادة ج۱۰ ص۳۸۱)

ترجمہ: ''جو شخص اسلامی سرحد کی حفاظت کرتے ہوئے فوت ہوا، وہ قبر کے عذاب سے محفوظ رہے گا۔''

(۲۹) حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''لا! ان فلان بن فلان فی ذمتک وحبل جوارک فقه فتنة القبر وعذاب النار'' (مسند احمد ج۳ ص۴۹۱)

ترجمہ: ''اے اللہ! فلاں بن فلاں آپ کی امان اور آپ کے جوار میں آیا ہے، اسے قبر کی آزمائش سے بچا لیجئے!''

(۳۰) جارة النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''اللّٰهم انی اعوذ بک من عذاب القبر وفتنة القبر'' (مسند احمد ج۵ ص۲۷۱)

ترجمہ: ''اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں عذابِ قبر اور فتنۂ قبر سے۔''

(۳۱) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''ویجار من عذاب القبر''
(مسند احمد ج۴ ص۱۳۱، مجمع الزوائد ج۵ ص۲۹۳)

ترجمہ: ''اور (شہید) عذابِ قبر سے محفوظ رہے گا۔''

(۳۲) حضرت عمرو بن دینار رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''کیف بک یا عمر! بفتان القبر''
(مصنف عبدالرزاق ج۳ ص۵۸۲)

ترجمہ: ''اے عمر! اس وقت تیرا کیا حال ہوگا جب قبر میں تیرے پاس منکر و نکیر آئیں گے؟''

(۳۳) حضرت عبدالرحمٰن بن حسنہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''فقال: او ما علمتم ما اصاب صاحب بنی اسرائیل؟ کان الرجل منهم اذا اصابه الشیٔ من البول قرضه بالمقراض فنهاهم عن ذالک فعذب فی قبره'' (مصنف ابن ابی شیبہ ج۳ ص۳۷۵، ۳۷۶)

ترجمہ: ''جانتے نہیں ہو کہ بنی اسرائیل کے اس آدمی کے ساتھ کیا ہوا؟ بنی اسرائیل میں سے کسی کو اگر پیشاب

لگ جاتا تو اسے مقراض سے کاٹ لیتا، مگر اس شخص نے ان کو اس سے روکا جس کی وجہ سے اسے عذابِ قبر دیا گیا۔"

(۳۴) حضرت یعلیٰ بن شبابہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "ان صاحب ھٰذا القبر یعذب..." (ابن ابی شیبہ ج۳ ص۳۷۶)

ترجمہ: "بے شک اس قبر والے کو عذاب ہو رہا ہے۔"

(۳۵) حضرت حکم رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "اللّٰھم انی اعوذ بک من غلبة العدو و من غلبة الدین و فتنة الدجال و عذاب القبر" (ابن ابی شیبہ ج۱۰ ص۱۹۵)

ترجمہ: "اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں دشمن کے غلبہ سے، قرض کے غلبہ سے، فتنۂ دجال سے اور عذابِ قبر سے۔"

(۳۶) حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کے اثر کے الفاظ یہ ہیں: "فان بھا عذابًا من عذاب القبر" (ابن ابی شیبہ ج۵ ص۳۲۶)

ترجمہ: "بے شک وہاں عذابِ قبر کی طرح کا ایک عذاب ہے۔"

(۳۷) حضرت عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "واعوذ بک من عذاب القبر واعوذ بک من عذاب النار" (کنز العمال ج۲ ص۲۱۰)

ترجمہ: "(اے اللہ!) میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں قبر کے عذاب سے، اور آگ کے عذاب سے۔"

(۳۸) حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "حادت عن رجل یضرب فی قبرہ من اجل النمیمة" (کنز العمال ج۱۵ ص۷۳۹)

ترجمہ: "(میری خچر اس لئے) بدکی ہے کہ ایک شخص کو قبر میں چغل خوری کرنے کی وجہ سے مارا جارہا ہے۔"

(۳۹) حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا مولاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "یا میمونة! تعوذی باللہ من عذاب القبر" (کنز العمال ج۱۵ ص۷۸)

ترجمہ: "اے میمونہ! اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگا کرو عذابِ قبر سے۔"

(۴۰) حضرت ابوالحجاج ثمالی رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "یقول القبر للمیت... الم تعلم انی بیت الظلمة و بیت الفتنة... الخ" (کنز العمال ج۱۵ ص۶۴۴، حلیۃ الاولیاء ج۶ ص۹۰، اتحاف ج۶ ص۳۰۱)

ترجمہ: "قبر میت سے کہتی ہے کہ: کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ میں اندھیرے اور آزمائش کا گھر ہوں؟"

(۴۱) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "من رابط فی سبیل اللہ آمنه اللہ من فتنة القبر" (مجمع الزوائد ج۵ ص۲۸۹، کنز العمال ج۴ ص۲۸۲)

ترجمہ: "جس شخص نے اسلامی سرحد پر پہرہ دیا، اسے اللہ تعالیٰ فتنۂ قبر سے محفوظ فرمادیں گے۔"

(۴۲) حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "رباط یوم و لیلة یعدل صیام شھر و قیامه ... و یوقی الفتان" (کنز العمال ج۴ ص۳۲۷، مجمع الزوائد ج۵ ص۲۹۰)

ترجمہ: "ایک دن اللہ کے راستے میں پہرہ دینا ایک مہینے کے قیام و صیام سے افضل ہے...... اور جو شخص اس حال میں مرجائے اسے قبر کے سوال و جواب سے بچالیا جائے گا۔"

(۴۳) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ”من مات مرابطا فی سبیل اللہ ... امن من الفتان ویبعثہ اللہ تعالٰی آمنًا من الفزع الاکبر“ (اتحاف ج۱۰ ص۳۸۲)

ترجمہ: ”جو شخص اللہ کے راستہ میں پہرہ دے...... اللہ تعالٰی اسے منکر ونکیر کے سوال و جواب سے محفوظ رکھے گا، اور قیامت کے دن کی گھبراہٹ سے بھی وہ مامون رہے گا۔“

(۴۴) حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ”اذا وضع المیت فی قبرہ احتوشتہ اعمالہ الصالحۃ وجاء ملک العذاب، فیقول لہ بعض اعمالہ: الیک عنہ، فلو لم یکن الا انا لما وصلت الیہ“ (حلیۃ الاولیاء ج۶ ص۱۸۹)

ترجمہ: ”جب میت کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کے اعمالِ صالحہ اسے گھیر لیتے ہیں، اور جب فرشتہ عذاب آنے لگتا ہے تو اس کے اعمالِ صالحہ میں سے ایک عمل کہتا ہے: اس سے دور رہئے! اگر میں اکیلا ہی ہوتا تب بھی آپ اس کے قریب نہیں آسکتے تھے۔“

(۴۵) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی اور حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ”اللّٰھم اغفر لابی سلمۃ وارفع درجتہ ... وافسح لہ فی قبرہ ونور لہ فیہ“ (صحیح مسلم، جامع الاصول ج۱۱ ص۸۴، ابوداؤد ج۲ ص۴۴۵، مسند احمد ج۶ ص۲۹۷، بیہقی سنن کبریٰ ج۳ ص۳۸۴، شرح السنہ ج۵ ص۳۰۰، اتحاف ج۵ ص۱۰۳)

ترجمہ: ”اے اللہ! ابوسلمہ کی مغفرت فرما اور اس کے درجات بلند فرما، اے اللہ! اس کی قبر کو کشادہ فرما اور اس کو منور فرما۔“

(۴۶) حضرت عوف بن مالک کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ”اللّٰھم اغفر لہ ... واعذہ من عذاب القبر“ (صحیح مسلم ج۱ ص۳۱۱، نسائی ج۱ ص۲۸۱، مسند احمد ج۶ ص۲۳، ابن ابی شیبہ ج۳ ص۲۹۱، ج۱۰ ص۴۰۹)

ترجمہ: ”اے اللہ! اس کی مغفرت فرما اور اسے عذابِ قبر سے نجات عطا فرما۔“

منکر ونکیر میت کو قبر میں بٹھاتے ہیں

احادیث شریفہ میں جہاں میت کے پاس منکر ونکیر کے آنے اور سوال و جواب کرنے کا ذکر آتا ہے، وہاں یہ مضمون بھی متواتر احادیث میں وارد ہے کہ نکیرین میت کو بیٹھنے کا حکم دیتے ہیں، اور وہ سوال و جواب کے لئے قبر میں اُٹھ کر بیٹھ جاتا ہے، اس سلسلہ میں درج ذیل احادیث کا حوالہ دینا کافی ہوگا:

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: ”اتاہ ملکان فاقعداہ“ (بخاری ج۱ ص۱۷۸، ۱۸۴، مسلم ج۲ ص۳۸۶، نسائی ج۱ ص۲۸۸، ابن حبان ج۶ ص۳۹، شرح السنہ ج۵ ص۴۱۵، کنز العمال ج۱۵ ص۶۳۴، مشکوٰۃ ص۲۴)

ترجمہ: ”قبر میں میت کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھلاتے ہیں۔“

(۲) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: ”اذا اقعد المؤمن فی قبرہ ...“ (صحیح بخاری ج۱ ص۱۸۳، ابوداؤد ج۲ ص۶۵۴، مجمع الزوائد ج۳ ص۵۰، ابن ابی شیبہ ج۳ ص۳۸۱، مشکوٰۃ ص۲۵)

ترجمہ: ”مؤمن کو جب قبر میں بٹھایا جاتا ہے......“

مسند احمد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: ”فیأتیه ملکان فیجلسانه . . .“

(مسند احمد ج ۴ ص ۲۸۷، کنز العمال ج ۱۵ ص ۶۲۷)

ترجمہ: ”پس اس میّت کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھلاتے ہیں۔“

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ”ان المیت یصیر الی القبر فیجلس الرجل الصالح فی قبرہ غیر فزع ولا مشغوف - الٰی قوله - ویجلس الرجل السوء فی قبرہ فزعا مشغوفا“

(ابن ماجہ ص ۳۱۵، ابن حبان ج ۶ ص ۴۵، موارد الظمآن ص ۱۹۸، کنز العمال ج ۱۵ ص ۶۳۰، شرح الصدور ص ۵۸، مشکوٰۃ ص ۲۵)

ترجمہ: ”بلاشبہ میّت کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے تو نیک صالح آدمی کو قبر میں بٹھایا جاتا ہے، اس وقت نہ وہ گھبرایا ہوا ہوتا ہے اور نہ پریشان ...... اور برے آدمی کو اس کی قبر میں بٹھایا جاتا ہے، اس وقت وہ نہایت گھبرایا ہوا، پریشان ہوتا ہے۔“

مستدرک حاکم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: ”فیقال له: اقعد! فیقعد وتمثل له الشمس“ (ج ۱ ص ۳۷۹)

ترجمہ: ”میّت کو کہا جاتا ہے کہ بیٹھ جا، پس وہ (اُٹھ کر) بیٹھ جاتا ہے، اور اسے سورج (غروب ہوتا ہوا) نظر آتا ہے۔“

مجمع الزوائد میں بروایت طبرانی ان کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: ”فیقال له: اجلس! فیجلس، وقد مثلت له الشمس للغروب“ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۵۱، قال الہیثمی حسن)

ترجمہ: ”پس اسے (میّت سے) کہا جاتا ہے کہ: اُٹھ کر بیٹھ جا! پس وہ بیٹھ جاتا ہے، اور اسے سورج غروب ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔“

(۴) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: ”فاذا الانسان دفن فتفرق عنه اصحابه، جائه ملک فی یدہ مطراق فاقعدہ . . . الخ“ (مسند احمد ج ۳ ص ۳، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۴۷، کنز العمال ج ۱۵ ص ۶۳۷، اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ ص ۴۱۷، شرح الصدور ص ۵۵۔ وقال بسند صحیح)

ترجمہ: ”پس جب کسی انسان کو دفن کرکے اس کے دفن کرنے والے وہاں سے منتشر ہوجاتے ہیں، تو اس کے پاس ایک فرشتہ آتا ہے جس کے ہاتھ میں ایک گرز ہوتا ہے، پس وہ اس کو بٹھلاتا ہے......“

(۵) حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے: ”قال: فینادیه: اجلس! قال: فیجلس فیقول له . . . الخ“ (مسند احمد ج ۶ ص ۳۵۲، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۵۱، کنز العمال ج ۱۵ ص ۶۳۵، اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ ص ۴۱۸)

ترجمہ: ”فرمایا: قبر میں میّت کے پاس ایک فرشتہ آتا ہے اور وہ اسے آواز دیتا ہے اور اسے بٹھلا دیتا ہے اور اسے کہتا ہے......“

کنز العمال میں ایک دُوسری روایت میں حضرت اسماء کی حدیث کے الفاظ یوں ہیں: ”ان المؤمن لیقعد فی قبرہ“ (کنز العمال ج ۱۵ ص ۶۳۶ بحوالہ طبرانی)

ترجمہ: ”بلاشبہ مؤمن کو قبر میں بٹھلایا جاتا ہے۔“

(۶) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ”فاذا کان الرجل الصالح اجلس فی قبرہ غیر فزع ولا مشغوف . . . الخ“ (مسند احمد ج ۱ ص ۱۴۰، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۴۸، اتحاف السادۃ ج ۱۰ ص ۴۱۸، شرح الصدور ص ۵۹)

ترجمہ: ''جب میت نیک صالح ہو تو اس کو قبر میں بٹھلایا جاتا ہے اور اس وقت اسے کوئی گھبراہٹ اور پریشانی نہیں ہوتی۔''

(۷) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: ''اما المنافق! فیقعد اذا تولی عنه اهله...'' (مسند احمد ج۳ ص۳۴۶، کنز العمال ج۱۵ ص۶۳۶، اتحاف السادۃ ج۱۰ ص۴۱۶، طبرانی وبیہقی عذاب القبر، ابن ابی الدنیا شرح الصدور ص۵۰)

ترجمہ: ''رہا منافق! تو جب اس کے دفن کرنے والے چلے جاتے ہیں تو اس کو (قبر میں) بٹھلایا جاتا ہے۔''

ابن ماجہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''اذا دخل المیت القبر مثلت الشمس عند غروبها، فیجلس یمسح عینیه...'' (ابن ماجہ ص۳۱۶)

ترجمہ: ''جب میت کو قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو اسے سورج غروب ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے، پھر اسے بٹھلایا جاتا ہے اور وہ آنکھیں ملتے ہوئے اُٹھ کر بیٹھ جاتا ہے۔''

(۸) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: ''ان المؤمن اذا مات جلس فی قبرہ فیقال: من ربک؟'' (مجمع الزوائد ج۳ ص۵۴، وقال: رواہ الطبرانی فی الکبیر واسنادہ حسن، اتحاف السادۃ ج۱۰ ص۴۱۶، شرح الصدور ص۵۳)

ترجمہ: ''مؤمن جب مرجاتا ہے تو اسے قبر میں بٹھلایا جاتا ہے اور اسے کہا جاتا ہے کہ: تیرا ربّ کون ہے؟''

(۹) حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی موقوف حدیث میں ہے: ''ثم جائک ملکان اسودان ازرقان جعدان اسمائهما منکر ونکیر فاجلساک ثم سألاک...'' (ابن ابی شیبہ ج۳ ص۳۷۹)

ترجمہ: ''پھر تیرے پاس سیاہ رنگ، کیری آنکھوں، ڈراؤنی شکل والے دو فرشتے آئیں گے، جن کے نام منکر اور نکیر ہیں، پھر وہ تمہیں بٹھائیں گے اور تم سے سوال کریں گے۔''

(۱۰) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''ان المیت یسمع خفق نعالهم حین یؤتون۔ قال: ثم یجلس فیقال له... الخ'' (اتحاف السادۃ ج۱۰ ص۴۱۶، طبرانی اوسط حسن، شرح الصدور ص۵۲)

ترجمہ: ''بلاشبہ میت دفن کرکے واپس جانے والوں کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے، فرمایا: پھر اس کو بٹھایا جاتا ہے اور اسے کہا جاتا ہے......''

(۱۱) حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''ان المؤمن اذا مات اجلس فی قبرہ...''

(اتحاف السادۃ ج۱۰ ص۴۱۸، مجمع الزوائد ج۷ ص۴۳، ابن ابی حاتم، طبرانی فی الاوسط، ابن مندہ، شرح الصدور ص۵۵، ۵۶)

ترجمہ: ''بلاشبہ جب کوئی مؤمن مرجاتا ہے تو اسے قبر میں بٹھایا جاتا ہے۔''

(۱۲) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''اتاہ منکر ونکیر، فیجلسانه فی قبرہ...''

(اتحاف السادۃ ج۱۰ ص۴۱۷، شرح الصدور ص۵۴)

ترجمہ: ''میت کے پاس منکر اور نکیر آتے ہیں، اور اسے قبر میں بٹھاتے ہیں۔''

میت کا، جنازہ اُٹھانے والوں کے کندھوں پر بولنا

جب کسی کا انتقال ہوجاتا ہے، اور اس کی میت اُٹھاکر قبرستان لے جائی جارہی ہو، میت اگر نیک صالح ہو تو کہتی ہے کہ: مجھے میرے ٹھکانے پر جلدی لے جاؤ، اور اگر وہ بدکار ہو تو کہتی ہے کہ: ہائے افسوس! مجھے کہاں لے

جار ہے ہو؟ مندرجہ ذیل احادیث میں اس کا ذکر ہے: ''عن ابی سعید رضی اللہ عنہ یقول: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اذا وضعت الجنازة فاحتملها الرجال علی اعناقهم، فان کانت صالحة قالت: قدمونی! قدمونی! وان کانت غیر صالحة قالت: یا ویلها! این تذهبون بها؟ یسمع صوتها کل شیء الا الانسان، ولو سمعها الانسان لصعق'' (صحیح بخاری ج۱ ص۱۷۵، ۱۷۶، ۱۸۴، مسند احمد ج۳ ص۴۱، ۵۸، ۸۵، نسائی ج۱ ص۲۷۰، سنن کبریٰ بیہقی ج۴ ص۲۱، شرح السنہ ج۵ ص۳۲۵، کنز العمال ج۱۵ ص۵۹۹ حدیث: ۴۲۳۷۴)

ترجمہ: ''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: جب جنازہ رکھا جاتا ہے، پس لوگ اس کو اپنے کندھوں پر اُٹھا لیتے ہیں، تو اگر وہ نیک ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ: مجھے جلدی لے جاؤ! مجھے جلدی لے جاؤ! اور اگر نیک نہیں ہوتا تو کہتا ہے کہ: ہائے میری ہلاکت! تم اس جنازہ کو کہاں لے جارہے ہو؟ اس کی آواز کو ہر چیز سنتی ہے سوائے انسان کے، اور اگر اس کو انسان سن لیتا تو بے ہوش ہوجاتا۔''

''عن عبدالرحمٰن بن مهران ان اباهریرة قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اذا وضع الرجل الصالح علیٰ سریره قال: قدمونی! قدمونی! واذا وضع الرجل یعنی السوء علیٰ سریره قال: یا ویلتی! این تذهبون بی؟'' (نسائی ج۱ ص۲۷۰، سنن کبریٰ بیہقی ج۴ ص۲۱)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ: جب نیک آدمی کی میت کو جنازہ کی چارپائی پر رکھا جاتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ: مجھے (جلدی) آگے لے چلو! (جلدی) آگے لے چلو! اور جب کسی بدکار آدمی کی میت کو جنازہ کی چارپائی پر رکھا جاتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ: اے میری ہلاکت! مجھے کہاں لے جارہے ہو؟''

قبر کا بھینچنا

میت کو جب دفن کیا جاتا ہے، اس کے پاس منکر نکیر آتے ہیں اور سوال و جواب کرتے ہیں، پھر مردے کے ساتھ اس کے اعمال کے مطابق معاملہ کیا جاتا ہے۔

بعض اوقات قبر مردے کو بھینچتی ہے، اس کو ''ضغطة القبر'' فرمایا گیا ہے، مندرجہ ذیل احادیث میں اس کا ذکر ہے:

حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''قال هٰذا الذی تحرک له العرش وفتحت له ابواب السماء وشهده سبعون الفا من الملائکة لقد ضم ضمة ثم فرج عنه'' (نسائی ج۱ ص۱۸۹، اتحاف ج۱۰ ص۴۲۲، ابن ابی شیبہ ج۳ ص۳۷۷، کنز العمال ج۱۱ ص۶۸۶، شرح الصدور ص۴۵، المعتصر من المختصر ج۱ ص۱۱۵)

ترجمہ: ''فرمایا: یہ وہ تھے جن کی موت پر عرش بھی ہل گیا تھا، اور اس (کی روح) کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے تھے، اور اس کے جنازہ میں ستر ہزار ملائکہ نازل ہوئے تھے، مگر اسے بھی قبر نے بھینچا مگر بعد میں وسیع ہوگئی۔''

حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''ان للقبر ضغطة ولو کان احد ناجیا منها نجا منها سعد بن معاذ'' (المعتصر من المختصر ج۱ ص۱۱۵، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج۶ ص۴۵، مسند احمد

ج۲ ص۵۵، ۹۸، مجمع الزوائد ج۳ ص۴۶، رجالها رجال الصحیح، کنز العمال ج۱۵ ص۶۳۹، اتحاف ج۱۰ ص۲۲۲، البدایہ والنہایہ ج۴ ص۱۲۸، شرح الصدور ص۴۵)

ترجمہ: ''بلاشبہ قبر کے لئے بھینچنا ہے، اگر اس سے کسی کو نجات ہوتی تو (حضرت) سعد بن معاذؓ ضرور اس سے بچ جاتے۔''

حدیث جابرؓ: حضرت جابر بن عبداللہؓ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''قال: لقد تضایق علٰی هٰذا العبد الصالح قبره حتی فرجه الله عز وجل عنه'' (مسند احمد ج۳ ص۳۶۰، ۳۷۷، مشکوٰۃ ص۲۶، کنز العمال ج۱۵ ص۶۴۲، ۶۴۳، مجمع الزوائد ج۳ ص۴۶، شرح الصدور ص۴۵، البدایہ والنہایہ ج۴ ص۱۲۸)

ترجمہ: ''فرمایا: بلاشبہ اس نیک اور صالح آدمی پر اس کی قبر تنگ ہوگئی تھی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے کشادگی فرمادی۔''

حدیث ابوہریرہؓ: حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''ویضیق علیه قبره حتی تلتقی اضلاعه'' (مصنف عبدالرزاق ج۳ ص۵۶۸، موارد الظمآن ص۱۹۸، ابن حبان ج۶ ص۴۶، ۴۸، اتحاف ج۱۰ ص۴۰۴)

ترجمہ: ''اس پر قبر تنگ کردی جاتی ہے، یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ایک دُوسرے میں گھس جاتی ہیں۔''

حدیث ابوسعیدؓ: حضرت ابوسعید خدریؓ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''قال: یضیق علیه قبره حتی تختلف اضلاعه'' (مصنف عبدالرزاق ج۳ ص۵۸۴، مجمع الزوائد ج۳ ص۴۷)

ترجمہ: ''فرمایا: اس پر قبر تنگ کردی جاتی ہے، یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ایک دُوسرے میں گھس جاتی ہیں''

حدیث ابن عمروؓ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''ثم یؤمر به فی قبره، فیضیق علیه حتی تختلف اضلاعه'' (مصنف عبدالرزاق ج۳ ص۵۶۸، ۵۶۷، مجمع الزوائد ج۲ ص۳۲۸)

ترجمہ: ''پھر حکم کیا جاتا ہے اس کے بارے میں اس کی قبر میں، پس قبر تنگ ہوجاتی ہے اس پر، یہاں تک کہ پسلیاں ایک دُوسرے میں نکل جاتی ہیں۔''

حدیث ابوسعیدؓ: حدیث حذیفہؓ) حضرت حذیفہ بن یمانؓ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''عن حذیفة قال: کنا مع النبی ﷺ فی جنازة فلما انتهینا الی القبر قعد علٰی شقته فجعل یردد بصره فیه ثم قال: یضغط فیه المؤمن ضغطة تزول منها حمائله، ویملأ علی الکافر نارًا''

(مجمع الزوائد ج۳ ص۴۶، اتحاف ج۱۰ ص۲۲۴، کنز العمال ج۱۵ ص۶۴۳، شرح الصدور ص۴۵)

ترجمہ: ''حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ: ہم ایک جنازے میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے، پس جب ہم قبر تک پہنچے تو آنحضرت ﷺ اس کے کنارے بیٹھ گئے اور اس میں نظرِ مبارک پھرانے لگے، پھر فرمایا کہ: اس میں مؤمن کو ایسا بھینچا جاتا ہے کہ اس سے اس کے کندھے اور سینہ ہل جاتے ہیں، اور کافر کی قبر آگ سے بھر جاتی ہے۔''

حدیث ابن عباسؓ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''وعن ابن عباس ان النبی ﷺ یوم دفن سعد بن معاذ وهو قاعد علٰی قبره قال: لو نجا احد من فتنة القبر او مسئلة القبر لنجا سعد بن معاذ، ولقد ضم ضمة ثم ارخی عنه۔ رواه الطبرانی فی الکبیر ورجاله موثقون''

(مجمع الزوائد ج۳ ص۴۶، کنز العمال ج۱۵ ص۶۴۰، شرح الصدور ص۴۵)

ترجمہ: ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس دن سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو دفن کیا گیا، ان کی قبر کے کنارہ پر بیٹھے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر کوئی شخص قبر کی آزمائش سے یا فرمایا قبر کے سوا سے نجات پاتا، تو البتہ سعد بن معاذؓ نجات پاتے، البتہ تحقیق ایک دفعہ تو ان کو بھی بھینچا گیا، پھر ان سے کشائش کردی گئی۔''

حدیث انس رضی اللہ عنہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''عن انس قال: توفیت زینب بنت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم، فخرجنا معه فرأینا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم مهتما شدید الحزن، فجعلنا لا نکلمه حتّٰی انتهینا الی القبر، فاذا هو لم یفرغ من لحده فقعد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وقعدنا حوله، فحدث نفسه هنیعة وجعل ینظر الی السماء ثم فرغ من القبر فنزل رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فیه فرأیته یزداد ثم انه فرغ فخرج فرأیته سری عنه وتبسم صلی اللہ علیہ وسلم، فقلنا: یا رسول الله! رأیناک مهتما حزینا، فلم نستطع ان نکلمک، ثم رأیناک سری عنک، فلم ذالک؟ قال: کنت اذکر ضیق القبر وغمه وضعف زینب فکان ذالک یشق علیّ فدعوت الله عز وجل ان یخفف عنها ففعل، ولقد ضغطها ضغطة سمعها من بین الخافقین''

(مجمع الزوائد ج۳ ص۴۷، کنز العمال ج۱۵ ص۲۴۲، اتحاف السادۃ المتقین ج۱۰ ص۴۲۲، ۴۲۳، شرح الصدور ص۴۵)

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی، تو ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے، ہم نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت غمگین ہیں، پس ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ قبر پر پہنچ گئے تو دیکھا کہ ابھی ان کی لحد سے فراغت نہیں ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد بیٹھ گئے، وہ تھوڑی دیر دل میں کچھ سوچتے رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم آسمان کی طرف دیکھتے رہے، پھر قبر سے فراغت ہوگئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں بہ نفسِ نفیس اُترے، پس میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا غم بڑھ رہا ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوگئے، پس باہر نکلے تو میں نے دیکھا کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ کیفیت زائل ہوگئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا، پس ہم نے کہا: یا رسول اللہ! ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شدید غمگین اور فکرمند ہیں، اس لئے ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات نہیں کرسکے، پھر ہم نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ کیفیت زائل ہوگئی، فرمایا: اس کی وجہ یہ تھی کہ میں قبر کی تنگی اور غم کو اور زینب کے ضعف کو یاد کرتا تھا، پس یہ چیز مجھ پر شاق گزرتی تھی، پھر میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ان سے تخفیف فرمادیں، پس اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی کیا، قبر نے اس کو ایسا بھینچا تھا کہ مشرق و مغرب کے لوگ اس کو سنتے۔''

حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''عن عبدالله بن مسعود قال: اذا ادخل الرجل قبره فان کان من اهل السعادة ثبته الله بالقول الثابت فیسأل: ما انت؟ فیقول: انا عبدالله حیا ومیتا واشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله۔ قال: فیقال: کذالک کنت! فیوسع علیه قبره ماشاء الله ویفتح له باب الی الجنة... الخ'' (ابن ابی شیبہ ج۳ ص۳۷۷، اتحاف ج۱۰ ص۴۱۷)

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آدمی کو اس کی قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو اگر وہ اہلِ سعادت میں سے ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو قول ثابت کے ساتھ ثابت قدم رکھتے ہیں، پس اس سے پوچھا جاتا ہے کہ: تو کون ہے؟ پس وہ کہتا ہے کہ: میں اللہ کا بندہ ہوں، زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول

ہیں۔ فرمایا: پس اس کو کہا جاتا ہے کہ: تو ایسا ہی تھا! پس اس پر اس کی قبر کشادہ کردی جاتی ہے، جتنی کہ اللہ کو منظور ہے، اور اس کے لئے جنت کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے......الخ۔"

حدیث براء ابن عازب رضی اللہ عنہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: "فینادی منادمن السماء ان کذب عبدی فافرشوا له من النار، وافتحوا له بابا الی النار، فیأتیه حرها ولمومها ویضیق علیه قبره حتی تختلف اضلاعه" (کنز العمال ج۱۵ ص۶۲۹، ۲۴۳، ابن ابی شیبہ ج۳ ص۳۸۲)

ترجمہ: "(دوزخی کے حالات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:) پس آسمان سے ایک منادی اعلان کرتا ہے کہ: میرا بندہ جھوٹ بولتا ہے! پس اس کے لئے آگ کا بچھونا بچھاؤ اور اس کے لئے آگ کی طرف دروازہ کھول دو، پس اس شخص کو آگ کی تپش اور لو پہنچتی ہے، اور قبر اس پر تنگ ہوجاتی ہے، یہاں تک کہ اس کی پسلیاں اِدھر سے اُدھر نکل جاتی ہیں۔"

حدیث معاذ رضی اللہ عنہ: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "الضمة فی القبر کفارة لکل مؤمن لکل ذنب بقی علیه ولم یغفر له" (کنز العمال ج۱۵ ص۶۳۹، ۶۴۲)

ترجمہ: "قبر میں بھینچنا ہر مؤمن کے لئے کفارہ ہے، ہر اس گناہ کے لئے جو اس پر باقی ہو اور اس کی مغفرت نہ ہوئی ہو۔"

حدیث عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ: عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "ثم یسلب کفنه فیبدل ثیابا من نار، ویضیق علیه حتی تختلف فیه اضلاعه" (مصنف عبدالرزاق ج۳ ص۵۹۱)

ترجمہ: "پھر اس کا کفن چھین لیا جاتا ہے، اور اس کے بجائے آگ کے کپڑے بدل دیئے جاتے ہیں، اور قبر اس پر تنگ کردی جاتی ہے، یہاں تک کہ اس میں اس کی پسلیاں اِدھر سے اُدھر نکل جاتی ہیں۔"

حدیث صفیہ بنت ابی عبید رضی اللہ عنہا: حضرت صفیہ بن ابوعبید رضی اللہ عنہا کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: "وعن نافع قال: اتینا صفیة بنت ابی عبید فحدثتنا ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال: ان کنت لاری لو ان احدا اعفی من ضغطة القبر لعفی سعد بن معاذ، ولقد ضم ضمة" (مجمع الزوائد ج۳ ص۴۷)

ترجمہ: "حضرت نافع فرماتے ہیں کہ: ہم حضرت صفیہ بنت ابی عبیدؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، (یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ تھیں) تو انہوں نے ہم سے بیان کیا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: میرا خیال یہ تھا کہ اگر کسی کو قبر کے بھینچنے سے معافی مل جائے گی تو سعد بن معاذؓ کو ضرور معافی ملے گی، اور البتہ تحقیق ایک دفعہ تو ان کو بھی بھینچا گیا۔"

حدیث ابوایوب رضی اللہ عنہ: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: "وعن ابی ایوب ان صبیا دفن فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: لو افلت احد من ضمة القبر لافلت هذا الصبی۔ رواه الطبرانی فی الکبیر ورجاله رجال الصحیح" (مجمع الزوائد ج۳ ص۴۷، کنز العمال ج۱۵ ص۱۴۰)

ترجمہ: "حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ایک بچہ دفن کیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اگر کوئی قبر کے بھینچنے سے محفوظ رہتا تو یہ بچہ ضرور محفوظ رہتا۔"

احادیث واقعہ قلیبِ بدر

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ انسان کے مرنے کے بعد اس کی رُوح کا اس کے بدن کے ساتھ تعلق ہوتا ہے، جس سے اس کو ثواب و عذاب کا احساس ہوتا ہے، چنانچہ غزوۂ بدر کے موقع پر کفار کے ستر سردار مارے گئے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ ان سب کو گڑھے میں ڈال دیا جائے، جب سب کو گڑھے میں ڈال دیا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس گڑھے پر تشریف لے گئے اور فرمایا: اے اہلِ قلیب! کیا تم نے وہ چیز پالی جس کا تم سے ہمارے ربّ نے وعدہ کیا تھا؟ کیونکہ میں نے تو وہ چیز پالی جس کا میرے ربّ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے جسموں سے کلام کر رہے ہیں جن میں روحیں نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں ان کو جو کچھ کہہ رہا ہوں، تم ان سے زیادہ نہیں سنتے۔۔۔! مندرجہ ذیل احادیث میں اس کا ذکر ہے: ”هل وجدتم ما وعد ربكم حقًّا؟“

حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: ”عن عائشة قالت: امر رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بالقتلى ان يطرحوا فى القليب، فطرحوا فيه، الا ما كان من امية بن خلف، فانه انتفخ فى درعه فملأها فذهبوا يحركوه فتزايل فاقروه والقوا عليه ما غيبه من التراب والحجارة، فلما القاهم فى القليب وقف عليهم رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فقال: يا اهل القليب! هل وجدتم ما وعد ربكم حقًّا؟ فانى قد وجدت ما وعدنى ربى حقًّا!“ (مسند احمد ج ۶ ص ۲۷۶، ج ۲ ص ۳۸، صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸۳، صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۰۳، البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۲۹۳)

ترجمہ: ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے مقتولین کے بارے میں حکم فرمایا کہ ان کو ایک گڑھے میں ڈال دیا جائے، چنانچہ ان کو ڈال دیا گیا، مگر یہ کہ امیہ بن خلف اپنی زرہ میں پھول گیا تھا، پس اس نے اس کو بھر دیا تھا، اس کو حرکت دینے لگے تو وہ اور زیادہ بڑھتا جاتا، پس اس کو ویسے ہی رکھا اور اس پر کوئی ایسی چیز ڈال دی جو اس کو چھپادے، یعنی مٹی اور پتھر، پس جب صحابہؓ نے ان کو اس قلیب (گڑھے) میں ڈالا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر کھڑے ہوئے، پس ارشاد فرمایا کہ: اے اہلِ قلیب! کیا تم نے وہ چیز پالی جس کا تم سے تمہارے ربّ نے وعدہ کیا تھا؟ کیونکہ میں نے تو وہ چیز پالی جس کا مجھ سے میرے ربّ نے وعدہ کیا تھا!......الخ۔“

حدیث انس رضی اللہ عنہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: ”عن انس قال: كنا مع عمر بين مكة والمدينة اخذ يحدثنا عن اهل بدر، فقال: ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ليرينا مصارعهم بالامس، قال هٰذا مصرع فلان ان شاء الله غدًا، قال عمر: والذى بعثه بالحق! ما اخطؤا تيك فجعلوا فى بير، فاتاهم النبى صلی اللہ علیہ وسلم فنادى: يا فلان بن فلان! يا فلان بن فلان! هل وجدتم ما وعد ربكم حقًّا؟ فانى وجدت ما وعدنى الله حقًّا! فقال عمر: تكلم اجسادا لا ارواح فيها؟ قال: ما انت باسمع لما اقول منهم!“ (نسائی ج ۱ ص ۲۹۳، ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۳۷۹، مسلم ج ۱ ص ۳۰۳، ج ۲ ص ۳۸۷، مسند احمد ج ۳ ص ۱۰۴، ۱۴۵، ۲۶۳، ۲۸۷، اتحاف ج ۵ ص ۲۳، دلائل النبوۃ ج ۳ ص ۴۸، درمنثور ج ۵ ص ۱۵۷)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ: ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے درمیان تھے، تو آپؓ ہم سے اہلِ بدر کے بارے میں بیان کرنے لگے، پس فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شام کے وقت ہمیں ان کی قتل گاہیں دکھا رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ: یہ ان شاء اللہ کل فلاں آدمی کی قتل گاہ ہوگی! حضرت

عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق دے کر بھیجا ہے! وہ لوگ ان جگہوں سے اِدھر اُدھر نہیں ہوئے، پس ان کو ایک گڑھے میں ڈال دیا گیا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے، پس پکار کر فرمایا: اے فلاں بن فلاں! اے فلاں بن فلاں! کیا تم نے پالیا ہے جو تمہارے ربّ نے وعدہ کیا تھا حق؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو مجھ سے وعدہ کیا تھا، وہ تو میں نے حق پایا! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے جسموں سے کلام فرماتے ہیں جن میں روحیں نہیں؟ پس ارشاد فرمایا: میں ان کو جو کچھ کہہ رہا ہوں، تم ان سے زیادہ نہیں سنتے!''

حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما: حدیثِ عبداللہ بن عمرؓ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''حدثنی نافع ان ابن عمر اخبرہ قال: اطلع النبی صلی اللہ علیہ وسلم علٰی اھل القلیب فقال: ھل وجدتم ما وعد ربکم حقًّا؟ فقیل لہ: تدعوا امواتا؟ قال: ما انتم باسمع منھم، ولٰکن لا یجیبون!'' (صحیح بخاری ج۱ ص۱۸۳، مسلم ج۱ ص۴۰۳، نسائی ج۱ ص۲۹۳، مسند احمد ج۱ ص۳۸، ۱۳۱، ابن ابی شیبہ ج۱۴ ص۳۷۷، البدایہ والنہایہ ج۳ ص۲۹۳)

ترجمہ: ''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گڑھے کی طرف جھانکا جس میں بدر کے کافر مقتول ڈال دیئے گئے تھے، پس فرمایا: کیا تم نے پایا اس چیز کو جس کا تم سے تمہارے ربّ نے وعدہ کیا تھا سچ؟ پس عرض کیا گیا کہ: کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے جان مُردوں کو پکارتے ہیں؟ فرمایا: تم میری بات کو ان سے زیادہ نہیں سنتے، لیکن وہ جواب نہیں دیتے!''

حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''اخرج ابو سھل السری ابن سھل الجند نیسابوری الخامس من حدیثہ من طریق عبدالقدوس عن ابی صالح عن ابن عباس رضی اللہ عنہما فی قولہ: "انک لا تسمع الموتٰی"، "وما انت بمسمع من فی القبور" قال: کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقف علی القتلٰی یوم بدر ویقول: ھل وجدتم ما وعد ربکم حقًّا؟'' (درمنثور ج۵ ص۲۴۹)

ترجمہ: ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے "انک لا تسمع الموتٰی" اور "وما انت بمسمع من فی القبور" (بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں سنا سکتے مُردوں کو) اور (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں سنانے والے ان لوگوں کو جو قبروں میں ہیں) کی تفسیر میں منقول ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تھے مقتولین پر بدر کے دن اور یوں فرماتے تھے کہ: جو وعدہ تم سے تمہارے ربّ نے کیا تھا، وہ تم نے سچ پایا یا نہیں؟......الخ''

حدیث ابوطلحہ رضی اللہ عنہ: حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''عن ابی طلحة ان نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امر یوم بدر باربعة وعشرین رجلا من صنادید قریش، فقذفوا فی طوی من اطواء بدر خبیث فخبث وکان اذا ظھر علٰی قوم اقام بالعرصة ثلاث لیال فلما کان ببدر الیوم الثالث امر براحلتہ فشد علیھا رحلھا ثم واتبعہ اصحابہ وقالوا: ما نری ینطلق الا لبعض حاجتہ حتی قام علٰی شفة الرکی فجعل ینادیھم باسمائھم واسماء اٰبائھم: یا فلان بن فلان! ویا فلان بن فلان! ایسر کم انکم اطعتم اللہ ورسولہ؟ فانا قد وجدنا ما وعدنا ربنا حقًّا! فھل وجدتم ما وعد ربکم حقًّا؟ قال: فقال عمر: یا رسول اللہ! ما تکلم من اجساد لا ارواح لھا؟ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: والذی نفس محمد بیدہ! ما انتم باسمع لما اقول منھم'' (بخاری ج۲ ص۵۶۶، مسند احمد ج۴ ص۲۹)

ترجمہ: ''حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن چوبیس آدمیوں کے بارے میں جو قریش کے رئیس تھے، حکم فرمایا کہ ان کو بدر کے گندے اور خبیث گڑھے میں ڈال دیا جائے، اور

آنحضرت ﷺ جب کسی قوم پر غالب آتے تھے تو اس میدان میں تین دن ٹھہرتے تھے، جب تیسرا دن ہوا تو اپنی سواری کے بارے میں حکم فرمایا، پس اس کا کجاوہ کسا گیا، پھر تشریف لے گئے اور آپ ﷺ کے صحابہؓ آپ ﷺ کے ساتھ تھے، اور ہم نہیں جانتے تھے مگر یہ کہ آپ ﷺ کسی کام کے لئے تشریف لے جارہے ہیں، یہاں تک کہ کھڑے ہوئے اس گڑھے کے کنارہ پر، پس ان کا اور ان کے باپوں کا نام لے کر پکارنے لگے کہ: اے فلاں بن فلاں! اور اے فلاں بن فلاں! کیا تم کو یہ بات اچھی لگتی ہے کہ تم نے اللہ اور اللہ کے رسول کی بات مان لی ہوتی؟ کیونکہ ہم نے تو جو ہم سے ہمارے ربّ نے وعدہ کیا تھا، اس کو سچ پایا! پس کیا تم نے پالیا ہے جو تمہارے ربّ نے (تم سے) وعدہ کیا تھا حق؟ راوی کہتے ہیں کہ: پس حضرت عمرؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ﷺ ایسے جسموں سے گفتگو فرماتے ہیں جن میں رُوح نہیں؟ پس آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: قسم ہے اس ذات کی کہ محمد ﷺ کی جان اس کے قبضہ میں ہے! تم میری بات کو ان سے زیادہ نہیں سنتے!''

حدیث موسیٰ بن عقبہؒ: حضرت موسیٰ بن عقبہؒ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''وامر رسول اللہ ﷺ بقتلٰی قریش من المشرکین فالقوا فی قلیب بدر ولعنہم وھو قائم یسمیھم باسمائھم غیر ان امیة بن خلف کان رجلا مسمنًا فانتفخ فی یومہ فلما ارادوا ان یلقوہ فی القلیب تفقاٴ فقال رسول اللہ ﷺ: دعوہُ! وھو یلعنھم، ھل وجدتم ما وعد ربکم حقًّا؟'' (دلائل النبوۃ ج۳ ص۱۱۷)

ترجمہ: ''اور رسول اللہ ﷺ نے مقتولینِ قریش کے بارے میں حکم فرمایا تو ان کو بدر کے گڑھے میں ڈال دیا گیا، اور ان پر لعنت فرمائی، اور آپ ﷺ کھڑے تھے ان کا اور ان کے باپوں کا نام لے رہے تھے، سوائے امیہ بن خلف کے کہ وہ موٹا تازہ آدمی تھا، پس اسی دن پھول گیا، پس جب لوگوں نے اس کو گڑھے میں ڈالنے کا ارادہ کیا تو پھٹ گیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو! اور آپ ﷺ ان پر لعنت فرمارہے تھے اور ان سے کہہ رہے تھے کہ: جو وعدہ تم سے تمہارے ربّ نے کیا تھا، تم نے اس کو سچ پایا یا نہیں؟''

لا تؤذوا صاحب القبر

قبر مٹی کا ڈھیر نہیں، بلکہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے، یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

قبر والے کو نہ صرف یہ کہ قبر کے ثواب و عذاب کا احساس ہوتا ہے، بلکہ قبر پر چڑھنے سے بھی اس کو ایذا ہوتی ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے قبرستان جانے کے آداب بیان فرمائے ہیں، مندرجہ ذیل احادیث میں اس کا ذکر ہے: ''عن زیاد بن نعیم ان ابن حزم ابا عمارۃ او ابا عمرو قال: رآنی النبی ﷺ وانا متکئ علٰی قبر فقال: قم! لا تؤذ صاحب القبر او یؤذیک'' (البغوی، کنز العمال ج۱۵ ص۵۹۷ حدیث:۴۲۹۸۸)

ترجمہ: ''حضرت ابوعمارہؓ یا ابوعمروؓ فرماتے ہیں کہ: آنحضرت ﷺ نے دیکھا کہ میں قبر کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھا ہوا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: اُٹھ جاؤ! قبر والے کو ایذا نہ دو، یا فرمایا کہ: قبر سے ٹیک نہ لگاؤ کہ یہ تیرے لئے عذاب کا سبب ہوگا!''

''عن عمرو بن حزم قال: رآی النبی ﷺ وانا متکئ علٰی قبر، قال: لا تؤذ صاحب القبر!''

(ابن عساکر، مسند احمد، کنز العمال ج۱۵ ص۶۰۷ حدیث:۴۲۹۹۰)

ترجمہ: ''عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ میں قبر کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قبر والے کو ایذا نہ پہنچاؤ!''

''عن عمارة بن حزم رضی اللہ عنہ قال: رآنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جالسا علٰی قبر، قال: انزل عن القبر! لا تؤذی صاحب القبر و لا یؤذیک!'' (طبرانی، مستدرک، عمارہ بن حزم ج۳ ص۵۹۰، شرح معانی الآثار ج۱ ص۲۹۶، کنز العمال ج۱۵ ص۶۵۷ حدیث:۴۲۶۰۵، ترغیب ج۴ ص۳۷۴، مجمع الزوائد ج۳ ص۶۱)

ترجمہ: ''حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے قبر پر بیٹھے دیکھا تو فرمایا: قبر والے کو ایذا نہ دے! قبر سے اُتر جا! تاکہ تیرا یہ عمل تیرے لئے عذابِ آخرت کا سبب نہ بنے۔''

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ:

(الف) عذاب و ثواب قبر برحق ہے۔

(ب) عذاب و ثواب کا تعلق اسی گڑھے سے ہے، جس کو عرفِ عام میں قبر کہا جاتا ہے، چنانچہ حدیث میں صراحت فرمائی گئی ہے کہ: ''القبر روضة من ریاض الجنة او حفرة من حفر النار۔'' (قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا)

(ج) اور یہ بھی ثابت ہوا کہ عذاب و ثوابِ قبر کی احادیث متواتر ہیں اور ان کا انکار ایک مسلمان کے لئے (جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہو) ممکن نہیں۔

(د) چونکہ برزخ کے معاملات عام لوگوں کے احساس و مشاہدہ سے ماورا ہیں، اس لئے عذاب و ثوابِ قبر کا انکار محض اپنے احساس و مشاہدہ کی بنا پر قطعاً غلط ہے، اس لئے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و مشاہدات پر ایمان رکھنا ضروری ہے، اور وہ بقدرِ ضرورت اُوپر آچکے ہیں، جو ایک مؤمن کے لئے کافی و شافی ہیں۔

چہارم: اب تک ہم نے عام اموات کے بارے میں گفتگو کی ہے، اور یہ بتایا ہے کہ ان کا ثواب و عذاب متواتر ہے، جس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں، اس پر ایمان لانا فرض ہے، اور اس کے منکر کے حق میں اندیشۂ کفر ہے۔

اب ہم اس پر گفتگو کریں گے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بالخصوص سید الانبیاء سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی قبر شریفہ میں حیات ہونا اور حیات کے تمام لوازم کے ساتھ متصف ہونا برحق اور قطعی ہے، اور اس پر امت کا اجماع ہے، چنانچہ مذکورہ بالا تقریباً ایک سو پچاس احادیث سے حضرات انبیائے کرام کی حیات (جو عام اموات، شہداء اور صدیقین سے افضل ہیں) دلالت النص سے بطریقِ اَولیٰ ثابت ہوتی ہے، چنانچہ محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری قدس سرہ اپنے رفیقِ خاص حضرت مولانا سید احمد رضا بجنوری رحمۃ اللہ علیہ کے نام لکھے گئے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

(۱) شہداء کے لئے بنصِ قرآن ''حیات'' حاصل ہے اور مزید دفعِ تجویز کے لئے ''یرزقون'' کا ذکر بھی کیا گیا ہے، جیسے آج کل محاورہ بھی ہے: ''فلان حی یرزق'' عام اہلِ برزخ سے ان کی حیات ممتاز ہے۔

(۲) جب انبیاء کا درجہ عام شہداء سے اعلیٰ وارفع ہے تو بدلالۃ النص یا بالاولیٰ خود قرآن کریم سے ان کی حیات ثابت ہوئی (علیہم الصلوات والتسلیمات) اور جب مرتبہ اعلیٰ وارفع ہے تو حیات بھی اقویٰ و اکمل ہوگی۔

(۳) اس حیات کی اکملیت کے بارے میں دو حدیثیں آئی ہیں..... "اِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَأْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ" اور حدیث: "اَلْاَنْبِيَاءُ اَحْيَاءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ" اور اس کے علاوہ بھی روایات ہیں...... اور ان احادیث کے شواہد کے طور پر دیگر احادیث صحیح موجود ہیں، مثلاً موسیٰ علیہ السلام کا تلبیہ، حج۔

(۴) روح کے تعلقات اجساد سے پانچ قسم کے ہیں: (۱) فی حالۃ الجنین، (۲) بعد الولادۃ فی الدنیا اور اس کی دو صورتیں ہیں، (۳) حالتِ نوم میں اور حالتِ یقظہ میں، (۴) بعد الموت فی البرزخ، (۴) بعد البعث فی الحشر۔ ضعیف ترین اول و رابع ہے، قوی ترین خامس اور متوسط دنیوی ہے، "كَمَا حَقَّقَهُ الْمُتَكَلِّمُوْنَ وَابْنُ الْقَيِّمِ فِيْ كِتَابِ الرُّوْحِ وَالْقَارِيْ فِيْ شَرْحِ الْفِقْهِ الْاَكْبَرِ"

(۵) انبیائے کرام علیہم السلام کی نوم جیسے ممتاز ہے عام نوم سے (اِنَّ عَيْنَايَ تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِيْ) اسی طرح ان کی موت کی حالت بھی عام اموات جیسی نہیں، "اَلنَّوْمُ اَخُ الْمَوْتِ"، اور عام موتی میں تحقیق موت سے، انقطاع الروح عن الجسد بالکلیہ ہوتا ہے اور یہاں بالکلیہ نہیں ہوتا اور پھر علوِ مرتبہ جتنا ہوتا ہے، اتنا ہی تعلق قوی ہوگا۔

(۶) مفارقۃ الروح عن الجسد سے مفارقت تعلق الروح عن الجسد لازم نہیں آتا۔

(۷) اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد مبارک کو تروح کی کیفیت حاصل ہو، جیسے معراج میں جسد پر رُوح کی کیفیت طاری ہوئی، تجسد ارواح اور تروح اجساد دونوں کی نظیریں عالم شہادت میں ہیں تو عالم ارواح میں کیوں استبعاد کیا جائے جب کہ اس کا تعلق عالم غیب سے ہے۔

(۸) دنیا میں صوفیاء کرام کے یہاں ابدانِ مثالیہ کا تعدد وقت واحد میں، متعدد امکنہ میں ظہور اور آثار کے ثبوت پر مشہور واقعات ہیں، انبیائے کرام کی نقل و حرکت بالا جساد الحر وحہ اس کی نظیر ہوگی۔

(۹) الغرض انبیائے کرام کے لئے حیات، بقائے اجساد، نقل و حرکت، ادراک و علم سب چیزیں حاصل ہیں۔

(۱۰) یہ حیات، دنیوی حیات کے مماثل بلکہ اس سے اقویٰ ہے، دُنیا میں ہمیشہ جسد کو رُوح کی خاصیت حاصل نہیں ہوتی اور برزخ میں ہوتی ہے، اب اگر اس کو حیاتِ دنیوی سے بعض حضرات نے تعبیر کیا ہے تو اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے کیا ہے، بہرحال وہ حیاتِ دنیوی بھی ہے اور حیاتِ برزخی بھی، صرف حیاتِ برزخی نہیں جس میں عام شہداء یا اموات بھی شریک ہوں، بلکہ اقویٰ و اکمل ہے، اس لئے حیاتِ دنیوی کے مماثل ہے، بلکہ اس سے بھی اقویٰ ہے۔

اختلاف تعبیرات میں نزاع لفظی ہے، اس دُنیا سے رَسمی تعلق منقطع ہونے کے بعد برزخی دور شروع ہوتا ہے، اب جو چاہے اطلاق کیا جائے۔

(۱۱) اگر احادیث و نصوص میں حیات کا ثبوت ہے اور پھر عدمِ نکاح بالازواج المطہرات اور عدمِ توریث وغیرہ کی علت اصل حیات کو کہا جائے تو درست ہے، بہرحال حکمِ شرعی کی کوئی علت ہی ہوتی ہے، اور یہاں تو علت از قبیل العلل المعتبرہ کے ہوگی نہ کہ علل مرسلہ کی قسم سے، اور اس علت کی تنقیح، اصول تنقیح المناط اور تحقیق المناط سے زیادہ قطعی ہوگی۔" (بینات شعبان ۱۳۸۸ھ)

خیر القرون سے لے کر چودہ صدیوں تک اس مسئلے میں کسی قسم کا کوئی اختلاف و افتراق نہیں تھا بلکہ تمام اکابرین امت نے اپنی اپنی تصنیفات میں اپنے اپنے انداز میں اس مسئلے کو واضح فرمایا، یہاں تک کہ اکابر اسلاف میں سے بعض حضرات نے اس موضوع پر مستقل رسائل تصنیف فرمائے اور ثابت کیا کہ حیاتِ انبیاء کا مسئلہ بالکل

واضح، بے غبار اور امت کا اجماعی عقیدہ رہا ہے، اور جس طرح حضرات شہداء کرام کی حیات قرآن کریم سے ثابت ہے، اسی طرح حضرات انبیائے کرام کی حیات بھی بطور دلالت النص قرآن کریم سے ثابت ہے، لیکن ناس ہو خودرائی وخودروی اور اسلاف بیزاری کا کہ اس نے تحقیق کے نام پر جہالت، اور سنت کے نام پر بدعت کو رواج دیا، جس کی وجہ سے نام نہاد محققین نے جہاں دُوسرے بعض اجماعی مسائل سے انحراف کیا وہاں اس عقیدہ کا بھی انکار کردیا، چنانچہ محدث العصر حضرت بنوری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: "انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات بعد الممات کا مسئلہ صاف اور متفقہ مسئلہ تھا، شہداء کی حیات نص قرآن ثابت تھی اور دلالۃ النص سے انبیائے کرام کی حیات قرآن سے ثابت تھی، اور احادیث نبویہ سے عبارۃ النص کے ذریعہ ثابت تھی، لیکن برا ہو اختلاف اور فتنوں کا کہ ایک مسلّمہ حقیقت زیر بحث آکر مشتبہ ہوگئی، کتنی ہی تاریخی بدیہیات کو کج بحثوں نے نظری بنالیا اور کتنے ہی حقائق شرعیہ کو کج فہمی نے مسخ کرکے رکھ دیا، یہ دُنیا ہے اور دُنیا کے مزاج میں داخل ہے کہ یہاں ہر دور میں کج فہم، کجرو اور کج بحث موجود ہوتے ہیں، زبان بند کرنا تو اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت میں ہے، ملاحدہ وزنادقہ کی زبان کب بند ہوسکی؟ کیا اس دور میں امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کو افسانہ نہیں بتایا گیا؟ اور کہا گیا کہ یہ واقعہ ہے ہی نہیں؟ اور کیا امام حسین رضی اللہ عنہ کو باغی اور واجب القتل اور یزید (بن معاویہؓ) کو امیر المؤمنین اور خلیفہ برحق ثابت نہیں کیا گیا؟ کسی صحیح حدیث کو ضعیف بنانے کے لئے کسی راوی کے بارے میں کتب رجال میں جرح کا کوئی کلمہ دیکھ لینا بس کافی ہے کہ اس پر بنیاد قائم کی جائے؟ اگر عقل سلیم سے کام نہ لیا جائے اور صرف کسی کتاب میں جرح کو دیکھا جائے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ تمام کے تمام ائمہ مجروح ہوکر دین کا سرمایہ ختم ہی ہوجائے گا۔"

الغرض حیاتِ انبیائے کرام علیہم السلام کا مسئلہ بھی تقریباً اسی قسم کی کج بحثوں میں اُلجھ کر اچھا خاصا فتنہ بن گیا، عصمت تو انبیائے کرام کا خاصہ ہے، علماء معصوم تو ہیں نہیں، کچھ حضرات نے دانستہ یا نادانستہ حدیثی وکلامی بحثیں پیدا کردیں اور سمجھا یہ گیا یا سمجھایا گیا کہ اس طرح توسل بالاموات اور استعانت بغیر اللہ وغیرہ وغیرہ بہت سی بدعات کا خاتمہ ہوجائے گا، گویا علاج یہ تجویز کیا گیا کہ حیاتِ انبیاء سے انکار کرتے ہی یہ مفاسد ختم ہوسکتے ہیں، اس کی مثال تو ایسی ہوئی کہ بارش سے بچنے کے لئے پرنالے کے نیچے جا کر بیٹھ گئے، بہرحال ان تفصیلات میں جانے کی حاجت نہیں، خلفشار کو ختم کرنے کے لئے اربابِ فکر وخلوص نے چند حضرات کے نام تجویز کئے کہ اس اختلاف کو جس نے فتنہ کی شکل اختیار کرلی ہے، ختم کرنے کی کوشش کریں، راقم الحروف کا نام بھی انہیں میں شامل تھا، تجویز یہ ہوئی کہ اس موضوع پر ایک محققانہ کتاب مؤثر انداز میں لکھی جائے اور تشکیک پیدا کرنے والے حضرات کے شبہات کا جواب بھی دیا جائے، اور مسئلے کے تمام گوشوں پر سیر حاصل تبصرہ بھی کیا جائے، باتفاق رائے اس کام کی انجام دہی کے لئے جناب برادر گرامی مآثر مولانا ابوالزاہد محمد سرفراز صاحب منتخب ہوگئے، جن کے دماغ میں بحث وتمحیص کی صلاحیت بھی ہے اور قلم میں پختگی بھی، علوم دینیہ اور حدیث ورجال سے اچھی اور قابل قدر مناسبت بلکہ عمدہ بصیرت بھی ہے، مختلف مکان سے غرر نقول جمع کرنے کی پوری قدرت بھی ہے اور حسنِ ترتیب کی پوری اہلیت بھی، الحمدللہ کہ برادر موصوف نے توقع سے زیادہ مواد جمع کرکے تمام گوشوں کو خوب واضح کردیا اور تحقیق کا حق ادا کردیا ہے، میرے ناقص خیال میں اب یہ تالیف (تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتیٰ فی البرزخ والقبور) اس مسئلے میں جامع ترین تصنیف ہے، اور اس دور میں جتنی تصانیف اس مسئلے پر لکھی گئی ہیں ان سب میں جامع، واضح، عالمانہ بلکہ محققانہ ہے، اللہ تعالیٰ موصوف کی اس

خدمت کو قبول سے نوازے اور اس قسم کی مزید خدمات کی توفیق عطا فرمائے۔" (تسکین الصدور ص ۲۲ تا ۲۴)

اس تمہید کے بعد اب ہم بالترتیب قرآن و سنت اور اجماعِ امت کے حوالہ سے حیاتِ النبی پر چند گزارشات پیش کریں گے، سب سے پہلے ملاحظہ ہو حیاتِ الانبیاء قرآن کریم کی روشنی میں:

حیاۃ الانبیاء قرآن کی روشنی میں

قرآن کریم میں بیشتر مقامات پر حیات الانبیاء کا ثبوت اشارتاً، دلالتاً اور اقتضائً ملتا ہے، ان سب کا احصاء مشکل بھی ہے اور موجب طول بھی، اس لئے اختصار کے پیش نظر چند آیتوں کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے:

(۱) "وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رُّسُلِنَا اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً یُّعْبَدُوْنَ" (الزخرف:۴۵)

ترجمہ: "اور آپ ان سب پیغمبروں سے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے، پوچھ لیجئے کہ کیا ہم نے خدائے رحمن کے سوا دُوسرے معبود ٹھہرا دیئے تھے کہ ان کی عبادت کی جائے؟"

اس آیت کے ذیل میں صاحب زاد المسیر لکھتے ہیں: "انه لما اسری به جمع الانبیاء فصلی بھم، ثم قال له جبریل سل من ارسلنا قبلک، الآیۃ، فقال: لا اسأل، قد اکتفیت، رواہ عطاء عن ابن عباس وھذا قول سعید بن جبیر والزھری وابن زید، قالوا: جمع له الرسل لیلۃ اسری به فلقیھم وامر ان یسألھم فما شک ولا سأل" (زاد المسیر فی علم التفسیر ج ۷ ص ۳۱۹)

ترجمہ: "جب حضور ﷺ کو معراج پر پہنچایا گیا تو آپ ﷺ کے لئے تمام انبیاء کو جمع کیا گیا، آپ ﷺ نے نماز میں ان سب کی امامت فرمائی، پھر حضرت جبرئیلؑ نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: "آپ ان سب پیغمبروں سے پوچھئے جن کو ہم نے آپ ﷺ سے پہلے بھیجا ہے......الخ" پس آپ ﷺ نے فرمایا: "مجھے سوال کی ضرورت نہیں، میں نے اس پر اکتفا کیا (جو مجھے بتلایا گیا)...... حضرت سعید بن جبیر، زہری اور ابن زید فرماتے ہیں کہ معراج کی رات آپ ﷺ کے لئے تمام انبیائے کرام کو جمع کیا گیا، اس موقع پر آپ ﷺ کی ان سے ملاقات ہوئی اور آپ ﷺ کو حکم ہوا کہ آپ ﷺ ان سے پوچھئے، پس آپ ﷺ کو نہ تو شک تھا اور نہ آپ ﷺ نے پوچھا۔"

تفسیر کبیر میں ہے: "قال عطاء عن ابن عباس ﷺ لما اسری به ﷺ الی المسجد الاقصیٰ بعث الله له آدم وجمع المرسلین من ولدہ فاذن جبریل ثم اقام فقال: یا محمد! تقدم فصل بھم، فلما فرغ رسول الله ﷺ من الصلاۃ قال له جبریل علیہ السلام: واسأل یا محمد من ارسلنا من قبلک من رسلنا، الآیۃ، فقال ﷺ لا اسأل لانی لست شاکاً فیه" (تفسیر کبیر ج ۲۷ ص ۲۱۶)

ترجمہ: "حضرت عطاء حضرت ابن عباسؓ سے نقل فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ کو معراج پر لے جایا گیا، اور جب آپ ﷺ مسجد اقصیٰ میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور تمام انبیاء علیہم السلام جو ان کی اولاد میں سے تھے سب کو جمع کیا، پس حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اذان اور اقامت کہی اور عرض کیا: اے محمد ﷺ! آگے بڑھئے اور ان کو نماز پڑھایئے، جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا: اے محمد ﷺ! اور پوچھئے ان سے جن کو ہم نے آپ ﷺ سے پہلے رسول بنا کر بھیجا ہے، پس آپ ﷺ نے فرمایا: میں ان سے کچھ نہیں پوچھتا کہ مجھے اس میں کوئی شک نہیں۔"

تفسیر قرطبی میں اس کی مزید تفصیلات یوں بیان کی گئی ہیں: ''لما اسری برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ - وھو مسجد بیت المقدس - بعث اللہ لہ آدم ومن وُلد من المرسلین، وجبریل مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فاذن جبریل علیہ السلام ثم اقام الصلاۃ، ثم قال: یا محمد! تقدم فصل بھم، فلما فرغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لہ جبریل علیہ السلام: ''سل یا محمد من ارسلنا من قبلک من رسلنا اجعلنا من دون الرحمن آلھۃ یعبدون۔'' فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ''لا اسأل قد اکتفیت۔'' قال ابن عباس: وکانوا سبعین نبیًا منھم ابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام، فلم یسألھم لأنہ کان أعلم باللہ منھم، فی غیر روایۃ ابن عباس: فصلوا خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سبعۃ صفوف، المرسلون ثلاثۃ صفوف والنبیون أربعۃ، وکان یلی ظھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابراھیم خلیل اللہ، وعلی یمینہ اسماعیل وعلی یسارہ اسحاق ثم موسیٰ، ثم سائر المرسلین فأمھم رکعتین، فلما انفتل قام فقال: ''ان ربی أوحی الی أن أسألکم ھل أرسل أحد منکم یدعو الی عبادۃ غیر اللہ؟'' فقالوا: یا محمد! انا نشھد انا أرسلنا أجمعین بدعوۃ واحدۃ أن لا الٰہ الا اللہ وأن ما یعبدون من دونہ باطل، وانک خاتم النبیین وسید المرسلین، قد استبان ذالک لنا بامامتک ایانا، وأن لا نبی بعدک الی یوم القیامۃ الا عیسیٰ بن مریم فانہ مأمور أن یتبع أثرک''

ترجمہ: ''جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک معراج پر لے جایا گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اور جو ان کی اولاد میں سے انبیاء تھے سب کو اکٹھا فرمایا، جبرئیل علیہ السلام بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے، پس جبرئیل نے اذان و اقامت کہی اور عرض کیا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آگے بڑھیئے اور ان کو نماز پڑھایئے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے تو جبرئیلؑ نے عرض کیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوال کیجئے ان رسولوں سے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھیجے گئے تھے کہ کیا ہم نے اللہ کے علاوہ کوئی معبود بنائے تھے کہ جن کی پوجا کی جاتی تھی؟ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے سوال کی ضرورت نہیں کہ میں نے اس پر کفایت کی (جو مجھے بتایا گیا)

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ وہاں ستر نبی تھے، جن میں حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام بھی تھے، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کوئی سوال نہیں کیا، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سب سے زیادہ اللہ کی جانب سے علم رکھتے تھے، ابن عباسؓ کی روایت کے علاوہ دُوسری روایت میں ہے کہ: پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کی سات صفیں تھیں، جن میں سے تین صفیں رسولوں کی اور چار انبیاء کی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے متصل حضرت ابراہیم علیہ السلام، دائیں جانب حضرت اسماعیل علیہ السلام اور بائیں جانب حضرت اسحٰق علیہ السلام، پھر موسیٰ علیہ السلام، پھر عیسیٰ علیہ السلام اور پھر تمام انبیاء تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دو رکعتیں نماز پڑھائی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا کر فارغ ہوئے تو کھڑے ہوگئے اور فرمایا: بے شک میرے رب نے میری طرف وحی بھیجی ہے کہ میں آپ سے سوال کروں کہ کیا تم میں سے کوئی ایک ایسا رسول بھیجا گیا تھا جو لوگوں کو غیر اللہ کی عبادت کی طرف بلاتا ہو؟ ان سب نے کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! بے شک ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہم بھیجے گئے ایک (اللہ) کی طرف دعوت دینے کے لئے اور یہ کہ نہیں کوئی معبود سوا اللہ تعالیٰ کے، اور یہ کہ جو لوگ اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت کرتے ہیں وہ سب باطل ہے، اور بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین اور تمام رسولوں کے سردار ہیں، اور یہ بات اس سے واضح ہوگئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری امامت فرمائی ہے، اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ قیامت تک کوئی دُوسرا نبی نہیں آئے گا، سوائے عیسیٰ بن مریم کے کہ بے شک وہ اس پر مامور ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرے۔''

اسی طرح اس آیت سے حیات الانبیاء پر استدلال کرتے ہوئے خاتمۃ المحدثین علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: "یستدل بہ علی حیاۃ الانبیاء"

(مشکلات القرآن ص ۲۳۴، در منثور ج ۶ ص ۲۱، روح المعانی ج ۲۲ ص ۲۵، جمل ج ۳ ص ۸۸، فتح زادہ ج ۳ ص ۲۹۸، خفاجی ج ۳ ص ۳۴۴)

(۲) "وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتَابَ فَلَا تَکُنْ فِیْ مِرْیَۃٍ مِّنْ لِّقَآئِہٖ" (الم سجدہ: ۲۳)

ترجمہ: "اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی سو آپ اس کے ملنے میں شک نہ کیجئے۔"

اس آیت کی تفسیر میں حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "معراج کی رات ان سے ملے تھے اور بھی کئی بار۔" (موضح القرآن)

اور ملاقات بغیر حیات ممکن نہیں، لہٰذا اس آیت میں اقتضاء النص سے حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ثبوت ہوتا ہے، یہاں اصول فقہ کا یہ مسئلہ بھی پیش نظر رہنا چاہئے کہ جو حکم اقتضاء النص سے ثابت ہوتا ہے وہ بحالت انفراد قوت واستدلال میں عبارت النص کے حکم ہوتا ہے۔

اسی طرح علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "واراد بذالک لقائہ صلی اللہ علیہ وسلم ایاہ لیلۃ الاسراء کما ذکر فی الصحیحین وغیرھما، وروی نحو ذالک عن قتادۃ وجماعۃ من السلف، ... وکان المراد من قولہ تعالیٰ: "فلا تکن فی مریۃ من لقائہ" علی ھذا وعدہ تعالیٰ نبیہ علیہ السلام بلقاء موسیٰ وتکون الآیۃ نازلۃ قبل الاسراء" (روح المعانی ج ۲۱ ص ۱۳۸)

ترجمہ: "اس سے مراد یہ ہے کہ معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تھی، جیسا کہ صحیحین وغیرہ میں ہے، اور اسی طرح کی ایک اور روایت حضرت قتادہؓ اور سلف کی ایک جماعت سے بھی منقول ہے ...... اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد: "سو آپ اس کے ملنے میں شک نہ کیجئے" کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کا وعدہ فرمایا، اس اعتبار سے یہ آیت واقعہ معراج سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

تفسیر زاد المسیر میں ہے: "والثانی من لقاء موسیٰ لیلۃ الاسراء قالہ ابو العالیہ ومجاھد وقتادۃ وابن السائب" (زاد المسیر ج ۶ ص ۳۴۳)

ترجمہ: "دوسری بات یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات معراج کی رات ہوئی تھی۔"

تفسیر بحر محیط میں اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے: "ای من لقائک موسیٰ ای فی لیلۃ الاسراء، ای شاھدتہ حقیقۃ وھو النبی الذی اوتی التوراۃ وقد وصفہ الرسول فقال طوال جعد کانہ من رجال شنوءۃ حین رأہ لیلۃ الاسراء..." (بحر محیط ج ۷ ص ۲۰۵)

ترجمہ: "یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات میں شک نہ کیجئے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعتاً ان کو دیکھا ہے، اور وہ وہی نبی تھے جن کو تورات دی گئی تھی اور تحقیق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا حلیہ بیان کیا اور فرمایا وہ لمبے قد کے گھنگریالے بالوں والے تھے، جیسے قبیلہ شنوءہ کے آدمی ہوتے ہیں۔۔۔۔"

(۳) "وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ" (البقرہ: ۱۵۴)

ترجمہ: "اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں ان کی نسبت یوں نہ کہو کہ وہ مردے ہیں بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں لیکن تم حواس سے ادراک نہیں کر سکتے۔"

(۴) ''بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ، فَرِحِیْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ'' (آل عمران:۱۶۹)

ترجمہ: ''بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے مقرب ہیں، ان کو رزق بھی ملتا ہے وہ خوش ہیں اس چیز سے جو ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطا فرمائی ہے۔''

ان دونوں آیتوں کے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''واذا ثبت انهم احياء من حيث النقل فانه يقويه من حيث النظر كون الشهداء احياء بنص القرآن والانبياء افضل من الشهداء'' (فتح الباری ج۶ ص۳۷۹)

یعنی جب نقل کے اعتبار سے یہ بات ثابت ہوچکی کہ شہداء زندہ ہیں تو عقل کے اعتبار سے بھی یہ بات پختہ ہوجاتی ہے کہ انبیائے کرامؑ زندہ ہیں اور حضرات انبیائے کرام علیہم السلام تو شہداء سے ہر حال میں افضل ہیں، اس لئے اس آیت سے ان کی حیات بطریق اولیٰ ثابت ہوتی ہے۔

غور فرمایئے کہ حافظ الدنیا کس قدر قوت کے ساتھ آیت کریمہ سے بدلالۃ النص بلکہ بدرجہ اولویت حیات الانبیاء کو ثابت فرما رہے ہیں۔

(۵) ''فَلَمَّا قَضَیْنَا عَلَیْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰی مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ فَلَمَّا خَرَّ تَبَیَّنَتِ الْجِنُّ...'' (سبا:۱۴)

ترجمہ: ''پھر جب ہم نے ان پر موت کا حکم جاری کردیا تو کسی چیز نے ان کے مرنے کا پتہ نہ بتلایا مگر گھن کے کیڑے نے کہ وہ سلیمان علیہ السلام کے عصا کو کھاتا تھا، سو جب وہ گر پڑے تب جنات کو حقیقت معلوم ہوئی۔''

اس آیت سے بھی بطریق دلالۃ النص حیات الانبیاء کا عقیدہ ثابت ہوتا ہے، اس لئے کہ جب کیڑوں نے مضبوط اور سخت ترین عصائے سلیمانی کو کھالیا تو جسم عنصری کا کھانا اس سے کہیں سہل اور آسان تھا مگر اس کے باوجود جسم کا لگا رہنا بلکہ محفوظ ہونا حیات کی صریح دلیل ہے۔

اسی طرح اس آیت میں ذکر شدہ ''خرور سلیمان'' سے بھی حضرات انبیاء کی حیات مبارکہ پر استدلال کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے جسد اطہر کے زمین پر آجانے کو ''خرّ'' کے لفظ کے ساتھ تعبیر فرمایا مگر اس کو سقط سے تعبیر نہیں فرمایا کیونکہ ''خرّ'' کا لفظ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں جہاں کہیں بھی مذکور ہے وہ زندہ انسان کے جھک جانے یا گر جانے کے لئے ارشاد فرمایا گیا ہے، مثلاً:

(الف) ''وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا'' (یوسف:۱۰۰)

ترجمہ: ''سجدہ میں گر پڑے اور رجوع ہوئے۔''

(ب) ''فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا'' (اعراف:۱۴۳)

ترجمہ: ''پس ان کے رب نے جو اس پر تجلی فرمائی، تجلی نے ان کے پرخچے اڑادیئے اور موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہوکر گر پڑے۔''

لہٰذا حضرت سلیمان علیہ السلام کے جسد اطہر کے سلامت زمین پر آنے سے حیات بعد الوفات کا جو بھی انکار کرتا ہے وہ قرآن کے معارف اور علوم سے ناواقف ہے۔

(۶) ''وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ'' (الانعام:۵۴)

ترجمہ: ''اور یہ لوگ جب آپ کے پاس آویں جو کہ ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو یوں کہہ دیجئے کہ تم پر سلامتی ہے، تمہارے رب نے مہربانی فرمانا اپنے ذمہ مقرر کرلیا ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو ایمان کی دولت کے ساتھ بارگاہ نبوت پر حاضر ہو، اس کے لئے خداوند قدوس کا اپنے رسول رحمت ﷺ کو حکم ہے کہ آپ اس کو السلام علیکم کی دعا کے ساتھ رب کی رحمت و مغفرت کا پیغام پہنچا دیجئے، تو حق تعالیٰ کا یہ حکم دونوں حالتوں (ماقبل الموت و مابعد الموت) کے لئے عام ہے، یعنی رہتی دُنیا تک کے لئے یہ حکم باقی ہے، جس طرح قرآن کریم کی دیگر آیات کے بارے میں یہ اصول مسلّم ہے کہ اگرچہ ان کے نزول کا واقعہ خاص ہے، لیکن ان کا حکم قیامت تک کے لئے جاری و باقی ہے، اسی طرح اس آیت مبارکہ میں بھی یہ حکم قیامت تک کے لئے ہے۔

(۷) ''وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا'' (النساء:۶۴)

ترجمہ: ''اور اگر جس وقت اپنا نقصان کر بیٹھے تھے اس وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہوجاتے پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے اور رسول بھی ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے تو ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا رحمت کرنے والا پاتے۔''

علمائے اُمت کی تصریحات سے ثابت ہے کہ حیاتِ نبوی ﷺ کی ظاہری حیثیت ختم ہونے کے بعد بھی جو مؤمن بارگاہ نبوت میں حاضر ہوکر خداوند قدوس سے طلبِ مغفرت کرے گا وہ حضور ﷺ کی طرف سے بھی دعا و مغفرت کا مستحق ہوگا، چنانچہ تفسیر قرطبی میں ہے: ''عن علیؓ قال قدم علینا اعرابی بعد ما دفنا رسول اللہ ﷺ بثلاثة ایام، فرمی بنفسه علی قبر رسول اللہ ﷺ وحثا علی رأسه من ترابه، فقال: قلت یا رسول اللہ فسمعنا قولک، ووعیت عن اللہ فوعینا عنک وکان فیما انزل اللہ علیک "ولو انهم اذ ظلموا انفسهم" الآیة وقد ظلمت نفسی وجئتک تستغفر لی! فنودی من القبر: انه قد غفر لک!'' (تفسیر قرطبی ج۵ ص۲۶۵، ۲۶۶)

یعنی حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دفن کے تین روز بعد ایک بدوی نے روضۂ اقدس پر حاضر ہوکر اس آیت کریمہ کے حوالہ سے مغفرت طلب کی، روایت ہے کہ مرقد اطہر سے صدا آئی: ''انه قد غفر لک!''

ان ارشادات ربانی کے مطابق رحمۃ للعالمین ﷺ کی ذات گرامی عالم دُنیا کی حیات ظاہری ختم ہونے کے بعد بھی حاضری دینے والے اُمتی کو سلام علیکم کے جواب سے نوازتی ہے، اور آپ اس کو رب کی رحمت و مغفرت کا پیغام پہنچانے اور ان کے لئے دعائے مغفرت کرنے پر خداوند قدوس کی طرف سے مامور ہیں، یہ بھی آپ ﷺ کی حیات جاودانی اور اسی مدینہ والی قبر میں حیات پر قرآنی دلیل اور واضح ثبوت ہے، اس کے بعد بھی اگر کوئی انکار کرے تو منکر کو یہی کہا جاسکتا ہے کہ: اگر تو نہ مانے تو بہانے ہزار۔۔۔!

حیاۃ الانبیاء حدیث کی روشنی میں

(۱) ''عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلْاَنْبِيَاءُ اَحْيَاءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ، رواه ابو یعلی البزار ورجال ابی یعلی ثقات'' (مجمع الزوائد ج۸ ص۲۱۱، لسان المیزان: حسن بن قتیبہ ص۲۴۶، مسند ابویعلیٰ: ج۶ حدیث:۳۴۲۵، فتح الباری ج۶ ص۴۸۷، المطالب العالیہ ج۳ ص۲۶۹ حدیث:۳۴۵۲، احادیث صحیحہ للالبانی حدیث:۶۲۱، الجامع الصغیر ص۱۲۴،

تکملہ فتح الملہم ج ۵ ص ۲۸، بیہقی حیات الانبیاء ص ۳، الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۱۴۸، خصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۲۸۱، مسند بزار ص ۲۵۶)

ترجمہ: ''حضرت انس ﷜ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ (حضرات) انبیائے کرامؑ اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز ادا فرماتے ہیں۔ اس حدیث کو روایت کیا ہے ابویعلیٰ اور مسند بزار نے اور ابویعلیٰ کے تمام راوی ثقہ ہیں۔''

علامہ جلال الدین سیوطی ﷫ اپنی مشہور زمانہ تصنیف الحاوی للفتاویٰ میں حیات انبیاء سے متعلق اپنا عقیدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''حیاۃ النبی ﷺ فی قبرہ ھو وسائر الانبیاء معلومۃ عندنا علمًا قطعیًا کما قام عندنا من الادلّۃ فی ذالک وتواترت (بہ) الأخبار'' (ج ۲ ص ۱۴۷)

ترجمہ: ''آنحضرت ﷺ اور تمام انبیائے کرام کا اپنی اپنی قبروں میں حیات ہونا ہمارے نزدیک علم قطعی سے ثابت ہے، اس لئے کہ اس سلسلہ میں ہمارے نزدیک دلائل واخبار درجہ تواتر کو پہنچے ہوئے ہیں۔''

مزید اس سلسلہ میں فرماتے ہیں: ''قال البیھقی فی کتاب الاعتقاد: الانبیاء بعد ما قبضوا ردت الیھم ارواحھم، فھم احیاء عند ربھم کالشھداء، وقال القرطبی فی التذکرۃ فی حدیث الصعقۃ نقلاً عن شیخہ: الموت لیس بعدم محض انما ھو انتقال من حال الی حال'' (الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۱۴۹)

ترجمہ: ''امام بیہقی کتاب الاعتقاد میں فرماتے ہیں کہ انبیاء کی ارواح قبض ہوجانے کے بعد ان کی طرف لوٹادی جاتی ہیں، پس وہ اپنے رب کے ہاں شہداء کی طرح زندہ ہیں، علامہ قرطبی نے تذکرہ میں حدیث صعقہ کے ذیل میں اپنے شیخ سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ موت کا معنی عدم محض نہیں بلکہ ایک حال سے دُوسرے حال کی طرف منتقل ہونے کا نام موت ہے۔''

مزید آگے چل کر لکھتے ہیں: ''قال المتکلمون المحققون من اصحابنا ان نبینا ﷺ حیٌ بعد وفاتہ'' (الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۱۴۹)

ترجمہ: ''ہمارے اصحاب میں سے محقق متکلمین فرماتے ہیں کہ بے شک ہمارے نبی ﷺ اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں۔''

مزید لکھتے ہیں: ''وقال الشیخ تقی الدین السبکی: حیات الانبیاء والشھداء فی القبر کحیاتھم فی الدنیا ویشھد لہ صلاۃ موسیٰ فی قبرہ فان الصلاۃ تستدعی جسدًا حیًا'' (الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۱۵۲)

ترجمہ: ''شیخ تقی الدین سبکی فرماتے ہیں کہ انبیاء اور شہداء کی قبر کی حیات ان کی دنیاوی حیات کی مانند ہے، اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت موسیٰ ؈ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے، کیونکہ نماز پڑھنا زندہ جسم کا تقاضا کرتا ہے۔''

حضرت مجدد الف ثانی ﷫، حضرت انس ﷜ کی اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''برزخ صغریٰ چوں از یک وجہ از مواطن دنیوی است گنجائش ترقی دارد واحوال ایں موطن نظر باشخاص متفاوتہ تفاوت فاحش دارد والانبیاء یصلون فی القبور شنیدہ باشند۔'' (مکتوبات دفتر دوم مکتوب: ۱۶)

ترجمہ: ''چھوٹا برزخ (یعنی قبر) جب ایک وجہ سے دنیوی جگہوں میں سے ہے تو یہ ترقی کی گنجائش رکھتا ہے، اور مختلف اشخاص کے اعتبار سے اس جگہ کے حالات خاصے متفاوت ہیں، آپ نے یہ تو سنا ہی ہوگا کہ حضرات انبیائے کرام ؊ اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں۔''

(۲) ''عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُهٗ وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ نَائِیًا أُبْلِغْتُهٗ۔ رواه البیهقی فی شعب الایمان''

(مشکوٰۃ ص:۸۷، خصائص کبریٰ ج:۲ ص:۲۸۰، کنز العمال ج:۱ ص:۴۹۲ حدیث:۲۱۶۵، ص:۴۹۸ حدیث:۲۱۹۷، ۲۱۹۸، اتحاف السادۃ المتقین زبیدی رحمہ اللہ ج:۳ ص:۲۸۹، تفسیر درمنثور ج:۵ ص:۲۱۹، فتح الباری ج:۶ ص:۴۸۸، الحاوی للفتاویٰ ج:۲ ص:۱۴۷)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جس نے میری قبر کے پاس سے مجھ پر درود شریف پڑھا، میں خود اس کو سنتا ہوں اور جو دور سے مجھ پر درود و سلام پڑھتا ہے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔''

حدیث کی سند پر اشکال کا جواب

امام ابوالحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی (المتوفی ۹۶۳ھ) اس حدیث کی سند کے ضعف و ثقاہت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''حدیث من صلّی علیّ عند قبری سمعته، ومن صلّی علیّ نائیا وکل الله بها ملکًا یبلغنی وکفی امر دنیاه وآخرته وکنت له شهیدًا وشفیعًا (خط) من حدیث ابی هریرة ولا یصح فیه محمد بن مروان وهو السدی الصغیر وقال العقیلی لا اصل لهذا الحدیث (تعقب) بان البیهقی اخرجه فی الشعب من هذا الطریق وتابع السدی عن الاعمش فیه ابو معاویة اخرجه ابو الشیخ فی الثواب قلت وسنده جیّد کما نقله السخاوی عن شیخه الحافظ ابن حجر والله تعالیٰ اعلم وله شواهد من حدیث ابن مسعود وابن عباس وابی هریرة اخرجها البیهقی ومن حدیث ابی بکر الصدیق اخرجه الدیلمی ومن حدیث عمار اخرجه العقیلی من طریق علی بن القاسم الکندی وقال علی بن قاسم شیعی فیه نظر لا یتابع علی حدیثه انتهی۔ وفی لسان المیزان (ج:۴ ص:۲۴۹) ان ابن حبان ذکر علی بن القاسم فی الثقات وقد تابعه عبدالرحمٰن بن صالح وقبیصة بن عقبة اخرجهما الطبرانی'' (تنزیہ الشریعہ ج:۱ ص:۳۲۵ طبع بیروت)

ترجمہ: ''حدیث من صلّی علیّ... الخ، یعنی جس نے میری قبر کے پاس درود شریف پڑھا تو میں خود سنتا ہوں اور جس نے دور سے پڑھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے فرشتہ مقرر کیا ہے جو مجھے پہنچاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے دُنیا و آخرت کے کام پورے کرتا ہے، اور میں اس کے حق میں گواہ اور شفیع ہوں گا، (خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے یہ حدیث نقل کی ہے) یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور صحیح نہیں، کیونکہ اس کی سند میں محمد بن مروان السدی الصغیر ہے اور امام عقیلی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں (عقیلی کی اس بات پر گرفت کی گئی ہے کہ) امام بیہقی نے شعب الایمان میں اس طریق سے اس کی تخریج کی ہے اور ابومعاویہ اعمش رحمہ اللہ سے روایت کرنے میں سدی کا متابع ہے اس کی تخریج امام ابوالشیخ نے کتاب الثواب میں کی ہے، میں کہتا ہوں کہ ابوالشیخ کی سند جید ہے، جیسا کہ علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے اپنے استاد حافظ ابن حجر رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ اور اس حدیث کے حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے شواہد موجود ہیں جن کی تخریج امام بیہقی نے کی ہے، اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی حدیث بھی شاہد ہے جس کی تخریج امام دیلمی رحمہ اللہ نے کی ہے اور حضرت عمارؓ کی حدیث بھی اس کا شاہد ہے جس کی تخریج علی بن القاسم الکندی کے طریق سے امام عقیلی رحمہ اللہ نے کی ہے اور کہا ہے کہ یہ راوی شیعہ ہے اس

میں کلام ہے اور اس کی حدیث کی متابعت نہیں کی گئی مگر لسان المیزان (ج ۴ ص ۲۴۹) میں ہے کہ امام ابن حبان نے علی بن القاسم کو ثقات میں لکھا ہے اور عبدالرحمن بن صالح اور قبیصہ بن عقبہ اس کے متابع موجود ہیں۔"

(۳) "عَنْ اَوْسِ بْنِ اَوْسٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اِنَّ مِنْ اَفْضَلِ اَیَّامِکُمْ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ فِیْہِ خُلِقَ آدَمُ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَفِیْہِ قُبِضَ وَفِیْہِ النَّفْخَۃُ وَفِیْہِ الصَّعْقَۃُ فَاَکْثِرُوْا عَلَیَّ مِنَ الصَّلٰوۃِ فَاِنَّ صَلٰوتَکُمْ مَعْرُوْضَۃٌ عَلَیَّ۔ قَالُوْا: یَا رَسُوْلَ اللہِ! کَیْفَ تُعْرَضُ صَلَاتُنَا عَلَیْکَ وَقَدْ اَرِمْتَ؟ اَیْ یَقُوْلُوْنَ قَدْ بَلِیْتَ، قَالَ اِنَّ اللہَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ عَلَیْہِمُ السَّلَامُ" (سنن نسائی ج۱ ص ۲۰۳، ۲۰۴، مستدرک حاکم ج ۴ ص ۵۶۰، ھذا حدیث صحیح علی شرط الصحیحین ولم یخرجاہ، ابوداؤد ج۱ ص ۲۱۴ (باب الاستغفار)، سنن کبریٰ بیہقی ج ۳ ص ۲۴۹، دارمی ج۱ ص ۳۰۷ (باب فضل الجمعۃ)، مسند احمد ج ۴ ص ۸، صحیح ابن خزیمہ ج ۳ ص ۱۱۸ حدیث: ۱۷۳۳، ابن حبان (باب ذکر وفاتہ ودفنہ صلی اللہ علیہ وسلم ص ۱۱۸، الاحسان بترتیب ابن حبان ج ۳ ص ۸۷ حدیث: ۹۰۷، کتاب الروح (ابن القیم رحمہ اللہ) ص ۶۳، کنز العمال ج ۸ ص ۳۶۸ حدیث: ۲۳۳۰۱، ایضاً ج ۷ ص ۷۰۸ حدیث: ۲۱۰۳۷، ترغیب منذری ج۱ ص ۴۹۱، ایضاً ج ۲ ص ۵۰۳، ۵۰۴، نیل الاوطار ج ۳ ص ۳۰۴، ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۵۱۶، ابن ماجہ ص ۷۶، ۱۱۸، شرح الصدور ص ۱۳، مطابع الرشید مدینہ منورہ)

ترجمہ: "حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک دنوں میں سے افضل دن جمعہ کا ہے کہ اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی اور اسی دن ان کا انتقال ہوا، اسی میں صور پھونکا جائے گا اور اسی دن دوبارہ زندہ کیا جائے گا، پس (جمعہ کے دن) مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو، بے شک تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے، صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہمارا صلوٰۃ وسلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے پہنچے گا؟ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو اس وقت مٹی میں مل جائیں گے؟ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو بوسیدہ ہو جائیں گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل نے زمین پر اس کو حرام قرار دیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو کھائے۔"

(۴) "عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم: اِنَّ اللہَ مَلٰٓئِکَۃً سَیَّاحِیْنَ فِی الْاَرْضِ یُبَلِّغُوْنِیْ عَنْ اُمَّتِیَ السَّلَامَ" (نسائی ج۱ ص ۱۸۹، مسند احمد ج۱ ص ۴۴۱، ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۵۱۷، موارد الظمآن ص ۵۹۴، مشکوٰۃ ص ۸۶، البدایہ والنہایہ ج۱ ص ۱۵۴، الجامع الصغیر ج۱ ص ۹۳، خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۲۸۰، الاحسان بترتیب ابن حبان ج ۳ ص ۸ حدیث: ۹۱۰، مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۱۵)

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک زمین میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایسے ملائکہ مقرر ہیں جو مجھے میری امت کا سلام پہنچاتے ہیں۔"

(۵) "عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَکْثِرُوا الصَّلٰوۃَ عَلَیَّ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ فَاِنَّہٗ مَشْہُوْدٌ تَشْہَدُہُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَاِنَّ اَحَدًا لَنْ یُّصَلِّیَ عَلَیَّ اِلَّا عُرِضَتْ عَلَیَّ صَلٰوتُہٗ حَتّٰی یَفْرُغَ مِنْہَا، قَالَ قُلْتُ وَبَعْدَ الْمَوْتِ؟ قَالَ وَبَعْدَ الْمَوْتِ، اِنَّ اللہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ، فَنَبِیُّ اللہِ حَیٌّ یُّرْزَقُ"

(ابن ماجہ ص ۱۱۸، ترغیب ج ۲ ص ۵۰۳، نیل الاوطار ج ۳ ص ۳۰۴، شرح الصدور ص ۱۳، مطابع الرشید مدینہ منورہ)

ترجمہ: "حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو، اس لئے کہ جمعہ کے دن ملائکہ حاضر ہوتے ہیں اور جب تم میں سے کوئی شخص مجھ پر درود پڑھتا ہے تو اس کے پڑھتے ہی اس کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے، حضرت ابو درداء فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا:

اور موت کے بعد؟ فرمایا اور موت کے بعد بھی، بے شک اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے زمین پر اس بات کو کہ وہ انبیاء کے اجسام کو کھائے، پس اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اسے رزق دیا جاتا ہے۔"

(۶) "عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ﷛ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ مَا مِنْ اَحَدٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ اِلَّا رَدَّ اللهُ عَلَیَّ عَزَّ وَجَلَّ رُوْحِیْ حَتّٰی اَرُدَّ عَلَیْهِ السَّلَامُ" (ابوداؤد ج ا ص ۲۷۹، مسند احمد ج ۲ ص ۵۲۷، سنن کبریٰ، بیہقی ج ۵ ص ۲۴۵، ترغیب و ترہیب ج ۲ ص ۴۹۹، کنز العمال ج ا ص ۴۹۸ حدیث: ۲۲۰۰، فیض القدیر ج ۵ ص ۴۶۷، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۲، وقال فیہ عبداللہ بن یزید الاسکندرانی ولم اعرفہ ومھدی بن جعفر ثقۃ وفیہ خلاف وبقیۃ رجالہ ثقات)

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ ﷛ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری رُوح کو میری طرف لوٹا دیتے ہیں یہاں تک کہ میں اس سلام کہنے والے کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔"

(۷) "عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ﷛ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ یَقُوْلُ: وَصَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّ صَلٰوتَكُمْ تَبْلُغُنِیْ حَیْثُ كُنْتُمْ" (مسند احمد ج ۲ ص ۳۶۷، ابوداؤد ج ا ص ۲۷۹، خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۲۸۰، مشکوٰۃ ص ۸۶، فتح الباری ج ۶ ص ۴۸۸)

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ ﷛ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا کہ: مجھ پر درود پڑھو، کیونکہ مجھ تک تمہارا درود پہنچتا ہے، چاہے تم جہاں بھی ہو۔"

(۸) "عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ﷛ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ یَقُوْلُ: وَالَّذِیْ نَفْسُ اَبِی الْقَاسِمِ بِیَدِهٖ! لَیَنْزِلَنَّ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ... ثُمَّ لَئِنْ قَامَ عَلٰی قَبْرِیْ فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ! لَاُجِیْبَنَّهٗ۔ قلت هو فی الصحیح باختصار، رواه ابو یعلیٰ ورجاله رجال الصحیح" (مسند ابویعلیٰ ج ۱۱ ص ۴۶۲ حدیث: ۶۵۸۴، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۱۱، المطالب العالیہ ج ۴ ص ۲۳ باب حیاتہ فی قبرہ، ج ۴ ص ۳۴۹ حدیث: ۴۵۷۴، الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۱۴۸، خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۲۸۰، رُوح المعانی ج ۲۲ ص ۳۵)

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ ﷛ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں ابوالقاسم (ﷺ) کی جان ہے کہ البتہ نازل ہوں گے حضرت عیسیٰ بن مریم...... پھر اگر وہ میری قبر پر کھڑے ہوکر یہ کہے گا: یا محمد! تو میں ان کو جواب دوں گا۔"

علامہ آلوسی ﷫ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ: "... انه (عیسیٰ) علیہ السلام یاخذ الاحکام من نبینا ﷺ شفاھا بعد نزوله وهو ﷺ فی قبره الشریف، واید بحدیث ابی یعلیٰ والذی نفسی بیده لینزلن عیسیٰ ابن مریم ثم لئن قام علی قبری وقال یا محمد! لاجیبنه" (روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۵)

ترجمہ: "حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہونے کے بعد ہمارے نبی ﷺ کی قبر شریف پر حاضر ہوکر آپ ﷺ سے براہِ راست احکام حاصل کریں گے، جبکہ آپ ﷺ اپنی قبر شریف میں استراحت فرما ہوں گے، اور اس کی تائید ابویعلیٰ کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام میری قبر پر آکر یا محمد کہیں گے تو میں اس کا جواب دوں گا۔"

حضرات انبیائے کرام علیہم السلام سے ملاقات

حدیث ابوہریرہ ﷛: "عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ﷛ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ لَیْلَةَ اُسْرِیَ بِیْ لَقِیْتُ مُوْسٰی قَالَ

فَنَعَتَهُ فَإِذَا رَجُلٌ حَسِبْتُهُ قَالَ مُضْطَرِبٌ رَجِلُ الرَّأْسِ كَأَنَّهُ مِنْ رِجَالِ شَنُوْءَةَ قَالَ وَلَقِيْتُ عِيْسٰى فَنَعَتَهُ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ رَبْعَةٌ أَحْمَرُ كَأَنَّمَا خَرَجَ مِنْ دِيْمَاسٍ يَعْنِي الْحَمَّامَ وَرَأَيْتُ إِبْرَاهِيْمَ وَأَنَا أَشْبَهُ وَلَدِهِ بِهِ۔۔۔" (صحیح بخاری ج۱ ص۴۸۹، ۴۸۱، ج۲ ص ۶۸۴، ۸۳۶، ۸۳۸، صحیح مسلم ج۱ ص۹۶، ترمذی ج۲ ص۱۴۱، مصنف عبدالرزاق ج۵ ص۳۲۹، مسند احمد ج۲ ص۲۸۲، نسائی ج۲ ص۳۲۹، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج۱ ص۲۲۱)

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ شبِ معراج میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے میری ملاقات ہوئی، (حضرت ابوہریرہؓ نے) فرمایا کہ پھر آپ ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حلیہ بیان فرمایا اور کہا: پس وہ جوان تھے، میرا خیال ہے آپ نے فرمایا: لمبے اور کھلے بالوں والے تھے، ایسے جیسے کہ قبیلہ شنوءہ کے مرد ہوتے ہیں، فرمایا اور میں عیسیٰ علیہ السلام سے ملا، پھر آپ نے ان کا حلیہ بیان فرمایا اور کہا: وہ چوڑے جسم کے سرخ رنگ تھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے ابھی ابھی غسل خانہ سے نکل کر آئے ہیں، اور میں نے حضرت ابراہیمؑ کو دیکھا اور میں ان کی اولاد میں سب سے زیادہ ان سے مشابہ ہوں۔"

حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما: "عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ رَأَيْتُ عِيْسٰى وَمُوْسٰى وَإِبْرَاهِيْمَ، فَأَمَّا عِيْسٰى فَأَحْمَرُ جَعْدٌ عَرِيْضُ الصَّدْرِ وَأَمَّا مُوْسٰى فَآدَمُ جَسِيْمٌ سَبْطٌ كَأَنَّهُ مِنْ رِجَالِ الزُّطِّ" (بخاری ج۱ ص۴۸۹)

ترجمہ:...... "حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ (شبِ معراج میں) میں نے حضرت عیسیٰ، حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کو دیکھا، پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو سرخ رنگ، پرگوشت جسم اور چوڑے سینے والے تھے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام گندمی رنگ اور موزوں ساخت والے تھے، وہ ایسے تھے جیسے (سوڈان) کے طویل القامہ زط ہوتے ہیں۔"

انبیاء کی امامت

حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ: "۔۔۔وَقَدْ رَأَيْتُنِيْ فِيْ جَمَاعَةٍ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ فَإِذَا مُوْسٰى علیہ السلام قَائِمٌ يُصَلِّيْ ...... وَإِذَا عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ علیہ السلام قَائِمٌ يُصَلِّيْ ...... وَإِذَا إِبْرَاهِيْمُ علیہ السلام قَائِمٌ يُصَلِّيْ ...... فَحَانَتِ الصَّلٰوةُ فَأَمَمْتُهُمْ فَلَمَّا فَرَغْتُ مِنَ الصَّلٰوةِ ...... قَالَ قَائِلٌ يَا مُحَمَّدُ! هٰذَا مَالِكٌ صَاحِبُ النَّارِ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ ......"

(صحیح مسلم ج۱ ص۹۶، مشکوٰۃ ص۵۳۰)

ترجمہ: "میں نے اپنے آپ کو انبیاء کی جماعت میں دیکھا، پس اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں ...... اور پھر اچانک دیکھتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کھڑے نماز ادا کر رہے ہیں ...... اور ابراہیم علیہ السلام کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں ...... پس اتنے میں نماز کا وقت ہوگیا تو میں نے ان کو نماز پڑھائی، پس جب میں نماز سے فارغ ہوا ...... تو کسی نے کہا کہ اے محمد! (ﷺ) یہ جہنم کے داروغے مالک ہیں، ان سے سلام کیجئے ......"

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا

حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں نہ صرف حیات ہیں بلکہ وہ نماز تلذذ بھی ادا فرماتے ہیں، مندرجہ ذیل احادیث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنے کا ذکر ہے، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں: "عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَرَرْتُ عَلٰى مُوْسٰى لَيْلَةَ

أسْرِيَ بِيْ عِنْدَ الْكَثِيْبِ الْأَحْمَرِ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّيْ فِيْ قَبْرِهٖ" (صحیح مسلم ج۲ ص۲۶۸ طبع رحیمیہ دیوبند، مسند احمد ج۵ ص۵۹، ۳۶۲، ۳۶۵، مسند احمد ج۳ ص۱۴۸، ۲۴۸، سنن نسائی ج۱ ص۲۴۲، کنزالعمال ج۱۱ ص۵۱۸ حدیث: ۳۲۳۸۶، تلخیص الحبیر ج۲ ص۱۲۶، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج۱ ص۲۱۶ طبع مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل پاکستان)

ترجمہ: "حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا معراج کی رات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر گزر ہوا تو وہ سرخ ٹیلے کے پاس اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔"

حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم آثارِ صحابہؓ کی روشنی میں

(۱) "وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ كُنْتُ اَدْخُلُ بَيْتِيَ الَّذِيْ فِيْهِ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَاِنِّيْ وَاضِعٌ ثَوْبِيْ وَاَقُوْلُ اِنَّمَا هُوَ زَوْجِيْ وَاَبِيْ فَلَمَّا دُفِنَ عُمَرُ رضی اللہ عنہ مَعَهُمْ فَوَاللهِ مَا دَخَلْتُهٗ اِلَّا وَاَنَا مَشْدُوْدَةٌ عَلَيَّ ثِيَابِيْ حَيَاءً مِنْ عُمَرَ" (مشکوٰۃ ص۱۵۴)

ترجمہ: "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ میں اپنے اس کمرے میں جس میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدفون ہیں، بلاحجاب داخل ہوجاتی تھی اور میں سمجھتی تھی کہ ایک تو میرے شوہر ہیں اور دُوسرے میرے والد ماجد، پس جب ان کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تدفین ہوئی تو اللہ کی قسم میں اس حجرہ میں حضرت عمرؓ سے حیا کی وجہ سے بغیر پردہ کبھی نہ جاتی تھی۔"

اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے حاشیہ مشکوٰۃ میں ہے: "حیاءً من عمر اوضح دلیل علی حیات المیت" (حاشیہ مشکوٰۃ ص۱۵۴)

ترجمہ: "حیاءً من عمر کے الفاظ میّت کی زندگی پر واضح دلیل ہیں۔"

اس پر علامہ طیبی شارح مشکوٰۃ لکھتے ہیں: "قال الطیبی فیہ ان احترام المیت کاحترامہ حیًا"

(شرح طیبی ج۳ ص۴۱۸ ادارۃ القرآن کراچی)

ترجمہ: "علامہ طیبی نے کہا ہے کہ اس (حدیث) میں اس امر کی دلیل ہے کہ میت کا احترام بھی اسی طرح کیا جائے جس طرح کہ زندگی میں کیا جاتا ہے۔"

(۲) "عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ قَالَ لَمْ اَزَلْ اَسْمَعُ الْاَذَانَ وَالْاِقَامَةَ فِيْ قَبْرِ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَيَّامَ الْحَرَّةِ حَتّٰى عَادَ النَّاسُ" (خصائص کبریٰ ج۲ ص۲۸۱، الحاوی للفتاویٰ ج۲ ص۱۴۸ بحوالہ دلائل النبوۃ، زرقانی ج۵ ص۳۳۲، ۳۳۳)

ترجمہ: "حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ واقعہ حرہ کے دنوں میں، میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف سے اذان اور اقامت کی آواز سنتا رہا یہاں تک کہ لوگ واپس آگئے۔"

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی قدس سرہ لکھتے ہیں: "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حیٌ کما تقرر وانہ یصلی فی قبرہ باذان واقامة" (فتح الملہم ج۳ ص۴۱۹)

ترجمہ: "بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (اپنی قبر شریف میں) زندہ ہیں جیسا کہ ثابت ہوچکا، اور بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں اذان اور اقامت کے ساتھ نماز ادا فرماتے ہیں۔"

عقیدۂ حیات النبی ﷺ اور مذاہب اربعہ

حنفیہ کرام

فضل اللہ بن حسین تورپشتی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۶۳۰ھ: "وازاں جملہ آنست کہ بداند کہ کالبد وے راز مین نخورد و بوسیدہ نشود و چوں زمین از وے شگافتہ شود کالبد وے بحال خود باشد و حشر وے و دیگر انبیاء چنیں باشد و حدیث درست است کہ ان اللہ حرم علی الارض اجساد الانبیاء ھم احیاء فی قبورھم یصلون۔ و اول ہمہ پیغمبر ما برخیز د از گور" (المعتمد فی المعتقد باب: ۲ فصل: ۴ ص ۱۰۷ مطبع مظہر العجائب مدراس ۱۲۸۸ھ)

ترجمہ: "ان خصوصیات میں سے ایک یہ بھی جاننی چاہئے کہ آپ کے جسم مبارک کو زمین نہیں کھاتی اور نہ وہ ریزہ ریزہ ہوگا اور (قیامت کو) جب زمین شق ہوگی تو آپ کا جسم مبارک اپنی حالت میں محفوظ ہوگا، اور اسی وجود مبارک کے ساتھ آپ اور دیگر جملہ انبیاء علیہم السلام کا حشر ہوگا اور صحیح حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے اجسام حرام کردیئے ہیں۔ (پھر آگے فرمایا کہ) انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور سب سے پہلے قبر مبارک سے ہمارے پیغمبر ﷺ اُٹھیں گے۔"

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ: "فمن المعتقد المعتمد انہ ﷺ حی فی قبرہ کسائر الانبیاء فی قبورھم وھم احیاء عند ربھم وان لارواحھم تعلقًا بالعالم العلوی والسفلی کما کان فی الحال الدنیوی فھم بحسب القلب عرشیون وباعتبار القالب فرشیون" (شرح الشفا لعلی القاری علی ہامش نسیم الریاض فی شرح الشفاء ج ۳ ص ۴۹۹)

ترجمہ: "عقیدہ جس پر پورا اعتماد ہے وہ یہی ہے کہ حضور ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور اسی طرح تمام انبیاء اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں، اور ان کی ارواح قدسیہ کو عالم علوی اور عالم سفلی کے ساتھ ایک تعلق بھی ہوتا ہے، جیسا کہ دنیاوی حالت میں تھا، پس وہ قلوب کے اعتبار سے عرشی، اور جسم کے اعتبار سے فرشی ہیں۔"

ملا علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۶۸۱ھ: "... تستقبل القبر بوجھک، ثم تقول السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ... وذالک انہ علیہ السلام فی القبر الشریف المکرم علی شقہ الایمن مستقبل القبلۃ ... ثم یسئل النبی الشفاعۃ فیقول یارسول اللہ! اسألک الشفاعۃ یارسول اللہ! اسألک الشفاعۃ ... ولیکثر دعائہ بذالک فی الروضۃ الشریفۃ عقیب الصلوٰۃ وعند القبر ویجتھد فی خروج الدمع فانہ من امارات القبول وینبغی ان یتصدق بشیء علی جیران النبی ثم ینصرف متباکیا متحسرًا علی الفراق الحضرۃ الشریفۃ النبویۃ والقرب منھا" (فتح القدیر ج ۲ ص ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۹ اوا خراج، مصر)

ترجمہ: "تم حضور انور ﷺ کی قبر شریف کے سامنے ہوکر السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ عرض کرو ...... اور یہ اس لئے کہ حضور ﷺ اپنی قبر شریف میں دائیں کروٹ قبلہ کی طرف رُخ کئے ہوئے ہیں ...... پھر حضور انور ﷺ سے شفاعت کرنے کی التجا بھی کرے اور کہے کہ یا رسول اللہ! میں شفاعت کے لئے سوال عرض کرتا ہوں، روضۂ شریفہ میں درود شریف کے بعد ...... اور قبر کے پاس بکثرت سے دعا کرے اور آنسو آجانے کی حد تک زاری کرے، کیونکہ یہ قبولیت کی علامات میں سے ہے، اور چاہئے کہ روضۂ اطہر کے مجاورین پر کچھ صدقہ بھی کرے، پھر روتا ہوا اور آپ ﷺ کے قربِ اقدس سے جدا ہونے کا غم ساتھ لیتے ہوئے واپس ہو۔"

شارح بخاری علامہ عینی رحمہ اللہ المتوفی ۸۵۵ھ: ''ومذهب اهل السنة والجماعة ان فی القبر حياةً وموتاً فلابد من ذوق الموتتين لكل احد غير الانبياء'' (عمدۃ القاری شرح بخاری ج ۷ ص۶۰۱)

ترجمہ: ''پورے اہل سنت والجماعت کا یہی مذہب ہے کہ قبر میں حیات اور پھر موت یہ دونوں سلسلے ہوتے ہیں، پس ہر ایک کو دو موتوں کا ذائقہ چکھنے سے چارہ نہیں، ماسوائے انبیاء کے (کہ وہ اپنی قبروں میں زندہ رہتے ہیں، ان پر دوبارہ موت نہیں آتی)''

علامہ عینی رحمہ اللہ ایک اور جگہ لکھتے ہیں: ''فانهم لا يموتون فی قبورهم بل هم احياء''

(''باب فضیلۃ ابی بکر علی سائر الصحابۃ'' عمدۃ القاری شرح بخاری ج ۷ ص ۶۰۰)

ترجمہ: ''یقیناً انبیائے کرام اپنی قبور شریفہ میں مردہ نہیں ہوتے بلکہ وہ وہاں زندہ ہوتے ہیں۔''

علامہ بدرالدین محمود بن احمد العینی الحنفی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ''اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ'' الآیۃ کی تفسیر کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں: ''اراد بالموتتين الموت فی الدنيا والموت فی القبر وهما موتتان المعروفتان المشهورتان فلذالک ذكرهما بالتعريف وهما الموتتان الواقعتان لكل احد غير الانبياء عليهم السلام فانهم لا يموتون فی قبورهم بل هم احياء واما سائر الخلق فانهم يموتون فی القبور ثم يحيون يوم القيامة''

(عمدۃ القاری شرح بخاری ج ۸ ص ۱۸۵ جزء:۱۶، باب فضیلۃ ابی بکر علی سائر الصحابۃ، مطبع دار الفکر بیروت)

ترجمہ: ''دو موتوں سے ایک وہ موت مراد ہے جو دُنیا میں آتی ہے اور دُوسری وہ ہے جو قبر میں آتی ہے یہی دو معروف و مشہور موتیں ہیں (اس لئے ان کو الف و لام حرف تعریف سے ذکر کیا ہے) ہاں حضرات انبیاء علیہم السلام اس سے مستثنیٰ ہیں، وہ اپنی قبروں میں نہیں مرتے بلکہ وہ زندہ ہی رہتے ہیں بخلاف دیگر مخلوق کے کہ (حساب و کتاب کے بعد) وہ قبروں میں وفات پا جاتے ہیں اور پھر قیامت کے دن وہ زندہ ہوں گے۔''

ملا علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ المتوفی ۱۰۴۱ھ: ''ان الانبياء احياء فی قبورهم فيمكن لهم سماع صلوٰة من صلى عليهم'' (مرقات طبع بمبئی ج ۲ ص ۲۰۹)

ترجمہ: ''بے شک انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں یہاں تک کہ وہ سن سکتے ہیں، اس شخص کو جو ان پر درود پڑھے۔''

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ المتوفی ۱۰۵۲ھ: ''حیات انبیاء متفق علیہ است، ہیچ کس را در وے خلافے نیست'' (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۶۱۳ مطبع نول کشور لکھنؤ)

ترجمہ: ''حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ایک متفق علیہ اجماعی مسئلہ ہے، کسی کا (اہل حق میں سے) اس میں اختلاف نہیں۔''

علامہ شرنبلالی رحمہ اللہ المتوفی ۱۰۶۹ھ: ''ومما هو مقرر عند المحققين انه صلى الله عليه وسلم حی يرزق متمتع بجميع الملاذ والعبادات غير انه احجب عن ابصار القاصرين عن شريف المقامات... ينبغی لمن قصد زيارة النبی صلى الله عليه وسلم ان يكثر الصلوٰة عليه فانه يسمعها وتبلغ اليه'' (مراقی الفلاح ص ۴۰۵ طبع میر محمد کراچی)

ترجمہ: ''محققین کے نزدیک یہ طے شدہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں، آپ کو رزق بھی ملتا ہے اور عبادات سے آپ لذت بھی اٹھاتے ہیں، ہاں اتنی بات ہے کہ وہ ان نگاہوں سے پردے میں ہیں جو ان مقامات تک

پہنچنے سے قاصر رہتی ہیں...... جو شخص حضور اکرم ﷺ کی زیارت کرنے کے لئے آئے، اسے چاہئے کہ کثرت سے درود عرض کرے، کیونکہ آپ ﷺ اسے خود سن رہے ہوتے ہیں، اور (دور سے) آپ ﷺ کو پہنچایا بھی جاتا ہے۔"

علامہ طحطاوی رحمہ اللہ المتوفی ۱۲۳۳ھ: "(فانه یسمعها) ای اذا کانت بالقرب منه ﷺ (وتبلغ الیه) ای یبلغها الملک اذا کان المصلی بعیدًا" (طحطاوی ص ۴۰۵ طبع میر محمد کراچی)

ترجمہ: "آپ ﷺ صلوٰۃ وسلام کو اس وقت خود سنتے ہیں جب قریب سے عرض کیا جارہا ہو اور فرشتے اس وقت پہنچاتے ہیں جب یہ دور سے پڑھا جارہا ہو۔"

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ المتوفی ۱۲۵۲ھ: "افاد فی الدار المنتقی انه خلاف الاجماع قلت ما نسب الی الامام الاشعری رحمہ اللہ امام اهل السنة والجماعة من انکار ثبوتها بعد الموت فهو افتراء وبهتان والمصرح به فی کتبه وکتب اصحابه خلاف ما نسب الیه بعض اعدائه لان الانبیاء علیہم السلام احیاء فی قبورهم وقد اقام النکیر علی افتراء ذالک الامام العارف ابو القاسم القشیری..."

(ردالمحتار، باب المغنم ج۴ ص۱۵۱، ایچ ایم سعید کراچی)

ترجمہ: "دار منتقی میں ہے کہ: (حضور ﷺ کی رسالت آپ ﷺ کی وفات شریفہ کے بعد اب بھی حقیقتاً باقی ہے اور اُسے صرف حکماً باقی کہنا) خلاف اجماع ہے۔ میں کہتا ہوں امام اہل سنت امام اشعری رحمہ اللہ کی طرف جو یہ بات منسوب کی گئی ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی حقیقتاً رسالت کے بقا کے منکر تھے، یہ ان پر افتراء اور بہتان ہے، کیونکہ ان کی اور ان کے تلامذہ کی کتابوں میں صراحتاً اس کے برعکس مذکور ہے، دراصل یہ بات ان کے دشمنوں نے ان کی طرف منسوب کردی ہے، کیونکہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ اس افتراء کے خلاف امام عارف ابوالقاسم قشیری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں رڈ کیا ہے۔"

ایک دُوسری جگہ لکھتے ہیں: "ان المنع هنا لانتفاء الشرط وهو اما عدم وجود الوارث بصفة الوارثیة کما اقتضاه الحدیث واما عدم موت الوارث بناءً علی ان الانبیاء احیاء فی قبورهم کما ورد فی الحدیث"

(رسائل ابن عابدین ج۲ ص۲۰۲ سہیل اکیڈمی لاہور)

ترجمہ: "بے شک منع یہاں انتفائے شرط کی وجہ سے ہے اور وہ یا تو وارث وجود صفت وارثیت کے ساتھ نہ ہونا ہے جیسا کہ حدیث اس کا تقاضا کرتی ہے، اور یا وارث کی موت کا نہ ہونا اس بنا پر کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔"

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ کی طرف غلط منسوب عقیدہ کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "لان الانبیاء علیہم السلام احیاء فی قبورهم وقد اقام النکیر علی افتراء ذالک الامام العارف ابو القاسم القشیری" (شامی ج۴ ص۱۵۱ باب المغنم)

ترجمہ: "اس لئے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور امام ابوالقاسم القشیری رحمہ اللہ نے اس افتراء کی سختی سے تردید کی ہے۔"

ایک دُوسری جگہ لکھتے ہیں: "ان الانبیاء احیاء فی قبورهم کما ورد فی الحدیث"

(رسائل ابن عابدین ج۲ ص۲۰۲ سہیل اکیڈمی لاہور)

ترجمہ: ''حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔''

علامہ محمد عابد السندی رحمہ اللہ المتوفی ۱۲۵۷ھ: ''علامہ محمد عابد السندی رحمہ اللہ المتوفی ۱۲۵۷ھ: ''اما هم (ای الانبیاء) فحیاتهم لا شک فیها ولا خلاف لاحد من العلماء فی ذالک ... فهو صلی اللہ علیہ وسلم حی علی الدوام'' (رسالہ مدنیہ ص ۴۱)

ترجمہ: ''انبیائے کرام کی حیات میں کوئی شک نہیں اور نہ علماء میں سے کسی کا اس سے اختلاف ہے، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم اب دائمی طور پر زندہ ہیں۔''

نواب قطب الدین دہلوی رحمہ اللہ المتوفی ۱۲۸۹ھ: ''زندہ ہیں انبیاء علیہم السلام قبروں میں۔ یہ مسئلہ متفق علیہ ہے، کسی کو اس میں خلاف نہیں کہ حیات ان کو وہاں حقیقی جسمانی دُنیا کی سی ہے۔'' (مظاہر حق ج۱ ص ۴۴۵)

حضرات مالکیہ

امام مالک رحمہ اللہ المتوفی ۱۷۹ھ: ''نقل عن الامام مالک انه کان یکرہ ان یقول رجل زرت قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم، قال ابن رشد من اتباعه ان الکراهة لغلبة الزیارة فی الموتی وهو صلی اللہ علیہ وسلم احیاہ اللہ تعالی بعد موته حیاة تامة واستمرت تلک الحیوۃ وهی مستمرۃ فی المستقبل ولیس هذا خاصة به صلی اللہ علیہ وسلم بل یشارکه الانبیاء علیہم السلام فهو حی بالحیاة الکاملة مع الاستغناء عن الغذاء الحسی الدنیوی''

(نور الایمان بزیارة آثار حبیب الرحمن ص ۱۴ مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی، وکذا لک فی وفاء الوفاء ج ۲ ص ۱۳۶۲ مصر)

ترجمہ: ''امام مالک رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ وہ اسے ناپسند کرتے تھے کہ کوئی شخص یوں کہے کہ: ''میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کی۔'' امام مالک رحمہ اللہ کے مقلدین میں سے ابن رُشد اس کی تشریح یہ کرتے ہیں کہ اس ناپسندیدگی کی وجہ یہ ہے کہ زیارت کا لفظ عام طور پر موتی کے متعلق استعمال ہوتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات شریفہ کے بعد اب حیات تامہ سے زندہ ہیں اور یہ حیات آئندہ بھی اسی طرح رہے گی۔ یہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا خاصہ نہیں، بلکہ تمام انبیاء اس وصف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہیں، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم غذائے حسِ دنیوی سے استغنا کے باوجود حیاتِ کاملہ سے زندہ ہیں۔''

علمائے مالکیہ میں سے امام قرطبی رحمہ اللہ (تفسیر قرطبی ج ۵ ص ۲۶۵) امام ابوحیان اندلسی (بحر المحیط ج ۱ ص ۲۸۳) علامہ ابن الحاج، علامہ ابن رشد اندلسی اور ابن ابی جمرۃ وغیرہم نے ان مسائل کا خوب تذکرہ کیا ہے۔

علامہ سمہودی رحمہ اللہ المتوفی ۹۱۱ھ: ''لا شک فی حیاته صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفاته وکذا سائر الانبیاء علیهم الصلوٰۃ والسلام احیاء فی قبورهم حیاة اکمل من حیوۃ الشهداء التی اخبر اللہ تعالی بها فی کتابه العزیز''

(وفاء الوفاء ج ۲ ص ۱۳۵۲ مطبعۃ السعادۃ مصر)

ترجمہ: ''وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں کوئی شک نہیں اور اسی طرح باقی تمام انبیاء علیہم السلام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی یہ حیات شہداء کی اس حیات سے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کیا ہے بڑھ کر ہے۔''

ایک دُوسرے مقام پر لکھتے ہیں: ''واما ادلة حیاة الانبیاء فمقتضاها حیاة الابدان کحالة الدنیا مع الاستغناء عن الغذاء'' (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۱۳۵۵)

ترجمہ: ''بہرکیف حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات کے دلائل اس کے مقتضی ہیں کہ یہ حیات ابدان کے ساتھ ہو جیسا کہ دُنیا میں تھی مگر خوراک سے وہ مستغنی ہیں۔''

حضرات شوافع

شوافع میں سے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اور امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے حیات انبیاء کے عنوان پر مستقل تصانیف سپردِ قلم کی ہیں، علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعدد حوالے مباحث حدیثیہ کے ضمن میں آپ کے سامنے آچکے ہیں، اور علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی انہی حقائق کی تصدیق فرمائی ہے۔

علامہ تاج الدین السبکی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ٧٧٧ھ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ''عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون فاذا ثبت ان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم حی فالحی لا بدمن ان یکون اما عالمًا او جاھلًا ولا یجوز ان یکون النبی صلی اللہ علیہ وسلم جاھلًا''

(طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ٣ ص ٤١١ طبع دارالاحیاء)

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں تو زندہ کے لئے لازم ہے کہ یا تو وہ عالم ہو اور یا جاہل، اور یہ بات تو ہرگز جائز نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جاہل ہوں (معاذ اللہ! تو لامحالہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم ہوں گے)''

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: ''لان عندنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حی یحس ویعلم وتعرض علیہ اعمال الامۃ ویبلغ الصلٰوۃ والسلام علی ما بینا'' (ج ٣ ص ٤١٢)

ترجمہ: ''ہمارے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں حس و علم سے موصوف ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صلوٰۃ وسلام پہنچائے جاتے ہیں جس طرح کہ ہم بیان کرآئے ہیں۔''

نیز علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ اپنا عقیدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ومن عقائدنا ان الانبیاء علیہم السلام احیاء فی قبورھم فاین الموت الی ان قال وصنف البیھقی رحمۃ اللہ علیہ جزأ سمعناہ فی ''حیوۃ الانبیاء علیہم السلام فی قبورھم'' واشتد نکیر الاشاعرۃ علی من نسب ھذا القول الی الشیخ'' (طبقات ج ٦ ص ٢٦٦)

ترجمہ: ''ہمارے عقیدہ میں یہ بات داخل ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں تو پھر ان پر موت کہاں؟ (پھر آگے فرمایا کہ) امام بیہقی نے حضرات انبیاء علیہم السلام کی قبروں میں حیات پر ایک رسالہ تصنیف فرمایا ہے جو خود ہم نے سنا ہے اور جن لوگوں نے امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف یہ غلط بات منسوب کی ہے اشاعرہ نے سختی سے اس کا رد کیا ہے۔''

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ٨٥٢ھ: ''ان حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم فی القبر لا یعقبھا موت بل یستمر حیًا والانبیاء احیاء فی قبورھم'' (فتح الباری ج ٧ ص ٢٢ طبع مصر)

ترجمہ: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک میں زندگی ایسی ہے جس پر پھر موت وارد نہیں ہوگی، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ زندہ رہیں گے کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔''

ایک دُوسری جگہ لکھتے ہیں: ''واذا ثبت انھم احیاء من حیث النقل فانہ یقویہ من حیث النظر کون الشھداء احیاء بنص القرآن والانبیاء افضل من الشھداء'' (فتح الباری ج۶ ص۴۸۸ دارالنشر الاسلامیہ لاہور)

ترجمہ: ''اور جب نقل کے لحاظ سے ان کا زندہ ہونا ثابت ہے تو دلیل عقلی اور قیاس بھی اس کی تائید کرتا ہے وہ یہ کہ شہداء نص قرآن کی رو سے زندہ ہیں اور حضرات انبیائے کرام علیہم السلام تو شہداء سے اعلیٰ اور افضل ہیں (تو بطریق اولیٰ ان کو حیات حاصل ہوگی)''

حضرات حنابلہ

ابن عقیل رحمہ اللہ: ''قال ابن عقیل من الحنابلۃ ھو صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ یصلی'' (الروضۃ البھیہ ص۱۴)

ترجمہ: ''(حنابلہ کے مشہور بزرگ) ابن عقیل فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔''

عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اکابرین امت

امام عبدالقادر البغدادی رحمہ اللہ المتوفی ۴۲۹ھ: ''واجمعوا علی ان الحیوۃ شرط فی العلم والقدرۃ والارادۃ والرؤیۃ والسمع وان من لیس بحیّ لا یصح ان یکون عالمًا قادرًا مریدا سامعا مبصرًا وھذا خلاف قول الصالحی واتباعہ من القدریۃ فی دعواھم جواز وجود العلم والقدرۃ والرؤیۃ والارادۃ فی المیت'' (الفرق بین الفرق ص۳۳۷ طبع مصر)

ترجمہ: ''اہل سنت والجماعت اس بات پر متفق ہیں کہ علم، قدرت، ارادہ، دیکھنے اور سننے کے لئے حیات شرط ہے اور اس امر پر بھی اہل سنت کا اجماع ہے کہ جو ذات حیات سے متصف نہ ہو وہ عالم، قادر، مرید اور سننے، دیکھنے والی نہیں ہوسکتی، منکرین تقدیر میں صالحی اور اس کے پیروکاروں کا قول اس کے خلاف ہے، ان کا یہ دعویٰ ہے کہ علم وقدرت دیکھنا اور ارادہ کرنا حیات کے بغیر بھی جائز ہوسکتا ہے۔''

امام بیہقی رحمہ اللہ المتوفی ۴۵۸ھ: ''ان اللہ جل ثنائہ رد الی الانبیاء ارواحھم فھم احیاء عند ربھم کالشھداء... الخ'' (حیات الانبیاء ص۱۴، وفاء الوفاء ج۲ ص۱۳۵۲، شرح مواہب زرقانی ج۵ ص۳۳۲)

ترجمہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء علیہم السلام کے ارواح ان کی طرف لوٹا دیئے ہیں، سو وہ اپنے رب کے ہاں شہیدوں کی طرح زندہ ہیں۔''

امام شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی رحمہ اللہ المتوفی ۹۰۲ھ: ''نحن نؤمن ونصدق بانہ صلی اللہ علیہ وسلم حیّ یرزق فی قبرہ وان جسدہ الشریف لاتأکلہ الارض والاجماع علی ھذا'' (القول البدیع ص۱۲۵ طبع الٰہ آباد)

ترجمہ: ''ہم اس بات پر ایمان لاتے اور اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رزق ملتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو زمین نہیں کھاسکتی، اور اسی پر اجماع منعقد ہے۔''

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ المتوفی ۹۱۱ھ: ''حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہ ھو وسائر الانبیاء معلومۃ عندنا علمًا قطعیا لما قام عندنا من الادلۃ فی ذٰلک وتواترت بہ الاخبار الدالۃ علی ذٰلک''

(الحاوی للفتاویٰ ج۲ ص۱۴۷ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت بحوالہ انباء الاذکیاء)

ترجمہ: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی قبر مبارک میں اور اسی طرح دیگر حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات ہمارے نزدیک قطعی طور پر ثابت ہے، کیونکہ اس پر ہمارے نزدیک دلائل قائم ہیں اور تواتر کے ساتھ اخبار موجود ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں۔''

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ عقیدۂ حیات النبی کے تواتر کا دعویٰ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ان من جملة ماتواتر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم حیاة الانبیاء فی قبورهم'' (النظم المتناثر من الحدیث المتواتر کذا فی شرح البوستوی ص ۴ طبع مصر)

ترجمہ: ''یعنی جو چیزیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ مروی ہیں ان میں یہ بھی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔''

علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۹۷۳ھ: عقیدۂ حیات النبی کے تواتر کا دعویٰ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''قد صحت الاحادیث انه صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبره یصلی باذان واقامة'' (منح المنة ص ۹۲ طبع مصر)

ترجمہ: ''بلاشبہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور اذان و اقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔''

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۰۱۴ھ: ''فمن المعتقد المعتمد انه صلی اللہ علیہ وسلم حیّ فی قبره کسائر الانبیاء فی قبورهم وهم احیاء عند ربهم وان لارواحهم تعلقا بالعالم العلوی والسفلی کما کانوا فی الحال الدنیوی فهم بحسب القلب عرشیون وباعتبار القالب فرشیون'' (شرح شفاء ج ۲ ص ۱۴۲ طبع مصر)

ترجمہ: ''قابلِ اعتماد عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں جس طرح دیگر انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں، اور اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں اور ان کے ارواح کا عالمِ علوی اور سفلی دونوں سے تعلق ہوتا ہے جیسا کہ دُنیا میں تھا، سو وہ قلب کے لحاظ سے عرشی، اور جسم کے اعتبار سے فرشی ہیں۔''

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۰۵۲ھ: ''حیات انبیاء متفق علیہ است ہیچ کس را در وے خلافے نیست۔'' (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۶۱۳ مطبع منشی نول کشور لکھنؤ)

ترجمہ: ''حیاتِ انبیاء متفق علیہ ہے کسی کا اس میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔''

عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نجدی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۲۰۶ھ: ''والذی نعتقد ان رتبة نبینا صلی اللہ علیہ وسلم علی مراتب المخلوقین علی الاطلاق وانه حی فی قبره حیٰوة مستقرة ابلغ من حیات الشهداء المنصوص علیها فی التنزیل اذهو افضل منهم بلاریب وانه یسمع من یسلم علیه'' (بحوالہ اتحاف النبلاء ص ۴۱۵ طبع کانپور)

ترجمہ: ''جس چیز کا ہم اعتقاد کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ مطلقاً ساری مخلوق سے بڑھ کر ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں حیاتِ دائمی سے متصف ہیں، جو شہداء کی حیات سے اعلیٰ و ارفع ہے، جس کا ثبوت قرآن کریم سے ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ شہداء سے افضل ہیں، اور جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر (عند القبر) سلام کہتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سنتے ہیں۔''

علامہ قاضی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۲۵۵ھ: ''وقد ذهب جماعة من المحققین الی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیّ بعد وفاته وانه یسر بطاعات امته وان الانبیاء لا یبلون مع ان مطلق الادراک کالعلم والسماع ثابت بسائر الموتی، الی ان قال وورد النص فی کتاب اللہ فی حق الشهداء انهم احیاء یرزقون وان الحیٰوة

فیهم متعلقة بالجسد فکیف بالانبیاء والمرسلین وقد ثبت فی الحدیث ان الانبیاء احیاء فی قبورهم رواه المنذری وصححه البیهقی وفی صحیح مسلم عن النبی ﷺ قال مررت بموسیٰ لیلة اسری بی عند الکثیب الاحمر وهو قائم یصلی فی قبره" (نیل الاوطار ج۳ ص۳۰۵ طبع دار الفکر بیروت)

ترجمہ: "بے شک محققین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں اور آپ ﷺ اپنی امت کی طاعات سے خوش ہوتے ہیں اور یہ کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے اجسام بوسیدہ نہیں ہوتے، حالانکہ مطلق ادراک جیسے علم اور سماع وغیرہ تو یہ سب مُردوں کے لئے ثابت ہے (پھر آگے کہا) اور اللہ تعالیٰ کی کتاب میں شہداء کے بارے میں نص وارد ہوئی ہے کہ وہ زندہ ہیں اور ان کو رزق ملتا ہے اور ان کی حیات جسم سے متعلق ہے، تو حضراتِ انبیاء اور مرسلین علیہم السلام کی حیات جسم سے کیوں متعلق نہ ہوگی؟ اور حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، امام منذری رحمہ اللہ نے اس کو روایت کیا ہے اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس کی تصحیح کی ہے اور صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نے معراج کی رات سرخ رنگ کے ٹیلے کے پاس موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں کھڑے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔"

نواب قطب الدین خان رحمہ اللہ المتوفی ۱۲۷۹ھ: "زندہ ہیں انبیاء علیہم السلام قبروں میں، یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کسی کو اس میں خلاف نہیں کہ حیات ان کو وہاں حقیقی جسمانی دُنیا کی سی ہے۔"

(مظاہر حق ج۱ ص۴۴۵ باب الجمعہ فصل الثالث طبع منشی نولکشور لکھنؤ)

مولانا شمس الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۲۹ھ: "ان الانبیاء فی قبورهم احیاء"

(عون المعبود ج۱ ص۴۰۵ طبع نشر السنہ بوہر گیٹ ملتان)

ترجمہ: "حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔"

مولانا ابوالعتیق عبدالہادی محمد صدیق نجیب آبادی الحنفی رحمہ اللہ: "انهم اتفقوا علی حیوته ﷺ بل حیوة الانبیاء علیهم السلام متفق علیها لا خلاف لاحد فیها" (انوار المحمود شرح ابی داؤد ج۱ ص۶۱۰)

ترجمہ: "محدثین کرام رحمہم اللہ اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضرت ﷺ زندہ ہیں بلکہ تمام حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات متفق علیہا ہے، اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔"

اکابر علمائے دیوبند کی تصریحات

السؤال الخامس: ما قولکم فی حیوة النبی ﷺ فی قبره الشریف، هل ذالک امر مخصوص به ام مثل سائر المؤمنین رحمهم الله حیوة برزخیة۔

الجواب: عندنا وعند مشائخنا حیاة حضرة الرسالة ﷺ حیّ فی قبره الشریف وحیوته ﷺ دنیویة من غیر تکلیف وهی مختصة به ﷺ وبجمیع الانبیاء صلوٰت الله علیهم والشهداء لا برزخیة کما هی حاصلة لسائر المؤمنین بل لجمیع الناس کما نص علیه العلامة السیوطی فی رسالته انباه الاذکیاء بحیوة الانبیاء حیث قال قال الشیخ تقی الدین السبکی حیوة الانبیاء والشهداء فی القبر کحیاتهم فی الدنیا ویشهد له صلوٰة موسیٰ علیه السلام فی قبره فان الصلوٰة تستدعی جسدًا حیًّا الی آخر ما قال فثبت بهذا ان

حیوٰته دنیویة برزخیة لکونها فی عالم البرزخ ولشیخنا شمس الاسلام والدین محمد قاسم العلوم علی المستفیدین قدس الله سره العزیز فی هذا المبحث رسالة مستقلة دقیقة المأخذ بدیعة المسلک لم یُر مثلها قد طبعت وشاعت فی الناس واسمها "آب حیات" ای ماء الحیات... الخ"

(المہند علی المفند ص ۱۳۱، ۱۴۱، عقائد علمائے دیو بند اور حسام الحرمین ص ۲۲۱ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

ترجمہ: "پانچواں سوال: کیا فرماتے ہو جناب رسول اللہ ﷺ کی قبر میں حیات کے متعلق کہ کوئی خاص حیات آپ ﷺ کو حاصل ہے یا عام مسلمانوں کی طرح برزخی حیات ہے؟

جواب: ہمارے اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ ﷺ کی حیات دُنیا کی سی ہے، بلا مکلف ہونے کے، اور یہ حیات مخصوص ہے آنحضرت ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ، برزخی نہیں ہے جو حاصل ہے تمام مسلمانوں بلکہ سب آدمیوں کو، چنانچہ علامہ سیوطی ﷫ نے اپنے رسالہ انباہ الاذکیاء بحیوۃ الانبیاء میں بتصریح لکھا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ علامہ تقی الدین سبکی ﷫ نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام وشہداء کی قبر میں حیات ایسی ہے جیسی دُنیا میں تھی اور موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا اس کی دلیل ہے کیونکہ نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے...... الخ۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ﷺ کی حیات دنیوی ہے اور اس معنی کو برزخی بھی کہ عالم برزخ میں حاصل ہے اور ہمارے شیخ مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ کا اس مبحث میں ایک مستقل رسالہ بھی ہے، نہایت دقیق اور انوکھے طرز کا بے مثل جو طبع ہو کر لوگوں میں شائع ہو چکا ہے، اس کا نام "آبِ حیات" ہے۔"

حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری الحنفی ﷫ المتوفی ۱۲۹۷ھ: "والاحسن ان یقال ان حیاته ﷺ لا یتعقبها موت بل یستمر حیًّا والانبیاء احیاء فی قبورهم" (حاشیہ بخاری ج۱ ص ۵۱۷)

ترجمہ: "بہتر بات یہ ہے کہ کہا جائے کہ آنحضرت ﷺ کی حیات ایسی ہے کہ اس کے بعد موت وارد نہیں ہوتی، بلکہ دوامی حیات آپ ﷺ کو حاصل ہے اور باقی حضرات انبیائے کرام علیہم السلام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔"

قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ﷫ المتوفی ۱۳۲۳ھ: "قبر کے پاس...... انبیاء کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں۔" (فتاویٰ رشیدیہ ج۱ ص ۱۰۰)

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری ﷫ المتوفی ۱۳۴۶ھ: "حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری ﷫ المتوفی ۱۳۴۶ھ: "ان نبی الله ﷺ حیّ فی قبره کما ان الانبیاء علیهم السلام احیاء فی قبورهم"

(بذل المجہود باب التشہد ج۲ ص ۱۱۷)

ترجمہ: "آنحضرت ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں جس طرح کہ دیگر حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔"

حضرت مولانا سید محمد انور شاہ ﷫ المتوفی ۱۳۵۲ھ: "حضرت مولانا سید محمد انور شاہ ﷫ المتوفی ۱۳۵۲ھ: "وقد یتخایل ان رد الروح ینافی الحیوٰة وهو یقررها فان الرَّدّ انما یکون الی الحی لا الی الجماد کما وقع فی حدیث لیلة التعریس یرید بقوله الانبیاء مجموع الاشخاص لا الارواح فقط... الخ"

(تحیۃ الاسلام ص ۳۶،۳۵ مدینہ پریس بجنور، یو پی)

ترجمہ: "کبھی یہ خیال کیا جاتا ہے کہ رُوح کا لوٹانا حیات کے منافی ہے حالانکہ ردِّ رُوح حیات کو ثابت کرتا

ہے کیونکہ رُوح زندہ کی طرف لوٹائی جاتی ہے نہ کہ جماد کی طرف، جیسا کہ لیلۃ التعریس کی حدیث میں ہے (جب سب حضرات سو گئے تھے اور سورج چڑھنے کے بعد بیدار ہوئے اور اس میں ردِّ رُوح کا ذکر ہے، بخاری ج ۱ ص ۸۳) اور انبیاء احیاء سے حضرات انبیاء کے مجموع اشخاص مراد ہیں نہ کہ فقط ارواح (یعنی وہ اپنے اجسام کے ساتھ زندہ ہیں)"

ایک اور جگہ لکھتے ہیں: "ان کثیرًا من الأعمال قد ثبتت فی القبور کالأذان والاقامة عند الدارمی وقرائة القرآن عند الترمذی... الخ" (فیض الباری ج ۱ ص ۱۸۳ کتاب العلم، باب من اجاب الفتیا، طبع مجلس علمی ڈابھیل)

ترجمہ: "قبروں میں بہت سے اعمال کا ثبوت ملتا ہے، جیسے اذان و اقامت کا ثبوت دارمی کی روایت میں، اور قراءتِ قرآن کا ترمذی کی روایت میں۔"

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ﷫ المتوفی ۱۳۶۲ھ: "بیہقی وغیرہ نے حدیث انسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں، کذا فی المواہب، اور یہ نماز تکلیفی نہیں بلکہ تلذذ کے لئے ہے اور اس حیات سے یہ نہ سمجھا جائے کہ آپ ﷺ کو ہر جگہ پکارنا جائز ہے...... الخ" (نشر الطیب ص ۲۰۸، ۲۰۹ طبع کتب خانہ اشاعت العلوم سہارنپور)

اور ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: "آپ ﷺ بنفس حدیث قبر میں زندہ ہیں" (التکشف ص ۴۴۶)

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی ﷫ المتوفی ۱۳۶۹ھ: "ان النبی ﷺ حیّ کما تقرر وانہ یصلی فی قبرہ باذان واقامة"

(فتح الملہم ج ۳ ص ۴۱۹ باب فضل الصلاة بمسجدی مکة والمدینة المطبعة الشہیرة بمانده پریس جالندھر)

ترجمہ: "آنحضرت ﷺ زندہ ہیں جیسا کہ اپنی جگہ یہ ثابت ہے اور آپ ﷺ اپنی قبر میں اذان و اقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔"

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی ﷫ المتوفی ۱۳۷۷ھ: "آپ ﷺ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہداء کو حاصل ہے، بلکہ جسمانی بھی اور از قبیل حیاتِ دنیوی، بلکہ بہت وجوہ سے اس سے قوی تر۔"

(مکتوبات شیخ الاسلام مکتوب نمبر: ۴۴ ج ۱ ص ۱۲۰ مطبوعہ مکتبہ دینیہ دیوبند یوپی)

ایک دُوسری جگہ لکھتے ہیں: "وہ (وہابی) وفاتِ ظاہری کے بعد انبیاء علیہم السلام کی حیاتِ جسمانی اور بقائے علاقہ بین الروح والجسم کے منکر ہیں اور یہ (علمائے دیوبند) حضرات صرف اس کے قائل ہی نہیں بلکہ مثبت بھی ہیں، اور بڑے زور و شور سے اس پر دلائل قائم کرتے ہوئے متعدد رسائل اس بارے میں تصنیف فرما کر شائع کرچکے ہیں۔" (نقش حیات ج ۱ ص ۱۲۰ مطبوعہ عزیز پبلی کیشنز لاہور)

عقیدہ حیات النبی ﷺ پر اجماع

علامہ سخاوی ﷫ المتوفی ۹۰۲ھ: "علامہ سخاوی ﷫ المتوفی ۹۰۲ھ: "نحن نؤمن ونصدق بانہ ﷺ حی یرزق فی قبرہ وان جسدہ الشریف لا تأکلہ الارض والاجماع علی ھذا"

(القول البدیع ص ۱۶۷ مطبعة الانصاف، بیروت)

ترجمہ: "ہمارا ایمان ہے اور ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں، آپ ﷺ کو وہاں رزق بھی ملتا ہے اور آپ ﷺ کے جسدِ اطہر کو مٹی نہیں کھاتی اور اس عقیدے پر اہلِ حق کا اجماع ہے۔"

منکرینِ حیات کا حکم

شیخ الاسلام حضرت علامہ عینی ﷫ المتوفی ۸۵۵ھ فرماتے ہیں: ''من انکر الحیوة فی القبر وھم المعتزلة ومن نحانحوھم واجاب اھل السنة عن ذالک'' (عمدۃ القاری شرح بخاری ج۸ ص۱۰۶)

ترجمہ: ''جن لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی قبر کی زندگی کا انکار کیا ہے اور وہ معتزلہ اور ان کے ہم عقیدہ ہیں، اہل سنت نے ان کے دلائل کے جوابات دیئے ہیں۔''

حافظ ابن حجر عسقلانی ﷫ المتوفی ۸۵۲ھ نے بھی اسی انداز بیان کو اختیار فرمایا ہے کہ منکرین حیات اہل سنت میں سے نہیں: ''قد تمسک به من انکر الحیوة فی القبر واجیب عن اھل السنة... ان حیوته ﷺ فی القبر لا یعقبھا موت بل یستمر حیا'' (فتح الباری ج۷ ص۲۲ طبع مصر)

ترجمہ: ''منکرینِ حیات فی القبر اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور اہل سنت کی طرف سے ان کا جواب دیا جاتا ہے کہ حضور ﷺ کی قبر کی زندگی ایسی ہے کہ دوبارہ اس پر موت نہیں اور آپ ﷺ اب دائمی طور پر زندہ ہیں۔''

حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری ﷫ نے بھی اس عبارت کو حاشیہ بخاری جلد:۱ صفحہ:۵۱۷ پر نقل اور تسلیم فرمایا ہے۔

اب تک کی گزارشات سے واضح ہوا ہوگا کہ قرآن وسنت اور اکابر علمائے امت کی تصریحات کی روشنی میں یہ عقیدہ اہل سنت کا بنیادی عقیدہ ہے اور اس سے دورِ حاضر کے بعض تجدد پسندوں کے علاوہ کسی نے اختلاف نہیں کیا، وہاں یہ بھی واضح کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اکابرین دیوبند نے ''المہند علی المفند'' مرتب فرما کر امت کے سامنے یہ حقیقت بھی واضح کردی کہ علمائے دیوبند اہل سنت کا عقیدہ اس سلسلہ میں بھی وہی ہے جو اسلافِ امت کا تھا۔

مگر بایں ہمہ جب شرذمہ قلیلہ نے اس اجماعی عقیدہ سے اختلاف کرنے کی کوشش کی تو نہ صرف اس سے بیزاری کا اظہار کیا گیا بلکہ دورِ حاضر کے اساطین امت نے اس مسئلے کی اہمیت اور حقیقت کو واضح کرتے ہوئے درج ذیل تحریر مرتب فرما کر مشتہر فرمائی اور متفقہ اعلان فرمایا:

مسئلہ حیات النبی ﷺ کے متعلق دورِ حاضر کے اکابرِ دیوبند کا مسلک اور ان کا متفقہ اعلان

''حضرت اقدس نبی کریم ﷺ اور سب انبیائے کرام علیہم السلام کے بارے میں اکابر دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں، اور ان کے ابدانِ مقدسہ بعینہا محفوظ ہیں، اور جسد عنصری کے ساتھ عالم برزخ میں ان کو حیات حاصل ہے، اور حیاتِ دنیوی کے مماثل ہے۔

صرف یہ ہے کہ احکام شرعیہ کے وہ مکلف نہیں ہیں، لیکن وہ نماز بھی پڑھتے ہیں اور روضۂ اقدس میں جو درود پڑھا جاوے بلاواسطہ سنتے ہیں، اور یہی جمہور محدثین اور متکلمین اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے، اکابر دیوبند کے مختلف رسائل میں یہ تصریحات موجود ہیں، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی ﷫ کی تو مستقل تصنیف حیاتِ انبیاء پر ''آبِ حیات'' کے نام سے موجود ہے۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب ﷫ جو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ﷫ کے ارشد خلفاء میں سے ہیں ان کا رسالہ ''المہند علی المفند'' بھی اہل انصاف اور اہل بصیرت کے لئے

کافی ہے، اب جو اس مسلک کے خلاف دعویٰ کرے اتنی بات یقینی ہے کہ ان کا اکابرِ دیوبند کے مسلک سے کوئی واسطہ نہیں۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل!"

۱...... مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی نمبر ۵

۲...... مولانا عبدالحق مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

۳...... مولانا محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ سابق ناظم محکمۂ اُمورِ مذہبیہ بہاولپور

۴...... مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈو الہ یار سندھ

۵...... مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

۶...... مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

۷...... مولانا مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور

۸...... مولانا رسول خان رحمۃ اللہ علیہ جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور

۹...... مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم کراچی

۱۰...... مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ امیر نظام العلماء و امیر خدام الدین لاہور

(تلک عشرۃ کاملۃ)

(ماہنامہ پیامِ مشرق لاہور، جلد: ۳ شمارہ: ۴ ربیع الاول ۱۳۸۰ھ/ستمبر ۱۹۶۰ء)

(بحوالہ تسکین الصدور ص ۷ ۳)

الغرض میرا اور میرے اکابر کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضۂ مطہرہ میں حیاتِ جسمانی کے ساتھ حیات ہیں، یہ حیات برزخی ہے مگر حیاتِ دنیوی سے قوی تر ہے، جو لوگ اس مسئلے کا انکار کرتے ہیں، ان کا اکابر علمائے دیوبند اور اساطینِ امت کی تصریحات کے مطابق علمائے دیوبند سے تعلق نہیں ہے، اور میں ان کو اہلِ حق میں سے نہیں سمجھتا، اور وہ میرے اکابر کے نزدیک گمراہ ہیں، ان کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز نہیں او(اس کے ساتھ کسی قسم کا تعلق روا نہیں۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل!

حیاتِ برزخی موضوعِ بحث ہے

سوال: وفات شریف کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے قائل کو منکر کہنا آپ کے نزدیک شرعی طور پر کیسا ہے؟ اور کیا علماء کی مختلف تحقیقات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کیا جاسکتا ہے؟ مثلاً ایک عالم نے دنیاوی زندگی کہا، دُوسرے نے برزخی اخروی کہا، تو کیا پہلے کو شرعی طور پر حق ہے کہ وہ دُوسرے کو منکر کہے؟

جواب: سوال پوری طرح سمجھ میں نہیں آیا، اگر صرف تعبیرات کا اختلاف ہو تو نزاع لفظی ہے، اور اگر نتیجہ و مآل کا فرق ہو تو لائقِ اعتناء ہے، مسئلۂ حیات میں حیاتِ برزخی ہی موضوعِ گفتگو ہے، نفی و اثبات کا تعلق اسی سے ہے، اگر دونوں فریقوں کا مدعا ایک ہی ہو تو نزاع لفظی ہوگا، نہیں تو معنوی ہوگا۔

سوال: مجھ جیسے چند نالائقوں کا خیال ہے کہ مسئلۂ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں علمائے دیوبند نے مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ واں بھچراں کے تلامذہ کے ساتھ وہی سلوک کیا جو مولانا احمد رضا خان نے اکابرینِ دیوبند سے کیا تھا (یعنی غلط پراپیگنڈہ)، آپ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

جواب: ہر شخص کو حق ہے کہ اپنے خیال کو صحیح سمجھے، لیکن اگر وہ خیال حقیقتِ واقعیہ پر مبنی ہو تو صحیح ورنہ غلط ہوگا، اس ناکارہ کے خیال میں آپ کا خیال حقیقت واقعیہ پر مبنی نہیں۔

رُوح کا لوٹایا جانا

سوال: ہمارا عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں حیات ہیں پھر اس حدیث شریف کے کیا معنی ہوئے کہ: ''جب کوئی میری قبر پر درود و سلام پڑھتا ہے تو میری رُوح مجھ پر لوٹادی جاتی ہے اور میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔'' سوال یہ ہے کہ جو پہلے سے زندہ ہے، اس پر رُوح لوٹانا کیا معنی؟ دُوسرے یہ کہ آپ کے دربار میں ہر وقت سلام کا نذرانہ پیش ہوتا رہتا ہے تو اس طرح بار بار رُوح کا دخول و خروج تو ایک طرح کا عذاب ہوگیا (نعوذ باللہ) کیا یہ حدیث صحیح بھی ہے؟

جواب: حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر رسالہ لکھا ہے، اس میں انہوں نے آپ کے سوال کے گیارہ جواب دیئے ہیں لیکن اس ناکارہ کے دل کو ایک بھی نہیں لگا، یا صحیح الفاظ میں ایک بھی سمجھ میں نہیں آیا۔ اس ردِّ رُوح کی حقیقت تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، ہمارے فہم و ادراک سے بالاتر چیز ہے، لیکن یہ ناکارہ یہ سمجھتا ہے کہ دُنیا میں تو ایک طرف آدمی متوجہ ہوتا ہے تو دُوسری طرف توجہ نہیں رہتی، لیکن برزخ میں باوجود اس کے کہ روحِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم مستغرق بہ جمالِ الٰہی ہے، لیکن وہاں - واللہ اعلم - ایک طرف توجہ دُوسری طرف توجہ سے مانع نہیں۔ لاکھوں بلکہ کروڑوں اُمتی بہ یک وقت سلام پیش کرتے ہیں، مگر روحِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کی طرف پوری طرح متوجہ ہے، پس ''ردّ اللہ علی روحی'' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر سلام کرنے والے کی طرف رُوحِ پاک کو متوجہ فرما دیتے ہیں، واللہ اعلم بحقیقۃ الحال!

مجلس مقننہ اشاعت التوحید والسنۃ پاکستان کا فیصلہ

سوال: اشاعۃ التوحید کی مجلس مقننہ کا فیصلہ ارسالِ خدمت ہے، جواب طلب یہ بات ہے کہ کیا اس فیصلہ کی زد میں اکابرین دیوبند رحمہم اللہ تعالیٰ نہیں آتے جن کا سماعِ انبیاء و حیاتِ انبیاء علیہم السلام کا عقیدہ ہے؟

فیصلہ کی عبارت مندرجہ ذیل: ''مجلس مقننہ اشاعۃ التوحید والسنۃ پاکستان کا فیصلہ: سماعِ موتیٰ، کا عقیدہ قرآن کریم کے خلاف ہے، قرآن میں سماعِ موتیٰ ثابت نہیں ہے، جو لوگ بمشیۃ اللہ خرقاً للعادۃ عند القبر سماع کے قائل ہیں، وہ کافر نہیں ہیں، اور جو لوگ سماعِ موتیٰ ہر وقت دور و نزدیک کے قائل ہیں، وہ ہمارے نزدیک دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔''

کیا یہ فیصلہ شرعاً درست ہے؟

شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں جواب سے نوازیں۔　　　　صوبیدار اکبر خان!

جواب: سماعِ موتیٰ کے بارے میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ رشیدیہ میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے، وہ صحیح ہے، اور آپ کے مرسلہ پرچہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ غلط ہے، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ یہ ہیں: ''یہ مسئلہ عہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مختلف فیہا ہے، اس کا کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا۔'' (فتاویٰ رشیدیہ ص۸۷، مطبوعہ قرآن محل کراچی)

جب یہ مسئلہ صحابہ و تابعین اور سلف صالحین (رضی اللہ عنہم) کے زمانے سے مختلف فیہا چلا آرہا ہے، تو ان میں سے کسی ایک فریق کو کافر قرار دینے والا گمراہ اور خارجی کہلانے کا مستحق ہوگا، واللہ اعلم!

عقیدۂ حیاۃ النبی ﷺ اور اُمتِ مسلمہ

سوال نمبر ۱: نبی پاک ﷺ کی حیاتِ برزخی کے متعلق امتِ مسلمہ و اکابرینِ دیوبند کا عقیدہ کیا ہے؟

سوال نمبر ۲: جو مقرر اپنی ہر تقریر میں حیات النبی ﷺ کے انکار پر ضرور بولتا ہے، اور قائلینِ حیات کو برا کہتا ہے، کیا وہ اہلسنّت میں سے ہے؟

سوال نمبر ۳: کیا واقعی یہ دیوبندی مسلک کے ترجمان ہیں جیسا کہ ان کا دعویٰ ہے؟

سوال نمبر ۴: کیا عقیدۂ حیاۃ النبی ﷺ قرآن و حدیث سے ثابت نہیں؟

سوال نمبر ۵: کیا سماعِ انبیاء اختلافی مسئلہ ہے؟

سوال نمبر ۶: کیا فتاویٰ رشیدیہ جو کہ آپ لوگوں کے ہاتھوں میں ہے، اصلی ہے؟

سوال نمبر ۷: منکرینِ حیات اپنے معتقدین کو یہ کہتے ہیں کہ اب دیوبند میں بھی تخریب کار شامل ہو گئے ہیں، اس لئے وہاں بھی اصل عقیدہ کی مخالفت ہو رہی ہے، اور بریلوی ذہن کے لوگ وہاں شامل ہو گئے ہیں، کیا یہ تأثر ٹھیک ہے؟

سوال نمبر ۸: مجمع الزوائد و مستدرک وغیرہ میں جو یہ حدیث آتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام روضۂ رسول ﷺ پر حاضر ہو کر سلام کریں گے، آپ ﷺ ان کا جواب دیں گے، ٹھیک ہے یا نہیں؟

جواب نمبر ۱: ہمارا اور ہمارے اکابر کا عقیدہ حیات النبی ﷺ کا ہے، یہ حیات برزخی ہے، جو مشابہ ہے حیاتِ دنیوی کے۔

جواب نمبر ۲، ۳: حیات النبی ﷺ کے قائلین کو برا بھلا کہنے والا نہ اہلِ سنت والجماعت کا ترجمان ہے، نہ علمائے دیوبند کا!

جواب نمبر ۴: عقیدۂ حیات، قرآن کریم سے بدلالۃ النص اور حدیث سے صراحۃ النص سے ثابت ہے۔

جواب نمبر ۵: مجھے اس میں کسی کا اختلاف معلوم نہیں۔

جواب نمبر ۶: فتاویٰ رشیدیہ میں سماعِ موتیٰ کی بحث ہے، انبیائے کرام علیہم السلام کے بارے میں نہیں۔

جواب نمبر ۷: ''المہند علی المفند'' تو بریلویوں کے مقابلہ میں ہی لکھی گئی ہے، جس پر ہمارے تمام اکابر کے دستخط ہیں، اس میں حیات النبی ﷺ کا مسئلہ شرح و تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

جواب نمبر ۸: یہ روایت صحیح ہے اور صحیح مسلم کی روایت اس کی مؤید ہے، واللہ اعلم!

منکرینِ حیات النبی ﷺ کی اقتداء؟

سوال: ایک عالم یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضور ﷺ کو حیاتِ برزخی حاصل ہے، بایں صورت کہ آپ علیہ السلام کا جسدِ مبارک اپنی قبر میں صحیح سالم پڑا ہے، لیکن یہ جسم میت ہے، اس میں حیات نہیں ہے، صرف رُوح کو حیات حاصل ہے، اور رُوح کا کوئی تعلق جسدِ انور کے ساتھ نہیں ہے، جو شخص مذکورہ عقیدے کے خلاف عقیدہ رکھے وہ پکا کافر اور کراڑ (ہندو) ہے، اس بات کا اظہار وہ اپنی اکثر تقاریر میں کرتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ:

نمبر ۱: آیا ایسا عقیدہ رکھنے والے عالم کے ساتھ عقیدت رکھنا جائز ہے؟

نمبر ۲: آیا اس عقیدے کے حامل امام کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے؟
نمبر ۳: ایسے عقیدے کے حامل کی تقاریر سننا شرعاً جائز ہیں یا کہ موجبِ گناہ؟
نمبر ۴: اس عقیدے کا اعلانیہ رَدّ کرنا چاہئے یا کہ اس میں سکوت اختیار کرنا بہتر ہے؟

جواب: میرا اور میرے اکابر کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روضۂ اطہر میں حیاتِ جسمانی کے ساتھ حیات ہیں، اور یہ حیات برزخی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درود و سلام پیش کرنے والوں کے سلام کا جواب دیتے ہیں، اور وہ تمام اُمور جن کی تفصیل اللہ ہی کو معلوم ہے، بجالاتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کو حیاتِ برزخیہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ حیات برزخ میں حاصل ہے، اور اس حیات کا تعلق رُوح اور جسد دونوں کے ساتھ ہے۔ جو شخص اس کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے وہ میرے اکابر رحمہم اللہ کے نزدیک گمراہ ہے، اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز نہیں، اس کی تقریر سننا جائز نہیں، اور اس کے ساتھ کسی قسم کا تعلق روا نہیں۔

حیاتِ انبیاء فی القبور کے منکرین کا حکم

محترم مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

روزنامہ جنگ کراچی ۹؍جون ۱۹۹۵ء میں آپ نے لکھا تھا:

"سلف صالحین سے بے اعتمادی

سوال: ایک فرقہ حیات الانبیاء فی القبور، سماعِ موتیٰ، اسی دنیاوی قبر میں حساب و کتاب، تعویذ گنڈہ، واسطے اور وسیلے کے قائلین کو کافر اور مشرک کہتا ہے، اور کہتا ہے کہ حیاتِ انبیاء اور حساب و کتاب یہ سب برزخی معاملے ہیں، برزخی قبر ہر انسان کو ملتی ہے، قبر سے مراد یہ گڑھا نہیں جس کے اندر انسان کو دُنیا میں دفن کردیا جاتا ہے۔ افسوس کہ یہ لوگ کافر اور مشرک کے فتویٰ کی ابتدا امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ان عقائد کی ابتداء ان سے ہوئی ہے، اس کے بعد امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ، ابن قیم رحمہ اللہ سمیت تمام صالحین ان کے کفر و شرک کے فتوے کی زد میں آتے ہیں۔ خدارا! جواب عنایت فرمائیں کہ یہ فرقہ مسلمان ہے یا کافر؟

وجہ سوال یہ ہے کہ میرے ایک ماموں جان اسی فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں، اب وہ کراچی ہی میں وفات پاکر وہیں مدفون ہوچکے ہیں، میرا ہر وقت انہیں ایصالِ ثواب اور ان کے لئے دعائے مغفرت کرنے کو جی چاہتا ہے، مگر ان کے عقائد کی وجہ سے میں جھجکتا ہوں کہ خدانخواستہ یہ فرقہ مسلمان ہی نہ ہو؟

جواب: یہ فرقہ خارجیوں کے مشابہ ہے کہ تمام اکابرِ اہلِ سنت کو حتیٰ کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو بھی کافر و مشرک سمجھتا ہے، اور ان کے عقائد کا منشا سلف صالحین سے بے اعتمادی اور اپنے جہل پر غرور و پندار ہے۔ عقائد کی کتابوں میں بعض اکابر کا قول ہے کہ جو فرقہ تمام سلف صالحین کو گمراہ کہتا ہو، اس کو گمراہ قرار دیا جائے گا، اور جو ان سب کو کافر قرار دیتا ہو، اس کو کافر قرار دیا جائے گا۔ بہرحال ان کو کافر قرار دینے میں تو احتیاط کی جائے، مگر ان کی گمراہی میں شک نہیں۔ آپ اس طرح دعا کیا کریں کہ اگر یہ مسلمان تھا تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائیں۔"

اس جواب کی روشنی میں گویا جو فرقہ حیاتِ انبیاء فی القبور، سماعِ موتیٰ، دنیاوی قبر میں حساب و کتاب، تعویذ گنڈہ اور واسطہ وسیلہ کے قائلین کو مشرک کہے، وہ آپ کے نزدیک خارجیوں کے مشابہ ہے، اور اس کی گمراہی میں کوئی شک نہیں۔ اس سلسلہ میں مجھے آپ سے چند سوالات کرنا ہیں، آنجناب سے گزارش ہے کہ قرآن وسنت اور مستند حوالوں سے جواب مرحمت فرمائیں، وہ سوالات یہ ہیں:

سماعِ موتیٰ قرآن کی نظر میں

(۱) قرآن میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منع فرمایا کہ: ''وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ''
(پارہ ۲۲، رکوع ۱۵، سورہ فاطر)

ترجمہ: ''اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ قبر میں پڑے ہوؤں (یعنی مردوں) کو نہیں سنا سکتے۔''

ایک اور آیت میں ہے: ''فانک لاتسمع الموتٰی'' (سورہ روم رکوع: ۸)

ترجمہ: ''(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے۔''

سورۂ نمل میں بھی اسی طرح کی ایک آیت ہے، جو سماعِ موتیٰ کی نفی کر رہی ہے۔ مذکورہ بالا آیات سے سماعِ موتیٰ کی نفی کر رہی ہیں، جبکہ آپ کے جواب (جو کہ جنگ میں شائع ہوا ہے) سے سماعِ موتیٰ کی تائید ہوتی ہے۔

برائے مہربانی ان آیات کا جو اصل مدعا ہے، یعنی ان آیات کا جو اصل مقصد ہے، اس سے آگاہ فرمائیں تاکہ ان شکوک وشبہات کا ازالہ ہو سکے جو میرے ذہن میں جنم لے رہے ہیں۔

سماعِ موتیٰ احادیث کی نظر میں

غزوۂ بدر میں جو کفار مارے گئے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نعشوں کو ایک گڑھے میں ڈالا اور گڑھے کے کنارے کھڑے ہو کر فرمایا: ''ھل وجدتم ماوعد ربکم حقًا؟''

ترجمہ: ''تم سے تمہارے پروردگار نے جو وعدہ کیا، وہ تم نے حق پالیا؟''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ مردوں کو پکارتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ما انتم باسمع منھم، ولٰکن لایجیبون!''

ترجمہ: ''تم ان سے زیادہ نہیں سنتے، لیکن یہ جواب نہیں دے سکتے!''

یہ واقعہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے پیش کیا گیا، تو ام المؤمنینؓ نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ہرگز نہیں فرمائی تھی، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ''انھم الاٰن لیعلمون ان ما کنت اقول لھم حق!'' (بخاری ج۲ ص۵۶۷)

ترجمہ: ''انہوں نے اب تو وہ حق بات جان لی ہوگی جو میں ان سے کہتا تھا۔''

اور آپ ایسی بات فرما بھی نہیں سکتے تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی۔''
(یقینا آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے) (بخاری ج۲ ص۵۶۷)

مذکورہ بالا واقعہ بھی سماعِ موتیٰ کا انکار کر رہا ہے، آپ یہ ہم سے زیادہ جانتے ہوں گے کہ حضرت عائشہؓ کا علمیت میں کیا مقام تھا؟ ان سے بہتر مفسرہ، محدثہ، فقیہہ، خطیبہ سب سے بڑی مؤرخہ اور سب سے بڑی ماہرِ انساب

شاید دُنیا میں اب تک کوئی پیدا نہیں ہوا، نہ مردوں میں، نہ عورتوں میں، انہوں نے ہی یہ فقہی اُصول پیش کیا تھا کہ جو روایت خلافِ قرآن ہو، وہ ہرگز قابلِ قبول نہ ہوگی، یا اس کی تأویل کی جائے گی یا اس کا رَدّ کیا جائے گا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے یہ فرمایا کہ: سماعِ موتی کے انکاری خارجی ہیں، جبکہ یہ تاریخ میں محفوظ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سب سے پہلے سماعِ موتی کا انکار کیا۔

میری آپ سے گزارش ہے کہ ہمیں بھی اس پہلو سے آگاہ کریں جو کہ حضرت عائشہؓ کی نظروں سے اوجھل رہا۔

سماعِ موتی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کو کچھ نیک لوگوں کی قبروں کے پاس آکر سلام کرکے یہ کہتے ہوئے سنا کہ: اے قبر والو! تم کو کچھ خبر بھی ہے اور کیا تم پر اس کا کچھ اثر بھی ہے کہ میں تمہارے پاس مہینوں سے آرہا ہوں اور تم سے میرا سوال صرف یہ ہے کہ میرے حق میں دعا کرو، بتاؤ! تمہیں میرے حال کی کچھ خبر بھی ہے یا تم بالکل غافل ہو؟

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا یہ قول سن کر اس سے دریافت کیا کہ: کیا قبر والوں نے کچھ جواب دیا؟ وہ بولا: نہیں دیا! امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سن کر کہا: تجھ پر پھٹکار! تیرے دونوں ہاتھ گرد آلود ہوجائیں، تو ایسے جسموں سے کلام کرتا ہے جو نہ جواب دے سکتے ہیں، اور نہ وہ کسی چیز کے مالک ہیں، اور نہ وہ آواز ہی سن سکتے ہیں۔ پھر ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی: ''وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ''

ترجمہ: ''اے نبی! تم ان لوگوں کو جو قبروں میں ہیں، نہیں سنا سکتے۔''

(غرائب فی تحقیق المذاہب وتفہیم المسائل ص:۱)

یہاں بھی وہی سوال ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی سماعِ موتی کے انکاری تھے، پھر بات کچھ سمجھ میں نہیں آتی کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ عمل کیسا تھا؟ ذرا وضاحت کے ساتھ سمجھادیں۔

واسطے اور وسیلے

اب میرے سوالات مذکورہ عنوان کے تحت ہوں گے، امید ہے جواب مرحمت فرمائیں گے۔

واسطے اور وسیلے قرآن کی نظر میں

سورۂ بقرہ آیت:۱۸۶ میں اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں: ''اور اے نبی! میرے بندے اگر تم سے میرے متعلق پوچھیں تو انہیں بتادو کہ میں ان سے قریب ہی ہوں، بندہ جب مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی پکار سنتا ہوں، اور جواب دیتا ہوں، لہٰذا انہیں چاہئے کہ میرا ہی حکم مانیں اور مجھ پر ہی ایمان لائیں۔ یہ بات تم انہیں سنادو، شاید کہ وہ راہِ راست پالیں۔''

سورۂ ق آیت:۱۶ میں ارشاد ہے: ''ہم نے انسان کو بنایا ہے اور ہم جانتے ہیں جو باتیں اس کے جی میں آتی ہیں، اور ہم اس سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔''

سورۂ اعراف آیت:۱۸۰ میں ارشاد ہے: ''اور اللہ کے تمام نام اچھے ہیں، ان ہی کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو۔''

درج بالا تمام آیات سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی واسطے اور وسیلے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن ہوسکتا ہے کہ ہماری سمجھ میں کوئی خرابی ہو، لہٰذا آپ محترم سے یہ مؤدّبانہ عرض ہے کہ مذکورہ بالا آیات (جو کہ واسطے اور وسیلوں کی نفی کر رہی ہیں) کا درست مفہوم کیا ہے؟

واسطے اور وسیلے احادیث کی روشنی میں

ابوداؤد، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بیٹھا ہوا تھا، ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا اس نے یہ دعا کی: ''اے اللہ میں آپ سے اس وسیلے سے سوال کرتا ہوں کہ تمام حمد آپ ہی کے لئے ہے، آپ کے علاوہ کوئی اور عبادت کے لائق نہیں، آپ مہربان اور احسان کرنے والے ہیں، زمین و آسمان کے بنانے والے ہیں، اے جلال و اکرام والے، اے زندہ، اے بندوبست کرنے والے میں آپ سے سوال کرتا ہوں۔'' (ترمذی ج۲ ص۲۱۶)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا: ''اس نے اللہ کے اسمِ اعظم کے ذریعہ دعا کی ہے کہ جب بھی اس کے ذریعہ دعا کی جاتی ہے، قبول ہوتی ہے، اور جب بھی کوئی سوال کیا جاتا ہے، عطا کیا جاتا ہے۔''

مذکورہ حدیث سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ اللہ کو کسی نبی، کسی پیر، کسی فقیر کے واسطہ اور وسیلے کی ضرورت نہیں، اور ایسی کوئی دُوسری حدیث بھی ہمیں نہیں ملی جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے ناموں کے علاوہ کسی دُوسرے واسطے یا وسیلے کا ذکر کیا ہو۔

لہٰذا آپ سے سوال ہے کہ ہم واسطے یا وسیلے کے قائل ہوں تو کیونکر؟ ذرا تفصیل سے جواب عنایت فرمادیں۔

واسطے اور وسیلے ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی نظر میں

یہ بات کسی کو درست نہیں کہ دعا مانگے اللہ سے کسی اور وسیلے سے، بلکہ چاہئے کہ اللہ ہی کے ناموں اور صفتوں کے ساتھ وسیلہ پکڑے اور یہ بھی نہ کہے کہ مانگتا ہوں تجھ سے بھی فلاں یا ساتھ فرشتوں یا نبیوں کے تیرے اور مثل اس کے۔ (درمختار)

لیجئے! ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا فتویٰ بھی حاضر ہے، ہم واسطے اور وسیلے کے قائل ہوں تو کیونکر؟ مؤدّبانہ عرض ہے۔

تعویذ گنڈے

محترم مولوی صاحب! تعویذ گنڈوں کا ثبوت یا ذکر ہمیں قرآن میں نہیں ملتا، ہاں احادیث اس کا رَدّ کرتی نظر آتی ہیں، مثلاً: عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا کہ دَم، تعویذ اور تولہ سب شرک ہیں۔ (ابوداؤد، مشکوٰۃ ص۳۸۹)

ہماری ناقص عقل تو یہ کہتی ہے کہ قرآن سراسر راہِ ہدایت ہے، اور یہ ہدایت ہم اس کو سمجھ کر ہی حاصل کرسکتے ہیں، نہ کہ تعویذ بناکر گلے میں ڈالنے سے یا گھول کر پینے سے، ویسے ہم ہدایت کے طالب ہیں، آپ نے جو اس کے نہ ماننے والوں کو خارجی کہا ہے، ضرور آپ کی نظر میں کوئی حدیث، کوئی واقعہ ہوگا، براہِ مہربانی ہمیں بھی اس

سے آگاہ فرمائیں، نوازش ہوگی۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے قرآن اور شہد دونوں کے بارے میں فرمایا کہ ان دونوں میں مومنین کے لئے شفا ہے، تو کیا جس طرح قرآن کو گلے میں لٹکائے، بازو پر باندھتے ہیں، اسی طرح شہد کی بوتلوں کو گلے میں لٹکانے یا بازو پر باندھنے سے شفا مل سکتی ہے؟ جواب عنایت فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

دنیاوی قبر میں حساب و کتاب

محترم لدھیانوی صاحب! مذکورہ بالا عنوان کے تحت میرا آپ سے یہ سوال ہے کہ دنیاوی قبر میں جو حساب و کتاب کو نہ مانے وہ خارجی کیسے ہے؟ جبکہ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ''نطفہ کی بوند سے ہم نے انسان کو پیدا کیا، پھر اس کی تقدیر مقرر کی، پھر اس کے لئے زندگی کی راہ آسان کی، پھر اسے موت دی اور قبر عطا فرمائی۔'' (سورۂ عبس آیات ۱۸ تا ۲۱)

جب کہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کو قبر (مٹی والی قبر) میسر نہیں آتی، کچھ کو جانور بھی کھا جاتے ہیں، کچھ پانی میں مرجاتے ہیں، کوئی ریزہ ریزہ ہوجاتا ہے، کسی کو لوگ جلادیتے ہیں، غرض یہ کہ کثیر تعداد میں لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کو دنیاوی قبر میسر نہیں آتی، تو پھر قرآن کا یہ دعویٰ کہ ہم انسان کو قبر عطا کرتے ہیں، سے کیا مراد ہے؟

میری ناقص عقل یہ کہتی ہے کہ قرآن کا دعویٰ بالکل سچا ہے اور قرآن میں مذکورہ قبر سے مراد برزخی قبر ہے، جو ہر ایک کو ملتی ہے، اور مردے پر عذاب و راحت کا دور گزرتا ہے، قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ''آلِ فرعون کو صبح و شام دوزخ کی آگ پر پیش کیا جاتا ہے۔'' (سورۂ مومنون: ۴۵)

فرعون کی لاش آپ دیکھ لیں یورپ میں محفوظ ہے، لیکن قرآن یہ کہہ رہا ہے کہ اسے آگ پر پیش کیا جاتا ہے، اس سے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ عذاب کا یہ دور اس پر کہاں گزرتا ہے؟

فرعون کی لاش (بدن) کو بچانے کا ذکر خود اللہ تعالیٰ نے سورۂ یونس آیت: ۹۰ - ۹۲ میں کیا ہے، تا کہ لوگوں کو عبرت ہو۔

حیات الانبیاء فی القبور

محترم لدھیانوی صاحب! اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے کہ: ''ثُمَّ اِنَّکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عِنْدَ رَبِّکُمْ تَخْتَصِمُوْنَ'' (مومنون آیت: ۱۵، ۱۶)

ترجمہ: ''دنیاوی زندگی کے بعد تمہیں ایک دن ضرور مرنا ہے، اور پھر روزِ قیامت ہی اُٹھایا جانا ہے۔''

غور طلب بات یہ ہے کہ اس اُصول کے لئے کسی نبی، ولی، بزرگ کی تخصیص نہیں ہے، یہ اُصول عام ہے، اس میں کوئی مستثنیٰ نہیں ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: ''اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ'' (الزمر: ۳۰)

ترجمہ: ''بے شک (اے نبی ﷺ) تم بھی مرنے والے ہو اور ان لوگوں کو بھی موت آنی ہے۔''

یہ آیات ہمیں یہ بتارہی ہیں کہ ہر ذی رُوح نے موت کا مزا چکھنا ہے، چاہے وہ انبیاء ہی کیوں نہ ہوں، موت کا ایک وقت مقرر ہے، اور اس مقرر وقت پر سب کو موت آئے گی یا آتی ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان واضح آیات کی موجودگی میں یہ کہنا کہ انبیاء قبروں میں زندہ ہیں، تو قرآن کی یہ بات کن لوگوں کے لئے ہے؟ کیا عام لوگوں کے لئے؟ کیونکہ اگر حیات الانبیاء فی القبور کو درست مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ انبیاء کو موت آتی ہی نہیں، اور اگر آتی بھی ہے تو تھوڑی دیر کے لئے، قبر میں جاتے ہی وہ زندہ ہوجاتے ہیں۔

جب کہ قرآن یہ کہہ رہا ہے کہ ہر مرنے والا قیامت کے دن ہی اُٹھے گا۔

حیات الانبیاء فی القبور سے متعلق میں ایک واقعہ درج ذیل کر رہا ہوں جو کہ بخاری کی ایک طویل ترین حدیث ہے، اور واقعہ معراج سے متعلق ہے، اس کا آخری حصہ درج ذیل ہے: ''نبی اکرم ﷺ نے فرمایا...... جبرائیل نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا: میں جبرائیل ہوں، اور یہ میرے ساتھی میکائیل ہیں، ذرا اپنا سر اُوپر تو اُٹھایئے، میں نے اپنا سر اُوپر اُٹھایا تو میں نے اپنے سر کے اُوپر ایک بادل سا دیکھا، ان دونوں نے کہا: یہ آپ کا مقام ہے! میں نے کہا کہ: مجھے چھوڑ دو کہ میں اپنے گھر میں داخل ہوجاؤں! ان دونوں نے کہا کہ: ابھی آپ ﷺ کی عمر کا کچھ حصہ باقی ہے، جس کو آپ ﷺ نے ابھی پورا نہیں کیا ہے، اگر آپ ﷺ اس کو پورا کرلیں تو اپنے اس گھر میں آجائیں گے۔'' (ترجمہ از عبارت ص ۱۸۵ بخاری جلد:۱ مطبوعہ دہلی)

مذکورہ بالا حدیث تو یہ ثابت کر رہی ہے کہ وفات کے بعد نبی ﷺ مدینہ منورہ کی قبر میں زندہ نہیں، بلکہ اپنے اس گھر میں زندہ ہیں جو جبرائیلؑ نے انہیں معراج کے وقت دکھایا تھا۔

سعید بن مسیب ﷫ اور عروۃ بن الزبیر ﷫ اور بہت سے اہلِ علم بیان کرتے ہیں کہ: ''حضرت عائشہؓ نے کہا کہ: رسول اللہ ﷺ تندرستی کے زمانے میں فرمایا کرتے تھے کہ: کسی نبی کو کبھی وفات نہیں دی جاتی جب تک اسے جنت میں اس کا مقام دکھا نہیں دیا جاتا، مقام دکھادیئے جانے کے بعد اس کو انتخاب کا موقع دیا جاتا ہے، چاہے دُنیا میں رہے اور چاہے تو اللہ کی ملاقات کو ترجیح دے، پس جب آپ ﷺ کا آخری وقت آیا اور اس حال میں کہ آپ ﷺ کا سرِ مبارک میرے زانو پر تھا، آپ ﷺ کو تھوڑی دیر کے لئے غش آگیا، عائشہؓ نے کہا: آخری کلمہ جس کے بعد آپ ﷺ نے کوئی بات نہ کی یہ تھا: اللّٰھم رفیق الاعلیٰ! یعنی آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی رفاقت کو ترجیح دی۔'' (بخاری ص ۹۳۹ جلد:۲ مطبوعہ دہلی)

بخاری کی یہ حدیث یہ ثابت کر رہی ہے کہ نبی ﷺ نے اللہ کی ملاقات کو ترجیح دی، اور اس دُنیا سے چلے گئے، اب اگر ہم انہیں مدینے کی قبر میں زندہ مانیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نبی ﷺ نے دُنیا والوں کو ترجیح دی اور ان سے تعلق باقی رکھا۔

براہِ مہربانی اس کی وضاحت کردیں کہ ان احادیث کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ ہوسکتا ہے کہ ہمارے سمجھنے میں غلطی ہوئی ہو۔

بخاری کی ایک حدیث یہ بھی ہے کہ: ''حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ کی وفات اس وقت ہوئی جب ابوبکرؓ مکہ سے قریب ایک مقام پر تھے، اس وقت حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: خدا کی قسم! نبی ﷺ کی وفات نہیں ہوئی، اور عمرؓ نے یہ بھی کہا کہ: اللہ تعالیٰ آپ کو پھر زندہ کرے گا، اور آپ ﷺ لوگوں کے

(منافقوں کے جو خوشیاں منا رہے تھے) ہاتھ اور پیر ضرور کاٹ ڈالیں گے، پھر ابوبکرؓ آئے اور انہوں نے نبی ﷺ کے چہرے سے چادر ہٹائی اور آپ ﷺ کے چہرہ کو بوسہ دیا اور کہا کہ: میرے ماں باپ آپ پر قربان! زندگی اور موت دونوں میں آپ پاکیزہ رہے، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اللہ آپ کو دو موتوں کا مزہ نہ چکھائے گا، پھر وہ باہر نکل گئے اور عمرؓ سے مخاطب ہوکر کہا: اے قسم کھانے والے! اتنی تیزی نہ کر۔

الزہری ﷫ کہتے ہیں کہ ابوسلمہ نے مجھ سے بیان کیا کہ عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ ابوبکرؓ باہر نکلے، عمرؓ لوگوں سے گفتگو کر رہے تھے، اب لوگوں نے ابوبکر ﷛ کی طرف توجہ کی اور عمرؓ کو چھوڑ دیا، حمد و ثنا کے بعد ابوبکرؓ نے کہا: سن رکھو کہ تم میں سے جو محمد ﷺ کی بندگی کرتا تھا، اسے معلوم ہو کہ محمد ﷺ وفات پاگئے، اور جو اللہ کا پجاری تھا تو اللہ تعالیٰ زندہ ہے اسے موت نہیں آئے گی، پھر قرآن کی یہ آیات تلاوت فرمائیں جن کا ترجمہ درج ذیل ہے:

ترجمہ: محمد ﷺ اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں، ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر گئے ہیں، پس کیا اگر یہ مرجائیں یا شہید کردیئے جائیں تو تم اُلٹے پیروں پھر جاؤ گے اور جو اُلٹے پیروں پھر جائے وہ اللہ تعالیٰ کو کچھ ضرر نہ پہنچا سکے گا، اللہ تعالیٰ اپنے شکرگزار بندوں کو جزا دے کر رہے گا۔" (ترجمہ ص ۵۱۷ جلد:۱، ص ۶۴۰ جلد:۲ بخاری)

صحابہ کرامؓ اپنے نبی سے بہت محبت کرتے تھے، اگر ان کو یہ معلوم ہوتا کہ نبی ﷺ زندہ ہیں تو کبھی بھی ان کا خلیفہ منتخب نہ کرتے، نہ اپنے نبی ﷺ کی تجہیز و تکفین کرتے، نہ ان کو قبر میں اُتارتے، بعد میں نہ تو کبھی اجتہاد کی ضرورت پیش آتی، نہ رجال کی چھان بین کی، نہ احادیث کی تحقیق میں محنت صرف کرنا پڑتی، جب بھی جس چیز کی ضرورت ہوتی قبر پر پہنچ کر دریافت کرلیتے، ابوبکرؓ، ارتداد کے موقع پر وہاں سے رہنمائی لیتے، عمرؓ قحط کے وقت، عثمانؓ فتنہ کے وقت اور حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ جنگ جمل اور صفین کے موقع پر۔

میری ناقص عقل کے مطابق قبر میں مردہ کے زندہ ہوجانے کا عقیدہ ہی تو قبر پرستی کی جڑ ہے، کیونکہ جب کسی قبر پرست کو یہ یقین دلایا جائے کہ قبر میں موجود شخص تیری آواز کو سن نہیں سکتا، تیری حاجت کو پورا نہیں کرسکتا، بلکہ اس کو تو خود یہ خبر نہیں کہ کب زندہ کرکے اُٹھایا جائے گا؟ تو قبر پرست، قبر پرستی سے تائب ہوجائے گا۔

محترم لدھیانوی صاحب! اس معاملے پر بھی ہماری راہنمائی کیجئے نوازش ہوگی۔

خط انتہائی طویل ہوگیا ہے، کیا کریں عقائد کے مسائل تھے، جن پر ہماری دوزخ اور جنت کا دار و مدار ہے، کیونکہ جس شخص کے عقائد وہ نہ ہوں جو کہ قرآن و حدیث صحیح نے بیان کئے ہیں، تو وہ شخص لاکھ نیک اعمال کرتا رہے، مثلاً: نماز، روزہ، حج وغیرہ لیکن یہ چیزیں اس کو کوئی نفع نہیں پہنچا سکتیں، کیونکہ سب سے پہلی چیز ایمان ہے۔

محترم! خط طویل ہے جو کہ آپ کا بہت سا قیمتی وقت لے گا، لیکن میں پُرامید ہوں کہ آپ جواب ضرور عنایت فرمائیں گے۔

آپ کے روزنامہ جنگ میں دیئے ہوئے جوابات سے جن شکوک و شبہات نے جنم لیا تھا، میں انہیں ہی معلوم کرنا چاہتا ہوں، اور میں انتہائی مشکور ہوں گا کہ آپ مجھے جوابات سے مطمئن فرمائیں۔ فقط!

تحریم احمد صدیقی

مکان نمبر: ۷-اے میر فضل ٹاؤن نزد فضل مسجد والی گلی لطیف آباد نمبر:۹

۱۰ دسمبر ۱۹۹۵ء

جواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترم ومکرم جناب تحریم احمد صدیقی صاحب

سلام مسنون کے بعد گزارش ہے کہ جناب کا گرامی نامہ میرے ایک تحریر کردہ جواب کے سلسلہ میں، جو ۹ رجون ۱۹۹۵ء کے اخبار جنگ میں شائع ہوا تھا، موصول ہوا، جس میں جناب نے سماعِ موتی، حیات فی القبور، تعویذ گنڈے اور توسل وغیرہ مسائل کے بارے میں اپنے موقف کے دلائل پیش کر کے مجھے ان کا جواب لکھنے کے بارے میں فرمایا ہے۔

اس ناکارہ نے اس فرقہ کو "خارجی فرقہ کے مشابہ" کہا ہے، اس کی وجہ سائل کا یہ فقرہ ہے: "افسوس کہ یہ لوگ کافر ومشرک کے فتویٰ کی ابتداء امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے کرتے ہیں، کہ ان عقائد کی ابتداء ان سے ہوئی ہے، اس کے بعد امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ، ابن قیم رحمہ اللہ سمیت تمام صالحین رحمہم اللہ ان کے فتویٰ کی زد میں آتے ہیں......"

خارجی لوگ بھی اپنے نظریات کے لئے قرآن کے حوالے دیتے تھے، اور صحابہؓ وتابعین رحمہم اللہ، جو ان کے مزعومہ نظریات سے متفق نہیں تھے، ان کو کافر قرار دیتے تھے، اگر آپ حضرات بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے لے کر امامِ ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ، مسند الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تک اور ان کے بعد کے تمام اکابر واعاظم پر کافر ومشرک ہونے کا فتویٰ صادر فرماتے ہیں، تو بلاشبہ آپ خارجی فرقہ کے مشابہ ہیں، اس صورت میں آپ کے دلائل پر غور کرنا اور آپ کے استدلال کی غلطی واضح کرنا بے سود ہے، کیونکہ حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق: "لا یعرف معروفا ولا ینکر منکرا الا ما اشرب من ھواہ!" آپ کسی بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں گے، پس جب کوئی شخص اپنے نظریہ پر اتنا پکا ہو کہ اپنے سوا پوری امت کے اکابر واعاظم کو کافر ومشرک اور بے ایمان سمجھتا ہو، اس سے کسی جزوی مسئلے پر گفتگو کرنا کارِ عبث ہے، البتہ چند نکات آنجناب کی خدمت میں پیش کرتا ہوں، ان کی وضاحت فرمادی جائے تو اِن شاء اللہ آنجناب کے ذکر کردہ مسائل پر بھی معروضات پیش کر کے آنجناب سے دادِ انصاف طلب کروں گا، وضاحت طلب اُمور یہ ہیں:

(۱) کیا آپ حضرات ان اکابر امت کو جو "حیات الانبیاء فی القبور"، سماعِ موتی، اس قبر میں جس میں مردے کو دفن کیا جاتا ہے، حساب وکتاب یا سوال وجواب ہونے، تعویذ گنڈے کے جواز اور وسیلہ وتوسل کے قائل ہیں، واقعۃً کافر ومشرک سمجھتے ہیں؟ اور شرعاً ان کے وہ احکام ہیں جو کافروں اور مشرکوں کے ہیں؟

(۲) آپ نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں تحریر فرمایا ہے: "ان سے بہتر مفسرہ، محدثہ، فقیہہ، خطیبہ، سب سے بڑی مؤرِخہ، سب سے بڑی ماہرِ انساب شاید دُنیا میں اب تک کوئی پیدا نہیں ہوا، نہ مردوں میں، نہ عورتوں میں۔"

اگر مذکورہ بالا پانچ مسائل میں سے کسی مسئلے کی وہ بھی قائل ہوں، تو کیا وہ بھی آپ حضرات کے نزدیک۔ نعوذ باللہ۔ کافرہ ومشرکہ ہوں گی؟

(۳) جو صحابہ کرامؓ ان مسائل میں آپ کے خلاف رائے رکھتے تھے، کیا وہ بھی کافر اور مشرک تھے؟

(۴) آپ نے اپنے خط میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا دو جگہ حوالہ دیا ہے، حالانکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ حیات فی القبر کے قائل ہیں، اور انہوں نے اس مسئلے کو عقائد میں ذکر کیا ہے، سوال یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بھی اس عقیدہ کی وجہ سے کافر و مشرک ہوئے یا نہیں؟

(۵) صحابہ کرامؓ کے زمانے سے لے کر آج تک جو حضرات ان پانچ مسائل کے قائل تھے، وہ تو آپ کی نظر میں کافر و مشرک تھے، اور جو کافر و مشرک کو مسلمان سمجھے، وہ بھی کافر ہوتا ہے! تو کیا چودہ صدیوں کی امت میں کوئی ایسا فرد ہے جو ان مسائلِ خمسہ کا قائل نہ ہو؟ یا ان مسائل کے قائلین کو مسلمان نہ سمجھتا ہو؟ اگر کچھ خوش قسمت افراد ایسے ہیں جو آپ حضرات کے معیار کے مطابق مسلمان ہوں تو از راہ کرم ہر صدی کے دس دس افراد کے نام لکھ دیجئے۔

(۶) کافر و مشرک کے قول کا بھی اعتبار نہیں، اور اس کی نقل و روایت بھی لائق اعتماد نہیں، تو:

الف) قرآن کریم کا نقل متواتر سے منقول ہونا کیسے ثابت ہوگا؟ جبکہ ناقلینِ قرآن یا تو ان مسائلِ مختلف فیہ میں سے کسی نہ کسی مسئلے کے قائل ہیں، یا قائلین کو آپ کی طرح کافر و مشرک نہیں سمجھتے، اور اُوپر نمبر: ۵ میں عرض کر چکا ہوں کہ کافر و مشرک کو کافر نہ سمجھنے والا بھی کافر ہے، گویا چودہ صدیوں کی ساری امت کافر و مشرک تھی، ان کافروں اور مشرکوں کی نقل کی ہوئی کتاب کس طرح لائقِ اعتماد ہوگی؟ اور اس سے استدلال کرنا کیسے جائز ہوگا؟

(ب) ٹھیک یہی سوال "صحیح بخاری" کے بارے میں ہوگا، اس میں بے شمار روایتیں آپ کے کافروں اور مشرکوں سے منقول ہیں، اور صحیح بخاری کی جو سند ہم تک پہنچتی ہے ان میں بھی بہت سے اکابر ایسے ہیں جو آپ کے ان مسائل کے کلاً یا بعضاً قائل ہیں، سوال یہ ہے کہ یہ صحیح بخاری جو کافروں اور مشرکوں کے ذریعہ ہم تک پہنچی، وہ کس طرح لائقِ اعتبار ہو سکتی ہے؟ اور اس سے استدلال کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟ بلکہ خود امام بخاری رحمہ اللہ بھی ان مسائل کے کلاً یا بعضاً قائل ہیں، وہ بھی آپ کے نزدیک کافر و مشرک ہوئے، پھر وہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے شاگردِ رشید ہیں، اور صحیح بخاری میں ان سے روایتیں لاتے ہیں، جبکہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ آپ کے نزدیک سرگروہِ مشرکین ہیں، پس ایسے شخص کی کتاب کا کیا اعتبار؟ جو خود بھی مشرک ہو، اور مشرکوں کا شاگرد بھی ہو!

جواب: حدیث کی تصحیح و تضعیف کا جن اکابر پر مدار ہے، وہ ان مسائلِ خمسہ کے یا تو خود قائل تھے، کلاً و بعضاً، یا کم سے کم ان مسائل کے قائلین کو کافر و مشرک نہیں کہتے تھے، اندریں صورت کسی حدیث کو صحیح یا ضعیف یا موضوع قرار دینے کی کیا صورت ہوگی؟

(۷) جو فرد یا فرقہ پوری امت کو کافر و مشرک تصور کرتا ہو، وہ مسلمان کیسے ہوگا؟ اور اسلام کے اُصول و فروع کس سے حاصل کرے گا؟

مجھے امید ہے کہ آپ ان سات سوالوں کو اچھی طرح سوچ کر، ان کے جوابات رقم فرمائیں گے، پھر آپ کے اُصولِ موضوعہ کی روشنی میں یہ ناکارہ آپ کے مسائل کے بارے میں تبادلہ خیال کرے گا، **والسلام!**

قبرِ اقدس پر سماع کی حدود

سوال: قبرِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر کھڑے ہو کر درود شریف پڑھنا حضراتِ اکابرین دیوبند کا متفقہ عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود سماعت فرماتے ہیں، سوال یہ ہے کہ قبرِ اقدس پر سماع کی حدود کہاں تک ہیں؟

(۱) آیا حجرۂ عائشہؓ کی حدود؟

(۲) حضور ﷺ کے دور کی مسجد کی حدود؟

(۳) دورِ عثمانی کی مسجد کی حدود جب کہ مسجد کی توسیع کرکے حجرۂ عائشہؓ کو مسجد میں شامل کیا گیا؟

(۴) موجودہ مسجد؟

(۵) آئندہ توسیع شدہ حدود مسجد؟

(۶) حضور ﷺ کے دور کا شہر مدینہ؟

(۷) موجودہ شہر مدینہ؟

(۸) آئندہ کا شہر مدینہ؟

جواب: کہیں تصریح تو یاد نہیں، اکابر سے سنا ہے کہ احاطۂ مسجد شریف میں جہاں سے بھی درود و سلام پڑھا جائے خود سماعت فرماتے ہیں، مسجد کی حدود جہاں تک وسیع ہوں گی وہاں تک سماعت کا حکم ہوگا، اور حجرۂ شریفہ کے قریب سے سلام عرض کرنا أقرب الی الأدب والمحبت ہوگا۔

قبر کی شرعی تعریف

سوال نمبر۱: قبر کی شرعی تعریف کیا ہے؟ اگر اس سے مراد شرعاً وہی زمینی گڑھا ہے تو اس کے قبرِ شرعی ہونے پر کیا دلائل ہیں؟

سوال نمبر۲: منکرینِ حیات کہتے ہیں کہ یہ گڑھا شرعی طور پر قبر نہیں ہے، ورنہ ان افراد کے بارے میں کیا کہا جائے گا جنہیں جلا دیا گیا یا غرق ہونے کے بعد سمندر کی مچھلیاں کھا گئیں؟

سوال نمبر۳: اگر قبر سے شرعی طور پر یہی گڑھا مراد ہے تو ایک صالح کے لئے اس کی فراخی اور برے کے لئے اس کی تنگی ظاہری قبر کی طرح مشاہدے میں کیوں نہیں آتی؟ اُمید ہے کہ ایک طالبِ علم کی تسلی کے لئے مفصل اور باحوالہ تحریر فرمائیں گے۔

جواب: قبر سے مراد یہی گڑھا ہے جس میں میت کو دفن کیا جاتا ہے، اسی میں ثواب و عذاب ہوتا ہے، اس کے دلائل بہت ہیں چند ایک کی طرف اشارہ کرتا ہوں:

(۱) "ان رسول اللہ ﷺ قال: ان العبد اذا وضع فی قبرہ وتولی عنہ اصحابہ انہ لیسمع قرع نعالھم اتاہ ملکان فیقعدانہ الحدیث" (صحیح بخاری ج۱ ص۱۸۴)

میت کو اسی قبر میں رکھا جاتا ہے، اسی میں وہ لوٹنے والوں کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے، اسی میں اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، جو اسی قبر میں اسے بٹھاتے ہیں۔

(۲) "خرج النبی ﷺ وقد وجبت الشمس فسمع صوتاً فقال: یھود تعذب فی قبورھا"

(بخاری ج۱ ص۱۸۴)

آنحضرت ﷺ نے انہی قبروں سے عذاب کی آواز سن کر فرمایا تھا کہ یہود کو ان کی قبروں میں عذاب دیا جارہا ہے۔

(۳) ''مر النبی ﷺ علی قبرین فقال انهما لیعذبان... الخ'' (بخاری ج:۱ ص:۱۸۴)

آنحضرت ﷺ انہی قبروں پر گزر رہے تھے اور انہی کے بارے میں فرمایا تھا کہ ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے۔

(۴) ''بینما النبی ﷺ فی حائط لبنی النجار علی بغلة له ونحن معه اذ حادت به فکادت تلقیه واذا اقبرة ستة او خمسة او اربعة... فقال: ان هذه الامة تبتلیٰ فی قبورها، فلولا ان لا تدافنوا لدعوت الله ان یسمعکم من عذاب القبر الذی اسمع منه... الخ'' (صحیح مسلم ج:۲ ص:۳۸۶)

اسی ظاہر قبر کے عذاب سے آپ کی سواری بدکی تھی، اور انہی قبروں میں ان لوگوں کو عذاب دیا جارہا تھا اور انہی قبروں کے بارے میں فرمایا تھا کہ اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دوگے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ قبر کا جو عذاب میں سن رہا ہوں وہ تمہیں بھی سنا دیتا۔

(۵) ''قولی: السلام علی اهل الدیار من المؤمنین والمسلمین'' (صحیح ج:۱ ص:۳۱۴)

''السلام علیکم یا اهل القبور'' (ترمذی ج:۱ ص:۱۲۵)

''السلام علیکم دار قوم مؤمنین'' (ابوداؤد ج:۳ ص:۱۰۵)

انہی قبور میں جانے والوں کو السلام علیکم کہنے کا حکم ہوا، اور انہی قبور کو ''دار قوم مؤمنین'' فرمایا گیا۔

قبر کا عذاب و ثواب عالمِ غیب کی چیز ہے، اس لئے اس کو ہماری نظروں سے پوشیدہ رکھا گیا، جس طرح خواب کے احوال بیداری والوں سے پوشیدہ رہتے ہیں۔ جن لوگوں کو دفن نہیں کیا جاتا کیا بعید ہے کہ ان کے لئے فضا ہی کو قبر بنادیا جائے؟ بہرحال عذابِ قبر کا انکار کرنا یا نصوص کے برخلاف ''قبر'' میں تاویلیں کرنا تقاضائے ایمان و انصاف کے خلاف ہے، واللہ اعلم!

عذابِ قبر کے اسباب

سوال: جناب مولانا صاحب! مسئلہ کچھ یوں ہے کہ میں نے جب سے مؤرخہ ۲۳ر نومبر ۱۹۹۱ء کے اخبار جنگ میں یہ خبر پڑھی:

''دو مرتبہ لحد کی زمین مل گئی، تیسری مرتبہ سانپ اور بچھو نکل آئے۔ دو سانپوں نے میت سے لپٹ کر اسے دو حصوں میں تقسیم کردیا، راولپنڈی کے قریب ایک میت کی عبرت انگیز تدفین۔''

''راولپنڈی (جنگ رپورٹ) چند روز قبل پیرودھائی راولپنڈی کے قدیم قبرستان میں رونما ہونے والے ایک عبرت انگیز اور ناقابلِ یقین واقعہ نے ایک میت کی تدفین کے لئے آنے والے سیکڑوں افراد پر رقت طاری کردی۔ تفصیلات کے مطابق ایک شخص کی میت کو جونہی قبر میں اُتارا گیا، لحد کی جگہ والی زمین یوں آپس میں مل گئی جیسے اسے کھودا ہی نہیں گیا تھا۔ وہاں موجود ایک عالم دین کی ہدایت پر دُوسری قبر کھودی گئی، مگر پھر ویسے ہی ہوا، اس پر تمام لوگوں نے استغفار کو وِرد شروع کردیا۔ مولوی صاحب کی ہدایت پر دوبارہ لحد کھودنے کی کوشش کی گئی تو اس جگہ سے سانپ، بچھو اور مختلف اقسام کے کیڑے مکوڑے یوں نکلے جیسے کسی چشمے سے پانی اُبلتا ہے۔ مولوی صاحب کی ہدایت پر میت کو قبر میں اُتار دیا گیا، میت کے قبر میں رکھتے ہی ایک سانپ کمر کے نیچے سے کندھوں کے اُوپر

سے، اور دُوسرا سانپ پاؤں کے نیچے سے ہوتا ہوا اُوپر آیا اور دونوں سانپ آپس میں مل گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے میّت دو ٹکڑوں میں تقسیم ہوگئی، جیسے اسے کسی آرے سے چیر دیا گیا ہو، یہ منظر دیکھتے ہی میّت کے ہمراہ آنے والے سیکڑوں لوگوں پر سکتہ طاری ہوگیا۔"

میں عجیب کیفیت میں مبتلا ہوگیا ہوں، اور سوچتا رہتا ہوں کہ اس آدمی نے ایسے کون سے گناہ کئے ہوں گے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسی سزا دی، حالانکہ آج کل کے معاشرہ میں گناہ عام ہوتے جارہے ہیں، لیکن آخر کیا وجہ تھی جو اس کو اللہ تعالیٰ نے ایسی سزا دی؟ بے شک اللہ کے بھید اللہ ہی جانتا ہے، لیکن اگر اس کے بارے میں کسی کتاب میں یا آپ کے علم میں ہو تو ضرور بتائیں۔

جواب: عذابِ قبر کا سبب کبیرہ گناہوں کا ارتکاب ہے، جو شخص کسی سنگین کبیرہ گناہ کا مرتکب ہو اور توبہ کئے بغیر مرجائے، وہ قبر کے ہولناک عذاب میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ خصوصاً جو شخص کسی اعلانیہ گناہ کا بغیر کسی جھجک کے مرتکب ہو، اَحکامِ شرعیہ کی تحقیر کرے، یا کمزوروں کے حقوق پامال کرے، اس کے بارے میں زیادہ خدشہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اپنی پناہ میں رکھیں! احادیث و روایات میں بہت سے اہلِ معاصی کا عذابِ قبر میں مبتلا ہونا مذکور ہے، ان سے چند واقعات نقل کرتا ہوں:

۱، ۲...... چغل خوری اور پیشاب سے پرہیز نہ کرنا

بہت سی احادیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ان دونوں قبروں والوں کو قبر میں عذاب ہو رہا ہے، اور کسی بڑی بات پر عذاب نہیں ہو رہا (کہ جس سے بچنا مشکل ہوتا)، ایک تو چغلی کیا کرتا تھا، اور دُوسرا پیشاب سے پرہیز نہیں کرتا تھا۔

اس مضمون کی احادیث متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔

۳...... کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنا

متعدد احادیث میں یہ واقعہ منقول ہے کہ ایک جہاد میں ایک صاحب نے (جس کا نام محلم بن جثامہ تھا) کسی شخص کو باوجود اس کے کلمہ پڑھنے کے قتل کردیا۔ چند دن بعد قاتل کا انتقال ہوگیا، تو زمین نے اس کی لاش اُگل دی، متعدد بار دفن کیا گیا، لیکن زمین ہر بار اس کی لاش کو اُگل دیتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا گیا تو فرمایا کہ: زمین تو اس سے بُرے لوگوں کو بھی چھپالیتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ منظر تم کو اس لئے دکھایا تاکہ تم کو آپس کی حرام چیزوں (جان و مال اور عزّت و آبرو) کو پامال کرنے کے بارے میں نصیحت و عبرت ہو۔

(بیہقی، دلائل نبوت ج۶ ص۳۰۹، مصنف عبدالرزاق ج۱۱ ص۱۷۳، ابن ماجہ ص۲۸۱، مجمع الزوائد ج۷ ص۲۹۴)

۴...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر جھوٹ بولنا

متعدد احادیث میں آیا ہے کہ جن لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر جھوٹ بولا تھا، ان کی لاش کو بھی زمین نے قبول نہیں کیا، بلکہ باہر اُگل دیا۔ (صحیح بخاری ج۱ ص۵۱۱، صحیح مسلم ج۲ ص۳۷۰، بیہقی، دلائل نبوت ج۶ ص۲۴۵)

۵......جھوٹی افواہیں پھیلانا

صحیح بخاری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک طویل خواب مذکور ہے، (اور انبیائے کرام علیہم السلام کا خواب بھی وحی ہوتا ہے) جس میں برزخ کے بہت سے مناظر دکھائے گئے۔ اسی میں ہے کہ جھوٹی افواہیں پھیلانے والے کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ زنبور سے اس کا ایک کلا گدی تک چیرا جاتا ہے، پھر دُوسرے کلے کے ساتھ بھی یہی ہوتا ہے، اتنے میں پہلا کلا ٹھیک ہوجاتا ہے، اس کو پھر چیرتے ہیں، قیامت تک اس کے ساتھ یہی ہوتا رہے گا۔

۶......قرآن کریم سے غفلت

قرآن کریم سے غفلت کرنے والے کے بارے میں دیکھا کہ وہ لیٹا ہوا ہے، ایک شخص بڑا بھاری پتھر لئے اس کے سر پر کھڑا ہے، وہ پتھر سے اس کے سر کو اتنے زور سے پھوڑتا ہے کہ وہ پتھر لڑھک کر دور جا گرتا ہے، وہ شخص دوبارہ پتھر اُٹھا کر لاتا ہے، اتنے میں اس کا سر ٹھیک پہلے کی طرح ہوچکا ہوتا ہے، قیامت تک اس کے ساتھ یہی کیا جائے گا۔

۷......زنا

زناکار مردوں اور عورتوں کو ایک غار میں دیکھا جو تنور کی طرح نیچے سے فراخ اور اُوپر سے تنگ ہے، اس میں آگ جل رہی ہے، جب آگ کے شعلے بھڑکتے ہیں تو وہ لوگ تنور کے منہ تک آجاتے ہیں، اور جب آگ نیچے بیٹھتی ہے تو وہ لوگ بھی نیچے چلے جاتے ہیں، قیامت تک ان کے ساتھ یہی ہوتا رہے گا۔

۸......سود کھانا

سودخور کو اس حالت میں دیکھا کہ وہ خون کی نہر میں کھڑا ہے، اور ایک شخص نہر کے کنارے پر کھڑا ہے، جس کے سامنے بہت سے پتھر ہیں، جب وہ سودخور خونی نہر کے کنارے پر آنا چاہتا ہے تو کنارے پر کھڑا شخص ایک پتھر اُٹھا کر زور سے اس کے منہ پر مارتا ہے، اور وہ پھر اپنی پہلی جگہ چلا جاتا ہے، قیامت تک اس کے ساتھ یہی معاملہ ہوتا رہے گا۔

امام بیہقیؒ نے دلائل نبوت (ج۲ ص۳۹۲) میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے، جس میں چند مناظر کا ذکر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شبِ معراج میں دکھائے گئے، (حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے نشر الطیب (ص۵۰، مطبوعہ تاج کمپنی) میں بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے) وہ مناظر حسبِ ذیل ہیں:

۹......حلال چھوڑ کر حرام کھانے والے

فرمایا: میں نے دیکھا کہ کچھ خوان رکھے ہیں، جن پر پاکیزہ گوشت رکھا ہے، مگر ان پر کوئی شخص نہیں اور دُوسرے خوانوں پر سڑا ہوا، بدبودار گوشت رکھا ہے، ان پر بہت سے آدمی بیٹھے کھا رہے ہیں، جبرائیل علیہ السلام نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو حلال کو چھوڑتے ہیں اور حرام کو کھاتے ہیں۔

۱۰......سود کھانے والے

آگے دیکھا کہ کچھ لوگ ہیں جن کے پیٹ کوٹھریوں جیسے ہیں، جب ان میں سے کوئی شخص اُٹھنا چاہتا ہے تو فوراً گر پڑتا ہے، جبرائیل علیہ السلام نے کہا: یہ سود کھانے والے ہیں۔

۱۱...... یتیموں کا مال کھانے والے

آگے دیکھا کہ کچھ لوگ جن کے ہونٹ اُونٹوں کے سے ہیں اور وہ آگ کے انگارے نگل رہے ہیں، جو ان کے اسفل (پاخانے کی جگہ) سے نکل رہے ہیں، جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ: یہ وہ لوگ ہیں جو یتیموں کا مال ظلماً کھاتے ہیں۔

۱۲...... بدکار عورتیں

آگے دیکھا کہ کچھ عورتیں پستانوں سے بندھی ہوئی لٹک رہی ہیں، جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ: یہ زنا کرنے والی بدکار عورتیں ہیں۔

۱۳...... چغل خور عیب چین

آگے دیکھا کہ کچھ لوگ ہیں جن کے پہلو سے گوشت کاٹ کر انہی کو کھلایا جاتا ہے، جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ: یہ غیبت کرنے والے، چغل خور اور عیب چین لوگ ہیں۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل نبوت (ج ۲ ص ۳۹۸) میں واقعاتِ معراج ہی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے، (جسے نشر الطیب میں واقعہ ششم کے ذیل میں نقل کیا ہے) اس میں مندرجہ ذیل مناظر کا ذکر ہے:

۱۴...... نماز فرض سے روگردانی کرنے والے

فرمایا کہ: پھر ایک قوم پر گزر ہوا، جن کے سر پتھر سے پھوڑے جاتے ہیں، اور جب وہ کچلے جاچکتے ہیں تو پہلی حالت پر ہوجاتے ہیں اور اس کا سلسلہ ذرا بند نہیں ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ: یہ کیا ماجرا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ: یہ وہ لوگ ہیں جو فرض نماز سے روگردانی اور سستی کرتے ہیں۔

۱۵...... زکوٰۃ نہ دینے والے

فرمایا: پھر ایک ایسی قوم پر گزر ہوا جن کی شرمگاہوں پر آگے پیچھے چیتھڑے لپٹے ہوئے تھے، اور وہ مویشیوں کی طرح چر رہے تھے، اور زقوم اور جہنم کے پتھر کھا رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ: یہ وہ لوگ ہیں، جو اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ربّ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔

۱۶...... غیر عورتوں سے آشنائی کرنے والے

فرمایا: پھر ایک ایسی قوم پر گزر ہوا، جن کے سامنے ایک ہنڈیا میں پکا ہوا گوشت رکھا ہے، اور ایک ہنڈیا میں کچا سڑا ہوا گوشت رکھا ہے، وہ لوگ اس سڑے ہوئے گوشت کو کھا رہے ہیں، اور پکا ہوا گوشت نہیں کھاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ: یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے وہ مرد ہے جس کے پاس حلال طیب بیوی ہو اور پھر وہ ناپاک عورت کے پاس جائے، اسی میں وہ عورت ہے جو اپنے حلال طیب شوہر کے پاس سے اُٹھ کر کسی ناپاک مرد کے پاس جائے اور رات کو اس کے پاس رہے یہاں تک کہ صبح ہوجائے۔

۱۷......لوگوں کے حقوق ادا نہ کرنے والا

فرمایا: پھر ایک شخص پر گزر ہوا، جس نے ایک بڑا گٹھا لکڑیوں کا جمع کر رکھا ہے، وہ اس کو اُٹھا نہیں سکتا، اور وہ اس میں اور لالا کر لادتا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ: یہ کون شخص ہے؟ جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ: یہ آپ ﷺ کی امت کا وہ شخص ہے جس کے ذمہ لوگوں کے بہت سے حقوق اور امانتیں ہیں، جن کے ادا کرنے پر وہ قادر نہیں اور وہ اور زیادہ لادتا چلا جاتا ہے۔

۱۸......فتنہ انگیز خطیب اور واعظ

پھر آپ ﷺ کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کی زبانیں اور ہونٹ آہنی مقراضوں سے کاٹے جارہے ہیں، اور جب کٹ چکتے ہیں تو پھر سابقہ حالت پر ہوجاتے ہیں، اور یہ سلسلہ بند نہیں ہوتا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ: یہ کون لوگ ہیں؟ جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ: یہ گمراہی میں ڈالنے والے فتنہ انگیز خطیب اور واعظ ہیں۔

۱۹......بڑی بات کہہ کر نادم ہونے والا

پھر آپ ﷺ کا گزر ایک چھوٹے پتھر پر ہوا جس میں سے ایک بڑا بیل نکلتا ہے، پھر وہ بیل دوبارہ اندر جانا چاہتا ہے مگر نہیں جاسکتا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ: یہ کیا ہے؟ جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ: یہ اس شخص کا حال ہے جو ایک بڑی بات منہ سے نکالے، پھر نادم ہوکر اس کو واپس لینا چاہے، مگر اس کے واپس لینے پر قادر نہیں۔

۲۰......ملاوٹ کرنے والا

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے کتاب الروح میں اور حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے شرح صدور میں حافظ ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ کی کتاب القبور سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ: عبدالحمید بن محمود کہتے ہیں کہ: میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت بیٹھا تھا، اتنے میں کچھ لوگ آئے اور ذکر کیا کہ: ہم لوگ حج کے لئے آئے تھے، ہمارے ایک رفیق کا انتقال ہوگیا، ہم نے اس کے لئے قبر کھودی اور لحد بنائی، جب لحد سے فارغ ہوئے تو دیکھتے کیا ہیں کہ اس میں ایک کالا ناگ بیٹھا ہے، وہ اتنا بڑا تھا کہ اس نے پوری لحد بھر رکھی تھی۔ ہم نے دُوسری جگہ قبر کھودی تو وہاں بھی وہی کالا ناگ موجود تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ: یہ کالا ناگ اس کے گلے کا طوق ہے، جو اس کو پہنایا جائے گا، جاؤ! جو قبریں تم نے کھود رکھی ہیں، انہی میں سے کسی میں دفن کردو، پس قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! اگر تم اس قبر کے لئے ساری زمین بھی کھود ڈالو تو یہ کالا ناگ تمہیں ہر جگہ موجود ملے گا۔ چنانچہ ہم واپس گئے اور مردے کو انہی گڑھوں میں سے ایک میں دفن کردیا۔ جب ہم حج سے واپس لوٹے تو ہم نے اس کا سامان اس کے گھر پہنچایا اور اس کا قصہ سنایا، اور اس کی بیوی سے پوچھا کہ: یہ شخص کیا عمل کرتا تھا؟ اس نے بتایا کہ: غلہ فروخت کرتا تھا، روزانہ گھر کی ضرورت کا غلہ نکال لیتا اور اتنی مقدار چھٹائی کا بھوسہ خرید کر اس میں ملادیا کرتا تھا۔ (کتاب الروح ص ۱۲۳، شرح صدور ص ۷۵)

۲۱......ماں کی گستاخی کرنے والا

حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے شرح صدور میں، اصبہانی کی ترغیب و ترہیب کے حوالے سے عوام بن حوشب سے

نقل کیا ہے کہ میں ایک دفعہ ایک قبیلے میں گیا، اس کے قریب ایک قبرستان ہے، عصر کے بعد کا وقت ہوا تو ایک قبر پھٹی اور اس میں سے ایک شخص نکلا، جس کا سر گدھے کے سر جیسا تھا اور باقی بدن انسان جیسا تھا، اس نے تین مرتبہ گدھے کی سی آواز نکالی، پھر قبر بند ہوگئی۔ میں نے لوگوں سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو بتایا گیا کہ یہ شخص شراب نوشی کیا کرتا تھا، جب شام ہوتی تو اس کی والدہ اس کو کہا کرتی کہ: بیٹا! اللہ سے ڈرو! اس کے جواب میں یہ کہتا کہ: تو گدھے کی طرح ہینگتی ہے! یہ شخص عصر کے بعد مرا، اسی دن سے آج تک روزانہ عصر کے بعد اس کی قبر پھٹتی ہے اور وہ گدھے کی طرح تین مرتبہ ہینگتا ہے، اس کے بعد اس کی قبر بند ہوجاتی ہے۔

۲۲...... بغیر طہارت کے نماز پڑھنے اور مظلوم کی مدد نہ کرنے والا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ایک بندے کو قبر میں سو کوڑے لگانے کا حکم ہوا، وہ اللہ تعالیٰ سے سوال و دعا کرتا رہا، بالآخر تخفیف ہوتے ہوتے ایک کوڑا رہ گیا، اس کے کوڑا لگا تو پوری قبر آگ سے بھر گئی، جب یہ عذاب ختم ہوا اور اسے ہوش آیا تو اس نے فرشتوں سے پوچھا کہ: تم لوگوں نے کس گناہ پر مجھے کوڑا لگایا؟ انہوں نے جواب دیا کہ: تو نے ایک دن نماز بغیر وضو کے پڑھی تھی، اور تو ایک مظلوم کے پاس سے گزرا تھا، مگر تو نے اس کی مدد نہیں کی تھی۔ (مشکل الآثار ج۴ ص۱۳۱)

۲۳...... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا کہنے والا

ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب القبور میں ابواسحاق سے نقل کیا ہے کہ: مجھے ایک میت کو غسل دینے کے لئے بلایا گیا، میں نے اس کے چہرے سے کپڑا ہٹایا تو دیکھا کہ ایک بڑا بھاری سانپ اس کی گردن میں لپٹا ہوا ہے، میں واپس آگیا، اس کو غسل نہیں دیا، پس لوگوں نے ذکر کیا کہ یہ شخص صحابہؓ کو برا کہا کرتا تھا۔ (کتاب الروح ص۱۲۴، شرح صدور ص۷۵)

اس قسم کے اور بہت سے واقعات کتاب الروح اور شرح صدور میں نقل کئے ہیں۔ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الروح میں ان اسباب کو تفصیل سے لکھا ہے، جو عذابِ قبر کا سبب ہیں، یہاں ان کی عبارت کا ترجمہ نقل کرتا ہوں۔

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

نواں مسئلہ: سائل کا یہ سوال کہ وہ کون سے اسباب ہیں جن کی وجہ سے قبر والوں کو عذاب ہوتا ہے؟

اس کا جواب دو طرح پر ہے: ایک مجمل اور ایک مفصل۔

مجمل جواب: تو یہ ہے کہ اہلِ قبور کو عذاب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کے جہل پر، اس کے حکم کو ضائع کرنے پر اور اس کی نافرمانیوں کے ارتکاب پر۔ پس اللہ تعالیٰ ایسی رُوح کو عذاب نہیں دیتے جس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو، اور جو اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتی ہو، اس کے حکم کی تعمیل کرتی ہو، اور اس کی منع کی ہوئی چیزوں سے پرہیز کرتی ہو، اور نہ ایسے بدن کو عذاب دیتے ہیں، جس میں ایسی پاکیزہ رُوح ہو، کیونکہ قبر کا عذاب اور آخرت کا عذاب بندے پر اللہ تعالیٰ کے غضب اور ناراضی کا اثر ہے۔ پس جس شخص نے اس دُنیا میں اللہ تعالیٰ کو غضب ناک اور ناراض کیا، پھر توبہ کئے بغیر مرگیا تو جس قدر اس نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا تھا، اسی کے بقدر اس کو برزخ میں عذاب ہوگا۔ پس کوئی کم لینے والا ہے اور کوئی زیادہ لینے والا، کوئی تصدیق کرنے والا ہے، اور کوئی تکذیب کرنے والا۔

رہا مفصل جواب! تو آنحضرت ﷺ نے ان دو شخصوں کے بارے میں بتایا جن کو قبر میں عذاب ہو رہا تھا کہ ایک چغل خوری کر کے لوگوں کے درمیان فساد ڈالتا تھا، اور دُوسرا پیشاب سے پرہیز نہیں کرتا تھا۔ پس مؤخر الذکر نے طہارتِ واجبہ کو ترک کیا، اور اول الذکر نے اپنی زبان سے ایسے سبب کا ارتکاب کیا جو لوگوں کے درمیان فتنہ اور شر انگیزی کا باعث ہو، اگرچہ وہ سچی بات ہی نقل کرتا تھا۔ اس میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ جو شخص جھوٹ طوفان اور بہتان تراشی کے ذریعہ لوگوں کے درمیان فتنہ ڈالنے کا سبب بنے، اس کا عذاب چغل خور سے بھی بڑھ کر ہے، جیسا کہ پیشاب سے پرہیز نہ کرنے میں اس پر تنبیہ ہے کہ جو شخص نماز کا تارک ہو، کہ پیشاب سے صفائی حاصل کرنا جس کے واجبات و شروط میں سے ہے، اس کا وبال اس سے بھی بڑا ہوگا۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس شخص کا قصہ گزر چکا ہے کہ جس کی قبر پر ایک کوڑا مارا تو وہ آگ سے بھر گئی، کیونکہ اس نے ایک نماز بغیر طہارت کے پڑھی تھی، اور وہ مظلوم کے پاس سے گزرا تھا مگر اس کی مدد نہیں کی تھی۔ اور صحیح بخاری میں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی گزر چکی ہے، جس میں جھوٹی افواہیں پھیلانے والے کے عذاب کا ذکر ہے۔ نیز اس شخص کے عذاب کا جو قرآن پڑھ کر رات کو سو رہتا ہے اور دن کو اس پر عمل نہیں کرتا۔ نیز بدکار مردوں اور عورتوں کا عذاب اور سود کھانے والے کا عذاب جن کا آنحضرت ﷺ نے برزخ میں مشاہدہ فرمایا۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی گزر چکی ہے، جس میں بڑے پتھر کے ساتھ ان لوگوں کے سر پھوڑنے کا ذکر ہے جو نماز میں سستی کیا کرتے تھے، اور زکوٰۃ نہ دینے والوں کا ذکر ہے کہ وہ جہنم کے زقوم اور پتھروں کو چر رہے تھے، اور جو زناکاری کی وجہ سے سڑا ہوا بدبودار گوشت کھا رہے تھے، اور فتنہ پرور گمراہ کرنے والے خطیبوں اور واعظوں کا ذکر ہے جن کے ہونٹ آہنی مقراضوں سے کاٹے جا رہے تھے۔

اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی گزر چکی ہے جن میں چند اہل جرائم کے عذاب کا ذکر ہے، بعض کے پیٹ کوٹھریوں جیسے تھے، اور آلِ فرعون (جہنمیوں) کے قافلے ان کو روندر ہے تھے، یہ سود کھانے والے ہیں۔ بعض کے منہ کھول کر ان میں آگ کے اَنگارے ٹھونسے جا رہے تھے جو ان کے اسفل سے نکل جاتے تھے، یہ یتیموں کا مال کھانے والے ہیں۔ بعض عورتوں پستانوں سے بندھی ہوئی لٹک رہی تھیں، یہ بدکار عورتیں ہیں۔ بعض کے پہلوؤں سے گوشت کاٹ کر انہی کو کھلایا جا رہا تھا، یہ غیبت اور عیب چینی کرنے والے ہیں۔ بعض کے تانبے کے ناخن ہیں، جن سے وہ اپنے چہروں اور سینوں کو چھیل رہے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کی عزت و آبرو سے کھیلتے ہیں۔ اور آنحضرت ﷺ نے ہمیں بتایا کہ جس غلام نے خیبر کے مالِ غنیمت سے ایک چادرہ چرالیا تھا، وہ چادرہ اس کی قبر میں بھڑکتی ہوئی آگ بن گیا، باوجودیکہ مالِ غنیمت میں خود اس کا بھی حق تھا۔ اب غور کیجئے! کہ جو شخص دُوسرے کا مال ناحق ہڑپ کر جائے، جس میں اس کا کوئی حق نہیں، اس کا کیا حال ہوگا؟

خلاصہ: یہ کہ قبر کا عذاب دل، آنکھ، کان، منہ، زبان، پیٹ، شرمگاہ، ہاتھ، پاؤں اور پورے بدن کے گناہوں پر ہے، پس جن لوگوں کو قبروں میں عذاب ہوتا ہے، وہ یہ ہیں:

(۱) چغل خور۔ (۲) جھوٹ بولنے والا۔ (۳) غیبت کرنے والا۔ (۴) جھوٹی گواہی دینے والا۔

(۵) کسی پاک دامن پر تہمت لگانے والا۔ (۶) لوگوں کے درمیان فتنہ و فساد ڈالنے والا۔ (۷) لوگوں کو بدعت کی طرف بلانے والا۔ (۸) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے نام پر ایسی بات کہنے والا جس کا اس کو علم نہیں۔ (۹) اپنی گفتگو میں گپ تراشی کرنے والا۔ (۱۰) سود کھانے والا۔ (۱۱) یتیموں کا مال کھانے والا۔ (۱۲) رشوت، بھتہ وغیرہ کے ذریعہ حرام کھانے والا۔ (۱۳) مسلمان بھائی کا مال ناحق کھانے والا۔ (۱۴) اسلامی مملکت کے غیر مسلم شہری کا مال ناحق کھانے والا۔ (۱۵) نشہ پینے والا۔ (۱۶) ملعون درخت کا لقمہ کھانے والا۔ (۱۷) زانی۔ (۱۸) لوطی۔ (۱۹) چور۔ (۲۰) خیانت کرنے والا۔ (۲۱) عہد شکنی کرنے والا۔ (۲۲) دھوکا دہی کرنے والا۔ (۲۳) جعل سازی اور مکر و فریب کرنے والا۔ (۲۴) سود لینے والا۔ (۲۵) سود دینے والا۔ (۲۶) سود کی تحریر لکھنے والا۔ (۲۷) سود کی گواہی دینے والا۔ (۲۸) حلالہ کرنے والا۔ (۲۹) حلالہ کرانے والا۔ (۳۰) اللہ تعالیٰ کے فرائض کو ساقط کرنے اور حرام چیزوں کا ارتکاب کرنے کے لئے حیلے کرنے والا۔ (۳۱) مسلمانوں کو ایذا پہنچانے والا۔ (۳۲) ان کے عیوب کی ٹوہ لگانے والا۔ (۳۳) حکم الٰہی کے خلاف فیصلے کرنے والا۔ (۳۴) شریعت کے خلاف فتوے دینے والا۔ (۳۵) گناہ اور ظلم کے کام میں دُوسرے کی مدد کرنے والا۔ (۳۶) کسی کو ناحق قتل کرنے والا۔ (۳۷) اللہ کے حرم میں الحاد اور کج روی اختیار کرنے والا۔ (۳۸) اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کے حقائق کو بدلنے والا۔ (۳۹) اسمائے الٰہی میں کج روی اختیار کرنے والا۔ (۴۰) اپنی رائے کو، اپنے ذوق کو اور اپنی سیاست کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر مقدم کرنے والا۔ (۴۱) نوحہ کرنے والی عورت۔ (۴۲) نوحہ کو سننے والا۔ (۴۳) جہنم میں نوحہ کرنے والے، یعنی راگ گانے والے، سننے والے جس کو اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا ہے۔ (۴۴) راگ سننے والے۔ (۴۵) قبروں پر عمارتیں بنانے والے اور ان پر قندیلیں اور چراغ روشن کرنے والے۔ (۴۶) ناپ تول میں کمی کرنے والے کہ جب لوگوں سے اپنا حق لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں، اور جب لوگوں کو دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔ (۴۷) جبار اور سرکش لوگ۔ (۴۸) متکبر لوگ۔ (۴۹) ریاکار لوگ۔ (۵۰) لوگوں کی عیب چینی کرنے والے۔ (۵۱) ناحق کا جھگڑا اور کٹ حجتی کرنے والے۔ (۵۲) سلف صالحین (صحابہؓ و تابعین رحمہم اللہ اور ائمہ دین رحمہم اللہ) پر طعن کرنے والے۔ (۵۳) جو لوگ کاہنوں، نجومیوں اور قیافہ شناسوں کے پاس جاتے ہیں، ان سے سوال کرتے ہیں، اور جو کچھ یہ لوگ بتائیں اس کو سچ جانتے ہیں۔ (۵۴) ظالموں کے مددگار، جنہوں نے اپنی آخرت کو دوسروں کی دُنیا کے عوض بیچ دیا۔ (۵۵) وہ شخص کہ جب تم اس کو اللہ تعالیٰ کا خوف دلاؤ اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر نصیحت کرو، تو باز نہ آئے، اور جب اس کے جیسی مخلوق سے ڈراؤ اور بندوں کا خوف دلاؤ تو باز آجائے۔ (۵۶) وہ شخص کہ جب اس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے حوالے سے ہدایت کی جائے، تو ہدایت پر نہ آئے اور اس کی طرف سر اُٹھا کر بھی نہ دیکھے، اور جب اس کو کسی ایسے شخص کی بات پہنچے جس کے ساتھ وہ حسنِ ظن رکھتا ہے (حالانکہ وہ صحیح بات بھی کہہ سکتا ہے اور غلط بھی) تو اس کی بات کو خوب مضبوطی سے پکڑ لے اور اس کی مخالفت نہ کرے۔ (۵۷) وہ شخص کہ جب اس کے سامنے قرآن پڑھا جائے تو اس سے متأثر نہ ہو، بلکہ بسا اوقات اس سے گرانی محسوس کرے، اور جب وہ شیطان کا قرآن (یعنی گانا اور قوالی) سنے، جو زنا کا منتر اور نفاق

کا مادہ ہے، تو اس کا جی خوش ہو جائے اور اس پر اس کو وجد آنے لگے، اور اس کے دل سے خوشی کے مظاہر پھوٹنے لگیں، اور اس کا جی چاہے کہ گانے والا بس گاتا ہی جائے، خاموش نہ ہو۔ (۵۸) اور ایسا شخص جو اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر توڑ ڈالے (اور توڑنے کی پروا نہ کرے)، لیکن یہی شخص اگر کسی بہادر کی قسم کھالے، یا اپنے شیخ سے بری ہونے کی قسم کھالے، یا اپنے کسی عزیز و قریب کی قسم کھالے، یا جواں مردی کی قسم کھالے، یا کسی ایسے شخص کی زندگی کی قسم کھائے جس سے وہ محبت رکھتا ہے اور اس کی تعظیم کرتا ہے، تو قسم کھانے کے بعد اس کو توڑنے کے لئے کسی طرح بھی آمادہ نہ ہو، خواہ اس کو کتنا ہی ڈرایا دھمکایا جائے۔ (۵۹) کھلے بندوں گناہ کرنے والا، جو اپنے گناہ پر فخر کرے اور اپنے ہم جولیوں کے مقابلے میں کثرت سے اس گناہ کو کرے۔ (۶۰) ایسا شخص جس کو تم اپنے مال اور اہل و عیال پر امین نہ بنا سکو۔ (۶۱) ایسا بدخلق اور بدزبان آدمی کہ لوگ اس کی بدزبانی اور شر سے ڈرتے ہوئے اس کو منہ نہ لگائیں۔ (۶۲) جو شخص کہ نماز کو آخری وقت تک مؤخر کردے، اور جب نماز پڑھے تو چار ٹھونگے لگالے اور اس میں اللہ کا ذکر نہ کرے، مگر بہت کم۔ (۶۳) جو شخص کہ خوش دلی کے ساتھ زکوٰۃ ادا نہ کرے۔ (۶۴) حج کی وسعت کے باوجود حج نہ کرے۔ (۶۵) قدرت کے باوجود اپنے ذمہ کے حقوق ادا نہ کرے۔ (۶۶) جو شخص دیکھنے میں، بولنے میں، کھانے پینے میں، چلنے پھرنے میں احتیاط اور پرہیزگاری سے کام نہ لے۔ (۶۷) جو شخص مال کے حاصل کرنے میں اس کی پروا نہ کرے کہ حلال سے آیا ہے یا حرام سے؟ (۶۸) جو شخص صلہ رحمی نہ کرے، نہ مسکین پر رحم کرے، نہ بیوہ پر، نہ یتیم پر، نہ جانوروں اور چوپاؤں پر، بلکہ یتیم کو دھکے دے، مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہ دے، لوگوں کو دکھانے کے لئے عمل کرے اور برتنے کی چیزوں سے بھی لوگوں کو منع کرے۔ (۶۹) اور جو شخص کہ اپنے عیب کے بجائے لوگوں کے عیوب میں، اور اپنے گناہ کے بجائے لوگوں کے گناہوں میں مشغول ہو۔ پس ان تمام لوگوں کو اور ان جیسے دُوسرے لوگوں کو ان جرائم پر قبر میں عذاب ہوتا ہے، ان جرائم کی قلت و کثرت اور صغیرہ و کبیرہ ہونے کے مطابق چونکہ اکثر لوگ ان جرائم کے مرتکب ہیں، اس لئے اہل قبور کی اکثریت عذابِ قبر میں مبتلا ہے، اور عذابِ قبر سے نجات پانے والے بہت کم لوگ ہیں۔ پس قبریں باہر سے مٹی نظر آتی ہیں، لیکن ان کے اندر حسرتیں ہیں اور عذاب ہے۔ باہر مٹی اور منقش پتھروں سے بنی ہوتی ہیں، لیکن ان کے اندر مصائب کے پہاڑ اور سانپوں اور بچھوؤں کی بھرمار ہے، وہ حسرتوں میں ایسی اُبل رہی ہیں، جیسے ہنڈیا اُبلتی ہے، اور ایسا ہونا بھی چاہئے کیونکہ اہل قبور کے درمیان اور ان کی خواہشوں اور آرزوؤں کے درمیان دیوار حائل ہوگئی ہے، اللہ کی قسم! قبریں ایسا وعظ کہہ رہی ہیں کہ انہوں نے کسی واعظ کے لئے بولنے کی گنجائش نہیں چھوڑی۔

اور وہ پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ: ''اے دُنیا کے آباد کرنے والو! تم ایسے گھر کو آباد کر رہے ہو جو بہت جلد زوال پذیر ہے، اور تم اس گھر کو ویران کر رہے ہو جس میں تم بڑی تیزی سے منتقل ہو رہے ہو، تم نے ان گھروں کو آباد کیا جن کے منافع اور سکونت دوسروں کے لئے ہے، اور تم نے ان گھروں کو ویران کیا کہ تمہاری رہائش ان کے سوا اور کہیں نہیں، یہ گھر دوڑ میں ایک دُوسرے سے آگے نکلنے کا ہے، یہاں اعمال امانت رکھے جاتے ہیں، یہ کھیتی کا بیج ہے، یہ عبرتوں کا محل ہے، ''جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے، یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا!''

(یہ آخری فقرہ حدیثِ پاک کا ایک جملہ ہے)۔"

ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا ترجمہ ختم ہوا۔

عذابِ قبر کے سلسلہ میں چند ضروری گزارشات

(۱) اللہ کی پناہ! قبر کے عذاب کا منظر بڑا ہی ہولناک اور خوفناک ہے! بندے کو چاہئے کہ اپنی قبر سے غافل نہ ہو، اور کوئی ایسا کام نہ کرے جو عذابِ قبر کا موجب ہو۔ حدیث میں ہے کہ حضرت امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ کسی قبر پر جاتے تو اتنا روتے کہ ریش مبارک تر ہوجاتی، عرض کیا گیا کہ: آپ جنت و دوزخ کے تذکرے سے اتنا نہیں روتے جتنا اس سے روتے ہیں؟ فرمایا کہ: میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد خود سنا ہے کہ: "ان القبر أوّل منزل من منازل الآخرة! فان نجی منه، فما بعده أيسر منه، ان لم ينج منه فما بعده أشد منه! قال: و قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: ما رأيت منظرًا قط الا و القبر أفظع منه! رواه الترمذی و ابن ماجة" (مشکوٰۃ ص۲۶)

ترجمہ: "قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے! پس اگر اس سے نجات مل گئی تو بعد کی منزلیں اِن شاء اللہ اس سے زیادہ آسان ہوں گی، اور اگر اس سے نجات نہ ملی تو بعد کی منزلیں اس سے بھی مشکل ہوں گی! اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میں نے کوئی منظر قبر سے زیادہ ہولناک نہیں دیکھا!"

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ: "ان يهودية دخلت عليها فذكرت عذاب القبر، فقالت لها: اعاذک الله من عذاب القبر! فسألت عائشة رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم عن عذاب القبر، فقال: نعم! عذاب القبر حق۔ قالت عائشة: فما رأيت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بعد صلی صلٰوة الا تعوذ بالله من عذاب القبر۔ متفق عليه" (مشکوٰۃ ص۲۵)

ترجمہ: "ایک یہودی عورت ان کے پاس آئی، اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دعا دی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو عذابِ قبر سے پناہ میں رکھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں نے اس یہودی عورت کا قصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو فرمایا کہ: ہاں! عذابِ قبر برحق ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں نے نہیں دیکھا کہ اس واقعہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایسی نماز پڑھی ہو جس میں عذابِ قبر سے پناہ نہ مانگی ہو۔"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے کہ: "ويل لأهل المعاصی من اهل القبور! تدخل عليهم فی قبورهم حيات سود، اودهم حية عند رأسه و حية عند رجليه، يقرصانه حتی يلتقيا فی وسطه فذالک العذاب فی البرزخ الذی قال الله تعالٰی: و من ورائهم برزخ الٰی يوم يبعثون" (تفسیر ابن کثیر ج۳ ص۲۵۵)

ترجمہ: "ہلاکت ہے اہلِ قبور میں سے اہلِ معاصی کو! کالے سانپ ان کی قبروں میں داخل ہوتے ہیں، ایک سانپ سر کی جانب سے اور دُوسرا سانپ پاؤں کی جانب سے، دونوں طرف سے مردے کو کاٹتے ہیں، یہاں تک کہ درمیان میں آکر مل جاتے ہیں (اور مردے کے دو ٹکڑے کردیتے ہیں)، پس یہ ہے برزخ کا وہ عذاب جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اور ان کے ورے ایک آڑ ہے اس دن تک کہ لوگ اُٹھائے جائیں گے۔"

(۲) عذابِ قبر کا تعلق چونکہ دُوسرے جہان سے ہے، جس کو برزخ کہا جاتا ہے، اور اس کو اللہ تعالیٰ نے

اہل دُنیا سے پردۂ غیب میں رکھا ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''ان ھذہ الامۃ تبتلی فی قبورھا، فلو لا ان لا تدافنوا لدعوت اللہ ان یسمعکم من عذاب القبر الذی اسمع منہ'' (صحیح مسلم ج۲ ص۳۸۶)

ترجمہ: ''اہل قبور کو ان کی قبروں میں عذاب ہوتا ہے، اور اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم لوگ مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ تمہیں بھی عذابِ قبر سنا دے جو میں سنتا ہوں۔'' (صحیح مسلم ج۲ ص۳۸۶)

لیکن اللہ تعالیٰ، بندوں کی عبرت کے لئے کبھی کبھی عذابِ قبر کا مشاہدہ بھی کرا دیتے ہیں (جیسا کہ چند واقعات اُوپر گزر چکے ہیں)، واقعہ یہ ہے کہ اگر اس قسم کے واقعات جمع کئے جائیں تو ایک ضخیم کتاب بن سکتی ہے۔

(۳) عذابِ قبر سے بچنے کے لئے چند اُمور کا اہتمام ضروری ہے:

اوّل: یہ کہ ان تمام اُمور سے اجتناب کیا جائے جو عذابِ قبر کا سبب ہیں، اور جن کا خلاصہ اُوپر ابن قیم رحمہ اللہ کے کلام میں گزر چکا ہے، حاصل یہ کہ تمام گناہوں سے بچنے کی کوشش کی جائے۔

دوم: یہ کہ جو کوتاہیاں اور لغزشیں اب تک ہو چکی ہیں، صدقِ دل سے ان سے توبہ کی جائے، اور جو حقوق اپنے ذمہ ہوں ان کو اہتمام سے ادا کیا جائے، اگر کسی کو ایذا پہنچائی ہو تو اس سے معافی تلافی کرائی جائے، غرضیکہ آدمی ہمیشہ اس کوشش میں لگا رہے کہ جب وہ دُنیا سے رُخصت ہو تو حقوق اللہ اور حقوق العباد میں سے کوئی حق اس کے ذمہ نہ ہو۔

سوم: یہ کہ عذابِ قبر سے پناہ مانگنے کا اہتمام کیا جائے، اُوپر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث گزر چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز میں عذابِ قبر سے پناہ مانگنے کا اہتمام و التزام فرماتے تھے۔

''عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اذا فرغ احدکم من التشھد الآخر فلیتعوذ باللہ من اربع: من عذاب جھنم، ومن عذاب القبر، وفتنۃ المحیا والممات، ومن شر المسیح الدجال۔ رواہ مسلم'' (مشکوٰۃ ص۸۷)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: جب تم میں سے کوئی شخص آخری التحیات سے فارغ ہو تو چار چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگے: جہنم کے عذاب سے، قبر کے عذاب سے، زندگی اور موت کے فتنہ سے، اور مسیح دجال کے شر سے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کو یہ دعا اس طرح سکھاتے تھے جس طرح قرآن کی سورت سکھاتے تھے، فرماتے تھے کہ: یہ دعا کیا کرو: ''اللّٰھم انی اعوذ بک من عذاب جھنم، واعوذ بک من عذاب القبر، واعوذ بک من فتنۃ المسیح الدجال، واعوذ بک من فتنۃ المحیا والممات۔ رواہ مسلم'' (مشکوٰۃ ص۸۷)

ترجمہ: ''اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں جہنم کے عذاب سے، اور آپ کی پناہ چاہتا ہوں قبر کے عذاب سے، اور آپ کی پناہ چاہتا ہوں مسیح دجال کے فتنہ سے، اور زندگی اور موت کے فتنہ سے۔''

چہارم: سونے سے پہلے سورۂ تبارک الذی (الملک) پڑھنے کا اہتمام کیا جائے، حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ: ''یہ عذابِ قبر سے بچاتی ہے۔'' ایک اور حدیث میں ہے: ''عن جابر رضی اللہ عنہ: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان لا ینام حتی یقرأ الٓمّ تنزیل وتبارک الذی بیدہ الملک۔ رواہ احمد والترمذی والدارمی'' (مشکوٰۃ ص۱۸۸)

ترجمہ: ''حضرت جابر ﷜ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ: آنحضرت ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ سونے سے پہلے الٓمٓ تنزیل اور تبارک الذی بیدہ الملک پڑھا کرتے تھے۔''

عذابِ قبر کے سلسلے میں شبہات کے جوابات

سوال: ایک سوال کے جواب میں جو عذابِ قبر سے متعلق ہے آپ نے جواب میں تحریر فرمایا ہے کہ:

''قبر کا عذاب و ثواب برحق ہے، قرآن کریم میں اجمالاً اس کا ذکر ہے۔''

محترم! آپ اپنے جواب کے حوالے سے مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات عنایت کردیجئے، عین نوازش ہوگی:

سوال نمبر ۱: ان قرآنی آیات کی ذرا نشاندہی فرمادیجئے جہاں عذابِ قبر کا تذکرہ ہے، کیونکہ آپ نے خود لکھا ہے کہ قرآن شریف میں ان کا اجمالاً تذکرہ موجود ہے۔

سوال نمبر ۲: یہ عذابِ قبر کیا صرف مسلمانوں کے لئے مخصوص ہے؟ ان کے ساتھ کیا ہوتا ہے جو اپنے مردے جلادیتے ہیں؟ بالخصوص ہندو، کیا ان کو عذابِ قبر نہیں ہوتا؟ اگر نہیں ہوتا، تو کیوں نہیں ہوتا؟ اگر ہوتا ہے، تو اس کی نوعیت کیا ہوتی ہے؟

سوال نمبر ۳: مسلمانوں پر اس ''نظرِ کرم'' کی کوئی خاص وجہ؟ یا یوں کہہ لیں ہر اس قوم پر جو مردے دفناتی ہے؟ اس کی کیا وجہ ہے؟

سوال نمبر ۴: قرآن شریف میں بچے کو دودھ پلانے کی مدت اور بعض دیگر جزئیات تک کا ذکر ہے، اتنا اہم مسئلہ صرف اجمالی اہمیت کا حامل کیسے ٹھہر گیا؟

سوال نمبر ۵: آپ جواب میں آگے چل کر فرماتے ہیں:

''نیک و بداعمال کی کچھ نہ کچھ سزا و جزا دُنیا میں بھی ملتی ہے اور کچھ قبر میں ملتی ہے، پوری آخرت میں ملے گی، دنیاوی سزا اور قبر کی سزا کے باوجود جس شخص کی بدیوں کا پلہ بھاری ہوگا اس کو دوزخ کی سزا بھی ملے گی، حق تعالیٰ شانہ اپنی رحمت سے معاف فرمادیں تو ان کی شان کریمی ہے۔'' دُوسرے لفظوں میں اللہ تعالیٰ ایک ''بادشاہ'' ہے، اگر اس کا دل چاہے گا تو معاف بھی کردے گا، تو سوال یہ ہے کہ اگر کسی نیکوکار سے وہ ''بادشاہ'' ناراض ہوگیا تو اسے بھی جہنم میں ڈال دیا جائے گا، یہ تو بادشاہت ہے، کسی قانون، کسی آئین کے تحت تو ہو نہیں رہا، اس کی مرضی ہے تو ایسا کیوں نہیں ہوگا کہ بیچارہ نیکوکار معلوم ہوا جہنم میں پڑا سڑ رہا ہے؟ بادشاہت میں تو ایسا ہی ہوتا ہے، ذرا وضاحت کردیں۔

سوال نمبر ۶: جب عذابِ قبر کا خودساختہ وجود ہے، تو ثوابِ قبر کیوں نہیں ہوتا؟ گناہ گاروں کو تو سزا مل رہی ہے، نیکوکاروں کو جزا کیوں نہیں ملتی؟

سوال نمبر ۷: اللہ کی فطرت اس کے قوانین پوری انسانیت کے لئے ایک ہی ہیں، قرآن مجید میں کئی دفعہ ذکر کیا گیا ہے اللہ کی فطرت تبدیل نہیں ہوتی، تو پھر ایسا کیوں ہے کہ جو دفنائے اسے تو آپ کے خودساختہ فرشتے آگھیریں اور جو جلادیں ان کے مزے ہی مزے۔

سوال نمبر ۸: کیا بحیثیتِ مسلمان میں اپنے وصیت نامے میں یہ وصیت کرسکتا ہوں کہ مرنے کے بعد عذابِ قبر سے بچانے کے لئے میری لاش کو دفنایا نہ جائے، جلا دیا جائے؟

سوال نمبر ۹: فرعون کی لاش دیگر کئی فراعین کے ساتھ صحیح سلامت موجود ہے، اس کے عذابِ قبر سے متعلق کیا خیال ہے؟

سوال نمبر ۱۰: عذابِ قبر رُوح کو ہوتا ہے یا بدن کو؟ اسے کیسے ثابت کریں گے اور کس معیار پر؟

سوال نمبر ۱۱: یورپ میں آج کل بہت ساری لاشیں تجربات کے لئے لمبے عرصے کے لئے شیشے کے مرتبانوں میں محفوظ کی جارہی ہیں، ان کے عذابِ قبر سے متعلق آپ کیا فرمائیں گے؟

سوال نمبر ۱۲: عذابِ قبر کی ضرورت کیا ہے؟ جب قیامت میں گناہ گار جہنم میں جائیں گے ہی تو انہیں یہ اضافی "بونس" دینے کی کیا تک ہے؟ کیا جہنم کا عذاب کافی نہیں؟

جواب نمبر ۱: سورۂ مؤمن میں ہے: "اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ۔ وَاِذْ یَتَحَاجُّوْنَ فِی النَّارِ فَیَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْٓا اِنَّا کُنَّا لَکُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِیْبًا مِّنَ النَّارِ" (مؤمن:۴۶، ۴۷)

ترجمہ: "وہ آگ ہے کہ دکھلا دیتے ہیں ان کو صبح اور شام، اور جس دن قائم ہوگی قیامت، حکم ہوگا داخل کرو فرعون والوں کو سخت سے سخت عذاب میں۔ اور جب آپس میں جھگڑیں گے آگ کے اندر پھر کہیں گے کمزور غرور کرنے والوں کو ہم تھے تمہارے تابع، پھر کچھ تم ہم پر سے اُٹھالو گے حصہ آگ کا؟" (ترجمہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ)

اور سورۂ نوح میں ہے: "مِمَّا خَطِیْٓئٰتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا۔ فَلَمْ یَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللهِ اَنْصَارًا" (نوح:۲۵)

ترجمہ: "کچھ وہ اپنے گناہوں سے دبائے گئے پھر ڈالے گئے آگ میں، پھر نہ پائے اپنے واسطے انہوں نے اللہ کے سوا کوئی مددگار۔" (ترجمہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ)

جواب نمبر ۲، ۳: مسلمانوں کے ساتھ مخصوص نہیں، کفار کو بھی ہوتا ہے، جن مردوں کو جلا دیا جاتا ہے ان کو بھی ہوتا ہے۔

جواب نمبر ۴: نماز جیسی اہم چیز، جو دین کا رکنِ اعظم ہے، اس کا بھی اجمالی ذکر ہے، نماز کی رکعتوں کی تعداد اور نماز پڑھنے کا طریقہ ارشاد نہیں فرمایا گیا۔ نماز کے بعد دُوسرا رکن زکوٰۃ ہے، اس کا ذکر بھی اجمالاً ہے، مقدارِ زکوٰۃ، شرائطِ زکوٰۃ اور کن کن مالوں پر زکوٰۃ فرض ہے؟ اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔ تیسرا رکن روزہ ہے، اس کی بھی مکمل تفصیلات ذکر نہیں کی گئیں۔ چوتھا رکن حج ہے، اس کی تفصیلات بھی علی الترتیب درج نہیں، قرآن کریم کی جو تشریح صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی وہ اُمت کے لئے واجب الاعتقاد اور واجب العمل قرار دی گئی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ" (پھر مقرّر ہمارا ذمہ ہے اس کو کھول کر بتلانا)، اسی طرح: "وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ" (اور جو دے تم کو رسول سو لے لو)، وقولہ تعالیٰ: "وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللهِ" (اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اسی واسطے کہ اس کا حکم مانیں اللہ کے فرمانے سے) الی غیر ذالک من الآیات الکثیرۃ!

جواب نمبر ۵: قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کو "ملک الناس" اور "مالک الملک" فرمایا ہے، کیا اللہ تعالیٰ کے بادشاہ ہونے پر بھی آپ کو اعتراض ہے؟ اور یہ بات میری کس تقریر سے لازم آئی کہ جزا و سزا بغیر کسی قانون کے ہے؟

جواب نمبر ۶: قبر میں ثواب بھی ہوتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے، یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا!"

جواب نمبر ۷: اُوپر بتاچکا ہوں کہ دفن ہونے والے اور جلادیئے جانے والوں کے درمیان تفریق غلط ہے، سب کو قبر کا عذاب ہوسکتا ہے، اور ہوتا ہے۔ ہاں! ہماری فہم و ادراک سے بالاتر چیز ضرور ہے، جو صرف انبیائے کرام علیہم السلام کی وحی سے معلوم ہوسکتی ہے، اور فرشتے -نعوذ باللہ- میرے "خودساختہ" نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں، جن کے وجود کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے، اگر آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر ایمان لانے کے لئے تیار نہیں تو انتظار کیجئے، وہ وقت جلد آیا چاہتا ہے جب آپ کو اس عذاب کا مشاہدہ اور تجربہ ہوجائے گا، اس وقت یقین لائیے گا، لیکن افسوس! کہ اس وقت کا ایمان لانا مفید نہ ہوگا۔

جواب نمبر ۸: میں تو عذابِ قبر کے منکر کو سچا مسلمان ہی نہیں سمجھتا، کیونکہ وہ قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متواتر ارشادات کے علاوہ اُمتِ اسلامیہ کے قطعی عقیدہ کی اپنی جہالت و ناواقفی کی وجہ سے تکذیب کرتا ہے۔ اور یہ بھی بتاچکا ہوں کہ لاش محفوظ ہو، گل سڑ جائے، یا جلادی جائے، کوئی حالت بھی عذابِ قبر سے مانع نہیں۔ اس کے باوجود اگر آپ جلانے کی وصیت -نعوذ باللہ- کرنا چاہتے ہیں تو آپ بہتر جانتے ہیں، کیا اس کے بجائے یہ آسان نہیں کہ ایمان بالغیب کے طور پر آپ اس عقیدہ ہی کو مان لیں، اگر قبر میں واقعی عذاب ہوتا ہے تو آپ بچ جائیں گے، اور اگر نہیں ہوتا تو آپ کا کوئی نقصان نہیں۔

جواب نمبر ۹: فرعون کی لاش کو بھی عذاب ہورہا ہے، قرآن کریم کی جن آیات کا اُوپر حوالہ دیا ہے وہ فرعون اور آلِ فرعون ہی سے متعلق ہیں۔

جواب نمبر ۱۰: قبر کا عذاب بلاواسطہ رُوح کو ہوتا ہے اور بالواسطہ بدن کو، جس طرح کہ دُنیا کی تکلیف بلاواسطہ بدن کو ہوتی ہے اور بالواسطہ رُوح کو، اور معیار احادیث شریفہ ہیں۔

جواب نمبر ۱۱: ان کے بارے میں وہی کہوں گا جو نمبر:۹ کے بارے میں کہہ چکا ہوں، ان کو بھی عذاب ہوتا ہے، مگر مجھے اور آپ کو اس کا ادراک نہیں ہوتا، جس طرح خواب دیکھنے والے پر جو کچھ گزرتی ہے اس کا ادراک پاس بیٹھے جاگنے والے کو نہیں ہوتا۔

جواب نمبر ۱۲: میرا اور آپ کا کام خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پر ایمان لانا ہے، ان کے کاموں کی ضرورتیں بتانا نہیں۔ جب قبر میں فرشتے عذاب دیں گے ان سے دریافت فرمالیجئے گا کہ اس کی کیا ضرورت تھی؟ سیدھا دوزخ میں بھیج دو اضافی "بونس" کیوں دیا جارہا ہے۔۔۔؟

نصیحت: سوالات کا مضائقہ نہیں، مگر آدمی کو گستاخانہ لہجہ نہیں اختیار کرنا چاہئے، خصوصاً اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پر گستاخانہ لہجہ اختیار کرنا ایمان کے منافی ہے، واللہ اعلم!

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین!

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُونَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (الحدیث)

حیات الاموات

خصوصاً

حیات النبی ﷺ سید الکائنات

تالیف:

حضرت مولانا سید نور الحسن بخاری رحمہ اللہ

"وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ" ۲

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے جاتے ہیں ان کی نسبت یہ مت کہو کہ وہ مردے ہیں۔ بلکہ وہ زندہ ہیں

حیات الاموات

خصوصاً

حیات النبی سید الکائنات

سید نور الحسن بخاری

دار التصنیف و الاشاعت، قدیر آباد، ملتان شہر

قیمت ۶ روپے

شاہ اینڈ سنز پروسس پرنٹر لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفصیلی فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(حرفِ چند)

حضرت مولانا سید نور الحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

پیدائش: ۱۰ رجنوری ۱۹۱۱ء ...... وفات: ۴ رجنوری ۱۹۸۴ء

حضرت مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری ؒ دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور علامہ عبدالشکور لکھنوی ؒ کے شاگرد رشید تھے۔ ۱۹۴۳ء میں سردار احمد خاں پتافی کے ساتھ مل کر آپ نے تنظیم اہل سنت کی بنیاد رکھی۔ امرتسر میں مرکزی دفتر کے آپ انچارج تھے۔ ہفتہ وار تنظیم اہل سنت اور پھر سہ روزہ دعوت لاہور کے آپ ایڈیٹر رہے۔ برصغیر پاک وہند میں حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی ؒ کے بعد آپ نے رفض کے خلاف معیاری علمی تحریری خدمات سرانجام دیں۔ دو درجن کے لگ بھگ آپ کی کتابیں ہوں گی جو بلاشبہ اردو میں عظمت صحابہؓ پر لکھی گئی کتب کا ہر اوّل دستہ ہیں۔ مولانا محمد نافع ؒ، مولانا قاضی مظہر حسین ؒ کی کتب اس کے بعد کی ہیں جو بلا ریب بڑا علمی ورثہ ہیں۔ مئی ۱۹۷۵ء میں تنظیم اہل سنت کے دفتر میں دیوبند مسلک کی دینی جماعتوں کا اجلاس ہوا جس میں آپ کے ذمہ عقیدہ حیات النبی ﷺ پر کتاب لکھنے کی ذمہ داری عائد کی گئی۔ چنانچہ آپ نے ''حیات الاموات خصوصاً حیات النبی ﷺ سید الکائنات'' نامی کتاب تحریر فرمائی جو اکتوبر ۱۹۷۵ء میں منظر عام پر آئی۔ قریباً نصف صدی بعد اب اسے اس مجموعہ میں شامل کرنے کی سعادت حاصل کی جارہی ہے۔ الحمدللہ! (ناشر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ و کفٰی و سلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی۔ اما بعد!

حق و باطل کی باہمی کشمکش و ستیزہ کاری روز آفرینش عالم سے جاری ہے اور یہ کوئی نئی چیز نہیں:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی!

ایک گونہ یہ چیز فطری ہے۔ لہٰذا اس پر کوئی خاص غم و اندوہ اور رنج و ملال نہیں، ہاں دل و جگر گداز کیوں نہ ہوں اور آنکھ خون کے آنسو کیوں نہ روئے؟ جب حق، حق سے متصادم ہو اور باطل کی باچھیں خوشی سے کھل رہی ہوں اہل حق باہم دگر دست بگریباں ہوں اور اہل باطل ان پر خندہ زن! باہمی حرب و ضرب سے حق کی طاقت گھٹ رہی ہو۔ اس کی قوت و توانائی رو بہ انحطاط و تنزل ہو اور باطل کا زور و غلبہ روز افزوں ترقی پذیر!

دارالعلوم دیوبند دین اسلام کی صحیح تفہیم و تعبیر، اعتصام بالکتاب، اتباع سنت، اتخاذ مسلک اہل سنت اور وابستگی بداماں سلف امت کا نام ہے، دیوبندیت اور دارالعلوم دیوبند! افراط و تفریط سے پاک، غل و غش سے منزہ، بدعت و احداث سے محفوظ، رائے و ہوا کی مداخلت سے مبرّا، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی و منقول، سلف صالحین، کے معمول بہ و متوارث، دین و شریعت، افکار و علوم نبوت اور معارف و حقائق قرآنی کا مرکز تعلیم و اشاعت ہے۔ گویا دین اسلام و مسلک اہل سنت کی ایک محسوس و مجسم علامت! بلند و بالا زندہ و پائندہ، غیر فانی اور ان مٹ علامت!

امت مسلمہ کی علمی تاریخ میں دارالعلوم دیوبند کا ایک خاص، منفرد اور قابل رشک مقام ہے، دارالعلوم دیوبند علم و عرفان کی دنیا میں ایک ناقابل فراموش و یادگار کردار ہے اور اس مادر علم کے بار احسان سے فرزندان توحید پاک و ہند کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتے، بلکہ مسلمانان عالم کی گردن اس کے بار منت سے ہمیشہ خم رہے گی۔

جس مادر علمی کا ماضی اس درجہ روشن و تابناک، درخشندہ و تابندہ ہو کہ عالم اسلام اس کے انوار و لمعات سے منور و مستنیر ہو، جگمگا رہا ہو۔ آج اس کے فرزند اگر مسئلہ حیات النبی ﷺ پر باہم دگر متصادم و متحارب ہوں تو جگر لخت لخت، دل داغ داغ اور چشم نمناک کیوں نہ ہو۔

ماضی قریب میں اس مسئلہ پر پاکستان کے اہل حق و فرزندان توحید دونیم ہو کر رہ گئے۔ وحدت اہل سنت پارہ پارہ ہو گئی۔ کراچی سے پشاور تک میدان جدال و قتال اور ہنگامہ کارزار گرم تھا جس سے اہل حق کو جو عظیم نقصان و شدید صدمہ پہنچا اس پر کون سا دردمند دل ہے جو سیماب وار نہ تڑپا ہو اور کون سی آنکھ ہے جو اشکبار نہ ہوئی ہو؟

اللہ رب العزت مہتمم دارالعلوم دیوبند، مخدوم العلماء، استاذ الاساتذہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ العالی کو عمر خضر و جزائے خیر عطا فرمائے کہ آپ نے سفر کی زحمت و صعوبت برداشت کر کے پاکستان قدم رنجہ فرمایا اور انتہائی دردمندی و دلسوزی کے ساتھ، شدید انہماک و توغل اور جہد مسلسل سے وہ خطرناک نزاع و خلاف ختم کیا فریقین میں مصالحت کرادی اور خدا خدا کر کے ایک فتنہ عظیم ختم ہوا۔ والحمدللہ علٰی ذالک حمدا کثیرا!

اسے اہل حق کی بدقسمتی اور مسلمانوں کی واژگوں نصیبی نہ کہیے تو کیا کہیے کہ چند ہی سال بعد گزشتہ برس وہ آتش خلاف پھر بھڑک اٹھی اور وطن عزیز کے بعض حصوں میں امن و سکون مبدل بہ فتنہ و فساد ہو گیا، ضلع بہاول پور

کے بعض دیہات میں تو بھائی بھائی کے خون کا پیاسا ہو گیا، باپ بیٹے میں ان بن ہو گئی حتیٰ کہ زن و مرد میں ٹھن گئی۔

اس دردناک والم انگیز اور دلخراش و جگر گداز صورت حالات سے ملت کے علمی و دینی حلقے لازمی طور پر متاثر و متالم ہوئے، ماحول کی سنگینی نے درد مند و حساس قلوب واذہان کو ایک جگہ مل بیٹھنے اور اس سلسلہ میں کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا۔

پچھلے سال غالباً ربیع الثانی (۱۳۹۴ھ) میں مرکزی دفتر تنظیم اہلسنت (ملتان) میں پاکستان کی دینی جماعتوں، تنظیم اہلسنت، جمعیت علماء اسلام وغیرہ اور خیر المدارس ملتان وغیرہ دینی مدارس کے نمائندہ اکابر علماء کا اجتماع ہوا۔ جس میں اصلاح احوال کے سلسلہ میں ایک امر یہ بھی طے پایا کہ میں (نورالحسن بخاری) اس موضوع پر ایک مختصر کتاب شائع کروں جس سے مسئلہ مدلل طور پر منقح ہو جائے۔

چونکہ اس مسئلہ سے متعلق سابقہ "جہاد عظیم" میں "تنظیم اہل سنت" غیر جانبدار رہی تھی، اس موضوع پر میرا مطالعہ نہ ہونے کے برابر تھا اور نہ ہی میرے پاس اس مسئلہ سے متعلق علمی مواد تھا۔ لہٰذا میں نے اس مجلس میں بار بار معذرت کی جو کسی صورت قبول نہ ہوئی اور بالآخر ان حضرات کے شدید اصرار پر مجھے سر تسلیم خم کرنا پڑا۔

ذمہ داری تو میں نے قبول کر لی مگر اپنی طبعی سستی و سہل انگاری اور کچھ علالت و بیماری اور زیادہ اس موضوع پر عدم عبور کے باعث بہت دنوں تک آغاز کار کی جرأت نہ کر سکا۔ مگر صدر تنظیم اہلسنت حضرت علامہ تونسوی مدظلہ کے مسلسل تقاضوں پر آخر اللہ کا نام لے کر کام شروع کر دیا۔

حضرت مہتمم صاحب خیر المدارس نے ازراہ کرم متعلقہ کتابیں فراہم فرما دیں، اللہ رب العزت نے توفیق عطا فرمائی اور چند ماہ میں بفضلہٖ وبعونہٖ تعالیٰ جو تھوڑی بہت خدمت بن پڑی وہ ہدیہ قارئین کرام ہے۔

مسئلہ کے تمام گوشوں کونوں کو دیکھنے بھالنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اصل مسئلہ میں فی الاصل کوئی حقیقی اختلاف نہیں۔ ویسے اگر کسی کو لڑنا بھڑنا اور اپنی دوکان چمکانا مقصود و مطلوب ہو تو دوسری بات ہے۔ بہر حال میں نے غیر جانبداری و بے تعصبی سے کام لے کر خلوص نیت کے ساتھ اپنے دینی بھائیوں کی خیر خواہی کے جذبہ اور اپنی نجات آخرت کی طلب و آرزو اور عنداللہ مسئولیت و جوابدہی کے احساس کے تحت جو خدمت انجام دی ہے۔ دعا فرمائیں خدا اسے قبول فرمائے اور میری نجات کا وسیلہ اور برادران اہل سنت کی ہدایت کا ذریعہ بنا دے۔ آمین!

کیا یہ مسئلہ عقائد ضروریہ میں سے ہے؟

جس مسئلہ پر پاکستان کے اہل حق باہم دگر دست بگریباں ہیں اور مسلک حق کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس مسئلہ کی نوعیت وحیثیت کیا ہے؟ کیا یہ ضروری اور بنیادی دینی عقائد میں سے ہے یا غیر ضروری عقائد میں سے؟

بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: "گو عقیدہ تو یہی ہے مگر اس عقیدہ کو عقائد ضروریہ میں سے نہیں سمجھتا نہ تعلیم ایسی باتوں کی کرتا ہوں نہ منکروں سے دست و گریباں ہوتا ہوں۔ آپ اس امر کو ملحوظ رکھیں تو بہتر ہے۔" (لطائف قاسمی ص ۵)

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ تحریر فرماتے ہیں: "حیات دنیوی ظاہری کا تو دنیا میں

کوئی بھی قائل نہیں جو بھی قائل ہیں حیات برزخی کے قائل ہیں۔اب اس کی تنقیحات میں عوام کو الجھانا میری سمجھ میں نہیں آتا۔ اس وقت جب کہ لوگ کھلے کفر میں مبتلا ہو رہے ہیں اس تدقیق میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے؟ حضرات دیوبند بلاضرورت اس قسم کے زائد مباحث میں الجھنے اور عوام کو الجھانے سے مجتنب رہتے ہیں اور اسی کو میں اسلم سمجھتا ہوں۔'' واللہ اعلم! (اقامۃ البرہان از سید سجاد بخاری صاحب ص ۳۰)

پھر مسئلہ حیات موتیٰ کا ہے نہ کہ حیات النبی ﷺ کا

اوّل تو یہ مسئلہ عقائد ضروریہ سے نہیں، دوسرے غلط عنوان دے کر اسے الجھا دیا گیا ہے۔ عام طور پر اس مسئلہ پر جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان کا عنوان حیات النبی ہے یا حیات الانبیاء مثلاً: علامہ خالد محمود کی ''مدارک الاذکیا فی حیات الانبیاء''، حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب کی ''مسالک العلماء فی حیات الانبیاء'' علامہ جلال الدین سیوطی ؒ کی ''انباہ الاذکیاء بحیاۃ الانبیاء''، امام بیہقی ؒ کی ''حیات الانبیاء'' وغیرہا۔

اس عنوان سے عام طور پر بحث کا رخ حضرات انبیاء علیہم السلام خصوصاً نبی کریم ﷺ کی طرف پھر گیا ہے غلط طور سے حیات النبی ﷺ کی بحث چھڑ گئی ہے اور حضور کریم ﷺ کی ذات پاک معرض بحث میں آگئی ہے۔ حالانکہ بحث اصلاً نبی کریم ﷺ کی ذات پاک کی نہیں بلکہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور حضرات شہداء و اولیاء ؒ حتیٰ کہ عام مسلمانوں کی حیات کی بھی نہیں، دراصل بحث ہے تو عام موتیٰ کی حیات کے متعلق ہے جن میں کفار و مشرکین اور منافقین تک شامل ہیں۔ اسی کتاب میں آپ مطالعہ فرمائیں گے کہ نصوص صریحہ سے عام موتیٰ کی حیات اور ان کا سماع سلام و کلام تک ثابت ہے۔ جب عام مردوں کو بعد وفات ایک گونہ حیات حاصل ہے تو حضرات انبیاء علیہم السلام خصوصاً نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ میں اختلاف کا سوال کیسے پیدا ہو گیا؟ علیٰ ہذا اگر عام موتیٰ زائر کا سلام سنتے ہیں تو نبی کریم ﷺ کے سماع سلام و جواب میں بحث و کلام کیوں فضول و نامعقول نہ ہو گا؟

البتہ مردوں کی زندگی اور موتیٰ کے سماع سلام وغیرہ پر انسانی ذہن کو دھچکا ضرور لگتا ہے، موت تو نام ہی حیات کی نفی کا ہے۔ پھر موت کے بعد حیات مردوں کی زندگی اور موتیٰ کے سماع کے کیا معنی؟ عقل انسانی اس عنوان سے متوحش و متحیر ہوتی ہے اور ایک عام سمجھ دار انسان فوراً اس کے انکار پر تل جاتا ہے۔

مگر سوال یہ ہے کہ دین کی اساس و بنیاد عقل و خرد پر قائم و استوار ہے یا فرمان خدا اور رسول ﷺ پر؟ اگر دین عقل انسانی کی تگ و تاز کا نہیں بلکہ اتباع کتاب و سنت کا نام ہے اور اسلام عقل کی غلامی سے نہیں بلکہ ارشادات و احکامات خدا اور رسول ﷺ کو بلا ادنیٰ تامل و تردد بسر و چشم تسلیم کر لینے سے عبارت ہے تو پھر موت کے بعد حیات موتیٰ کا علم و احساس اور مردوں کا سماع و ادراک سب صحیح ہے اور ایک مسلمان کے لئے اس میں ذرہ بھر شک و شبہ کی گنجائش نہیں، کیوں کہ یہ سب کچھ احادیث صحیحہ متواترہ سے ثابت ہے اور ہم اس پر آنکھیں بند کر کے ایمان لاتے ہیں خواہ یہ ہماری عقل اور سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ ہم نے کلمہ خام عقل کا نہیں بلکہ خدا اور رسول ﷺ کا پڑھا ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ! سید نور الحسن بخاری، دار التصنیف والاشاعت قدیر آباد ملتان شہر

(۱) برزخ، قبر اور عذاب وثواب قبر

اصل بحث تو مسئلہ حیات النبی ﷺ سے متعلق ہے یعنی نبی کریم ﷺ کی حیات فی القبر سے متعلق! برزخی زندگی سے متعلق! لیکن اگر پہلے برزخ، قبر اور عذاب قبر کے بارے میں کچھ عرض کر دیا جائے تو ناموزوں نہ ہوگا۔

برزخ: برزخ کے معنی دو چیزوں کے درمیان حد فاصل اور روک کے ہیں۔

(مفردات القرآن امام راغب رحمہ اللہ اصفہانی)

برزخ دو چیزوں کے درمیان کی حد، روک، حائل، عالم برزخ موت سے حشر تک کے عالم کا نام ہے۔

(لغات القرآن ج دوم ص ۲۸)

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "ومن ورائھم برزخ الی یوم یبعثون" (مومنون: ۱۰۰) اور ان کے پیچھے برزخ ہے۔ (جہاں وہ) اس دن تک کہ (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے۔ (رہیں گے) تو برزخ موت کے بعد سے قیامت تک کے درمیانی دور، عہد، زمانہ اور مدت کا نام ہے۔ اس دور میں دنیا والوں سے پردہ ہو جاتا ہے اور آخرت بھی پوری طرح سامنے نہیں آتی۔ اس لئے اسے برزخ کہتے ہیں۔ قبر اس عالم برزخ کی پہلی منزل ہے۔ گویا میت کے لئے قبر اور برزخ دونوں ظرف ہیں۔ برزخ ظرف زمان اور قبر ظرف مکان۔

قبر: قبر اس مقام کو کہتے ہیں جس میں میت کو دفن کیا جاتا ہے قرآن وحدیث میں عموماً اسی مدفن پر قبر کا اطلاق ہوا ہے۔ مثلاً نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرمایا گیا:

۱...... "ولا تقم علی قبرہ" (توبہ: ۸۴) اور اس (کافر، منافق) کی قبر پر کھڑے نہ ہوں۔

۲...... "واذا القبور بعثرت" (انفطار: ۴) اور قیامت کے دن جب قبریں اکھاڑ دی جائیں گی۔

۳...... بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا ﷺ: "ان العبد اذا وضع فی قبرہ" (متفق علیہ مشکوٰۃ المصابیح باب عذاب القبر) بے شک بندہ جب اپنی قبر میں رکھا جاتا ہے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

امام راغب رحمہ اللہ اصفہانی نے قبر کے معنی "مقرّ المیّت" کئے ہیں۔ یعنی جس جگہ میت کو دفن کیا جاتا ہے مردہ کی جائے قرار۔ (مفردات القرآن)

عذاب وثواب قبر

قبر کے عذاب وثواب پر جمیع اہلسنت متفق ہیں، ان کے نزدیک عذاب قبر حق ہے، یہ کتاب وسنت سے ثابت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اسے حق فرمایا ہے۔

۱...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے عذاب قبر کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا "نعم عذاب القبر حق" ہاں قبر کا عذاب حق ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اس کے بعد میں نے نہیں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی ہو "الا تعوذ باللہ من عذاب القبر" مگر عذاب قبر سے اللہ کی پناہ مانگی۔ (متفق علیہ مشکوٰۃ المصابیح باب اثبات عذاب قبر)

۲...... بروایت حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا ﷺ: جب مسلمان سے قبر میں (خدا اور رسول ﷺ کے متعلق) سوال کیا جائے گا وہ گواہی دے گا کہ "لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ" یہی اس کا (وہ) قول ہے (جس

کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے) ''یثبت اللہ الذین آمنوا بالقول الثابت فی الحیوۃ الدنیا و الآخرۃ'' (ابراہیم: ۲۷) مضبوط رکھتا ہے اللہ ایمان والوں کو پکی بات (کلمہ طیبہ کی برکت) سے دنیا اور آخرت (دونوں جہانوں) میں۔
(متفق علیہ اینما متفق علیہ اس حدیث کو کہتے ہیں جسے امام بخاری اور امام مسلم ﷭ دونوں نے اپنی اپنی صحیح (کتاب) میں روایت کیا)
منکر نکیر: منکر و نکیر دو فرشتے ہیں جو قبر میں مرنے والے سے سوال کریں گے۔

۳...... حضرت ابوہریرہ ﷜ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب میت کو قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو دو نیلی آنکھوں والے سیاہ فرشتے منکر اور نکیر اس کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں تو اس شخص کے بارے میں کیا کہتا تھا وہ جواب دیتا ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں ''اشھد ان لا الہ الا اللہ و ان محمدا عبدہ و رسولہ'' پھر اس کی قبر ستر ستر ہاتھ کشادہ کردی جاتی ہے اور اسے منور کردیا جاتا ہے اور اسے کہا جاتا ہے (آرام سے) سو جاؤ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے اس جگہ سے دوبارہ زندہ کرکے کھڑا کریں گے اور اگر منافق ہوگا تو (سوالوں کے) جواب میں کہے گا میں نہیں جانتا پس اس پر زمین تنگ ہو جائے گی اور اس کی پسلیاں باہم دگر پیوست ہو جائیں گی۔ پس وہ ہمیشہ معذب رہے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے اس جگہ سے دوبارہ زندہ کرکے کھڑا کریں گے۔ (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ المصابیح باب اثبات عذاب القبر)

۴...... حضرت براء بن عازب ﷜ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (قبر میں) میت کے پاس دو فرشتے آئیں گے اور اسے اٹھا بٹھائیں گے اور اس سے پوچھیں گے ''من ربک؟'' تیرا رب کون ہے؟ وہ کہے گا ''ربی اللہ'' میرا رب اللہ ہے۔ پھر کہیں گے تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہے گا میرا دین اسلام ہے۔ پھر کہیں گے یہ شخص کون ہے جو تمہاری طرف مبعوث کیا گیا وہ کہے گا وہ رسول اللہ ہیں ﷺ۔ پس آسمان سے ایک منادی ندا کرے گا کہ میرے بندے نے سچ کہا پس اس کے لئے جنت سے بستر بچھاؤ اور جنت سے لباس (لے کر) اسے پہناؤ اور جنت کی طرف اس کے لئے ایک دروازہ کھول دو۔ چنانچہ وہ دروازہ کھول دیا جائے گا اور جنت کی ہوائیں اور خوشبو اس کے پاس آئے گی اور حد نگاہ تک اس کے لئے قبر کشادہ کردی جائے گی اور کافر کی روح اس کے جسد میں لوٹا دی جائے گی اور فرشتے اسے بٹھا کر (وہی) سوال کریں گے تو وہ مبہوت ہو کر جواب دے گا ''لا ادری'' میں نہیں جانتا تو آسمان سے منادی ہوگی کہ اس کے لئے جہنم سے بستر بچھا دو اور آگ کا لباس پہنا دو اور اس کے لئے جہنم کی طرف ایک دروازہ کھول دو۔ چنانچہ اس کے پاس دوزخ کی گرمی اور سخت گرم ہوا آتی رہے اور اس پر قبر تنگ کردی جائے گی۔ یہاں تک کہ اس کی پسلیاں باہم دگر پیوست ہو جائیں گی۔ (رواہ احمد و ابوداؤد، مشکوٰۃ المصابیح باب اثبات عذاب القبر)

قرآن کریم میں عذاب برزخ کا ثبوت

احادیث پاک بسر و چشم! خود کتاب اللہ قرآن کریم سے بھی عذاب قبر ثابت ہے۔ مثلاً:

۱...... ''النار یعرضون علیھا غدوا و عشیاً ویوم تقوم الساعۃ ادخلوا آل فرعون اشد العذاب'' (مؤمن: ۴۶) آگ ہے کہ وہ صبح و شام آگ کے سامنے لائے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی (حکم ہوگا) فرعون والوں کو عذاب شدید (جہنم) میں داخل کرو۔

جہنم میں تو فرعون اور فرعونیوں کو قیامت کے دن ڈالا جائے گا اور اس سے پہلے عالم برزخ میں ہر روز صبح و شام انہیں جہنم میں اپنا ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے تاکہ عذاب جہنم کا کچھ مزہ ابھی سے چکھتے رہیں۔ اسی طرح قوم نوح علیہ السلام کے متعلق فرمایا گیا:

۲...... ”مما خطیئتھم اغرقوا فادخلوا نارا“ (نوح:۲۵) اپنے گناہوں کے سبب وہ (طوفان میں) غرق کئے گئے۔ پھر (برزخ کی آگ) میں ڈالے گئے۔

قبر سے مراد یہی حسّی قبر ہے یا عالم برزخ

قبر اور برزخ: قرآن وحدیث کے بعد آثار وارشادات صحابہ اور اقوال محدثین وفقہاء رحمہم اللہ میں لفظ قبر کا اطلاق انہی حسّی قبروں پر ہوا ہے۔

البتہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی کو یہ قبر حقیقی نصیب ہی نہیں ہوتی۔ کسی کو جنگل کے درندے یا دریا کے مگر مچھ اور سمندر کی وہیل مچھلیاں ہڑپ کر جاتی ہیں بعض دریا میں غرق ہو کر گل سڑ جاتے ہیں یا آگ میں جل بھن کر خاکستر بن جاتے ہیں تو اس صورت میں بھی وہ سب عذاب قبر سے نہیں بچ سکتے۔ جہاں جہاں بھی ان کے ذرات ہیں، وہی گویا ان کی قبر ہے اور وہیں ان کو عذاب یا آرام ملتا ہے تو قبر فقط اسی محسوس قبر کا نام نہیں بلکہ عالم برزخ میں اس مقام کا نام بھی گویا قبر ہے جہاں مردے کو یا اس کے اجزاء منتشرہ، ماکولہ، محرقہ میں سے کسی جز کو عذاب ہو رہا ہے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: ”ومما ینبغی ان یعلم ان عذاب القبر ھو عذاب البرزخ فکل من مات وھو مستحق للعذاب نالہ نصیبہ منہ قبر او لم یقبر فلو اکلتہ السباع او احرق حتی صار رمادا او نسف فی الھواء او صلب او غرق فی البحر وصل الی روحہ وبدنہ من العذاب ما یصل الی القبور“ (کتاب الروح ص ۷۱) جاننا چاہئے کہ عذاب قبر عالم برزخ کا عذاب ہے۔ پس جو بھی مرا اور وہ عذاب کا مستحق ہے۔ اسے عذاب ملے گا خواہ وہ قبر میں دفن ہو یا نہ ہو۔ اگر اسے درندوں نے کھا لیا یا جلا دیا گیا اور خاکستر بن گیا اور ہوا میں اڑ گیا یا سولی پر چڑھا دیا گیا یا سمندر میں غرق ہو گیا تو جو عذاب قبروں میں ہوتا وہ اس کے روح اور بدن (یا اس کے ذرات) کو ہوگا۔

قبر کا مجازی معنیٰ: خلاصہ یہ کہ قبر تو حقیقتاً یہی ہے جس میں میت کو دفن کرتے ہیں، ہاں مجازی طور پر اس برزخی مقام پر بھی قبر کے لفظ کا اطلاق ہوتا ہے، جہاں کہیں میت کے اجزاء ہوں، خواہ درندوں، پرندوں کا پیٹ ہو، خواہ قعر دریا ہو، خواہ آگ اور ہوا ہو۔

ایک اہل علم کا ارشاد

بخلاف اس کے ایک اہل علم تحریر فرماتے ہیں: ”الغرض علمائے کرام نے قبر کے معنی عالم برزخ کے کئے ہیں۔ یہی شرعی قبر ہے۔ یہی حدیثوں سے مراد ہے اور یہی حقیقی معنی ہیں۔ یعنی حقیقت شرعیہ اور گڑھا قبر کا حقیقی معنی نہیں۔“ (ندائے حق ص ۴۷)

اس پر ہم سوائے اس کے اور کیا عرض کر سکتے ہیں:

جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنوں
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

حضرت! کبھی سیدھی اور سچی بات سن کر مان بھی لیا کیجئے نہ تو علماء نے قبر کے معنی عالم برزخ کے کئے ہیں۔ نہ عالم برزخ شرعی قبر ہے نہ حدیثوں سے یہی مراد ہے اور نہ ہی قبر کے حقیقی معنی عالم برزخ کے ہیں۔ شرعاً نہ لغۃً نہ علماً نہ عرفاً۔

آپ کے ''ارشاد'' کے سولہ آنے خلاف علماء لغات القرآن نے قبر کے معنی مقر المیت کئے ہیں اور یہی قبر شرعی قبر ہے، قرآن وحدیث میں بار بار اسی قبر کو قبر کہا گیا ہے اور قبر کے حقیقی معنی قبر ہی ہیں۔ ہاں آپ کی ایک بات بھی ضرور ہے ''کہ گڑھا قبر کا حقیقی معنی نہیں'' ہم بھی گڑھے کو قبر نہیں کہتے اور نہ ہی کسی صاحب عقل وخرد نے قبر کا معنی گڑھا کیا ہے۔ قبر کے معنی تو قبر ہیں، یعنی جہاں مردے کو دفن کیا جائے، میت رکھنے کی جگہ، گڑھے کو قبر کون احمق کہتا ہے اور قبر کے معنی گڑھا کون کرتا ہے۔ گڑھا اور چیز ہے اور قبر اور چیز۔ قبر قبر ہے، گڑھا گڑھا ہے۔ نہ ہر گڑھا قبر ہے اور نہ ہر قبر گڑھا۔ بعض قبریں آگ کا گڑھا ضرور ہیں اور بعض قبریں تو ''روضۃ من ریاض الجنۃ'' ہیں۔

گڑھا کے لئے عربی زبان میں ''حفرۃ'' کا لفظ ہے۔ امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''الحفرۃ والحفیرۃ'' گڑھا، قرآن میں ہے ''وکنتم علی شفا حفرۃ من النار'' (آل عمران: ۱۰۳) اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے ''المحفار والمحفر والمحفرۃ'' بیلچہ وغیرہ جس سے گڑھا کھودا جاتا ہے۔

(مفردات القرآن امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ ص ۲۳۲، ح، ف، ر)

باقی قبر کے معنی بھی لغات القرآن کے امام سے سن لیجئے۔ ''القبر کے معنی میت کو دفن کرنے کی جگہ کے ہیں ''اقبرتہ'' کے معنی کسی کے لئے قبر مہیا کرنے کے ہیں تا کہ اسے دفن کیا جائے۔ قرآن میں ہے ''ثم اماتہ فاقبرہ'' پھر اس کو موت دی۔ پھر قبر میں دفن کرایا۔'' (مفردات القرآن، امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ ص ۲۳۷ باب القاف ق، ب)

اب ذرا منجد عربی کی مشہور لغات دیکھ لیجئے ''القبر'' آدمی کے دفن کا مقام، جمع قبور اقبرہ کسی کے دفن کرنے کو قبر بنانا ''اقبر القوم'' قوم کو مقتول کے دفن کی اجازت دینا۔'' (المنجد عربی اردو ص ۹۵۷)

لغات القرآن کے امام (امام راغب رحمہ اللہ) یا صاحب منجد نے قبر کے معنی میں کہیں گڑھا کا لفظ نہیں لکھا۔ قبر کے معنی گڑھا تو کوئی جاہل ہی کرے گا، گڑھا تو ہیں حفرہ کے معنی، قبر کے معنی تو ہیں میت کو دفن کرنے کی جگہ، آدمی کے دفن کا مقام ''مقر المیت'' باقی رہا یہ فرمان کہ ''یہی حدیثوں سے مراد ہے اور یہی حقیقی معنی ہیں، یعنی حقیقت شرعیہ۔'' (ندائے حق ص ۷۴)

سو عرض یہ ہے کہ حقیقت شرعیہ میں قرآن کریم کا بھی کوئی حصہ ہے یا نہیں، اگر ہے تو پھر غور سے سن لیجئے۔

قرآن میں ایک جگہ قبر کا لفظ آیا ہے ''قبرہٖ'' (توبہ: ۸۴)

چار مقامات پر ''القبور'' ہے۔ (الحج: ۷) (فاطر: ۲۲) (الممتحنہ: ۱۳) (العادیات: ۹)

ایک مقام پر ''القبور'' ہے (الانفطار: ۴)

ایک مقام پر ''اقبرہ'' ہے۔ (عبس: ۲۱)

ایک مقام پر ''المقابر'' ہے۔ (التکاثر: ۲)

ان آٹھ مقامات میں سے کسی مقام پر بھی قبر کے معنی نہ گڑھا ہیں اور نہ ہی عالم برزخ بلکہ آٹھوں مقامات پر قبر ہی مراد ہے۔

باقی رہی حدیث تو دفتر احادیث پر تو صاحب ''ندائے حق'' کی نگاہ ہوگی جو ماشاء اللہ شیخ الحدیث بھی ہیں ہم ایسے طالب علموں کی نگاہ میں جس حدیث پاک میں بھی قبر کا ذکر آیا ہے یہی محسوس قبر ہے۔

عذاب روح کو ہوتا ہے یا جسم کو یا دونوں کو؟

عذاب روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے

بعض مبتدع فرقوں کا زعم ہے کہ عذاب قبر صرف روح کو ہوتا ہے اور بعض کا وہم ہے کہ صرف بدن کو، لیکن اہل سنت کا اجماعی عقیدہ یہ ہے کہ قبر کا عذاب یا آرام روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے۔

۱...... شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (متوفی ۷۲۸ھ) تحریر فرماتے ہیں: ''بل العذاب والنعیم علی النفس والبدن جمیعاً باتفاق اھل السنۃ والجماعۃ'' عذاب اور راحت وآرام روح اور بدن دونوں کو ہوتا ہے اس پر تمام اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے۔ (کتاب الروح ص ۶۲)

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: ''والسؤال للبدن بلا روح قول طائفۃ من الناس وانکرہ الجمہور وقابلھم آخرون فقالوا السؤال للروح بلا بدن وکلاھما غلط والاحادیث الصحیحۃ تردہ ولو کان ذالک علی الروح فقط لم یکن للقبر بالروح اختصاص'' لوگوں کی ایک جماعت کا قول ہے کہ سوال روح کے بغیر صرف بدن سے ہوتا ہے جمہور اس کے منکر ہیں ان کے مقابلہ میں دوسرے لوگوں نے کہا کہ سوال صرف روح سے ہوتا ہے بدن کے بغیر۔ یہ دونوں قول غلط ہیں، صحیح احادیث ان کو رد کرتی ہیں، اگر سوال صرف روح سے ہوتا تو قبر کو تو روح کے ساتھ کوئی اختصاص نہ تھا۔ (ایضاً)

یعنی اگر صرف روح کو عذاب ہوتا تو قبر کو روح کے ساتھ کیا اختصاص تھا کہ روح کے عذاب کو عذاب قبر سے تعبیر کیا جاتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ احادیث صحیحہ کے مطابق سوال اور پھر عذاب جسم اور روح دونوں کو ہوتا ہے۔

۲...... امام ابن قیم رحمہ اللہ (متوفی ۷۵۱ھ) رقم فرماتے ہیں ''ان مذھب سلف الامۃ وائمتنا ان المیت اذا مات یکون فی نعیم او عذاب وان ذالک یحصل لروحہ وبدنہ'' بلاشبہ اسلاف امت اور ہمارے ائمہ کا مذہب یہ ہے کہ میت راحت اور عذاب میں ہوتی ہے اور بیشک یہ راحت یا دکھ روح اور بدن دونوں کو ہوتا ہے۔ (ایضاً ص ۶۳)

ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں: ''وھذا الحدیث بین فی انّ العذاب علی الروح والبدن مجتمعین'' اور یہ حدیث اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ عذاب (قبر) روح اور بدن دونوں کو ہوتا ہے۔ (ایضاً ص ۶۶)

۳...... علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (متوفی ۹۱۱ھ) رقم طراز ہیں: ''قال العلماء عذاب القبر محلہ الروح والبدن جمیعا باتفاق اھل السنۃ کذا القول فی النعیم'' علماء کا قول ہے کہ عذاب قبر کا محل روح اور بدن دونوں ہیں۔ اسی طرح آرام بھی دونوں کو ملتا ہے اس پر اہل سنت کا اتفاق ہے۔ (شرح الصدور ص ۷۶ مطبوعہ مصر)

۴...... امام العصر محدث وفقیہ اعظم حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۱۴ھ) رقم فرماتے ہیں: ''واختلف فی انہ بالروح او بالبدن او بھما وھو الاصح منھما'' اس میں اختلاف ہے کہ (عذاب قبر) صرف روح کو ہوتا ہے یا بدن کو یا دونوں کو اور صحیح یہی ہے۔ (شرح فقہ اکبر مطبوعہ مصر ص ۹۱)

۵...... (عمدۃ المحققین، سید العلماء، امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۵۲ھ) بھی فرماتے ہیں۔

۱...... ”ثم السؤال عندی یکون بالجسد مع الروح کما اشار الیہ صاحب الھدایة“ (قبر میں فرشتوں کا) سوال میرے نزدیک جسد مع روح سے ہوگا۔ جیسا کہ صاحب ہدایہ نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔
(فیض الباری شرح بخاری ج اوّل ص ۱۸۵ کتاب العلم)

۲...... باب (ماجاء فی عذاب القبر) کی شرح میں فرماتے ہیں: ”وھو ثابت عند اھل السنة والجماعة کافة بالتواتر فلھم فیہ قولان قیل العذاب علی الروح فقط وقیل علی الروح والجسد معاً والاقرب عندی ھو الثانی“ عذاب قبر تمام اہل سنت والجماعت کے نزدیک تواتر سے ثابت ہے۔ علماء اہل سنت کے اس بارے میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ عذاب قبر صرف روح پر ہوتا ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ روح اور جسم دونوں پر ساتھ ساتھ ہے اور میرے نزدیک زیادہ صحیح یہی دوسرا قول ہے۔ (ایضاً جز ثانی ص ۴۹۲ کتاب الجنائز)

۳...... ”ثم لاھل السنة قولان قیل ان العذاب للروح فقط وقیل للروح والجسد والمشھور الثانی اختارہ اکثر شارحی الھدایة وھو المختار“ یہ قول کہ عذاب قبر روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے، مشہور قول یہی ہے اور اکثر شارحین ہدایہ نے اسی کو اختیار کیا ہے اور (میرے نزدیک بھی) یہی مختار ہے۔ (العرف الشذی ص ۳۵۵، تسکین الصدور ص ۹۰)

بہرحال علماء اعلام وائمہ دین کے نزدیک عذاب روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے مگر منکرین عذاب قبر کا سوال یہ ہے کہ بوسیدہ ہڈیوں میں زندگی کہاں ہے جو انہیں عذاب ہو؟

حیات اور عذاب کے لئے ڈھانچہ شرط نہیں!

حیات فی القبر کے انکار کی بنیاد اس زعم وتصور پر ہے کہ جب ڈھانچہ ہی باقی نہیں رہا۔ گوشت پوست گل سڑ گیا، ہڈیاں چورہ چورہ ہو گئیں، وجود کی شکل وصورت اور نام ونشان تک باقی نہیں رہا تو حیات کہاں ہوگی؟ اور عذاب کیسے ہوگا؟ اس کا جواب اکابر امت، اجلہ علماء اہل سنت محققین فقہاء ومحدثین ومتکلمین نے یہ دیا ہے کہ حیات یا عذاب کے لئے ڈھانچہ شرط ہی نہیں، اجزاء متفرقہ میں بھی قدرت باری تعالیٰ سے حیات وعذاب کا اعادہ وتحقق ممکن ہے۔ یہ ناممکن اور ممتنع نہیں۔

۱...... امام الفقہاء امام ابن الہمام (متوفی ۸۶۱ھ) رقم فرماتے ہیں: ”کان الحق ان المیت المعذب فی قبرہ توضع فیہ الحیوة بقدر ما یحس بالالم والبنیة لیست بشرط عند اھل السنة حتی لو کان متفرق الاجزاء بحیث لا یتمیز الاجزاء بل ھی مختلفة بالتراب فعذب جعلت الحیوة فی تلک الاجزاء التی لا یأخذھا البصر وان اللہ تعالیٰ علی ذالک القدیر“ حق یہی ہے کہ جس میت کو قبر میں عذاب ہوتا ہے اس میں اس قدر حیات رکھی جاتی ہے جس سے وہ دکھ کا احساس کر سکے اور ڈھانچے کا محفوظ رہنا اہل سنت کے نزدیک کوئی شرط نہیں یہاں تک کہ اگر میت کے اجزاء بکھر جائیں اور مٹی میں رل مل جائیں اور اسے عذاب دیا جائے تو ان اجزا میں جنہیں نگاہ نہیں دیکھ سکتی حیات رکھی جاتی ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے۔ (فتح القدیر ج ۲ ص ۹۹ تسکین الصدور ص ۲۷۳)

۲...... عقائد کے مسلم امام، امام ابن الہمام (متوفی ۸۶۱ھ) اور آپ کے شہرہ آفاق تلمیذ رشید علامہ کمال الدین محمد بن محمد المقدسی (متوفی ۹۰۵ھ) علم کلام کی مایہ ناز کتاب المسامرہ میں لکھتے ہیں: ”سوال الملکین وعذاب القبر ونعیمہ ممکن اذ لا یشترط فی الحیوة البنیة وان کان المیت فی بطون السباع وقعور البحار وغایة ما فی الباب ان یکون بطن السبع ونحوہ قبراً لہ“ فرشتوں کا سوال اور قبر کا عذاب اور لذت وراحت بالکل ممکن ہے

کیونکہ حیات کے لئے ڈھانچہ شرط نہیں۔ اگر چہ میت درندوں کے پیٹ اور سمندروں کی گہرائیوں میں ہو، زیادہ سے زیادہ درندے کا پیٹ وغیرہ اس کے لئے قبر ہوگا۔ (المسامرہ مع المسایرہ ج ۲ ص ۱۱۸ مطبوعہ مصر، تسکین الصدور ص ۷۴)

۳...... علامہ شمس الدین احمد بن موسیٰ المشہور بہ الخیالی (متوفی ۸۷۰ھ) لکھتے ہیں: "واما تعذیب، المأکول بخلق نوع من الحیوۃ فی بطن الأکل فواضع الامکان کدودۃ فی الجوف فانما تتألم وتتلذذ بلاشعور منا" جس میت کو کوئی جانور کھا گیا ہو اس کو کھانے والے جانور کے پیٹ میں میت کے اندر ایک گونہ حیات پیدا کر کے عذاب دینا امر واضح امکان ہے جیسے پیٹ کے اندر کیڑا ہوتا ہے، اسے تکلیف بھی ہوتی ہے اور لذت بھی، مگر ہمیں خبر نہیں ہوتی۔ (الخیالی ص ۱۱۸، تسکین الصدور ص ۸۰)

۴...... علامہ قرطبی (متوفی ۶۷۱ھ) تحریر فرماتے ہیں: "وقد اجمع اهل الكشف على ان الميت يحس بضغطة القبر ويحس باختلاف اضلاعه ولو كان فی بطون السباع والطيور او كان قد حرق و ذری فی الريح فتحس كل ذرة بالالم ولو كانت متفرقة" اہل کشف کا اس پر اجماع ہے کہ میت قبر کی تنگی اور پسلیوں کے باہم دگر پیوست ہونے کو محسوس کرتی ہے اگر چہ وہ درندوں اور پرندوں کے پیٹ میں ہو یا اسے جلا کر ہوا میں اڑا دیا گیا ہو میت کا ہر ذرہ دکھ درد محسوس کرتا ہے خواہ اس کے ذرات متفرق ہو چکے ہوں۔ (مختصر تذکرہ قرطبی مطبوعہ مصر ص ۳۶، تسکین الصدور ص ۷۲)

۵...... علم کلام کے مشہور محقق علامہ ابوشکور السالمی رحمہ اللہ (متوفی ۴۶۵ھ) فرماتے ہیں: "فاذا كان الروح متصلاً بالشخص سواء كان عظما او لحما او ترابا فانه يتألم" جب روح کا بدن سے اتصال ہوگا تو بدن کو ضرور الم ہوگا، خواہ ہڈی ہو، خواہ گوشت ہو اور خواہ مٹی ہو جائے۔ (تمہید طبع لاہور ص ۱۲۵، تسکین الصدور ص ۸۲)

۶...... خاتم المفسرین علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں: "ثم اعلم ان اتصال الروح بالبدن لا يختص بجزء دون جزء بل هی متصلة مشرقة على سائر اجزائه وان تفرقت وكان جزء بالمشرق وجزء بالمغرب" پھر تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ روح کا بدن کے ساتھ اتصال کسی ایک جز کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ یہ روح متصل ہے روشنی ڈالنے والی ہے بدن کے تمام اجزاء پر، اگر چہ وہ جدا جدا ہو چکے ہوں اور ایک جز مشرق میں ہو اور دوسرا جز مغرب میں۔ (روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۶۳)

۷...... العلامۃ الامام الحافظ الشیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (متوفی ۹۱۱ھ) "قال العلماء عذاب القبر هو عذاب البرزخ اضيف الى القبر لانه الغالب والا فكل ميت اذا اراد الله تعالى تعذيبه ناله ما اراد به قبر او لم يقبر ولو صلب او غرق فی البحر او اكلته الدواب او حرق حتى صار رمادا او ذری فی الريح" علماء نے کہا کہ عذاب قبر، عذاب برزخ ہے، مگر اسے عذاب قبر جو کہا جاتا ہے تو اکثر ہونے کی بنا پر ورنہ ہر میت کو جسے عذاب دینے کا اللہ تعالیٰ ارادہ کر لیں عذاب ہوتا ہے خواہ وہ قبر میں دفن ہو یا نہ ہو، اگر سولی دیا جائے یا سمندر میں غرق ہو جائے، یا اسے جانور کھا جائیں یا جلا دیا جائے حتیٰ کہ خاکستر ہو جائے یا ہوا میں اڑا دیا جائے۔ (شرح الصدور ص ۷۵)

۸...... خاتم الفقہاء علامہ محمد بن عابدین شامی (متوفی ۱۲۵۲ھ) رقم طراز ہیں قبر میں میت پر عذاب کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ "لانه توضع فيه الحيوة عند العامة بقدر ما يحس بالالم والبنية ليست بشرط عند اهل السنة بل تجعل الحيوة فی تلك الاجزاء المتفرقة لا يدركه البصر" کیونکہ میت میں اکثر علماء کے نزدیک اس قدر حیات ڈالی جاتی ہے جس سے وہ الم کا احساس کر سکے (باقی) ڈھانچے کا باقی اور سلامت رہنا اہلسنت کے نزدیک شرط نہیں بلکہ یہ حیات ایسے

اجزاء بدن میں بھی پیدا کی جاتی ہے جن کو نگاہ محسوس نہیں کر سکتی۔ (شامی ج ۳ ص ۱۰۲ مطبوعہ مصر، تسکین الصدور ص ۸۶)

۹...... امام العصر شیخ الاسلام حضرت علامہ انور شاہ صاحب رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۵۲ھ) فرماتے ہیں: مشہور قول یہی ہے کہ عذاب (قبر) روح اور بدن دونوں کو ہوتا ہے۔ ہدایہ کے اکثر شارحین نے اسی کو اختیار کیا ہے اور میرے نزدیک بھی مختار یہی ہے۔"وان صار البدن ذرة ذرة فان الشعور لکل شیٔ عند جمهور الامة" اگرچہ بدن ذرّہ ذرّہ کیوں نہ ہو جائے، جمہور امت کے نزدیک بے شک شعور ہر چیز کو ہے۔ (العرف الشذی ص ۳۵۵، تسکین الصدور ص ۹۱)

عذاب اسی جسد عنصری کو ہوتا ہے یا......

حضرات فقہاء و متکلمین اسلام کی یہ ساری بحث اسی بنا پر ہے کہ ڈھانچہ باقی ہو یا نہ ہو اور قبر بھی ہو یا نہ ہو، اجزاء منتشرہ متفرقہ جہاں کہیں بھی ہوں، خواہ غبار بن کر ہوا میں کیوں نہ اڑ گئے ہوں، خواہ کسی درندے، پرندے یا کسی آبی جانور کا لقمہ بن کر اس کا جزو بدن کیوں نہ بن گئے ہوں اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہر حالت میں ان کے اندر اس درجہ زندگی ضرور پیدا کر دیتے ہیں کہ وہ دکھ سکھ، آرام و آلام اور عذاب و راحت کا احساس و ادراک کر سکیں۔ اب اگر عذاب اس بدن عنصری کو نہیں ہوتا بلکہ کسی اور جسم کو ہوتا ہے تو ائمہ دین، علماء کلام و فقہاء عظام کو اس ساری بحث کی کیا ضرورت تھی؟ اور اس کا کیا فائدہ؟ یہ اجزاء منتشرہ، متفرقہ، ماکولہ یا محرقہ وغیرہ جن میں ادراک و احساس عذاب و تنعیم کے لئے نوع حیات ثابت کی جا رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ اجزاء تو مادی جسم اور عنصری بدن کے ہیں نہ کہ کسی اور بدن کے۔ بایں ہمہ ملحدین و منکرین کا نہیں۔ بلکہ بعض اہل علم کا یہ زعم باطل ہے کہ قبر میں عذاب اس مادی و عنصری جسم کو نہیں ہوتا۔

عذاب جسم کے اجزاء اصلیہ کو ہوتا ہے جو بصورت ذرات پشت آدم سے نکلے تھے

ایک اہل علم بزرگ لکھتے ہیں: "روح کے ساتھ جسم کو بھی عذاب ہوتا ہے مگر جسم و جسد یہ عنصری و مادی نہیں، بلکہ انسان بدن سے مغائر ہے۔ لیکن انسان فقط روح کا نام بھی نہیں ہے۔ روح اور جسم کے مجموعہ کو کہتے ہیں اور جسم میں دو قسم کے اجزاء ہیں۔ ایک اجزاء اصلیہ۔ وہی ذرات ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ذرات کی شکل میں عہد لینے کے لئے نکالے گئے تھے۔ پس روح کا اصل تعلق انہیں اجزائے اصلیہ اور ذرات کے ساتھ ہے اور قبر (برزخ) میں سوال انہیں ذرات سے ہوگا اور انہیں میں روح اور حیات واپس کر دی جائے گی اور وہی سوال کا جواب دیں گے۔" (ندائے حق ص ۴۲)

"جہاں عذاب و تنعیم کے اخبار و آثار و روایات و عبارات میں بدن یا جسد یا جزء بدن یا بعض بدن کا لفظ آ جائے تو مراد وہ انسان حقیقی ہے جو اجزاء اصلیہ کا نام ہے۔" (ص ۴۳)

"روح کا مقر علیین یا سجین ہے تو روح کی قبر علیین ہوئی یا سجین اور چونکہ دراصل انسان روح مع النسمہ کا نام ہے تو انسان کی قبر علیین ہوئی یا سجین۔" (ص ۴۷)

"پھر علیین یا سجین میں صرف مجرد ارواح کا مسکن نہیں، بلکہ مجسم انسان جسد مع الروح کا مقام ہے اور وہ جسد وہی ہے جو یوم میثاق الست بربکم کے وقت انسان کو عطا ہوا تھا جس کو نفس، نفس ناطقہ نسمہ سے تعبیر کرتے ہیں اور چونکہ ان میں جزو اعظم مدرک حساس روح ہے۔ اس لئے اسے روح سے بھی تعبیر کر لیتے ہیں۔" (ص ۲۱۹)

بالفاظ فاضل مصنف خلاصہ ملاحظہ ہو:

انسان فقط روح کا نام نہیں، روح اور جسم کے مجموعہ کو کہتے ہیں مجسم انسان، جسد مع الروح ہے اور جسد وہی ہے جو یوم یثاق الست بربکم کے وقت انسان کو عطا ہوا تھا۔ جس کو نفس، نفس ناطقہ نسمہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

اور چونکہ ان میں جزو اعظم روح ہے، اس لئے اسے روح سے بھی تعبیر کر لیتے ہیں۔ گویا انسان فقط روح کا نام نہیں۔ روح اور جسد کا نام ہے۔ جسے نفس بھی کہتے ہیں۔ نفس ناطقہ بھی اور نسمہ بھی اور اسے روح سے بھی کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ انسان فقط روح کا نام نہیں بلکہ روح اور جسم کا نام ہے۔ خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھئے؟

پھر دفن تو کیا گیا جسد عنصری کو، اجزاء منتشرہ، متفرقہ وغیرہ ہوئے اسی ماکولہ، مصلوبہ، محرقہ جسد عنصری کے۔

مگر عذاب ہوتا ہے اجزاء اصلیہ کو جو یوم یثاق، پشت آدم علیہ السلام سے نکلے تھے، جو نہ اس دنیائے آب وگل میں کبھی آئے نہ انہیں دنیا میں کسی نے دیکھا۔ کرے مونچھوں والا پکڑا جائے داڑھی والا، جرم وگناہ جسد عنصری کا اور سزا بھگتیں، ذرات ازلی۔ اب اس گورکھ دھندے کو کوئی کیا سمجھے۔ ''کمال فن'' کا دوسرا شاہکار ملاحظہ ہو:

ابھی تو فرمایا تھا قبر میں سوال ذرات (یوم یثاق) سے ہوگا۔ اب فرماتے ہیں:

عذاب جسم مثالی کو ہوتا ہے

مرنے کے بعد ارواح کی تعذیب وتنعیم کے لئے ان کو مثالی جسم، مثالی زمین جنت میں، مثالی آسمان جنت میں عطا فرماتے ہیں۔ (ص ۱۶۰) عالم برزخ میں اللہ تعالیٰ انسان کو برزخی جسم عطا فرماتے ہیں۔ وہاں برزخ دکھ سکھ کا احساس روح انسانی کو ہوتا ہے۔ بواسطہ جسد برزخی مثالی کے۔ (ص ۲۱۹)

مثالی جسم، مثالی جسد، مثالی جنت، مثالی زمین، مثالی آسمان، برزخی جسم، برزخی جسد، جسد برزخی مثالی، پھر کبھی عذاب اجزاء اصلیہ کو ہوتا ہے کبھی جسد مثالی کو۔

یہ ساری فنکاری جانتے ہو کیوں ہو رہی ہے؟ محض قبر اور جسد عنصری کے انکار کے لئے۔ یہ حضرت عذاب کے لئے کئی قسم کے اجساد تو بے تکلف بتاتے چلے جاتے ہیں۔ مگر جسد عنصری کے لئے عذاب تسلیم نہیں فرماتے۔ مثل مشہور ہے کہ ایک جھوٹ کو چھپانے کے لئے آدمی کو سو جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔ ہمارے حضرت کو ایک جسد عنصری کا انکار کرنے کے لئے حقیقی انسان، مجسم انسان، نفس، نفس ناطقہ، نسمہ، جسد یوم یثاق، اجزاء اصلیہ، ذرات پشت آدم، برزخی جسد، مثالی جسم اور مثالی جسد کئی جسم وجسد ہی نہیں بنانے پڑے بلکہ مثالی جنت اور مثالی جنت کی مثالی زمین اور مثالی آسمان بھی ایجاد کرنے پڑے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مثالی جنت، مثالی زمین اور مثالی آسمان تو بجائے خود مثالی جسم کی بھی کوئی شرعی حقیقت نہیں ہے۔ قرآن وحدیث کے ساتھ کلام وعقائد کی ضخیم مصنفات میں کہیں بھی مثالی جسم کا نام ونشان نہیں ملے گا۔

کتاب وسنت میں جسم، جسد اور بدن سے ہر جگہ مراد یہی جسد عنصری ہے، قرآن وحدیث میں اور ائمہ دین، فقہا، ومتکلمین کے ہاں جسد مثالی کا سراغ بھی نہیں ملتا۔ البتہ حضرات صوفیہ کے ہاں اس کا ذکر ملتا ہے عذاب قبر کے سلسلہ میں بھی حضرات صوفیہ نے کہا ہے کہ عذاب بدن مثالی کو ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت امام العصر شیخ الاسلام علامہ انور شاہ صاحب قدس سرہٗ فرماتے ہیں: ''وقال الصوفیۃ العذاب للبدن المثالی'' اور صوفیاء اس کے قائل ہیں کہ

عذاب (قبر) بدن مثالی کو ہوتا ہے۔ (العرف الشذی ص ۵۵ ۳، تسکین الصدور ص ۹۱)

اور یہ عجیب نکتہ ملاحظہ ہو کہ حضرت العلامؒ اہل سنت کے اقوال میں حضرت صوفیاء کے قول کو شامل نہیں فرماتے ہیں۔ بلکہ اسے اہل سنت کے علاوہ شمار فرماتے ہیں۔ فرماتے ہیں: ''ثم لاهل السنة قولان قيل ان العذاب للروح فقط وقيل للروح والجسد والمشهور الثاني وهو المختار وقال الصوفية العذاب للبدن المثالي''

(العرف الشذی ص ۵۵ ۳، تسکین الصدور ص ۹۱)

کس قدر صراحت سے ارشاد فرمایا کہ اہل سنت کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں، پھر وہ دونوں قول نقل فرما کر دوسرے قول کو مشہور و مختار فرماتے ہیں۔ پھر تین سطروں کے بعد جا کر فرماتے ہیں کہ ''وقال الصوفية'' اس طرح حضرت شیخ الاسلام نے گویا لطیف انداز میں بلیغ اشارہ کر دیا ہے کہ شریعت میں فرمان حضرات صوفیاء کا کوئی بنیادی مقام نہیں، اسی حقیقت کو خود حضرات صوفیہ کے رئیس و امام حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ (متوفی ۱۰۳۴ھ) نے واضح الفاظ میں یوں بیان فرمایا:

''عمل صوفیہ در حل و حرمت سند نیست ہمیں بس نیست کہ ما ایشاں را معذور داریم و ملامت نکنیم، ایں جا قول امام ابی حنیفہ و امام ابو یوسف و قول امام محمد معتبر است نہ عمل ابو بکر شبلی و ابی حسن نوری۔'' (مکتوبات امام ربانی)

بہر حال شریعت، کتاب و سنت کے بعد تعامل صحابہ و سلف صالحین و تعلیمات ائمہ مجتہدین، حضرات فقہا و محدثین کا نام ہے۔

حضرات صوفیاء کرام رحمہم اللہ کا قول و عمل شریعت میں حجت نہیں، ہاں شریعت کے مطابق ہو تو بسر و چشم، و الا فلا، حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے فیض الباری شرح بخاری میں بھی یہی فرمایا ہے کہ عذاب قبر کے بارے میں یہ قول صوفیہ کا ہے کہ عذاب بدن مثالی کو ہوتا ہے۔

پھر یہ قول جو بعض حضرات صوفیا کرام رحمہم اللہ نے کہا ہے تو اس حکمت و مصلحت کے پیش نظر کہ لوگ کہتے ہیں کہ بدن تو ریزہ ریزہ ہو چکا ہے۔ ہمیں قبر میں نظر نہیں آتا۔ پھر عذاب کیسے ہوتا ہے؟ اس بحث میں صوفیاء کرام یہ کہتے ہیں کہ اگر نظر نہیں آتا یا ریزہ ریزہ ہو گیا ہے تو وجود مادی اور جسد عنصری تو کیا ہوا، عذاب ہوتا ہے اور بدن مثالی کو ہوتا ہے جو نظر نہیں آتا۔

مگر شیخ الاسلام امام العصر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسی حکمت و مصلحت کو بھی کوئی وقعت نہیں دی۔ الٹا اس کو رد کرتے ہوئے فرمایا: ''ثم لا حاجة في اثبات عذاب القبر الى ما قاله الصوفية ان العذاب على البدن المثالي دون المادي وحينئذ لا بعد ان لم نشاهد احدا يعذب في قبره فان الاسهل ان يقال انه من عالم الغيب واقامة الدلائل العقلية عليه جهل ومن يطيق ذالك'' پھر اثبات عذاب قبر کے لئے اس بات کی کوئی ضرورت نہیں جو صوفیاء کرام بیان کرتے ہیں کہ عذاب بدن مثالی کو ہوتا ہے نہ کہ بدن مادی کو لہٰذا اگر ہم قبر میں کسی کے عذاب کا مشاہدہ نہیں کر سکتے تو کیا حرج ہے؟ اس بارے میں آسان بات یہ ہے کہ عذاب قبر عالم غیب کی چیز ہے اور اس پر دلائل عقلیہ کا قائم کرنا نری جہالت ہے اور پھر کون ہے جس کے بس کی یہ بات ہے؟ (فیض الباری ج ۲ ص ۴۶۷، تسکین الصدور ص ۹۳)

بہر حال صحیح احادیث، شراح حدیث، فقہاء عظام اور علماء عقائد و کلام سے غیر مبہم الفاظ میں ثابت ہے کہ عذاب قبر اسی بدن مع الروح سے متعلق ہے، عقائد و کلام کی کسی کتاب میں ایک جگہ بھی یہ مذکور و مسطور نہیں کہ عذاب قبر صرف بدن مثالی کو ہوتا ہے اور بدن عنصری کو نہیں ہوتا۔

بخلاف اس کے تمام علماء دین وائمہ اہل سنت باصرار وتکرار بدلائل وشواہد بیان کر رہے ہیں کہ خواہ بدن کسی درندے وغیرہ کے پیٹ میں ہو، آگ میں جل جائے یا پانی میں غرق ہو، بہرحال جہاں بھی اس کا کوئی خفیف سے خفیف جز ہوا سے عذاب ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ ماکول وغریق وغیرہ جسد عنصری ہے نہ کہ بدن مثالی۔

لمحہ فکریہ: سوچنے کی بات ہے اگر بدن مثالی والی بات میں عندالشرع کوئی وزن ہوتا تو یہ حضرات بھی صرف بدن مثالی کا ذکر کر کے کیوں نہ جان چھڑا لیتے۔

جسد عنصری کو عذاب وثواب اسی قبر محسوس میں ہوتا ہے یا کسی اور مثالی مقام پر؟

یہ بات تو صاف ہوگئی کہ عذاب وتنعیم، دکھ اور سکھ اسی مادی بدن، جسد عنصری کو ہوتا ہے نہ کہ مثالی بدن کو۔
اب سوال یہ ہے کہ جسد عنصری کو عذاب وثواب اسی قبر محسوس میں ہوتا ہے یا کسی مثالی مقام پر ہوتا ہے؟

اس سلسلہ میں حضرت شیخ الحدیث بالکل عامیانہ بلکہ استہزائیہ انداز میں لکھتے ہیں: ''ظاہر بین علماء وعوام کا خیال ہے کہ دفن کے بعد پھر سے اس گڑھے میں روح واپس اسی جسد عنصری دھڑ میں ڈالی جاتی ہے۔ یہی گڑھا اس کے لئے عالم برزخ ہے۔ اسی گڑھے کو خدا تنگ یا وسیع کرتا ہے اسی گڑھے میں فرشتے سوال وجواب کے لئے، سزا وثواب کے لئے آتے ہیں۔ اسی گڑھے میں اس دھڑ کو اٹھاتے بٹھاتے ہیں، اسی کو سلاتے ہیں یہی دھڑ اٹھتا بیٹھتا کھاتا پیتا، نماز پڑھتا ہے۔'' (ندائے حق ص ۲۲۰)

یہی گڑھا اور یہی دھڑ کی گردان

ان حضرت کو اپنے جسم سے اتنی نفرت ہے کہ اسے جسم یا بدن کہنا تک بھی گوارا نہیں کرتے، دھڑ دھڑ کی رٹ لگا رکھی ہے۔ اسی طرح قبر سے اتنا شدید بغض ہے کہ قبر کو قبر کہنا تک روا نہیں رکھتے۔ گڑھا کہتے ہیں کہتے کیا ہیں؟ گڑھے گڑھے کی ایک گردان ہے جو جاری ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانوی

ہمارے حقیقت بین وحقیقت رس صاحب ''ندائے حق'' کو معلوم ہونا چاہئے کہ حکیم الامت، مجدد الملت، امام العصر، شیخ المشائخ، مرشد ومخدوم العلماء، راس الاتقیاء، محی السنہ، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ بھی انہیں ظاہر بین علماء میں شامل ہیں۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں ''جب مردہ کو لحد میں رکھا جاتا ہے اور اس کی قبر پر مٹی ڈالی جاتی ہے تو مٹی فرشتوں کو مردہ کے پاس جانے سے روک نہیں سکتی۔ اس تو وہ خاک سے ارواح کا ایک تعلق ہوتا ہے۔'' (المصالح العقلیہ حصہ سوم ص ۳۲۰)

امام ابن قیم رحمہ اللہ

امام ابن قیم رحمہ اللہ بھی اسی قبر میں فرشتوں کے مردہ سے سوال وجواب کے قائل ہیں۔ اسی قبر کی وسعت وتنگی اور اسی قبر میں میت کو اٹھانے بٹھانے کے قائل ہیں اور سختی کے ساتھ۔ چنانچہ اپنی شہرہ آفاق کتاب میں ایک مستقل عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں: ''واما المسئلة السابعه وهی قول السائل ما جوابنا للملاحدة والزنادقة المنكرين لعذاب

القبر وسعته وضيقه وكونه حفرة من حفر النار او روضة من الرياض الجنة وكون الميت لا يجلس ولا يقعد فيه" (اور ساتواں مسئلہ یہ ہے کہ سائل کہتا ہے کہ ان ملحدین اور زندیقین کا کیا جواب ہے جو عذاب قبر، قبر کی فراخی و تنگی اور اس کے آگ کا گڑھا یا جنت کا باغ ہونے نیز میت کے قبر میں بٹھانے کے منکر ہیں)۔ (کتاب الروح ص ۷۵)

اب امام رحمہ اللہ جواب رقم فرماتے ہیں: "فاذا وضع في لحده وسوى عليه التراب لم يحجب التراب الملائكة عن الوصول اليه بل لو نقرله حجر فاودع فيه وختم عليه بالرصاص لم يمنع وصول الملائكة اليه" جب میت کو لحد میں رکھا جاتا ہے اور اس پر مٹی ڈال دی جاتی ہے تو مٹی فرشتوں کو اس میت تک پہنچنے سے نہیں روک سکتی بلکہ اگر پتھر میں سوراخ کر کے اس میں میت کو رکھ دیا جائے اور اسے سیسے (گچ وغیرہ) سے بند کر دیا جائے تو وہ بھی فرشتوں کو میت تک پہنچنے سے روک نہیں سکتا۔ (کتاب الروح ص ۸۰)

"ومن اعظم الجهل استبعاد شق الملك الارض والحجر وقد جعلهما الله سبحانه له كالهواء للطير ولا يلزم من حجبها للاجسام الكثيفة ان تتولج حجبها للارواح اللطيفة وهل هذا الا من افسد القياس وبهذا وامثاله كذبت الرسل صلوات الله وسلامه عليهم" اور فرشتوں کا زمین اور پتھر کو چیر پھاڑ کر (اندر جانے کو) بعید اور مشکل سمجھنا سب سے بڑی جہالت ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے لئے مٹی اور پتھر کو ایسا کر دیا ہے جیسے پرندے کے لئے ہوا اور ان کا کثیف چیزوں کو اندر جانے سے مانع ہونا اس کو مستلزم نہیں کہ وہ لطیف ارواح کو بھی داخل ہونے سے روک دیں اور یہ قیاس کرنا ایک فاسد قیاس ہے اور اس قسم کے قیاسات فاسدہ سے حضرات رسل علیہم السلام کی تکذیب ہوتی ہے۔ (ایضاً ص ۸۸)

اللہ اکبر! حضرت امام قدس سرہ ونور اللہ مرقدہٗ نے کتنے سخت وشدید الفاظ میں اسی قبر کے اندر فرشتوں کے داخل ہونے اور اسی قبر کے اندر میت کو بٹھانے عذاب وثواب اور اسی قبر کو آگ کا گڑھا یا جنت کا باغ اور اسی قبر کی وسعت وفراخی یا ضیق اور تنگی کے منکرین کو تنبیہ کی ہے۔ ایسے لوگوں کو ملحد وزندیق اور رسولوں کا مکذب تک لکھ دیا ہے۔

کیا اس کے بعد بھی بعض حضرات بدستور اپنے اسی زعم فاسد پر قائم رہیں گے کہ عذاب قبر وغیرہ اسی گڑھے میں اسی دھڑ کو نہیں ہوتا بلکہ علیین میں ذرات ازلیہ کو ہوتا ہے؟ اور اسی قبر کے اندر اسی وجود کو عذاب وثواب وغیرہ یہ صرف عوام اور ظاہر بین ملاؤں کا خیال ہے۔

قبر کا عذاب وآرام اگر واقعی ہے تو ہمیں نظر کیوں نہیں آتا محسوس کیوں نہیں ہوتا؟

جاہل عوام تو بجائے خود ایک اہل علم بزرگ لکھتے ہیں اور تمسخر کے انداز میں لکھتے ہیں: "ظاہر بین علماء وعوام کا خیال ہے کہ اسی گڑھے کو خدا تنگ یا وسیع کرتا ہے پھر لطف یہ کہ کہتے ہیں یہ دھڑ جنت کے میوے کھا کھا کے خوب موٹا ہو گیا ہے۔ مگر ہماری نگاہ غلط بین اسے دبلا پتلا دیکھ رہی ہے یا آگ میں جل کر راکھ ہوتی دیکھ رہی ہے یا سمندر میں ڈوب کر گلی سڑی دیکھ رہی ہے۔" (ندائے حق ص ۲۲۰)

اس طعن وتمسخر اور استہزاء وانکار کی بنیاد اس بات پر ہے کہ یہ مشاہدہ کے خلاف ہے۔ ہماری نگاہ تو اسے قبر میں دبلا پتلا پڑا دیکھ رہی ہے۔ آگ میں جل کر راکھ ہوتا بھی دیکھ چکی ہے۔ سمندر میں گلا سڑا دیکھ چکی ہے مگر تم کہتے ہو کہ یہ جنت کے میوے کھا کھا کے خوب موٹا ہو گیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اس قبر کے اندر میت کو راحت و تنعم یا عذاب والم نہیں ہوتا نہ یہ قبر تنگ یا وسیع ہوتی ہے کیونکہ یہ مشاہدہ کے خلاف ہے۔ ہمیں یہ محسوس نہیں ہوتا یہ صرف ظاہر بین علماء یا عوام کا خیال ہے۔

۱...... حکیم الامت مجدد الملت حضرت شاہ اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ امام ابن قیم رحمہ اللہ کی عبارت کا ترجمہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ''پس عالم برزخ کا قیاس دنیا کے امور و مشاہدات پر کرنا محض جہالت اور گمراہی ہے اور نبی علیہ السلام کو جھٹلانا اور خداوند تعالیٰ قادر مطلق کو ایسے امور سے عاجز جاننا ٹھہرانا ہے اور یہ پرلے درجہ کی جہالت و گمراہی اور ظلم ہے۔ رب العالمین اس سے کیسے عاجز ہے کہ جس پر چاہے قبر کشادہ کرے اور لوگوں کی نظر سے اس کو پوشیدہ رکھے۔ وہ قادر ہے کہ لوگوں کو ایک چیز تنگ دکھائی دے۔ حالاں کہ وہ بہت کشادہ اور خوشبودار اور بہت بڑی نورانی اور روشن ہو، اور لوگ اس کو دیکھ نہ سکیں اور اسی طرح بالعکس۔ قبر کا تنگ یا فراخ ہونا یہ بھی ایک عالم باطن کے اسرار میں سے ہے، جسے اہل دنیا کی آنکھیں دیکھ نہیں سکتیں، عقلیں دریافت نہیں کر سکتیں، ہاں اہل کشف، صوفی و اولیاء اللہ لوگ دیدہ باطن سے اس کو دیکھ لیتے ہیں۔ اہل باطن بسا اوقات کشف قبور کے ذریعے سے مردوں کو قبروں میں معذب و مثاب دیکھتے ہیں۔'' (المصالح العقلیہ حصہ سوم ص ۳۲۶ تا ۳۲۸ ملخصاً بلفظہ)

حضرت حکیم الامت کے اس ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ قبر کی تنگی یا فراخی عالم باطن کے اسرار میں سے ہے اور قبر کا عذاب و آرام یہ عالم برزخ کی چیز ہے۔ عالم برزخ کے امور کو دنیا کے امور و مشاہدات پر قیاس کرنا اور عدم مشاہدہ کی صورت میں ان کا انکار کرنا جہالت و ضلالت اور ظلم ہے اور اصدق الصادقین محمد مصطفیٰ ﷺ کی تکذیب اور قدرت الٰہی کا انکار ہے۔ یہ امور عالم باطن کے اسرار میں سے ہیں جنہیں دنیوی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں۔ نہ ہی عقلیں دریافت کر سکتی ہیں۔ ہاں انہیں دیدہ باطن سے اہل کشف دیکھ لیتے ہیں۔

حضرت امام رحمہ اللہ ایک اور مقام پر رقم فرماتے ہیں: ''تبین لک ان ما اخبر به الرسول من عذاب القبر ونعيمه وضيقه وسعته وضمه وكونه حفرة من حفر النار او روضة من رياض الجنة مطابق للعقل وانه حق لا مرية فيه وان من اشكل عليه ذالك فمن سوء فهمه وقلة علمه'' واضح ہو کہ عذاب قبر، قبر کی راحت و آرام قبر کی تنگی و فراخی، اس کا گھونٹنا اور اس کا آگ کا گڑھا یا جنت کا باغ ہونا جس کی خبر رسول اللہ ﷺ نے دی ہے۔ یہ سب عقل کے مطابق ہے اور حق ہے اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں اور جسے یہ سب کچھ مشکل معلوم ہو تو یہ اس کے بدفہم اور قلیل العلم ہونے کی بنا پر ہے۔ (کتاب الروح ص ۷۹)

عذاب وثواب قبر مشاہدہ سے بھی ثابت ہے

اور حقیقت یہی ہے کہ کوئی عقل و علم کا دشمن ہی عذاب وثواب وغیرہ کا انکار کرے گا۔ عقل و فہم اور علم و بصیرت کا دشمن ہی نہ بلکہ بصارت و بینائی کا بھی دشمن یعنی نگاہ سے محروم کیونکہ عذاب قبر تو مشاہدہ سے بھی ثابت ہے۔ سینکڑوں واقعات مشہور و شاہد ہیں کہ قبروں میں آگ شعلہ زن پائی گئی اور متعدد واقعات موجود ہیں کہ اہل تقویٰ کی قبریں مشکبار پائی گئیں۔ کتابوں کے اندر ایسے واقعات مسطور و مذکور ہیں اور عہد حاضر میں شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمہ اللہ کی قبر کا مشکبار و عطر بیز ہونا ایک معروف واقعہ ہے۔ جس کا انکار دشمن بھی نہیں کر سکتا۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ عذاب قبر و برزخ کے واقعات و آثار سے متعلق پورے پانچ صفحے رقم کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"وهذه الاخبار و اضعافها و اضعاف اضعافها مما لا يتسع لها الكتاب مما اراه الله سبحانه لبعض عباده من عذاب القبر و نعيمه عياناً" یہ واقعات اوران سے کئی گنا واقعات اور کئی گنا کے کئی گنا! جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض بندوں کو آنکھوں سے دکھلائے ہیں عذاب قبر اور راحت قبر سے متعلق! اس کتاب میں ان واقعات کو درج کرنے کی گنجائش نہیں۔

"واما ما روية المنام فلو لا ذكرنا ها لجاءت عدة اسفار و من اراد الوقوف عليها فعليه (بكتاب المنامات لابن ابى الدنيا و (كتاب البستان) للقبروانى وغيرهما من الكتب المتضمنة لذالك و ليس عند الملاحدة و الزنادقة الا التكذيب بما لم يحيطوا بعلمه" باقی رہا خواب میں عذاب وثواب دیکھنے کے واقعات تو اگر ہم انہیں ذکر کریں تو کئی ضخیم کتابیں تیار ہوں جو ان واقعات سے باخبر ہونا چاہے وہ ابن ابی الدنیا کی کتاب المنامات اور امام قیروانی کی کتاب البستان پڑھے جن میں اس قسم کے واقعات ہیں اور ملحدوں اور زندیقوں کا کام تو واقعات کی تکذیب کرنا ہے جن تک ان کے علم کی رسائی نہ ہو سکے۔ (کتاب الروح ص ۸۷)

اس دنیا کے امور کو تو دیکھ نہیں سکتے، امور برزخ کو کیا دیکھیں گے

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں اور عجیب انداز میں رقم فرماتے ہیں: اللہ سبحانہ نے آخرت اور آخرت سے متصل دن (یوم وفات) کے امر کو اس دنیا میں لوگوں کے ادراک سے مستور اور مخفی رکھا ہے اور اس میں حکمت الٰہی کا کمال ہے اور غیب پر ایمان لانے والوں اور نہ لانے والوں میں فرق وامتیاز کا ذریعہ ہے۔

ان امور میں سے پہلی بات یہ ہے کہ فرشتے قریب المرگ انسان پر نازل ہوتے ہیں اس کے قریب بیٹھتے ہیں۔ وہ شخص ان کو آنکھوں سے دیکھتا ہے اور وہ اس کے قریب آپس میں باتیں کرتے ہیں، اس قریب المرگ آدمی کو سلام کرتے ہیں وہ ان کو جواب دیتا ہے کبھی لفظوں میں، کبھی اشارہ سے اور کبھی دل سے اور اس بارے میں آثار بے شمار ہیں اور ان سب سے واضح اور ابلغ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

"فلو لا اذا بلغت الحلقوم وانتم حينئذ تنظرون ونحن اقرب اليه منكم ولكن لا تبصرون" (واقعہ: ۸۳تا۸۵) پس جس وقت روح حلق تک آ پہنچتی ہے اور تم اس وقت دیکھتے ہو اور ہم (اس وقت) اس (مرنے والے) کے تم سے بھی نزدیک ہوتے ہیں لیکن تم نہیں دیکھتے۔

یعنی میں اپنے ملائکہ اور رسل کے ساتھ اس سے زیادہ قریب ہوں لیکن تم ان کو نہیں دیکھ سکتے۔ "فهذا اوّل الامر وهو غير مرئى لنا ولا مشاهد وهو فى هذه الدار" پس یہ پہلا امر ہے اور یہ دکھائی نہیں دیتا اور ہمارے مشاہدہ میں نہیں آتا حالانکہ یہ اسی دنیا میں ہے۔

پھر فرشتہ ہاتھ بڑھاتا ہے، روح قبض کرتا ہے اور اس سے خطاب کرتا ہے مگر حاضرین نہ اسے دیکھتے ہیں اور نہ اس کی باتیں سنتے ہیں۔ (کتاب الروح ص۷۹،۸۰ ملخصاً)

اسی سلسلہ میں آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں: بلاشبہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس دنیا میں ایسے واقعات بروئے کار لاتا ہے جو اس سے بھی زیادہ عجیب ہیں یہ جبرائیل نبی ﷺ پر نازل ہوتا تھا اور آدمی کی شکل میں متمثل ہو کر آپ سے باتیں کرتا تھا اور نبی کریم ﷺ کے پہلو میں بیٹھا ہوا شخص اسے نہیں دیکھ سکتا تھا نہ اس کی باتیں سن سکتا تھا اور یہ جن ہمارے درمیان بلند آواز سے باتیں کرتے ہیں اور ہم نہیں سن سکتے۔

فرشتے کفار کو کوڑوں سے مارتے ہیں ان کی گردنیں مارتے ہیں اور انہیں ڈانٹتے ڈپٹتے ہیں۔ ان کے پاس والے مسلمان نہ ان فرشتوں کو دیکھتے ہیں نہ ان کی باتیں سنتے ہیں اور جبرئیل علیہ السلام نبی ﷺ کو قرآن سناتے پڑھاتے تھے، لیکن حاضرین نہیں سنتے تھے۔ (کتاب الروح ص ۸۷)

عذاب قبر کے اخفاء میں حکمت الٰہی اور رحمت الٰہی مضمر ہے

حضرت امام رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: جو شخص اللہ سبحانہ کی معرفت رکھتا ہے اور اس کی قدرت کا قائل ہے۔ وہ ان حوادث کا کیسے انکار کرسکتا ہے جسے اللہ نے اپنی بعض مخلوق کی نگاہ سے اپنی حکمت اور رحمت سے مخفی رکھا ہے، کیونکہ ان میں ان حوادث کے دیکھنے اور سننے کی طاقت نہیں اور بندہ کی بینائی اور قوت سامع عذاب قبر کے مشاہدہ سے کمزور ہے اور جن کو اللہ تعالیٰ نے عذاب قبر دکھلایا۔ ان میں سے اکثر مدہوش ہوگئے اور ان پر غشی طاری ہوگئی اور ایک مدت تک دنیوی زندگی سے متمتع نہ ہوسکے اور ان میں سے بعض کے دل پھٹ گئے اور مر گئے۔ پس حکمت الٰہی کا کیسے انکار کیا جاسکتا ہے؟

''وکثیراً ممن اشھدہ اللہ ذالک صعق وغشی علیہ ولم ینتفع بالعیش زمناً وبعضھم کشف قناع قلبہ فمات فکیف ینکر فی الحکمۃ الالٰھیۃ'' (کتاب الروح ص ۸۷)

حضرت امام رحمہ اللہ کے ارشادات کا خلاصہ یہ ہے کہ عالم آخرت (برزخ) کے امور کو تو کوئی کیا دریافت کرے گا اس دنیا میں کئی امور ایسے ہیں جو مسلم ہیں۔ خود کتاب اللہ یا سنت ثابتہ سے ثابت ہیں۔ کسی کو ان کے انکار کی مجال نہیں۔ مگر وہ بھی عوام کے علم وادراک سے وراء الوراء ہیں۔ نہ آنکھ انہیں دیکھ سکتی ہے نہ کان سن سکتے ہیں۔ جب اس دنیا کے امور کا احساس وادراک ہم سے نہیں ہوسکتا تو عالم برزخ سے متعلق امور کا علم واحساس کیونکر ہوگا۔

پھر یہ فرمایا کہ ان عالم باطن وعالم برزخ کے امور کا عدم علم واحساس اور عذاب قبر وغیرہ امور کے نظر نہ آنے میں حکمت الٰہی کارفرما اور رحمت الٰہی مضمر ہے۔

۳...... امام المتکلمین امام غزالی رحمہ اللہ (متوفی ۵۰۵ھ) عذاب قبر پر بحث کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: یہ ضروری نہیں کہ عذاب سے ظاہر بدن پر حرکت ہو جیسا کہ سونے والے شخص کے ظاہر بدن کو دیکھنے والا شخص اس لذت کا مشاہدہ نہیں کرسکتا جس کا ادراک سونے والے کو احتلام کے وقت ہوتا ہے اور یہ دیکھنے والا اس درد والم کا ادراک نہیں کرسکتا۔ جس کا احساس سونے والا مار کے تخیل سے کرتا ہے''بل الناظر الی ظاھر النائم لا یشاھد ما یدرکہ النائم من اللذۃ عند الاحتلام ومن الالم عند تخیل الضرب'' (الاقتصاد فی الاعتقاد مطبوعہ قاہرہ ص ۹۷، تسکین الصدور ص ۷۷)

۴، ۵...... امام ابن ہمام اور امام مقدسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس سے کوئی محال لازم نہیں آتا کہ دیکھنے والا میت سے عذاب وغیرہ کا کوئی اثر نہیں دیکھتا۔

''فان النائم ساکن بظاھرہ وھو مع ذالک یدرک من الآلام واللذات ما یحس تاثیرہ عند یقظۃ من منامہ وخروج منی من جماع رآہ فی منامہ'' کیوں کہ سونے والا شخص بظاہر ساکن ہوتا ہے لیکن بایں ہمہ وہ تکالیف اور لذات کا احساس کرتا ہے اور بسا اوقات ان کا اثر بیداری کے وقت ظاہر ہوتا ہے۔

(المسامرہ مع المسایرہ ج ۲ ص ۱۱۸ مطبوعہ مصر، تسکین الصدور ص ۷۴)

ان دونوں بلکہ تینوں علماء اعلام رحمہم اللہ کے ان ارشادات کا خلاصہ یہ ہے کہ مردہ پر عذاب قبر بظاہر معلوم

نہیں ہوتا۔ مثلاً اگر کسی مردہ کو سائنسی اصول کے مطابق ممی بنا کر شیشے کے تابوت میں رکھ دیا جائے تو مردہ برابر صحیح وسالم رہے گا اور اس پر عذاب وغیرہ کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوگا۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مردہ کو بھی کوئی عذاب وغیرہ نہیں ہو رہا۔ اس کی مثال ان دونوں عبارتوں میں رؤساء متکلمین اسلام نے یہ دی ہے کہ ایک انسان نیند کر رہا ہے اور نیند میں وہ خواب کے اندر مباشرت کرتا ہے تو اسے لذت محسوس ہوتی ہے ناپاکی کا اثر بیدار ہونے کے بعد اس شخص کے بدن اور کپڑوں پر ہوتا ہے اور شریعت خواب کے اس عمل اور اس کے اثر و نتیجہ کو تسلیم کرتی ہے اور غسل کا حکم دیتی ہے۔ اسی طرح اگر خواب میں کوئی مار پڑتی ہے تو اس کا درد والم بھی نیند میں محسوس ہوتا ہے اور بعض اوقات جاگنے پر بھی اس کا اثر باقی رہتا ہے۔ مگر یہ سب رنج و راحت لذت والم سونے والے کو محسوس ہوتا ہے قریب ہی اگر کوئی شخص بیٹھا ہوا ہے تو وہ اس کے لذات و آلام کو محسوس و معلوم نہیں کر سکتا۔ (قریباً یہی الفاظ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی فرمائے ہیں۔ (کتاب الروح ص ۸۸)) کیوں کہ بظاہر تو وہ سونے والا بالکل بے حس و حرکت خاموش پڑا ہے حدیث میں نیند کو موت کی بہن فرمایا گیا ہے۔ نیند کی آغوش میں سونے والے کے الم و لذات کا ادراک ہم نہیں کر سکتے۔ حالانکہ خود سونے والے پر اس کے اثرات بیداری میں بھی ظاہر ہوتے ہیں۔

اسی طرح میت پر جو کچھ بیت رہی ہے اس کا احساس بھی اس میت کو ہو رہا ہے اور یقیناً ہو رہا ہے لیکن زندہ کو کچھ بھی محسوس نہیں ہو سکتا۔ اسے تو نائم کے احساس لذت والم کا علم نہیں ہو سکتا۔ مردہ کے عذاب و آرام کا احساس کب ہو سکتا ہے؟

ایں طرفہ تماشہ بیں!

سونے والا نیند کے اندر خواب میں جو کچھ دیکھتا ہے بیدار ہونے پر اس کے اثرات نہ صرف اپنے بدن پر موجود پاتا ہے بلکہ بعض اوقات یہ اثرات دوسروں کے بدن پر بھی ظاہر ہوتے ہیں۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں: "واعجب من هذا ان ارواح النائم يحصل لها في المنام آثار فتصبح تراها على البدن عيانا وهي من تاثر الروح كما ذكر القيرواني في (كتاب البستان)" اور عجیب تر بات یہ ہے کہ سونے والے کی روح کو خواب میں (دوسروں کے متعلق) جو آثار حاصل ہوتے ہیں صبح کو وہی آثار وہ (دوسروں کے) بدن پر ظاہر دیکھتا ہے اور یہ روح کا روح میں تاثر ہے جیسا کہ علامہ قیروانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "کتاب البستان" میں ذکر کیا ہے۔

۱...... سلف میں سے کسی نے کہا میرا ایک ہمسایہ تھا وہ حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو سب و شتم کیا کرتا تھا۔ ایک دن اس نے دونوں حضرات کو بہت زیادہ شتم کیا۔ میں بہت زیادہ مغموم ہوا، بغیر عشا پڑھے سو گیا رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا میں نے عرض یا رسول اللہ فلاں شخص آپ ﷺ کے اصحاب کو سب و شتم کرتا ہے فرمایا میرے کون سے اصحاب کو؟ میں نے عرض کیا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو۔ فرمایا یہ چھری لے لو اور اس سے اسے ذبح کر دو۔ چنانچہ میں نے وہ چھری لے کر اس کو جا پچھاڑا اور ذبح کر دیا۔ دیکھا کہ میرے ہاتھ پر اس کا کچھ خون لگ گیا میں چھری پھینک کر ہاتھ زمین پر مارنے لگا کہ جاگ اٹھا اور اس ہمسایہ کے گھر سے چیخنے چلانے کی آواز سنی۔ پوچھا یہ کیسی آواز ہے؟ لوگوں نے کہا فلاں اچانک مر گیا ہے۔ صبح کو میں نے جا کر اسے دیکھا تو اس کی گردن پر (چھری کا) نشان تھا۔

۲...... ابن ابی الدنیا نے ابو حاتم رازی اور اس نے محمد بن علی سے روایت کی اس نے کہا ہم مکہ میں تھے مسجد الحرام میں بیٹھے تھے ایک آدمی اٹھا اس کا آدھا منہ کالا تھا اور آدھا سفید۔ کہا اے لوگو! مجھ سے عبرت پکڑو۔ میں

(حضرات) شیخین کو سب وشتم کرتا تھا۔ ایک رات سویا ہوا تھا کوئی آیا اور میرے منہ پر طمانچہ مارا اور کہا اے عدو اللہ! اے فاسق! کیا تو ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو سبّ نہیں کرتا تھا؟ صبح کو میری یہ حالت تھی۔

۳...... محمد بن عبداللہ المہلبی نے کہا میں نے خواب میں دیکھا کہ میں کسی کے فراخ مکان میں ہوں نبی ﷺ اونچی جگہ پر تشریف فرما ہیں آپ کے ساتھ (حضرات) ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کے سامنے کھڑے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے عرض کیا یارسول اللہ! فلاں مجھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیتا ہے۔ فرمایا اسے لے آؤ چنانچہ وہ عمان کے ایک شخص کو لے آئے وہ ان دونوں کو سب کرنے میں مشہور تھا۔ حضرت ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا اسے پچھاڑو، چنانچہ انہوں نے پچھاڑ دیا۔ فرمایا ذبح کردو۔ چنانچہ ذبح کردیا۔ محمد بن عبداللہ کہتے ہیں چنانچہ میں اس کی چیخ سے بیدار ہوا۔ جب اس کے گھر کے قریب پہنچا تو رونے دھونے کی آواز سنی۔ معلوم ہوا کہ وہ عمانی رات اپنی چارپائی پر ذبح کردیا گیا۔ میں نے اس کے قریب جاکر دیکھا تو اس کی گردن پر اس کان سے اس کان تک جمے ہوئے خون کا سرخ نشان تھا۔

۴...... قیروانی نے کہا کہ مجھے ایک فاضل شیخ نے خبر دی کہ مجھے ابوالحسن المطلبی امام مسجد نبوی نے فرمایا میں نے مدینہ میں ایک عجیب ماجرا دیکھا، ایک شخص (حضرات) ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو سب وشتم کرتا تھا ایک دن صبح کی نماز کے بعد ایک شخص سامنے آیا اس کی دونوں آنکھیں نکل کر اس کے رخساروں پر آپڑی تھیں، ہم نے اس سے قصہ پوچھا اس نے کہا رات میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے سامنے کھڑے ہیں اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما بھی آپ ﷺ کے ساتھ ہیں۔ ان دونوں نے کہا یارسول اللہ! یہ ہمیں تکلیف دیتا ہے۔ ہمیں سب کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا اے ابوقیس! تجھے کس نے سب کرنے کو کہا؟ میں نے کہا (حضرت) علی رضی اللہ عنہ نے اور ان کی طرف اشارہ کیا اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ میری طرف متوجہ ہوئے ہاتھ اٹھایا اس کی درمیان والی انگلی اور انگوٹھے کے ساتھ والی یہ دو انگلیاں میری آنکھوں کی طرف کیں، فرمایا اگر تو نے جھوٹ بولا تو اللہ تیری دونوں آنکھیں پھوڑ دے اور اپنی دونوں انگلیاں میری آنکھوں میں داخل کردیں۔ میں نیند سے جاگ اٹھا۔ یہ حال ہے میرا۔ روتا تھا لوگوں کو حال سناتا تھا اور روزروز سے توبہ کرتا تھا۔

۵...... اور ابن ابی الدنیا کی کتاب المنامات میں ہے وہ قریش کے ایک شیخ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا میں نے شام میں ایک شخص کو دیکھا کہ اس کا آدھا منہ کالا تھا وہ اسے ڈھانپے رکھتا تھا میں نے اس سے اس کی حقیقت پوچھی تو اس نے بتلایا میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سخت بغض رکھتا اور ان پر سبّ کرتا تھا۔ میں ایک رات کو سو رہا تھا کہ نیند میں ایک شخص آیا اور مجھ سے کہا تو مجھ سے بغض رکھتا ہے اور مجھے سب کرتا ہے اور میرے منہ کے آدھے حصے پر تھپڑ مارا میں چیخ اٹھا تو میرا آدھا منہ کالا تھا۔ (کتاب الروح ص ۲۳۰ تا ۲۳۵ ملخصاً بلفظہ)

بیس واقعات نقل کر کے امام ابن قیم لکھتے ہیں ''والوقائع فی ھذا الباب اکثر من ان تذکر'' اس بارے میں واقعات بے شمار ہیں ان سے جہاں یہ حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ نائم کو خواب میں جو آثار محسوس ہوتے ہیں بیداری میں وہی اثرات نائم کے جسم پر نہیں بلکہ دوسروں کے جسم پر بھی ظاہر ہوتے ہیں، وہاں یہ حقیقت بھی منکشف ہوگئی کہ یاران رسول ﷺ، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن وتشنیع اور سب وشتم کرنے والے پر آخرت میں تو جو گزرے گی، گزرے گی، بعض دفعہ اسی دنیا میں اس ظالم کو اللہ رب العزت پکڑ لیتے ہیں اور وہ مرنے سے پہلے، زندگی میں اور جہنم اور قبر سے پیشتر اسی دنیا میں سزاوعذاب میں مبتلا کردیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بغض وعناد سے محفوظ رکھے اور ہمیں ان کی سچی محبت اور حسن عقیدت سے بہرہ اندوز فرمائے۔ آمین ثم آمین!

(۲) حیات فی القبر (قبر میں جسم کے روح کا تعلق)

اعادۃ الروح فی الجسد

حضرت براء بن عازب سے روایت ہے، حضور ﷺ نے فرمایا:

۱ ...... ''فتعاد روحہ فی جسدہ (رواہ احمد)'' پس اس میت کی روح اس کے جسد میں لوٹائی جاتی ہے۔
(مشکوٰۃ المصابیح باب مایقال عند من حضرہ الموت)

الف: امام ابن قیم ؒ لکھتے ہیں: رواہ الامام احمد و ابو داؤد و روی النسائی و ابن ماجہ اولہ۔
(کتاب الروح ص ۵۱)

ب: ''رواہ احمد و رواہ ایضاً ابو داؤد و الحاکم و ابن ابی شیبہ و ابن مندہ و ابو نعیم و ابو عوانہ فی صحیحہ و البیھقی و قال ھذا حدیث صحیح الاسناد''
(تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۴،۳۱۴، مقام حیات ص ۲۱۹)

ج: امام ابن قیم ؒ (متوفی ۷۵۱ھ) لکھتے ہیں: ''ھذا حدیث ثابت مشھور مستفیض صححہ جماعۃ من الحفاظ و لا نعلم احدا من ائمۃ الحدیث طعن فیہ بل رووہ فی کتبھم و تلقوہ بالقبول و جعلوہ اصلا من اصول الدین فی عذاب القبر و نعیمہ'' یہ حدیث صحیح مشہور اور مستفیض ہے اور حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے اس کی تصحیح کی ہے اور ہمیں معلوم نہیں کہ ائمہ حدیث میں سے کسی نے اس میں طعن کیا ہو بلکہ انہوں نے اس کو اپنی کتابوں میں روایت کیا اور اسے قبول کیا اور قبر میں عذاب و راحت وغیرہ کے سلسلہ میں اس روایت کو اصول دین میں شمار کیا ہے۔ (کتاب الروح ص ۵۹)

۲ ...... بروایت حضرت براء بن عازب ؓ نے ارشاد فرمایا ﷺ: ''ویعاد روحہ فی جسدہ'' اور اس (میت) کی روح اس کے بدن میں لوٹائی جاتی ہے۔ (رواہ احمد و ابو داؤد، مشکوٰۃ المصابیح باب اثبات عذاب القبر)

حاکم ؒ نے بھی اسے روایت کیا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے۔ (فیض الباری شرح بخاری حاشیہ ص ۱۸۴ ج اوّل)

فی بمعنی الیٰ

چونکہ قرآن و حدیث اور اجماع امت سے یہ ثابت و محقق و مسلم ہے کہ موت کے بعد بدن کے اندر روح قیامت کے دن لوٹائی جائے گی۔ اس سے پہلے نہیں۔ لہٰذا ان مشہور و مستفیض صحیح احادیث کی تاویل یہ کی گئی ہے کہ فی بمعنی الیٰ ہے اور روح بدن میں لوٹائی جاتی ہے، کے معنی ہیں روح بدن کی طرف لوٹائی جاتی ہے نہ کہ بدن کے اندر ڈالی جاتی ہے۔

حضرت جابر ؓ کی روایت میں خود الیٰ کا لفظ ہے۔ ارشاد فرمایا ﷺ: ''فاذا دخل قبرہ رد الروح الی جسدہ (اخرج ابن ابی الدنیا و ابو نعیم)'' (شرح الصدور از علامہ جلال الدین سیوطی مطبوعہ مصر ص ۴۹)

اعادۃ الروح الیٰ الجسد

ائمہ دین نے فی کو الیٰ سے تعبیر کیا ہے۔

۱...... امام الائمۃ الامام الاعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ (متوفی ۱۵۰ھ) کا ارشاد ہے"وسؤال منکر ونکیر حق کائن فی القبر واعادۃ الروح الی جسدہ العبد فی قبرہ حق وضغطۃ القبر وعذابہ حق" منکر ونکیر کا سوال حق ہے قبر میں ہوگا اور قبر میں بندے کے جسم کی طرف روح کا لوٹانا حق ہے اور قبر کا بھینچنا اور عذاب حق ہے۔ (الفقہ الاکبر الامام الاعظم مطبوعہ مصر ص ۱۸۰)

۲...... شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (متوفی ۷۲۸ھ) کا قول ہے:"الاحادیث الصحیحۃ المتواترۃ تدل علی عود الروح الی البدن وقت السؤال" احادیث صحیحہ متواترہ (منکر نکیر کے) سوال کے وقت روح کے بدن کی طرف عود پر دلالت کرتی ہیں۔ (کتاب الروح لابن القیم المسئلۃ الاولیٰ ص ۶۲)

۳...... شیخ الاسلام امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:"الجمهور فقالوا تعاد الروح فی الجسد او بعضہ کما ثبت فی الحدیث" جمہور کہتے ہیں کہ روح کو جسم کی طرف لوٹایا جاتا ہے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے۔
(فتح الباری باب عذاب القبر)

۴...... علامہ سید آلوسی بغدادی رحمہ اللہ اپنی شہرہ آفاق تفسیر میں لکھتے ہیں:"والجمهور علی عود الروح الی الجسد او بعضہ وقت السؤال" (روح المعانی ج ۲۲ ص ۵۷)

ملاحظہ فرمایا، نہ صرف امام الائمہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ، شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور شیخ الاسلام ابن حجر رحمہ اللہ بلکہ جمہور ائمہ اہل سنت اعادۂ روح فی الجسد کے معنی عود الروح الی الجسد فرماتے ہیں جس سے مستفاد ہوتا ہے کہ روح بدن کے اندر نہیں بلکہ بدن کی طرف لوٹائی جاتی ہے۔

تعلق الروح بالجسد

اور بدن کی طرف روح لوٹانے کا مقصد روح کا بدن کے ساتھ فی الجملہ تعلق قائم کر دینا ہے۔

حضرت امام ابن قیم رحمہ اللہ (متوفی ۷۵۱ھ) اعادۂ روح کو تعلق بالبدن سے تعبیر کرتے ہیں:"ثم تعاد روحہ فی جسدہ لا یدل علی حیاۃ مستقرۃ وانما یدل علی اعادۃ لها الی البدن وتعلق بہ والروح لم تزل متعلقۃ ببدنها وان بلی وتمزق" پھر میت کی روح کا اس کے جسم میں لوٹانا حیات مستقلہ پر دلالت نہیں کرتا۔ یہ روح کے بدن کی طرف اعادہ اور اس کے ساتھ تعلق پر دلالت کرتا ہے اور روح کا تعلق بدن سے ہمیشہ رہتا ہے۔ خواہ بدن بوسیدہ اور ذرہ ذرہ ہو جائے۔ (کتاب الروح ص ۵۳)

دیکھئے شارح الفقہ الاکبر امام العصر حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۱۴ھ) اعادہ روح کی شرح تعلق روح سے فرماتے ہیں:"اعادۃ الروح ای ردها او تعلقها الی العبد ای جسدہ بجمیع اجزائہ او بعضها مجتمعۃ او متفرقۃ فی قبرہ حق" اور روح کا لوٹانا یعنی اس کا پھیرنا اس کا تعلق بندے کی طرف اس کے جسم کی طرف تمام اجزا یا بعض اجزاء کی طرف، مجتمع ہوں یا متفرق اس کی قبر میں حق ہے۔ (شرح فقہ اکبر از ملا علی قاری مطبوعہ مصر ص ۹۰)

خلاصہ یہ کہ قبر میں بدن کے ساتھ روح کا تعلق قائم کر دیا جاتا ہے۔

اتصال الروح بالجسد (جسم کے ساتھ روح کا اتصال)

بعض اجلہ عمائد امت نے اس تعلق کو اتصال سے تعبیر فرمایا ہے۔ خاتم المفسرین علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ

(المتوفی ۱۲۷۰ھ) ارشاد فرماتے ہیں:

۱...... ”وعوّل بعض المحققين على ان الارواح حيث كانت لها اتصال لا يعلم حقيقته الا الله تعالى بذالك ترد السلام وتعرف المسلم ويعرض عليها مقعدها من الجنة او النار“

(تفسیر روح المعانی پارہ ۱۵ تفسیر یسئلونک عن الروح)

بعض محققین نے اس پر اعتماد کیا کہ ارواح جہاں بھی ہوں ان کا (اجسام کے ساتھ) اتصال ہے جس کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اسی اتصال سے وہ سلام کا جواب دیتی ہیں اور سلام کرنے والے کو پہچانتی ہیں اور اسی اتصال سے ان پر ان کا ٹھکانا، بہشت یا دوزخ پیش کیا جاتا ہے۔

۲...... امام ابن قیم رحمہ اللہ ”فليس للارواح سعيدها وشقيها مستقر واحد وكلها على اختلاف محالها وتباين مقارها لها الاتصال باجسادها في قبورها ما يحصل من النعيم والعذاب“ سعید وشقی روحوں کا مقام واحد نہیں، اختلاف محل ومقر کے باوجود سب روحوں کو قبروں میں اپنے اجساد سے اتصال ہے تاکہ موتی کو عذاب وآرام محسوس ہو سکے۔ (شرح الصدور ص ۱۰۱)

۳...... شیخ الاسلام ابن حجر رحمہ اللہ: ”لكل روح بجسدها اتصال معنوی لا يشبه الاتصال في الحيوة الدنيا“ ہر روح کو اس کے جسم کے ساتھ معنوی اتصال ہے جو دنیوی زندگی کے اتصال سے مشابہ نہیں۔ (ایضاً ص ۱۰۲)

قبر میں جسد کا اتصال معنوی ہے، حقیقی نہیں، یعنی جس طرح دنیوی زندگی میں روح وجسم کا اتصال تھا، ویسا اتصال قبر میں نہیں۔

۴...... خاتم المفسرین حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) رقم فرماتے ہیں: ارواح مومنین کی جگہ علیین ہے اور ارواح کفار کی جگہ سجین ”ومع ذالك لكل روح منها اتصال بجسده في قبره لا يدرك كنهه الا الله تعالى وبذالك الاتصال يصح ان يعرض على الانسان المجموع المركب من الجسد والروح مقعده من الجنة او النار ويحس اللذة والالم ويسمع سلام الزائر ويجيب المنكر والنكير ونحو ذالك بما ثبت بالكتاب والسنة“ بایں ہمہ ہر روح کا جسم کے ساتھ قبر میں اتصال جس کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اس اتصال کی وجہ سے صحیح ہے کہ انسان پر جو جسم اور روح دونوں کا مجموعہ اور مرکب ہے اس کا ٹھکانا پیش کیا جائے۔ جنت یا آگ سے اور وہ لذت یا دکھ محسوس کرے اور زیارت کرنے والے کا سلام سنے اور منکر ونکیر کا جواب دے اور اس کی مثل جو امور کتاب وسنت سے ثابت ہیں۔ (تفسیر مظہری ج ۱ ص ۲۲۵)

نوعاً من الحیات

ائمہ دین نے اسی تعلق واتصال روح بالجسد کو ایک نوع کی حیات سے تعبیر فرمایا ہے:

۱...... امام المتکلمین علامہ سعد الدین تفتازانی (متوفی ۷۹۲ھ) لکھتے ہیں: ”ويجوز ان يخلق الله تعالى في جميع الاجزاء او في بعضها نوعا من الحيوة قدر ما يدرك الم العذاب ولذة التنعيم“ اور جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ میت کے تمام اجزاء یا بعض میں ایک گونہ حیات پیدا کر دے جس سے وہ عذاب کا دکھ درد اور نعمتوں کی لذت محسوس کر سکے۔ (شرح عقائد ص ۷۷)

۲...... امام الفقہاء والمحدثین حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: ''واعلم ان اھل الحق اتفقوا علی ان اللہ تعالٰی یخلق فی المیت نوع حیوۃ فی القبر قدر ما یتالم او یتلذذ'' جان لیجئے کہ سب اہل حق (اہل سنت) کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالٰی قبر میں میت کے اندر اس قسم کی حیات پیدا فرما دیتے ہیں کہ وہ الم ولذت سے بہرہ ور ہو سکے۔
(شرح فقہ اکبر مطبوعہ مصر ص ۹۰)

غور فرمایئے، امام الاحناف رحمہ اللہ قبر میں اس نوعیت کی حیات پر اہل حق کا اتفاق نقل فرما رہے ہیں۔ یعنی حیات میت فی القبر اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے۔

۳...... رأس الاتقیاء حضرت مولانا نصیر الدین غورغشتی رحمہ اللہ خلیفہ اعظم امام المؤحدین حضرت مولانا حسین علی صاحب لکھتے ہیں: موت کے بعد بھی انسان میں ایک نوع حیات موجود رہتی ہے جس سے وہ ثواب اور عذاب سمجھتا ہے۔ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ میت کو چار پائی پر قبرستان لے جاتے وقت اگر مومن ہے تو ''قدمونی، قدمونی'' (مجھے جلد پہنچادو) کہتا ہے اور اگر نافرمان اور کافر ہے تو کہتا ہے اے مجھے ہلاکت ہو مجھے کہاں لے جا رہے ہو۔ قبر میں سوال منکر ونکیر، میت سے دفن کے بعد لوگوں کے واپسی کے وقت جوتوں کی آواز سننا، قبر میں عذاب اور ثواب، یہ دلیل ہے کہ موت کے بعد بھی انسان میں ایک قسم کی حیات موجود رہتی ہے۔ شہداء کے حق میں قرآن کا اعلان ''احیاء'' حیات میت کی دلیل ہے۔ مسکین نصیر الدین غورغشتی (مقام حیات ص ۲۶۹)

حیات فی القبر

نوعاً من الحیات کے بعد اتصال وتعلق روح بالجسد کو حیات فی القبر سے تعبیر کر دیا گیا اور یہ حیات فی القبر حضرات انبیاء وصدیقین وشہداء وصالحین علیہم السلام سے مختص نہیں، جمیع موتی سے متعلق ہے یعنی عام مردوں سے متعلق۔

امام تقی الدین السبکی (متوفی ۷۵۶ھ) رقم طراز ہیں: ''وقد اجمع اھل السنۃ علی اثبات الحیوۃ فی القبور'' بیشک قبروں میں اثبات حیات پر اہلسنت کا اجماع ہے۔ پھر آگے لکھتے ہیں ''ان حیوۃ جمیع الموتی بارواحھم واجسامھم فی قبورھم لا شک فیھا'' بلاشبہ تمام مردوں کا قبروں میں اپنے ارواح اور اجسام (دونوں) کے ساتھ زندہ ہونا اس میں کوئی شک نہیں۔ (شفاء السقام مطبوعہ حیدرآباد دکن ص ۱۵۱ و ۱۵۳، تسکین الصدور ص ۷۰)

حیات فی القبر کی نوعیت (یہ حیات حقیقی نہیں، معنوی ہے، دنیاوی حیات کے مغائر)

ہر میت کی روح کو بدن کے ساتھ اتصال وتعلق ہے اور اسی بنا پر ہر مردہ کو قبر میں ایک گونہ حیات حاصل ہے۔
اب سوال یہ ہے کہ اس حیات فی القبر کی نوعیت کیا ہے؟ اس کے لئے علماء اعلام امت کے ارشادات ملاحظہ ہوں:

۱...... شیخ الاسلام امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (م ۸۵۲ھ) کا ارشاد بھی نقل ہوا ہے، فرماتے ہیں کہ ''ہر روح کو جسم کے ساتھ معنوی اتصال ہے ''لا یشبہ الاتصال فی الحیوۃ الدنیا'' جو دنیوی زندگی میں روح کے اتصال بالجسد کے مشابہ نہیں۔'' (شرح الصدور ص ۱۰۲)

یعنی قبر میں جسم کے ساتھ اتصال روح کی نوعیت دوسری ہے، وہ دنیا والی نہیں۔ گویا اتصال روح بالجسد سے قبر میں جو حیات تسلیم کی گئی ہے۔ وہ دنیوی حیات سے مشابہ نہیں بلکہ مغائر ہے، فی الجملہ قبر میں زندگی تو ہے مگر دنیوی زندگی کی طرح حقیقی نہیں، معنوی ہے۔

۲...... خاندان ولی اللّٰہی کے چشم و چراغ خاتم المحدثین والمفسرین حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: ”در قبر احیاء و اماتت حقیقتاً نیست بسبب انعکاس اشعۂ روح بر بدن تعلق پیدا می شود کہ تغذیہ و تنمیۂ بدن ہمراہ آں نمے باشد تا معنی حیات متحقق باشد بلکہ آں تعلق شبیہ است بتعلق عاشق بمعشوق یا مالک بمملوک کہ آلہ تعذیب و تنعیم مے تواند شد“۔ قبر میں زندہ کرنا اور مارنا حقیقی نہیں بلکہ بدن پر روح کی شعاؤں کے انعکاس کے سبب بدن سے روح کا ایک تعلق پیدا ہو جاتا ہے اس تعلق سے بدن کو غذا نہیں ملتی نہ اس کی نشو و نما ہوتی ہے کہ حقیقی حیات متحقق ہو۔ بلکہ وہ تعلق عاشق و معشوق اور مالک و مملوک کے تعلق کے مشابہ ہے کہ اس سے بدن کو عذاب یا نعمتوں کا احساس ہو سکے۔

”در عرف تعلق روح را بہ بدن مطلقا از یں نوع باشد یا ازاں نوع، حیات مے گویند و در بعضے آیات واحادیث ایں تعلق را بحیات تعبیر کردہ اند۔“ بدن سے روح کا تعلق اس قسم کا ہو خواہ اس قسم کا عرف میں مطلق اس تعلق کو حیات کہتے ہیں اور بعض آیات واحادیث میں بھی اس تعلق کو حیات سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

(تحفہ اثنا عشریہ مطبوعہ ثمر ہند دہلی ص ۳۸۲ شائع شدہ ۱۲۹۵ھ)

حضرت رحمہ اللہ کے اس ارشاد بلیغ سے جہاں یہ حقیقت واضح ہو گئی ہے کہ قبر کی حیات حقیقی نہیں، صرف روح کی شعاؤں کے پرتو سے بدن میں اتنی زندگی پیدا ہو جاتی ہے کہ تعذیب و تنعیم کو محسوس کر سکے ورنہ حیات کا حقیقی معنی متحقق نہیں ہوتا۔ وہاں یہ راز بھی کھل گیا کہ عرف میں روح کے بدن کے ساتھ اسی تعلق کو حیات کہتے ہیں اور یہ حقیقت بھی منکشف ہو گئی کہ آیات واحادیث میں بھی اسی تعلق روح بالجسد کو حیات سے تعبیر کیا گیا ہے۔ گویا نہ صرف عرف میں اسی تعلق کو زندگی کہا جاتا ہے بلکہ عند اللہ اور عند الرسول بھی یہی تعلق زندگی ہے۔

۳...... امام قاسم بن قطلو بغا (متوفی ۸۷۹ھ) لکھتے ہیں: ”قال الامام القونوی (۷۵۸ھ) اختلفوا فی انہ یخلق فیہ حیوۃ مطلقۃ کحیاتہ قبل الموت او حیوۃ بقدر ما یحسّ الالم والصحیح ھذا“ امام قونوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس بات میں اختلاف ہے کہ میت میں حیات مطلقہ (کاملہ) پیدا کی جاتی ہے، معرفت سے پہلے کی حیات کی طرح یا اس قدر حیات پیدا کی جاتی ہے جس سے وہ دکھ کا احساس کر سکے اور یہی صحیح ہے۔

(شرح المسائرہ للقتلو بغا ج ۲ ص ۱۱۶ مطبوعہ مصر، تسکین الصدور ص ۵۷)

قبر کی حیات، حیات مطلقہ، قبل موت کی حیات کی طرح نہیں بلکہ یہ فی الجملہ حیات ہے جس سے میت کو الم ولذت کا احساس وادراک ہو سکے۔

۴...... علامہ ابن عبدالہادی (متوفی ھ) لکھتے ہیں: ”وفی الجملۃ رد الروح علی المیت فی البرزخ ورد السلام علی من یسلم علیہ لا یستلزم الحیوۃ التی یظنھا بعض الغالطین وان کان نوع حیات برزخیۃ وقول من زعم انھا نظیر الحیوۃ المعھودۃ مخالف للمنقول المعقول“ خلاصہ یہ کہ برزخ میں میت کی طرف روح کو لوٹانا اور اس کا سلام کرنے والوں کو جواب دینا اس حیات کو مستلزم نہیں جس کو بعض مغالطین نے سمجھا ہے۔ اگرچہ یہ حیات برزخیہ کی ایک قسم ہے اور جن لوگوں کا زعم ہے کہ وہ برزخی حیات (دنیا کی) معروف زندگی کی طرح ہے ان کا قول نقل و عقل (دونوں کے خلاف ہے) (الصارم المنکی ص ۱۸۷، تسکین الصدور ص ۹۵)

یہ حیات فی البرزخ، حیات برزخیہ کی ایک قسم ہے۔ دنیا کی معروف زندگی کی طرح نہیں، اگر کوئی یہ کہے کہ بالکل دنیا کی معروف و معلوم زندگی کی طرح ہے تو یہ عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے۔

۵...... امام ابن قیم رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: ''من ظن ان المیت یحیٰ فی قبرہ ان اراد بہ الحیوۃ المعھودۃ فی الدنیا فھذا خطاء والحس والعقل یکذبہ کما یکذبہ النص وان اراد بہ حیات اخریٰ غیر ھذہ الحیات بل تعاد الروح الیہ اعادۃ غیر الاعادۃ المالوفۃ فی الدنیا یسئال ویمتحن فی قبرہ فھذا حق ونفیہ خطاء وقد دل علیہ النص الصحیح الصریح وھو قولہ ﷺ فتعاد الروح فی جسدہ'' جس کا یہ خیال ہے کہ میت قبر میں زندہ کی جاتی ہے اگر اس سے دنیا کی معروف زندگی مراد ہے تو یہ غلط ہے اور حس اور عقل کی طرح نص بھی اس کی تکذیب کرتی ہے اور اگر قبر کی حیات سے اس دنیا کی زندگی کے علاوہ کوئی دوسری حیات مراد ہے جس میں روح بدن کی طرف لوٹائی جائے۔ لیکن یہ اعادہ دنیا کی زندگی میں اعادہ مالوفہ کے علاوہ ہو، جس سے قبر میں اس سے سوال اور امتحان ہو سکے۔ سو ایسی حیات حق ہے اور اس کی نفی غلط ہے اور بیشک اس پر صحیح وصریح حدیث دلالت کرتی ہے کہ روح جسم میں لوٹائی جاتی ہے۔ (کتاب الروح ص ۵۲)

حضرت امام کا یہ بیان نہایت واضح ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قبر کی حیات تو حق ہے اس کا انکار خطا ہے لیکن حیات قبر کو دنیا کی معروف زندگی سمجھنا بھی حس، عقل، نقل اور نص سب کے خلاف ہے۔

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: ''وھذا عود غیر التعلق الذی کان لھا فی الدنیا بالبدن وھو نوع آخر'' قبر میں روح کا اعادہ روح اور بدن کے اس تعلق سے مغائر ہے جو دنیا میں تھا، یہ تعلق دوسری نوعیت کا ہے۔
(کتاب الروح ص ۶۲)

جب اس دنیا میں حیات کاملہ کا اعادہ ثابت ہے تو حیات غیر مستقرہ کا اعادہ کیوں ممکن نہیں

یہاں حضرت امام رحمہ اللہ اس سلسلہ میں ایک عجیب علمی ایمان افروز بحث فرماتے ہیں۔ قرآن کریم سے کئی واقعات نقل کرتے ہیں۔ جن میں اسی دنیا میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں عارضی طور پر حیات کاملہ پیدا فرماتے ہیں اور پھر ان کو موت دیتے ہیں۔ امام رحمہ اللہ کا استدلال یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی وجہ سے بندوں میں کامل حیات اور پوری زندگی کا اعادہ فرماتے ہیں تو ان کی قدرت کاملہ کے سامنے یہ کیا ناممکن یا مشکل ہے کہ وہ سوال وجواب یا عذاب وثواب قبر کے لئے بندوں میں ایک گونہ حیات پیدا فرما دیں جو حیات تامہ سے مغائر ہو۔

ایک اور مقام پر حضرت امام قبر کی زندگی اور دنیا کی زندگی کے مابین فرق کو ایک مثال دے کر واضح کرتے ہیں، فرماتے ہیں: ''واذا کان النائم روحہ فی جسدہ وھو حیٌ وحیاتہ غیر حیات المستقیظ فان النوم شقیق الموت فھکذا المیت اذا اعیدت روحہ الی جسدہ کانت لہ حال متوسطۃ بین الحی وبین المیت الذی لم ترد روحہ الی بدنہ کحال النائم المتوسطۃ بین الحی والمیت فتامل ھذا یزیح عنک اشکالات کثیرۃ'' اور جب سونے والے کی روح اس کے جسم میں ہوتی ہے اور وہ زندہ ہوتا ہے لیکن اس کی زندگی بیدار آدمی کی زندگی سے مغائر ہوتی ہے کیوں کہ نیند موت کی بہن ہے سو اسی طرح مردہ کہ جب اس کے جسم کی طرف روح لوٹائی جائے گی تو اس کا حال زندہ اور اس مردہ کے بین بین ہوگا، جس کی طرف اس کی روح نہیں لوٹائی گئی جیسا کہ سونے والے کا حال زندہ اور مردہ کے بین بین ہوتا ہے تو اس مثال میں غور کرے گا تو اس سے تیرے بہت سے اشکالات دور ہو جائیں گے۔ (ایضاً ص ۵۷)

جس طرح نائم اور بیدار زندہ تو دونوں ہیں روح تو دونوں میں برابر ہے لیکن ان دونوں کی زندگی میں فرق وتفاوت ہے۔ نائم زندہ تو ہے لیکن اس کا حال زندہ اور مردہ کے بین بین ہے۔ اسی طرح قبر کی زندگی کا حال ہے کہ میت زندہ تو ہے مگر زندہ اور میت کی زندگی میں فرق وتفاوت ہے جس طرح نائم کا حال زندہ اور مردہ کے بین بین ہے۔ اسی طرح میت کا حال زندہ اور اس مردہ کے بین بین ہے جس کی طرف روح نہ لوٹائی گئی ہو۔ بہرحال قبر کی زندگی دنیوی زندگی سے متفاوت اور متغائر ہے۔ وہ زندگی تو ہے مگر دنیا کی زندگی کی طرح کامل زندگی نہیں، فی الجملہ زندگی ہے۔ ایک گونہ زندگی ہے۔

۶...... رأس المتکلمین حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب سیالکوٹی (متوفی ۱۰۶۷ھ) خیالی کی شرح میں لکھتے ہیں: ''لیس المراد بالحیّ ھٰھنا مایعاد فیہ الروح ویصدر عنہ الافعال الاختیار بہ بل مایدرک الالم واللذۃ فاذا خلق اللہ فیہ ادراکاً یکون حیاً لا جماداً'' اس جگہ حیّ سے مراد یہ نہیں کہ اس میں روح (پورے طور پر بدن کے اندر) پھر ڈال دی گئی اور اس سے افعال اختیاریہ صادر ہوتے ہیں، بلکہ زندہ سے مراد یہ ہے کہ وہ لذت والم کا ادراک کر سکے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس میں ادراک پیدا کر دیا وہ زندہ ہو گیا، جماد نہ رہا۔ (عبدالحکیم علی الخیالی ص ۱۱۸، القسطاس علی النبراس ص ۳۲۱)

قبر میں زندہ کے یہ معنیٰ نہیں کہ اس کے وجود میں روح پھر ڈال دی گئی اور اس سے اٹھنا بیٹھنا، چلنا، پھرنا، کھانا پینا وغیرہ افعال بھی صادر ہوں بلکہ صرف اس قدر حیات مراد ہے جس سے دکھ، سکھ، الم ولذت کا ادراک واحساس ہو سکے۔ جب اللہ تعالیٰ نے مردہ کے اندر اس قسم کا ادراک پیدا کر دیا تو گویا وہ زندہ ہو گیا، جامد مطلق نہ رہا۔

۷...... خاتم المحققین علامہ عبدالعزیز پرہاروی (متوفی ۱۲۴۰ھ) نبراس شرح شرح العقائد میں رقم فرماتے ہیں: ''انہ یجوز ان یخلق اللہ تعالیٰ فی جمیع الاجزاء من بدن المیت او فی بعضھا نوعاً من الحیوۃ مغائر لھٰذا النوع الحاصل قبل الموت قدر مایدرک الم العذاب او لذۃ التنعیم وھذا ای ادراک الالم واللذۃ لا یستلزم اعادۃ الروح فی البدن۔ ان المستلزم لا عادۃ الروح انما ھو الحیوۃ الکاملۃ واما ادراک الالم واللذۃ فیمکن ان یحصل بادنی تعلق للروح بالبدن سواء کان الروح فوق السماء السابعۃ او محبوساً فی سجین وشبھو ھذا التعلق بوقوع شعاع الشمس من السماء الرابعۃ علی الارض'' بلا شبہ یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ میت کے جمیع اجزاء میں یا بعض میں ایک نوع کی زندگی پیدا فرما دیں۔ موت سے پہلے کی زندگی کی نوع سے مغائر، جس سے میت عذاب کا دکھ اور نعمتوں کی لذت کا ادراک کر سکے اور اس الم ولذت کے ادراک کو بدن کے اندر روح کا لوٹانا لازم نہیں، روح کا لوٹانا (بدن میں) حیات کاملہ کے لئے لازم ہے۔ رہا دکھ سکھ کا ادراک سو وہ روح کے بدن کے ساتھ ادنیٰ تعلق سے بھی حاصل ہو سکتا ہے خواہ روح ساتویں آسمان سے اوپر ہو، خواہ سجین میں مقید ہو اور اس تعلق کو چوتھے آسمان سے سورج کی شعاع کے زمین پر پڑنے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ (نبراس ص ۳۲۱، ۳۲۲)

قبر میں صرف اس قدر حیات کی ضرورت ہے جس سے الم ولذت، دکھ سکھ کا احساس وادراک ہو سکے اور اس کے لئے بدن کے اندر روح کو واپس لوٹانے کی ضرورت نہیں وہ تو حیات کاملہ کے لئے لازم ہے، دکھ سکھ کا ادراک تو بدن کے ساتھ روح کے معمولی سے تعلق سے بھی ہو سکتا ہے۔ خواہ روح کہیں ہو اس کا بدن کے ساتھ ایسا تعلق قائم ہو جاتا ہے جیسے سورج کی شعاعوں کا زمین سے تعلق ہے۔

۸...... حاشیہ پر اس کی مثال دی ہے: ''کما ان حیوۃ النائم وھو حیٌ غیر حیوۃ المستیقظ فان النوم اخو الموت ولا ینفی عن النائم اطلاق الحیوۃ فکذالک حیوۃ المیت عند الاعادۃ غیر حیوۃ الحی وھی حیوۃ لاتنفی عنہ اطلاق اسم الموت بل امر متوسط بین الحیوۃ والموت کما ان النوم متوسط بینھما'' جیسے نیند والے کی حیات حالانکہ وہ زندہ ہے جاگنے والی کی حیات کے مغائر ہے، بے شک نیند موت کی بہن ہے اور سونے والے پر حیات کے اطلاق کی نفی نہیں ہوتی، اسی طرح اعادہ روح کے وقت میت کی حیات، زندہ کی حیات کے مغائر ہے اور یہ ایسی حیات ہے کہ اس سے موت کے اطلاق کی نفی نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ زندگی حیات اور موت کے درمیان میں ہے جیسے نیند حیات اور موت کے درمیان ہے۔ (القسطاس حاشیہ نمبر اس ص ۳۲۲)

نیند اور موت

اللہ تعالیٰ نے نیند اور موت کو ایک ہی سطح پر ذکر فرمایا ہے اور رسول کریم ﷺ نے نوم (نیند) کو موت فرمایا ہے۔ اب نائم پر نیند یعنی موت طاری ہوگئی، گو بظاہر وہ مردہ ہے مگر اس کے ساتھ روح کا تعلق بدستور ہے۔ لہٰذا اسے مردہ کوئی نہیں کہتا، یہ زندہ ہے لیکن یہ حقیقت تو ظاہر ہے کہ نائم (سونے والے) کی زندگی جاگنے والے کی زندگی کے مغائر ہے۔ نائم و بیدار ہیں دونوں زندہ، لیکن دونوں کی زندگی اور حیات میں فرق ہے۔ نائم گو زندہ ہے۔ لیکن بیدار کی طرح زندگی و حیات کے آثار وعلامات اس میں موجود نہیں۔ یہ اٹھ بیٹھ نہیں سکتا، چل پھر نہیں سکتا، کھا پی نہیں سکتا، افعال اختیار یہ کا صدور اس سے ممکن نہیں۔ بایں ہمہ اسے مردہ کوئی نہیں کہتا۔ کیونکہ اس کے ساتھ روح کا تعلق ہے۔ لہٰذا اس پر زندہ کا اطلاق ہوتا ہے۔ اسی طرح میت کے ساتھ جب روح کا تعلق ہو گیا تو اس میں گو حیات تو ہے لیکن ظاہر ہے کہ مردہ کی یہ حیات زندہ کی حیات کے مغائر ہے اور یہ ایسی حیات ہے کہ اس پر موت کا اطلاق ہوتا ہے۔ جیسے نائم پر زندہ کا اطلاق ہوتا ہے اور نائم پر باوجود ایک نوعیت کی موت کا طاری ہونے کے اسے مردہ کوئی نہیں کہتا ہر کوئی زندہ کہتا ہے۔ اسی طرح مرنے والے پر بھی مردہ ہی کا اطلاق ہوتا ہے اور اس میں ایک نوعیت کی زندگی پیدا ہو جانے کے باوجود اسے زندہ کوئی نہیں کہتا۔ ہر کوئی میت ہی کہے گا۔

خلاصہ: اکابر علماء امت کے ارشادات تفصیل سے پیش کر دیئے گئے ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ قبر میں جس حیات کا اثبات کیا جاتا ہے اس سے بعینہٖ ایسی حیات کاملہ مراد نہیں، جیسی کہ وفات سے پہلے دنیا میں تھی یا پھر قیامت میں حاصل ہوگی۔ بلکہ ایسی حیات مراد ہے جس میں صرف ایسا ادراک وشعور پیدا ہو جائے۔ جس سے میت کو عذاب وراحت اور دکھ سکھ کا احساس ہو سکے۔ جب میت میں یہ ادراک واحساس پیدا ہو جائے تو وہ ایک گونہ زندہ ہوگا نہ کہ جماد محض لیکن بایں ہمہ اس پر اطلاق میت ہی کا ہوگا۔ اسے زندہ کوئی نہ کہے گا۔

گویا قبر اور برزخ کی حیات مطلق اور کامل حیات نہیں بلکہ فی الجملہ ایک گونہ اور نوع من الحیاۃ ہے جس میں بدن کو نہ تو خوراک وغیرہ ضروریات کی حاجت ہوتی ہے اور نہ ہی عموماً اس کی حرکات اور اس پر واردات کا علم واحساس اور مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

حیات النبی ﷺ

جب عامۃ المسلمین بلکہ عامۃ الناس کے لئے فی الجملہ حیات ثابت ہے مرنے کے بعد ایک نوع کی حیات ہر مرنے والے حتیٰ کہ کافر و مشرک تک کو حاصل ہے تو حیات النبی ﷺ کا مسئلہ درحقیقت لازمی طور پر حل ہو گیا۔ جب قبر و برزخ میں ایک عام آدمی کو ایک قسم کی زندگی حاصل ہے تو نبی کریم ﷺ کو مزار پاک میں حیات مقدسہ کیوں حاصل نہ ہوگی؟ ضرور حاصل ہوگی اور نہایت اعلیٰ و اقویٰ و اولیٰ و اکمل درجہ میں حاصل ہوگی۔ تاہم ہم مستقل طور پر اصل مسئلہ حیات النبی ﷺ سے متعلق مفصل و مدلل بحث کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

کیا موتی سلام کہنے والے کو پہچانتے ہیں؟ سلام سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں یا نہیں؟

فاضل صاحب ''ندائے حق'' تحریر فرماتے ہیں:

''پھر لطف یہ کہ کہتے ہیں وہ ہمیں دیکھتے پہچانتے ہیں، ہماری باتیں سنتے ہیں، ہماری باتوں کا جواب دیتے ہیں، مطلب یہ ہوا کہ وہ زندہ ہم مردہ۔'' (ندائے حق ص ۲۲۰)

فاضل محترم نے تو طعن و استہزاء کا مظاہرہ فرمایا مگر حقیقت میں میت زائر کو پہچانتی ہے۔ اس کا سلام سنتی ہے سلام کا جواب بھی دیتی ہے۔

۱...... حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں: اس تو وہ خاک سے ارواح کا ایک تعلق ہوتا ہے اور ''السلام علیکم یا اھل القبور'' کہنے سے جواب ملتا ہے۔ (المصالح العقلیہ حصہ سوم ص ۳۲۰)

۲...... شیخ الاسلام امام العصر حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہ فرماتے ہیں:

مسئلہ سماع موتی

''واعلم ان مسئلۃ کلام المیت و سماعہ واحدۃ وفی رسالۃ غیر مطبوعۃ لعلی القاری ان احدا من ائمتنا لم یذھب الی انکارھا۔ اقول والاحادیث فی سمع الاموات قد بلغت مبلغ التواتر وفی حدیث صححہ ابو عمرو ان احدا اذا سلّم علی المیت فانہ یرد علیہ ویعرفہ ان کان یعرفہ فی الدنیا (بالمعنی) واخرجہ ابن کثیر ایضاً وتردّد فیہ فلانکار فی غیر محلہ سیما اذا لم ینقل عن احد من ائمتنا رحمھم اللہ تعالیٰ فلابد بالتزام السماع فی الجملۃ''

جان لیجئے کہ میت کے کلام اور سماع کا مسئلہ واحد ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے غیر مطبوعہ رسالہ میں ہے کہ ائمہ احناف میں سے کسی ایک نے بھی اس کا انکار نہیں کیا۔ میں کہتا ہوں سمع اموات کے بارے میں احادیث تواتر کی حد کو پہنچ گئی ہیں اور ایک حدیث میں ہے جسے ابو عمرو (امام ابن عبدالبر) نے صحیح کہا ہے کہ جب کوئی میت پر سلام کہتا ہے تو بے شک وہ اس کا جواب دیتی ہے اور اگر وہ دنیا میں اسے پہچانتا تھا تو (اب بھی) اسے پہچانتی ہے۔ اسے ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت کیا ہے اور اس میں تردد کا اظہار ہے۔ مگر سماع موتی وغیرہ کا انکار بے محل ہے۔ خصوصاً جب کہ ہمارے ائمہ (احناف رحمۃ اللہ علیہم) میں سے کسی کا انکار منقول نہیں، پس فی الجملہ سماع موتی لازمی ولابدی ہے۔

شیخ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے اصل نفی سماع کو قرار دیا ہے اور جس جس موقع پر سماع ثابت ہے اسے مستثنیٰ قرار دیا

ہے اور سماع کو اپنے مورد پر محدود رکھا ہے۔

''قلت اذن ماالفائدة فی عنوان النفی و ماالفرق بین نفی السماع ثم الاستثناء فی مواضع کثیرة وادعاء التخصیص و بین اثبات السماع فی الجملة۔ هذا السماع الذی نحن نصدد اثباته من عالم البرزخ اخبرنا به المخبر الصادق فآمنا به'' میں کہتا ہوں اس صورت میں نفی کرنے کا فائدہ؟ اور سماع کی نفی کر کے بہت زیادہ موقعوں کو مستثنیٰ و مخصوص قرار دینے اور فی الجملہ اثبات سماع میں کیا فرق ہے؟ یہ سماع جس کے اثبات کے ہم درپے، عالم برزخ کی بات ہے مخبر صادق ﷺ نے ہمیں اس کی خبر دی ہے۔ پس ہم اس پر ایمان لائے۔
(فیض الباری شرح بخاری ج ۲ ص ۴۶۷ کتاب الجنائز)

اللہ اکبر! کیا ایمان ہے، کیا روحانیت ہے۔ بات عالم، برزخ کی ہے دید و مشاہدہ سے بعید، مگر مخبر صادق نے خبر دی ہے ﷺ۔ سو ہمارا ایمان ہے اب ہمیں اس میں کوئی شک ہے نہ شبہ۔

حجۃ الاسلام قدس سرہ نے مسئلہ سماع موتی میں ذرا تفصیل سے بحث کی ہے اور یہاں تک ثابت کیا ہے کہ میت کا دیکھنا، پہچاننا خود حضور ﷺ کی صحیح حدیث سے ثابت ہے، باقی رہا ہماری باتیں، سننا سو فرمایا کہ سمع اموات کی احادیث حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں اور ہمارا اس پر ایمان ہے۔

گویا جس بات کو صاحب ''ندائے حق'' عوام کا خیال فرما رہے تھے، حضرت حجۃ الاسلام رحمہ اللہ اسے احادیث متواترہ صحیحہ سے ثابت فرما رہے ہیں۔ یاللعجب! ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

۳...... امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی شہرہ آفاق عظیم کتاب کتاب الروح کا آغاز ہی اس مسئلہ سے کیا ہے۔ مسئلہ کا عنوان ہے ''المسئلة الاولیٰ وهی هل تعرف الاموات زیارة الاحیاء سلامهم ام لا؟''

یعنی پہلا مسئلہ اور وہ یہ ہے کہ کیا مردے زندوں کے زیارت (کے لئے آنے) اور ان کے سلام کو جانتے ہیں یا نہیں؟ اس میں لکھتے ہیں: ''والسلف مجمعون علی هذا وقد تواترت الآثار عنهم بان المیت یعرف زیارة الحی ویستبشر به'' سلف صالحین کا اس پر اجماع ہے اور ان سے بتواتر آثار مروی ہیں کہ بیشک میت زندہ زائر کو جانتی ہے اور اس سے خوش ہوتی ہے۔ (کتاب الروح ص ۴)

حضرت امام رحمہ اللہ اس باب میں صحیحین و صحاح وغیرہ کی متعدد احادیث اور کثیر تعداد میں حضرات صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کے آثار اور بزرگوں کے واقعات چودہ صفحوں پر نقل کرتے چلے گئے ہیں۔ جن میں سے ہم یہاں صرف ایک حدیث پیش کرتے ہیں صحیح مسلم (ج اول ص ۷۶، مشکوٰۃ المصابیح باب دفن المیت) میں ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بوقت وفات فرمایا: ''فاذا دفنتمونی فسنوا علی التراب سنا ثم اقیموا حول قبری قدر ما تنحر جزور ویقسم لحمها حتی استانس بکم وانظر ماذا اراجع به رسل ربی'' جب تم مجھے دفن کر چکو تو میرے اوپر مٹی آہستہ آہستہ ڈالنا پھر میری قبر کے ارد گرد اتنی دیر کھڑے رہنا جتنی دیر میں اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جا سکتا ہے تاکہ میں تم سے مانوس ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہوئے فرشتوں کو سوچ سمجھ کر صحیح جواب دے سکوں۔

یہ حدیث نقل کر کے امام ابن قیم لکھتے: ''فدل علی ان المیت یستأنس بالحاضرین عند قبره ویسر بهم'' یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ بیشک مردہ اپنی قبر کے نزدیک حاضرین سے مانوس ہوتا ہے اور ان سے خوش ہوتا ہے۔ (کتاب الروح ص ۱۰)

مرفوع احادیث

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے متعدد احادیث رسول پاک ﷺ بھی نقل کی ہیں، پہلی حدیث ملاحظہ ہو لکھتے ہیں:

۱...... ابن عبدالبرؒ نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ''ما من مسلم یمرّ علی قبر اخیہ کان یعرفہ فی الدنیا فیسلّم علیہ الاّ ردّ اللہ علیہ روحہ حتی یردّ علیہ السلام'' جب بھی کوئی مسلمان اپنے بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جسے وہ دنیا میں پہچانتا تھا اور وہ اس پر سلام کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس (صاحب قبر) پر اس کی روح کو لوٹا دیتا ہے پس وہ اس (سلام کہنے والے) کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

یہ حدیث نقل کر کے امام رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''فھذا نص فی انہ یعرفہ بعینہ ویردّ علیہ السلام'' یہ حدیث اس بات میں نص ہے کہ مردہ سلام کہنے والے کو بعینہ پہچانتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ (کتاب الروح ص ۴)

بلکہ حضرت امام رحمہ اللہ اس صحیح روایت[1] کی بناء پر اپنے مشہور قصیدہ نونیہ میں لکھتے ہیں:

۱...... ''وھذا ورد نبینا تسلیم من یاتی بتسلیم مع الاحسان'' یہ صحیح ہے کہ ہمارے نبی ﷺ اس شخص کے سلام کا عمدہ جواب دیتے ہیں جو آپ ﷺ کو سلام کہتا ہے۔

۲...... ''ما ذاک مختصا بہ ایضاً کما قد قالہ المبعوث بالقرآن'' یہ آپ ﷺ کی ذات پاک کے ساتھ مخصوص نہیں جیسا کہ خود صاحب قرآن نے فرمایا۔

۳...... ''من زار قبر اخ لہ فاتی بتسلیم علیہ وھو ذو ایمان'' جس شخص نے اپنے مومن بھائی کی قبر کی زیارت کی اور اسے سلام کہا۔

۴...... ''ردّ الالہ علیہ حقا روحہ حتی یرد علیہ رد بیان'' تو معبود برحق بالیقین اس پر اس کی روح کو لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ وہ واضح طور پر اس کو جواب دیتا ہے۔ (قصیدہ نونیہ ص ۱۴۵، تسکین الصدور ص ۲۱۱)

اگلے صفحہ پر لکھتے ہیں:

۲...... ابن ابی الدنیا نے اپنی کتاب ''کتاب القبور'' کے باب ''معرفۃ الموتی بزیارۃ الاحیاء'' میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سند کے ساتھ روایت کیا ہے، فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ما من رجل یزور قبر اخیہ ویجلس عندہ الاّ استأنس بہ حتی یقوم'' جو شخص بھی اپنے مسلمان بھائی کی قبر کی زیارت کرتا ہے اور وہاں بیٹھتا ہے تو صاحب قبر اس سے مانوس ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ اٹھ کھڑا ہو۔

(یہ روایت ابن ابی الدنیا کے علاوہ بیہقی شعب الایمان میں بھی ہے، شرح الصدور ص ۸۴)

۳...... بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا ﷺ: ''اذا مرّ رجل بقبر اخیہ یعرفہ فسلم علیہ رد علیہ السلام وعرفہ واذا مر بقبر لا یعرفہ فسلم علیہ رد علیہ السلام'' جب کوئی شخص ایسے بھائی کی قبر کے قریب سے گزرتا ہے جسے وہ جانتا ہے اور اس پر سلام کہتا ہے تو وہ بھی اسے پہچانتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے اور اگر یہ قبر والے کو نہیں جانتا تو وہ بھی صرف سلام کا جواب دیتا ہے۔ (کتاب الروح ص ۵)

---

[1] یہ روایت جامع صغیر (ج ۲ ص ۱۵۱) پر بھی ہے اس روایت کو امام ابن عبدالبر علامہ عبدالحق اشبیلی ابن عبدالہادی قاضی شوکانی اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ وغیرہ سب صحیح کہتے ہیں۔ (تسکین الصدور ص ۲۱۰)

۴...... حاکم اور بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور طبرانی نے حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے کہ: نبی ﷺ احد سے واپسی کے وقت حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی قبر پر ٹھہرے اور (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''فزوروهم وسلموا عليهم فو الذي نفسي بيده لا يسلم عليهم احد الا ردوا عليه الى يوم القيامة'' پس تم ان (کی قبروں) کی زیارت کرو اور ان پر سلام کہو، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ جو کوئی بھی ان پر سلام کہتا ہے یہ قیامت تک اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ (شرح الصدور ص ۸۴، ۸۵، ۸۷ تین مقامات پر تین روایات ہیں)

حضرت ﷺ کا ارشاد ہے اور آپ ﷺ قسم کھا کر فرما رہے ہیں کہ قیامت تک اہل قبور سلام کرنے والے کے سلام کا جواب دیتے رہیں گے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ محدث شہیر قاضی مدینہ حضرت علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۹۱۱ھ) مندرجہ بالا احادیث پاک میں سے اکثر احادیث نقل کرنے کے بعد رقم طراز ہیں: ''والآثار في هذا المعنى كثيرة وقد ذكر ابن تيميه في اقتضاء الصراط المستقيم كما نقله ابن عبد الهادي ان الشهداء بل كل المومنين اذا زارهم المسلم وسلم عليهم عرفوا به وردوا عليه السلام فاذا كان هذا في احاد المومنين فكيف بسيد المرسلين ﷺ'' اس بارے میں روایات بہت زیادہ ہیں اور امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ''اقتضاء الصراط المستقیم'' میں لکھا ہے جیسا کہ ابن عبد الہادی نے نقل کیا ہے کہ بیشک شہداء بلکہ سب مومنین جب کوئی مسلمان (ان کی قبر) کی زیارت کرتا ہے اور ان پر سلام کہتا ہے تو وہ موتی اسے پہچانتے ہیں اور اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں، جب یہ عام مسلمانوں کے بارے میں ہے تو حضرت ﷺ کیسے سلام کا جواب نہ عطا فرماتے ہوں گے۔ (وفاء الوفا مطبوعہ مصر ج دوم ص ۴۰۵ باب ۸ فصل ثانی)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ، حجۃ الاسلام علامہ سید انور شاہ، حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی مدینہ حضرت علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ ایسے اعاظم رجال امت کے نزدیک موتی قبروں کی زیارت کرنے والوں کو پہچانتے ہیں ان کا سلام سن کر جواب دیتے ہیں اور یہ سب کچھ امام المرسلین ﷺ کی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ پھر کسی مسلمان کو اس میں کیا کلام ہو سکتا ہے؟

سماع موتی: مگر آج بعض لوگ یہاں تک کہنے لگے ہیں کہ عدم سماع موتی میں کوئی اختلاف ہی نہیں۔ سماع موتی کا مسئلہ شرک کی بنیاد ہے اس کا قائل مشرک ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک علمی دنیا میں کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔ وغیرہ وغیرہ مکابرہ اور ڈھٹائی کی حد ہو گئی، حالاں کہ حقیقت یہ ہے جیسا کہ حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان بیان فرماتے ہیں:

۱...... سماع موتی کا مسئلہ زمان صحابہ رضی اللہ عنہم سے مختلف فیہ چلا آ رہا ہے۔ یہ مسئلہ اعتقادات ضروریہ میں سے نہیں جن کی نفی یا اثبات پر کفر و اسلام کا مدار ہے بلکہ یہ ایک علمی و تحقیقی بحث ہے جس میں بحث و تمحیص اور نظر و تحقیق کی گنجائش ہے۔ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے علماء کے درمیان اس مسئلہ میں ہمیشہ دو رائیں رہی ہیں۔ علماء کرام کی ان دونوں جماعتوں کے پاس دلائل ہیں جو علماء سماع موتی کی نفی کرتے ہیں ان کا استدلال ظواہر قرآن اور احادیث صحیحہ سے ہے۔ جب کہ قائلین سماع بھی حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں۔ (جواہر القرآن از حضرت شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان تفسیر سورہ روم)

کسی درجہ عادلانہ اور مبنی علی الحقیقت بیان ہے، حضرت شیخ القرآن کا مگر آپ سے تلمذ کا دعویٰ کرنے والے یہ کہتے نہیں تھکتے کہ سماع موتی شرک کی بنیاد ہے اور امت میں آج تک اس کا کوئی قائل نہیں ہوا۔

۲...... حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم صاحب بانی دار العلوم دیوبند نور اللہ مرقدہ بیان فرماتے ہیں: سماع اموات کے قصہ میں اوّل تو یہ معروض ہے کہ یہ امر قدیم سے مختلف فیہ ہے دوسرے ضروریات دینی اور عقائد ضروریہ میں سے نہیں، علاوہ بریں طرفین میں بڑے بڑے اکابر ہیں۔ اس لئے اہل اسلام کو ضروری ہے کہ ایسے مسائل میں خواہ مخواہ ایسے پکے نہ ہو بیٹھیں کہ دوسری طرف کو بالکل باطل سمجھ لیں۔ (جمال قاسمی ص ۸) اللہ کی کروڑوں رحمتیں ہوں ان کے مزار مقدس پر! ہمارے اکابر کس درجہ توسط واعتدال کی راہ پر گامزن تھے۔ تشدد وتعصب کا نام ونشان تک نہیں۔ یہ ہیں دار العلوم دیوبند کے بانی ومؤسس مگر آج لوگ کہتے ہیں کہ سماع موتی میں کوئی اختلاف ہی نہیں۔ یہ شرک کی بنیاد ہے امت میں سے کوئی بزرگ بھی اس کا قائل نہیں۔ جو اس کا قائل ہے وہ مشرک ہے حتیٰ کہ اگر کوئی یہ کہے کہ نبی کریم ﷺ قبر انور پر ہمارے صلوٰۃ وسلام کو سنتے ہیں تو وہ بھی مشرک ہے اور پھر بایں ہمہ ''دیوبندیت'' کے واحد اجارہ دار بھی بنے پھرتے ہیں۔

اعدل الاقوال

اس باب میں اعدل واسلم واصح ومختار قول درج ذیل ہے:

۱...... حضرت مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ: اعدل الاقوال اور اصح ومختار یہ ہے کہ جن جن مواضع میں میت کا کلام وغیرہ سننا منصوص ہے وہاں تو بلا تامّل یقین کیا جائے۔

(امداد المفتیین، فتاوی دار العلوم دیوبند ص ۲۹۱)(اقامۃ البرہان ص ۹۱)

۲...... خاتم المفسرین علامہ آلوسی رحمہ اللہ: جن چیزوں کا سننا حدیث سے ثابت ہے انہی پر اقتصار کیا جائے۔ مثلاً سلام وغیرہ میرے نزدیک یہی راجح ہے۔ (روح المعانی ج ۲۱ ص ۵۸، اقامۃ البرہان ص ۹۷)

۳...... خاتم المحققین حضرت علامہ عثمانی رحمہ اللہ: جہاں جہاں حدیث سے سماع ثابت ہے، اس کو انہی مواقع پر بند رکھنا اور اس سے تجاوز نہ کرنا واجب ہے۔ (فتح الملہم ج ۲ ص ۴۷۹، اقامۃ البرہان ص ۹۰)

قبر میں سماع سلام، میت کا کام ہے یا روح کا؟

اب سوال یہ ہے کہ زائر کا سلام سننا اور جواب دینا میت کا کام ہے یا روح کا؟ جناب سید سجاد صاحب اور ان کا شرذمہ قلیلہ تو کہتا ہے کہ یہ کام روح کا ہے اور تو اور حضرات انبیاء علیہم السلام کے متعلق تحریر فرماتے ہیں: ارواح انبیاء علیہم السلام کا ان کے بدنوں کے ساتھ جو تعلق ہے یہ ان کے بدنوں میں صفت حیات پیدا کرنے کے لئے نہیں تاکہ ان کے بدن زندہ ہو کر قبروں میں زائرین کا سلام بگوش سر سنیں بلکہ یہ تعلق محض اتصال اور قرب کا ہے تاکہ ان کی روحیں زائرین کا سلام سنیں۔ (اقامۃ البرہان ص ۱۹۰، ۱۹۱)

یہ تو ارشاد ہوا جمیع حضرات انبیاء علیہم السلام کے متعلق اب خاص حضور ﷺ کے متعلق فرماتے ہیں: جب کوئی زائر آپ ﷺ کی قبر مبارک پر سلام کہتا ہے تو روح اپنی شان انبساط سے بدن مقبور سے متصل ہو کر زائر کا سلام سنتی ہے اور اس کا جواب دیتی ہے۔ (اقامۃ البرہان ص ۱۹۰)

خلاصہ یہ کہ دوسرا کوئی جسم تو کیا سنے گا خود امام الانبیاء حبیب کبریا ﷺ کا بھی وجود اقدس واطہر سلام سنتا ہے نہ جواب دیتا ہے بلکہ یہ کام حضور ﷺ کی روح پاک کرتی ہے۔

بخلاف اس کے ائمہ اعلام دین اور اکابر علماء وعمائد امت کا مسلک و مذہب واضح ہو چکا ہے کہ امام المرسلین تو امام المرسلین، حضرات انبیاء علیہم السلام تو انبیاء علیہم السلام عام مردے بھی سلام سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔ مثلاً:

۱...... شیخ الاسلام امام العصر حضرت علامہ انور شاہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''والاحادیث فی سمع الاموات قد بلغت مبلغ التواتر''

۲...... امام ابن قیم رحمہ اللہ اپنی شہرہ آفاق کتاب ''کتاب الروح'' کے اوّلین مسئلہ کے عنوان میں لکھتے ہیں: ''المسئلة الاولٰی وھی ھل تعرف الاموات زیارة الاحیاء وسلامھم ام لا؟'' پھر لکھتے ہیں: ''والسلف مجمعون علٰی ھذا وقد تواترت الآثار عنھم بان المیت یعرف زیارة الحی ویستبشر ھم بہ'' پھر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ والی حدیث صحیح مسلم سے نقل کر کے لکھتے ہیں ''فدل علی ان المیت یستأنس بالحاضرین عند قبرہ ویسرّ بھم''

۳...... حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ رقم فرماتے ہیں: ''اعدل الاقوال'' اور واضح ومختار یہ ہے کہ جن جن مواضع میں میت کا کلام وغیرہ سننا منصوص ہے وہاں بلا تامل یقین کیا جائے۔

ہم نے انہی حضرات کے اقوال نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے جن کے ارشادات اسی بحث میں گزشتہ صفحات کے اندر پیش کئے جا چکے ہیں۔ ورنہ بے شمار اکابر علماء امت کے بیانات میں میت اور موتی کے الفاظ مل سکتے ہیں، جن کا احاطہ ممکن ہی نہیں۔

یہ تمام اکابر یہی فرماتے ہیں کہ موتی سنتے ہیں، موتی جواب دیتے ہیں، بلکہ مسئلہ کا عنوان ہی سمع موتی مشہور ہے تو میت اور موتی کا معنی روح کب سے اور کیسے ہو گیا؟ عنوان تو ہے سمع موتی اور احادیث متواترہ دلالت کرتی ہیں سمع الاموات پر اور کہا یہ جاتا ہے گوش سر نہیں سنتا بلکہ روح سنتی ہے۔ کیا روح کو میت یا موتی یا اموات کہا جا رہا ہے؟ یہ روح کب سے مردہ ہو گئی ہے؟ اب تک تو سب یہی کہتے تھے کہ بدن مرتا ہے روح زندہ رہتی ہے اگر موت بدن کے لئے ہے تو سماع وعدم سماع کی بحث بھی بدن کے لئے ہے اور سماع سلام وجواب بھی بدن ہی کا کام ہے۔ جو اللہ قادر مطلق اس بدن مقبور میں دکھ سکھ کے احساس وادراک کے لئے ایک گونہ زندگی پیدا کر دیتا ہے وہ قادر مطلق اس بدن مقبور میں سماع وجواب سلام کے لئے بھی فی الجملہ حیات پیدا کر سکتا ہے۔

اگر روح سنتی ہے تو بھی

اب فرض کرو کہ بدن نہیں سنتا بلکہ مردے کی روح سنتی ہے تو سوال یہ ہے کہ روح کا مستقر ومقام کہاں ہے؟ کیا روح قبر میں محبوس ومقید پڑی ہے؟ یہ تو کسی کا بھی قول نہیں، روح کا مقام تو بالاتفاق علیین ہے یا سجین پھر قبر میں روح کس طرح سن رہی ہے؟ اب لامحالہ یہ کہا جائے گا کہ روح کا مقام ومستقر تو علیین یا سجین ہے، لیکن اس کا تعلق بدن مقبور سے ہے۔ (جس کی کنہ وکیفیت خدا جانتا ہے باقی تعلق ہے ضرور) جس کی وجہ سے قبر پر سلام کہنے والے کا سلام روح سنتی ہے۔

اگر اس سماع سلام وکلام میں میت کا قطعاً دخل نہیں اور یہ کام فقط روح کا ہے تو روح کو سنانے کے لئے زائر کے قبر پر آنے کی کیا تخصیص وضرورت ہے؟ گھر بیٹھے ہوئے سلام کہہ دو علیین یا سجین میں روح سن لے گی۔ لیکن یہ کوئی بھی نہیں کہتا، روح کے سماع کے مدعی بھی قبر کی قید لگاتے ہیں کہ قبر پر اگر کوئی آکر السلام علیکم یا اہل القبور کہے گا تو روح سنے گی اور خود حدیث پاک میں بھی اہل القبور اور اہل الدیار کے الفاظ موجود ہیں۔ حتیٰ کہ خود رسول پاک ﷺ کے سماع سلام وجواب سلام کے لئے مزار پر انوار پر آکر السلام علیک یا رسول اللہ! کہنا شرط ہے اگر کوئی دور کہیں۔ سے سلام کہے اور یہ یقین رکھے کہ نبی کریم ﷺ سن رہے ہیں تو یہ شرک ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ روح کے سماع وجواب سلام کے لئے قبر کی قید کیوں ہے، جب کہ قبر جسد مدفون وبدن مقبور کا موضع دخل ہے نہ کہ روح کا مقام ومستقر۔ پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ قبر کی قید وتخصیص میں نفس قبر، قبر کی مٹی کا کوئی دخل نہیں، اگر کچھ عمل دخل ہے تو مدفون ومقبور جسم اور بدن کا ہے نہ کہ تودہ خاک کا۔ خلاصہ یہ کہ زائر کا سلام وکلام اگر روح بھی سنتی ہے تو بھی مطلق روح اسے نہیں سنتی، میت کے جسم سے متعلق اور مردہ کے بدن سے مقید ہو کر سنتی ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ نہ مطلق مردہ جسم سنتا ہے نہ مطلق مردہ کی روح سنتی ہے جسم اور روح دونوں مل کر سنتے ہیں۔ ایک دوسرے سے متعلق ہو کر سنتے ہیں اور یہی ہم کہتے ہیں کہ سماع وکلام وغیرہ روح اور بدن دونوں کا کام ہے۔ پھر چوں کہ موقع محل (قبر) میں بدن موجود ہے۔ لہٰذا اس کی رعایت سے یہ کہا جاتا ہے کہ میت سنتی ہے، مردہ سنتا ہے یعنی میت کے ساتھ روح کا تعلق قائم ہوا۔ پھر میت نے سنا۔ فہو المراد!

چوں کہ موقع محل پر میت موجود ہے اور روح کا بہت دور عالم ملکوت سے صرف تعلق اس کے ساتھ قائم ہے۔ اس لئے احادیث وروایات میں بھی اور عرف عام میں بھی میت کا ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ نہیں کہا جاتا کہ علیین یا سجین والی روح سنتی ہے بلکہ کہا جاتا ہے کہ اہل قبور مردے سنتے ہیں۔

سنتے نہیں سنائے جاتے ہیں

یہ جو بظاہر بعید نظر آرہا ہے اور کہا جارہا ہے کہ مردہ کیا سنے گا؟ سوعرض یہ ہے کہ مردے سنتے نہیں سنائے جاتے ہیں۔ ویسے تو زندہ بھی نہیں سنتے، حویلی اور مکان کے اندر بیٹھا ہوا زندہ نہیں سن سکتا تو قبر اور لحد میں لیٹا ہوا مردہ کیا سنے گا؟ ساری بات خود سننے کی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سنوا دینے کی ہے۔ چند فٹ کے فاصلے پر بیٹھا ہوا آدمی بات نہیں سن سکتا۔ اللہ چاہے تو سینکڑوں میل دور حضرت عمر ﷛ کی آواز الجبل الجبل حضرت ساریہ ﷛ کو سنا دیتا ہے۔ یہی بات یہاں بھی ہے۔ یہی شخص جب تک زندہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی قوت سماع سلب کر لی تھی۔ بہرہ تھا نہیں سن سکتا تھا یا نیند میں بھی نہیں سن سکتا تھا۔ پس دیوار یا درون خانہ بھی نہیں سن سکتا تھا۔ اب مر گیا ہے منوں مٹی کے نیچے دبا پڑا ہے۔ نہ کوئی دریچہ نہ کوئی سوراخ۔ مگر اللہ چاہے تو سنا سکتا ہے اور اس طرح مردہ سن سکتا ہے اور جواب دے سکتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ جان نکل گئی۔ اب تو یہ جامد ہے، پتھر ہے، پتھر کیا سنے گا؟

لیکن کیا یہ حقیقت نہیں کہ پتھروں، پہاڑوں اور جمادات میں بھی تو ادراک وشعور ہے۔ کیا پہاڑوں کا حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کی تسبیح کرنا خود قرآن سے ثابت نہیں؟ ”یاجبال اوّبی معہ والطیر (سبا:۱۰) قولہ تعالیٰ انا سخرنا الجبال معہ یسبحن بالعشی والاشراق“ (ص:۱۸)

بعض پتھروں کا خوف خدا سے گرنا اور لڑھکنا بھی کلام الٰہی قرآن کریم سے ثابت ہے۔ ''وان منھا لما یھبط من خشیۃ اللہ'' (بقرہ:۷۴)

امام ابن قیم رحمہ اللہ اس قسم کی متعدد آیات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''وقد اخبر تعالٰی عن الحجارۃ ان بعضھا یزول عن مکانہ ویسقط من خشیتہ'' اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ بعض پتھر اپنی جگہ سے نیچے آجاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔

''وقد کان الصحابۃ یسمعون تسبیح الطعام وھو یوکل وسمعوا حنین الجذع الیابس فی المسجد فاذا کانت ھذہ الاجسام فیھا الاحساس والشعور فالاجسام التی کانت فیھا الروح والحیات اولٰی بذالک'' (کتاب الروح ص۸۹) اور بے شک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کھاتے وقت طعام کی تسبیح سنتے تھے اور انہوں نے مسجد نبوی میں کھجور کے سوکھے تنے سے رونے کی آواز سنی، جب اس قسم کے (جامد اور خشک) اجسام میں احساس وشعور ہے تو ان اجسام میں جن میں کبھی روح اور زندگی موجود رہی ہے۔ بدرجہ اولیٰ احساس وشعور ہوگا (اور وہ بات سن سکیں گے اور جواب دے سکیں گے) (صحیح بخاری باب الخطبۃ علی المنبر)

تو بات ساری اللہ تعالیٰ کے دکھلانے اور سنوانے کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مسجد نبوی میں منبر پر ملک عراق میں سینکڑوں میل دور بمقام نہاوند حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کا محاذ جنگ دکھادیا اور نہ دکھلایا تو اسی مسجد میں، مسجد کے اندر موجود ابولولو مجوسی لعین قاتل نہ دکھلایا۔ چاہا تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو مصر سے اپنے محبوب فرزند حضرت یوسف علیہ السلام کے وجود کی خوشبو پہنچادی اور نہ دی تو بستی کے باہر اندھے کنوئیں کے اندران کے موجود ومطروح ہونے کی اطلاع نہ دی۔ (علیہما السلام)

اللہ تعالیٰ چاہے تو پتھروں، پہاڑوں سے بلوائے اور کھجور کے خشک تنے کو رلائے یعنی ان میں قوت احساس پیدا فرمادے اور چاہے تو اپنے محبوب ومعصوم پیغمبر حضرت سلیمان علیہ السلام کو عصا کے دیمک خوردہ ہونے کے بعد زمین پر گرادے اور موت کے صرف ایک سال بعد اپنے آپ کو سنبھالنے کی قوت بھی نہ دے حالانکہ وجود پاک بالکل صحیح وسالم اور تر وتازہ ہے اور چاہے تو کروڑوں سال کے مردوں کو جن کے جسم کا گوشت پوست تو کجا؟ ہڈی پسلی بھی سلامت نہیں رہی، قبر پر سلام کرنے والے کا سلام سننے اور جواب دینے کی طاقت دے دے۔

تو ساری بات اللہ رب العزت کے سنوانے کی ہے۔ اسی لئے تو قرآن میں حضور ﷺ سے فرمایا گیا ''انک لا تسمع الموتی'' (النمل:۸۰) مردہ خود نہیں سن سکتا۔ اس میں سننے کی صلاحیت ہی نہیں رہی۔ اللہ کے محبوب ومعصوم رسول سید الرسل محمد مصطفی ﷺ بھی مردوں کو نہیں سنا سکتے اور کوئی کیا سنا سکے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے خدائے قدیر چاہیں تو ہڈیوں کے چورہ اور مردہ کے منتشر ومتفرق اور پراگندہ محرقہ اور ماکولہ اجزاء کو سنا سکتے ہیں وہ ''علی کل شئ قدیر'' ہیں۔ ان کے لئے کوئی امر ناممکن اور ممتنع کیا؟ مشکل بھی تو نہیں۔

بیشک وشبہ، بالتحقیق اللہ تبارک وتعالیٰ سنا دیتے ہیں۔ ارشاد فرمایا: ''ان اللہ یسمع من یشآء وما انت بمسمع من فی القبور'' (فاطر:۲۲) بیشک اللہ سنا دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور تو ان کو سنانے والا نہیں جو قبروں میں ہیں۔

تو اہل قبور جس کسی کی آواز سلام سنتے ہیں وہ صاحب سلام کی طاقت نہیں کہ سنا سکیں، نہ اہل قبور کی طاقت ہے کہ سن سکیں۔ سنانے والے خود اللہ رب العزت ہیں۔

سماعِ موتیٰ عادت ہے یا کرامت؟

جن مواضع میں سماعِ موتیٰ ثابت ہے سوال یہ ہے کہ یہ بطورِ عادت ہے یا خرقِ عادت؟ حقیقت یہ ہے کہ نفسِ سماعِ موتیٰ تو خرقِ عادت ہے۔ کیوں کہ مردے میں بظاہر حیات معدوم ہے۔ دوسرے قبر میں بقائے حیات فہم وعقل سے بالاتر ہے، تیسرے یہ مشاہدے کے خلاف ہے چوتھے حجاباتِ کثیفہ کثیرہ کے باوجود باہر کی آواز کا مردے تک پہنچنا متعذر ہے تو سماعِ موتیٰ اصلاً تو خرقِ عادت ہے مگر ان مواضعِ مخصوصہ میں اللہ رب العزت نے اسے عادت ومعمول بنا دیا ہے۔ اب یہ عادت ہے کرامت نہیں، یعنی یہ نہیں کہ مردہ، ولی کا کلام وسلام تو سنے اور عام آدمیوں کا نہیں یا مردہ ولی تو زائر کا سلام سنے اور غیر ولی نہ سنے۔ بلکہ حسبِ ارشادِ رسولِ خدا ﷺ ان موقعوں پر سلام عام ہے۔

اس حقیقت کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ جن مواضع میں سماع ثابت ہے۔ اگر یہ بطورِ عادت نہیں تو ان مواضع کی تخصیص کا کیا فائدہ؟ کیونکہ بطورِ کرامت تو اللہ تعالیٰ ان مواضع کے علاوہ بھی سنوانے پر قادر ہیں۔ ان مواضع کی تخصیص کی وجہ یہی ہے کہ ان مواضع میں سماع کو عام بنا دیا گیا ہے اور دوسرے موقعوں پر عام نہیں۔ ورنہ قدرتِ باری تعالیٰ کے لحاظ سے تو دونوں قسمیں برابر ہیں۔ مخصوص مواقع پر عادی سماع بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہے۔ اور دوسرے مواقع پر سماع کرامت بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہے۔

قدرتِ الٰہی کے سامنے ہر ناشدنی، شدنی اور ہر ناممکن، ممکن ہے

استبعاد اور ناممکن کی بحث ہماری محدود طاقت کے اعتبار سے ہے۔ اللہ رب العزت کی لامحدود قدرت کے لحاظ سے ہر ناشدنی، شدنی اور ہر ناممکن، ممکن ہے۔ سمندر میں راستے بن جانا، آگ کا ٹھنڈا پڑ جانا، عصا کا اژدھا بن جانا، پتھر سے چشمے پھوٹ پڑنا، چاند کا شق ہوجانا، مٹھی بھر مٹی پورے لشکر کی آنکھوں میں پڑ جانا، مدینہ طیبہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز کا کئی سو میل دور نہاوند کے محاذ پر پہنچ جانا وغیرہ امور ہماری طاقت سے خارج ہیں۔ لیکن قدرتِ خداوندی کے سامنے عین ممکن اور واقع ہیں۔ اسی طرح سمعِ موتیٰ کو سمجھئے یہ بھی فی حد ذاتہ اس عالم کے ضوابط اور عادت کے خلاف ہے۔ لیکن حق تعالیٰ جل شانہ نے عالمِ برزخ کے لحاظ سے اسے عادت اور واقعہ بنا دیا ہے۔ اللہ کے رسول الصادق والمصدوق نے ہمیں اس کی خبر دی ہے اور ہم بصمیمِ قلب اس پر ایمان لائے ہیں۔ ﷺ

کیا موتیٰ نماز پڑھتے اور قرآن کی تلاوت کرتے ہیں؟

فاضل صاحب ''ندائے حق'' تو تحریر فرماتے ہیں: ''ظاہر بین علماء وعوام کا خیال ہے کہ اسی گڑھے میں یہی دھڑ اٹھتا بیٹھتا کھاتا پیتا نماز پڑھتا ہے۔'' (ندائے حق ص ۲۲۰)

مگر اس طعن وتعریض کے علی الرغم اجلہ ائمہ دین، حضرات تابعین، بلکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اسی قبر کے اندر اسی جسدِ عنصری کے نماز پڑھنے اور قرآن کی تلاوت کرنے کا ثبوت موجود ہے۔ ملاحظہ ہو:

حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ کا قبر میں نماز پڑھنا

حضرات انبیاء علیہم السلام کی تو شان ہی نرالی اور عظیم ورفیع ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ غیر انبیاء علیہم السلام کا بھی قبر میں نماز اور

قرآن پڑھنا ثابت ہے۔ چنانچہ جلیل القدر تابعی حضرت ثابت البنانی رحمۃ اللہ علیہ کا قبر میں نماز پڑھنا مشہور و معروف واقعہ ہے۔

حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ سادات تابعین میں سے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک کے خاص اصحاب میں تھے، ان کا فرمان ہے، ہر شئے کی ایک کنجی ہوتی ہے ثابت خیر کی کنجی ہیں۔ دنیا کے سب سے بڑے عابد مشہور تھے، صائم الدہر تھے، دن رات میں پورا قرآن ختم کرتے تھے۔ ۱۲۳ھ میں وفات پائی۔ (تابعین مطبوعہ اعظم گڑھ ص ۶۳)

ان سے متعلق روایت ملاحظہ ہو۔

۱...... ''عن ثابت البنانی قال اللھم ان کنت اعطیت احدا الصلٰوۃ فی قبرہ فاعطنی الصلٰوۃ فی قبری''

حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے انہوں نے دعا کی الٰہی اگر تو نے کسی کو اس کی قبر میں نماز پڑھنے کا شرف عطا فرمایا تو مجھے بھی قبر میں نماز کا شرف عطا فرما۔

(طبقات ابن سعد مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الزہد امام احمد، وابونعیم، شرح الصدور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ مطبوعہ مصر ص ۷۸)

ابونعیم کی روایت ہے جبیر نے کہا ہے ''واللہ الذی لااله الاھو'' میں حمید الطویل کے ساتھ ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر میں تھا ''یصلی فی قبرہ'' وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہا تھا۔ وہ اللہ سے یہ دعا کیا کرتا تھا، اللہ نے اس کی دعا قبول کر لی۔ (ایضاً ص ۷۸)

ابن جریر نے تہذیب الآثار میں اور ابونعیم نے ابراہیم بن الصمۃ المہلبی سے روایت کی ہے کہ حضرت ثابت البنانی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کے پاس سے گزرنے والے کہتے ہیں کہ ہم نے (قبر سے) قرأۃ القرآن کی آواز سنی ہے۔ (ایضاً ص ۷۹)

۲...... ابن مندہ (الامام الحافظ محدث العصر ابوعبداللہ محمد بن ابی یعقوب ابن مندہ متوفی ۳۹۵ھ) نے بسند روایت کی ہے کہ ابوحماد الحفار جو ثقہ اور متقی تھے نے کہا کہ میں نے ایک قبر سے جمعہ کے دن دوپہر کے وقت قرآن کی قرأت سنی۔ (شرح الصدور ص ۷۹)

قبر میں سورہ ملک کی تلاوت

۳...... ترمذی، حاکم اور بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ بعض اصحاب النبی ﷺ نے لاعلمی میں ایک قبر پر خیمہ گاڑا ''واذا فیہ انسان یقراء سورۃ الملک حتی ختمھا'' اس قبر میں ایک انسان سورہ ملک پڑھ رہا تھا حتی کہ اس نے سورۃ ختم کی۔ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی خبر دی گئی تو فرمایا ''ھی المنجیۃ ھی المانعۃ تنجیہ من عذاب القبر'' یہ سورۃ نجات دینے والی ہے، روکنے والی ہے۔ اسے عذاب قبر سے نجات دے گی۔

الف: ابوالقاسم السعدی نے کتاب الروح میں لکھا کہ: ''ھذا تصدیق من النبی ﷺ بان المیت یقرأ فی قبرہ فان عبداللہ اخبرہ بذالک وصدقہ رسول اللہ ﷺ'' یہ نبی کریم ﷺ کی طرف سے اس بات کی تصدیق ہے کہ میت اپنی قبر میں قرأت کرتی ہے عبداللہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو اس کی خبر دی اور آپ ﷺ نے اس کی تصدیق فرمائی۔

ب: امام کمال الدین الزملکانی اپنی کتاب ''العمل المقبول فی زیارۃ الرسول'' میں لکھتے ہیں: ''ھذا الحدیث واضح الدلالۃ علی ان المیت کان یقرأ فی قبرہ سورۃ الملک'' یہ حدیث اس بات پر واضح دلالت کرتی ہے کہ میت اپنی قبر میں سورۃ ملک پڑھتی تھی۔

اس روایت میں بعض اولیاء اللہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اکرام کا ثبوت ہے اور بعض اپنی زندگی میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کرتے تھے تو بعض کے ساتھ قبر میں نماز کے ساتھ اللہ کے اکرام کا ثبوت ہے۔

''فاذا کان من کرامۃ اللہ لاولیائہ تمکینھم من الطاعۃ والعبادۃ فی القبر فالانبیاء بطریق الاولیٰ''

پس جب اولیاء اللہ کے لئے طاعت وعبادت سے ان کی قبر میں من جانب اللہ کرامت وتمکین ثابت ہے تو حضرات انبیاء علیہم السلام بطریق اولیٰ اس کے مستحق ہیں۔ (شرح الصدور ص ۷۹)

سورۂ نور وغیرہ کی تلاوت

۴...... علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اس ضمن میں اور بھی روایات کتاب الروضہ اور حافظ ابن رجب سے نقل کی ہیں۔ جن میں قبر کے اندر قرأۃ قرآن کا ثبوت ہے۔ خصوصاً سورہ ملک کی تلاوت کا۔ (ایضاً ص ۷۹)

۵...... امام یافعی رحمہ اللہ نے کفایۃ المعتقد میں کہا ہے بعض فقہاء الصالحین سے فقیہ الکبیر، ولی الشہیر حضرت احمد بن موسیٰ بن عجیل کی قبر میں سورہ نور کی قرأۃ کی سماعت مشہور ہے۔ (شرح الصدور ص ۸۷)

اس تحقیق سے واضح طور پر معلوم ہوگیا کہ علماء اعلام تابعین عظام کے اقوال سے غیر انبیاء کا قبر میں نماز پڑھنا ثابت ہے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ارشادات بلکہ خود نبی کریم ﷺ کی تقریر وتصدیق سے ثابت ہے کہ حضرات غیر انبیاء بھی قبر میں قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں۔ جب غیر انبیاء کا یہ حال ہے تو حضرات انبیاء علیہم السلام کے قبور مبارکہ میں نماز پڑھنے میں کیا شک وشبہ ہوسکتا ہے؟

جسد عنصری یا بدن مثالی؟

اب سوال یہ ہے کہ قبر میں نماز پڑھنا، یا قرآن کی تلاوت کرنا وغیرہ قبر میں مدفون جسد عنصری کا کام ہے یا بدن مثالی کا؟

اقامۃ البرہان کے فاضل مصنف حضرت سجاد بخاری صاحب فرماتے ہیں: قبروں میں نماز پڑھنا یا تلاوت قرآن کرنا قبر میں مدفون بدن کا کام نہیں بلکہ ان کاموں کو بدن مثالی ہی انجام دیتا ہے۔ (ص ۱۶۷) اور فاضل مصنف اس دعویٰ کی بنیاد شیخ اکبر ابن عربی کے اس کلام پر رکھتے ہیں۔

''ان من اھل البرزخ'' اہل برزخ میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جن کی ہمت سے اللہ تعالیٰ ایسی مخلوق کو پیدا فرما دیتا ہے جو قبر میں وہی عمل کرتی رہتی ہے جو وہ دنیا میں کیا کرتا تھا جیسا کہ ثابت بنانی جلیل القدر تابعی کے بارے میں یہ ثابت ہے کہ لوگوں نے ان کی قبر کھولی تو ان کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے میں معروف پایا اور بہت سے لوگوں نے اس کا مشاہدہ کیا۔ (الیواقیت والجواہر ج ۲ ص ۱۴۱، اقامۃ البرہان ص ۱۶۷)

حیرت وتعجب کا مقام ہے کہ قبر میں نماز پڑھنے وغیرہ امور کے لئے اللہ تعالیٰ ایک دوسری مخلوق کو تو پیدا فرما دیتے ہیں لیکن اسی مدفون جسد عنصری میں ایسی نوع حیات (معاذ اللہ) پیدا نہیں فرما سکتے جس سے وہ نماز یا قرآن پڑھ سکے۔ آخر اس میں کیا استبعاد ہے کہ اللہ رب العزت اسی مدفون جسد عنصری میں فی الجملہ حیات پیدا فرما دیں اور یہی جسد عنصری ہی نماز یا قرآن پڑھے۔ پھر یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ دعا تو کریں

"فاعطني الصلوة في قبري" اے اللہ! مجھے قبر میں نماز (پڑھنے کا شرف) عطا فرما۔ (طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۲۳۳ ترجمہ ثابت بن اسلم البنانی) وغیرہ (حلیۃ الاولیاء لابی نعیم ج ۲ ص ۳۱۹ مطبوعہ مصر) مگر ان کی بجائے یہ شرف عطا فرمایا جائے۔ ایک اور مثالی بدن کو اسے پیدا کیا جائے اور اس سے نماز پڑھائی جائے۔

آخر اس میں کون سا محال عقلی لازم آتا ہے یا شریعت کے کس اصول سے تصادم ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت اسی بدن عنصری میں ایک قسم کی زندگی پیدا فرما دیں جس سے یہ اعمال صادر ہوں۔ آخر لوگوں کو اس وجود سے کیا بیر ہے کہ ایک اور مثالی بدن کی تخلیق تو تسلیم کرتے ہیں مگر اسی وجود میں فی الجملہ تخلیق حیات کو تسلیم نہیں کرتے۔ اگر اس جسد عنصری سے کچھ ایسا ہی بیر ہے تو پھر بات پوری کرنی چاہئے تھی۔ جہاں یہ کہا تھا کہ: جلیل القدر تابعی حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ کی قبر لوگوں نے کھولی تو ان کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے میں مصروف پایا۔

وہاں ایک اور سطر بڑھا دینی چاہئے تھی کہ حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ کو لوگوں نے قبر میں دیکھا کہ ان کا جسد عنصری نیچے پڑا ہوا ہے اور ان ہی کے سینے پر کھڑے ہو کر ان ہی کا بدن مثالی نماز پڑھنے میں مصروف ہے۔

ہمیں تو کہا جاتا ہے کہ قبر میں اتنی گنجائش ہی کہاں ہے کہ انسان کھڑا ہو کر نماز پڑھ سکے۔" مگر اب اسی قبر میں وہ مدفون جسد بھی موجود ہے پھر بدن مثالی کے کھڑے ہونے اور نماز میں مصروف ہونے کی گنجائش، اللہ جانے! کہاں سے نکل آئی۔

بدن مثالی کا قول تو ایک ضرورت سے تھا

علماء اعلام رحمہم اللہ نے بدن مثالی کا قول بعض مواقع پر ضرور کیا ہے۔ مگر وہاں جہاں جسد عنصری کا موجود ہونا محال تھا۔ مثلاً معراج کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے بیت المقدس میں اور آسمانوں پر حضرات انبیاء علیہم السلام سے ملاقات فرمائی اور مسجد اقصیٰ میں انہیں نماز بھی پڑھائی۔ چونکہ ان کے جسد عنصری قبروں میں مدفون تھے۔ اس لئے جمہور علماء امت یہی فرماتے ہیں کہ بیت المقدس یا آسمانوں میں حضرات انبیاء علیہم السلام کے مثالی ابدان مبارکہ تھے۔

۱...... حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: حدیث کی دلالت اس پر ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اور یونس علیہ السلام آپ ﷺ کو نظر آئے یہ تمثل روحی تھا کیوں کہ جسد تو ان حضرات کا قبور میں تھا۔ (التکشف ص ۴۵۰)

۲...... ایک اور جگہ رقم فرماتے ہیں: حضرت آدم علیہ السلام جمیع انبیاء میں اس کے قبل بیت المقدس میں بھی مل چکے ہیں اور اسی طرح بقیہ سموات میں جو انبیاء علیہم السلام کو دیکھا اس کی حقیقت یہ ہے کہ قبر میں تو اصلی جسد سے تشریف رکھتے ہیں اور دوسرے مقامات پر ان کی روح کا تمثل ہوا ہے یعنی غیر جسد عنصری سے جس کو صوفیہ جسم مثالی کہتے ہیں روح کا تعلق ہو گیا۔ (نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب ذکر معراج ص ۵۰)

۳...... حضرت مولانا نصیر الدین غور غشتوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: بیت المقدس میں شب معراج کو انبیاء علیہم السلام اپنے عنصری اور حقیقی ابدان مبارکہ کے ساتھ تشریف نہیں لائے تھے، کیوں کہ وہ تو قبروں میں مدفون اور محفوظ ہیں۔ بیت المقدس میں صرف ان کی روحیں متشکل ہو کر شریک نماز ہوئی تھیں۔ (اقامۃ البرہان ص ۱۷۵)

۴...... شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: "ان ارواحهم مشكلة بشكل اجسادهم كما جزم ابو الوفاء بن عقيل" "ان کی روحیں ان کے اجساد کی شکلوں میں متمثل تھیں جیسا کہ ابو الوفاء بن عقیل (متوفی ۵۱۰ھ) نے پورے وثوق سے کہا ہے۔ (فتح الباری، اقامۃ البرہان ص ۱۷۴)

۵...... امام ابن قیم رحمہ اللہ علماء امت کا قول پیش کرتے ہیں کہ: شب معراج نبی ﷺ کا حضرات انبیاء علیہم السلام کو دیکھنا ''انما ھی لارواحھم دون اجسادھم والاجساد فی الارض قطعاً'' ان کی روحوں کو (متشکل اور مجسم) دیکھنا تھا نہ کہ ان کے جسموں کو، کیونکہ ان کے جسم تو قطعی طور پر زمین (قبر) میں تھے۔ (کتاب الروح ص ۵۴)

لمحہ فکریہ: ائمہ اعلام دین رحمہ اللہ تو ان موقعوں پر بدن مثالی کا قول اس لئے فرماتے ہیں کہ چونکہ ان حضرات کے اجسام وابدان مبارکہ قبور مطہرہ میں موجود محفوظ ہیں۔ لہٰذا دوسرے مقامات پر ان کے عنصری اجساد نہیں تھے بلکہ مثالی ابدان تھے۔

اور ہمارے یہ مہربان الثانیہ فرماتے ہیں کہ قبر کے اندر مثالی بدن ہے اور قبروں میں نماز پڑھنا یا قرآن پڑھنا یہ سب مثالی بدن کا کام ہے۔ مثالی بدن کا قول تو اس ضرورت سے کیا گیا تھا کہ ان مواقع پر عنصری بدن کا موجود ہونا متعذر تھا اور قبر میں جہاں خود بدن عنصری موجود ہے بدن مثالی سے لے آنے کی کیا ضرورت ہے؟

۱...... اچھا، جب مقتدی حضرات انبیاء علیہم السلام بدن مثالی کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے تو امام الانبیاء نبی کریم ﷺ بھی جسم مثالی سے امامت کرار ہے ہوں گے مگر یہ کوئی نہیں کہتا، اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سب یہی کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ اپنے جسد عنصری سے نماز پڑھا رہے تھے جسد عنصری کے ساتھ معراج پر گئے تھے۔

جب سارے ماموم مقتدی حضرات انبیاء علیہم السلام مثالی بدن سے نماز پڑھ رہے ہیں تو امام حضرت ﷺ کو بھی مثالی بدن کے ساتھ امامت کرنی چاہئے۔ مگر اس کا کوئی بھی قائل نہیں، کیونکہ حضرت ﷺ کا تو اصلی جسم مبارک موجود ہے۔ جب جسد عنصری موجود ہے تو مثالی جسم کے کیا معنی؟ مثالی ابدان تو ان حضرات کے ہیں جن کے عنصری جسم قبروں میں تھے۔

تو یہاں بھی جب قبروں میں اصلی جسم موجود ہے مثالی جسم کے نماز پڑھنے کے کیا معنی؟ مثالی بدن تو وہاں ہوگا جہاں جسد عنصری نہ ہو۔ اصلی جسم کا موجود ہونا متعذر ہو اور جہاں خود اصلی جسم موجود ہو وہاں مثالی جسم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۲...... پھر صحیح حدیث کے مطابق جب جنازہ لوگوں کی گردنوں پر اٹھتا ہے تو کہتا ہے ''قدمونی قدمونی'' (مجھے جلد پہنچا دو، مجھے آگے لے چلو) تو یہ بھی بدن عنصری نہیں بلکہ بدن مثالی کہتا ہوگا؟ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ غسل بھی بدن مثالی کو دیا گیا تجہیز وتکفین سب بدن مثالی کی کی گئی۔ جنازہ بھی بدن مثالی کا پڑھا گیا، دفن بھی بدن مثالی کو کیا گیا پھر تو یہ صحیح ہوگا کہ قبر میں نماز بھی بدن مثالی پڑھتا ہے اور قرآن بھی۔ (صحیح بخاری باب کلام المیت علی الجنازۃ)

اور اگر یہ نہیں تو پھر تو یہ بات ناقابل فہم ہوگی کہ قبل دفن تو سارا معاملہ بدن حقیقی عنصری سے تھا اور دفن ہوتے ہی وہ بدن عنصری، بدن مثالی میں تبدیل ہوگیا۔ قبر کے باہر غسل، تجہیز، تکفین، تدفین سب جسد عنصری سے متعلق تھی اور قبر کے اندر منکر نکیر کے سوالات کی جوابدہی، عذاب وراحت کا احساس سلام سننا، جواب دینا، قرآن پڑھنا، نماز ادا کرنا، یہ سب کام مثالی بدن کرتا ہے، قبر سے باہر بدن عنصری تھا، جو دفن ہوتے ہی مثالی بن گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون!

مقام غور: غور وفکر کا مقام ہے کہ جہاں بدن عنصری موجود ہے وہاں بدن مثالی کے قول کی کیا گنجائش ہے؟ کیا ایک ہی مقام پر ایک ہی وقت میں حقیقی اور مثالی دونوں ابدان جمع ہو سکتے ہیں؟ کیا عقل سلیم وصحیح اسے تسلیم کر سکتی ہے؟ اگر یہ کہا جائے کہ قبر میں بدن حقیقی عنصری ہے کہاں؟ وہ تو گل سڑ گیا مٹی ہو گیا اس لئے سارے کام بدن مثالی کرے گا۔

تو عرض یہ ہے کہ گلنے سڑنے تک قبر کے اندر جو کام ہیں وہ تو بدن حقیقی کے مان لیجئے۔ مثلاً دفن کے فوراً بعد دفن کر کے واپس لوٹنے والوں کے جوتوں کی آواز کو سننا، منکر نکیر کے سوالات کے جوابات دینا، اس جواب کے فوراً بعد نعیم جنت یا عذاب جہنم کا مزہ چکھنا، گلنے سڑنے سے پہلے پہلے زائر کا سلام سننا، جواب دینا، نماز پڑھنا، قرآن پڑھنا۔

مگر آپ تو مطلقاً یہ فرماتے ہیں کہ: عالم برزخ میں روحوں کی تمام سرگرمیاں، ان کا تلذذ و تالم، سلام وکلام، صلوٰۃ و حج وغیرہ ان مثالی اور برزخی بدنوں کی وساطت ہی سے سرانجام پاتے ہیں۔ قبروں میں نماز پڑھنا یا تلاوت قرآن کرنا قبر میں مدفون بدن کا کام نہیں، بلکہ ان کاموں کو بدن مثالی ہی انجام دیتا ہے۔ (اقامۃ البرہان ص ۱۶۷)

پھر دوسری اہم بات یہ ہے کہ جن ذوات قدسیہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے متعلق آپ کا بھی ایمان ہے کہ ان کے اجساد گرامی کو مٹی نہیں کھاتی اور وہ بالکل تر و تازہ جوں کے توں رکھے ہیں۔ بالکل صحیح وسالم، ذرہ بھر تغیر ان میں رونما نہیں ہوا نہ ہو سکتا ہے، ان کے حق میں تو تسلیم فرمالیجئے کہ وہ سلام سنتے ہیں اور سلام کا جواب بھی دیتے ہیں۔ مگر آپ کا تو ان کے بارے میں بھی یہی ارشاد ہے کہ: ارواح انبیاء علیہم السلام کا ان کے بدنوں کے ساتھ جو تعلق ہے یہ بدن میں صفت حیات پیدا کرنے کے لئے نہیں تاکہ ان کے بدن زندہ ہو کر قبروں میں نماز پڑھیں اور زائرین کا سلام بگوش سر سنیں، بلکہ یہ تعلق محض اتصال اور قرب کا ہے تاکہ ان کی روحیں زائرین کا سلام سنیں اور متمثل ہو کر قبر میں قرآن کی تلاوت کریں اور نماز پڑھیں۔ (اقامۃ البرہان ص ۱۹۰، ۱۹۱)

از راہ انصاف فرمایئے! وجود اقدس و اطہر تر و تازہ ہے جوں کا توں ہے بالکل صحیح سلامت! پھر اس کے ساتھ روح کا اتصال و قرب کا تعلق ہے۔ مگر بایں ہمہ اس بدن عنصری میں فی الجملہ حیات تسلیم نہیں کی جاتی جس سے وہ زائرین کا سلام سن سکیں یا قبر میں قرآن کی تلاوت کر سکیں یا نماز پڑھ سکیں۔ البتہ پہلے ایک اور مثالی وجود بنایا جاتا ہے پھر اس کے اندر روح ڈال کر اسے زندہ کیا جاتا ہے۔ پھر اس مثالی بدن کو قبر کے اندر داخل کیا جاتا ہے۔ تب جا کر وہ مثالی بدن سلام سنتا ہے نماز پڑھتا اور قرآن کی تلاوت کرتا ہے کیا یہ منطق معقول اور یہ تقریر عادلانہ ہے۔ کیا یہ صریح زیادتی نہیں؟

ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی
آپ ہی اپنے ذرا طرز عمل کو دیکھیں

آخر یہ کہاں کا عدل و انصاف ہے کہ بدن عنصری کے ساتھ تو روح کا ادنیٰ تعلق نہیں مانا جاتا اور کہا جاتا ہے کہ روح کا مستقر اعلیٰ علیین ہے۔ رفیق اعلیٰ ہے۔ وہاں سے روح قبر میں نہیں آسکتی اور جسد عنصری کے ساتھ تعلق۔ جس سے اس میں نوع حیات پیدا ہو جائے۔ قائم نہیں کر سکتی۔ لیکن جب بدن مثالی کا معاملہ ہو تو روح رفیق اعلیٰ سے فوراً چلی آتی ہے اور بدن کے خود اندر داخل ہو جاتی ہے جس سے بدن مثالی میں حقیقی حیات پیدا ہو جاتی ہے اور وہ قبر کے اندر سارے کام بے تکلف کرنے لگ جاتا ہے۔

آخر کوئی مشکل در پیش ہے یا صرف وجود اقدس سے بغض و بیر ہے کہ حقیقی جسد مطہر و مقدس کا سوال ہو تو ہر بات غلط اور ناممکن اور مفروضہ بدن مثالی کا معاملہ ہو تو ہر بات صحیح ممکن بلکہ ثابت ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

ایک مشکل: اگر یہ اشکال در پیش ہے کہ نماز اور قرآن پڑھنے کے لئے زندگی کی ضرورت ہے۔ اگر نماز پڑھنا اور قرآن کی تلاوت کرنا جسد عنصری کا فعل تسلیم کر لیا جائے تو پھر اس کے اندر زندگی اور حیات کاملہ ماننا پڑے گی اور وہ قیامت سے پہلے ممکن نہیں۔

یہ صحیح ہے کہ کتاب وسنت کی نصوص صریحہ کے مطابق موت کے بعد حیات قیامت کے دن ملے گی۔ پہلے نہیں۔ مگر کون سی حیات؟ حیات کاملہ موت سے پہلی والی زندگی! رہی نوعا من الحیات فی الجملہ حیات۔ ایک گونہ زندگی جس سے عذاب وآرام، دکھ سکھ کا احساس وادراک ہو سکے، تو یہ کتاب وسنت اور اجماع امت سے ثابت ہے کہ قبر میں میت کو حاصل ہے۔ اس موضوع پر مستقل بحث تفصیل کے ساتھ اسی کتاب میں موجود ہے۔

جس ایک گونہ حیات اور فی الجملہ زندگی سے قبر میں مدفون بدن عنصری عذاب وثواب قبر کا احساس وادراک کرتا ہے اسی نوع حیات سے قبر میں نماز بھی پڑھ سکتا ہے اور قرآن بھی۔

اعمال قبر کی نوعیت

باقی جس طرح عذاب وآرام قبر کو ہم محسوس نہیں کر سکتے، نہ ہی قبر کی آگ اور سبزی، تنگی اور فراخی دنیا کی آگ اور سبزی اور محسوس ومرئی تنگی اور فراخی ہے بلکہ یہ آخرت کی آگ اور سبزی ہے۔ جسے دنیوی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ اسی طرح قبر کے اندر نماز پڑھنے کے یہ معنی نہیں کہ مقبور بدن اٹھتا بیٹھتا، سجدہ ورکوع کرتا ہے اور ہمیں نظر بھی آ سکتا ہے۔ جس طرح مقبور ومدفون بدن پر وارد عذاب وتنعیم کو دنیوی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ اسی طرح بدن مقبور ومدفون کا قیام ورکوع وسجدہ بھی نہیں دیکھ سکتی۔ دنیوی آنکھ تو دنیا کے اندر سوئے ہوئے زندہ انسان کے جسم پر خواب کے اثار وواردات کو نہیں دیکھ سکتی۔ یہ مردہ انسان کے جسم پر قبر میں واردات کو کیا دیکھے گی۔ ہاں اللہ تعالیٰ اپنے مقبول اور برگزیدہ خاص بلکہ اخص بندوں کو قبر کے آلام وآرام اور عذاب وراحت پر مطلع کر دیتے ہیں اور وہ قبر کے اندر بدن مقبور پر عذاب وثواب کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ یہی خاص اور اخص حضرات مدفون بدن کے قبر کے اندر نماز پڑھنے کو بھی دیکھ سکتے ہیں

ہاں! کبھی کبھی اللہ رب العزت کسی مصلحت سے جیسے قبر کے عذاب وراحت کی جھلک اہل دنیا کو بھی دکھا دیتے ہیں۔ اسی طرح کبھی کبھی بدن مدفون، مثلاً حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ، کا نماز پڑھنا بھی اہل دنیا کو دکھا دیتے ہیں اور قرآن کی تلاوت بھی سنا دیتے ہیں ورنہ قبر کے عذاب وثواب قبر کی تنگی وفراخی اور قبر کی آگ اور سبزی کی طرح قبر کے اعمال نماز تلاوت قرآن وغیرہ بھی دنیوی نوعیت کے نہیں، اخروی قسم کے ہیں، معنوی قسم کے ہیں جن کا علم وادراک اللہ تعالیٰ اپنے خاص اور اخص بندوں کو عطا فرما دیتے ہیں۔ عام آدمیوں کو ان کا علم نہیں ہو سکتا۔ عام لوگوں کو تو قبر کے باہر چارپائی پر میت کے "قدمونی قدمونی" کہنے کا علم وسماع نہیں ہو سکتا۔ قبر کے اندر کے اعمال کا علم واحساس کیا ہوگا؟

اعمال قبر میں حج کا ذکر فرمایا گیا تو ایک اہل علم بالکل عامیانہ انداز میں سوچتے اور استہزاء وتمسخر کے انداز میں لکھتے ہیں: "یہی دھڑ مکہ شریف حج کرنے، وقوف عرفہ کرنے، طواف کعبہ کرنے کو زمین کے اندر اندر ہی چلا جاتا ہے۔ اس بیچارے دھڑ کو اب بھی آرام سے ایک جگہ ٹکنے نہیں دیتے۔ پھر لطف یہ کہ کہتے ہیں دھڑ ہمیں تو یہیں قبر اور گڑھے میں دھرا دکھ رہا ہے مگر مکہ شریف میں حج کرنے کو بھی یہی دھڑ گیا ہوا ہے، ہمیں محسوس نہیں ہوتا۔" (ندائے حق ص ۲۲۰)

اہل علم ہو کر اتنی سیدھی سی بات نہیں سمجھ سکتے کہ اعمال قبر، دنیوی اعمال نہیں کہ نماز کے لئے طہارت ووضو، قیام وقعود اور حج کے لئے مکہ شریف کے سفر کی ضرورت ہو۔ آخر نائم بھی تو نماز پڑھتا ہے۔ حجاز مقدس کیا۔ یورپ، امریکہ بلکہ عالم بالا کی سیر وسیاحت کرتا ہے۔ کیا اس کے متعلق بھی کبھی کسی نے کہا ہے کہ: "اسے نیند میں بھی آرام

سے ایک جگہ نکلنے نہیں دیتے۔" پھر جب وہ شرق وغرب، عرب وعجم کی سیر اور ارض وسما پر پرواز کر رہا ہوتا ہے کیا وہ ہمارے سامنے سویا ہوا نہیں ہوتا؟ یقیناً سویا ہوا ہوتا ہے۔ اہل علم کو تو یہ سمجھانے کی ضرورت ہی نہیں کہ بارشاد رسول ﷺ نیند موت کی بہن بلکہ عین موت ہے اور بالفاظ قرآن نیند وفات ہے۔

جس طرح نیند میں روح نکال لی جاتی ہے اور روح کا تعلق بدن سے برقرار رہتا ہے اور نائم خواب کے اندر کھاتا پیتا چلتا پھرتا ہے، سیر وسیاحت کرتا ہے، ہواؤں فضاؤں اور آسمانوں میں اڑتا پھرتا ہے، بعض ایسے اعمال کا ارتکاب بھی کرتا ہے، جن کا اثر بیداری کے بعد بھی اس کے جسم پر ظاہر وموجود رہتا ہے۔ لیکن بایں ہمہ ساتھ بیٹھا ہوا انسان یہی دیکھتا ہے کہ یہ بے حس وحرکت، ساکت وجامد پڑا ہوا ہے۔ بالکل اسی طرح موت کے بعد جب روح کا تعلق واتصال جسم سے ہوتا ہے تو میت سلام سنتا، جواب دیتا، نماز اور قرآن پڑھتا ہے مگر اہل دنیا کی نگاہ میں ہڈیوں کا ڈھانچہ پڑا ہوتا ہے۔ چونکہ مخبر صادق ﷺ نے ہمیں اس کی خبر دی ہے۔ لہٰذا ہمارا ایمان ہے، بن دیکھے سنے ایمان ہے اور کبھی کبھی اللہ تعالیٰ کسی جسد مقبور ومدفون کی تلاوت قرآن کی آواز اہل دنیا کو سنوا بھی دیتے ہیں جیسے کبھی کسی نائم کی بات ہمیں سنوا دیتے ہیں۔ اس کے رونے ہنسنے پر ہمیں مطلع فرما دیتے ہیں۔

حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ کا بعد وفات کلام کرنا

تاریخ اسلام میں تو ایسے واقعات بھی ملتے ہیں کہ اسی دنیا میں بعض بزرگوں نے بعد الموت لوگوں سے بات چیت کی۔ چنانچہ حضرت زید بن خارجہ جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ کا واقعہ مشہور ہے۔

۱...... شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ کا اپنی وفات کے بعد خلفائے ثلاثہ کے فضائل بیان کرنا: ابوعمر (امام عبدالبر رحمہ اللہ) نے بروایت سلیمان بن بلال، یحییٰ بن سعید، سعید بن المسیب سے نقل کیا ہے کہ زید بن خارجہ انصاری، حارثی، خزرجی نے عہد خلافت حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ میں وفات پائی تو ان کو چادر اوڑھا دی گئی۔ پھر لوگوں نے ان کے سینے سے کچھ آواز گھنٹی کی آواز کی مثل سنی اس کے بعد انہوں نے کلام کیا۔

"فقال احمد احمد فی الکتاب الاوّل صدق صدق ابو بکر الصدیق الضعیف فی نفسہ القوی فی امر اللہ فی الکتاب الاوّل صدق صدق عمر بن الخطاب القوی الامین فی الکتاب الاوّل صدق صدق عثمان بن عفان علی منہاجھم" اور کہا احمد احمد اگلی کتابوں میں (اسی نام سے مذکور) ہیں سچ کہا سچ کہا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی ذات میں ضعیف ہیں دین کے کام میں قوی ہیں۔ اگلی کتاب میں (اسی وصف کے ساتھ مذکور) ہیں سچ کہا، سچ کہا عمر بن الخطاب قوی امانت دار اگلی کتاب میں (اسی وصف سے) مذکور ہیں۔ سچ کہا، سچ کہا عثمان بن عفان انہی کے طریقہ پر ہیں۔ اور ایسا ہی واقعہ ربعی بن خراش کے بھائی کا بھی پیش آیا ہے۔ (ازالۃ الخفاء مترجم ج اول ص ۳۶۴ مقصد اول فصل چہارم، احادیث خلافت)

۲...... علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ (م ۴۶۳ھ) اپنی شہرہ آفاق تالیف (الاستیعاب فی اسماء الاصحاب) میں لکھتے ہیں: "زید بن خارجہ: روی عن النبی ﷺ وھو الذی تکلم بعد الموت لا یختلفون فی ذالک" زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے اور یہ وہی ہیں جنہوں نے بعد الموت کلام کیا۔ اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں۔

پھر علامہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس حدیث کو ثقات الشامیین نے حضرت نعمان رضی اللہ عنہ بن بشیر سے اور ثقات

کوفیین نے یزید بن نعمان رضی اللہ عنہ بن شبیر سے روایت کیا ہے۔ اس کے بعد امام رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ مذکورہ بالا واقعہ حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (استیعاب ترجمہ حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ)

۳...... شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: ''ذکر البخاری وغیرہ انہ الذی تکلم بعد الموت'' امام بخاری وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ زید بن خارجہ وہی ہیں جنہوں نے موت کے بعد کلام کیا۔

(اصابہ ج اوّل ذکر حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ)

۴...... پھر لکھتے ہیں: ابن مندہ، نے نعمان بن بشیر سے (بسند) روایت کیا ہے کہ زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ انصار کے نیک اور بہترین نوجوانوں میں سے ایک نوجوان تھا اس نے موت کے بعد کلام کیا۔ پھر سارا قصہ بیان کیا اور اسی قصہ کو۔

۵...... ابو نعیم نے بھی تفصیل وطوالت کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (اصابہ ج ثانی ذکر حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ)

۶...... علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے تہذیب میں ذکر کیا ہے کہ یہ قصہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ وغیرہ سے متعدد طریقوں سے مروی ہے۔ (عمدۃ الاخبار ص ۳۱۲، رحمت کائنات از حضرت مولانا زاہد الحسینی صاحب ص ۱۱۲)

۷...... امام ابن سعد رحمہ اللہ (امام ابن سعد رحمہ اللہ حدیث وسیرت وتاریخ کے جلیل القدر شہرہ آفاق امام ہیں۔ آپ کی کتاب طبقات صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ وغیرہ کے حالات میں بڑی ضخیم اور بے نظیر کتاب ہے۔ سن وفات ۲۳۰ھ) زید بن خارجہ'' وھو الذی سمع منہ الکلام بعد موتہ فی زمن عثمان بن عفان'' (طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۵۲۴ ذکر حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ)

حضرت ربیع بن حراش کا کلام بعد الموت

علامہ ابن عبد البر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ربعی بن حراش (جلیل القدر تابعی) سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا میرا بھائی بڑا عابد، نماز گزار اور صائم تھا مر گیا ہم نے اس کے اوپر چادر ڈال دی اور اس کے قریب بیٹھ گئے۔ اس حال میں اس نے اپنے منہ سے چادر ہٹائی اور کہا السلام علیکم! میں نے کہا سبحان اللہ بعد الموت یہ تکلم؟ اس نے کہا: ''لقیت ربی فتلقانی بروح وریحان ورب غیر غضبان'' میں اپنے رب سے ملا سو میرا رب مجھے خوشی اور رحمت کے ساتھ ملا اور بالکل بے غضب ہو کر۔

حضرت علی بن المدینی (ایک راوی) کہتے ہیں کہ اس حدیث کو عبد الملک بن عمیر سے متعدد حضرات نے روایت کیا ہے اور ربعی بن حراش رضی اللہ عنہ سے عبد الملک بن عمیر کی طرح حمید بن ہلال نے روایت کیا ہے اور حمید بن ہلال سے ایوب السختیانی اور عبد اللہ بن عون نے روایت کیا ہے اور علی بن المدینی نے ان سب احادیث کو ذکر کیا ہے۔

(استیعاب ترجمہ حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ)

۲...... ربعی بن حراش کے بھائی کا نام امام ابن سعد رحمہ اللہ (م ۲۳۰ھ) نے الربیع بن حراش لکھا ہے۔ دو روایتیں بسند روایت کی ہیں جن میں ہے کہ مرنے کے بعد ربیع بن حراش نے منہ سے کپڑا ہٹایا اور کہا السلام علیکم! ربیع بن حراش نے کہا ''وعلیک ورحمۃ اللہ سبحان اللہ بعد الموت یا اخی؟'' اس نے کہا ''انی لقیت ربی بعد کم فتلقانی بروح وریحان ورب غیر غضبان'' (طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۱۵۰ ذکر حضرت ربیع بن حراش رحمہ اللہ)

۳...... شیخ محی الدین نووی (م ۶۷۶ھ) شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں: ''ربعی بن حراش اخو مسعود الذی

تکلم بعد الموت و اخوھما ربیع و ربعی تابعی کبیر جلیل حلف انہ لا یضحک حتی یعلم این مصیرہ فما ضحک الا بعد موتہ و کذا حلف اخوہ ربیع ان لا یضحک حتی یعلم فی الجنۃ ھو او فی النار قال غاسلہ فلم یزل متبسما علی سریرہ و نحن نغسلہ حتی فرغنا۔ توفی ربعی سنۃ احدی و مأۃ'' ربعی بن حراش مسعود کا بھائی ہے جس نے بعد الموت کلام کیا اور ان دونوں کے بھائی ربیع ہیں۔ ربعی کبیر و جلیل تابعی ہیں۔ انہوں نے قسم کھائی کہ جب تک اُسے یہ علم نہیں ہوگا کہ اس کا ٹھکانہ کہاں ہے وہ نہیں ہنسے گا۔ چنانچہ وہ نہ ہنسے مگر موت کے بعد اسی طرح اس کے بھائی ربیع نے قسم کھائی کہ جب تک اسے یہ علم نہیں ہوگا کہ وہ جنتی ہے یا دوزخی، وہ نہیں ہنسے گا۔ چنانچہ اسے غسل دینے والے نے کہا کہ وہ تختہ غسل پر برابر ہنستے رہے یہاں تک کہ ہم غسل دے کر فارغ ہو گئے۔ ربعی نے ایک سو ایک ہجری میں وفات پائی۔ (نووی شرح صحیح مسلم ج اول باب تغلیظ الکذب علی رسول اللہ ﷺ)

ایک شبہ: یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ بعد وفات غیر نبی کے اندر تو آثار حیات اتنا قوی ہوں کہ وہ نماز پڑھتے اور کلام کرتے اور ہنستے دیکھے جائیں۔ مگر نبی اللہ حضرت سلیمان علیہ السلام بعد وفات اپنے جسم کو بھی نہ سنبھال سکیں۔ جب دیمک ان کے عصاء کو کھا جائے تو وہ گر پڑیں۔ قولہ تعالیٰ: ''فلما قضینا علیہ الموت ما دلھم علی موتہ الا دابۃ الارض تأکل منسأتہ فلما خرّ'' (سبا: ۱۴) پس جب ہم نے ان پر موت کا حکم جاری کر دیا تو کسی چیز نے ان کی موت کا پتہ نہ دیا مگر گھن کے کیڑے نے کہ وہ سلیمان کے عصا کو کھاتا تھا۔ سو (عصا کو دیمک کھا گئی تو) وہ جب گر پڑے۔

جواب: اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ غیر انبیاء کی طرح حضرات انبیاء علیہم السلام کے لئے بھی وقوع موت متفق علیہ ہے۔ جس کے نتیجے میں اعضاء ظاہری اور اعمال و حرکات کا تعطل لازمی و اجماعی امر ہے۔ اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔ لیکن آثار حیات کا موقوف و معطل محسوس ہونا ہمارے مشاہدہ کے اعتبار سے ہے۔

حقائق برزخیہ ہمارے مشاہدہ سے بالا ہیں

حقائق برزخیہ کے بارے میں اصل یہ ہے کہ وہ ہمارے حواس و مشاہدہ سے وراء الوراء ہیں۔ خواہ یہ حقائق حضرات انبیاء علیہم السلام کے متعلق ہوں یا حضرات شہداء رضی اللہ عنہم سے متعلق یا عام اموات کے متعلق چنانچہ حضرات شہداء کے متعلق فرمایا گیا ہے ''بل احیاء و لکن لا تشعرون'' (البقرۃ: ۱۵۴) یعنی وہ ہیں تو زندہ لیکن تم مشاہدہ و حس کے ساتھ اس زندگی کا ادراک نہیں کر سکتے تو ہمارا مشاہدہ گو حیات شہداء کی نفی کرتا ہے لیکن یہ ہمارا عین ایمان ہے کہ حضرات شہداء رضی اللہ عنہم زندہ و حیات ہیں۔ بہرحال حقائق برزخیہ ہمارے مشاہدہ سے بالا ہیں ہماری آنکھوں میں حالات برزخیہ کے مشاہدہ کی صلاحیت ہی نہیں۔

امام الامت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ امام المناطقہ والفلاسفہ حضرت غزالی رحمہ اللہ (م ۵۰۵ھ) سے نقل فرماتے ہیں کہ: ''فان ھذا العین لا تصلح لمشاھدۃ الامور الملکوتیۃ و کل ما یتعلق بالآخرۃ فھو من عالم الملکوت'' بیشک یہ آنکھ امور ملکوتیت کو دیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتی اور ہر چیز جو آخرت سے متعلق ہو وہ عالم ملکوت سے ہے۔

پھر فرماتے ہیں: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نزول جبرئیل علیہ السلام پر کس طرح ایمان لے آتے تھے۔ حالانکہ وہ اسے

دیکھتے نہیں تھے۔ لیکن ان کا ایمان تھا کہ نبی علیہ السلام اسے دیکھتے ہیں۔ پس اگر تو اس پر ایمان نہیں لاتا۔ "فتصحیح اصل الایمان بالملائکۃ والوحی اھم علیک" تو ملائکہ اور وحی پر صحیح ایمان لانا تیرے لئے بہت مشکل ہے۔

اور اگر تیرا اس پر ایمان ہے کہ نبی ﷺ وہ کچھ دیکھتے ہیں جو امت نہیں دیکھتی "فکیف لا تجوز ھذا فی المیت" تو پھر میت کے بارے میں تو اسے کیوں جائز نہیں سمجھتا۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج اوّل باب ذکر عالم المثال)

میت کے بارے میں بھی مخبر صادق ﷺ نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے بالکل صحیح ہے۔ گو وہ ہمارے مشاہدہ سے ماوراء ہے جیسے ملائکہ جبرئیل امین، نزول وحی ہمارے مشاہدہ سے ماوراء ہے۔ مگر ان پر ہمارا ایمان ہے۔ اسی بحث میں فرماتے ہیں قبر و برزخ سے متعلق) احادیث کا ظاہر صحیح ہے اور ان کے اسرار مخفی ہیں۔ لیکن یہ اہل بصیرت کے نزدیک واضح ہیں۔ "فمن لا ینکشف له حقائقها فلا ینبغی ان ینکر ظواهرها بل اقل درجات الایمان التسلیم والتصدیق" پس جس پر ان حقائق کا انکشاف نہ ہوا سے ظاہر احادیث کا انکار جائز نہیں بلکہ ایمان کا کمتر درجہ انہیں صحیح تسلیم کرنا اور ان کی تصدیق کرنا ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ایضاً باب عالم مثال)

ان اکابر و عمائد امت اور مشائخ و حکماء اسلام کے اس ارشاد سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ قبر و برزخ کے احوال و حقائق سے متعلق احادیث صحیحہ متواترہ کا انکار انسان کو ایمان سے خارج کر دیتا ہے۔ اہل اللہ پر تو ان حالات و حقائق کا انکشاف ہوتا ہے۔ باقی ایمان کا اقل و ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ ان احادیث کی بھی تصدیق کی جائے اور انہیں دل سے تسلیم کیا جائے۔ اگر کوئی ان حقائق کی تسلیم و تصدیق نہیں کرتا بلکہ الٹا استہزا و تمسخر کرتا ہے تو وہ ایمان کے آخری درجہ سے بھی محروم ہے۔ اعاذنا اللہ منہ!

بعض حقائق برزخیہ کا بطور خرق عادت مشاہدہ

بہر حال حالات و حقائق برزخیہ کے بارے میں اصل یہی ہے کہ وہ عوام اہل دنیا کے حواس و مشاہدہ سے وراء و بالا ہیں۔ خواہ یہ حقائق حضرات انبیاء علیہم السلام سے بھی متعلق کیوں نہ ہوں۔ مگر بعض مصالح کی بنا پر بطور خرق عادت کبھی ان قبر و برزخ سے متعلق حالات و کوائف کا مشاہدہ کرا دیا جاتا ہے۔ مثلاً (۱) جلیل القدر تابعی حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ کا قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا دکھا دیا گیا (۲) بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کسی قبر سے تلاوت قرآن سنا دی گئی (۳) حضرت ربعی بن حراش کے بھائیوں ربیع بن حراش اور مسعود رحمہ اللہ کا بعد موت کلام (۴) اور خود جلیل القدر تابعی حضرت ربیع بن حراش رحمہ اللہ کا بعد الموت اور ان کا بھائی ربیع کا تختہ غسل پر ہنسنا اور (۵) عظیم المرتبت صحابی حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ کا بعد الموت کلام کرنا اور (۶) امام التابعین حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ کو حضرت ﷺ کی مزار پر انوار سے اذان و اقامت کی آواز سنوا دینا وغیرہ۔ واقعات و حالات برزخیہ کا مشاہدہ بطور خرق عادت ہے۔ ورنہ اصل حقائق برزخیہ کا دنیوی قویٰ سے اخفا و استتار ہے۔

اور اسی اصل کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام میں اثر حیات کا مشاہدہ نہیں کرایا گیا اور وفات کے بعد وہ گر پڑے۔ اس میں حیرت و استعجاب کی کوئی بات نہیں۔ اصلاً و اصولاً ایسا ہی ہونا چاہئے تھا کیونکہ اصل و اصول ستر و اخفا ہے نہ کہ اظہار و مشاہدہ اور حیرت و تعجب خلاف اصل و ضابطہ پر ہونا چاہئے نہ کہ حسب اصل و ضابطہ پر۔

(۴) حیات شہداء رضی اللہ عنہم

حضرات شہداء کی حیات

حضرات شہداء ؒ کی حیات قرآن کریم سے ثابت ہے اور انہیں مردہ سمجھنے بلکہ مردہ کہنے تک سے روک دیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

۱...... ''ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون'' (بقرہ: ۱۵۴) اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ان کو نہ کہو کہ وہ مردے ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں سمجھتے۔

یہاں حضرات شہداء کو مردہ کہنے کی ممانعت ہے اور آگے مردہ سمجھنے تک کی بھی نہی ہے۔ ارشاد فرمایا:

۲...... ''ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون'' (آل عمران: ۱۶۹) اور تو ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے مردہ نہ سمجھ، بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق دیئے جاتے ہیں۔

بظاہر شہید فی سبیل اللہ موت کا ذائقہ چکھ چکا ہے فوت ہو چکا ہے بلکہ بسا اوقات اس کے وجود کی تکا بوٹی ہو چکی ہے۔ پھر اس کی نماز جنازہ بھی پڑھی گئی ہے اور اسے قبر میں دفن کر دیا گیا ہے۔ لیکن بایں ہمہ اسے مردہ سمجھنے اور مردہ کہنے تک سے منع فرمادیا گیا اور کتاب اللہ میں شہید کو صراحت سے احیاء (زندہ) فرمایا گیا ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ شہید زندہ ہے۔ مگر بظاہر تو زندہ معلوم نہیں ہوتا قبر میں دفن ہو چکا ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا کہ تم اس کی زندگی کا شعور نہیں رکھتے۔ اپنے حواس ومشاہدہ سے اس کی حیات کا ادراک نہیں کر سکتے۔

دوسری آیت شریفہ میں حیات پر رزق مستزاد ہے حضرات شہداء صرف زندہ نہیں بلکہ عند اللہ انہیں رزق بھی ملتا ہے۔

یہ بات مشاہدہ کے خلاف اور ادراک وشعور سے بعید تھی۔ اس لئے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی حقیقت نبی کریم ﷺ سے دریافت کی۔

۱...... حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ہم نے (رسول اللہ ﷺ سے آیت ''ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون'') کے متعلق پوچھا تو فرمایا: ''ارواحھم فی اجواف طیر خضر لھا قنادیل معلقة بالعرش تسرح من الجنة حیث شأت ثم تأوی الی تلک القنادیل'' ان کی روحیں سبز پرندوں کے پیٹ میں ہیں، ان کے لئے عرش الٰہی سے قندیلیں لٹکائی گئی ہیں وہ بہشت میں سے جہاں سے ان کا جی چاہے (میوے) کھاتی ہیں پھر قندیلوں میں آرام کرتی ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح کتاب الجہاد، مسلم)

۲...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم سے فرمایا جب تمہارے بھائی (غزوہ) احد کے دن شہید کئے گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز پرندوں کے پیٹ میں (داخل) کر دیا۔ وہ جنت کی نہروں پر آتے ہیں، جنت کے میوے کھاتے ہیں اور سونے کی قندیلوں میں جو عرش الٰہی کے سایہ میں معلق ہیں آرام کرتے ہیں، جب انہوں نے کھانے پینے اور آرام واستراحت کی خوشی حاصل کی تو کہنے لگے کون ہے جو ہماری طرف سے ہمارے بھائیوں کو (یہ پیغام) پہنچائے کہ: ''اننا احیاء فی الجنة'' بے شک ہم

جنت میں زندہ ہیں کہ تا کہ وہ حصول جنت میں بے پرواہی نہ کریں اور جہاد میں سستی نہ کریں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمہاری طرف سے میں ان کو (یہ پیغام) پہنچاتا ہوں "فانزل اللہ تعالی و لا تحسبن الذین " پس اللہ تعالیٰ نے "و لا تحسبن الذین " آیات نازل فرمائیں۔ (رواہ ابوداؤد)(ایضاً)

حضرت عائشہ، حضرت جابر، حضرت عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت کعب، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت ابودرداء، حضرت ہذیل، حضرت ابی بن کعب، حضرت ابوقیس، حضرت انس، حضرت ابوسعید خدری (رضی اللہ عنہم) وغیرہ سے بھی اس مضمون کی روایات ہیں۔ اجلہ ومشاہیر مفسرین اور معروف ومعتبر شراح حدیث کے ساتھ اکابر اولیاء وائمہ دین رحمہم اللہ سے بھی تفسیر وشرح منقول ومروی ہے۔

حضرات شہداء رحمہم اللہ کی حیات روحانی ہے اور فی الجنۃ

اللہ رب العزت کے کلام پاک کی جو تفسیر اللہ کے معصوم رسول ﷺ نے کی ہے اس سے واضح طور پر یہ حقیقت سامنے آگئی ہے کہ حضرات شہداء رحمہم اللہ کی حیات سے مراد جنت میں ان کی روحانی حیات ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا روایات ابوداؤد میں تو بصراحت "احیاء فی الجنۃ" کے الفاظ موجود ہیں۔ لہٰذا اب اس حقیقت میں کوئی شک وشبہ نہ رہا کہ حضرات شہداء کی حیات روحانی ہے اور فی الجنۃ ہے۔

سورہ یاسین میں جس مرد صالح کا ذکر ہے کہ اس نے اصحاب القریہ (گاؤں والوں) کو اتباع مرسلین اور توحید کی دعوت دی۔ خود برملا اللہ رب العزت پر ایمان لایا جس کی پاداش میں قوم نے اسے شہید کر دیا۔ جام شہادت پیتے ہی وہ داخل جنت ہو گیا۔ اس مرد صالح وشہید کو بھی جنت میں اسی طرح اپنی قوم کی خیرخواہی کا خیال رہا۔ کہنے لگا کہ کسی طرح میری قوم کو میرے درجہ واکرام کا حال معلوم ہو جاتا۔

"قیل ادخل الجنۃ قال یالیت قومی یعلمون بما غفرلی ربی وجعلنی من المکرمین" (یٰسین: ۲۶، ۲۷) حکم ہوا کہ جنت میں داخل ہو جا کہنے لگا کہ کاش میری قوم کو معلوم ہو جاتا کہ میرے پروردگار نے مجھ کو بخش دیا اور مجھ کو عزت والوں میں شامل کر لیا۔

قرآن کریم اور حدیث پاک کا مضمون کس درجہ باہم مشابہ وہم آہنگ ہے۔ پھر جس اکرام وتکریم کا ذکر اس مرد صالح وشہید کے لئے قرآن کریم میں ہے رسول کریم ﷺ نے اپنی امت کے شہداء رحمہم اللہ کے لئے بھی اسی کرامت کا ذکر فرمایا ہے۔ فرمایا:

۳...... "ما من احد یدخل الجنۃ یحب ان یرجع الی الدنیا الا الشہید یتمنی ان یرجع الی الدنیا فیقتل عشر مرات لما یری من الکرامۃ۔ متفق علیہ" کوئی شخص ایسا نہیں جو جنت میں داخل ہونے کے بعد دنیا کی طرف واپس آنے کو پسند کرے مگر شہید وہ تمنا کرے گا کہ دنیا میں واپس جائے اور دس بار شہید کیا جائے۔ اس لئے کہ وہ (شہادت کی) عزت وکرامت کو دیکھ چکا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح کتاب الجہاد بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ)

۴...... جامع ترمذی میں بھی یہ روایت ہے اس میں "لیس احد من اھل الجنۃ" کے الفاظ ہیں۔

(جامع ترمذی ابواب فضائل الجہاد عن انس رضی اللہ عنہ)

شہید کی وجہ اسمیہ

شہید کو شہید کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے شہید فی سبیل اللہ قتل ہوتے ہی جنت میں شاہد و حاضر ہو جاتا ہے۔ بخلاف اس کے غیر شہید قیامت کے بعد جنت میں داخل ہوں گے۔ علامہ نووی رحمہ اللہ شرح مسلم میں النضر بن شمیل رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ "اما تسمية شهيداً لانه حي فان ارواحهم شهدت وحضرت دار السلام وارواح غيرهم انما تشهدها يوم القيامة" (نووی شرح صحیح مسلم باب فضل الشہادۃ فی سبیل اللہ)

شہید دنیوی زندگی کی تمنا کرے گا مگر پوری نہ ہوگی

اور تو کوئی شخص جنت سے دنیا میں واپسی کی آرزو نہیں کرے گا۔ صرف شہید فی سبیل اللہ یہ تمنا کریں گے مگر وہ بھی پوری نہیں کی جائے گی۔

۵...... حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی (مندرجہ صفحہ کتاب ہذا) صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ: ان کے پروردگار نے ان کی طرف جھانکا اور فرمایا کیا تمہیں کسی چیز کی خواہش ہے؟ انہوں نے عرض کیا ہم کس چیز کی خواہش کریں جب کہ ہم جنت میں جہاں سے چاہتے ہیں (میوے) کھاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان سے تین بار اسی طرح پوچھا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ سوال کا یہ سلسلہ برابر جاری رہے گا تو عرض کیا:

"یارب نريد ان ترد ارواحنا في اجسادنا حتى نقتل في سبيلك مرة اخرى فلما رأى ان ليس لهم حاجة تركوا" پروردگار ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں لوٹا دیں تا کہ ہم تیری راہ میں دوسری بار قتل کئے جائیں، جب اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ ان کو کوئی حاجت نہیں تو انہیں چھوڑ دیا گیا۔

(صحیح مسلم ج ثانی باب بیان ان ارواح الشہداء فی الجنۃ وانہم احیاء عند ربہم یرزقون)

گویا ان کی یہ آرزو کہ دنیا میں واپس جائیں "لايعبى به" کے درجے میں ہے۔ نا قابل التفات ہے۔ اسے کسی حساب وشمار میں نہیں لایا جاتا اور اس کا جواب دینے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی جاتی۔ "ان ترد ارواحنا في اجسادنا" آپ ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں واپس لوٹا دیں تا کہ ہم تیری راہ میں پھر قتل کئے جائیں۔ یہ الفاظ صراحت سے اس حقیقت پر دلالت کرتے ہیں کہ شہید جو جنت میں زندہ ہے وہ اس کی روحانی زندگی ہے جسمانی زندگی نہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی روحوں کو دنیا کے اندر ان کے جسموں میں واپس لوٹا دیں تا کہ وہ اپنے جسم کے ساتھ دوبارہ فی سبیل اللہ قتل ہوں۔

۶...... ترمذی میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اسی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف جھانکا اور فرمایا "هل تستزيدون شيئا فازيدكم" کیا تم کوئی چیز مزید چاہتے ہو تا کہ میں تم کو مزید دوں۔

انہوں نے کہا اے ہمارے رب ہمیں مزید کیا چاہئے جب کہ ہم جنت میں جہاں سے چاہتے ہیں میوے کھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پھر ان کی طرف جھانک کر دوبارہ فرمایا جب انہوں نے دیکھا کہ (بغیر کچھ مزید مانگے) نہیں چھوڑے جائیں گے تو عرض کیا "تعيد ارواحنا في اجسادنا" کہ آپ ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں لوٹا دیں۔ "حتى نرجع الى الدنيا فنقتل في سبيلك مرة اخرى۔ هذا حديث حسن صحيح" تا کہ ہم دنیا کی طرف واپس جائیں اور تیری

راہ میں دوبارہ قتل کئے جائیں۔امام ترمذی کہتا ہے یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔ (جامع ترمذی ابوب التفسیر، آل عمران)

کس قدر صراحت موجود ہے کہ آپ ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں لوٹا دیں۔ یہ ان کی تمنا ہے۔ جو پوری نہ ہوئی۔ واضح ہو گیا کہ حضرات شہداء کی روحیں نہ تو جنت سے واپس دنیا میں آئیں نہ عنصری جسموں میں داخل ہوئیں۔ لہٰذا ان کی حیات جنت میں روحانی حیات ہے۔

۷...... حضرت جابر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (میرے باپ کی شہادت پر مجھے غمگین دیکھ کر) فرمایا کیا میں تجھے اس بات کی بشارت نہ دوں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ تیرے باپ کے ساتھ پیش آئے۔ میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ ﷺ (ضرور دیجئے) فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کسی سے ہرگز کلام نہیں فرمایا مگر پس پردہ" واحییٰ اباک فکلمہ کفاحاً وقال یاعبدی تمن علیٰ اعطیتک قال رب تحیینی فاقتل فیک ثانیۃ قال الرب تبارک وتعالیٰ وانہ قد سبق منی انہم لا یرجعون قال انزلت ھذہ الایۃ ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا" اور تیرے باپ کو زندہ کیا پس اس سے بالمشافہ بات کی۔ فرمایا اے میرے بندے تو مجھ سے کوئی تمنا کر میں تجھے دوں گا (تیرے باپ نے فرمان الٰہی کے جواب میں) عرض کیا اے میرے رب تو مجھے زندہ کر، تاکہ میں تیری راہ میں دوبارہ قتل کیا جاؤں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا میری طرف سے یہ پہلے فیصلہ ہو چکا ہے کہ وہ (دوبارہ) واپس نہیں آئیں گے اور یہ آیت نازل ہوئی۔ ولا تحسبن الذین...... (جامع ترمذی ج ۲ ابواب التفسیر، آل عمران)

ارشاد نبوی میں اس بات کی صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے شہید باپ کو زندہ کر دیا" واحییٰ اباک" اس کے باوجود وہ تمنا کرتے ہیں کہ "یارب تحیینی" اے رب مجھے زندہ فرمایئے تاکہ میں تیری راہ میں دوبارہ قتل کیا جاؤں۔ صاف ظاہر ہے کہ وہ حیات جو اللہ تعالیٰ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے شہید باپ کو دی وہ روحانی حیات ہے جنتی! اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جو حیات طلب کر رہے ہیں وہ دنیوی حیات ہے، جسمانی! یعنی میری روح کو میرے جسم عنصری میں واپس بھیج کر مجھے جسمانی طور پر زندہ کر دے تاکہ میں دنیا میں جا کر دوبارہ تیری راہ میں قتل کیا جاؤں۔

متعدد احادیث صحیحہ میں حضرات شہداء رضی اللہ عنہم اس جسمانی دنیوی حیات کی استدعا کرتے ہیں کہ روح جسد عنصری میں واپس کی جائے۔ مگر یہ منظور نہیں کی جاتی۔ کیونکہ اللہ رب العزت فیصلہ فرما چکے ہیں کہ موت کے بعد دوبارہ دنیا میں کوئی لوٹ کر نہیں آئے گا۔

خود نبی کریم ﷺ اپنے متعلق فرماتے ہیں:" والذی نفسی بیدہٖ لو ددت ان اقتل فی سبیل اللہ ثم احیی ثم اقتل ثم احیی ثم اقتل ثم احیی ثم اقتل۔ (متفق علیہ)" اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں چاہتا ہوں کہ فی سبیل اللہ قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں۔ (مشکوٰۃ المصابیح کتاب الجہاد)

غور فرمایئے! ادھر عام شہید نہیں نبی اللہ ﷺ ہیں پھر امام الانبیاء ہیں۔ پھر ایک دفعہ شہید نہیں ہوتے دو دفعہ، دو دفعہ نہیں، تین دفعہ شہید ہو کر بھی زندگی کی تمنا کرتے ہیں۔ مگر وہ زندگی نہیں ملتی، کیونکہ فیصلہ ربی اور ارادہ الٰہی اس کے خلاف ہو چکا ہے۔ ادھر، نبی اللہ تو افضل واکرم واشرف ہیں، شہید فی سبیل اللہ کے متعلق صاف ارشاد قرآنی ہے کہ وہ زندہ ہے۔" بل احیاء"

ایک حقیقت حیات روحانی ہے جسمانی نہیں

تو یہ حقیقت بے غبار ہو کر سامنے آگئی کہ یہ حیات شہداء اور نوعیت کی ہے اور حضرات شہداء اور خود امام الانبیاء جس حیات کی خواہش و تمنا فرمار ہے ہیں وہ دوسری نوعیت کی۔ پہلی حیات وہ حیات ہے کہ اس کے ساتھ انسان آخرت اور جنت سے واپس دنیا میں نہیں آسکتا۔ دوبارہ شہادت نہیں پاسکتا۔ فی سبیل اللہ قتل نہیں ہوسکتا اور ظاہر ہے قتل جسم ہوتا ہے تو گویا پہلی حیات جو حضرات شہداء کو حاصل ہے وہ روحانی اور جنتی ہے اور دوسری حیات جس کی حضرات شہداء رضی اللہ عنہم اور خود امام الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کو تمنا ہے وہ دنیوی جسمانی حیات ہے۔ وفات سے پہلے والی زندگی۔

قرآن کریم میں بظاہر تضاد و تعارض! اس اشکال کا حل

قرآن کریم کی ان آیات میں حضرات شہداء رضی اللہ عنہم کو مردہ کہنے کی ممانعت کردی گئی ہے اور انہیں زندہ (احیاء) فرمایا ہے۔ ادھر حضرات انبیاء علیہم السلام کے لئے موت کی صریح نص موجود ہے:

۱...... حضرت یحییٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا گیا: ''وسلام علیہ یوم ولد ویوم یموت ویوم یبعث حیاً'' (مریم:۱۵) اور اس پر سلام ہے جس دن کہ پیدا ہوا اور جس دن مرا اور جس دن زندہ ہو کر اٹھے گا۔

۲...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے متعلق فرماتے ہیں: ''والسلام علیّ یوم ولدت ویوم اموت ویوم ابعث حیا'' (مریم:۳۳) اور میرے اوپر سلام ہے جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مرا اور جس دن زندہ ہو کر اٹھوں گا۔

پیدائش سے موت تک اور موت سے (قیامت میں) زندہ ہو کر اٹھنے تک ان حضرات پر سلامتی ہی سلامتی ہے تو حضرات انبیاء علیہم السلام پر موت کا اطلاق فرمایا گیا ہے اور مرنے کے بعد قیامت تک یہ میت ہی میت ہیں۔ پھر قیامت کے دن زندہ ہو کر اٹھائے جائیں گے تو حضرات انبیاء علیہم السلام کو جن کی شان حضرات شہداء رحمہم اللہ سے بدرجہا اعلیٰ وارفع وافضل ہے قیامت تک میت قرار دیا گیا ہے اور حضرات شہداء رضی اللہ عنہم جن کی شان اور جن کا درجہ و مقام حضرات انبیاء علیہم السلام سے تیسرے نمبر پر ہے احیاء (زندہ) فرمایا گیا ہے اور انہیں اموات کہنے اور سمجھنے تک کی نہی و ممانعت کردی گئی ہے۔

تو ان آیات اور احادیث میں بھی درحقیقت کوئی تعارض و تضاد نہیں، حضرات شہداء کے لئے جس حیات کا اثبات کیا گیا ہے وہ وہی جنتی روحانی حیات ہے، دنیوی جسمانی حیات سے مغائر شہادت سے پہلے والی حیات مراد نہیں۔ اس حیات پر موت کا اطلاق ہوسکتا ہے اور حضرات انبیاء علیہم السلام کے لئے جو موت ثابت ہے وہ دنیوی جسمانی موت ہے۔ اس پر حیات کا اطلاق ہوسکتا ہے، مگر دنیوی حیات سے مغائر، غیر کامل اور غیر مطلق حیات۔

شہداء کا جسم: کتاب اللہ اور احادیث نبویہ صحیحہ متواترہ سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ شہید فی سبیل اللہ کا روح تو فوراً جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ رہا جسم تو شہید کا جسم روح اور جان کے بغیر رہ جاتا ہے۔ اسی لئے تو اسے جثہ کہا گیا ہے۔

علامہ ابن عبدالبر اور شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ایک عجیب ایمان افروز تاریخی واقعہ روایت کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: جنگ اجنادین کے دن جب رومی پسپا ہوئے تو وہ ایک ایسی جگہ جمع ہو گئے جہاں کا راستہ ایسا تھا کہ اس میں سے صرف ایک آدمی گزر سکتا تھا۔ وہاں رومی لڑنے لگے۔ حضرت ہشام رضی اللہ عنہ بن عاص آگے بڑھے اور رومیوں سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ اسی تنگ درہ میں ان کی نعش گر گئی اور راستہ بند ہو گیا۔ جب مسلمان مجاہدین وہاں پہنچے تو اس بات سے ڈر گئے

کہ گھوڑے نعش کو روند ڈالیں (حضرت ہشام رضی اللہ عنہ شہید کے بڑے بھائی) حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص نے فرمایا: ”ایھاالناس ان اللہ قد استشھدہ ورفع روحہ انما ھی جثۃ فاوطئوھا الخیل ثم اوطأھو ثم تبعہ الناس حتی قطعوہ“ اے لوگو! بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شہادت عطا فرمائی آپ کی روح کو (جنت کی طرف) اٹھالیا اور یہ تو صرف جثہ ہے تم اسے روندتے ہوئے گھوڑے بڑھاؤ۔ (ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بالکل انہی الفاظ میں یہ واقعہ روایت کیا ہے، شرح الصدور ص ۸۳)

چنانچہ پہلے خود حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے (حضرت) ہشام رضی اللہ عنہ کی نعش کو کچلتے ہوئے گھوڑا بڑھایا پھر دوسرے لوگوں نے آپ کے پیچھے پیچھے گھوڑے بڑھائے۔ یہاں تک کہ نعش کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جب رومیوں کو شکست ہوگئی اور مسلمان مجاہدین واپس لوٹے تو حضرت عمرو رضی اللہ عنہ اپنے بھائی کی نعش پر آئے اور اس کے گوشت کے بکھرے ہوئے ٹکڑے اس کے منتشر اعضاء اور اس کی بکھری ہوئی ہڈیاں جمع کرنے لگے پھر ان سب کو ایک چادر میں اٹھایا اور دفن کر دیا۔ (استیعاب ترجمہ حضرت ہشام رضی اللہ عنہ واصابہ ج ۳ ص ۵۷۲ تذکرہ حضرت ہشام رضی اللہ عنہ)

روشن ترین مثالی کردار

ایک مرد مسلمان، مجاہد عظیم وجلیل صحابی رسول کا جسم اطہر راستے میں پڑا ہے۔ پورا لشکر ایک شہید فی سبیل اللہ کے جسد اطہر کو اپنے گھوڑوں کے پاؤں تلے روند ڈالنے میں متامّل ومتردد ہے۔ مگر حضرت ہشام رضی اللہ عنہ شہید کے بڑے بھائی، حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص ایک سیکنڈ کے لئے تردد وتامّل نہیں کرتے۔ اپنے چھوٹے بھائی کے لاشے پر کھڑے ہو کر اپنے زیر کمان پورے لشکر کو حکم دیتے ہوئے فرماتے ہیں: برادر شہید کی روح تو اعلیٰ علیین میں پہنچ گئی یہ تو محض ایک جثہ ہے۔ بہادرو! اپنے گھوڑوں کے سموں سے اسے روندتے ہوئے آگے بڑھو اور آگے بڑھ کر دشمنوں کا صفایا کر دو۔

یہ کہہ کر سب سے پہلے اپنا گھوڑا بڑھاتے ہیں اور اپنے عزیز بھائی، چھوٹے بھائی کی نعش کو اپنے گھوڑے کے سموں سے کچلتے ہوئے آگے بڑھ جاتے ہیں پورا لشکر اپنے شیر دل جرنیل کی اطاعت واتباع کرتا ہے اور دوسرے لمحے شہید فی سبیل اللہ کے وجود پاک کی تکا بوٹی ہو چکی ہوتی ہے۔ دشمن کو شکست فاش ہوتی ہے۔ اسلامی لشکر فتح کے علم لہراتا ہوا واپس ہوتا ہے تو مرد غازی مجاہد کبیر حضرت عمرو بن العاص نے اپنے ہاتھ سے اپنے چھوٹے بھائی کی بوٹی بوٹی ہڈی ہڈی اکٹھی کی۔ جوڑ جوڑ، بند بند جمع کیا۔ چادر میں رکھ کر گٹھڑی باندھی، اسے اٹھایا اور سپرد خاک کر دیا۔

رضی اللہ عنہم! کتنا لرزہ انگیز تحیّر خیز مگر سبق آموز جرأت آفریں اور ایمان فروز ہے۔ یہ واقعہ!

بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

ایک اور روایت ملاحظہ ہو: سعید بن منصور نے اپنی سنن میں روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی شہادت پر جب کہ ان کا جثہ سولی پر تھا۔ (جثہ مصلوبہ) ان کی والدہ محترمہ حضرت بی بی اسماء رضی اللہ عنہا بنت صدیق رضی اللہ عنہ سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے تعزیت کرتے ہوئے کہا: ”لا تحزنی فان الارواح عند اللہ فی السماء وانما ھذہ جثۃ“ آپ غم نہ کریں بلاشبہ (شہداء کے) ارواح عند اللہ آسمانوں میں ہیں اور یہ تو محض بے جان جثہ ہے۔

(شرح الصدور مطبوعہ مصر باب مقر الارواح ص ۹۸)

ابن ابی شیبہ اور ابن ابی الدنیا میں صفیہ رضی اللہ عنہا بنت شیبہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے

تعزیت کرتے ہوئے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے کہا "یاھذہ اتقی اللہ واصبری فان ھذہ الجثۃ لیست بشیٔ وانما الارواح عند اللہ" (ایضاً ص ۸۳)

جثہ: ایک تو دونوں روایتوں میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ایسے جلیل القدر فقہاء صحابہ کے انداز بیان واسلوب خطاب سے بصراحت ثابت ہے کہ جثہ جسد بے روح کو کہتے ہیں۔ پھر لغت میں بھی جثہ کا اطلاق عموماً بے جان جسم پر ہوتا ہے الجثۃ انسان کا بدن، اس کا زیادہ استعمال مردہ لاش کے لئے ہے۔ (المنجد عربی اردو)

جہاں حضرت ہشام بن عاص رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی روحیں عنداللہ زندہ ہیں وہاں ان کے جسم اطہر بے روح اور بے جان ہیں گویا شہداء رحمہم اللہ کو روحانی جنتی حیات حاصل ہے۔

بایں ہمہ: شہید جسمانی طور پر بھی زندہ ہے اسے مردہ نہیں کہہ سکتے۔ کیوں کہ "لمن یقتل فی سبیل اللہ" کو مردہ کہنے کی ممانعت ہے اور یہ حقیقت ہے کہ قتیل وشہید فی سبیل اللہ وجود اور جسم ہے۔ لہٰذا شہید کے وجود اور جسم کو مردہ نہیں کہہ سکتے۔ وہ زندہ ہے ایک تو اکراماً، دوسرے جسم کے ساتھ روح کے تعلق ہونے کی وجہ سے اور روح کا یہ تعلق ہر میت کے ساتھ ہے۔ تفصیل اگلے باب میں ملاحظہ ہو۔

(۴) حیات انبیاء علیہم السلام (ارواح طیبہ طاہرہ کا ابدان مقدسہ مبارکہ سے تعلق)

گزشتہ صفحات میں بحث ہو چکی ہے کہ حضرات شہداء فی سبیل اللہ زندہ ہیں۔ بل احیاء کی نص صریح سے وہ فائز الحیاۃ ہیں۔

دلالۃ النص سے حیات انبیاء علیہم السلام ثابت ہے

جہاں عبارت النص سے حیات شہداء ثابت ہے وہاں دلالۃ النص سے یہی حیات حضرات انبیاء علیہم السلام کے لئے ثابت ہے اور بطریق اولیٰ ثابت ہے۔ کیوں کہ باتفاق امت حضرات شہداء سے حضرات انبیاء علیہم السلام کا درجہ افضل واعلیٰ ہے۔ (دلالۃ النص کا مطلب یہ ہے کہ ایک چیز عبارت النص میں مذکور موجود ہو اور دوسری چیز اس مذکورہ چیز سے بدرجہ اولیٰ سمجھ میں آئے)

جب فرد ادنیٰ حضرات شہداء کے لئے نص قرآنی سے حیات ثابت ہے تو فرد اعلیٰ حضرات انبیاء علیہم السلام کے لئے علیٰ وجہ الکمال اور بدرجہ اتم حیات ثابت ہے اور اس حیات میں سلف وخلف میں سے کسی کو بھی کوئی اختلاف نہیں۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات مقدسہ کا کسی نے بھی انکار نہیں کیا۔

حیات انبیاء علیہم السلام حیات شہداء سے افضل واکمل اور اعلیٰ واشرف ہے

حیات میں وحدت ومماثلت کے باوجود کیفیت میں حیات انبیاء، حیات شہداء سے بدرجہا افضل واکمل اور اعلیٰ وارفع ہے۔ کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی شان وعظمت حضرات شہداء سے اعلیٰ وارفع ہے۔ اجلہ ائمہ دین نے یہی کیفیت ودرجات میں فرق بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ امام ابن قیم رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: "قیل الارواح متفاوتۃ فی مستقرھا فی البرزخ اعظم تفاوت فمنھا ارواح فی اعلیٰ علیین فی الملاء الاعلیٰ وھی ارواح

الانبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم ومنہا ارواح فی حواصل طیر خضر تسرح فی الجنۃ حیث شاءت وھی ارواح بعض الشہداء" برزخ میں روحوں کے درجہ ومقام میں فرق ہے بہت بڑا فرق! ان میں سے بعض ارواح اعلیٰ علیین میں ہیں، ملاء اعلیٰ میں اور وہ انبیاء علیہم السلام ہیں اور بعض ارواح سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہیں جہاں سے چاہیں جنت کے میوے کھاتے ہیں اور یہ بعض شہیدوں کی روحیں ہیں۔ (کتاب الروح ص ۱۴۳)

خود نبی اکرم ﷺ کے اپنے ارشاد گرامی سے یہ حقیقت واضح ہے کہ نبی کریم ﷺ کی حیات فی الجنۃ حیات شہداء سے اعلیٰ وافضل ہے اور آپ ﷺ کا مقام، مقام شہداء سے بلند وبالا اور ارفع واعلیٰ ہے۔

صحیح بخاری کی حدیث میں ہے حضرت جبرئیل ومیکائیل علیہما السلام نے آپ ﷺ کو خواب میں اس عالم کی جو سیر کرائی تو اس میں دار اولی عامۃ المؤمنین کا دکھایا گیا جو وسط شجرہ میں تھا۔ پھر اس سے بھی احسن وافضل دار شہداء رحمہم اللہ دکھایا گیا جو درخت کے اوپر تھا۔ پھر درخت سے بہت بلند فضا میں بادل کی مثل ارفع منزل آپ ﷺ کو دکھائی گئی اور آپ ﷺ کو بتلایا گیا کہ "ذاک منزلک" یہ آپ ﷺ کا مقام ہے۔ (رواہ البخاری، مشکوۃ المصابیح کتاب الرؤیا)

تو آپ ﷺ کی حیات ومنزل، حضرات شہداء رحمہم اللہ سے بلند وبالا اور اعلیٰ وارفع ہے۔ اس درجہ اعلیٰ وارفع کہ دار شہداء میں کھڑے ہو کر آپ ﷺ نے اسے دیکھا تو آپ ﷺ کو سر مبارک اوپر اٹھا کر دیکھنا پڑا۔ پھر وہ آپ ﷺ کو بادلوں کی مانند نظر آنے لگی۔

حیات انبیاء علیہم السلام اجماعی عقیدہ ہے

بہر حال حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات فی البرزخ اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے، اس میں کسی کو اختلاف نہیں، چند مشاہیر واکابر علماء امت کے اقوال ملاحظہ ہوں:

۱...... محدث کبیر وشہیر امام بیہقی رحمہ اللہ: "فھم احیاء عند ربھم کالشہداء" حضرات انبیاء علیہم السلام شہیدوں کی طرح عند اللہ زندہ ہیں۔ (وفاء الوفاء للسمہودی ج ۲ ص ۴۰۶ مطبوعہ مصر)

۲...... شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ: "وھم احیاء فی قبورھم ویستحب ایتان قبورھم لسلام علیھم" اور حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی قبروں پر آنا ان پر سلام کہنے کے لئے مستحب ہے۔
(قاعدہ فی المعجزات والکرامات ص ۹۷ من مجموعہ رسائل ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

۳...... علامہ تاج الدین سبکی رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۷ھ) "ومن عقائدنا ان الانبیاء علیہم السلام احیاء فی قبورھم" یہ ہمارے عقائد میں سے ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ (طبقات الشافعیہ مطبوعہ مصر ج ۶ ص ۲۶۶)

۴...... امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (متوفی ۹۱۱ھ) "حیات النبی ﷺ فی قبرہ ھو وسائر الانبیاء معلومۃ عندنا علماً قطعیاً وتواترت بہ الاخبار" قبر شریف میں نبی ﷺ کی حیات اور سارے حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات مبارکہ ہمارے نزدیک قطعی ہے اور اس پر متواتر احادیث وارد ہیں۔ (فتاوی امام سیوطی رحمہ اللہ طبع مصر ج ۲ ص ۱۴۷)

۵...... امام بدر الدین جنہوں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے فتاویٰ کا اختصار کیا ہے۔ "والانبیاء احیاء فی

قبورھم و قد یصلون ''حضرات انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

(مختصر الفتاوی المصریہ ص ۱۷۰، تسکین الصدور ص ۱۲۸)

۶ ...... علامہ سمہودی رحمہ اللہ (م ۹۱۱ھ) ''لاشک فی حیاتہ ﷺ بعد وفاتہ و کذا سائر الانبیاء علیہم السلام احیاء فی قبورھم'' نبی ﷺ کی وفات کے بعد حیات مبارکہ میں کوئی شک وشبہ نہیں اور اسی طرح تمام حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبر میں زندہ ہیں۔ (وفاء الوفاء للسمہودی ج ۲ ص ۴۰۵)

قبور مبارکہ میں نماز پڑھتے ہیں

حضرات انبیاء علیہم السلام نہ صرف زندہ ہیں بلکہ قبور مبارکہ میں نماز بھی پڑھتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام: بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مررت علی موسیٰ لیلۃ اسری بی عند الکثیب الاحمر وھو قائم یصلی فی قبرہ'' معراج کی رات میں سرخ ٹیلے کے قریب موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔

(صحیح مسلم ج ۲ باب من فضائل موسیٰ علیہ السلام ونسائی باب ذکر صلوٰۃ نبی اللہ موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام)

جمیع انبیاء علیہم السلام: صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نماز پڑھنا ثابت نہیں بلکہ بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا: ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' انبیاء کرام علیہم السلام زندہ ہیں اپنی قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں۔

''ورواہ ابن عدی فی کاملہ ورواہ ابو یعلی برجال ثقات ورواہ البیھقی وصححہ'' اور ابن عدی نے اسے اپنی کامل میں روایت کیا ہے اور ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے اور روایت کے سارے راوی ثقہ ہیں اور بیہقی نے اسے روایت کیا ہے اور اس کی تصحیح کی ہے یعنی اسے صحیح کہا ہے۔

(وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۰۵ فصل بیان حیات النبی ﷺ، مسند ابی یعلیٰ، بیہقی، ابن بزاز، ابن عدی، (مقام حیات ص ۱۱۸)

احادیث میں بظاہر تضاد و تعارض! اس اشکال کا حل

جہاں ان احادیث پاک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام وغیرہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا قبر میں زندہ ہونا اور نماز پڑھنا ثابت ہے۔ وہاں دوسری احادیث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات کی نفی فرمائی گئی ہے۔ بروایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا ﷺ: ''ولو کان موسیٰ حیاً ما وسعہ الا اتباعی رواہ احمد والبیھقی'' اگر (حضرت) موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں میری اتباع کے بغیر چارہ نہ تھا۔ (مشکوٰۃ المصابیح باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

دوسری روایت میں ارشاد فرمایا: ''ولو کان حیاً وادرک نبوتی لاتبعنی۔ رواہ الدارمی'' درحقیقت دونوں قسم کی روایات میں کوئی تضاد و تعارض نہیں۔ پہلی روایات میں جس زندگی کا اثبات کیا گیا ہے وہ قبر میں فی الجملہ زندگی ہے۔ نوع من الحیات ہے جو جسم مبارک کے ساتھ روح اقدس کے ادنیٰ اتصال و تعلق سے ثابت ہو جاتی ہے اور دوسری روایات میں جس حیات کی نفی فرمائی گئی ہے وہ حقیقی حیات ہے، حیات کامل، جس کا تحقق روح کے دخول فی البدن کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ یہ حیات یا تو دنیا میں تھی یا قیامت میں ہوگی۔ عالم برزخ میں جسم کو جو حیات حاصل ہے وہ بھی ایک گونہ حیات ہے۔ غیر کامل، غیر مطلق اور غیر حقیقی حیات دنیوی حیات سے مغائر۔ (ایضاً)

اجسام مبارکہ سے ارواح طیبہ طاہرہ کا اتصال و تعلق

صحیح احادیث سے جمیع حضرات انبیاء علیہم السلام خصوصاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا اور نبی کریم ﷺ کا اذان واقامت سے نماز پڑھنا، آپ ﷺ پر سلام پڑھنے والے کا سلام پیش ہونا پھر آپ کا سلام کا جواب دینا ثابت ہے۔

اب اس کی دو ہی صورتیں ہیں کہ صرف جسد اطہر یہ سارے کام کرتا ہے روح کے بغیر اور یہ بدیہی البطلان ہے۔ جسد بے روح سے کسی فعل کا صدور وارتکاب ممکن نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ سارے روح کے وظائف ہیں تو اس صورت میں ایک تو روح خطیرہ قدس رفیق اعلیٰ میں ہے۔ دوسرے پھر ان اعمال کے ظہور وصدور کے ساتھ قبر اور حیات کے ذکر وقید کی کیا ضرورت ہے؟ تو یہ وظائف واعمال نہ مطلق جسد بے جان سے صادر ہو رہے اور نہ ہی مطلق روح بے جسد سے، باقی رہی یہ صورت کہ روح انور کا بدن اطہر سے تعلق ہو، اس صورت میں یہ اعمال ممکن ہیں اور یہی صورت حق ہے اور ائمہ دین نے اسی کا اثبات فرمایا ہے۔

(۱) امام ربانی قطب الاقطاب شیخ المشائخ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ؒ

عمدۃ المحدثین حضرت مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم رقم فرماتے ہیں: حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند نور اللہ مرقدہ نے حضرت گنگوہی قدس سرہ سے انک میت الا یۃ کے اشکال کا جو جواب نقل کیا ہے وہ تو حضرت نانوتوی قدس سرہ کی تعبیر سے بھی اونچا ہے وہ فرماتے ہیں کہ موت سب کو شامل ہے مگر انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح مشاہدہ جمال وجلال حق تعالیٰ شانہ وتقابل آفتاب وجود باری تعالیٰ اس درجہ پر پہنچ جاتی ہے کہ اجزاء بدن پر ان کا یہ اثر ہوتا ہے کہ تمام بدن حکم روح پیدا کر لیتا ہے اور تمام جسم ان کا عین ادراک اور عین حیات ہو جاتا ہے اور یہ حیات دوسری قسم کی ہوتی ہے اور اس تحقیق سے نقطہ ''ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء'' بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔ (مقام حیات از علامہ خالد محمود ص ۲۶۲، ۲۶۳)

۲...... قاسم العلوم والخیرات بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ، بہرحال ارواح انبیاء کرام کو بدستور اپنے ابدان کے ساتھ تعلق رہتا ہے۔ (جمال قاسمی ص ۱۲ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی)

۳...... حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی ؒ: انبیاء علیہم السلام کی ارواح طیبہ کو بعد مرگ بھی قریب قریب وہی تعلق اپنے اجسام سے رہتا ہے جو قبل از مرگ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اجساد مثل اجسام احیاء کے پھولتے پھٹتے نہیں۔ چنانچہ احادیث میں موجود ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان کی ازواج مثل ازواج احیاء اوروں سے نکاح کرنے کا اختیار نہیں رکھتیں اور یہی وجہ ہے کہ ان کے اموال کو مثل احیاء ان کے وارث تقسیم نہیں کر سکتے۔ (المصالح العقلیہ حصہ سوم ص ۲۱۱)

قریباً یہی الفاظ حضرت قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ سے جمال قاسمی (ص ۱۱) پر منقول ہیں۔ غالباً حضرت حکیم الامت نے آپ سے لئے ہیں۔

۴...... امام المجاہدین، شیخ الاسلام والمسلمین، استاذ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس اللہ اسرارہم: محمد بن عبدالوہاب اور اس کے فرقہ سے ان حضرات (علمائے دیوبند) کو دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ وہ وفات

ظاہری کے بعد انبیاء علیہم السلام کی حیات جسمانی اور بقائے علاقہ بین الروح والجسم کے منکر ہیں اور یہ حضرات صرف اس کے قائل ہی نہیں بلکہ مثبت بھی ہیں۔ (نقش حیات از حضرت مدنی رحمہ اللہ ص ۱۲۰ بحث رسالہ حسام الحرمین کی حقیقت)

۵...... رئیس المحدثین رأس الاتقیاء حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارن پور: اجساد انبیاء کرام علیہم السلام میں ایک خاص نوع کی حیات ہے یہ ظاہر ہے کہ حیات تو روح ہی کے تعلق سے ہوتی ہے بغیر تعلق روح کے حیات کا کیا مطلب؟ (مقام حیات ص ۲۶۰)

۶...... شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ: حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات جسمانی ہے اور ارواح طیبہ کا اجسام مبارکہ سے تعلق قائم ہے۔ (سیرۃ المصطفیٰ ج ۳ ص ۲۸۴)

ارواح طیبہ کے اجسام مبارکہ سے تعلق ہی کا نام حیات ہے

ان حضرات کے ارشادات سے یہ حقیقت بھی بے غبار ہو کر سامنے آ گئی کہ نہ صرف ارواح طیبہ طاہرہ کا اجسام مقدسہ مبارکہ کے ساتھ تعلق ہے، بلکہ ارواح پاک کے اجسام مبارکہ سے اسی تعلق ہی کو حیات سے تعبیر کیا گیا ہے تعلق روح بالجسد کا نام حیات ہے۔

کیا روح کا وجود سے اتصال و تعلق ممکن ہے؟

ایک بزرگ صاحب علم تو اسے نہیں مانتے ان کی منطق یہ ہے کہ: ''اگر روح ملاء اعلیٰ میں رہ کر بدن کے ساتھ بھی اتصالی یا دخولی تعلق قائم رکھ سکتی ہے تو اس کی نظر کی وسعت ساری دنیا پر برابر ہونے سے کون سا امر مانع ہے۔ آپ کا قول قرآن کی کس صریح آیت سے ثابت ہے یا کون سی حدیث آپ کی حجت ناطقہ ہے۔ جس میں یہ ثابت ہو کہ روح تو ملاء اعلیٰ یا علیین یا سجین میں رہتی ہے۔ مگر اس کا تعلق جسد عنصری کے ساتھ بھی بدستور قائم رہتا ہے۔'' (ندائے حق ص ۲۴۰)

اب اجلہ علماء امت وائمہ دین رحمہم اللہ کے ارشادات ملاحظہ ہوں:

۱...... حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ: حضرت قدس سرہ نے اس موضوع پر کئی صفحے مفصل و مدلل بحث فرمائی ہے جس کی افادیت کے پیش نظر ہم سب سے اوّل آپ کے ارشادات پیش کرتے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں: ''بلاشبہ مرنے کے بعد اجزائے بدن سے بھی روح کا تعلق رہتا ہے۔ گو نیکوں کی روحیں علیین میں ہوتی ہیں اور بدوں کی سجین میں، لیکن روحوں کا روحانی تعلق ابدان کے ذرات کے ساتھ رہنا ضروری ہے، خواہ کسی کو قبر میں دفن کریں، خواہ جلا دیں، خواہ ڈوب جائے۔ ذرے ذرے کے ساتھ روح کا تعلق (بالاتر از فہم) رہتا ہے، اس کی نظیر تار برقی کا تعلق دیکھئے کہاں سے کہاں تک رہتا ہے۔ ایسا ہی روح کا تعلق باوجود علیین و سجین کے تعلق کے بدن کے ساتھ بھی ہے اور ضرور ہے۔ مگر اس دنیا کی آنکھیں محسوس نہیں کر سکتیں۔''

''جو آدمی ان قویٰ سے کام لے جن سے کشوف قبور ہوتا ہے تو وہ ان تعلقات کو دیکھ سکتا ہے۔ جس طرح آفتاب کے چڑھنے میں ایک اندھے کے انکار سے فرق نہیں آ سکتا اور ایک مسلوب العقل کے طریق استدلال سے فائدہ نہ اٹھانے سے اس کا ابطال نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کشفی آنکھ نہیں رکھتا تو وہ اس تعلق روح کو کیونکر

دیکھ سکتا ہے۔ پس اس کے انکار سے محض اس لئے کہ وہ نہیں دیکھ سکتا، اس کا انکار جائز نہیں۔''

''قبور کے ساتھ تعلق ارواح کے دیکھنے کے لئے کشفی حس کی ضرورت ہے اگر کوئی فاقد الکشف اس تعلق کی نسبت یہ کہے کہ یہ ٹھیک نہیں تو وہ غلط کہتا ہے۔''

''انبیاء علیہم السلام کی ایک کثیر تعداد اور کروڑوں اولیاء وصلحاء کا سلسلہ دنیا میں گزرا ہے اور مجاہدات کرنے والے بے شمار لوگ ہو گزرے ہیں وہ سب اس امر کی زندہ شہادت ہیں گو اس (قبر میں روح اور جسم) کے تعلقات کی کیفیت ہم معلوم کر سکیں یا نہ کر سکیں مگر نفس تعلق سے انکار نہیں ہو سکتا۔ غرض کشفی دلائل ان ساری باتوں کا فیصلہ کئے دیتے ہیں گو عقل ادراک نہ کر سکے۔ جیسے کان اگرچہ دیکھ نہ سکیں تو ان کا کیا قصور ہے اور وہ قوت (آنکھ) کا کام ہے۔ غرض روح کا تعلق قبر کے ساتھ ضرور ہوتا ہے۔ لیکن صرف محسوس نہ ہونے کے سبب کسی امر کا انکار صریحاً عقل کی بدہضمی ہے۔'' (المصالح العقلیہ حصہ سوم ص۳۲۶ تا ۳۲۸)

۲...... علم کلام کے مشہور محقق، پانچویں صدی کے معروف امام علامہ ابوالشکور السالمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''فاذا کان الروح متصلاً بالشخص سواء کان عظما او لحما او ترابا فانه یتألم'' جب روح کا بدن سے اتصال ثابت ہے تو بدن کو بہر حال دکھ درد پہنچے گا خواہ ہڈی ہو یا گوشت ہو، خواہ مٹی ہو گیا ہو۔ (تمہید ص۱۲۵ مطبوعہ لاہور، تسکین الصدور ص۸۲)

۳...... علامہ بدرالدین (متوفی ۷۷۷ھ) ''وفی الصحاح انها ترد الیه بعد الموت ویسأل وترد فتکون متصلة بالبدن بلا ریب واللہ اعلم'' صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ روح موت کے بعد بدن کی طرف لوٹائی جاتی ہے اس سے سوال ہوتا ہے اور پھر واپس کر دی جاتی ہے۔ مگر بلاشک وشبہ روح بدن سے متصل رہتی ہے۔ واللہ اعلم (مختصر الفتاویٰ مصریہ ص۱۹۰، تسکین ص۶۹)

۴...... شیخ الاسلام حافظ امام ابن حجر رحمہ اللہ (م ۸۵۲ھ) ''وقال الحافظ ابن حجر فی فتاواہ ارواح المومنین فی علیین وارواح الکفار فی سجین ولکل روح بجسدها اتصال معنوی لا یشبه الاتصال فی الحیوۃ الدنیا'' حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اپنے فتاویٰ میں کہا کہ مومنین کی روحیں علیین میں ہیں اور کفار کی روحیں سجین میں ہیں اور ہر روح کو اس کے جسم کے ساتھ اتصال معنوی ہے جو دنیوی زندگی میں اتصال کے مشابہ نہیں۔

(شرح الصدور از علامہ جلال الدین سیوطی ص۱۰۲)

۵...... الامام، العلامہ، حافظ العصر حضرت جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ (متوفی ۹۱۱ھ) تحریر فرماتے ہیں: ''فان العرض علی الجسد وللروح به اتصال فانه یسلم علی قبور الانبیاء والشهداء وارواحهم فی اعلیٰ علیین ولکن لها مع ذالک اتصال سریع بالجسد ولا یعلم کنهه ذالک وکیفیته علی الحقیقة الا اللہ عزوجل ویشهد لذالک الاحادیث المرویة فی ان النائم یعرج بروحه الی العرش هذا مع تعلقها ببدنه وسرعة عودها الیه عند استیقاظه فارواح الموتی المتجردة عن ابدانهم اولیٰ بعروجها الی السماء وعودها الی القبر فی مثل ذالک السرعة'' بیشک (جنت یا دوزخ میں ٹھکانا میت پر) پیش کرنا جسم پر ہے اور روح کو جسم سے اتصال ہے بلاشبہ حضرات انبیاء وشہداء رضی اللہ عنہم کی قبروں پر سلام کہا جاتا ہے۔ حالانکہ ان کی روحیں اعلیٰ علیین میں ہیں لیکن مع ہذا ان روحوں کا جسم کے ساتھ سریع اتصال ہے جس کی حقیقت وکیفیت سوائے اللہ عزوجل کے کوئی نہیں

جاتا اور اس پر احادیث شاہد ہیں جن میں روایت ہے کہ نائم کی روح عرش کی طرف چڑھتی ہے اور یہ روح کے بدن کے ساتھ تعلق اور بیداری کے وقت جسم کی طرف بسرعت لوٹ آنے کی وجہ سے ہے۔ (جب نائم کی روح آسمان کی طرف جاتی ہے اور واپس آجاتی ہے تو) پس فوت شدگان کی روحیں جو بدن سے بالکل الگ ہوگئی ہیں بدرجہ اولی آسمان کی طرف چڑھیں گی اور اسی طرح بسرعت تمام قبر کی طرف لوٹ آئیں گی۔ (شرح الصدور ص ۱۰۵)

حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ روح کے جسم کے ساتھ تعلق اور سرعت سیر کو احادیث سے ثابت کر رہے ہیں جن میں نائم کی روح کے اوپر عرش کو جانے اور بیداری کے وقت بسرعت واپس آجانے کا ذکر ہے۔

۶...... محدث جلیل وفقیہ شہیر حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۱۴ھ) ''اعادۃ الروح ای ردھا او تعلقھا الی العبد ای جسدہ فی قبرہ حق'' اور روح کا لوٹانا یعنی اس کا پھیرنا یا اس کا تعلق بندے کی طرف یعنی قبر میں اس کے جسم کی طرف حق ہے۔ (شرح فقہ اکبر مطبوعہ مصر ص ۹۰)

۲...... ایک جگہ آپ لکھتے ہیں کہ: ''الا تری ان النائم یخرج روحہ ویکون روحہ متصلا بجسدہ حتی یتألم فی المنام ویتنعم'' کیا تو نہیں دیکھتا کہ نائم کی روح مگر اس کے جسم سے متصل رہتی۔ جس سے وہ نیند میں عذاب و آرام محسوس کرتا ہے۔ (ایضاً ص ۹۱)

تو میت کو نائم پر قیاس کرلو۔ جب نائم کی روح نکل جانے کے بعد بدن سے اتصال رکھ سکتی ہے تو میت کی روح کا اتصال کیوں ممکن نہیں؟

۷...... خاتم المفسرین، امام المحدثین، بیہقی وقت حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) ''ان مقر ارواح المؤمنین فی علیین ومقر ارواح الکفار فی سجین ومع ذالک لکل روح منھا اتصال بجسدہ فی قبرہ لا یدرک کنھہ الا اللہ تعالٰی'' مومنین کے روح کا مقام علیین اور کافروں کے روح کا مقام سجین ہے۔ بایں ہمہ ہر روح کا قبر میں جسم کے ساتھ اتصال ہے۔ جس کی حقیقت اللہ تعالٰی کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (تفسیر مظہری، التلخیص)

۸...... امام العصر حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۳۹ھ)

۱...... ''در قبر، بسبب انعکاس اشعہ روح بر بدن تعلق پیدا می شود۔'' قبر میں، بدن پر روح کی شعاؤں کے عکس ڈالنے کے سبب بدن سے روح کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔ (تحفہ اثنا عشریہ ص ۳۲۸)

۲...... ''ومقام علیین بالائے ہفت آسمان است، ارواح نیکاں بعد از قبض آنجا میرسند ومقرباں یعنی انبیاء واولیاء در آن مستقر ے مانند وعوام صلحاء را حسب مراتب، قرار ے دہند وتعلقے بقبر نیز ایں ارواح را ے باشد کہ بحضور زیارت کنندگان واقارب ودیگر دوستاں بر قبر مطلع ومستانس میگردند، زیرا کہ روح را قرب وبعد مکانی مانع ایں دریافت نے شود ومثال آں در وجود انسانی روح بصریست کہ ستارہائے ہفت آسمان را درون چاہ ے تواند دید۔''

علیین ساتوں آسمانوں سے اوپر ہے نیکوں کی روحیں قبض ہونے کے بعد وہاں پہنچتی ہیں اور مقربین یعنی حضرات انبیاء علیہم السلام واولیاء کی روحیں وہیں مقیم رہتی ہیں اور عام صلحاء کی روحوں کو حسب مراتب جگہ دیتے ہیں اور ان ارواح کو قبر سے بھی تعلق رہتا ہے کہ قبر پر زیارت کرنے والوں اقرباء اور دیگر دوستوں کے آنے پر مطلع اور مانوس ہوتے ہیں۔ کیونکہ روح کو قرب اور بعد مکانی اس دریافت کو مانع نہیں ہوتا اور اس کی مثال انسان کے وجود میں

روح بصری ہے کہ ساتوں آسمانوں کے ستاروں کو کنوئیں کے اندر سے دیکھ سکتی ہے۔ (تفسیر فتح العزیز، التطفیف)

۹...... مفسر قرآن حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی رحمہ اللہ: مجھے تو حضرت رحمہ اللہ کی موضح القرآن میں یہ مضمون نہیں ملا۔ البتہ فاضل مصنف اقامۃ البرہان لکھتے ہیں: مفسر قرآن حضرت مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی رحمہ اللہ اس آیت کے فوائد میں لکھتے ہیں: ''علیین ایک مکان کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مقربوں کی روح وہاں پہنچتی ہے اور رہتی ہے اور ایک طرح کا علاقہ قبر سے بھی اس کو رہتا ہے۔'' (اقامۃ البرہان ص۱۴۶)

۱۰...... عمدۃ المحققین بحر العلوم حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب پرہاروی (م ۱۲۴۰ھ) ''واما ادراک الالم واللذۃ فیمکن ان یحصل بادنی تعلق للروح بالبدن سواکان الروح فوق السماء السابعۃ او محبوسا فی سجین وشبھوا ھذا التعلق بوقوع شعاع الشمس من السماء الرابعۃ علی الارض'' اور دکھ سکھ کا ادراک اسودہ روح کے بدن کے ساتھ ادنیٰ تعلق سے بھی حاصل ہو سکتا ہے خواہ روح ساتویں آسمان سے اوپر ہو خواہ سجین میں مقید ہو اور اس تعلق کو چوتھے آسمان سے سورج کی شعاع کے زمین پر پڑنے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ (نبراس، شرح شرح العقائد ص ۳۲۲)

صرف انہی اکابر امت وعمائد ملت پر بس نہیں بلکہ خاتم المفسرین حضرت علامہ سید محمود رحمہ اللہ آلوسی مصری نے اپنی شہرہ آفاق تفسیر میں محققین علماء سے یہی نقل کیا ہے۔ رقمطراز ہیں:

۱۱...... ''وعوّل بعض المحققین علی ان الارواح حیث کانت لھا اتصال لا یعلم حقیقتہ الا اللہ تعالیٰ'' بعض محققین نے اس پر اعتماد کیا ہے کہ روح جہاں بھی ہوں ان کا (اجسام کے ساتھ) اتصال ہے جس کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (تفسیر روح المعانی پارہ۱۵)

۱۲...... خود حضرت علامہ آلوسی رحمہ اللہ (م ۱۲۷۰ھ) کا اپنا مسلک بھی یہی ہے تحریر فرماتے ہیں: ''لھا اشراق علی قبورھا وھی فی مقرھا فھو حق'' روحیں اپنی اپنی جگہ میں رہتے ہوئے قبروں پر روشنی ڈالتی ہیں اور یہ حق ہے۔ (ایضاً تفسیر آیت قل الروح)

آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں: ''ثم اعلم ان اتصال الروح بالبدن لا یختص بجزء دون جزء بل ھی متصلۃ مشرقۃ علی سائر اجزائہ'' پھر تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ بدن کے ساتھ روح کا اتصال کسی ایک جزء کے ساتھ خاص نہیں بلکہ یہ روح تمام بدن سے متصل ہے اور بدن کے سارے اجزاء پر روشنی ڈالنے والی ہے۔ (ایضاً)

امام یافعی رحمہ اللہ تو اسے اہل السنۃ کا مذہب قرار دیتے ہیں۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''قال الیافعی مذھب اھل السنۃ ان ارواح الموتی ترد فی بعض الاوقات من علیین او من سجین الی اجسادھم فی قبورھم عند ارادۃ اللہ تعالیٰ'' (امام) یافعی رحمہ اللہ نے کہا کہ اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ مردوں کی روحوں کو بعض اوقات علیین یا سجین سے قبروں میں ان کے بدنوں کے پاس بھیج دیا جاتا ہے، جب اللہ تعالیٰ چاہے۔ (بشری الکئیب ص۱۰۰، اقامۃ البرہان ص۱۰۱)

۱۳...... امام ابن قیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا ارشاد: ہم نے اس ارشاد کی تفصیل واہمیت وافادیت کے پیش نظر (سن وسال کی ترتیب کو نظر انداز کرتے ہوئے) سب سے اوّل درج کیا۔ اسی طرح حضرت امام ابن قیم رحمہ اللہ کے ارشادات بھی۔ ان کی تفصیل وافادیت کے مدنظر آخر میں پیش کرتے ہیں۔ رقمطراز ہیں:

۱...... رسول اللہ ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شب معراج میں دیکھا کہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے
''فالروح کانت هناک ولها اتصال بالبدن فی القبر واشراف علیه وتعلق به بحیث یصلی فی قبره ویرد سلام من سلم علیه وهی فی الرفیق الاعلیٰ'' پس ان کی روح تو رفیق اعلیٰ میں تھی اور اس کا قبر کے اندر بدن سے اتصال و بدن پر اشراف اور بدن کے ساتھ تعلق تھا جس کی وجہ سے آپ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے اور جو آپ پر سلام کہے اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ حالانکہ روح رفیق اعلیٰ میں ہے۔

''ولا تنافی بین الامرین فان شان الارواح غیر شان الابدان ولیس نزول الروح وصعودها وقربها وبعدها من جنس ما للبدن فانها تصعد الی ما فوق السموات ثم یهبط الی الارض ما بین قبضها وكذالک صعودها وعودها الی البدن فی النوم والیقظة وقد مثلها بعضهم بالشمس وشعاعها فانها فی السماء وشعاعها فی الارض'' ان دو امور میں کوئی منافات نہیں کیوں کہ بلاشبہ ارواح کی شان ابدان کی شان کے مغائر ہے، روح کا نیچے، اوپر جانا، قریب ہونا اور دور ہونا بدن کے نزول وصعود اور قرب و بعد کی طرح نہیں بیشک روح آسمانوں سے اوپر چڑھتی ہے۔ پھر زمین کی طرف اترتی ہے۔ قبض ہونے کی صورت میں اور اسی طرح اس کا نیند میں (آسمانوں کی طرف) چڑھنا اور بیداری میں بدن کی طرف لوٹ آنا، بعض نے اس کی مثال سورج اور اس کی شعاع سے دی ہے کہ سورج آسمان میں ہے اور اس کی شعاع زمین میں ہے۔ (کتاب الروح ص ۵۴، ۵۵)

ایک اور مقام پر حضرت امام رحمہ اللہ اور زیادہ شرح و بسط کے ساتھ بیان فرماتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

۲...... ''وقد بینا ان عرض مقعد المیت علیه من الجنة او النار لا یدل علی ان الروح فی القبر دائما من جمیع الوجوه بل لها اشراف واتصال بالقبر وذالک القدر منها یعرض علیه مقعده فان للروح شانا آخر تکون فی الرفیق الاعلیٰ فی اعلیٰ علیین ولها اتصال بالبدن بحیث اذا سلم المسلم علی المیت رد الله علیه روحه فیرد علیه السلام وهی فی الملاء الاعلیٰ وانما یغلط اکثر الناس فی هذا الموضع حیث یعتقد ان الروح من جنس ما یعهد من الاجسام التی اذا شغلت مکانا لم یکن ان تکون فی غیره وهذا غلط محض بل الروح تکون فوق السموات فی اعلیٰ علیین وترد الی القبر فترد الاسلام وتعلم بالمسلم وهی فی مکانها هناک وروح رسول الله ﷺ فی الرفیق الاعلیٰ دائر ویردها الله سبحانه الی القبر فترد السلام علی من سلم علیه وسمع کلامه وقد رأی رسول الله ﷺ موسیٰ قائما یصلی فی قبره ورأه فی السماء السادسة او السابعة فاما ان تکون سریعة الحرکة والانتقال کلمح البصر واما ان یکون المتصل منها بالقبر بمنزلة شعاع الشمس وجرمها فی السماء'' (کتاب الروح ص ۱۲۵)

اور ہم نے بیان کیا کہ میت پر جنت یا دوزخ میں سے اس کا ٹھکانا پیش کرنا یہ اس پر دلالت نہیں کرتا کہ روح من کل الوجوہ ہمیشہ قبر میں ہے بلکہ روح کو قبر پر جھانکنا یا قبر کے ساتھ اتصال ہے اور روح کے اسی قدر تعلق سے مردہ پر اس کا ٹھکانا پیش کیا جاتا ہے کیونکہ بالتحقیق روح کی شان دوسری ہے۔ یہ روح رفیق اعلیٰ علیین میں ہوتی ہے اور اسے بدن کے ساتھ اس قسم کا اتصال ہوتا ہے کہ جب سلام کرنے والا میت پر سلام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر روح کو واپس کرتا ہے اور وہ اس سلام کرنے والے کے سلام کا جواب دیتا ہے حالانکہ روح ملاء اعلیٰ میں ہوتی ہے اور اکثر لوگوں کو اس موقع پر مغالطہ ہوا ہے کہ وہ روح کو اجسام کی جنس میں سے خیال کرتے ہیں جو ایک جگہ کسی کام میں مشغول ہو تو اس کا دوسری جگہ ہونا

ممکن نہیں اور یہ بالکل غلط ہے (بخلاف اس کے) روح کا تو یہ حال ہے کہ یہ آسمانوں سے اوپر اعلیٰ علیین میں ہوتی ہے اور قبر کی طرف لوٹ آتی ہے اور سلام کرنے والے کو پہچانتی ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتی ہے اور یہ اپنے مکان میں اعلیٰ علیین میں بھی رہتی ہے اور رسول اللہ ﷺ کی روح اقدس رفیق اعلیٰ میں موجود ہے اور اللہ سبحانہ اسے قبر کی طرف لوٹا دیتا ہے اور وہ سلام کرنے والے کی آواز سنتی ہے اور سلام کا جواب دیتی ہے اور بیشک رسول اللہ ﷺ نے (شب معراج) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا اور (اسی رات) انہیں چھٹے یا ساتویں آسمان میں بھی دیکھا یا تو ان کی روح آنکھ جھپکنے کی دیر میں بسرعت تمام علیین سے قبر میں اور (قبر سے آسمان پر) منتقل ہوگئی یا روح جسم موسیٰ سے قبر میں متصل تھی اور (خود علیین میں تھی) جیسے سورج کی شعاع کہ اس کا اصل جسم آسمان میں ہے۔ (مگر شعاع زمین پر پڑ رہی ہے)

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ خیال محض غلط ہے کہ روح بھی جسم کی طرح ایک مکان میں ہوتی ہے اور اسی وقت دوسری جگہ نہیں ہوتی۔ حضرت امام کہتے ہیں اکثر لوگ اسی مغالطہ کا شکار ہیں حالانکہ روح کی شان دوسری ہے۔ یہ ایک ہی وقت میں اعلیٰ علیین میں فوق السماء ہوتی ہے اور اسی وقت قبر کی طرف لوٹ آتی ہے یا تو سریع الحرکت، سریع السیر ہے کہ پلک جھپکنے میں فوق السماء سے قبر تک آ جاتی ہے اور پھر فوراً چشم زدن میں اپنے مقام و مستقر کو منتقل ہو جاتی ہے یا اپنے محل و مقر پر رہتے ہوئے اسے قبر سے اتصال و تعلق ہے جیسے شعاع شمس کہ شمس کا اصل وجود تو آسمان میں ہے لیکن شعائیں زمین پر پڑتی ہیں۔ بہر حال کوئی شکل ہو روح کا اپنے مستقل ٹھکانہ پر رہتے ہوئے قبر میں میت کے ساتھ تعلق ضرور ہے۔

پھر امام اپنے اس خیال روح کے سریع الحرکت و سریع السیر ہونے کی تصدیق و تائید میں تحریر فرماتے ہیں: ''وقد ثبت ان روح النائم تصعد حتی تخترق السبع الطباق وتسجد للہ بین یدی العرش ثم ترد الی جسدہ فی ایسر زمان وکذالک روح المیت تصعد بھا الملائکۃ حتی تجاوز السموات السبع وتقفھا بین یدی اللہ فتسجد لہ'' اور بیشک یہ بات (آثار و احادیث سے) ثابت ہو چکی ہے کہ نائم کی روح چڑھتی ہے حتی کہ ساتوں آسمانوں سے گزر کر عرش کے سامنے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہے۔ پھر فوراً اپنے جسم کی طرف لوٹ آتی ہے اور اسی طرح میت کی روح کہ ملائکہ اسے لے کر چڑھتے ہیں حتی کہ ساتوں آسمانوں سے آگے نکل کر اللہ تعالیٰ کے سامنے ٹھہرتے ہیں اور روح اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہے۔ (کتاب الروح ص ۱۲۵)

اس اجمال کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

نیند کے وقت روح عرش کو جاتی ہے

حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ ہی ایک مقام پر لکھتے ہیں: ''وقد تظاھرت الآثار عن الصحابۃ ان روح المومن تسجد بین یدی العرش فی وفاۃ النوم ووفات الموت'' بیشک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے آثار ثابت ہیں کہ نیند کے اندر اور موت کے بعد مومن کی روح عرش کے سامنے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہے۔ (کتاب الروح ص ۲۳۰)

حضرات تابعین کرام رضی اللہ عنہم

میں عرض کرتا ہوں کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ حضرات تابعین کے آثار بھی موجود ہیں۔ چنانچہ حضرت عکرمہ اور حضرت مجاہد رحمہما اللہ نے فرمایا: ''اذا نام الانسان کان لہ سبب یجری فیہ الروح فما دام ذاھباً

فالانسان نائم واذا رجع الی البدن انتبه الانسان وکان بمنزلة شعاع الشمس هو ساقط بالارض واصله متصل بالشمس "جب انسان سوتا ہے تو اس کے لئے ایک راستہ بن جاتا ہے جس میں روح چلتی ہے۔ جب تک روح چلتی رہتی ہے انسان سوتا رہتا ہے جب بدن کی طرف واپس آجاتی ہے انسان جاگ اٹھتا ہے اور روح شعاع شمس کی مانند ہے کہ شعاع تو زمین پر پڑتی ہے اور اس کی اصل سورج کے ساتھ متصل ہے۔ (شرح الصدور ص ۱۱۴)

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: "اذا نام الانسان عرج بروحه حتی یؤتی بها الی العرش فان کان طاهرا اذن لها بالسجود" جب انسان سوتا ہے اس کی روح اوپر کو چڑھائی جاتی ہے، یہاں تک کہ عرش تک جا پہنچتی ہے۔ پس اگر وہ انسان پاک ہوتا ہے تو روح کو سجدہ کی اجازت دی جاتی ہے۔ (کتاب الروح ص ۳۷)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص

بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا: "ان الارواح یعرج بها فی منامها الی السماء وتؤمر بالسجود عند العرش" بیشک روحوں کو نیند میں آسمان کی طرف چڑھایا جاتا ہے اور عرش کے قریب انہیں سجدہ کا حکم دیا جاتا ہے۔ (شرح الصدور ص ۱۱۴)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کرم اللہ وجہہ

امام بغوی رحمہ اللہ (م ۵۱۶ھ) رقم طراز ہیں: "وعن علیؓ قال یخرج الروح عند النوم ویبقی شعاعه فی الجسد فبذالک یری الرؤیا فاذا انتبه من النوم عاد الروح الی جسده باسرع من لحظة" حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا نیند کے وقت روح خارج ہوجاتی ہے اور جسم میں اس کی شعاع باقی رہتی ہے اور اسی سے انسان خواب دیکھتا ہے۔ پس جب انسان نیند سے جاگتا ہے تو روح پلک جھپکنے سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ جسم کی طرف لوٹ آتی ہے۔ (تفسیر معالم التنزیل بغوی مطبوعہ مصر تفسیر آیت اللہ یتوفی الانفس)

خود رسول اکرم ﷺ

مستدرک حاکم، طبرانی اور عقیلی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ما من عبد ولا امة ینام فیمتلئ نوما الا یعرج بروحه الی العرش" جو بھی اللہ کا بندہ یا باندی سوتی ہے اور گہری نیند سو جاتی ہے اس کی روح عرش کی طرف چڑھائی جاتی ہے۔ (شرح الصدور ص ۱۱۴)

امام العصر حضرت حافظ ابوعبداللہ بن مندہ نے اپنی کتاب (کتاب النفس والروح) میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہی روایت نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرماتے تھے "مامن عبد ینام الخ" (کتاب الروح ص ۳۶)

کتاب وسنت سے استنباط واستخراج یا محض اجتہاد؟

مخالفین تو کہتے ہی ہیں کہ روح کا وجود کے ساتھ اتصال وتعلق قرآن وحدیث سے ثابت نہیں یعنی من

کثرت ہے۔ اپنے بھی فرماتے ہیں کہ: اتصال روح کا موقف کسی نص صریح پر مبنی نہیں بلکہ علمائے کبار نے مختلف نصوص میں تطبیق دینے کے لئے اسے اجتہادی طور پر اختیار کیا۔ (مقام حیات از علامہ خالد محمود صاحب ص ۲۳۱ طبع اول)

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اتصال روح کا موقف محض اجتہادی نہیں بلکہ نصوص صریحہ پر مبنی ہے۔ یعنی کتاب وسنت کی نصوص میں اجتہاد کر کے ائمہ دین رحمہم اللہ نے یہ موقف اختیار کیا۔ ہمارا اس عرض کی تفصیل ملاحظہ ہو۔ اللہ رب العزت نے اپنے کلام پاک قرآن کریم میں فرمایا:

''اللہ یتوفی الانفس حین موتها والتی لم تمت فی منامها فیمسک التی قضی علیها الموت ویرسل الاخریٰ الی اجل مسمی '' اللہ قبض کر لیتا ہے جانوں کو ان کی موت کے وقت اور جن کی موت نہیں آئی ان کی نیند کے وقت، پھر ان جانوں کو تو روک لیتا ہے جن پر موت کا حکم فرما چکا ہے اور باقی جانوں کو ایک وقت مقرر تک رہا کر دیتا ہے۔ (زمر: ۴۲)

سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر یوں منقول ہے کہ نیند کے وقت روح نکل جاتی ہے مگر جسم میں اس کی شعاع باقی رہتی ہے۔ بیداری کے وقت پھر روح طرفۃ العین سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ جسم کی طرف لوٹ آتی ہے۔ اب سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ تفسیر ایسے امر سے متعلق نہیں جس کے بارے میں صحابی رضی اللہ عنہ اپنی رائے سے کچھ کہہ سکے۔ ان کے سامنے اللہ رب العزت کا قرآن ہے اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی۔

حدیث پاک کی نص صریح سے ثابت ہے کہ نائم کی روح عرش کی طرف لے جائی جاتی ہے اور قرآن کریم کی نص صریح ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک وقت معین تک کے لئے نائم کی روح کو واپس کر دیتا ہے جس سے نائم جاگ اٹھتا ہے۔ اب حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ وغیرہ ایسے جلیل القدر علام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کتاب اللہ اور حدیث رسول ﷺ سے یہ استنباط واستخراج کیا کہ نائم کی روح عرش کے قریب بارگاہ رب العزت میں جاتی ہے تو سجدہ بھی بجالاتی ہے۔

تو سوال یہ ہے کہ اس وقفے میں نائم زندہ ہے یا مردہ ؟ ظاہر ہے کہ اسے مردہ تو وہی کہے گا جس کا اپنا قلب ودماغ مردہ ہوگا اور زندہ ہے تو کس طرح؟ جب کہ نص قرآن کے مطابق اس کی روح قبض کر لی گئی ہے اور نص حدیث کے مطابق وہ بارگاہ رب العزت میں عندالعرش پہنچ گئی ہے اور مشاہدہ بھی یہی ہے کہ نائم بے روح تو ہے مگر مردہ نہیں۔ نہ دیکھتا ہے نہ سنتا ہے نہ اٹھتا ہے نہ بیٹھتا ہے نہ بولتا ہے۔ بے حس وحرکت اور بے سدھ، بے خبر و بے شعور پڑا ہوا ہے۔ اس لحاظ سے تو گویا مردہ ہے۔ لیکن حقیقت میں مردہ نہیں۔ اس کی نبض چل رہی ہے۔ دل برابر دھڑک رہا ہے۔ دوران خون جاری ہے۔

اب سوائے اس کے کیا کہا جا سکتا ہے کہ نائم کی روح تو بنص قرآن اللہ تعالیٰ نے قبض فرمالی ہے اور بنص حدیث وہ عنداللہ عرش کے قریب ہے۔ مگر اس کا کچھ تعلق اس کے جسم کے ساتھ ہے ضرور، جس کی وجہ سے جسم زندہ ہے مردہ نہیں۔ اس تعلق کی تعبیر سیدنا علی کرم اللہ وجہہ یہی فرماتے ہیں کہ عندالنوم روح تو خارج ہوگئی۔ البتہ اس کی شعاع فی الجسد باقی رہ گئی۔

اور یہ تعبیر بھی کتاب وسنت کی نصوص صریحہ کی روشنی میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی فرماتے ہیں کہ بیداری کے وقت پلک جھپکنے کی دیر بھی نہیں لگاتی اور اس سے بھی زیادہ سرعت وتعجیل کے ساتھ روح واپس جسم میں پہنچ جاتی ہے تو اب نیند کی صورت میں کتاب اللہ اور حدیث رسول ﷺ کی روشنی میں سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ یہ فرماتے ہیں کہ روح تو نکل جاتی ہے مگر اس کی شعاع جسم میں رہ جاتی ہے۔ گویا روح کا اتصال وتعلق جسم سے برقرار ہے۔ پھر اصل روح طرفۃ العین سے بھی زیادہ سرعت وتعجیل کے ساتھ عرش سے فرش پر واپس لوٹ آتی ہے اور آدمی جاگ اٹھتا ہے۔ مگر یہ سارا قصہ نیند کا ہے۔

یہ ساری بحث نائم کی روح کے متعلق تھی۔ اب میت کی روح کے متعلق عرض ہے: محدث جلیل حافظ ابن مندہ رحمہ اللہ اپنی سند کے ساتھ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب مومن کی روح فرشتے لے کر چڑھتے ہیں تو اس کے لئے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں: ''فاذا صعد بها الى السماء شيعها مقربو كل سماء حتى توضع بين يدي الله عند العرش'' جب روح آسمانوں کو چڑھائی جاتی ہے تو ہر آسمان کے مقرب فرشتے اس کے ساتھ ہوتے ہیں یہاں تک کہ عرش کے قریب روح اللہ تعالیٰ کے سامنے رکھ دی جاتی ہے۔ (کتاب الروح ص ۵۸)

امام ابن مندہ رحمہ اللہ ہی نے دوسری روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کی ہے اس میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ ہر آسمان کا فرشتہ اس روح کے لئے دعاء رحمت کرتا ہے۔ ''فيصلي عليها كل ملك في كل سماء'' یہاں تک کہ اسے خدائے جبار کے سامنے پہنچا دیا جاتا ہے ''حتى ينتهي بها بين يدي الملك الجبار'' (کتاب الروح ص ۶۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اس سلسلہ میں ایک روایت ہے اس میں ارشاد فرمایا: ''ثم يعرج بها الى السماء حتى ينتهي بها الى السماء التي فيها الله عز وجل'' (ایضاً ص ۶۰)

ایک روایت بکر بن خنیس نے کی ہے کہ یزید الرقاشی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اور ابو عبداللہ الشامی نے حضرت تمیم الداری رضی اللہ عنہ نے اور ان دونوں نے نبی ﷺ سے روایت کیا کہ: ''اذا عرج ملك الموت بروح المؤمن الى السماء استقبله جبرئيل في سبعين الفاً من الملائكة كل منهم يأتيه ببشارة من السماء سوى بشارة صاحبه فاذا انتهى به الى العرش خرّ ساجداً'' جب ملک الموت مومن کی روح لے کر آسمان کی طرف چڑھتا ہے تو جبرئیل علیہ السلام ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ اس کا استقبال کرتا ہے وہ سب فرشتے ایک سے ایک بڑھ کر اسے بشارت دیتے ہیں جب یہ عرش کے قریب جاتی ہے تو سجدہ میں گر جاتی ہے۔ (ایضاً ص ۱۲۴)

نیند اور موت

نیند اور موت میں بدرجہ اتم تشابہ و مماثلت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ''النوم اخت الموت'' نیند موت کی بہن ہے۔ بلکہ ایک ارشاد میں نیند کو بالکل موت سے تعبیر فرمایا ہے۔ سوتے وقت حضور ﷺ نے فرماتے تھے بروایت حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ و حضرت براء رضی اللہ عنہ: ''اللهم باسمك اموت واحيى'' الٰہی! میں تیرے نام کے ساتھ مرتا ہوں (یعنی سوتا ہوں) اور زندہ ہوتا ہوں (یعنی جاگتا ہوں)

اور جب بیدار ہوتے تو فرماتے: ''الحمد لله الذي احيانا بعد ما اماتنا واليه النشور'' (تمام تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جس نے ہمیں مارنے کے بعد زندہ کیا۔ (یعنی نیند کے بعد بیدار فرمایا) اور (قیامت میں) زندہ ہو کر اسی کی طرف رجوع ہونا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح باب ما یقول عند الصباح والمساء والمنام)

تو رسول اللہ ﷺ نے نوم (نیند) کو موت فرمایا ہے اور اللہ رب العزت نے تو موت اور نیند کو بالکل ایک ہی سطح پر رکھا ہے اور قرآن نے نوم اور موت کو ایک ہی لفظ توفی کے تحت داخل کیا ہے۔ ''قوله تعالى الله يتوفى

الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا'' اور یہ بھی نص قرآنی سے ثابت ہے کہ موت اور نیند دونوں کی حالت میں ایک ہی چیز (روح) قبض کی جاتی ہے۔

کتاب اللہ میں نیند کو بالکل وفات بھی فرمایا گیا ہے:''قولہ تعالیٰ وھو الذی یتوفٰکم باللیل'' اور اللہ وہی ہے جو رات کو تمہاری روح کو قبض کرتا ہے (یعنی بصورت نیند تمہیں وفات دیتا ہے) (انعام:۶۰)

جب کتاب اللہ کی نص صریح میں موت اور نیند کو ایک ہی سطح پر رکھا گیا ہے اور حدیث کی نص صریح میں نیند کو موت فرمایا گیا ہے۔ موت کی بہن فرمایا گیا ہے۔ پھر جس طرح حدیث پاک کے اندر نیند کی حالت میں نائم کی روح کا بارگاہ الٰہی میں عندالعرش حاضر ہونا فرمایا گیا ہے۔ اسی طرح متعدد احادیث میں میت کی روح کا عندالعرش ملک الجبار کے سامنے حاضر ہونا فرمایا گیا ہے۔ پھر تشابہ وتوافق درجہ کمال کو پہنچ گیا کہ جس طرح آثار صحابہ رضی اللہ عنہم میں نائم کی روح کا عندالعرش سجدہ کرنا مذکور ہے خود ارشاد نبوت میں مومن میت کی روح کا عندالعرش اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ میں گر جانا فرمایا گیا ہے۔ جہاں کتاب وسنت کے اندر نیند اور موت میں اتنی مشابہت ومماثلت بلکہ وحدت ویگانگت ہے۔ وہاں اجلہ علماء امت وکبار ائمہ دین نے کتاب وسنت کی ان نصوص صریحہ کے پیش نظر اگر یہ کہہ دیا کہ موت کے بعد بھی روح کا تعلق جسم کے ساتھ رہتا ہے۔ جیسا کہ خود قرآن وحدیث کی نص صریح سے نیند میں روح کا تعلق جسم کے ساتھ ثابت ہے تو یہ ان کا کتاب وسنت سے استنباط واستخراج ہوا، نصوص صریحہ پر قیاس ہوا یا من گھڑت زعم وخیال؟ اور رفع تعارض کے لئے صرف اجتہاد؟

باقی رہا ائمہ اعلام دین کا یہ قول کہ روح سریع الحرکۃ ہے۔ سریع السیر ہے، یہ بجلی کی طرح اعلیٰ علیین سے قبر تک پہنچ جاتی ہے اور طرفۃ العین میں پھر جسد سے اپنے مقر میں واپس پہنچ جاتی ہے تو یہ بھی علماء کبار کا اجتہاد نہیں بلکہ یہ کتاب وسنت کی نصوص کے تحت خلیفہ راشد سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے جو نیند سے متعلق ہے کہ:''عاد الروح الی جسدہ باسرع من لحظۃ'' (تفسیر معالم التنزیل) تو جو روح نیند میں سریع الحرکت اور اسرع من لحظۃ ہو سکتی ہے وہ نیند کی بڑی بہن موت کے بعد سریع الحرکت اور اسراع السیر کیوں نہیں ہو سکتی؟

ان حالات وحقائق کی روشنی میں یہ کہنا کہ: اتصال روح کا موقف کسی نص صریح پر مبنی نہیں یا یہ فرمانا کہ: چوتھی صدی کے بعد سے شارحین حدیث نے بعض حدیثوں میں تطبیق کے سلسلہ میں تعلق روح بجسد عنصری کا مختلف عنوان سے ذکر کیا ظاہر ہے کہ بہت بڑی زیادتی ہے۔ بخلاف اس کے حقیقت یہ ہے کہ:

۱...... خدا اور رسول خدا نے موت اور نیند کو ایک ہی سطح پر رکھا ہے بلکہ صحیح حدیث میں نیند کو موت فرمایا گیا ہے اور کتاب اللہ میں وفات۔

۲...... موت اور نیند دونوں کی حالت میں جسم سے روح کا قبض وخروج خود کتاب اللہ کی نص صریح سے ثابت ہے۔

۳...... دونوں صورتوں میں روح کا عرش پر جانا اور بارگاہ رب العزت میں سجدہ نیاز ادا کرنا نص حدیث سے ثابت ہے۔

۴...... نیند کی حالت میں نائم کی روح کا عرش سے فرش پر واپس آنا کتاب اللہ سے ثابت ہے۔

۵...... نائم کی روح کا عرش سے فرش پر چشم زدن میں واپس آنا اور جسم کی طرف لوٹنا خود کتاب اللہ میں اور اسرع من لحظہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے ارشاد میں وارد ہے۔

۶...... بحالت نوم روح کا نکل جانا مگر اس کا جسم کے ساتھ شعاع کی شکل میں تعلق واتصال رکھنا یہ بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے ثابت ہے اور مشاہدہ بھی۔

تو اب بحالت موت روح کا جسم کے ساتھ تعلق واتصال رکھنا یا مقر ارواح سے پلک جھپکنے سے بھی زیادہ تیزی وسرعت کے ساتھ میت کے قریب آجانا یہ قرآن وحدیث کی نصوص صریحہ پر مبنی ہوا یا محض اجتہادی؟ حقیقت یہ ہے کہ اتصال روح کا موقف کتاب اللہ اور حدیث نبوی کی نصوص صحیحہ صریحہ اور اقوال وآثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مبنی ہے اور اسے محض اجتہادی قرار دینا صریح زیادتی ہے۔ اس شرح وتفصیل کے بعد غالباً مؤلف ندائے حق کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ روح کا علیین یا سجین میں رہتے ہوئے جسد عنصری کے ساتھ تعلق قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔

۱۴...... حضرت قاضی شمس الدین صاحب! طرفہ تماشا یہ کہ دارالعلوم دیوبند کے جس مخصوص مکتب فکر سے صاحب ''ندائے حق'' متعلق ہیں۔ اسی مکتب فکر کے عظیم فرد استاذ الاساتذہ حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب مدظلہ تعلق روح بالجسد کے قائل ہیں۔ تحریر فرماتے ہیں: ارواح طیبہ کا ابدان مبارکہ سے تعلق جس کی کنہ ہم نہیں جانتے اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ ایمان کے لئے ہم اتنا کافی سمجھتے ہیں کہ ایک شخص یہ یقین کرے کہ انبیاء علیہم السلام دنیا سے رخصت ہونے کے بعد زندہ ہیں جس کی کیفیت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ (مسالک العلماء ص ۱۶۸)

اور یہ حقیقت ہے اور سارے اکابر علماء امت یہی فرماتے ہیں ارواح کے ابدان سے اتصال وتعلق کی کنہ وکیفیت سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ نہ ہمیں اس میں بحث وتمحیص کی ضرورت ہے۔ البتہ یہ سارے عمائد دین مانتے ہیں کہ ارواح کو ابدان کے ساتھ تعلق ہے اور ضرور ہے۔

(۵) حیات النبی فی الجنۃ
(رفیق اعلیٰ میں نبی ﷺ کی روحانی حیات)

پہلی حقیقت فی الرفیق الاعلیٰ

صرف صحیح بخاری میں ایک ہی موقع پر آٹھ، نو روایات میں یہ مضمون ہے کہ بالکل آخر وقت نبی کریم ﷺ کی زبان پاک پر ''اللھم فی الرفیق الاعلی'' کے الفاظ تھے۔ یہ ساری روایات حضور ﷺ کی محبوب رفیقہ حیات ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہیں جن کے گھر میں آپ ﷺ نے وفات پائی اور وفات کے وقت آپ ﷺ کا سر مبارک ان کی گود میں تھا۔

فرماتی ہیں: ''توفی النبی ﷺ فی بیتی وفی یومی وبین سحری ونحری۔ فرفع رأسه الی السمآء وقال فی الرفیق الاعلی، فی الرفیق الاعلی'' نبی کریم ﷺ نے میرے گھر، میری باری کے دن اور میری گود میں وفات

پائی۔ آپ ﷺ نے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور فرمایا فی الرفیق الاعلیٰ، فی الرفیق الاعلیٰ۔ (صحیح بخاری باب مرض النبی ﷺ ووفاتہ)

دوسری روایت میں ہے کہ "ثم قال فی الرفیق الاعلی ثلاثاً ثم قضی" آپ ﷺ نے تین بار فی الرفیق الاعلیٰ فرمایا پھر وفات پا گئے۔ (ایضاً)

تیسری روایت میں ہے "فجعل یقول فی الرفیق الاعلی حتی قبض" آپ ﷺ برابر فی الرفیق الاعلیٰ فرماتے رہے یہاں تک کہ وفات پائی۔ (ایضاً)

چوتھی روایت کے الفاظ: "فکانت آخر کلمة تکلم بها اللهم الرفیق الاعلی" آپ ﷺ کا آخری کلام مبارک یہی تھا اللھم الرفیق الاعلیٰ! (متفق علیہ، صحیح بخاری صحیح مسلم، مشکوۃ المصابیح باب وفات النبی ﷺ)

دوسری حقیقت، جنت کا نظارہ

اب دوسری حقیقت ملاحظہ ہو: حضرت صدیقہ طاہرہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب تندرست تھے تو فرمایا کرتے تھے: "انه لن یقبض نبی حتی یری مقعده من الجنة ثم یخیر (متفق علیه)" کسی نبی کی وفات نہیں ہوتی جب تک کہ جنت میں اس کا مقام اس کو دکھا نہیں دیا جاتا، پھر اس کو اختیار دیا جاتا ہے۔
(مشکوۃ المصابیح باب وفات النبی ﷺ)

جب تک نبی کو جنت میں اس کا ٹھکانہ نہ دکھا دیا جائے اس وقت تک کسی نبی کی روح قبض نہیں کی جاتی۔
مقعد کے معنی ہیں جائے قیام۔ (مفردات القرآن ص ۷۵۸) بیٹھنے کی جگہ۔ (لغات القرآن ج ۵ ص ۴۲۵)

تیسری حقیقت، دنیا و آخرت میں اختیار

وفات سے پہلے جہاں نبی کو جنت میں اس کا مقام دکھا دیا جاتا ہے وہاں اس کے بعد اسے اختیار دیا جاتا ہے کہ دنیا و آخرت میں سے جو چاہے چن لے، چاہے تو وہ زندہ رہ کر دنیا کی رونق اور ریج دھج سے متمتع ہو اور چاہے تو اخروی نعمتوں اور عند اللہ انعامات سے مستفید و مستفیض ہو۔

حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، فرماتے تھے: "ما من نبی یمرض الا خیر بین الدنیا و الآخرة (متفق علیه)" کوئی نبی ایسا نہیں جسے مرض (وفات) میں دنیا اور آخرت میں (سے کسی ایک کو چن لینے کا) اختیار نہ دیا گیا ہو۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم) (ایضاً)

چوتھی حقیقت، آپ ﷺ نے اخروی نعمتیں اختیار فرما لیں

چنانچہ آپ کو یہ اختیار دیا گیا اور آپ نے آخرت اور آخرت میں عند اللہ انعامات کو چن لیا۔

ا...... بروایت حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ آپ نے (مرض وفات میں) منبر پر بیٹھ کر فرمایا: "ان عبداً خیره الله بین ان یؤتیه من زهرة الدنیا ما شاء و بین ما عنده فاختار ما عنده فبکی ابو بکر۔ فکان رسول الله ﷺ هو المخیر و کان ابو بکر اعلمنا (متفق علیه)" ایک بندہ ایسا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے اگر وہ چاہے تو دنیا کی رونق اللہ اسے دے دے اور اگر چاہے تو جو (نعمتیں) اللہ کے پاس ہیں وہ لے لے اس بندے نے عند اللہ (انعام و اکرام) کو چن لیا ہے اس پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ رو پڑے۔ وہ بندہ جس کو اختیار دیا گیا (خود) رسول کریم ﷺ

تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم سب (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) سے زیادہ عالم تھے۔ (مشکوۃ المصابیح باب وفات النبی ﷺ)

۲...... حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ صحت کی حالت میں فرمایا کرتے تھے نبی کو وفات سے پہلے جنت میں اس کا ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے۔ پھر اس کو اختیار دیا جاتا ہے۔ وفات کے وقت جب آپ نے ''اللھم الرفیق الاعلیٰ'' فرمایا ''قلت اذا لا یختارنا'' تو میں سمجھ گئی کہ اب آپ ہم کو اختیار نہیں کریں گے۔ (متفق علیہ) (ایضاً)

یعنی ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کو یقین ہو گیا کہ اب رسول اللہ ﷺ ہم سے رخصت ہونے والے ہیں۔ اب آپ ﷺ ہمارے ہاں نہیں رہیں گے۔

فی الرفیق الاعلیٰ کا معنی

آپ ﷺ کے اس آخری اور متواتر ارشاد کے معنی کیا ہیں؟ اس پر کچھ روشنی ایک اور روایت سے پڑتی ہے۔ ام المؤمنین ارشاد فرماتی ہیں۔ میں نے آپ ﷺ کی وفات سے پہلے کان لگا کر آپ ﷺ سے سنا (اصغت الیہ) فرماتے تھے ''اللھم اغفرلی وارحمنی والحقنی بالرفیق'' میرے اللہ! میری مغفرت فرما، میرے اوپر رحم فرما اور مجھے رفیقوں کے ساتھ ملا دے۔ (صحیح بخاری باب مرض النبی ﷺ)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اس وقت بھی برابر یہ دعا فرماتے رہے جب کہ آپ ﷺ کی آواز انتہائی کمزور ہو گئی تھی اور کان لگائے بغیر سنی بھی نہیں جاتی تھی اور ''فی الرفیق الاعلیٰ اور اللھم الرفیق الاعلیٰ'' کے معنی اتنا تو معلوم ہو گئے کہ میرے اللہ! مجھے رفیق اعلیٰ سے ملا دے۔

اب رفیق اعلیٰ سے کیا مراد ہے؟ اس کی حقیقت خود حضور ﷺ کے دوسرے فرمان سے ہو جاتی ہے۔ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا ہی فرماتی ہیں نبی ﷺ مرض وفات میں فرماتے تھے ''مع الذین انعمت علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین۔ (متفق علیہ)'' ان حضرات کے ساتھ جن پر تو نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صلحاء (ملا دے) (مشکوۃ المصابیح باب وفات النبی ﷺ)

تو بالکل آخر وقت آپ ﷺ کی اللہ رب العزت سے دعا یہ تھی کہ الٰہی مجھے ان رفیقوں سے ملا دے جن پر تو نے فضل و انعام فرمایا۔ نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صلحاء سے ملا دے۔ (جو اعلیٰ علیین میں رہتے ہیں) ''قولہ فی الرفیق الاعلیٰ ای الجماعۃ من الانبیاء الذین یسکنون اعلیٰ علیین'' (سندھی حاشیہ علی البخاری مطبع عثمانیہ مصر)

پانچویں حقیقت جنت آپ ﷺ کا مسکن ہے

بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کی موت پر فرمایا: ''یا ابتاہ اجاب ربا دعاہ یا ابتاہ من جنۃ الفردوس مأواہ'' اے میرے باپ اللہ نے آپ ﷺ کو بلایا آپ نے اپنے رب کی دعوت قبول فرمائی۔ اے میرے باپ! وہ ذات کہ جنت الفردوس آپ ﷺ کا ٹھکانا ہے۔ (صحیح بخاری باب مرض النبی ﷺ)

ماویٰ کے معنی ہیں ٹھکانا، مقام سکونت۔ (لغات القرآن ج پنجم ص ۲۷۴)

امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے ماویٰ کے معنی کئے ہیں، رہنے کی جگہ۔ (مفردات القرآن)

خلاصہ: ان پانچ حقائق کا خلاصہ یہ ہے کہ: اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو مرض وفات میں جنت میں آپ ﷺ کی جائے قیام بیٹھنے کی جگہ دکھلائی۔ پھر آپ ﷺ کو اختیار دیا کہ چاہے تو آپ ابھی کچھ اور دنیا میں رہیں چاہے اپنے اسی جنتی مقام میں آ جائیں۔ آپ ﷺ نے دنیا سے منہ موڑ کر عند اللہ اخروی نعمتوں اور جنتی مقام کو چن لیا۔ اللہ تعالیٰ سے بار بار دعا کی کہ مجھے اعلیٰ علیین میں رہنے والے رفیقوں، جماعت انبیاء وغیرہم علیہم السلام سے ملا دے اور بالفاظ حضرت سیدۃ النساء فاطمہ ؓ آپ ﷺ نے اپنے رب کی دعوت الی الجنۃ کو قبول کر لیا (اور اللہ نے آپ ﷺ کی دعا الحاق بالرفیق کو قبول فرما لیا، آپ ﷺ کو وفات دے دی اور جنت الفردوس میں داخل فرما دیا) اب جنت الفردوس آپ ﷺ کا مقام سکونت ہے۔ آپ ﷺ کے رہنے کی جگہ ہے۔

نتیجہ: اب ان حقائق سے نتیجہ اخذ کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی ظاہر ہے کہ وفات کے بعد ذات اقدس ﷺ کا مقام سکونت جنت الفردوس ہے۔ اپنی رضا سے آپ ﷺ نے دنیا سے منہ موڑا۔ اہل دنیا سے تعلق قطع فرمایا، بار بار الحاق بالرفیق کی دعا کی۔ جس پر اللہ رب العزت نے آپ کو وفات دے کر جنت الفردوس میں بلا لیا۔ اب آپ ﷺ کے روح پاک کا مقعد و ماویٰ جنت الفردوس ہے۔ آپ ﷺ کے رہنے کی جگہ، آپ ﷺ کا مقام سکونت جنت الفردوس ہے۔

قبر اقدس میں آپ ﷺ کی جسمانی زندگی

بایں ہمہ قبر شریف میں آپ کی جسمانی زندگی کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ تمام اہل حق اور جمیع ائمہ دین مزار پر انوار میں حیات النبی ﷺ کے قائل و مثبت ہیں۔ تفصیل اگلے باب میں ملاحظہ ہو۔

(۶) حیات النبی ﷺ فی قبرہ الشریف

(قبر اقدس میں نبی کریم ﷺ کی جسمانی حیات)

نبی کریم ﷺ کی حیات فی القبر پر امت کا اتفاق ہے۔ اکابر امت و عمائد اہل سنت کے اقوال وارشادات ملاحظہ ہوں:

۱...... امام ابو القاسم القشیری ؒ (م ۴۶۵ھ) امام اہل سنت امام ابو الحسن الاشعری ؒ (متوفی ۳۳۰ھ) اور ان کے اصحاب کے متعلق لکھتے ہیں: "وعندھم محمد صلوات اللہ علیہ حی فی قبرہ" امام ابو الحسن اشعری اور ان کے اصحاب کے نزدیک محمد رسول اللہ ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں۔ (الرسائل القشیریہ طبع کراچی ص ۱۰)

۲...... امام ابو منصور البغدادی (متوفی ۴۱۹ھ) "قال المتکلمون المحققون من اصحابنا ان نبینا محمدا ﷺ حی بعد وفاتہ" ہمارے محقق متکلم اصحاب کا قول ہے کہ ہمارے نبی محمد کریم ﷺ بعد وفات زندہ ہیں۔ (وفاء الوفاء للسمہودی ؒ مطبوعہ مصر ج ۳ ص ۶)

۳...... امام ابو القاسم القشیری (متوفی ۴۶۵ھ) رقم طراز ہیں: "محمد صلوات اللہ علیہ حی فی قبرہ۔ ولقد وردت الاخبار الصحیحۃ والآثار المرویۃ بما یدل علی ھذہ الجملۃ" محمد کریم ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور بلاشبہ صحیح احادیث اور مروی آثار وارد ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں۔ (الرسائل القشیریہ مطبوعہ کراچی ص ۱۱)

اس کے بعد امام رحمہ اللہ نے اپنی سند سے کئی احادیث روایت کی ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نبی ﷺ حیّ فی قبرہ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔

۴...... علامہ ابن عقیل (م ۵۱۲ھ) ''وھو ﷺ حی فی قبرہ یصلی'' (الروضۃ البہیہ ص ۱۴۰، تسکین الصدور ص ۱۲۸)

۵...... امام المحدثین علامہ سخاوی (م ۹۰۲ھ) تلمیذ رشید شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ: ''نحن نؤمن ونصدق بانہ ﷺ حی یرزق فی قبرہ'' ہمارا ایمان ہے اور ہم تصدیق کرتے ہیں کہ نبی ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کو رزق (روحانی) ملتا ہے۔ (القول البدیع ص ۱۲۵ طبع الہ آباد، تسکین الصدور ص ۱۲۹)

۶...... امام جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ: ''حیات النبی ﷺ فی قبرہ معلومۃ عندنا علماً قطعیاً لما قام عندنا من الادلۃ فی ذالک و تواترت بہ الاخبار الدالۃ علی ذالک'' نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک میں حیات ہمارے نزدیک قطعی طور پر ثابت ہے۔ کیونکہ اس پر دلائل قائم ہیں اور اس پر تواتر کے ساتھ احادیث دلالت کرتی ہیں۔
(فتاویٰ امام سیوطی ج ۲ ص ۱۴۷ طبع مصر، تسکین ص ۱۲۵)

۷...... مولانا ابو العتیق عبد الہادی رحمہ اللہ ''انھم اتفقوا علی حیاتہ ﷺ متفق علیھا لا خلاف لاحد فیہ'' حضرات محدثین نبی ﷺ کی حیات پر متفق ہیں اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں۔
(انوار المحمود شرح ابی داؤد ج ۱ ص ۶۱۰، تسکین الصدور ص ۱۳۲)

۸...... حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ ''ان النبی ﷺ حی فی قبرہ کما ان الانبیاء علیہم السلام احیاء فی قبورھم'' (بذل المجہود ج ۲ ص ۱۱۷)

اعمال حیات: صرف حیات مقدسہ ہی نہیں بلکہ قبر شریف میں اعمال مبارکہ بھی ثابت ہیں:

۱...... علامہ سمہودی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''وقصۃ سعید بن المسیب فی سماعۃ الاذان والاقامۃ من القبر الشریف ایام الحرۃ مشھورۃ'' ایام حرہ میں نبی کریم ﷺ کی قبر شریف سے سعید بن المسیب کے اذان و اقامت سننے کا قصہ مشہور ہے۔ (وفاء الوفاء مطبوعہ مصر ج ثانی ص ۴۰۸ باب ۸ فصل ثانی)

واقعہ حرہ: ۶۳ھ میں جب مدینہ منورہ پر چڑھائی ہوئی، شامی فوج کے خوف سے سب اہل مدینہ اپنے اپنے گھروں میں جا گزیں ہو گئے۔ مسجد نبوی میں کوئی مسلمان نماز کے لئے نہیں آتا تھا۔ صرف سید التابعین حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ مسجد میں رہے۔

۲...... وہ فرماتے ہیں جب نماز کا وقت ہوتا تھا: ''اسمع اذاناً من قبل القبر الشریف'' میں قبر شریف سے اذان کی آواز سنتا، پھر اقامت ہوتی اور میں بڑھ کر نماز پڑھتا اور (ان دنوں) میرے سوا مسجد نبوی میں کوئی بھی نہ ہوتا تھا۔ (طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۱۳۲ ذکر حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ)

وفاء الوفاء سمہودی میں بھی یہ واقعہ انہی الفاظ میں مسطور ہے۔ (وفاء الوفاء مطبوعہ مصر ج ثانی ص ۴۰۸)

۳...... نیز اسے محدث سخاوی اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ وغیرہ نے بھی ذکر کیا ہے۔ (مقام حیات ص ۲۱۰)

۴...... امام العصر شیخ الاسلام علامہ انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ان کثیراً من الاعمال ثبتت فی القبور کالاذان والاقامۃ۔ عند الدارمی'' بیشک قبور میں بہت سے اعمال ثابت ہیں جیسا کہ دارمی کی روایت میں اذان و اقامت۔ (فیض الباری شرح بخاری ج اوّل باب من اجاب الفتیا الخ)

۵...... یہ مسند دارمی میں اذان واقامت کا واقعہ خود نبی کریم ﷺ سے متعلق ہے اور اسے امام ابن سعد ابونعیم زبیر بن بکار رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔ (شرح الصدور ص ۸۸)

۶...... امام شعرانی (م ۹۷۳ھ) فرماتے ہیں: ''قد صحت الاحادیث انه ﷺ حی فی قبره یصلی باذان واقامة'' صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور اذان واقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔ (منح المنہ ص ۹۲ طبع مصر، تسکین الصدور ص ۱۲۶)

روح پاک کا جسد اطہر سے اتصال وتعلق

قبر انور سے اذان واقامت اور نماز ثابت ہے اور اس کی صورت یہی ہوسکتی ہے کہ روح پاک موجود تو اپنے مقام پر رہے۔ البتہ اس کا تعلق جسم اطہر کے ساتھ اس حد تک قائم ہوجائے کہ ان اعمال ووظائف کا صدور ممکن ہو۔ جیسے سورج موجود تو اپنے مستقر ومقام پر ہے، لیکن زمین اس کے نور سے منور اور اس کی حرارت سے گرم ہے۔

چنانچہ اجلہ ائمہ امت نے اسی صورت کا قول کیا ہے:

۱...... شیخ الاسلام امام ابن قیم رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: ''وبعد وفاته استقرت فی الرفیق الاعلی مع ارواح الانبیاء ومع هذا فلها اشراف علی البدن واشراق وتعلق به بحیث یرد السلام علی من سلّم علیه وبهذا التعلق رأی موسی قائما یصلی فی قبره'' اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی روح مبارک دوسرے انبیاء علیہم السلام کی روحوں کے ساتھ رفیق اعلیٰ میں قرار پذیر ہے اور اس کے ساتھ بدن مبارک پر اس کا پرتو اور روشنی پڑتی ہے اور اس کا بدن سے اس قسم کا تعلق ہے کہ آپ سلام کہنے والے کے سلام کا جواب دیتے ہیں اور اسی تعلق کی وجہ سے آپ ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں کھڑے نماز پڑھتے دیکھا۔ (زاد المعاد ج ۲ ص ۴۹)

کتاب الروح میں بھی قریب قریب یہی الفاظ ہیں، لکھتے ہیں: ''یہ بات قطعی ہے کہ آپ ﷺ کی روح کریمہ اعلیٰ علیین کے اندر رفیق اعلیٰ میں ہے، دوسرے انبیاء علیہم السلام کی روحوں کے ساتھ، اور آپ ﷺ کی یہ حدیث صحیح ہے کہ آپ ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کو شب معراج قبر میں کھڑے نماز پڑھتے دیکھا اور اس کو چھٹے یا ساتویں آسمان پر بھی دیکھا۔'' فالروح کانت هناک ولها اتصال بالبدن فی القبر واشراف علیه وتعلق به بحیث یصلی فی قبره ویرد سلام من سلّم علیه وهی فی الرفیق الاعلی'' پس روح تو وہاں تھی اور اس کا قبر شریف میں بدن مبارک سے اتصال ہے اور بدن پر روح کا پرتو پڑتا ہے اور اس سے ایسا تعلق ہے جس سے وہ اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہیں اور سلام کہنے والے کے سلام کا جواب دیتے ہیں اور روح مبارک رفیق اعلیٰ ہی میں رہتی ہے۔ (کتاب الروح ص ۵۴)

ان عبارتوں میں صراحت ہے کہ نبی کریم ہوں یا موسیٰ کلیم علیہم السلام ان کی ارواح مقدسہ کا مستقر ومقام تو رفیق اعلیٰ ہے۔ بایں ہمہ ان ارواح مبارکہ کا مزار پر انوار کے اندر ابدان مطہرہ کے ساتھ ایسا اتصال اور تعلق قائم ہے جس سے وہ قبور منورہ میں نماز پڑھتے ہیں اور سلام کہنے والوں کا سلام سن کر جواب بھی دیتے ہیں۔

۲...... رئیس المتکلمین، شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: ''واما بعد وفاته

فروحه المقدسة ﷺ قد استقرت فی الرفیق الاعلیٰ مع ارواح الانبیاء علیہم السلام ولا یتوهم من هذا انکار حیاته فی قبره الشریف فان لروحه ﷺ اشرافاً علی البدن المبارک المطیب واشراقاً وتعلقاً به واذا سلّم علیه المسلم رد الله علیه روحه حتی یرد علیه السلام کما ورد فی الحدیث ولم یفارق الملاء الاعلیٰ ومن کشف ادراکه وغلظت طباعه عن هذا الادراک فلینظر الی الشمس فی علوّ محلها وتعلقها وتاثیرها فی الارض وحیات النبات والحیوان بها هذا وشان الروح فوق هذا" وفات کے بعد آپ ﷺ کی روح مقدسہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کی ارواح کے ساتھ استقرار پذیر ہے لیکن اس سے آپ کے اپنی قبر شریف میں زندہ نہ ہونے کا وہم نہ کیا جائے۔ کیوں کہ آپ ﷺ کی روح اقدس بدن مبارک طیبت پر اپنا اثر ڈال رہی ہے۔ اس کی روشنی بدن پاک پر پڑ رہی ہے اور اس کا بدن اطہر کے ساتھ تعلق ہے اور جب بھی کوئی مسلمان آپ پر سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی روح کو آپ ﷺ کی طرف متوجہ کر دیتا ہے یہاں تک کہ آپ ﷺ اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے اور اس کے باوجود آپ اعلیٰ علیین سے جدا نہیں ہوتے اور جس کا ادراک اس کے سمجھنے سے کثیف اور طبیعت منقبض ہو تو اسے سورج کی طرف دیکھنا چاہئے کہ وہ کتنے بلند مقام پر ہے لیکن بایں ہمہ زمین پر اس کا تعلق اور تاثیر ہے جس سے حیوانات ونباتات کی حیات ونشو ونما وابستہ ہے اور روح کی شان تو اس سے بھی بلند ہے۔

شیخ الاسلام رحمہ اللہ کا یہ ارشاد بڑا واضح ومدلل ہے اور اس سے تمام شبہات کا ازالہ ہو جانا چاہئے۔ آپ کے اس محققانہ کلام سے یہ حقائق ثابت ہوتے ہیں کہ:

۱...... حضرت کی وفات شریفہ کے بعد آپ کی روح پاک دوسرے حضرات انبیاء علیہم السلام کے ساتھ رفیق اعلیٰ، اعلیٰ علیین میں ہے اور مستقل طور پر وہاں قرار پذیر ہے اور کسی حال میں بھی وہاں سے جدا نہیں ہوتی۔

۲...... لیکن اس کا یہ معنی نہیں کہ قبر اقدس میں آپ کی حیات کا انکار کر دیا جائے۔ گو آپ ﷺ کی روح پاک اعلیٰ علیین میں ہے لیکن اس کا تعلق قبر پاک میں موجود وجود اقدس کے ساتھ ہے وہ جسم انور پر روشنی ڈال رہی ہے۔ جیسے سورج اپنے بلند مقام پر ہے۔ لیکن زمین سے اس کا تعلق ہے اور اس کی تاثیر سے حیوانات ونباتات کی زندگی ہے۔

۳...... جیسے زمین کے ساتھ سورج کے تعلق وتاثیر سے حیوانات ونباتات کی حیات ہے، بلکہ خود زمین میں حیات ہے۔ اسی طرح وجود پاک کے ساتھ روح اقدس کے تعلق واتصال سے نبی کریم ﷺ قبر شریف میں زندہ وحیات ہیں۔

بات صاف ہوگئی کہ نہ تو روح اقدس رفیق اعلیٰ سے جدا ہوئی نہ قبر اقدس کے اندر وجود پاک میں داخل ہوئی۔ روح انور اعلیٰ علیین میں قرار پذیر ہوتے ہوئے وجود اقدس پر اثر انداز ہوئی اور اسی کو نبی کریم ﷺ کی حیات فی القبر سے تعبیر کر دیا گیا اور اسی حیات پاک پر امت کا اتفاق ہے۔

حیات فی القبر کی نوعیت

باتفاق امت حضرت ﷺ مزار پرانوار میں زندہ وحیات تو ہیں مگر اس حیات مقدسہ کی نوعیت کیا ہے؟ ملاحظہ ہو:

۱...... حیات اقدس اخروی ہے دنیوی نہیں: جب دنیا ہی سے نبی کریم ﷺ تشریف لے گئے تو دنیوی حیات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اسی طرح آپ ﷺ کی حیات کے انکار کا بھی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ آپ ﷺ کی حیات فی القبر پر امت کا اتفاق ہے اور اہل سنت کا کوئی فرد اس کا منکر نہیں، سب مقر ہیں کہ آپ ﷺ قبر اقدس میں زندہ ہیں۔ مگر جس طرح آپ کی قبر انور واطہر کی زندگی حق ہے اسی طرح یہ بھی حق ہے کہ وہ حیات طیبہ طاہرہ دنیوی نہیں، برزخی ہے، اخروی ہے۔ چنانچہ:

۱...... حافظ حدیث، شیخ الاسلام امام ابن حجر ؒ لکھتے ہیں: ''لانہ بعد موتہ وان کان حیاً فھی حیاۃ اخرویۃ لاتشبہ حیوۃ الدنیا'' کیوں کہ آپ ﷺ وفات کے بعد اگر چہ زندہ ہیں، لیکن یہ اخروی حیات ہے، دنیوی زندگی کے مشابہ نہیں۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۳۶۰، تسکین الصدور ص ۱۳۹)

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: ''وھذہ الحیوۃ لیست دنیویۃ انما ھی اخرویۃ'' اور یہ زندگی دنیوی نہیں بلاشبہ یہ اخروی زندگی ہے۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۳۱۲، تسکین الصدور ص ۱۳۹)

۲...... خاتم المفسرین علامہ سید محمد آلوسی تحریر فرماتے ہیں: ''والمراد بتلک الحیوۃ نوع من الحیوۃ غیر معقول لنا وھی فوق حیوۃ الشھداء بکثیر وحیاۃ نبینا ﷺ اکمل واتم من حیاۃ سائرھم علیہم السلام ان تلک الحیوۃ فی القبر وان یترتب علیھا بعض مایترتب علی الحیوۃ فی الدنیا المعروفۃ لنا من الصلوٰۃ والاذان والاقامۃ ورد السلام المسموع ونحو ذالک الا انھا لا یترتب علیھا کل ما یمکن ان یترتب علی تلک الحیوۃ المعروفۃ'' اس حیات سے حیات کی ایک ایسی نوع مراد ہے جو ہماری سمجھ سے بالاتر ہے اور یہ شہداء کی حیات سے بہت اعلیٰ وبالا ہے اور حضرت ﷺ کی حیات تو تمام (حضرات) انبیاء علیہم السلام سے اکمل واتم ہے۔ اس قبر کی زندگی پر اگر چہ بعض وہ امور مترتب ہوتے ہیں جو ہماری دنیا کی معروف زندگی پر مترتب ہیں۔ مثلاً نماز، اذان، اقامت اور سلام سن کر اس کا جواب دینا وغیرہ۔ مگر اس زندگی میں وہ سب امور مترتب نہیں ہو سکتے جو دنیا کی حیات معروفہ پر مترتب ہوتے ہیں۔ (روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۶، تسکین الصدور ص ۱۳۹، ۱۴۰)

۳...... امام ابن القیم ؒ بھی نبی کریم ﷺ کی قبر شریف میں حیات مقدسہ کے قائل ہیں۔ مگر اسی روح پاک کے وجود انور سے تعلق والی نوع حیات کے! نہ کہ قبل وفات والی حیات کے۔ اس کے متعلق تو وہ لکھتے ہیں: ''لو کان حیاً فی الضریح حیاتہ قبل الممات بغیر ما فرقان ما کان تحت الارض بل من فوقھا واللہ ھذا سنۃ الرحمن'' اگر حضور ﷺ پاک قبر (مبارک) میں بلا فرق (بالکل) قبل وفات کی حیات زندہ ہوتے تو زمین کے نیچے نہ ہوتے بلکہ زمین کے اوپر تشریف فرما ہوتے خدا کی قسم ارحمن کی سنت یہی ہے۔ (قصیدہ نونیہ فصل فی الکلام فی حیات الانبیاء فی قبورہم)

۲......حیات مقدسہ جسمانی ہے یا روحانی؟

۱...... یہ بحث پہلے گزر چکی ہے اور ثابت ہو چکا ہے کہ قبر میں عامۃ المسلمین ہی نہیں بلکہ عامۃ الناس کو ایک گونہ حیات حاصل ہے، جس سے ان کا جسم راحت وکلفت، آلام وآرام محسوس کرتا ہے۔

جب عامۃ الناس کے لئے قبر میں جسمانی زندگی ثابت ہے تو حضرات انبیاء علیہم السلام خصوصاً امام الانبیاء والمرسلین کے لئے جسمانی حیات مقدسہ میں کسی کو کیا کلام ہو سکتا ہے۔

۲...... اس باب میں امام اہل سنت امام ابوالحسن اشعری (م ۳۳۰ھ) امام ابوالقاسم القشیری (م ۴۶۵ھ) علامہ ابن عقیل (م ۵۱۲ھ) علامہ سخاوی (م ۹۰۲ھ) علامہ جلال الدین السیوطی حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری شارح ابوداؤد رحمہ اللہ ایسے جبال علم وعرفان کے جو اقوال نقل کئے گئے ہیں، سب میں ''حی فی قبرہ'' کے الفاظ ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ قبر میں مدفون ومحفوظ جسم اقدس ہے یا روح اطہر؟ اگر مزار پر انوار میں جسم اقدس واطہر مدفون ہے تو پھر قبر مبارک میں حضور ﷺ کی حیات بھی جسمانی ہے؟

۳...... امام ابومنصور طاہر بغدادی (م ۴۱۹ھ) نے محقق متکلمین کا قول نقل کیا ہے کہ ''حی بعد وفاتہ'' یعنی آپ ﷺ وفات کے بعد زندہ ہیں تو وفات جسم پاک نے پائی یا روح مقدس نے؟ جب وفات جسم پاک نے پائی تو وفات کے بعد حیات بھی جسم پاک کو حاصل ہے۔

۴...... روحانی حیات کی بحث ہی کتنی غلط ہے، روح تو زندہ ہی زندہ ہے۔ سب کا زندہ ہے۔ اس پر تو موت وارد ہی نہیں ہوئی۔ قرب قیامت میں وارد ہوگی۔ بحث تو جسم کی زندگی اور حیات کی ہے جس کو وفات لاحق ہوئی ہے۔ موت وحیات کا تعلق ہی جسم سے ہے۔ مردہ وہی ہے جس کا جسم مردہ ہے اور زندہ وہی ہے جس کا جسم زندہ ہے۔ روح کی موت وحیات کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۵...... اسی باب میں امام ابن قیم رحمہ اللہ اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے اقوال نقل کئے گئے ہیں ان میں صراحت ہے کہ روح کا اتصال بالبدن فی القبر ہے یا اشراف علی البدن یا اشراق وتعلق بالبدن ہے تو جب روح کا تعلق بدن شریف سے ہے۔ جس سے حضور ﷺ سلام کہنے والے کے سلام کا جواب دیتے ہیں تو زندہ بھی یہی بدن مبارک اور جسم اطہر ہے۔ آپ ﷺ کو قبر انور میں جسمانی حیات حاصل ہے۔ تو یہ حقیقت ہے کہ آپ ﷺ کی جس حیات پر امت کا اتفاق ہے وہ حیات جسمانی ہے۔

حیات دنیوی

اور چونکہ حیات اسی جسم اقدس کو حاصل ہے، جو دنیا میں تھا اس لئے ہمارے بعض اکابر دیوبند رحمہ اللہ اور دوسرے اکابر ومشائخ امت رحمہ اللہ نے اسے بعض موقعوں پر دنیوی حیات یا دنیا کی سی حیات سے تعبیر فرما دیا۔

چونکہ بعض شریفوں نے دوسرے جسم ایجاد کر کے آپ کی حیات اس ایجادی جسم کی طرف منسوب کر دی اور قبر اقدس میں جسد اطہر کی حیات مقدسہ کا انکار کر دیا۔ ہمارے اکابر کی فراست ایمانی ملاحظہ ہو کہ انہوں نے مدتوں پیشتر یہ فرما دیا کہ آپ ﷺ کو جو حیات مقدسہ حاصل ہے وہ کسی اور ایجاد کردہ جسم کے ساتھ نہیں بلکہ اسی دنیا والے جسم پاک کو حیات حاصل ہے۔ اس حقیقت کو انہوں نے آپ ﷺ کی دنیوی حیات یا دنیا کی سی زندگی سے تعبیر کر دیا۔ ورنہ اس حقیقت سے کس مسلمان کو انکار ہو سکتا ہے کہ حضرت ﷺ کو قبر اقدس میں جو حیات طیبہ حاصل ہے

وہ اخروی حیات ہے، برزخی حیات ہے۔ دنیوی زندگی نہیں۔ جب حضور ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے، عالم دنیا سے عالم آخرت کو انتقال فرمایا تو اب دنیوی زندگی کا کیا سوال؟ ہاں زندگی آپ ﷺ کو حاصل ہے۔ آپ ﷺ زندہ ہیں اور آپ ﷺ کی یہ زندگی اور حیات جسمانی ہے اور جسم بھی وہی جو دنیا میں تھا نہ کہ کوئی دوسرا مخترعہ جسم۔ ﷺ

چنانچہ قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے درج ذیل بیان میں یہ حقیقت واشگاف اور غیر مبہم الفاظ میں موجود ہے۔ فرمایا: انبیاء کرام علیہم السلام کو انہیں اجسام دنیاوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں۔ یہ نہیں کہ مثل شہداء ان ابدان کو چھوڑ کر اور ابدان سے تعلق ہو جاتا ہے۔ (لطائف قاسمی ص ۳)

پھر فرمایا: انبیاء علیہم السلام کو ابدان دنیا کے حساب سے زندہ سمجھیں گے۔[1] (لطائف قاسمی ص ۴)

بہر حال حضرت ﷺ قبر انور میں بجسد عنصری زندہ ہیں اور آپ کی حیات جسمانی ہے۔ نبیرہ حضرت قاسم العلوم رحمۃ اللہ علیہ مخدوم العلماء حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب مدظلہ فرماتے ہیں: احقر اور احقر کے مشائخ کا مسلک وہی ہے جو المہند میں بالتفصیل مرقوم ہے یعنی برزخ میں جناب رسول اللہ ﷺ اور تمام انبیاء بجسد عنصری زندہ ہیں۔ (مقام حیات از علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ ص ۲۵۵)

مفتی اعظم استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ تحریر فرماتے ہیں: جمہور امت کا عقیدہ اس مسئلہ میں یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام برزخ میں جسد عنصری کے ساتھ زندہ ہیں، ان کی حیات برزخی صرف روحانی نہیں بلکہ جسمانی حیات ہے۔ (ایضاً ص ۲۶۵)

خلاصہ

الحمد للہ کہ رسول کریم ﷺ کی قبر اقدس میں حیات مبارکہ باجماع امت ثابت ہے اور اس میں عموماً کسی قابل ذکر شخصیت کا اختلاف منقول و معلوم نہیں اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ اس حیات مقدسہ کی نوعیت کیا ہے؟ یہ حیات مقدسہ اخروی حیات ہے اور جسمانی حیات ہے مگر حیات معروفہ دنیویہ سے مغائر حیات قبل الوفات کی نوعیت دوسری تھی۔ اس میں روح پاک وجود پاک کے اندر تھا۔ حیات بعد الوفات کی نوعیت اور ہے اس میں روح پاک کا اتصال و تعلق وجود اقدس کے ساتھ ہے۔ باقی روح پاک اعلیٰ علیین رفیق اعلیٰ میں ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضور ﷺ کی حیات فی القبر حضرات شہداء بلکہ حضرات انبیاء علیہم السلام سے بھی ارفع و اعلیٰ و اتم و اکمل ہے۔ ﷺ

(۷) قبر اقدس پر صلوٰۃ و سلام کا سماع و جواب

(اللھم صلّ علیٰ سیدنا محمد و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین)

جب دلائل سے یہ بات بتواتر ثابت ہو گئی کہ عام موتی حتیٰ کہ کفار و مشرکین و منافقین کو بھی قبر میں ایک نوع کی غیر حقیقی زندگی حاصل ہے اور فی الجملہ ان کے لئے قبر میں سماع بھی ثابت ہے۔ عام موتی عالم برزخ میں سلام کرنے والے کا سلام سنتے ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں اور یہ سب کچھ حد تواتر کو پہنچی ہوئی احادیث سے ثابت ہے۔

[1] دوسرے ائمہ دین کے ارشادات بھی روح اقدس کے جسم اطہر سے تعلق و اتصال کے بارے میں اسی کتاب کے اندر منقول ہیں۔

تو پھر قبر اقدس پر امام المرسلین سید الانبیاء علیہم السلام کے سماع و جواب سلام میں بحث کا کیا جواز ہے؟ آخر جو چیز عامۃ الناس کے لئے ثابت ہے وہ حبیب خدا محمد ﷺ کے لئے کیوں محل بحث وکلام ہے؟

اگر حق وعدل کی نگاہ سے دیکھا جائے تو نبی کریم ﷺ کے سماع سلام و جواب سلام کے انکار کا اصولی طور پر بھی کوئی جواز نہیں، اگر اس مسئلہ پر کوئی خاص دوسری دلیل نہ بھی ہو تو بھی عمومی دلائل کتاب وسنت اور اجماع امت سے سماع و جواب سلام ثابت اور حق ہے۔ چہ جائیکہ اس موضوع پر دوسرے دلائل بھی موجود ہیں اور کتب احادیث میں متعدد مشہور احادیث اس باب میں مروی و منقول ہیں۔ مثلاً:

ا...... بروایت حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا ﷺ: تمہارے تمام دنیوں میں سے افضل جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے، اسی دن ان کی روح قبض ہوئی۔ اسی دن صور پھونکا جائے گا اور اسی دن قیامت کے بے ہوشی ہوگی۔ پس جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو "فان صلوٰتکم معروضة علیّ" بیشک تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا رسول اللہ! جب آپ بوسیدہ ہو چکے ہوں گے تو ہمارا درود آپ ﷺ پر کیسے پیش کیا جائے گا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ان اللہ عزوجل حرم علی الارض اجساد الانبیاء" (رواہ ابوداؤد والنسائی وابن ماجہ والدارمی والبیہقی فی الدعوات الکبیر) بیشک اللہ رب العزت نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو (کھائے) (مشکوۃ المصابیح باب الجمعہ)

علاوہ ازیں یہ حدیث مسند احمد، مستدرک حاکم، طبرانی، ابن حبان، ابن خزیمہ، مصنف ابن ابی شیبہ اور سنن سعید بن منصور میں بھی مروی ہے۔ (مقام حیات از علامہ خالد محمود طبع اول ص ۶۲)

حاکم رحمہ اللہ (متوفی ۴۰۵ھ) نے اس حدیث کو بخاری اور مسلم دونوں کی شرط پر صحیح کہا ہے۔
(مستدرک حاکم ج ۴ ص ۵۶۰)

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس حدیث کو امام ابن خزیمہ، ابن حبان، دار قطنی اور نووی نے صحیح کہا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۱۴)

پھر امام ابن قیم رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: اس حدیث کے لئے حدیث ابوہریرہ وابودرداء وابوامامہ وابومسعود وانس ومالک اور حسن (رضی اللہ عنہم) بطور شواہد ہیں، جن کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔ (ترجمہ جلاء الافہام ص ۳۸)

علامہ خالد محمود صاحب رقم طراز ہیں:

(ان) ائمہ کبار اور محدثین کرام نے اس حدیث کی تصحیح فرمائی ہے اور اسے تسلیم کیا ہے:

(۱) امام احمد (۲) ابوداؤد (۳) نسائی (۴) ابن حبان (۵) ابن خزیمہ (۶) دار قطنی (۷) نووی (۸) ابن دحیہ (۹) ابن کثیر (۱۰) امام ابن تیمیہ (۱۱) حافظ ابن قیم (۱۲) علامہ ذہبی (۱۳) شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی (۱۴) علامہ عینی (۱۵) حافظ سخاوی (۱۶) علامہ طیبی (۱۷) ملا علی قاری (۱۸) علامہ سمہودی (۱۹) محدث دہلوی (شاہ ولی اللہ) (۲۰) قاضی شوکانی (۲۱) حجۃ الاسلام امام انور شاہ کشمیری وغیرہم من الاکابر رحمہم اللہ۔ (مقام حیات ص ۷۲)

ا کہیں یہ نہ سمجھا جائے جیسا کہ بعض لوگ افتراء کرتے ہیں کہ حضرت اقدس سرا نبی کریم ﷺ کی وفات کے منکر ہیں۔ آپ لکھتے ہیں کہ: برحسب ہدایت "کل نفس ذائقة الموت اور انک میت وانھم میتون" تمام انبیاء کرام علیہم السلام خاص کر حضرت سرور انام ﷺ کی نسبت موت کا بھی اعتقاد ضرور ہے۔ (لطائف)

اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجسام وابدان مطہرہ قیامت تک اپنی اپنی قبور مبارکہ میں بالکل محفوظ ہیں، بحکم الٰہی مٹی ان کے جسم کو نہیں کھا سکتی اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔ دوسری بات یہ کہ یہ اجسام وابدان مطہرہ محض بے حس وشعور اکرا ما محفوظ نہیں۔ بلکہ ان پر صلوٰۃ وسلام بھی پیش ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ بے جان و بے روح جسم پر درود پیش ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر بے جان جسد اطہر پر درود پیش ہونے کا امکان ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ سوال کیوں کرتے۔ ''کیف تعرض صلوتنا علیک وقد ارمت؟'' علاوہ ازیں اس مضمون کی بھی احادیث ہیں کہ:

۲...... ''ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام'' (رواہ النسائی والدارمی) بے شک اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے زمین میں سیاحت کرتے رہتے ہیں جو میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے رہتے ہیں۔

(مشکوٰۃ المصابیح باب الصلوٰۃ علی النبی ﷺ بروایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ)

امام سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس حدیث کو امام احمد، نسائی، دارمی، ابونعیم، بیہقی، خلعی، ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا ہے اور حاکم کہتے ہیں کہ یہ صحیح الاسناد ہے۔ (القول البدیع ص ۱۱۵، تسکین الصدور ص ۱۸۲)

پھر یہ بھی ارشاد فرمایا ﷺ:

۳...... ''مامن احد یسلم علیّ الّا ردّ اللہ علیّ روحی حتی ارد علیہ السلام'' جب بھی کوئی میرے اوپر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو میری طرف متوجہ فرما دیتے ہیں یہاں تک کہ میں اس پر واپس سلام کہتا ہوں۔

(رواہ ابوداؤد والبیہقی فی الدعوات الکبیر، ایضاً بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ)

امام سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو امام احمد، ابوداؤد، طبرانی اور بیہقی نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے بلکہ امام نووی رحمہ اللہ نے کتاب الاذکار وغیرہ میں اس کی تصحیح کی ہے۔ (القول البدیع، تسکین الصدور ص ۱۵۷)

۴...... بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا ﷺ: ''وصلوا علیّ فان صلوتکم تبلغنی حیث کنتم'' میرے اوپر درود پڑھو بیشک تم جہاں بھی ہو تمہارا درود مجھے پہنچایا جاتا ہے۔ (رواہ النسائی، ایضاً)

۵...... مسند عبدالرزاق اور ابویعلیٰ میں بھی یہی روایت ہے مگر اس کے الفاظ ہیں ''فان تسلیمکم یبلغنی اینما کنتم'' (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۱۶)

۶...... ارشاد فرمایا ﷺ: ''من صلّی علیّ عند قبری سمعتہ ومن صلّی علیّ نائیاً ابلغتہ (رواہ البیہقی)'' جو میری قبر پر میرے اوپر درود پڑھے اسے میں خود سنتا ہوں اور جو دور سے پڑھے وہ مجھ پر پہنچایا جاتا ہے۔ (ایضاً)

ان احادیث کے مطابق امت کا قریباً قریباً اجماعی ایمان ویقین ہے کہ نبی کریم ﷺ قبر شریف پر پیش کردہ سلام کو خود سماعت فرماتے ہیں اور اگر کوئی دور سے درود پڑھے تو فرشتے پہنچا دیتے ہیں۔ حتی کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ اور آپ کے نامور تلمیذ امام ابن قیم رحمہ اللہ ایسے حضرات بھی جو شرک وبدعات کے بارے میں بڑے حساس بلکہ فی الجملہ متشدد ہیں، سماع سلام عند قبرہ الشریف کے قائل ہیں اور انہی احادیث نبویہ کی بناء پر۔

چنانچہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

۱...... ''وھم احیاء فی قبورھم ویستحب ایتان قبورھم لسلام علیھم'' (حضرات انبیاء علیہم السلام) اپنی قبروں میں زندہ ہیں اوران کی قبروں پر سلام کہنے کے لئے آنا مستحب ہے۔ (مجموعہ رسائل ابن تیمیہ قاعدہ فی المعجزات والکرامات ص ۹۷)

۲...... ''فاخبر انہ یسمع الصلوٰۃ والسلام من القریب وانہ یبلغ ذالک من البعید'' حضور ﷺ نے خبر دی کہ آپ قریب سے پڑھے ہوئے صلوٰۃ وسلام کو خود سنتے ہیں اور دور سے پڑھا ہوا پہنچایا جاتا ہے۔

(مناسک الحج ص ۸۴ مطبوعہ دہلی، تسکین الصدور ص ۱۷۵)

۳...... آپ کے تلمیذ ارشد امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''وبعد وفاتہ استقرت فی الرفیق الاعلیٰ مع الارواح الانبیاء ومع ھذا فلھا اشراف علی البدن واشراق وتعلق بہ بحیث یرد السلام علی من سلّم علیہ'' آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی روح مبارک دوسرے حضرات انبیاء علیہم السلام کی ارواح کے ساتھ رفیق اعلیٰ میں ہونے کے باوجود بدن مبارک پر اس کا پرتو اور روشنی پڑتی ہے اور روح پاک کا بدن اطہر سے اس طرح کا تعلق ہے کہ آپ سلام کہنے والے (کا سلام سماعت فرما کر اس) کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ (زاد المعاد ج ۲ ص ۹۴، تسکین ص ۱۵۲)

اسی طرح وطن عزیز میں امام الموحدین حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ اور آپ کے مسترشدین ومتعلقین، ارشد تلامیذ وخلفاء جو شرک وبدعات کے استیصال وبیخ کنی میں تشدد کی حد تک مشہور ہیں وہ بھی عند القبر حضور کریم ﷺ کے سماع سلام کے قائل ہیں۔ چنانچہ:

۴...... رأس الاتقیاء، استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین صاحب خلیفہ اعظم، امام الموحدین حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں: شہداء کے حق میں قرآن کا اعلان احیاء حیات میت کی دلیل ہے اسی حقیقت کے ساتھ سردار انبیاء خاتم النبیین ﷺ قبر شریف میں زندہ ہیں اور جو حیات ان کی شان کے مناسب ہے اللہ نے قبر میں وہ حیات ان کو دی ہے۔ جسد اطہر قبر شریف میں محفوظ ہے۔ مٹی کوئی اثر جسد اطہر پر نہیں کرسکتی۔ اگر قبر کے پاس کوئی مسلمان درود شریف جہراً سلام ڈالنے تو حضور اکرم ﷺ خود سنتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں اور اگر کوئی دور سے درود شریف پڑھے تو فرشتے رسول اکرم ﷺ کے پاس پہنچاتے ہیں۔

میں اس مسئلہ کو حق اور صحیح سمجھتا ہوں۔ احادیث شریف، فقہائے عظام، سلف صالحین سے بھی اس مسئلہ کی حقانیت اور صحت ثابت ہے۔ میں نے مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ سے اس مسئلہ کا کبھی اختلاف نہیں سنا اور نہ میں نے کبھی ان سے یہ پوچھا تھا یہ تو اہل سنت والجماعت کا ایک متفق حق مسئلہ ہے۔ مسکین نصیر الدین غور غشتوی (مقام حیات ص ۲۷۰)

۵...... حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ، حضرت قاضی نور محمد صاحب رحمہ اللہ، حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمہ اللہ: وفات کے بعد نبی کریم ﷺ کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اسی حیات کی وجہ سے روضۂ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ ﷺ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔ احقر محمد طیب وارد حال راولپنڈی ۲۲ جون ۱۹۶۲ء۔ لاشئی (مولانا) غلام اللہ خان، (مولانا قاضی) نور محمد خطیب جامع مسجد قلعہ دیدار سنگھ۔ (ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی بابت ماہ اگست ۱۹۶۲ء)

۶...... ہندوستان میں اہل حدیث کے امام، محدث اعظم حضرت میاں نذیر حسین صاحب دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبر میں زندہ ہیں۔ خصوصاً آنحضرت ﷺ کہ فرماتے ہیں جو کوئی عند القبر درود بھیجتا ہے۔ میں سنتا ہوں اور دور سے پہنچایا جاتا ہوں۔ چنانچہ مشکوۃ وغیرہ کتب حدیث سے واضح ہوتا ہے لیکن کیفیت حیات ان کی اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور دل کو اس کی کیفیت بخوبی معلوم نہیں۔ (ضمیمہ فتاویٰ نذیریہ ج ۲ ص ۵۵)

کیفیت کے بارے میں تو سارے اکابر یہی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور کیفیت میں بحث کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اجمالی طور پر ایمان کافی ہے۔

اور تو اور وہابی نجدی بھی اس کے قائل ہیں:

۷...... چنانچہ علمائے نجد کے ایک ممتاز عالم علامہ عبدالحمید خطیب جو پاکستان میں حکومت سعودیہ کے سفیر رہ چکے ہیں اور حکومت سعودیہ کی مجلس شوریٰ کے رکن بھی، انہوں نے نبی کریم ﷺ کی شان میں ایک قصیدہ لکھا ہے۔ اس قصیدہ کا نام تحیۃ للحبیب ﷺ ہے اور وہ مصر میں طبع ہو چکا ہے۔ اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

وصلّٰی والملائکۃ من قدیم	علیہ اللہ فی الرسل الکرام
وقال علیہ صلّوا یا عبادی	وزیدوا فی التحیۃ والسلام
لھٰذا یا رسول اللہ انی	اتیت مقدما کل احترام
وحسبی ان ترد علی سلامی	بنفسک یا حبیبی بالسلام
علیک سلام اللہ یا سید الوریٰ	ومن قدرہ عندالالٰہ عظیم
وفی مسجدی یا قوم صلوا وسلّموا	علیّ فانی بالسلام علیم
اردّ علیکم بالسلام فخالقی	یرد الیّ الروح وھو حکیم
وکان ابن فاروق یجیئ اذا اتی	الیہ من الاسفار وھو یھیم
ولم یعترض یوما علیہ اصحابہ	وھذا دلیل للجواز قویم

حضرات رسولوں میں سے آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ زمانہ قدیم سے رحمت فرماتے رہے ہیں اور فرشتے رحمت کی دعا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اے میرے بندو! میرے رسول ﷺ پر درود پڑھو اور ہدیہ سلام پیش کرو۔ یا رسول اللہ! میں اسی لئے بصد احترام آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ اے میرے حبیب! میرے لئے یہی کافی ہے کہ میرے سلام کے جواب میں آپ مجھے سلام کہیں اے سید کائنات! آپ پر اللہ تعالیٰ کا سلام ہو آپ کی بارگاہ الٰہی میں بڑی قدر و منزلت ہے۔ اے مسلمانو! میری مسجد میں میرے اوپر درود و سلام کہو۔ بیشک میں درود و سلام سنتا ہوں۔ پھر میرا خالق میری روح میری طرف متوجہ فرما دیتا ہے تو میں تمہارے سلام کا تمہیں جواب دیتا ہوں اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب سفر سے واپس آتے تو وہ بالارادہ روضۂ رسول ﷺ پر آتے (اور سلام کہتے) اور کسی صحابی نے ان پر اعتراض نہ کیا تو یہ اس عمل پر پختہ دلیل ہے۔ (رحمت کائنات ص ۲۳۵، ۲۳۶، از حضرت مولانا قاضی زاہد الحسینی صاحب)

۸...... خود بانی جماعت عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نجدی ؒ لکھتے ہیں: ''ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ ہمارے نبی ﷺ کا رتبہ مطلقاً ساری مخلوق سے اعلیٰ ہے۔'' وانہ حی فی قبرہ حیوۃ مستقرۃ ابلغ من حیوۃ الشھداء المنصوص علیھا فی التنزیل اذھو افضل منھم بلاریب وانہ یسمع من یسلم علیہ'' اور بیشک آپ ﷺ اپنی قبر میں حیات دائمی سے زندہ ہیں۔ شہداء کی زندگی سے اعلیٰ وارفع جس کا ثبوت (خود) قرآن کریم سے ہے۔ جبکہ حضرت ﷺ بلاشک وشبہ شہداء سے افضل ہیں اور جو شخص آپ پر (عندالقبر) سلام کہے آپ اسے سنتے ہیں۔ (اتحاف النبلاء مطبوعہ کانپور ص ۴۱۵، تسکین الصدور ص ۱۴۳)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز صاحب صفدر مدظلہ لکھتے ہیں: بلاخوف تردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ تقریباً ۱۳۷۴ھ تک اہل سنت والجماعت کا کوئی فرد کسی بھی فقہی مسلک سے وابستہ دنیا کے کسی خطہ میں اس کا قائل نہیں رہا کہ آنحضرت ﷺ (اور اسی طرح دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام) کی روح مبارک کا جسم اطہر سے قبر شریف میں کوئی تعلق اور اتصال نہیں اور آپ، عندالقبر صلوٰۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے۔ کسی اسلامی کتاب میں عام اس سے کہ وہ کتاب حدیث وتفسیر کی ہو یا شرح حدیث اور فقہ کی علم کلام کی ہو یا علم تصوف وسلوک کی، سیرت کی ہو یا تاریخ کی، کہیں صراحت کے ساتھ اس کا ذکر نہیں کہ آپ کی روح مبارک کا جسم اطہر سے کوئی تعلق اور اتصال نہیں اور یہ کہ آپ عندالقبر صلوٰۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے۔ (تسکین الصدور ص ۱۵۵)

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی وسعت مطالعہ اور ان کے علم کے عمق وتبحر کے پیش نظر تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان کا یہ ارشاد صحت وحقیقت پر مبنی ہے اور کوئی مسلمان حضور کریم ﷺ کے وجود اطہر کے ساتھ روح انور کے تعلق واتصال یا اعزار پر انوار پر آپ ﷺ کے سلام سننے اور جواب دینے کا انکار کر بھی کیسے کر سکتا ہے جب کہ یہ دونوں باتیں عام موتی کے لئے ثابت ہیں۔

منشاء انکار: جن اصحاب نے اس کا انکار کیا ہے غالباً ان کے انکار کا منشاء و باعث یہ ہے کہ قبر اقدس پر ''الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ'' نداء ہے، نداء لغیر اللہ ہے اور نداء لغیر اللہ شرک ہے۔

مگر یہ ان کا وہم و وسواس ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ نداء نہیں۔ دعا ہے کوئی شک نہیں کہ نداء لغیر اللہ ممنوع، حرام اور شرک ہے۔ مگر یہاں نداء ہے کہاں؟ یہاں تو دعا ہے اور نداء و دعاء میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ سو لیجئے تضاد وخلاف ہے۔

۱...... نداء لغیر اللہ اپنے لئے ہوتی ہے اور غیر اللہ سے جلب منفعت یا دفع مضرت کی غرض سے کی جاتی ہے۔ بخلاف اس کے: دعا مدعولہ کے لئے ہوتی ہے اور دوسرے کے نفع کے لئے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی جاتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ نداء سے مقصود غیر اللہ سے کچھ لینا ہوتا ہے اور دعا سے مقصود انہیں کچھ دینا ہوتا ہے۔

۲...... نداء لغیر اللہ کا منشاء غیر اللہ کے تصرف واقتدار واختیار کا تصور ویقین ہے جو شرک ہے اور دعا کا منشاء مدعولہ کی بے اختیاری واحتیاج ہے جو توحید کی اساس ہے۔

۳...... نداء لغیر اللہ شرعاً ممنوع اور حرام ہے اور قرآن کریم میں جابجا اس کی نہی وممانعت موجود ہے اور رسول کریم ﷺ کے لئے رحمت وسلامتی کی دعا (صلوۃ وسلام) مستحب ومستحسن اور ماموروَمسنون ہے۔ کتاب اللہ میں اس کا واضح امر وارشاد ہے: ''ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی یاایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما'' بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں نبی ﷺ پر۔ اے ایمان والو تم بھی آپ پر رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۔ (احزاب:۵۶)

حضرت حکیم الامت تھانوی ؒ لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا رحمت بھیجنا تو رحمت فرمانا ہے اور مراد اس سے

رحمت خاصہ ہے اور فرشتوں کا رحمت بھیجنا اور اسی طرح جس رحمت کے بھیجنے کا ہم کو حکم ہے اس سے مراد اسی رحمت خاصہ کی دعا کرنا ہے اور اسی کو ہمارے محاورے میں درود کہتے ہیں۔ درود پڑھنے سے جہاں حضرت ﷺ کے مراتب عالیہ و مدارج رفیعہ میں مزید ترقی ہوگی۔ وہاں دعا کرنے والے پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔

تو درود تو ہادی اعظم رحمت عالم، محسن انسانیت ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ سے رحمت کی دعاء و درخواست ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم و امر کی اطاعت اور رب العزت کی عبادت ہے اس میں غیر اللہ کی عبادت اور شرک کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جہاں نداء لغیر اللہ ممنوع اور منہی عنہ ہے وہاں صلوٰۃ و سلام بھیجنا شرعاً مطلوب اور مامور بہ ہے۔ حیرت ہے کہ پڑھے لکھے لوگ دونوں کو ایک ہی سطح پر کیسے رکھ کر درود کو داعیہ شرک سمجھنے لگے ہیں۔

باقی اگر کوئی کہے کہ درود پڑھنا، ہدیہ صلوٰۃ و سلام پیش کرنا تو صحیح ہے لیکن یہ خیال و یقین کہ حضور کریم ﷺ ہمارے صلوٰۃ و سلام کو سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔ یہ دعاوی شرک میں سے ہے تو جواباً عرض ہے کہ سلام سننا اور جواب دینا تو ہر صاحب قبر کے لئے باحادیث صحیحہ ثابت ہے (جیسا کہ اپنے موقع محل پر اس پر واضح بحث ہو چکی ہے) تو پھر خاص اللہ کے محبوب رسول ﷺ کا صلوٰۃ و سلام کا سماع و جواب کیوں داعیہ شرک بن جاتا ہے؟

داعیہ شرک اہل قبور کا مطلق سماع و جواب سلام نہیں یہ تو سنت رسول ﷺ سے ثابت ہے۔ داعیہ شرک یہ تصور و یقین ہے کہ اہل قبور ہماری پکار، فریاد، درخواست، آہ و زاری اور طلب کو سنتے ہیں اور سن کر ہماری حاجتیں پوری کرتے ہیں۔ ہمیں نفع پہنچاتے ہیں ضرر اور نقصان سے بچاتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ کتاب اللہ قرآن کریم میں جہاں نداء لغیر اللہ سے روکا گیا ہے۔ وہاں ان سے نفع نقصان پہنچانے کی واضح نفی فرمائی گئی ہے۔ مثلاً:

۱...... ”ولا تدع من دون اللہ ما لا ینفعک ولا یضرک“ (یونس:۱۰۶) اور خدا کے سوا اس کو مت پکارنا جو تجھے نفع نہ پہنچا سکے نہ نقصان۔

۲...... ”والذین تدعون من دونہ ما یملکون من قطمیر“ (فاطر:۱۳) اور اللہ کے سوا تم جن کو پکارتے ہو وہ تو کھجور کی گٹھلی کے پردے کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے۔

۳...... ”ان الذین تدعون من دون اللہ لن یخلقوا ذبابا ولو اجتمعوا لہ“ (الحج:۷۳) بلاشبہ خدا کے سوا تم جن کو پکارتے ہو وہ ایک مکھی پیدا نہیں کر سکتے گو سب کے سب (کیوں نہ) جمع ہو جائیں۔

تو شرک کی بنیاد و اساس اہل قبور کو سلام کہنا اور ان کے سننے کا یقین نہیں۔ یہ تو سنت ثابتہ ہے۔ شرک کی اساس یہ تصور ہے کہ اہل قبور نفع نقصان کے مالک ہیں، صاحب اختیار و تصرف ہیں۔ ہماری آہ و فغاں اور نداء و فریاد سن کر ہمارے دکھ درد دور کرتے ہیں۔ ہمیں بیٹا بیٹی دیتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ ایک سچا مسلمان جو گنبد خضراء پر جا کر ہدیہ صلوٰۃ و سلام پیش کرتا ہے اس کے حاشیہ فکر و گمان میں بھی یہ بات نہیں آسکتی کہ اللہ کے محبوب رسول صاحب اختیار و تصرف اور نفع و ضرر کے مالک ہیں۔ پھر اس کا سلام و صلوٰۃ عرض کرنا کیسے شرک ہو گیا؟ اور اگر کسی بدقسمت کا یہی یقین ہے اور اسی زعم باطل پر قبر مطہر کے سامنے اپنی دنیوی حاجات و مصائب عرض کرتا ہے کہ حضور ﷺ سن کر حاجتیں پوری کریں گے اور مصیبتیں دور فرما دیں گے تو وہ بلاشبہ مشرک ہے۔ مگر اس کا باعث سماع سلام و جواب سلام کا تصور نہیں۔ یہ اس کا قلبی مرض اور دلی روگ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین!

یارسول اللہ ﷺ

اگر یہ کہا جائے کہ درود شریف تو دعائے رحمت ہے، لیکن روضۂ اقدس پر بصیغہ "الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ" سلام پیش کرنا تو نداء لغیر اللہ ہے، یا حرف ندا ہے اور یا رسول اللہ کہنے سے نداء لغیر اللہ لازم آتی ہے۔ سو عرض ہے کہ ہر نداء لغیر اللہ تو ممنوع اور شرک نہیں، شرک صرف وہ نداء لغیر اللہ ہے جو غائب کے لئے ہو اور اسے نافع وضار سمجھتے ہوئے پکارا جائے۔ حاضر و موجود کو بلفظ یا خطاب بالاتفاق جائز ہے۔ یہ نہ منع ہے نہ شرک ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

قرآن کریم میں حضرات انبیاء علیہم السلام کو بلفظ یا خطاب فرمایا گیا ہے۔ یا ابراہیم، یا زکریا، یا موسیٰ وغیرہم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور یا رسول اللہ! سے خطاب کرتے۔ حدیث جبرئیل میں ہے "یامحمد اخبرنی عن الاسلام" اس انداز خطاب اور نداء بالیاء کے نظائر کا احصاء مشکل و متعذر ہے۔ الغرض حاضر کے لئے بلفظ یا خطاب ممنوع نہیں۔ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الایمان)

پھر یہ محقق ہے کہ روضہ اقدس میں رسول پاک ﷺ کے جسد اطہر کو فی الجملہ حیات حاصل ہے اور آپ ﷺ زائر کا سلام سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں تو اب روضۂ اطہر پر "الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ" کہنا گویا ایسا ہے جیسا کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا مجلس اقدس میں حاضر ہو کر یارسول اللہ کہنا! پس جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بصیغہ یا خطاب شرک نہیں تو زائر کا یا کہنا کیوں شرک ہو گیا؟ خصوصاً جب کہ وفات شریفہ کے بعد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا آپ ﷺ پر اسی طرح سلام کہنا ثابت ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سفر پر جاتے اور واپس آتے وقت مسجد نبوی میں داخل ہوتے نماز پڑھتے "ثم اتی قبر النبی ﷺ فقال السلام علیک یا رسول اللہ السلام علیک یا ابابکر السلام علیک یا ابتاہ" پھر نبی کریم ﷺ کے روضہ پاک پر حاضر ہوتے اور کہتے السلام علیک یا رسول اللہ، السلام علیک یا ابا بکر اور السلام علیک اے اباجان۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۳۸)

اسے عبدالرزاق نے بھی صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(وفاء الوفاء للسمہودی ج ۲ ص ۱۰۴، مقام حیات از علامہ خالد محمود ص ۱۹۲)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ ؒ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا بھی ذکر فرمایا ہے لکھتے ہیں: "وقد کان الصحابة کابن عمر وانس وغیرهما یسلمون علیه ﷺ وعلی صاحبیه کما فی المؤطان ان ابن عمر کان اذا دخل المسجد یقول السلام علیک یا رسول اللہ السلام علیک یا ابابکر السلام علیک یا ابتا" بہرحال روضۂ رسول ﷺ پر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا السلام علیک یارسول اللہ کہنا ثابت ہے اور اس پر کسی صحابہ کا اعتراض و نکیر کرنا ثابت نہیں۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲ ص ۴)

پھر ہم مسئلہ توحید میں ایسے ذکی الحس کیوں ہو گئے ہیں کہ جس صیغہ خطاب سے اجلہ اصحاب رضی اللہ عنہم رسول ﷺ کو شرک کا وہم تک نہیں ہوتا۔ ہمیں اسی لفظ سے شرک کا یقین ہو جاتا ہے، یہ توحید نہیں، افراط اور غلو ہے۔

خدا ہمیں دین میں افراط وتفریط اور غلو سے بچائے اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلائے کہ وہ افراط وتفریط کے درمیان راہ وسط وعدل اور ہدایت مستقیمہ پر گامزن تھے۔

مخفی نہ رہے کہ یہ اجازت صرف زائر حاضر کے لئے ہے جو روضہ اقدس پر موجود ہے۔ غائب کا اپنی جگہ پر حضور ﷺ کو حاضر وموجود جان کر بصیغہ یا ندا وخطاب ممنوع اور حرام ہے۔

شرک کہاں؟ یہ تو سنت رسول ﷺ ہے

''السلام علیک یا رسول اللہ'' کہنا کیسے شرک ہوگیا یہ تو عین سنت رسول ﷺ ہے۔ خود رسول اکرم ﷺ عام مسلمان موتی کو یا سے خطاب فرماتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ مدینہ میں قبروں کے قریب سے گزرے تو ان کی طرف منہ کرکے فرمایا: ''السلام علیکم یا اهل القبور یغفر اللہ لنا ولکم انتم سلفنا ونحن بالاثر'' اے قبروں والے تم پر سلامتی ہو اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں بخشے تم ہمارے پیش رو ہو اور ہم تمہارے پیچھے آنے والے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح باب زیارۃ القبور)

گویا جو چیز عام موتی مسلمانوں کے لئے جائز ہی نہیں بلکہ محمود ومستحسن اور سنت ہے وہ بھی رسول اللہ ﷺ کے لئے جائز نہیں، صرف جائز نہیں نہ، بلکہ حرام اور شرک ہے۔

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے   خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھئے

کیا اسلام کی یہی تعلیم اور توحید کا یہی تقاضا ہے کہ مسلمان محبوب خدا ﷺ کو اپنے برابر بھی نہ سمجھیں اور اپنی سطح سے بھی حضور ﷺ کا مقام فروتر جانیں۔ معاذ اللہ!

درود کی حقیقت

جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے درود رسول کریم ﷺ رب رحیم سے رحمت خاصہ کی دعا ودرخواست ہے۔ اس لئے اس کا تعلق ذات پاک باری تعالیٰ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی دعا سنتا ہے اور اپنے حبیب پاک ﷺ پر رحمت نازل کرتا ہے۔ حضور کریم ﷺ ہدیہ صلوٰۃ وسلام سنیں یا نہ سنیں۔ اس سے نفس درود ودعا پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور نہ ہی یہ سماع سلام وجواب کا مسئلہ ضروریات دین میں سے ہے جس پر کفر واسلام کا مدار ہو۔ لہٰذا اگر کوئی بندہ خدا حضور ﷺ کے سماع سلام کا منکر ہے تو وہ کافر نہیں۔ اگر کوئی اسے کافر کہتا ہے تو وہ زیادتی کرتا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی حضور ﷺ کے سماع سلام اور جواب مرحمت فرمانے کے قائل کو مشرک کہتا ہے تو وہ بھی بلاشبہ جہالت وکم ظرفی کا مرتکب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو افراط وتفریط سے بچائے اور راہ راست وعدل صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقه سیدنا ومولانا محمد والہ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین!

سید نور الحسن بخاری دار التصنیف والاشاعۃ قدیر آباد ملتان شہر

۲۴ر شوال ۱۳۹۵ھ مطابق ۳۰ر اکتوبر ۱۹۷۵ء

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَآءٌ وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (الحدیث)

نعمت کبریٰ

درباره

حیات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مؤلف:

حضرت مولانا سید شاہ عون احمد قادری پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ

سلسلہ دار الاشاعت

بل احیاء عند ربهم یرزقون فرحین بما اتاهم الله من فضله

(قرآن کریم)

ان الله حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء فنبي الله حي يرزق

(حدیث مرفوع)

نعمت کبریٰ

در بارۂ

حیات مصطفیٰ

صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم

(مؤلفہ)

مولانا سید شاہ عون احمد صاحب قادری پھلواروی

طابع و ناشر

دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفصیلی فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(حرفے چند)

مولانا سید عون احمد رحمۃ اللہ علیہ پھلواری شریف ضلع پٹنہ

پھلواری شریف ضلع پٹنہ بہار کی معروف گدی سادات پھلواری کے رکن رکین حضرت مولانا سید عون احمد پھلواری شریف نے شوال ۱۳۷۵ھ میں "نعمت کبریٰ در بارہ حیات مصطفیٰ ﷺ" نامی کتاب لکھی جسے خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف سے شائع کیا گیا۔ مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ ایسے نابغہ روزگار کی اس پر تقریظ ہے جو کتاب کی ثقاہت کی بھرپور دلیل ہے۔ اسے بھی اس مجموعہ میں شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔

(ناشر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ارشادِ عالی

حامداً و مصلیاً و مسلماً! اہل السنۃ والجماعت کا عقیدہ ہے کہ رسول کی زندگی جس طرح عام انسان کی زندگی کی طرح نہیں ہے، اسی طرح ان کی موت بھی عام انسان کی موت کی طرح نہیں۔ ان کو ظاہری موت کے بعد بھی حیات جاودانی حاصل ہے۔ علمائے اہل السنۃ نے اپنی کتابوں میں اس عقیدہ صالحہ کو دلائل و براہین سے ثابت کیا ہے۔

برادر گرامی! مولانا عون احمد صاحب سلمہٗ نے اس کتاب میں (جس کا مطالعہ میں نے از اول تا آخر کیا) قرآن مجید سے، تفاسیر سے، احادیث سے اور سلف صالحین کی کتابوں کے حوالہ سے رسول ﷺ کی جسمانی زندگی کو ثابت کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فاضل مؤلف کی اس دینی خدمت کو قبول فرمائے اور اس کتاب کو عام مسلمانوں کے لئے باعث ہدایت بنائے۔ آمین!

خاکسار: محمد امان اللہ قادری پھلواری

۶ رشوال پنج شنبہ ۱۳۷۵ھ

سند الاکابر الکرام حضرت والدی العلّام سیدی وقدوتی مولانا شاہ محمد نظام الدین قادری مدظلہ العالی کا ارشادِ گرامی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ الذی ھو یحیی ویمیت وھو حی لا یموت، کل شیٔ ھالک الا وجھہ۔ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من ارسل الی الناس کافۃ فاحیا من اتبعہ ھداہ بنور الایمان والاسلام الذی ھو حی بعد وفاتہ وعلیٰ آلہ واصحابہ الذین ھم شدوا ارکان الاسلام وفازو باعلیٰ درجاتہ وکمالاتہ۔ امابعد!

اس رسالہ میں دلائل نصوص قرآنی اور احادیث اور اکابر ائمہ کے اقوال سے احسن تحقیق کے ساتھ عقیدہ حیات النبی ﷺ بعد الوفاۃ کو مؤلف سلمہ نے ثابت کر دیا ہے اور یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ اس عقیدہ پر اکابر ائمہ کا اتفاق رہا ہے۔ فاللہ درہ ثم للہ درہ و جزاہ المراتب العالیۃ عاجلاً و آجلاً فی الدنیا والاخرۃ!

اہل سنت والجماعت کو حیات بعد الوفات کے انکار کی تو گنجائش ہی نہیں ہے جس طرح قانون قرآنی، کل نفس ذائقۃ الموت، اس کو بتاتا ہے کہ وقت مقرر پر موت طاری کر دی جاتی ہے۔ اسی طرح قانون قرآنی ثم یحییکم اس کو بھی بتاتا ہے کہ بعد التدفین یعنی عالم برزخ میں احیاء فی القیامۃ سے پہلے حیات عطاء کی جاتی ہے۔

سورۃ بقرہ میں دنیاوی احیاء و اماتت کو "فاحیاکم ثم یمیتکم (البقرۃ:۲۸)" سے بیان کرنے کے بعد فرمایا گیا ہے: "ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون" ظاہر ہے کہ: "ثم یحییکم" سے قبر یعنی عالم برزخ میں احیاء مراد ہے اور "ثم الیہ ترجعون" سے احیاء فی القیامۃ، احیائے اخروی مراد ہے۔ کیونکہ "الیہ ترجعون" کو ثم کے ساتھ استعمال کرنا اس کو بتا رہا ہے کہ "ثم الیہ ترجعون" سے احیائے فی القیامۃ کے بعد والی حالت اور "ثم یحییکم"

سے احیاء فی القیامۃ مراد نہیں ہوسکتا۔ احیاء فی القیامۃ اور اس کے بعد والی حالت کے درمیان ایسی تاخیر نہیں ہوگی جس کو ثم سے بیان کیا جائے۔

معلوم ہوا کہ: ''ثم یحییکم'' عالم برزخ والی احیاء کی تبیین کے لئے ہے اور ''ثم الیہ ترجعون'' احیاء فی القیامۃ کی تبیین کے لئے۔ دوسرے یہ کہ اس جگہ کے علاوہ متعدد جگہوں میں اس صیغہ سے احیائے اخروی کو قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً:

''لہ ملک السمٰوات والارض ثم الیہ ترجعون (الزمر: ۴۴)''

''وھو خلقکم اوّل مرۃ والیہ ترجعون (حم سجدہ: ۲۱)''

''وعندہ علم الساعۃ والیہ ترجعون (الزخرف: ۸۵)''

معلوم ہوا کہ سورہ بقرہ میں بھی ''ثم الیہ ترجعون'' احیائے اخروی ہی کی تبیین کے لئے ہے اور ''ثم یحییکم'' عالم برزخ میں احیاء کی تبیین کے لئے ہے۔ جب یہ متحقق ہوگیا کہ بعد التدفین عالم برزخ میں حیات عطاء کی جاتی ہے تو اب یہ سوال ہوتا ہے کہ عالم برزخ میں احیاء کے بعد جس طرح عوام پر موت طاری کردی جاتی ہے۔ کیا اسی طرح اللہ تعالیٰ کے بندے مخلصین، مقربین، متقین پر بھی موت طاری کردی جاتی ہے؟ اس کا جواب قرآنی بھی یہی ہے کہ ان لوگوں پر موت طاری نہیں کیا جاتی ہے۔

آخر سورہ دخان میں متقین جن کو عذاب حمیم سے بچائے جانے کی اور دخول جنت اور اس کی نعمتوں کی اور فوز عظیم کی بشارتیں دی جارہی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے بندے مخلصین و مقربین ہی تو ہیں۔ ان کے متعلق فرمایا جارہا ہے: ''لایذوقون فیھا الموت الا الموتۃ الاولی (دخان: ۵۶)'' وہ لوگ جنت میں (بعد دخول الجنۃ) موت کا مزہ نہیں چکھیں گے، لیکن موت اولیٰ (جس کا مزہ چکھ چکے ہیں قبل دخول جنت)

اس آیہ کریمہ سے دو امر ظاہر ہوئے۔ (۱) دخول جنت کے بعد موت طاری نہیں کی جاتی ہے۔ (۲) دخول جنت سے پہلے دو موتوں میں سے پہلی ہی موت کا مزہ وہ لوگ چکھیں گے، دوسری کا نہیں۔ دخول جنت سے پہلے دو عالم سے سابقہ ہوتا ہے۔ عالم دنیا اور عالم برزخ، عالم دنیا والی موت پہلی ہوئی اور عالم برزخ والی موت دوسری ہوئی۔ یعنی برزخ والی موت کا وہ لوگ مزہ نہیں چکھیں گے۔ معلوم ہوا کہ عالم برزخ میں احیاء کے بعد ان لوگوں پر موت طاری نہیں کی جاتی ہے۔ زندہ ہی زندہ ہیں۔ اسی لئے تو شہداء کے متعلق فرما ہی دیا گیا۔ ''بل احیاء (آل عمران: ۱۶۹)'' پس وہ متقی مقرب، ہستی جو تمام متقین، مقربین سے افضل و اکمل و اعلیٰ ہے، ان کی حیات بعد الوفات سے اہل سنت والجماعت کیونکر انکار کرسکتے ہیں۔ بلکہ افضلیت و اکملیت کی حیثیت سے ان کی حیات بعد الوفات کو بھی کمال حاصل ہے، کامل ترین حیات کے ساتھ حی ہیں۔ اس لئے ان کی کامل ترین حیات کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔

عالم برزخ میں احیاء کے بعد ان لوگوں پر موت طاری نہیں کی جاتی ہے۔ اسی لئے آپ ﷺ پر دنیاوی موت واقع ہونے کے بعد ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ کہنا ہوا۔ ''والذی نفسی بیدہ لایذیقک الموتتین ابداً'' اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ آپ کو دو موت کا مزہ نہیں چکھائے گا۔ (یعنی دنیاوی موت تو واقع ہو چکی، عالم برزخ میں طاری کر کے اللہ تعالیٰ دو موت کا مزہ آپ کو نہیں چکھائے گا)

محمد نظام الدین کان اللہ لہ پھلواری

علمائے کرام کی رائے وتوثیق

(۱) مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی دامت معالیہ نائب امیر شریعت صوبہ بہار

حامداً و مصلیاً و مسلماً! انبیاء علیہم السلام اس دنیا سے پردہ کر لینے کے بعد زندہ رہتے ہیں۔ یہ اہل سنت والجماعت کا متفقہ مسئلہ ہے۔ تفسیر وحدیث کی تمام متداول کتابوں میں اس مسئلہ سے متعلق شواہد موجود ہیں۔ سلف صالحین کے جہاں بے شمار علمی احسانات ہم پر ہیں۔ اس باب میں بھی ہم ان کی گراں قدر خدمتوں کے ممنون ومشکور ہیں کہ ہمارے لئے انہوں نے اس موضوع پر مستقل رسالے سپرد قلم کر دیئے ہیں۔ جن کے حوالے آپ کو اس کتاب کے مندرجات میں ملیں گے۔

لیکن اس سلسلہ میں جہاں تک میری معلومات کا دسترس ہے، اس موضوع پر جتنے مضامین بھی مطالعہ میں آئے، اس میں ذہن کو یہ بڑی کمی محسوس ہوئی کہ یہ قطعی مسئلہ، طرز استدلال کے ہاتھوں ظنی ہو کر رہ گیا ہے اور اگر کہیں اس کی قطعیت کی طرف اشارہ بھی پایا جاتا ہے تو وہ اپنے ابہام واجمال کی وجہ سے غیر مفہوم درجہ میں ہے۔

خدا جزائے خیر دے مولانا شاہ عون احمد صاحب قادری زادت حسناتہم کو کہ انہوں نے اس کمی کا احساس کیا اور اپنی اس کتاب میں اس قطعی مسئلہ کو قرآن مجید کے نص قطعی سے اس طرح استدلال کیا کہ اس کی قطعیت کو اجاگر کر دیا۔ فجزاھم اللہ تعالیٰ عنی وعن سائر المسلمین!

یہ ایک واقعی حقیقت کا اظہار ہوگا اگر میں یہ لکھوں کہ اردو میں اس موضوع پر یہ پہلی کتاب ہے جس میں خالص علمی رنگ میں، قرآن وحدیث اور اقوال سلف کے شواہد بہتر اور احسن اسلوب میں جمع کر دیئے گئے ہیں۔ خدا سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو قبول عام عنایت فرمائے اور امت مسلمہ کے لئے نافع بنائے۔

عبدالصمد رحمانی یکم محرم الحرام ۱۳۷۶ھ

(۲) مولانا شاہ محمد عثمان غنی صاحب دامت معالیہ ناظم امارت شرعیہ صوبہ بہار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ عزیز محترم مولانا شاہ عون احمد صاحب سلمہ اللہ کو جزائے خیر عطاء فرمائے کہ انہوں نے حیات نبوی کے متعلق اس کتاب (نعمت کبریٰ) میں قرآن وحدیث اور اقوال سلف کا ایک گراں بہا ذخیرہ جمع کر دیا ہے اور اس دینی اور علمی مسئلہ کو سہل اور آسان انداز سے تحریر کیا ہے جس سے امید ہے کہ لوگوں کے اوہام وشکوک کا ازالہ ہو جائے گا اور ان کو اطمینان حاصل ہو جائے گا۔ حضرت رسول اللہ ﷺ اپنے روضہ اطہر میں اسی طرح حیات ہیں جس طرح اپنی وفات سے پہلے اپنے حجرہ اقدس میں تشریف رکھتے تھے۔

احقر محمد عثمان غنی غفرلہٗ

(۳) مولانا شاہ محمد موسیٰ صاحب دامت برکاتہ فریدی نعیمی، پھلواری شریف

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم!

امابعد! رسالہ نعمت کبریٰ فی حیوۃ المصطفیٰ مؤلفہ مولانا سید شاہ عون احمد صاحب میری نظر سے گزرا۔ علامہ موصوف نے اسے قرآن واحادیث سے اور علماء اہل سنت والجماعت کے اقوال سے مدلل ومبرہن کر دیا ہے اور

ایک فہرست بھی تمام اسناد واقوال کی اس میں درج کر دی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اب اس روشنی کے بعد کسی کو اس متفقہ مسئلہ میں شک کی گنجائش رہ جائے اور دل کے اندر سے شکوک کی تاریکی زائل نہ ہو تو حیرت بالائے حیرت ہے۔ میری دعا ہے کہ مولانا کے مساعی جمیلہ مشکور ہوں اور یہ رسالہ نافعہ قوم میں مقبول ہو۔ اس رسالہ کو مولانا نے خود مجھے مطالعہ کے لئے مرحمت فرمایا اور میں نے اسے دیکھ کر چند گھنٹوں میں واپس کر دیا اور حسب ارشاد اپنی مختصر رائے بھی پیش کر دی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب! الراقم: محمد موسیٰ فریدی پھلواروی عفی اللہ عنہ ذنوبہ وستر عیوبہ

(۴) حضرۃ العلامۃ الاستاذ مولانا سید مناظر احسن گیلانی دامت برکاتہم رحمۃ اللہ کا مکتوب گرامی

''عاجز جب کتاب کی تسوید سے فارغ ہوا تو ماہ شعبان[1] ۷۵ ۱۳ھ کی کسی آخری تاریخ میں اس کو اخی الاعز مولوی عین احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ درقاہ الی مدارج الکمال کی معرفت حضرت العلامۃ الاستاذ مولانا سید مناظر احسن گیلانی کی خدمت میں بھیجا کہ وہ مطالعہ کے بعد اصلاح وترمیم فرمادیں۔ چنانچہ مولانا نے جواب میں مکتوب ارسال فرمایا وہ یہ ہے۔ اس میں خاص مکتوب الیہ کے متعلق جو جملے زبان قلم پر آگئے ہیں، اپنی طبیعت اس کو منظر عام پر لانے کے لئے تیار نہ تھی۔ اس لئے اتنا حصہ ان کی اجازت لے کر حذف کر دینے کا ارادہ تھا۔ لیکن اب جب کہ وہ ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں۔ ان کی کسی تحریر میں حذف وترمیم کیونکر کی جاسکتی ہے۔ جب کہ زندگی میں ان سے اجازت نہیں لی گئی۔ ویسے بھی اب ان کی ہر جنبش قلم محفوظ اور باقی رکھنے کے قابل ہے۔ اس لئے طبیعت پر جبر دے کر ہی سہی، لیکن پورا مکتوب بجنسہٖ لکھ دیا گیا ہے۔ عاجز عون احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رات اپنی تاریکی پھیلا چکی تھی، مریض اپنے فرش علالت پر دراز ہونے کا قصد کر رہا تھا کہ اچانک ''کلبہ دیجور'' ایک ''نور'' سے چمک اٹھا۔ دیکھتا ہوں کہ عون میاں سلمہ اللہ تعالیٰ کا جلوہ سامنے ہے۔ اٹھ کر گلے سے لگا لیا۔ اس وقت تک یہی سمجھتا رہا کہ عون میاں ہی سے مل رہا ہوں، جب تک ''میں آفتاب نہیں، ماہتاب ہوں'' خود صاحب نور نے اس واقعہ سے مطلع نہ فرمایا۔ اگر خاموش رہتے تو آفتاب ہی ان کو آخر وقت تک سمجھتا رہتا۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ خود آپس میں خردی وبزرگی کا ہی تعلق کیوں نہ ہو۔ ہمارے لئے تو دونوں بھائی چندے آفتاب[2] چندے ماہتاب ہیں۔ سلمکما اللہ تعالیٰ وعافاکما عن البلایا!

غربت کدے کی سرفرازی کا سبب معلوم ہوا، رات زیادہ ہو چکی تھی، صبح کو ان شاء اللہ! مسودہ پر نظر ثانی کر لی جائے گی۔ لیکن جب سونے کے لئے لیٹا تو لیٹنے کی فرصت بہت کم ملی۔ طبیعت جو عموماً رات ہی کو زیادہ بگڑ جاتی

---

[1] اس کے ٹھیک دو ماہ بعد یعنی ماہ شوال ۷۵ ۱۳ھ کی آخری تاریخوں میں مولانا علیہ الرحمۃ کی وفات ہوگئی۔ فقد فاتنا شیء عظیم فانا للہ وانا الیہ راجعون!

[2] مولانا کے متعلق مولانا عبدالماجد دریابادی کا یہ بجا ارشاد ہے کہ: ''بعض وقت تو اپنے چھوٹوں کو اتنا بڑھا دیتے کہ وہ بچارے خود اپنے متعلق بڑی غلط فہمیوں میں مبتلا ہو جاتے۔'' (محقق گیلانی صدق جدید ص ۴ مورخہ ۵ / ذی قعدہ ۷۵ ۱۳ھ) اس جگہ بھی ایک چھوٹے سے چھوٹے انسان کو اپنے متعلق غلط فہمی میں مبتلا ہو جانے کا امکان ہے۔ کیونکہ اپنی ہی طرح کی نااہلی کے باوجود نفس کی تمرید کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔

ہے، کچھ زیادہ زبوں معلوم ہوئی۔ عین میاں سلمہٗ سے عرض کیا کہ آپ راجگیر ہو آئیں، جس طرح ممکن ہوگا میں نظر ثانی کی کوشش کروں گا۔ گرامی نامہ میں نظر ثانی کا حکم تھا۔ کل تو نہ ہو سکا۔ آج دوسرا دن ہے۔ اس ذمہ داری سے بحمد اللہ سبکدوش ہو رہا ہوں۔ کسی مقام پر کسی قسم کے رد و بدل کی کوئی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ اس سے زیادہ مواد اور کیا فراہم کیا جا سکتا تھا۔ اب کرنے کے چند ہی کام رہ گئے ہیں۔ (۱) مضامین کی ایک فہرست خود بنا لی جائے۔ فرصت نہ ہو تو کسی تلمیذ کو حکم دیا جائے۔ کاش استطاعت ہوتی تو فقیر[1] ہی اس کام کو انجام دے دیتا۔

(۲) کتابیات کے عنوان سے ایک فہرست ان کتابوں کی لگا دیجئے جن سے مضامین اخذ کئے گئے ہیں[2]۔

(۳) اخبار الاخیار میں شیخ محدث نے ملتانی بزرگ شیخ صدر الدین کا یہ عجیب و غریب قول نقل کیا ہے:

''دو نعمت در عالم بالفعل موجود است کہ فوق جمیع نعمتہا ست لیکن مردم قدر ایں دو نعمت را نمی شناسند و بداں پے نمی برند و از تحصیل آں غافل اند'' جانتے ہیں کہ: ''فوق جمیع نعمتہا'' والی یہ دونوں نعمتیں کیا ہیں؟ ایک کے متعلق شیخ فرمایا کرتے تھے کہ: ''قرآن مجید کلام پروردگار است و دوے سبحانہ و تعالیٰ بے واسطہ بداں متکلم و خلق از اں غافل اند۔''

یہ تو پہلی نعمت ہوئی اور دوسری نعمت ''فوق جمیع نعمتہا'' ان ہی کے الفاظ میں یہ ہے کہ ''وجود مبارک محمد مصطفیٰ ﷺ بصفت حیات در مدینہ موجود است۔'' (ص ۲۱۵)

اللہ میاں سے بات چیت کرنے کے لئے قرآن مجید اور اللہ میاں کے محبوب کے قدموں تک پہنچنے کے لئے عالم آخرت یا عالم برزخ و مثال تک پہنچنے کا مکلف آدمی نہیں بنایا گیا ہے بلکہ لڑھکتے، گرتے پڑتے کسی طرح مدینہ منورہ تک پہنچنے میں مومن کامیاب ہو جائے۔ اس کو یقین کرنا چاہئے کہ جیتے جاگتے پیغمبر اللہ کے محبوب کے قدموں میں وہ پہنچ گیا۔ اسی پیغمبر کے قدموں میں ہے۔ اور قرآن سنا رہا ہے: ''اذا جاءک الذین یؤمنون بآیاتنا فقد سلام علیکم کتب ربکم علیٰ نفسہ الرحمۃ انہ من عمل منکم سوء بجہالۃ ثم تاب من بعد ذالک (انعام: ۵۴)''

اپنے رسول کا سلام کان ہی سے نہیں بلکہ کان سے بھی زیادہ قطعی ذریعہ قرآن کے ذریعہ سن لیتا ہے اور اپنے مالک کے صفات سے واقف ہو جاتا ہے۔ فطرت انسانی جو کچھ چاہتی اور مانگتی ہے، سب کچھ مل گیا۔ یوں تو سارے انبیاء کے متعلق یقین دلایا گیا ہے کہ وفات کے بعد وہ زندہ ہو گئے۔ لیکن کچھ پتہ نہیں کہ کس نبی کی قبر کہاں ہے۔ محمد ﷺ کا آستانہ سارے انبیاء و مرسلین کے مقابلہ میں تنہا آستانہ ہے۔ جسے دوست و دشمن سب ہی جانتے اور پہچانتے ہیں۔ اگر اس رسالہ کی اشاعت و طباعت کا سامان تیار ہے تو کار خیر کے لئے استخارہ کی کیا حاجت ہے، ایک متفقہ اجماعی مسئلہ کو آپ پیش فرما رہے ہیں۔ مولویوں کو دکھانے کی ضرورت کیا ہے کہ الفرقان کے ذریعہ ان کی تصدیق حاصل کر لیا جائے[3]۔ آپ اس کو بجائے مقالہ اور مضمون کے کتاب ہی کی شکل میں شائع فرمایئے۔

الداعی لکم و لاھل بیتکم

السید مناظر احسن گیلانی غفر اللہ لہ و لمن رباہ

---

[1] جو شخص خود استاد کے مرتبہ میں ہو وہ اپنے ایک تلمیذ سے اس طرح تخاطب کرے، عجز و شکستگی کی ایسی مثال بہت کم ملے گی۔ یہی ان کے علو مرتبت کی دلیل ہے۔ غفر اللہ لہ و اخصہ برحمۃ الخاصۃ اعاجز عون احمد

[2] چنانچہ (۱، ۲) کی ہدایت پر اسی وقت عمل کیا گیا جب مسودہ کی تبییض کا وقت آیا۔

[3] مولانا سے مشورہ لیا گیا تھا کہ اگر مناسب ہو تو الفرقان وغیرہ کسی علمی پرچہ میں پہلے شائع ہو جائے؟ جس کے جواب میں یہ ارشاد ہوا۔ عون احمد

عرض ناشر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ کہ دارالاشاعت مجیبیہ نے ہمارے علمی سرمایہ میں ایک اور نعمت کبریٰ کا اضافہ کیا۔ یعنی مسئلہ حیات النبی ﷺ پر ایک مستقل کتاب مرتب کر کے وقت کی ایک بہت بڑی ضرورت کو پورا کر دیا ہے۔ یہ کتاب اپنے مقصود اور اپنی نوعیت کے اعتبار سے کیسی ہے، اس کا صحیح اندازہ تو کتاب کے مطالعہ ہی سے ہو سکتا ہے یا وہ تقریظات رہنما ہوں گی جو مقتدر علماء نے لکھی ہیں۔ ایسے مصنفین لائق صد تبریک ہیں جو وقت کی نبض پہچانتے ہیں اور ٹھیک وقت پر وہ نسخہ شافی عطاء کرتے ہیں، جو قوم کے امراض روحانی و اخلاقی کے لئے اکسیر کا کام کرتا ہے، حیات النبی ﷺ کا مسئلہ اہل سنت کا متفقہ مسئلہ ہے۔ سلف سے خلف تک کسی نے بھی اس مسئلہ میں اختلاف نہیں کیا اور بلا ریب وارتیاب ہر اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ نبی کریم ﷺ بایں جسم وجان اپنے روضہ انور میں استراحت فرما ہیں، جس طرح اس عالم میں تشریف فرما ہوتے ہوئے حجرہ مبارکہ میں آرام فرماتے تھے۔

لیکن اس دور میں جب کہ بنیادی معلومات کی بھی کمی ہوتی جاتی ہے، اہم اعتقادی مسائل سے لوگ اور بھی دور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اگر ان کے سامنے کوئی ایسی چیز آجاتی ہے جس کی ان کو واقفیت نہ تھی یا اس کی گہرائیوں تک ان کی عقل کی رسائی مشکل ہوئی تو دریائے حیرت میں غوطے کھانے لگتے ہیں اور چونکہ ہر چیز کو اپنی عقل کے کانٹے پر تولنے کے عادی ہیں۔ اس لئے یا تو حقیقت کا انکار کر دیتے ہیں یا تاویلات باردہ سے موضوع سخن کو کسی اور جانب موڑنے کی کوشش کرتے ہیں یا اس کے لئے کوئی نیا مفہوم پیدا کرتے ہیں۔

میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جو کلام پاک کی اس آیت: "بل احیاء ولٰکن لا تشعرون (البقرۃ: ۱۵۴)" کی دور از کار تاویلیں کرتے ہیں اور سلف کی بتائی ہوئی تفسیر ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مفہوم کو سمجھنے کے لئے شعور کی ضرورت ہے اور شعور ہی اس راہ میں رہنما ہے۔ وہ شعور جو انبیاء اور صلحاء کو اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمایا۔ لیکن ما وشما کے لئے تو "ولٰکن لا تشعرون" ہی کہا گیا ہے۔ انبیاء اور صلحا نے کبھی اپنی کھلی آنکھوں سے اس حیات کا اپنے پیش رو افراد میں مشاہدہ کیا ہے اور کبھی اپنے نور باطن سے معلوم کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ: "بل احیاء" کا صحیح مفہوم یہی حضرات سمجھ سکتے ہیں ورنہ: دیدہ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے!

مولانا شاہ عون احمد صاحب نے یہ کتاب "نعمت کبریٰ" لکھ کر نہ یہ کہ صرف وقت کی ضرورت کو پورا کیا اور اردو ادب میں مقتدر علمی سرمایہ فراہم کیا ہے بلکہ ایک ایسی شمع روشن کر دی ہے جس کی لو سے صدہا دلوں کی قندیلیں روشن ہو سکتی ہیں۔

اگر چہ مطالب علمیہ کی فراوانی کی وجہ سے طویل بحثوں سے احتراز کرتے ہوئے مختصر الفاظ میں مقصد کو واضح کیا گیا ہے، مگر ہر موضوع اپنے شواہد و ادلہ سے پوری طرح مزین ہو گیا ہے اور پڑھنے والے کے لئے کوئی تشنگی باقی نہیں رہتی۔ یہ کتاب علماء کے لئے بہترین یادداشت اور مبتدیوں کے لئے بدرقہ خیر ہے۔

ممبران دارالاشاعت کی گزشتہ نشست میں یہ موضوع زیر بحث تھا کہ جو غیر مطبوعہ کتابیں اب تک زیورطبع سے آراستہ نہیں ہوسکی ہیں، ان کی اشاعت کا جلد سامان کیا جائے۔ چند جدید وقدیم کتابیں پیش نظر تھیں، لیکن جب ''نعمت کبریٰ'' سامنے آئی تو پھر کون تھا۔ جو اس نعمت کو اوّلیت کا منصب نہ دیتا۔ اس لئے بالاتفاق اسی کتاب کی اشاعت کا فیصلہ ہوا اور آج ہم مسرور ہیں کہ آپ کے سامنے مطبوعہ شکل میں پیش کر رہے ہیں۔ قدر شناسان علم وفن کی توجہ اگر ہماری طرف مبذول رہی تو بہت جلد ہم اور بھی غیر مطبوعہ کتابیں پیش کرسکیں گے۔ اشاعت کے سلسلہ میں ہمارے پیش نظر بہت کچھ کام ہے اللہ ہمارے ارادے میں برکت اور ہمت میں استواری عطاء فرمائے۔ آمین!

ناشر: سید محمد یوسف رضوی (رکن خصوصی مجلس دارالاشاعت مجیبیہ پھلواری شریف)

۱۱رمحرم الحرام یوم یکشنبہ ۱۳۷۶ھ

پیشکش

ایک ذرہ بے مقدار ہیچمیرز و ہیچ مداں، حیات انبیاء علیہم السلام کے متعلق اپنی ناچیز تالیف کو سرچشمہ آب زندگانی، منبع حیات جاودانی زندگی بخش عالم وعالمیان، صاحب لولاک لما خلقت الافلاک حضور پرنور خاتم النبیین، سید المرسلین ﷺ کے حضور اقدس میں شیخنا العلام، مولانا ومولی الانام آیۃ من آیات رب العالمین محی الحق والملۃ والدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارضاہ عنا کا وسیلہ اور ان کے دامن پاک کا سہارا لے کر پیش خدمت کرتا ہے اور عرض رساں ہے کہ جس آفتاب رسالت کے انعکاس نے لاتعداد ذروں کو غیرت خورشید بنادیا۔ یہ ذرہ بیمقدار بھی اس کے انعکاس وپرتو کا محتاج وامیدوار ہے:

بیدم کی بھی قسمت کا ستارا چمکا   اے ذرے کو آفتاب کرنے والے

عاجز بے نوا، عون احمد

حیات النبی ﷺ

عاجز کی یہ تحریر چندماہ قبل شائع ہوکر منا ظرعام پر آچکی ہے۔ جو اپنے موضوع خاص پر بہت کم وقت میں بطور عجلت لکھی گئی تھی اور بعد میں اس کی شرح وتفصیل کے طور پر اس کتاب کی تالیف عمل میں آگئی ہے۔ اس لئے اب اس کو کتاب کے ''متن'' کی حیثیت سے شامل کرلیا گیا ہے۔   عاجز، عون احمد

اے سر و حدیقہ معانی   جانی و لطیفہ جہانی

سر جوش خلاصہ معانی   سرچشمہ آب زندگانی

جسم اور روح کے امتزاج سے جو صورت قائم ہے، اس کا نام انسان ہے، روح نور محض اور ایک نورانی مخلوق ہے۔ مادی چیزوں سے مبرّا ہے۔ اس لئے اس کو فنا اور زوال نہیں ہے اور جسم مادی اور فانی چیزوں سے مرکب ہے۔ اس کو فانی اور معدوم ہونا لازمی ہے۔ جسم اور روح کے متعلق یہ ایک ایسا عام حکم ہے جو نہ صرف انسان بلکہ خالق

اکبر کی ہر جاندار مخلوق کو شامل ہے اور ہر ایک کے لئے یکساں ہے۔ لیکن جس طرح خالق کائنات نے اپنی مخلوقات ومکونات کے لئے روح کی بقا اور جسم کے فنا کا فیصلہ فرمایا ہے۔ بلاشبہ اسی خالق اکبر اور مکون کائنات نے اپنے اس فیصلہ سے اس عام حکم سے بعض چیزوں کو مخصوص کرلیا ہے۔ یعنی اس قاعدہ کلیہ سے بعض کو مستثنیٰ کرلیا ہے اور وہ ہیں انبیاء علیہم السلام کی ہستیاں جن کو مبدأ فیاض کی طرف سے خصوصیتیں بخشی گئی ہیں۔ دیگر خصوصیتوں کے ساتھ ایک اہم خصوصیت ان میں یہ ہے کہ روح کے ساتھ ان کے جسم کو بھی دوام وبقا حاصل ہے۔

عقلاً اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام، خالق ومخلوق کے درمیان واسطہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ گر ایک طرف خود مخلوق ہونے اور مخلوقات عالم سے گہرے تعلق کے باعث، جسم اور جسمانیت ان کے لئے لازم ہے تو دوسری طرف امر خداوندی سے تعلق اور قوی رابطہ رکھنے کی وجہ سے ان کے اجسام، عام انسانی اجسام کے اعتبار سے امتیازی اور خصوصی شان کے مالک ہیں۔ یعنی ان کی ذات اور مادی حیثیتیں فنا ہوکر خالص روحانی ہوجاتی ہیں اور سارا جسم مثل روح مجلی ومصفی ہوتا ہے تاکہ وہ امر ربانی کے ساتھ بدرجہ اتم مربوط ومنسلک رہ سکیں اور جب جسم مادی اشیاء سے مبرا ہے تو اس کو دوام وبقا کا وہی درجہ حاصل ہوگا جو روح کو حاصل۔ نقلاً اس کے وجوہ ارشاد ربانی ہے: ''واذا جاءک الذین یومنون بایتنا فقل سلام علیکم کتب ربکم علی نفسہ الرحمۃ (الانعام:۵۴)'' جب آئیں تمہارے پاس میری آیتوں کے ماننے والے تو کہو سلام ہے تم پر، واجب کیا تمہارے رب نے اپنے اوپر مہربانی کو۔

مطلب یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو ایمان کی دولت کے ساتھ بارگاہ نبوت پر حاضر ہو اس کے لئے خداوند قدوس کا اپنے رسول رحمت ﷺ کو حکم ہے کہ آپ اس کو سلام علیکم کی دعاء کے ساتھ رب کی رحمت ومغفرت کا پیغام پہنچاییے تو کیا یہ حکم اسی وقت تک کے لئے مخصوص تھا جب کہ رحمت عالم ﷺ عالم دنیا میں جلوہ افروز تھے یا اس کے بعد بھی باقی ہے؟

حق یہ ہے کہ دونوں حالتوں کے لئے عام ہے۔ یعنی رہتی دنیا تک کے لئے یہ حکم باقی ہے۔ جس طرح قرآن کی دیگر آیات ہیں کہ جن کا واقعہ نزول اگرچہ مخصوص اور وقتی ہے، لیکن ان کا حکم قیامت تک کے لئے جاری اور باقی ہے۔

دوسری جگہ خداوند قدوس کا ارشاد ہے: ''ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما (النساء:۶۴)'' اور اگر وہ لوگ جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا تمہارے پاس آئیں اور اللہ سے گناہ کی مغفرت چاہیں اور رسول بھی ان کے لئے مغفرت چاہیں تو پائیں گے وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان۔

علمائے امت کی تصریحات ہیں کہ حیات نبوی کی ظاہری حیثیت ختم ہونے کے بعد بھی جو مومن بارگاہ نبوت میں حاضر ہوکر خداوند قدوس سے طلب مغفرت کرے گا وہ حضور ﷺ کی طرف سے بھی دعائے مغفرت کا مستحق ہوگا۔ چنانچہ حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے صحیح روایتوں سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دفن کے تین روز بعد ایک بدوی نے مزار اقدس پر حاضر ہوکر اس آیت کریمہ کے حوالے سے مغفرت طلب کی۔ روایت

ہے کہ مرقد اطہر سے صدا آئی۔ انہ قد غفر لک (بے شک تیری بخشائش ہوگئی) (تفسیر مدارک التنزیل) ان دونوں آیات ربانی کے مطابق رحمۃ اللعالمین ﷺ کی ذات گرامی عالم دنیا کی حیات ظاہری ختم ہونے کے بعد بھی حاضری دینے والے امتی کو سلام علیکم کی نوازش کرنے رب کی رحمت و مغفرت کا پیام پہنچانے اور ان کے لئے دعائے مغفرت کرنے پر خداوند قدوس کی طرف سے مامور ہے۔ یہ ان کی حیات جاودانی کی قرآنی دلیل اور ثبوت ہے۔

احادیث میں تو اس کے شواہد اتنے کثیر ہیں جن کا یکجا کرنا ایک مستقل اور طویل کام ہے۔ بہر حال چند یہ ہیں۔ (سنن ابی داؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، بیہقی ان پانچوں کتب احادیث کی روایت ہے) جن کے راوی حضرت اوس بن اوس ہیں۔ یوم جمعہ کی فضیلت کے سلسلہ میں ارشاد نبی ہوا کہ اس روز کثرت سے مجھ پر درود پڑھو، کیونکہ وہ مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں۔ عرض کیا گیا کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد یہ کیونکر ممکن ہے؟ ارشاد ہوا کہ: ''ان اللہ حرم علی الارض اجساد الانبیاء'' اللہ تعالیٰ نے زمین کے لئے انبیاء کے جسموں کو حرام کر دیا ہے۔

دوسری روایت سنن ابی داؤد کی ہے جس کے راوی حضرت ابوالدرداء ہیں۔ یوم جمعہ کی فضیلت و برکت کے سلسلہ میں کثرت درود اور اس کے بارگاہ نبوت میں پیش ہونے کے ذکر پر، راوی نے بعد موت اس حکم کے باقی رہنے پر اظہار حیرت کیا تو ارشاد نبوی ہوا ''ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حی یرزق'' اللہ تعالیٰ نے زمین کے لئے حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے تو اللہ کے نبی زندہ ہیں روزی پاتے ہیں۔

یہ اور اس جیسی دوسری احادیث واضح طور پر بتا رہی ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے اجسام ان کی ارواح کی طرح فانی اور معدوم نہیں ہوتے۔ موت ان کے لئے انتقال مکانی کا نام ہے۔ ان کو حیات جاودانی حاصل ہے۔ اس لئے ان کی وفات اور حیات دنیاوی میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ اس کا علم، علمی اور تحقیقی حیثیت سے ہر مومن کو ہو سکتا ہے اور ہونا چاہئے۔ لیکن اس حقیقت کی یافت پر جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ چاہے، نوازے۔ چنانچہ جن کو نوازا گیا ہے وہ اسی یافت وشہود کے مرتبہ میں فرماتے ہیں:

بعہد خود تنہا بود پیدا بہر جزو زمان باشد محمدؐ

سنن ابی داؤد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ارشاد نبوی منقول ہے: ''مامن احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام'' جو بھی مجھ پر سلام بھیجتا ہے اللہ میری روح ادھر متوجہ کر دیتا ہے تو میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

اس مضمون کی اور بھی متعدد احادیث موجود ہیں جن میں اس کی تصریح ہے کہ صلوٰۃ وسلام عرض کرنے والا (خواہ وہ زمین کے کسی حصہ سے عرض کر رہا ہو) نہ صرف یہ کہ اس کا تحفہ سلام بارگاہ رسالت میں پیش ہو کر مسموع ہوتا ہے بلکہ مجسمہ رأفت ورحمت سے اس کا جواب عطاء ہوتا ہے یہ ایک ایسا شرف سعادت ہے جس پر جان ومال اور کونین کی ہر دولت قربان ہو سکتی ہے:

جاں می دہم در آرزو اے قاصد آخر بازگو در مجلس آں نازنین حرفے کہ از مامی رود

مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدلله الذی یحیی ویمیت وھو حیّ لا یموت والصلوٰة والسلام علیٰ سیدنا ومولانا محمد الذی احیاہ اللہ تعالیٰ بعد وفاته فھو حیّ بعد ان یموت وعلیٰ اٰله وصحبه الذین اقتبسوا من نور حیاته فی حیاته وبعد وفاته۔ اما بعد!

۱...... عالم کائنات کا سب سے اہم اور کامل ترین جز عالم انسانیت ہے۔ عالم انسانیت کی اصلاح اور اس کی تربیت کی تکمیل کے لئے خالق کائنات کے بنائے ہوئے وہ اسباب وذرائع جو بدء اسلام سے آج تک نفوس انسانی کے اخلاق وتربیت کی اصلاح کا ذریعہ ہوتے رہے اور آج سے رہتی دنیا تک ہوتے رہیں گے۔ وہ اور زندگی کی ایسی صحیح راہ جو ہر پیچ وخم سے افراط وتفریط سے، خیالات ونظریات کے غلو سے بچ بچا کر نفوس انسانی کو حقیقی نجات تک پہنچاتی ہو، اس کی دلالت وہدایت کا صحیح منصب جس کو بخشا گیا ہے وہ کتاب اللہ اور سنت نبوی ﷺ ہیں۔

حیات وممات کے کسی شعبہ کا مسئلہ ہو، کوئی نظریہ ہو، کوئی عقیدہ ہو، ہر ایک کی صحت وعدم صحت، حقانیت وعدم حقانیت اور ہر معاملہ میں حق وباطل کی تمیز، صداقت وعدم صداقت کی تفریق، دین میں غلو وعدم غلو کی تعیین، افراط وتفریط کی تصریح۔ ان سب کا استحقاق صرف کتاب اللہ اور سنت نبوی کو حاصل ہے جس مسئلہ، جس نظریہ اور جس عقیدہ کے حق میں کتاب وسنت کی واضح تصریحات ہوں، جس کو ان کی تائیدیں حاصل ہوں، وہ مسلک حقانیت پر مبنی ہے اور وہی قبولیت کی سند سے سرفراز اور جس کو کتاب اللہ اور سنت نبوی کے شواہد وبیّنات حاصل ہوں، وہی راہ حق وراہ مستقیم ہے اور وہی جادہ اعتدال۔ اس راہ حق سے ہٹ کر بطور خود جو راہ پیدا کی جائے گی وہ نہ تو راہ مستقیم ہوگی اور نہ وہ مسلک، مسلک اعتدال۔ اس لئے کہ انسانی فہم وتدبر کی کسوٹی اور اس کے علم وبصیرت کا معیار تسلیم شدہ طور پر کتاب وسنت ہی ہے۔

دوسرے مذاہب کے باطل معتقدات اور غلط نظریات سے مشابہت ومماثلت کا احتمال اسی جگہ پیدا ہوسکتا ہے جہاں نص صریح نہ ہو اور جہاں کتاب وسنت کے نصوص صریحہ موجود ہوں وہاں اس احتمال کی گنجائش ہی نہیں ہے اور بے محل احتمال پیدا کرنا کسی طرح لائق اعتنا نہیں اور قطعاً نا قابل قبول ہے۔

۲...... حیات وموت دونوں ایک دوسرے کے متقابل اور متضاد الفاظ ہیں۔ بنی نوع انسان کے لئے بھی موت وحیات کے اطلاق واستعمال میں تقابل وتضاد ملحوظ ہے۔ موت، قوت حیات کے زائل ہونے اور روح کے جسم سے جدا ہوجانے کا نام ہے۔

"وقوله کل نفس ذائقة الموت فعبارة عن زوال القوة الحیوانیة وابانة الروح عن الجسد" اور کل نفس ذائقۃ الموت، تو موت قوت حیات کے زائل ہونے اور روح کے جسم سے جدا ہوجانے سے عبارت ہے۔

(المفردات فی غرائب القرآن للعلامہ راغب اصفہانی ص ۴۹۲)

"مات، حلّ به الموت، وفارقت الروح جسده" مات، یعنی موت طاری ہوئی اور روح اس کے جسم سے الگ ہوگئی۔ (المنجد ص ۸۴۰)

اور حیات، موت کی ضد ہے۔ یعنی حیات ونمو کی قوت کی بقا اور قوت حاسہ کے وجود کا نام حیات ہے۔

''الحیاۃ تستعمل علی اوجہ الاوّل للقوۃ النامیۃ الموجودۃ فی النبات والحیوان والثانیۃ للقوۃ الحاسۃ وبہ سمی الحیوان حیواناً'' حیات کئی معنی میں استعمال کیا جاتا ہے، ایک اس قوت نمو کو حیات کہتے ہیں جو نبات اور حیوان میں موجود ہو اور دوسرے حس رکھنے والی قوت کو کہتے ہیں اور اسی بنا پر حیوان کہتے ہیں۔

(المفردات فی غرائب القرآن للعلامہ راغب اصفہانی ص ۱۳۸)

''حی: حیوۃ، ضد مات'' حی حیوۃ (زندہ ہونا) مات کا ضد ہے۔ (المنجد ص ۱۶۰)

اہل تحقیق واہل لسان اور ارباب لغت کی تحقیق وتوضیح کے ماتحت نفوس انسانی کی موت روح کا جسم کو چھوڑ دینا اور اس سے جدا ہوجانا ہے اور حیات جسد کے اندر روح کا موجود رہنا یا جا کر واپس آجانا۔

اس لئے نوع انسانیت کے باب میں حیات وموت کی تعبیر مطلق روح سے متعلق نہیں ہے اور اس کا اطلاق محض روح کے لئے صحیح نہیں ہے۔ بلکہ اس کا اطلاق واستعمال جسد اور روح دونوں کے اشتراک پر موقوف ہے اور جسد کی حیثیت اس باب میں ایک مستقر اور محل کی ہے۔ اس لئے جب تک جسم میں روح موجود ہے یا روح، جسم سے نکل جانے کے بعد واپس آگئی ہے تو اس وحیات وزندگی ہے اور جسم سے جب روح علیحدہ ہوجائے اور اس کو چھوڑ دے تو یہ اس کی موت ہے۔ حی اس جسم کو کہیں گے جس میں روح موجود ہے۔ (حقیقتاً یا حکماً) اور میت اس جسم کو جو روح سے خالی ہے۔ خلاصہ یہ کہ حیات وموت کے اطلاق میں خصوصاً نفوس انسانی کے لئے جسد جزء لاینفک کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے حیات کا تصور بغیر جسد کے ممکن نہیں ہے۔

نوع انسانی کے جس طبقہ کے لئے خالق کائنات کا یہ حکم ناطق ہو کہ: ''یہ مردہ نہیں بلکہ زندہ ہیں۔ یعنی طریان موت کے بعد زندہ کردیئے گئے۔'' تو اس تسلیم شدہ حقیقت کی بنا پر معنی ومفہوم یہی ہوئے کہ روح جسد میں موجود ہے اور روح کے موجود ہونے کی وجہ سے ان کا جسم زندہ ہے اور جسمانی حیات حاصل ہے اور اس جگہ حیات سے صرف روح کی حیات مراد لینا نہ عقلاً صحیح ہے نہ نقلاً۔

۳...... علامہ محدث شیخ عبدالحق دہلوی فرماتے ہیں: ''وسبکی در شفائے سقام می گوید عود روح بجسد ثابت است مر جمیع اموات را چنانکہ در قبر ولیکن سخن در استقرار واستمرار روح است در بدن، بحیثیتے کہ بوئے زندہ گردد بدن، چنانکہ در دنیا بود۔'' علامہ سبکی شفائے سقام میں کہتے ہیں کہ روح کا جسم میں واپس آنا تمام مردوں کے لئے ثابت ہے، جیسا کہ قبر میں لیکن گفتگو اس میں ہے کہ روح بدن میں رہے اور اس طرح رہے کہ بدن اس کی وجہ سے زندہ رہے۔ جیسا کہ دنیا میں ہوتا ہے۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۹۴)

علامہ محدث دہلوی دوسری جگہ فرماتے ہیں: ''وثبوت او یعنی حیات مر روح را بے اشتباہ واشکال است، واما جسد بہ احادیث ثابت شدہ کہ اجساد انبیاء بوسیدہ نمی گردد وعود روح بجسد ثابت است مر جمیع اموات را۔ ہر چند شہداء نہ باشد وسخن در استقرار واستمرار روح در بدن بحیثیتے کہ بوئے زندہ گردد، چنانکہ در دنیا بود۔'' اور روح کے لئے حیات بغیر کسی شبہ واعتراض کے ثابت ہے۔ باقی رہا جسم تو احادیث سے ثابت ہے کہ انبیاء کے اجسام بوسیدہ

نہیں ہوتے اور روح کا جسم میں واپس آنا تمام مردوں کے لئے ثابت ہے، صرف شہداء ہی کے لئے نہیں اور گفتگو اس میں ہے کہ روح بدن میں ہمیشہ رہے اور اس طرح کہ بدن اس کی وجہ سے زندہ رہے۔ جیسا کہ دنیا میں ہوتا ہے۔

(جذب القلوب الی دیار المحبوب ص ۱۸۵)

جسم انسانی میں طریان موت کے بعد پھر روح کا واپس آنا اور قبر میں اس کا دوبارہ زندہ ہونا ثابت اور تسلیم شدہ امر ہے۔ لیکن احیاء قبر کے بعد روح جسم کے اندر اسی طرح مستمراً باقی رہے جیسا کہ دنیا میں تھی۔ یعنی جسد، مستقر روح بن کر زندہ رہے اور جسمانی وحسی حیات حاصل ہو۔ یہاں کلام اور گفتگو، اس صورت خاص میں ہے۔

چنانچہ اگلے صفحات میں کتاب وسنت کے صریح شواہد وبیّنات اس کو پوری طرح واضح کرتے ہیں کہ ایسی جسمانی وحقیقی حیات اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے مقربین ومنعمین بندوں میں سے بعض ان طبقوں کو عطاء فرمائی جو منصب نبوت پر فائز کئے گئے اور حاملین وحی کی صفت سے متصف ہوئے۔ ان کے حق میں کتاب وسنت کے بیّن شواہد وبراہین موجود ہیں کہ ان کو وفات کے بعد حقیقی وجسمانی حیات عطاء ہوئی اور وہ اپنی برزخی زندگی میں جسمانی کامل حیات پر فائز ہیں جو دنیاوی حیات کی طرح ہے اور اس حیات جاودانی کے باوجود وہ عبدیت کے مقام پر رہے اور خلاق عالم کی ایک مخلوق کے درجہ میں ہیں اور یہ عقلاً بھی بعید نہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام مخلوقات کی صف میں اور عباد اللہ کے زمرہ میں رہتے ہوئے حیات حقیقی جاودانی سے ممتاز ہوں، کیونکہ وہ صحیح معنی میں اس تخاطب کے مصداق ہیں کہ:

در جہانی واز جہاں بیشی ہم چو معنی کہ در بیان باشد

۴...... کتاب وسنت کے نصوص صریحہ کی بناء پر حضرات انبیاء علیہم السلام کی بعد الوفات جسمانی حیات کا مسلک متفق علیہ مسلک ہے اور اہل سنت کا تسلیم شدہ نظریہ ہے اور اس بنا پر نہ صرف یہ کہ اس میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں ہے بلکہ وہ اتفاقی واجماعی ہونے کی وجہ سے رائے ونظریہ کے اختلاف سے بلند وبالا ہے۔ بلکہ بعض محققین ومفسرین اہل سنت نے مقربین کی اس جماعت کے لئے بھی جن کا منعمین کے چوتھے طبقہ میں شمار ہے اور جو ''صالحین'' سے تعبیر کئے گئے ہیں۔ یہ تصریح فرمائی ہے کہ انبیاء، صدیقین، شہداء جیسے انعام یافتہ بندوں کی ترتیب میں داخل ہونے کی وجہ سے ان کو بھی بعد الوفات حیات حقیقی جسمانی عطاء ہوتی ہے۔ چنانچہ علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے (تفسیر مظہری پارہ سیقول ص ۹ مطبوعہ ہند) میں اور ملا علی قاری نے (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۲۱۰ وایضاً مرقاۃ ج ۲ ص ۲۱۲ مطبوعہ مصر) میں بصراحت اس کو لکھا ہے۔

لیکن ایک طرف اگر بعض ائمہ محققین نے حیات بعد الوفات کے ثبوت کی اولیاء اور صلحاء کے لئے بھی تصریح کی ہے تو دوسری طرف، دوسرے اہل تحقیق اور ائمہ متقدمین نے اس کو حضرات انبیاء اور شہداء کے لئے مختص بتایا ہے اور دوسرے کسی طبقہ امت کے لئے اس کی تصریح نہیں کی ہے۔ اس لئے اولیاء وصلحائے امت کی حیات بعد الممات کے بارے میں دو مسلک اور دو نظریے ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ ان میں ترجیح کس کو حاصل ہے اور محققین کی اکثریت کس طرف ہے۔ تاہم اتنا ضرور ہے کہ اولیاء وصلحاء کی وہ جماعت جس نے حیات وممات کے ہر شعبہ میں مشکوٰۃ نبوت سے اقتباس نور کیا اور ذات اقدس نبوی کی حیات جاودانی کا عکس وپرتو لیا۔ وہ بھی حیات حقیقی جاودانی

سے سرفراز کئے جائیں اور نوع انسانی کے اس مخصوص طبقہ کو دیگر فضیلتوں کے ساتھ یہ فضیلت وفوقیت بھی عطاء ہو تو کوئی مقام تعجب نہیں۔ کیونکہ:

فان تفق الانام وانت فیھم فان المسک بعض دم الغزالی

۵...... مسلک حیات انبیاء کا اجماعی و متفق علیہ ہونا اور ائمہ متقدمین کا اس کی تخصیص و تصریح کرنا اس امر کا متقضی نہ تھا کہ خاص طور پر اس مسلمہ مسلک پر قلم اٹھایا جائے اور ثابت بالنص مسئلہ کو دلائل و براہین سے ثابت کیا جائے۔ لیکن جب کسی نگاہ میں مسئلہ کی صحیح نوعیت نہ ہو اور مسلک کی مسلمہ حیثیت سے بے خبری کی بناء پر اس کو اختلافی سمجھا جائے اور حیات النبی ﷺ کا غلط مفہوم اخذ کر کے اس کی ایسی لغو اور باطل تعبیر کی جائے جو دوسرے کے لئے شکوک وشبہات کے اسباب پیدا کرنے کے لئے کافی ہو تو اس کی صحیح تعبیر و تشریح اور اس کی اجماعی و اتفاقی حیثیت کی وضاحت دوسروں کے شبہات کے ازالہ کے لئے لازمی سمجھی گئی۔ پھر یہ کہ ائمہ متقدمین نے اپنی کتابوں میں حیات انبیاء علیہم السلام کی تصریح فرمائی ہے۔ بعض نے صرف اشارۃً تذکرہ کیا ہے۔ بعض اس کو ضمناً کسی بحث میں لے آئے ہیں اور بعض نے پوری تحقیق سے کام لیا ہے۔ بعض نے مفصل بحث کر کے مسئلہ منقح کیا ہے اور امام بیہقی جیسے محدث نے اس موضوع کی احادیث یکجا کر دی ہیں۔

غرض کہ اکثر متقدمین علماء نے حیات انبیاء کے ثبوت میں کم وبیش حوالے ضرور دیئے ہیں۔ لیکن اس موضوع پر خاص تالیف متقدمین میں چند ہی حضرات نے کی ہے۔ جن میں سے اہم علامہ جلال الدین سیوطی ہیں۔ جن کی کتاب ''انباہ الاذکیا'' خاص اس موضوع پر ہے۔ لیکن سب عربی وفارسی تالیفات ہیں۔ (الحمد للہ کہ اخی الاعز الاکرم مولوی محمد عمادالدین صاحب سلمہ اللہ واوصلہ علی مدارج الکمال اخلف الصدق حضرت امیر شریعت مدظلہ العالی نے بھی چند ماہ قبل ''انباہ الاذکیا فی حیاۃ الانبیا'' کا سلیس اردو میں مکمل ترجمہ کیا ہے تا کہ علامہ سیوطی کی تالیف سے عام لوگ بھی استفادہ کر سکیں۔ فجزاہ اللہ احسن الجزا!)

اس دور متاخرین میں بھی بعض اکابر نے اپنی تالیفات، مقالات اور سوال کے جواب میں اس موضوع پر دلائل و براہین پیش کئے ہیں۔ تاہم خاص حضرت نبی کریم ﷺ کی حیات پر کتاب وسنت کے بین دلائل اور ائمہ متقدمین کی تصریحات اور براہین کے ساتھ ایک مجموعہ کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی۔ یہی وہ اسباب ومحرکات ہیں جن کی بنا پر اس تالیف کی سعی کی گئی۔

خداوند قدوس کا ہزار ہا شکر ہے کہ کوچہ علم وتحقیق سے نابلد انسان کو یہ صلاحیت بخشی کہ اس نے حضرت نبی کریم ﷺ کی حقیقی جسمانی حیات کے شواہد وبینات کو ترتیب وتالیف کی شکل دے دی۔ جس پر اس کا مسرت اور منت پذیر دل یہ کہہ اٹھا: (حسان بن ثابت)

وما مدحت محمدا بمقالتی ولکن مدحت مقالتی بمحمدؐ

دعا ہے کہ جس قادر مطلق نے اپنے بے پایاں فضل واحسان سے یہ نیک توفیق عطاء فرمائی۔ وہی اپنے لطف وکرم سے اس کو حسن قبول عطاء فرمائے اور لوگوں کے خیالات ونظریات کی تصحیح کے لئے مفید اور موثر بنائے۔

وھو الموفق وھو یھدی السبیل!

۶...... حیات انبیاء کا مسلک ایسا ہے کہ اس پر دوسرے طریقہ سے بھی تائید وشواہد پیش کئے جاسکتے تھے۔لیکن مقصود اور نہ صرف مقصود۔ بلکہ اصلی معیار کتاب وسنت ہے۔ اس لئے سارے دلائل وبراہین اسی کی دلالت وہدایت کے مطابق لائے گئے۔ ورنہ اہل اللہ اور صاحب کشف ویقین حضرات کے وجدانیات ومکاشفات اور مشاہدہ حق کرنے والی نگاہ باطن کے ادراکات ومحسوسات اور محققین صوفیاء کے تصریحات وبیانات سے بہتیرے شواہد وتائیدات جمع ہوسکتے تھے۔لیکن یہ اس کا موقع نہیں تھا۔ قادر مطلق نے ہمت وقدرت بخشی اور اس کی توفیق وعنایت شامل حال رہی تو یہ بھی ہوجائے گا۔ وماذالک علی اللہ بعزیز! عبدعاجز عون احمد قادری ﷫

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''تبارک الذی بیدہ الملک وھو علی کل شئی قدیر الذی خلق الموت والحیاۃ لیبولکم ایکم احسن عملا وسبحان الذی قدّر لکل نفس انھا ذائقۃ الموت لیبلوھم بالشر والخیر فتنۃ وسبحان من یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا فیمسک الذی قضی علیھا الموت ویرسل الاخریٰ الی اجل مسمی فسبحانہ وتعالٰی الذی قال وکنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون فبعد ایقاع الموت یفیض علی عامۃ الناس حیوۃ ضعیفۃ وقتیۃ فی البرزخ وبعد الممات ثم یحییھم یوم البعث حین ترجع الیہ الامور ومن شاء لہ دوام الحیاۃ الطیبۃ الکاملۃ من عبادہ المنتخبین فاعطاھم حیوۃ کاملۃ مستمرۃ دائمۃ الی یوم النشور فاحمدہ حمدا کثیراً واشکرہ شکراً جزیلاً واصلی واسلم علی رسولہ المجتبی ونبیہ المقتدی سیدنا محمد المصطفٰی الذی ھو نخبۃ المنعمین علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین الذین انعم اللہ علیھم بانواع النعم فقال الشھداء امتہ بل احیاء عند ربھم یرزقون فالنبی اولٰی بالحیوۃ وھو حیٌ بعد الوفاۃ وعلٰی آلہ وصحبہ الذی سلکوا مسلک الادب والتواضع فی حضرۃ نبی الرحمۃ الھدیٰ ومنع بعضھم بعضاً عن رفع الصوت وامر لایرطی عند مرقدہ الانور ومسکنہ الاطھر لئلا یتأذی النبی الذی ھو حیٌ بعد وفاتہ بالحیوۃ الاکمل والافضل'' اما بعد!

خالق کائنات کے جملہ مخلوقات ومکونات میں ایک اہم مخلوق انسان ہے۔خلاق عالم اپنی ہر جاندار مخلوق کو زندگی بخشنے اور پیدا کرنے کے بعد اس پر موت طاری فرماتا ہے۔ اس کی عادت جاریہ ہے کہ ہر قابل حیات کو جب حیات بخشا ہے تو ایک وقت مقررہ پر موت بھی طاری کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کی طرف سے آنے ہوئے حق کو قبول کرنے سے جب انکار کیا گیا اور انکار واعراض حد سے بڑھ گیا تو نوع انسانی کو مخاطب کرکے ارشاد ہوا۔

''کیف تکفرون باللہ وکنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون (البقرۃ:۲۸)''

تم کس طرح اللہ سے انکار کرتے ہو، حالانکہ تم بے جان تھے۔ اس نے تم کو زندہ کیا۔ پھر تم کو مارے گا، پھر زندہ کرے گا، پھر اسی کی طرف پھر کر جاؤ گے۔

دوسری جگہ نوع انسانیت پر اپنی نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے ان کو مخاطب کیا گیا: ''وھو الذی احیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم (الحج:۶۶)'' اور اسی نے تم کو زندہ کیا پھر مارے گا پھر زندہ کرے گا۔

یعنی تم زندگی سے محروم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تم کو حیات بخشی زندہ کیا اور تمہاری دنیاوی زندگی شروع

ہوئی۔ پھر تم کو مارے گا، موت طاری ہوگی اور دنیاوی زندگی ختم ہو جائے گی۔ پھر تم کو زندہ کرے گا (قبر میں) اور پھر تم کو (قیامت کے دن) اسی کی طرف لوٹنا ہے تاکہ تمہارے اعمال کی جانچ اور جزاوسزا کا فیصلہ ہو سکے اور نہ صرف یہ کہ نوع انسانیت کے لئے حیات کے ختم ہونے اور موت کے طاری ہونے کا حکم ہوا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہر نفس انسانی وغیر انسانی کے لئے لازمی حیثیت رکھتا ہے۔ ارشاد ہے: "کل نفس ذائقة الموت وانما توفون اجورکم یوم القیامة (آل عمران:۱۸۵)" ہر جاندار کو موت چکھنی ہے اور تم کو پورا بدلہ ملے گا قیامت کے دن۔

"کل نفس ذائقة الموت ثم الینا ترجعون (العنکبوت:۵۷)" ہر جاندار موت چکھے گا پھر تم لوگ میری طرف پھر کر آؤ گے۔

حضرت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جب کفار و منافقین کا یہ سلوک ہوا کہ وہ لوگ آپ کی موت کا انتظار اور تمنا کرنے لگے تو خداوند قدوس نے حضرت ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا۔ (تفسیر مدارک ج ۳ و تفسیر خازن ج ۳ ص ۲۷۶ مطبوعہ مصر)

"افائن مت فهم الخالدون کل نفس ذائقة الموت ونبلوکم بالشر والخیر فتنة والینا ترجعون (الانبیاء:۳۴)" کیا آپ اگر مر گئے تو وہ لوگ ہمیشہ رہیں گے، ہر نفس کو موت چکھنی ہے اور ہم تم لوگوں کو آزماتے ہیں برائی اور بھلائی سے اور میری طرف تم لوگ پھر کر آجاؤ گے۔

اسی طرح ایک بار کفار نے حضرت ﷺ کی موت کے انتظار و تمنا کا اظہار کیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا: "انک میت وانهم میتون (الزمر)" بے شک تم کو بھی مرنا ہے اور وہ بھی مریں گے۔ یعنی موت کچھ آپ ہی کے لئے نہیں ہے بلکہ یہ ہر ایک کے لئے یکساں ہے۔ اس لئے کسی ایک ذات کے لئے اس کا انتظار لایعنی امر ہے۔ (تفسیر مدارک ج ۴ و تفسیر خازن ج ۴ ص ۵۸ مطبوعہ مصر)

معلوم ہوا کہ ہر نفس انسانی کے لئے موت کی لذت شناسی ضروری ہے۔ جہاں تک موت کے طاری ہونے اور اس کی اذاقت (لذت شناسی) کا تعلق ہے کوئی فرد بشر اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ بلا تخصیص ہر انسان کو اس سے دو چار ہونا پڑے گا اور ہر ایک پر اللہ تعالیٰ کی سنت اماتت جاری ہوگی۔

طریان موت میں عامۃ الناس اور اخص الناس میں فرق

اذاقت موت (موت کی لذت شناسی) ایک قدر مشترک کے طور پر ہر نفس انسانی کے لئے مساوی حیثیت رکھتی ہے۔ لیکن کیا طریان موت کے کچھ پہلے اور طریان موت کے بعد کے حالات بھی ہر ایک نفس کے لئے علی التساوی اور برابر ہیں یا مختلف اور جداگانہ؟ کیا نفس انسانی کا کوئی طبقہ ایسا بھی ہے کہ اذاقت موت سے پہلے ان سے ان کی مرضی معلوم کی جاتی ہے اور قادر مطلق کی طرف سے ان کو اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ ابھی اور دنیا میں زندگی بسر کرنا چاہیں تو کریں یا اخروی زندگی پسند کریں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی سنت اماتت کے تحت بلا توقف موت کی لذت شناسی قبول کرلیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام پر موت طاری کرنے سے پہلے ان کی مرضی معلوم کی جاتی ہے

نوع انسانی کا کوئی طبقہ خواہ عامہ مومنین ہوں یا صالحین و اولیاء کسی کے لئے اس کا اختیار کا ثبوت کتاب وسنت سے موجود نہیں ہے۔ بلکہ یوں کہئے کہ نوع انسانی کے ان طبقوں میں سے کسی کے لئے بھی اس اختیار کے ثبوت

سے کتاب وسنت ساکت ہے۔لیکن مخصوص بلکہ اخص ترین انسانوں کا ایک طبقہ ہے جس کو اذاقت موت سے پہلے یہ اختیار دیا جاتا ہے اور ان کے اختیار و پسند پر عمل کیا جاتا ہے۔صحیح بخاری و صحیح مسلم کی روایتیں ہیں۔

صحیحین کی روایتیں

"أن عائشة قالت كان النبی ﷺ يقول وهو صحيح انه لم يقبض نبی حتی يری مقعده من الجنة ثم يخير فلما نزل به ورأسه على فخذی غشی عليه ثم افاق فاشخص بصره الى سقف البيت ثم قال اللهم الرفيق الاعلى فقلت اذا لا يختارنا وعرفت انه الحديث الذی كان يحدثنا وهو صحيح" (صحیح بخاری باب مرض النبی ﷺ ووفاتہ ج ۲ ص ۶۴۱) حضرت عائشہ ؓ کہتی ہیں کہ حضرت ﷺ نے اپنی تندرستی کے وقت فرمایا تھا کہ کسی نبی کی روح اس وقت تک قبض نہیں کی جاتی جب تک جنت میں اس کا ٹھکانہ اس کو نہ دکھایا جائے۔پھر اس کو اختیار دیا جاتا ہے تو جب آپ مریض ہوئے اس وقت آپ کا سر مبارک میری گود میں تھا۔آپ پر غشی طاری ہوئی۔افاقہ ہوا تو چھت کی طرف نگاہ اٹھا کر بغور دیکھ کر فرمایا:"اللهم الرفيق الاعلىٰ" تو ہم نے کہا کہ اب آپ ہم لوگوں کے ساتھ رہنا پسند نہیں کرتے اور اس وقت ہم نے جانا کہ یہ (یعنی آپ کو اختیار دیا جانا اور آپ کا اخروی زندگی کو پسند کرنا) اسی حدیث کی بناء پر ہے جو آپ صحت کی حالت میں فرما چکے تھے۔

"عن عائشة قالت كنت اسمع انه لا يموت نبی حتی يخير بين الدنيا والآخرة فسمعت النبی ﷺ يقول فی مرضه الذی مات فيه واخذته حجة يقول مع الذين انعم الله عليهم الاية فظننت انه خير" حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ میں نے سنا[1] تھا کہ کوئی نبی اس وقت تک نہیں مرتا جب تک اس کو دنیاوی اور اخروی زندگی میں اختیار نہ دیا جائے تو ہم نے حضرت ﷺ کو اس مرض میں جس میں آپ نے وفات پائی، کہتے سنا مع الذين انعم الله عليهم (الایۃ) تو میں نے سمجھا کہ آپ کو بھی اختیار دیا گیا۔(صحیح بخاری باب مرض النبی ﷺ ووفاتہ ج ۲ ص ۶۳۸ مطبوعہ ہند)

"عن ابی سعيد الخدری قال خطب رسول الله ﷺ الناس وقال ان الله خير عبداً بين الدنيا وبين ما عنده فاختار ذالك العبد ما عند الله قال فبكى ابو بكر فتعجبنا لبكائه ان يخبر رسول الله ﷺ عن عبد خير فكان رسول الله هو المخير وكان ابو بكر هو اعلمنا" (بخاری کتاب المناقب باب مناقب ابی بکر ج ۱ ص ۵۱۶) حضرت ابوسعید خدری ؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بندہ کو اختیار دیا کہ وہ دنیاوی زندگی کو پسند کرے یا ما عند اللہ کو تو اس بندہ نے ما عند اللہ کو پسند کیا۔اس پر حضرت ابوبکر ؓ رونے لگے۔ہم لوگوں کو تعجب ہوا کہ حضرت تو ایک ایسے بندہ کی خبر دے رہے ہیں جس کو اختیار دیا گیا۔دراصل جس کو اختیار دیا گیا تھا وہ حضرت ﷺ تھے اور حضرت ابوبکر ہم لوگوں میں سب سے زیادہ ان باتوں کا علم رکھتے تھے۔

---

[1] اس روایت میں حضرت عائشہ ؓ نے تصریح نہیں کی کہ کس نے سنا تھا لیکن دوسری روایتوں میں یہ تصریح موجود ہے کہ خود حضرت ﷺ سے سنا تھا۔اس لئے ائمہ و شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ یہ بھی حضرت عائشہ ؓ نے حضرت ہی سے سنا تھا۔
(فتح الباری شرح بخاری لعلامہ ابن حجر ج ۸ ص ۱۰۴ و عمدۃ القاری شرح بخاری لعلامہ عینی ج ۸ ص ۲۴۲ مطبوعات مصر)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موت کا واقعہ

''عن ابی هریرة قال ارسل مالک الموت الی موسیٰ فلما جاءه صکّه فرجع الی ربه فقال ارسلتنی الی عبد لا یرید الموت قال ارجع الیه فقل له یضع یده علی متن ثور فله بما غطت یده بکل شعرة سنة قال ای رب ثم ما ذا قال ثم الموت قال فالآن قال فسأل عزوجل ان یدنیه من الارض المقدسة رمیة بحجر قال ابو هریرة فقال رسول الله ﷺ فلو کنت ثم لاریتکم قبره الی جانب الطریق تحت الکثیب الاحمر قال واخبرنا معمر عن همام حدثنا ابو هریرة عن النبی ﷺ نحوه'' (صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب وفات موسیٰ ج ۱ ص ۴۸۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ ملک الموت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجے گئے جب ملک الموت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک طمانچہ ملک الموت کو لگایا۔ ملک الموت بارگاہ الٰہی میں پلٹ کر گئے اور عرض کرنے لگے کہ آپ نے ایک ایسے بندے کے پاس بھیجا جو موت کو نہیں چاہتا۔ (رب العزت کا ملک الموت کو حکم ہوا کہ) تم واپس جاؤ اور موسیٰ علیہ السلام سے کہو کہ کسی بیل کی پشت پر ہاتھ رکھے، بیل کے جتنے بال کو موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ ڈھانک لے گا ہر بال کے حساب سے ان کو ایک ایک سال دیا جائے گا۔ (ملک الموت نے پلٹ کر یہ بات حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سنائی) تب موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میرے پروردگار! پھر کیا ہوگا؟ تو کہا گیا موت۔ (یعنی مرنے پڑے گا) تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ پھر وہ اسی وقت کیوں نہ آجائے۔ فرمایا انہوں نے کہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں یہ درخواست کی کہ ارض مقدس (سرزمین فلسطین) سے اتنا قریب ہونے کا موقع دیا جائے (کہ مجھ میں اور ارض مقدس میں اتنا فاصلہ باقی رہے) جو کسی پتھر کے پھینکنے سے قطع ہوسکتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اگر تم وہاں ہوتے تو تم لوگوں کو میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر دکھا دیتا جو سرخ رنگ والے ٹیکرے کے نیچے راستہ کی ایک طرف ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ معمر نے بیان کیا کہ ہمام کی ایک روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کی کہ حضرت ﷺ اس واقعہ کا ذکر کرتے تھے۔ (مطلب یہ ہے کہ ارسال کے بجائے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ مرفوع طریقہ سے بھی مروی ہے)

''عن همام بن منبه قال هذا ما حدثنا ابو هریرة عن رسول الله ﷺ فذکر احادیث منها وقال رسول الله ﷺ جاء ملک الموت الی موسیٰ علیہ السلام فقال اجب ربک قال: فلطم موسیٰ علیہ السلام عین ملک الموت ففقأها قال فرجع ملک الموت الی الله تعالیٰ فقال انک ارسلتنی الی عبد لک لا یرید الموت وقد فقأ عینی قال فرد الله الیه عینه وقال ارجع علی عبدی فقل الحیاة ترید فان کنت ترید الحیاة فضع یدک علی متن ثور فما توارت یدک من شعره فانک تعیش بها سنة قال ثم مه قال ثم تموت قال فالآن من قریب رب ادننی منا لارض المقدسة رمیة بحجر قال رسول الله ﷺ والله لو انی عنده لاریتکم قبره الی جانب الطریق عند الکثیب الاحمر'' (صحیح مسلم، کتاب الفضائل باب فضائل موسیٰ علیہ السلام ج ۲ ص ۳۰۹ مطبوعہ مصر)

ہمام بن منبہؒ سے مروی ہے انہوں نے کہ ہم سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ﷺ سے روایت کردہ جو حدیثیں بیان کیں ان میں سے یہ بھی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ملک الموت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور کہا کہ اپنے رب کا بلاوا منظور کیجئے۔ (یعنی موت قبول کیجئے) فرمایا حضرت ﷺ نے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت کی آنکھ پر ایسا طمانچہ رسید کیا کہ اس کی ایک آنکھ جاتی رہی تو وہ بارگاہ الٰہی میں پلٹ کر گئے اور عرض

کیا کہ اپنے ایسے بندہ کے پاس آپ نے مجھے بھیجا جو موت کو نہیں چاہتا اور میری آنکھ پھوڑ دی۔ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھ واپس فرمائی اور فرمایا جاؤ میرے بندہ سے کہو کہ تم ابھی اگر زندہ رہنا چاہتے ہو تو اپنا ہاتھ کسی بیل کی پشت پر رکھو تو جتنے بال کو تمہارا ہاتھ ڈھانک لے گا ہر بال کے حساب سے ایک ایک سال زندگی گزار سکتے ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ پھر اس کے بعد کیا ہوگا؟ جواب ملا پھر موت آئے گی۔ انہوں نے کہا کہ تو پھر ابھی آ جائے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ درخواست کی کہ میرے پروردگار ارض مقدس (سرزمین فلسطین) سے مجھے اتنا قریب کر دے (کہ مجھ میں اور اس میں اتنا ہی فاصلہ رہے) جو کسی پتھر کے پھینکنے سے قطع ہو سکتا ہو۔ (حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے) حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں وہاں ہوتا تو تم لوگوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر دکھاتا جو سرخ رنگ والے ٹیکرے کے پاس راستہ کے ایک طرف ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی اختیار دیا گیا اور ان کی مرضی معلوم کرنے کے بعد موت طاری ہوئی

"فیہ دلالۃ ان موسیٰ علیہ السلام اما خیرہ اللہ تعالیٰ اختارہ الموت شوقاً الی لقاء ربہ تعالیٰ کما خیر نبینا ﷺ فقال الرفیق الاعلیٰ" یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اختیار عطاء فرمایا تو انہوں نے موت کو اللہ سے ملنے کے شوق میں اختیار فرمایا جیسے رسول اللہ ﷺ کو جب اختیار دیا گیا تو آپ نے رفیق اعلیٰ کی رفاقت اختیار فرمائی۔ (حاشیہ ۲ بخاری ج ۱ بحوالہ عینی شرح بخاری ص ۴۸۴ مطبوعہ ہند)

"وقد کان موسیٰ علیہ السلام علم انہ لا یقبض حتی یخیر" موسیٰ علیہ السلام کو علم تھا کہ اختیار دیئے جانے کے بعد روح قبض کی جائے گی۔ (حاشیہ ۱۰ بخاری ج ۱ بحوالہ قسطلانی شرح بخاری ص ۱۷۸ مطبوعہ ہند)

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ان مستندانہ اور متعدد روایات[1] سے معلوم ہوا کہ کامل انسانوں کا وہ مخصوص طبقہ جن کی صفت حاملین وحی ہے اور جو انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے نام سے متعارف ہیں۔ ان کی دنیاوی آخری زندگی کی پسندیدگی کے بارے میں اذاقت موت سے پہلے اختیار دیا جاتا ہے اور ان سے ان کی مرضی معلوم کی جاتی ہے اور باوجود اس کے کہ سنت امامت کے تحت ان پر بھی موت طاری ہوتی ہے اور وہ بھی لذت مرگ سے آشنا کیے جاتے ہیں۔ لیکن ان کی اس سے پہلے کی یہ حالت یعنی اختیار دیا جانا ان ہی کے لئے مخصوص ہے۔ وہ اس بارے میں سب سے مستثنیٰ اور ممتاز ہیں۔

طریان موت کے بعد عامۃ الناس اور اخص الناس میں خصوصی امتیاز

اسی طرح اذاقت موت کے بعد جسد انسانی کو قبر میں جو عارضی اور وقتی حیات عطاء کر کے واپس لے لی جاتی ہے۔[2] کیا عامۃ الناس کی طرح بلا استثناء مؤمنین کے ہر طبقہ کے ساتھ اذاقت موت کے بعد ایسا ہی ہوتا ہے یا لذت مرگ سے آشنا ہونے کے بعد بعض مخصوص طبقوں کو ہمیشہ کے لئے کامل حیات بخشی جاتی ہے۔

---

[1] اس مضمون کی روایتیں خود صحیح بخاری میں مختلف اور متعدد طرق سے اور بھی موجود ہیں اور صحاح کی دوسری کتابوں میں بھی۔

[2] عامۃ الناس پر قبر کے سوال و جواب کے بعد موت کا طاری ہو جانا جو قیامت تک مستمر اور باقی رہے۔ اس کی سند (۱) "واما سائر الخلق فانہم یموتون فی القبور ثم یحیون یوم القیامۃ و مذہب اہل السنۃ والجماعۃ ان فی القبر حیاۃ و موۃ" (عمدۃ القاری شرح بخاری للعلامہ عینی ج ۷ ص ۶۰۰) (۲) و بر ہر تقدیر از اقوال ایشاں ظاہر می شود کہ مردہ را بعد از سوال و جواب و نمودن جائے نشست او در بہشت و دوزخ و فتح باب آں۔ بمیراند و در وقت بعث زندہ می گردانند۔ (اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۲۹)

کتاب وسنت کے نصوص بتاتے ہیں کہ جس طرح لذت مرگ سے آشنا ہونے سے پہلے انبیاء علیہم کا حال عامۃ الناس سے مختلف اور علیحدہ ہے، اسی طرح اس کے بعد بھی اللہ کے بندوں میں سے بعض مخصوص طبقوں کا حال تمامی عالم سے ممتاز اور جداگانہ ہے۔

نص قرآنی سے استدلال

(۱) شہداء کی حیات بعد الممات

اللہ تعالیٰ کے منعم علیہم (انعام یافتہ) بندوں، نبیین، صدیقین، شہداء، صالحین میں سے بعض چند طبقوں کے متعلق ارشاد ہے: ''ولاتقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لاتشعرون (البقرۃ: ۱۵۴)'' اور تم ان کو مردہ نہ کہو جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں، بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم کو اس کی سمجھ نہیں۔

دوسری جگہ فرمایا گیا: ''ولاتحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتاً بل احیاء عند ربھم یرزقون (آل عمران: ۱۶۹)'' اور ان کو تم مردہ نہ گمان کرو جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے پاس رزق دیئے جاتے ہیں۔

ان دونوں آیتوں میں احیاء کا حکم ''قتل فی سبیل اللہ'' پر ہے۔ مطلقاً ہر قتل کے لئے یہ حکم نہیں ہے۔ بلکہ اس قتل کے لئے ہے جو ''فی سبیل اللہ'' یعنی جہاد کی حالت میں ہو مطلب یہ ہے کہ جہاد میں ''انتہائی جسمانی اذیت جو ''قتل'' ہے۔ اگر کسی مومن کو کافر کے ہاتھوں پہنچے گی تو اللہ تعالیٰ کی جناب سے اس کو یہ مرتبہ ملے گا کہ شرعاً (۱) اس کو ''اموات'' کہنا اور ''اموات'' سمجھنا غلط ہوگا۔ (۲) بلکہ ایسے تمام لوگ ''احیاء'' ہیں۔ جن کو اللہ کی جناب سے رزق دیا جاتا ہے۔

(۲) انبیاء علیہم السلام کی حیات بعد الوفات

یہ ان آیتوں کی عبارۃ النص ہے اور اس عبارۃ النص کے لئے لازم معنی یہ ہیں کہ باب جہاد میں وہ انتہائی اذیت جو جسمانی انتہائی اذیت سے بڑھ کر ہوگی وہ اس عبارۃ النص کے حکم میں دلالۃ النص کے اعتبار سے بدرجہ اولیٰ داخل ہوگی اور وہ روحانی انتہائی اذیت ہے جو کفار کے ہاتھوں انبیائے کرام کو پہنچتی ہے اور وہ اس کو جھیل جاتے ہیں۔ قرآن کریم نے اس کو جہاد اکبر کہا ہے۔[1]

---

[1] اور مکی زندگی میں حضور ﷺ بحکم ''جاھدھم بہ جھاداً کبیراً (الفرقان: ۵۲)'' اسی جہاد میں مشغول تھے۔ (۲) سورۃ آل عمران کی مذکورہ آیت کریمہ کے لفظ فی سبیل اللہ سے علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے عمومیت کا فائدہ اٹھایا ہے اور اس کو اس میں داخل کیا ہے جو کسی امر خیر میں مرا ہو، ان کی پوری عبارت یہ ہے: ''فی سبیل اللہ یعنی فی الجھاد لفظ فی سبیل اللہ عام یشتمل من مات فی شئ من امور الخیر غیر ان لفظ القتل لایشتملہ عبارۃ لکن یدخل فیہ بدلالۃ النص بالطریق الاولیٰ'' اللہ کی راہ میں یعنی جہاد میں لفظ فی سبیل اللہ عام ہے جو امر خیر میں مرنے والوں کو بھی شامل ہے۔ مگر لفظ قتل ان کو عبارۃ النص کے اعتبار سے شامل نہیں ہے۔ لیکن دلالۃ النص کے اعتبار سے اس حکم میں وہ بدرجہ اولیٰ داخل ہوا۔ لفظ قتل کے دلالۃ النص سے انبیاء علیہم تو اس حکم میں بطریق اولیٰ داخل ہیں۔ کیونکہ شہداء پر ان کی اوّلیت وافضلیت مسلم ہے۔ لیکن شہداء پر ہر امر خیر میں مرنے والے کی اوّلیت قابل بحث ہے۔ لہٰذا ان کا بحیثیت دلالۃ النص کے اس حکم میں داخل ہونا قابل بحث ہوگا۔

دلالۃ النص سے استشہاد

بہرحال ''بل احیاء عند ربھم یرزقون (آل عمران: ۱۶۹)'' کا حکم قرآن کریم کے نص قطعی سے بلحاظ عبارۃ النص شہداء کے لئے ثابت ہے اور یہی حکم باعتبار دلالۃ النص کے بطریق اولی انبیاء علیہم کے لئے ثابت ہے۔ علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اپنی تفسیر مظہری میں اس کی طرف ان لفظوں میں اشارہ کیا ہے: ''غیر ان لفظ القتل لایشتملہ عبارۃ لیکن بدلالۃ النص یدخل فیہ بالطریق الاولی'' لفظ قتل غیر شہداء کو (مثلا انبیاء علیہم کو) عبارۃ النص کے اعتبار سے شامل نہیں ہے۔ مگر دلالۃ النص کے اعتبار سے اس حکم میں وہ بدرجہ اولی داخل ہیں۔

(تفسیر مظہری ج ۲ ص ۸۷۴ مطبوعہ مطبع الغریب حصار)

حاصل یہ کہ کامل انسانوں کے ان چند طبقوں کے لئے موت طاری ہونے کے بعد حیات جاودانی حاصل ہونے کی وضاحت نص قرآنی سے ہوتی ہے۔ چنانچہ تمام متداول تفسیروں میں اس کی تصریح موجود ہے۔

قاضی بیضاوی اپنی تفسیر انوار التنزیل واسرار التاویل میں فرماتے ہیں: ''وھم انھم اذا ماتوا وقتلوا کانوا احیاء'' اور وہ یہ ہے کہ جب یہ لوگ مر گئے یا مارے گئے تو زندہ ہوگئے۔ (تفسیر بیضاوی ج ۱ ص ۱۶۳، نول کشور)

امام فخر الدین رازی اپنی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں: ''والمقتول فی سبیل اللہ احیاہ اللہ بعد القتل وخصہ بدرجات القربۃ والکرامۃ واعطاہ افضل انواع الرزق'' اور جو اللہ کی راہ میں مارا گیا اس کو اللہ تعالی نے مرنے کے بعد زندہ کر دیا اور قرب و کرامت کے درجوں کے ساتھ مختص کیا اور سب سے افضل قسم کا رزق ان کو عطاء کیا۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۳ مطبوعہ مصر)

دوسرے مقام پر امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں: ''فانہ لا یبعد انہ لما مات البدن انفصل ذالک الشیئ حیاً وان قلنا انہ اماتہ اللہ الا انہ تعالی یعید الحیاۃ الیہ'' اس لئے کہ یہ بعید نہیں کہ مرنے کے بعد بدن سے حیات جدا ہو جاتی ہے اور اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ اللہ نے اس کو مار دیا۔ مگر پھر اللہ تعالی حیات کو بدن کی طرف لوٹاتا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۳۹ مطبوعہ مصر)

مفسرین کرام کے ان اقوال نے بتایا کہ عام انسانوں کی طرح انعام یافتہ طبقہ پر بھی موت طاری ہوتی ہے۔ یہ طبقہ بھی طریان موت اور اذاقت موت سے مستثنی نہیں ہے۔ لیکن اذاقت موت کے مرحلہ کے بعد ان کو حیات بخشی جاتی ہے۔

شہداء کی حیات بعد الممات کی نوعیت روحانی ہے یا جسمانی

اب دیکھنا ہے کہ یہ حیات کس نوعیت کی ہے۔ علامہ علاء الدین الخازن اپنی تفسیر لباب التاویل فی معنی التنزیل مشہور بہ خازن میں آیت: ''ولا تحسبن الذین قتلوا'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''اختلفوا فی معنی ھذہ الحیاۃ ھل ھی للروح او للروح والجسم معا فمن اثبت الحیاۃ للروح دون الجسم قال یدل علی ذالک قولہ ﷺ ارواح الشہداء فی حواصل طیر خضر فخص الارواح دون الاجساد ومن اثبت الحیاۃ للروح والجسم معاً قال یدل علیہ سیاق الایۃ وھو قولہ تعالی عند ربھم یرزقون فاخبر اللہ سبحانہ وتعالی انھم یرزقون ویاکلون ویتنعمون کالاحیاء وقیل ان الشہید لا یبلی فی قبرہ ولا تاکلہ الارض کغیرہ'' لوگوں کو

اختلاف ہے اس حیات کے معنی میں کہ کیا حیات صرف روح کے لئے ہے یا روح وجسم دونوں کے لئے تو جن لوگوں نے حیات کو صرف روح کے ثابت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اس کی دلیل حضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے پیٹ میں ہیں تو روحیں حیات کے لئے مخصوص ہوئیں نہ جسم اور جس نے حیات کو روح وجسم دونوں کے لئے ثابت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اس کی دلیل سیاق آیت سے ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ''عند ربھم یرزقون'' (اپنے رب کے پاس روزی دیئے جاتے ہیں) ہے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خبر دی کہ وہ لوگ روزی دیئے جاتے ہیں، کھاتے ہیں اور نعمت پاتے ہیں۔ زندوں کی طرح اور کہا گیا ہے کہ شہید اپنی قبر میں بوسیدہ نہیں ہوتے اور ان کو زمین نہیں کھاتی ہے دوسروں کی طرح۔ (تفسیر خازن ج ۱ ص ۳۲۳ مطبوعہ مصر)

امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں: ''واما الوجه الثانی من الوجوه المحتملة فی هذه الاية ان المراد ان الشهداء احياء فی الحال والقائلون بهذا القول منهم من اثبت هذه الحياة للروح ومنهم من اثبتها للبدن'' اس آیت میں جو وجہیں ہوسکتی ہیں ان میں سے دوسری وجہ یہ ہے کہ مراد یہ کہ شہداء زندہ ہیں اسی وقت سے اور جو لوگ اس کے قائل ہیں ان میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے حیات کو روح کے لئے ثابت کیا ہے اور بعض وہ ہیں جنہوں نے حیات کو بدن کے لئے ثابت کیا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۳۹ مطبوعہ مصر)

ائمہ مفسرین کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ اس امر متفق علیہ کے بعد کہ اذاقت موت کے لئے بعض طبقوں کو حیات حقیقی جاودانی حاصل ہوتی ہے۔ چونکہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ حیات صرف ان کی روح کے لئے ہے یا روح وجسم دونوں کے لئے۔ اس بناء پر ائمہ متقدمین اور اکابر علماء کا اس بارے میں دو مسلک ہے۔ ایک حیات روحی، دوسرے حیات جسدی اور دونوں کے پاس کتاب وسنت کے دلائل وشواہد ہیں۔

حیات روحانی پر ایک اشکال اور اس کے جواب پر تنقید اور مستند حوالے

حیات روحی کے مسلک پر جو مشہور اشکال ہے کہ صرف روح کی حیات کسی خاص طبقہ کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ عامہ مؤمنین بلکہ عامۃ الناس کی روحیں موت کے بعد زندہ رہتی ہیں۔ اس میں انبیاء اور شہداء کی تخصیص نہیں اور سیاق آیت تخصیص کا مقتضی ہے۔ جواباً جو کہا گیا ہے اور قاضی بیضاوی نے بھی لکھا ہے کہ قرب درجہ اور فضیلت کرامت کی وجہ سے ان کو تخصیص حاصل ہے۔ یہ حقیقۃً محل غور ہے۔ کیونکہ فحوائے کلام اللہ اور مقتضائے آیت سے اس کی تائید نہیں ہوتی کہ فضل وکرامت کے باعث ان کو احیاء سے محض تعبیر کردیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ قطعی اور واقعی امر ہے کہ محض احیاء سے ان کی تعبیر مقصود نہیں ہے بلکہ آیت کا اطلاق اور اس کا سیاق، ان کی حیات کو کامل طور پر ثابت کررہا ہے۔

ملا احمد جیون اپنی تفسیر احمدی میں فرماتے ہیں: ''وحاصل الکلام فی هذا المقام ان الاية ان اجريت علی ظاهرها فی حق الشهداء خاصة کانت دليلا واضحا علی کونهم احياء ذائقين لذة التنعيم'' اس مقام میں خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر آیت کو اس کے ظاہری معنی پر اطلاق کیا جائے تو شہداء کے حق میں خاص کر یہ دلیل واضح ہے ان کے زندہ ہونے کی ایسی زندگی کہ وہ نعمتوں کی لذت کا ذوق واحساس رکھتے ہیں۔ (تفسیر احمدی ص ۳۶ مطبوعہ ہند)

بہر حال قطع نظر اس سے کہ حیات روحی وحیات جسدی میں صحیح مسلک کون سا ہے۔ یہ مسلم ہے کہ ان کو حیات حاصل ہے اور ایسی حیات جو ائمہ مفسرین کے اقوال کے مطابق قریباً حیات جسدی ہے۔ ملاحظہ ہو: ''بل

احیاء عند ربھم مقربون عندہ ذو زلفی یرزقون مثل ما یرزق سائر الاحیاء ویأکلون ویشربون وھو تاکید لکونھم احیاء ووصف لحالھم التی ھم علیھا من التنعم برزق اللہ" بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، مقرب ہیں اللہ کے نزدیک قرب و مرتبہ کے ساتھ رزق دیئے جاتے ہیں جیسا کہ تمام زندوں کو روزی دی جاتی ہے وہ کھاتے ہیں اور پیتے ہیں اور یہ ان کے زندہ ہونے کی تاکید ہے اور جس حال پر وہ ہیں یعنی اللہ کے رزق سے نعمت پانا اس کی یہ صفت ہے۔ (تفسیر مدارک التنزیل ج ۱ ص ۲۲۳ مطبوعہ مصر)

"وبالجملۃ فحیوۃ الشھداء قدر مایذوق النعیم معلومۃ بالنص القطعی" اور خلاصہ یہ کہ شہداء کی ایسی حیات جس سے نعمتوں کا ذوق واحساس ہو، نص قطعی سے معلوم ہوئی۔ (تفسیر احمدی ص ۳۶ مطبوعہ ہند)

"پس در حقیقت حیات ایشاں اتم از حیات دنیوی است" "ولکن لا تشعرون" ولیکن شما شعور ندارید کہ ایشاں ہنوز در ترقی اعمال و در تمتعات وتلذذات بدنی با شما شریک اند بلکہ از شما زیادہ تر و فزوں تر۔ بایں جہت کہ آں ابدان ایشاں از نظر شما غائب اند و در عالم دیگر ورائے عالم شما رزق ایشاں و سیر و دور ایشاں مقرر است۔" تو ان لوگوں کی (شہدا کی) حیات دنیوی حیات سے زیادہ کامل ہے اور لیکن تم کو اس کا شعور نہیں ہے۔ یعنی لیکن تم شعور نہیں رکھتے ہو کہ یہ لوگ اب تک اعمال کی ترقی اور بدنی نفع اندوزی ولذت شناسی میں تم لوگوں کے شریک ہیں بلکہ تم سے بہت زیادتی اور اضافہ کے ساتھ اسی سبب سے کہ ان لوگوں کے وہ ابدان تمہاری نظر سے غائب ہیں اور تمہارے عالم کے ماوراء، دوسرے عالم میں ان لوگوں کا رزق اور سیر کرنا اور گھومنا متعین ہے۔

(تفسیر فتح العزیز حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی ص ۵۶۰ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی)

ائمہ سلف کی اکثریت نے حیات جسمانی کو ترجیح دی ہے

"قولہ بل احیاء حیوۃ الشھداء ثابتۃ فی الآیات والاحادیث وقد اختلفوا فیھا فذھب کثیر من السلف الی انھا حیاۃ حقیقۃ بالروح والجسد ولکنالاندرکھا ولا نعلم حقیقتھا لانھا من احوال البرزخ التی لا یطلع علیھا" بلکہ وہ زندہ ہیں، شہداء کی حیات، آیات واحادیث میں ثابت ہے اور اس میں لوگوں کا اختلاف ہے تو اکثر ائمہ سلف کا مسلک یہ ہے کہ ان کی حیات حقیقی ہے روح اور جسم کے ساتھ۔ لیکن ہم اس کا ادراک نہیں کر سکتے اور اس کی حقیقت نہیں جانتے۔ کیونکہ وہ برزخ کے ان احوال سے ہے جس سے کوئی واقف نہیں ہے۔

(اکلیل شرح مدارک التنزیل از علامہ عبد الحق مکی ج ۲ ص ۶۹ مطبع اکلیل المطابع)

اگر ایک طرف یہ تصریحات، انعام یافتہ بندوں کے بعض مخصوص طبقوں (انبیاء اور شہداء کے لئے نص سے اس حیات کے ثبوت کی وضاحت کر رہی ہیں جو قریب قریب حیات جسدی ہے تو دوسری طرف ان تصریحات سے اس کی بھی وضاحت ہوگئی کہ باوجود حیات روحی اور حیات جسدی کے اختلاف کے ائمہ سلف کی اکثریت نے حیات جسدی کو ترجیح دی ہے اور علمائے امت کی اکثریت کا مختار مسلک بھی ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی حیات پر نص قطعی سے ثبوت کے بعد ایک اور طریقہ سے ثبوت

اگرچہ مذکورہ بالا تصریحات میں نص قطعی سے منعم علیہم بندوں میں انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے لئے حیات ثابت ہے۔ تاہم اس لحاظ سے بھی دیکھا جائے کہ انعام یافتہ بندوں میں انبیاء کا طبقہ قرآن کریم کے نص قطعی کی بناء

پر اوّلیت کے مرتبہ پر فائز ہے اور جس کو علم، عمل، کمال فضل، قرب درجہ ہر حیثیت سے افضلیت واوّلیت کا مقام حاصل ہے تو اس کے لئے ایسی حیات جو اس سے بھی اعلیٰ ہو بدرجہ اولیٰ اور بدرجہ اتم ثابت ہوتی ہے۔

ارشاد ربانی ہے: "من یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین وحسن اولئک رفیقا (النساء: ۶۹)" جو حکم مانے اللہ کا اور رسول کا تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جن پر اللہ نے انعام کیا۔ یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین اور ان لوگوں کی رفاقت اچھی ہے۔

اس کی تفسیر میں قاضی بیضاوی فرماتے ہیں: "قسمهم الله تعالیٰ اربعة اقسام بحسب منازلهم في العلم والعمل وحث كافة الناس على ان لا يتاخروا عنهم وهم الانبياء الفائزون ثم الصديقون ثم الشهداء ثم الصالحون" اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تقسیم کی ہے چار قسموں پر علم وعمل میں ان کے مراتب کے لحاظ سے اور عامۃ الناس کو آمادہ کیا ہے اس پر کہ وہ ان سے پیچھے نہ رہیں اور وہ انبیاء ہیں، پھر صدیقین، پھر شہداء، پھر صالحین۔

(بیضاوی ج۱ ص ۱۹۰)

امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں: "فثبت ان افضل الخلق هم الانبياء وبعدهم الصديقين وبعدهم من ليس له درجة الا محض درجة الشهادة وبعدهم من ليس لهم الا محض درجاة الصلاح" تو ثابت ہوا کہ افضل خلق انبیاء ہیں اور ان کے بعد صدیقین اور ان کے بعد وہ جن کا سوائے درجہ شہادت کے کوئی درجہ نہیں ہے (یعنی شہداء) اور ان کے بعد وہ جن کا سوائے درجہ صلاح کے کوئی درجہ نہیں۔ (یعنی صالحین)　(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۳۸۲)

کلام ربانی کے تصریح مراتب اور ائمہ مفسرین کے تقسیم مراتب وتوضیح منازل سے معلوم ہوا کہ اوّلیت وافضلیت کا مرتبہ مجموعی اور کلی حیثیت سے طبقہ انبیاء کو حاصل ہے۔ اس کے بعد صدیقین کو پھر شہداء کو اور چونکہ یہ مسلّم ہے کہ "لان منازل الانبياء فوق منازل الشهداء" انبیاء علیہم السلام کے درجہ شہداء کے درجہ سے بلند وبالا ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۴۳ مطبوعہ ہند)

اس لئے فرد ادنیٰ (یعنی شہداء کے لئے جس حکم کا ثبوت نص قرآنی سے ہوتا ہے، فرد اعلیٰ (یعنی انبیاء کے لئے اس کا علی وجہ الکمال ثبوت بدرجہ اتم ہوا۔ اس بارے میں مفسرین اور ائمہ متقدمین کے حوالے ملاحظہ ہوں۔

انبیاء کی حیات شہداء کی حیات سے زیادہ قوی ہوتی ہے

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں: "والحق عدم اختصاصها اى الحيوة بهم اى بالشهداء بل حياة الانبياء اقوى منهم واشد ظهوراً وآثارها فى الخارج حتى لا يجوز النكاح بازواج النبي ﷺ بعد وفاته بخلاف الشهيد. والصديقون ايضاً اعلى درجة من الشهداء والصالحون يعني الاولياء ملحقون بهم كما يدل عليه الترتيب في قوله تعالى من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين" اور مسلک حق یہ ہے کہ حیات شہداء کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ انبیاء کی حیات ان سے زیادہ قوی ہے۔ اس کا ظہور زیادہ ہے، اس کے آثار خارج میں ہیں۔ حد یہ ہے کہ نبی ﷺ کی بیویوں سے، بعد وفات کے نکاح جائز نہیں ہے۔ بخلاف شہید کے اور صدیقین بھی شہداء سے درجہ میں بلند ہیں اور صالحین یعنی اولیاء ان کے ملحق ہیں۔ جیسا کہ کلام اللہ

کی ترتیب بتاتی ہے۔ من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین! (تفسیر مظہری پارہ سیقول ص ۹ مطبوعہ ہند)

علامہ عبدالحق کی اکلیل شرح مدارک التنزیل میں بعینہٖ یہی فرماتے ہیں: "والحق عندی عدم اختصاص الحیاۃ بالشھداء بل حیاۃ الانبیاء اقوی منھم الی اخرھا" اور میرے نزدیک یہ ہے کہ حیات شہداء کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ انبیاء کی حیات ان سے زیادہ قوی ہے۔ (آخر تک وہی جو تفسیر مظہری میں ہے)

(اکلیل شرح مدارک التنزیل ج ۲ ص ۰۷ مطبوعہ اکلیل انطابع رسڑا)

علامہ جلال الدین سیوطی ﷫ ارشاد فرماتے ہیں: "وقد قال اللہ تعالٰی فی الشھداء ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون والانبیاء اولی بذالک فھم اجل واعظم وقل نبی الا وقد جمع مع النبوۃ وصف الشھادۃ فیدخلون فی عموم لفظ الاٰیۃ" اور اللہ تعالٰی نے شہداء کے بارے میں فرمایا ہے ان کو تم مردہ گمان نہ کرو جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں، بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس رزق پاتے ہیں تو انبیاء اس کے زیادہ مستحق ہیں۔ کیونکہ وہ ان سے زیادہ بزرگ و برتر ہیں اور ایسے نبی کم ہیں جن میں نبوت کے ساتھ شہادت جمع نہ ہو۔ اس لئے ویسے بھی انبیاء آیت کے عموم میں داخل ہیں۔

اس کے بعد علامہ سیوطی نے حضرت ﷺ کے وصف شہادت کے بیان میں صحیح بخاری کی یہ حدیث نقل کی ہے: "قالت کان النبی ﷺ یقول فی مرضہ الذی مات فیہ یا عائشۃ ما ازال اجد الم الطعام الذی اکلت بخیبر فھذا اوان وجدت انقطاع ابھری من ذالک السم" حضرت عائشہ ﷞ نے فرمایا کہ حضرت ﷺ اپنے مرض میں جس میں آپ نے وفات پائی یہ فرماتے تھے۔ اے عائشہ ﷞! میں برابر اس کھانے کی اذیت محسوس کرتا ہوں جو خیبر میں کھایا تھا تو اب مجھے معلوم ہوتا ہے کہ اس زہر کی وجہ سے میری جان کے ختم ہونے کا وقت آ گیا۔

(بخاری ج ۲ ص ۷۶۳، انباہ الاذکیاء فی حیاۃ الانبیاء ص ۵ مطبوعہ حیدرآبادی)

اپنی اسی تصنیف انباہ الاذکیاء فی حیاۃ الانبیاء میں علامہ سیوطی فرماتے ہیں: "ویدل علی ذالک ان الشھداء بعد قتلھم وموتھم احیاء عند ربھم یرزقون فرحین مستبشرین وھذا صفۃ الاحیاء فی الدنیا فاذا کان فی الشھید فالانبیاء احق بذالک واولی" اور یہ اس کی دلیل ہے کہ شہداء بعد قتل اور موت کے زندہ ہیں اپنے رب کے پاس، روزی پاتے ہیں، خوش ہیں، خوشی مناتے ہیں جو لوگ دنیاوی زندگی گزار رہے ہیں۔ یہ ان کے اوصاف ہیں تو جب یہ صفت شہید کے حق میں آئی تو انبیاء اس کے زیادہ مستحق ہیں۔ (انباہ الاذکیاء فی حیاۃ الانبیاء ص ۶ مطبوعہ حیدرآباد)

علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں: "پس حیات ایشاں علیہم اخص واکمل واتم از حیات شہداء باشد چنانچہ مذہب مختار ومنصور است۔" تو ان لوگوں کی (یعنی انبیاء) کی حیات، شہداء کی حیات سے اخص واکمل اور اتم ہے۔ چنانچہ مختار ومنصور مسلک یہی ہے۔ (جذب القلوب الی دیار المحبوب ص ۱۸۵ مطبوعہ مطبع نول کشور کانپور)

اپنی اسی تصنیف میں شیخ محدث دہلوی انبیاء کی حیات پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "محقیقت تر از حیات شہداء کہ در کلام مجید از وے خبر دادہ است وکیف لا وآنحضرت ﷺ سید الشہداء است واعمال شہداء در میزان اوست" از ر (انبیاء کے لئے) شہداء کی حیات سے زیادہ حقیقی حیات جس کی کلام مجید میں خبر دی گئی ہے اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ آنحضرت ﷺ تمام شہداء کے سردار ہیں اور شہداء کے جملہ اعمال آپ کے میزان عمل میں موجود ہیں۔

(جذب القلوب الی دیار المحبوب ص ۱۸۳ مطبوعہ مطبع نولکشور کانپور)

مفسرین کرام، ائمہ متقدمین، اکابر علماء کی ان تصریحات سے جہاں یہ واضح ہوا کہ نص قرآنی سے انبیاء علیہم السلام کی حیات کا ثبوت ملتا ہے۔ وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ نہ صرف یہ کہ انبیاء کی حیات ثابت بالنص ہے بلکہ بلحاظ اولیت مقام وافضلیت درجہ انبیاء علیہم السلام کو شہداء سے اقویٰ اور کامل تر حیات حاصل ہے۔ اس لئے جمہور ائمہ مفسرین اور علماء متقدمین کے اقوال کی بناء پر جب شہداء کو حیات جسدی حاصل ہے تو انبیاء علیہم السلام کو اس سے اقویٰ یعنی حیات جسدی، حسّی، حقیقی حاصل ہوئی اور بعض مفسرین کے اس قول کی بناء پر بھی (جو قول مرجوح ہے) کہ شہداء کو روحی حیات حاصل ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے لئے بلحاظ اولیت وافضلیت اس سے اقویٰ اور اکمل حیات تسلیم کی جائے گی۔ لیکن قول مرجوح کی بنا پر اس حیات کا جسدی اور حقیقی حسّی ہونا محتاج ثبوت رہے گا۔ جس کو کتب صحاح کی مستند حدیثیں ثابت کرتی ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کی حقیقی جسمانی حیات پر احادیث سے استشہاد

(۱) حضرات انبیاء کے اجساد کا کھانا زمین کے لئے حرام ہے

”عن اوس بن اوس قال قال رسول اللہ ﷺ ان من افضل ایامکم یوم الجمعة فیه خلق آدم و فیه قبض و فیه النفخة و فیه الصعقة فاکثروا علیّ من الصلوٰة فان صلوٰتکم معروضة علیّ قالوا یا رسول اللہ! و کیف تعرض صلوٰتنا علیک و قد ارمت قال یقولون بلیت قال ان اللہ حرّم علی الارض اجساد الانبیاء“[۱] اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے دنوں میں سب سے افضل جمعہ کا دن ہے کہ اس روز حضرت آدم پیدا کئے گئے اور اسی روز وفات پائی اور اسی روز نفخ صور ہوگا اور اسی روز لوگوں کو بیہوشی ہوگی تو اس روز تم لوگ مجھ پر درود زیادہ بھیجو۔ اس لئے کہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جائے گا۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے درود آپ پر کیونکر پیش کئے جائیں گے۔ حالانکہ قد ارمت، راوی کہتے ہیں کہ منشا یہ تھا کہ آپ بوسیدہ ہو جائیں گے۔ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے لئے انبیاء کے اجسام کو حرام کر دیا ہے۔

---

[۱] ”قال میرک ورواه ابن حبان فی صحیحه والحاکم وصححه وزاد ابن حجر بقوله وقال صحیح علی شرط البخاری ورواه ابن خزیمة فی صحیحه۔ قال النووی اسناده صحیح وقال المنذری له علة دقیقة اشار الیها البخاری نقله میرک قال ابن دحیة انه صحیح بنقل العدل عن العدل و من قال انه منکر او غریب لعلة خفیة فقد استرد ح لان الدار قطنی ردها“ میرک نے کہا کہ اس حدیث کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور حاکم نے روایت کیا اور اس کی صحت بیان کی اور ابن حجر نے یہ اضافہ کیا کہ یہ صحیح ہے بخاری کی شرط کے مطابق اور ابن خزیمہ نے اس کو اپنی صحیح میں روایت کیا۔ امام نووی نے کہا کہ اس کی سند صحیح ہے۔ منذری نے کہا کہ اس میں ایک خفیف علت ہے جس کی طرف بخاری نے اشارہ کیا ہے۔ میرک نے اس کو نقل کیا ہے۔ ابن دحیہ نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ اس میں عادل کی روایت عادل سے ہے اور جس نے کہا کہ یہ منکر ہے یا کسی پوشیدہ علت کی وجہ سے غریب ہے تو اس نے نہایت پوچ بات کہی۔ کیونکہ دار قطنی نے اس کی تردید کی ہے۔ (مرقاۃ) ”اخرجه ابن حبان فی صحیح والحاکم صححه وذکر البیهقی له شواهد۔ (خلاصة الوفا باخبار دار المصطفیٰ للعلام السمهودی ص ۸۴) ابن حبان نے اپنی صحیح میں اس حدیث کی تخریج کی ہے اور حاکم نے بھی اور اس کے صحیح ہونے کی صراحت کی ہے اور بیہقی نے اس کے شواہد کا ذکر کیا ہے۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۱۵۱، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، دعوات کبیر، بیہقی، مشکوۃ المصابیح کتاب الصلوۃ باب الجمعہ ص ۱۱۰)

اس حدیث کی شرح میں علامہ عبدالحق محدث دہلوی لمعات (قلمی) شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں: "قوله ان الله حرم على الارض اجساد الانبياء كناية عن حياتهم كما ياتى من حديث ابى الدرداء والمذهب ان الانبياء احياء حيوة حقيقة دنياوية وقد حققنا هذه المسئلة فى تاريخ المدينة" یہ ارشاد کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے لئے انبیاء کے اجساد حرام کردیئے ہیں۔ یہ انبیاء علیہم کی حیات سے کنایہ ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوالدرداء کی حدیث میں آئے گا اور مسلک یہی ہے کہ انبیاء زندہ ہیں ایسی زندگی جو حقیقی دنیاوی ہے اور ہم نے اس مسئلہ کی تحقیق تاریخ مدینہ میں کی ہے۔ (لمعات (قلمی) شرح مشکوٰۃ ج ۱، مؤلفہ علامہ عبدالحق محدث دہلوی نسخہ قلمی موقوفہ کتب خانہ مجیبیہ پھلواری شریف)

ملا علی قاری اس حدیث کی شرح میں مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں: "قال اى رسول الله ﷺ ان الله حرم على الارض اى منعها وفيه مبالغة لطيفة اجساد الانبياء اى ان تاكلها فان الانبياء فى قبورهم احياء قال السيد جمال الدين لا حاجة فى وجه مطابقة الجواب الى هذا التطويل فان الله حرم الخ مقابل قوله فقد ارمت، فمحصل الجواب ان الانبياء احياء فى قبورهم فيمكن لهم سماع صلوٰة من صلى عليهم تامل تم كلامه فتامل فى كلامه فان الذى ذكره الطيبى من السوال والجواب غايته انه على وجه التوضيح والاطناب واما قوله فان قوله ان الله حرم مقابل قوله وقد ارمت كلام حسن لا يحتاج الى بيان وهو ان الصحابة سألوا بيان كيفية العرض بعد اعتقاد جواز ان العرض كائن لا محالة القول الصادق فان صلٰوتكم معروضة علىّ لكن حصل لهم الاشتباه ان العرض هل هو على الروح المجرد او على المتصل بالجسد وحسبوا ان جسد النبى كجسد احد فكفى فى الجواب ما قاله على وجه الصواب واما على ما قدمه الطيبى فانما يفيد حصر العرض والسماع بعد الموت بالانبياء وليس الامر كذالك فان سائر الاموات ايضاً يسمعون السلام والكلام وتعرض عليهم اعمال اقاربهم فى بعض الايام نعم ان الانبياء تكون حياتهم على الوجه الاكمل ويحصل لبعض وراثهم من الشهداء والاولياء والعلماء الخط الاوفى بحفظ ابدانهم الظاهرة بل بالتلذذ بالصلٰوة والقراة ونحوهما فى قبورهم الطاهرة الى قيام الساعة الاخرة وهذه المسائل كلها ذكره السيوطى فى كتاب شرح الصدور فى احوال القبور بالاخبار الصحيحة والآثار الصريحة قال ابن حجر واما افاده من ثبوت حياة الانبياء حياة بها يتعبدون ويصلون فى قبورهم مع استغنائهم عن الطعام والشراب كالملائكة امر لا مرية فيه وقد صنف البيهقى جزء فى ذالك" (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۲ کتاب الصلوٰۃ ص ۲۰۹......۲۶۰)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے لئے حرام کردیا ہے یعنی زمین کو روک دیا ہے (اور اس میں لطیف مبالغہ ہے) کہ وہ انبیاء کے اجسام کو کھائے انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ سید جمال الدین نے کہا کہ مطابقت جواب کی وجہ بیان کرنے میں اس طویل عبارت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حرام کردیا ہے آخر تک۔ قول فقد ارمت کے مقابل ہے۔ حاصل جواب یہ ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ ہر اس شخص کا درود وسلام سن سکتے ہیں جو ان پر درود وسلام بھیجے۔ غور کرو، کلام تمام ہوا۔ اب غور کرو ان کے کلام میں اس لئے کہ جس کو حاصل جواب بتایا ہے وہ اس سوال وجواب کا خلاصہ ہے جس کو علامہ طیبی نے بیان کیا ہے۔ انتہا اس کی، وضاحت وطوالت پر مبنی ہے۔ بہرحال یہ کہ آپ کا ارشاد ان اللہ حرم قول قد ارمت کے مقابل ہے تو یہ کلام حسن ہے جو کسی بیان کا محتاج نہیں ہے۔ وہ یہ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے درود وسلام پیش کئے جانے کی کیفیت

پوچھی، اس اعتقاد کے بعد کہ لامحالہ پیش ہوگا۔ کیونکہ صادق کا ارشاد ہے کہ تمہارے درود مجھ پر پیش کئے جائیں گے لیکن ان کو شبہ اس میں ہوا کہ صرف روح کے سامنے پیش کیا جائے گا یا روح مع الجسد کے سامنے اور یہ گمان ہوا کہ نبی کا جسم بھی ہر ایک کے جسم کے طرح ہے تو جو صحیح و درست بات کہی گئی ہے وہ جواب کے لئے کافی ہے اور علامہ طیبی کی گزری ہوئی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ موت کے بعد پیش کیا جانا اور سننا انبیاء کے لئے مخصوص ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ جملہ اموات (تمام مردے) سلام اور کلام کو سنتے ہیں اور ان کے اقارب کے اعمال بعض دن ان کے سامنے پیش ہوتے ہیں۔ ہاں! بے شک انبیاء کی حیات اکمل حیثیت رکھتی ہے اور ان کے بعض وارثوں شہداء، اولیاء علماء کو بھی ان کے اجسام ظاہری کے محفوظ ہونے کا بڑا حصہ ملتا ہے۔ بلکہ نماز و تلاوت اور بعض چیزوں کی قبروں میں اجازت دے کر ان کو حصول لذت کا موقع دیا جاتا ہے اور ان تمام مسائل کو علامہ سیوطی نے شرح الصدور فی احوال القبور میں ذکر کیا ہے۔ صحیح احادیث اور واضح آثار کے ساتھ۔ فرمایا ہے علامہ ابن حجر نے کہ: ”حدیث سے انبیاء کی حیات کا جو ثبوت ملتا ہے وہ ایسی حیات ہے جس کی بناء پر وہ عبادت کرتے ہیں اور اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں۔ باوجود اس کے کہ وہ کھانے پینے سے بے نیاز ہیں جیسے ملائکہ اور یہ وہ مسئلہ ہے جس میں کوئی اختلاف ونزاع نہیں ہے اور امام بیہقی نے اس کے متعلق ایک کتاب بھی لکھی ہے۔“

علامہ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں: ”قال ان اللہ حرم علی الارض اجساد الانبیاء“ گفت بدرستے کہ خدا حرام گردانیدہ است بر زمین تنہائے پیغمبراں را، کنایت است از حیات۔ چنانکہ صریح در فصل ثالث از حدیث ابی الدرداء بیاید و حیات انبیاء متفق علیہ است ہیچ کس را در وے خلافے نیست، حیات جسمانی، دنیاوی حقیقی نہ حیات معنوی روحانی، چنانکہ شہداء راست و دریں حدیث کہ فرمود ان اللہ حرم علی الارض اجساد الانبیاء اشارت است بداں اگرچہ دریں باب کہ عرض صلوۃ و سلام و حصول علم و ادراک است، حیات روحانی نیز کافی است ولیکن مذہب ہماست کہ گفتہ شد و تحقیق ایں مسئلہ در تاریخ مدینہ کہ مسمی است بہ جذب القلوب الٰی دیار المحبوب ذکر کردہ شدہ است از آنجا باید جست۔“ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین کے لئے انبیاء کے اجسام کو حرام کر دیا ہے۔ فرمایا حقیقۃً خدا تعالیٰ نے زمین کے لئے پیغمبروں کے اجسام حرام کر دیئے ہیں۔ یہ کنایہ ہے حیات سے۔ جیسا کہ تیسری فصل میں حضرت ابوالدرداء کی حدیث میں صراحت کے ساتھ آئے گا اور انبیاء کی حیات، متفق علیہ مسئلہ ہے کسی کو اس میں اختلاف نہیں ہے۔ وہ حیات بھی جسمانی دنیاوی حقیقی نہ حیات معنوی روحانی جو شہداء کو حاصل ہے اور اس حدیث میں جو فرمایا ان اللہ حرم علی الارض اجساد الانبیاء وہ اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اگرچہ درود وسلام کے پیش ہونے اور اس کے علم وادراک کے لئے حیات روحانی بھی کافی ہے۔ مگر صحیح مذہب وہی ہے جو کہا گیا۔ (یعنی حیات حقیقی جسمانی) اور اس مسئلہ کی تحقیق تاریخ مدینہ میں جس کا نام جذب القلوب الی دیار المحبوب ہے، ذکر کی گئی ہے، وہاں دیکھنا چاہئے۔ (اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ ج ا کتاب الصلوۃ باب الجمعہ ص ۶۱۳ مطبوعہ مطبع نولکشور لکھنو)

(۲) حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجسام کو زمین نہیں کھاتی وہ زندہ رہتے ہیں روزی پاتے ہیں

”عن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ ﷺ اکثروا الصلوۃ علیّ یوم الجمعۃ فانہ مشھود یشھدہ الملائکۃ وان احدا لم یصل علیّ الا عرضت علیّ صلاتہ حتی یفرغ منھا قال قلت وبعد الموت قال ان اللہ

حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حیٌ یرزق[1]" حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن مجھ پر زیادہ درود بھیجو کیونکہ وہ یوم مشہود ہے ملائکہ اس دن حاضر ہوتے ہیں اور جب بھی کوئی مجھ پر درود بھیجتا ہے تو وہ مجھ پر پیش کیا جاتا ہے جب تک درود بھیجنے والا فارغ نہ ہوجائے۔ راوی نے کہا میں نے عرض کیا کہ اور بعد موت کے؟ فرمایا حضرت ﷺ نے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے لئے حرام کردیا ہے کہ وہ انبیاء کے اجسام کو کھائے تو اللہ کے نبی زندہ ہیں روزی دیئے جاتے ہیں۔

(سنن ابن ماجہ، مشکوٰۃ المصابیح کتاب الصلوٰۃ باب الجمعۃ ص ۱۱۱)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: "وان احدا لم یصل علیَّ الا عرضت علیَّ اما بالمکاشفۃ او بواسطۃ الملائکۃ صلاتہ ای ان طالت المدۃ من ابتداء شروعہ حتی یفرغ منہا ای من الصلوۃ یعنی الصلوات کلہا معروضۃ علیَّ قال ابو الدرداء ظنا ان ھذا مختص مجال الحیاۃ الظاھرۃ۔ قلت وبعد الموت ای ایضاً والاستفہام مقدر ویبعد الحمل علی الاستبعاد لمخالفتہ حسن الاعتقاد او وبعد الموت ما الحکم فیہ قال ان اللہ حرم علی الارض ای منعہا منعا کلیاً ان تکل اجساد الانبیاء ای جمیع اجزائھم فلا فرق لھم فی الحالین ولذا قیل اولیاء اللہ لا یموتون ولکن ینتقلون من دار الی دار وفیہ اشارۃ الی ان العرض علی مجموع الروح والجسد منھم بخلاف غیرھم ومن فی معناھم من الشھداء والاولیاء فان عرض الامور ومعرفۃ الاشیاء انما ھو بارواحھم مع اجسادھم فنبی اللہ یحتمل الجنس والاختصاص بالفرد الکامل والظاھر ھو الاول لانہ رأی موسیٰ قائما یصلی فی القبر وکذالک رائ ابراھیم کما فی حدیث مسلم وصح خبر الانبیاء احیاء فی قبورھم حی ای دائماً یرزق ای رزقا معنویاً فان اللہ تعالیٰ قال فی حق الشھداء من امتہ بل احیاء عند ربھم یرزقون، فکیف سیدھم ورئیسھم"

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۲ کتاب الصلوٰۃ باب الجمعۃ ص ۲۱۲ مطبوعہ مصر)

اور جب بھی کوئی مجھ پر درود بھیجے تو وہ مجھ پر پیش کیا جائے گا مکاشفہ سے یا فرشتوں کے واسطہ سے اگرچہ شروع کرنے کے وقت سے اس کی مدت طویل ہوجائے جب تک کہ درود بھیجنے والا اس سے فارغ نہ ہوجائے۔ یعنی اس کا کل درود مجھ پر پیش ہوگا۔ یہ گمان کرتے ہوئے کہ ظاہری حیات کے زمانے کے لئے یہ حکم مخصوص ہے۔ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اور بعد موت؟ یعنی کیا بعد موت بھی ایسا ہی ہوگا؟ استفہام مقدر ہے۔ اس کو راوی کی طرف سے تعجب خیز سمجھنے پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے حسن اعتقاد کی مخالفت ہوتی ہے یا یہ مطلب ہو کہ بعد موت اس کا کیا حکم ہے۔ فرمایا کہ اللہ نے حرام کردیا ہے زمین کے لئے یعنی اس کو پوری طرح روک دیا ہے اس سے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔ یعنی ان کے تمام اجزائے جسم میں سے کسی کو تو ان (انبیاء) کی دونوں حالتوں (یعنی حیات وممات) میں کوئی فرق نہیں ہے اور اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ اولیاء اللہ نہیں مرتے ہیں وہ ایک جگہ سے

---

[1] "رواہ ابن ماجہ باسناد جید نقلہ میرک عن المنذری ولہ طرق کثیرۃ بالفاظ مختلفۃ" (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۱۱۲) "رواہ ابن ماجہ باسناد جید" (خلاصۃ الوفا باخبار دیار المصطفیٰ ص ۴۸) ابن ماجہ نے اس کو روایت کیا ہے بہترین سند کے ساتھ اور میرک نے اس کو منذری سے نقل کیا ہے اور اس کے بہت سے طرق ہیں۔ جن کے الفاظ آپس میں مختلف ہیں۔ (مرقاۃ) ابن ماجہ نے اس کو بہتر سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (خلاصۃ الوفا)

دوسری جگہ منتقل ہوتے ہیں اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ درود انبیاء کے مجموعہ روح وجسم پر پیش کیا جاتا ہے۔ بخلاف ان کے غیر کے اور جو انبیاء کے حکم میں ہیں یعنی شہداء واولیاء۔ کیونکہ امور کا پیش ہونا اور چیزوں کا پہچاننا یہ ان کے ارواح مع الاجساد کے لئے ہے تو اللہ کے نبی، اس میں یہ احتمال ہے کہ جنس نبی مراد ہو یا فرد اکمل کے لئے مخصوص ہو اور ظاہر پہلا مسلک ہے۔ یعنی جنس نبی، کیونکہ حضرت ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں کھڑے ہوکر نماز پڑھتے دیکھا اور ایسا ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی دیکھا جیسا کہ مسلم کی حدیث میں ہے اور یہ حدیث کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں صحیح ہے۔ اللہ کے نبی زندہ ہیں ہمیشہ ان کو روزی دی جاتی ہے معنوی روزی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی امت کے شہداء کے حق میں فرمایا ہے۔ بل احیاء عند ربھم یرزقون! تو جو ان کے سب کے سردار اور رئیس ہیں ان کی حیات کا کیا پوچھنا ہے۔"

علامہ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: "ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء" بدرستے کہ خدائے تعالیٰ حرام گردانیدہ است برزمین خوردن وے تنہائے پیغمبراں را۔ فنبی اللہ حی یرزق۔ پس پیغمبر زندہ است بحقیقت حیات دنیوی تا آنکہ روزی دادہ می شود روزی حق۔" اللہ تعالیٰ نے زمین کے لئے انبیاء کے جسموں کو کھانا حرام کردیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے لئے حرام کردیا ہے کہ پیغمبروں کے اجساد کو کھائے تو اللہ کے نبی زندہ ہیں، روزی دیئے جاتے ہیں تو حقیقت میں پیغمبر زندہ ہیں دنیاوی زندگی۔ حدیہ کہ ان کو زندوں جیسی روزی دی جاتی ہے۔

(اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ج ا کتاب الصلوٰۃ باب الجمعہ ص ۶۱۵ مطبوعہ مطبع نولکشور لکھنو)

کتب صحاح کی روایت کردہ دو حدیثیں پیش کی گئیں۔ پہلی حدیث کی تخریج ان کتب صحاح ابوداؤد، ابن ماجہ، نسائی (جو صحاح ستہ میں سے ہیں۔ کے علاوہ دارمی اور بیہقی نے بھی کی ہے اور دوسری حدیث کی تخریج ابن ماجہ نے کی ہے۔ معتبر حوالوں سے حدیثوں کے اسناد کی تصحیح اور صحت حدیث کی تصریح کے ساتھ شروط بخاری کے مطابق اس کی صحت اور منقول عن العدول ہونے کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔

دونوں احادیث کا واضح مفہوم ہے کہ انبیاء کے اجسام کو زمین نہیں کھاتی ہے۔ ان کو حیات جسدی حقیقی حاصل ہوتی ہے، وہ زندہ رہتے ہیں اور روزی پاتے ہیں۔

ان احادیث کی شرح میں ائمہ محدثین، شارحین حدیث، علامہ طیبی، علامہ ابن حجر، علامہ جلال الدین سیوطی، علامہ عبدالحق محدث دہلوی، ملا علی قاریؒ کے اقوال اور ان کی تصریحات سے مجموعی طور پر معلوم ہوا کہ صلوٰۃ وسلام کے پیش کئے جانے کا معاملہ نبی ﷺ کی روح مع الجسم کے ساتھ ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کو حیات حقیقی جسمانی حاصل ہے اور یہ طبقہ انبیاء کے فرد اکمل یعنی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مختص نہیں ہے بلکہ جملہ انبیاء علیہم السلام کی حیات حقیقی جسمانی ہے۔ چنانچہ حضرت ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں کھڑے ہوکر نماز پڑھتے دیکھا اور اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کھڑے ہوکر نماز پڑھتے دیکھا۔ انبیاء کی حیات اتنی اکمل حیثیت رکھتی ہے کہ وہ اپنی قبروں میں اللہ کی عبادت، ادائے نماز اور تلاوت کلام اللہ کے مجاز بنائے جاتے ہیں اور اس سے لذت اندوز ہوتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے اپنی قبروں میں زندہ ہونے کی حدیث صحیح ہے اور جب شہدائے امت کے حق میں قرآنی نص ہے کہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس روزی پاتے ہیں تو انبیاء بہرحال ان سے افضل واولیٰ اور ان کے مقتداء ہیں اور

انبیاء علیہم السلام کے لئے وفات وحیات کی دو حالتوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

علاوہ اس کے ان ائمہ محدثین کے کسی قول یا تصریح سے یہ ثبوت نہیں ملتا کہ اس مسئلہ میں کسی طرح کا کوئی اختلاف بھی ہے بلکہ ہر ایک نے اس کو بلا اختلاف اور بطور مسئلہ اتفاقی کے ذکر کیا ہے اور علامہ ابن حجرؒ اور شیخ عبدالحق محدث کی مزید صراحت موجود ہے کہ انبیاء کی حقیقی جسمانی حیات میں کوئی اختلاف ونزاع نہیں ہے اور یہ مسئلہ متفق علیہ ہے اور امام محدث علامہ بیہقی نے اس بارے میں ایک رسالہ تصنیف کیا ہے جو حیات انبیاء علیہم السلام سے متعلق احادیث سے مملو ہے۔

حضور ﷺ کا حضرات انبیاء علیہم السلام کو بعض مخصوص حال میں دیکھنا

حضرت رسول اللہ ﷺ نے ماسبق انبیاء علیہم السلام کو بعض خاص وقت میں مخصوص حال میں دیکھا ہے جس کو یا تو اسی وقت یا بعد میں بیان فرمایا۔ اس مضمون کی روایتیں جملہ کتب صحاح کے ماسوا خود صحیحین صحیح بخاری وصحیح مسلم میں بکثرت موجود ہیں۔ چنانچہ تین قسموں میں اس مضمون کی احادیث جمع ہوسکتی ہیں۔

۱...... حضرت رسول اللہ ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کعبۃ اللہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھا۔ اس مضمون کی احادیث میں بعض کی ابتداء اس سے ہوئی ہے۔

''قال ارانی لیلۃ عندالکعبۃ فرأیت رجلا'' فرمایا کہ دیکھتا ہوں اپنے کو ایک رات کعبہ کے پاس تو دیکھا ایک شخص کو۔ بعض کی ابتداء یوں ہے: ''بینما انا نائم رأیتنی بالکعبۃ فاذا رجل'' اس درمیان کہ میں سویا ہوا تھا اپنے کو کعبہ کے پاس دیکھا تو ایک مرد۔

اور بعض میں ہے: ''وارانی عندالکعبۃ فی المنام'' اور اپنے کو کعبہ کے پاس نیند میں دیکھتا ہوں اور بعض میں ''بینهما انا نائم اطوف بالکعبۃ'' اس درمیان میں کہ میں سویا ہوا ہوں طواف کر رہا ہوں کعبہ کا۔

(صحیح مسلم ج۱ باب فی ذکر المسیح بن مریم والمسیح الدجال ص۸۲ مطبوعہ مصر صحیح بخاری ج۱ کتاب الانبیاء باب قولہ تعالیٰ واذکر فی الکتاب مریم ص۴۸۹ مطبوعہ ہند)

جس سے یہ مفہوم واضح ہوا کہ اس میں منام (خواب) کی خبر دی جارہی ہے۔

۲...... رسول اللہ ﷺ نے حضرت موسیٰ وحضرت یونس علیہما السلام کو وادی ازرق وثنیہ ہرشا یا مطلقاً کسی وادی میں لبیک پڑھتے ہوئے مخصوص ہیئت ولباس میں دیکھا۔ جس میں ایک حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں: ''سرنا مع رسول اللہ بین مکۃ والمدینۃ فمررنا بواد فقال کانی انظر الی موسیٰ'' رسول اللہ ﷺ کے ساتھ میں نے مکہ اور مدینہ کے درمیان سفر کیا تو ہم لوگ ایک وادی سے گزرے۔ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ گویا میں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں۔ (صحیح مسلم ج۱ باب الاسراء رسول اللہ ﷺ الی السموات ص۸۰و۸۱، صحیح بخاری ج۱ کتاب المناسک باب التلبیۃ اذا انحدر فی الوادی ص۲۱۰ مطبوعہ ہند)

۳...... لیلۃ اسراء میں حضرت ﷺ نے انبیاء علیہم السلام کی جماعت کو دیکھا تمام انبیاء نے حضرت کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ تسلیم وتحیت اور کلمۂ تہنیت کے ساتھ بعض انبیاء سے اور باتیں بھی ہوئیں۔ حضرت نے ہر نبی کی بعض صفت اور کسی مخصوص چیز کو صحابہ سے بعد میں بیان فرمایا۔ ان احادیث کی ابتداء عموماً اس لفظ سے ہوئی ہے۔ ''لیلۃ اسری

بیؐ" وہ رات جب کہ مجھے لے جایا گیا۔ جس سے ان احادیث کا واقعہ اسراء سے متعلق ہونا معلوم ہوتا ہے۔ (صحیح مسلم ج ا باب الاسراء برسول اللہ ﷺ الی السٰموات ص ۶۷ تا ۸۱ مطبوعہ مصر، صحیح بخاری ج ا کتاب باب المعراج ص ۵۴۸ تا ۵۵۰ مطبوعہ ہند)

پہلی قسم کی احادیث میں عالم خواب کی رویت کا بیان ہے۔ اس لئے اس کو علیحدہ کرنے کے بعد باقی دو قسموں کی حدیثوں کے مجموعی مضامین واضح کرتے ہیں کہ حضرت ﷺ نے ماسبق انبیاء علیہم السلام کو اس حال میں دیکھا کہ زندوں جیسے کاموں میں وہ مشغول تھے۔ مثلاً وادی میں گزرتے ہوئے یا گھاٹی سے اترتے ہوئے۔ لبیک پڑھنا، قبروں میں نماز پڑھنی صعود فلک کے وقت حضرت کے ساتھ تحیہ وسلام سے پیش آنا اور ترحیب ومبارک باد دینی اور بعض اہم معاملہ میں حضرت سے گفتگو کرنی، یعنی عالم ظاہر سے عالم برزخ میں جانے کے بعد بھی ان کی حیات اتنی کامل ہے کہ وہ زندوں جیسا عمل کرتے ہوئے دیکھے گئے۔ اس لئے اگرچہ صحیح بخاری وصحیح مسلم کی مستند احادیث کے یہ مضامین فی الجملہ انبیاء کی حیات کو ثابت کرتے ہیں۔ لیکن قسم (۲) میں اس تاویل کا امکان ہے کہ ہر ایک میں کانی انظر (گویا میں دیکھ رہا ہوں) فرمایا گیا ہے جو حقیقۃً نہیں، بلکہ تمثیلاً دیکھنے کی طرف اشارہ کرتا ہے اور قسم نمبر (۳) میں یہ تاویل ہو سکتی ہے کہ یہ معراج کا معاملہ ہے جو بطور معجزہ کے ظہور میں آیا تھا۔[1] تاہم بعض ایسی حدیثیں بھی پیش نظر ہیں جن میں یہ تاویلیں بروئے کار نہیں آتیں۔ ملاحظہ ہو:

(۳) عالم برزخ کی مخفی حالت کا انکشاف، قبر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کھڑے ہو کر نماز پڑھنا

"عن انس بن مالک ان رسول اللہ ﷺ قال اتیت وفی روایة هداب مررت علی موسٰی لیلة اسری بی عند الکثیب الاحمر وهو قائم یصلی فی قبرہٖ[2]" حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس رات مجھے لے جایا گیا (یعنی معراج میں) میں حضرت موسیٰ کے مزار کے قریب سرخ ٹیلہ کے پاس آیا اور ہداب کی روایت کے مطابق اس جگہ سے گزرا تو دیکھا کہ موسیٰ اپنی قبر میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں۔ (صحیح مسلم ج ا کتاب الفضائل باب فضائل موسیٰ ص ۳۱۰ مطبوعہ مصر)

عالم دنیا اور عالم آخرت کے درمیان عالم برزخ ہے۔ اس کے احوال سے اللہ تعالیٰ نے کسی کو مطلع نہیں کیا۔ اس لئے عالم برزخ کی حقیقتیں ہر ایک سے مخفی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ جس کے متعلق چاہتا ہے برزخ کے احوال دیکھنے کی، پہلے اس میں صلاحیت عطاء فرماتا ہے۔ اس کے بعد اس عالم کی مخفی حقیقتیں اس پر منکشف کر دیتا ہے کہ کس کی صرف روح زندہ ہے کس کی روح وجسم دونوں زندہ ہیں اور کون کیا عمل کر رہا ہے۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب رسول اللہ ﷺ کو شرف معراج سے نوازا تو اس سے پہلے ہی جیسا کہ حدیث معراج کی ابتداء میں آتا ہے۔

---

[1] حالانکہ اگر یہ کہا جاتا ہے کہ معراج کا معاملہ ایک مخصوص ترین معجزہ ہے اور قدرت خداوندی کا خاص مظاہرہ تو جب بعد وفات حقیقی جسمانی حیات کا حصول انبیاء علیہم السلام کے لئے مختص ہے تو اس کو بھی ایک معجزہ اور قدرت خداوندی کا خاص مظاہرہ کیوں نہ سمجھا جائے۔ چنانچہ اسی لئے حیات حقیقی جسمانی انبیاء کے لئے (کتاب وسنت کے شواہد کی بناء پر) مخصوص ہے۔ اس سے دنیا کے عام حالات اور مادی واقعات واحوال میں استدلال نہیں کیا گیا۔ اس کے علاوہ آخر کیا وجہ ہے کہ شب معراج میں انبیاء علیہم السلام کے ماسوا انسانوں کے کسی طبقہ کے موتی اپنی حیات والی شکل میں حضرت ﷺ کے سامنے نہیں لائے گئے؟ مخصوص طور پر انبیاء کے اپنی دنیاوی زندگی کی طرح حضرت سے ملنے، تحیہ وسلام اور ترحیب ومبارک باد دینے کی وجہ بھی ہے کہ ان کو حیات حقیقی جسمانی حاصل ہے۔

[2] یہ کسی طویل حدیث کا مختصر حصہ نہیں بلکہ حضرت انس کی روایت کردہ پوری حدیث اسی قدر ہے جو لکھی گئی۔

''عن مالک بن صعصعة ان النبی ﷺ حدثھم عن لیلة اسریٰ بہ اذا اتانی آت و سمعتہ یقول فشق ما بین ھذہ الی ھذہ قال من ثغرة نحرہ الی شعرتہ۔ فاستخرج قلبی ثم اتیت بطست من ذھب مملؤة ایمانا فغسل قلبی ثم حشی ثم اعید'' مالک بن صعصعہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ان لوگوں سے اس رات کے متعلق جس میں آپ کو سیر کرائی گئی (یعنی معراج کی رات) یہ بھی بیان فرمایا کہ آنے والا آیا (راوی کا بیان ہے) کہ رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا کہ یہاں سے یہاں تک فرشتہ نے چاک کر دیا یعنی گلے کے پاس سے اس مقام تک جہاں بال تھے (چاک کر دیا) پھر میرے دل کو نکالا پھر سونے کا ایک طشت میرے پاس لایا گیا جو ایمان سے بھرا ہوا تھا اس سے میرے دل کو دھویا۔ پھر جس مقام سے دل نکالا گیا تھا اس مقام کو دل سے بھر دیا گیا اور جوں کا توں کر دیا۔ (صحیح بخاری ج ۱ باب المعراج ص ۵۴۸ مطبوعہ ہند)

حضرت ﷺ کا شق صدر کیا گیا اور ایمان و معرفت سے قلب کو پر کر کے عوالم باطنیہ کے احوال و کیفیات کے مشاہدہ کی صلاحیت بخشی گئی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر مخفی حقیقت منکشف کر دی گئی۔ چنانچہ شق صدر کے واقعہ کے بعد حضرت تشریف لے چلے تو صعود فلک کے مخصوص معجزہ کے ظہور سے پہلے بیت المقدس جانے ہی میں کثیب احمر کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر سے گزرے تو چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حجاب اٹھا دیا گیا تھا۔ اس لئے حضرت کو جملہ حقیقتوں کے انکشاف کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عالم برزخ کی حیات حقیقی جسمانی کا بھی انکشاف ہوا اور حضرت نے دیکھا کہ وہ اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں[1]۔

عالم برزخ کا انکشاف حضرت کو معراج کے علاوہ بھی ہوا

حضرت ﷺ کے لئے یہ صورت کچھ اسی وقت (معراج) کے لئے مخصوص نہ تھی بلکہ جب بھی حجاب اٹھایا گیا تو تمام چیزوں کی اصل اور حقیقت خواہ وہ عالم برزخ یا کسی عالم کی ہو آپ کی نگاہ کے سامنے ہو جاتی تھی۔ چنانچہ واقعہ معراج کے بعد جب قریش کو اس کی خبر ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ نے بیت المقدس سے ہو کر سیر سائی کی اور آپ کو معراج ہوئی تو انہوں نے تکذیب کی اور امتحاناً حضرت سے بیت المقدس کے حالات اور وہاں کی بعض خاص چیزوں کے جائے وقوع پوچھنے لگے۔ حضرت ﷺ حرم کعبہ کے اندر حطیم میں تھے۔ آپ کو بیت المقدس کی تمام چیزیں یاد نہیں تھیں۔ اس لئے آپ فرماتے ہیں بروایت حضرت ابو ہریرہ ؓ ''فکربت کربة ما کربت مثلہ قط قال فرفعہ اللہ الی انظر الیہ'' تو (اس وقت) مجھے ایسی شدید تکلیف ہوئی جیسی کبھی نہیں ہوئی تھی پھر فرمایا پس اللہ تعالیٰ نے میرے لئے حجاب اٹھا دیا اور میں یہیں سے (بیت المقدس) دیکھنے لگا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۹۹)

اور اس کے بارے میں جو کچھ قریش نے دریافت کیا، حضرت فرماتے ہیں کہ میں دیکھ رہا تھا اور سب ان کو بتا رہا تھا۔ چونکہ اس وقت بھی حجاب مرتفع ہو گیا تھا اس لئے حرم کعبہ سے بیت المقدس تک کی چیزیں اپنی اصل و حقیقت کے ساتھ آپ کی نگاہوں کے سامنے عیاں و منکشف تھیں اور عالم برزخ کے احوال بھی منکشف ہو گئے تھے۔ اس لئے جو عالم برزخ میں جس حال میں تھا وہ حضرت کو نظر آنے لگا۔ چنانچہ اسی وقت آپ نے فرمایا۔

---

[1] ملاحظہ ہو نووی شرح مسلم کا وہ حصہ جہاں امام نووی نے اپنی کتاب شرح مسلم میں قاضی عیاض کے حوالہ سے ایک شبہ کے جواب میں تصریح فرمائی ہے۔ (نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۹۹)

(۴) حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت ابراہیم علیہم السلام کا عالم برزخ میں کھڑے ہوکر نماز پڑھنا

''فاذا موسیٰ قائم یصلی، واذا عیسیٰ قائم یصلی، واذا ابراھیم قائم یصلی۔'' (تو دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں۔ (صحیح مسلم عن ابی ہریرہ ج ۱ ص ۸۳ مطبوعہ مصر)

صحیح مسلم کی ان دو حدیثوں سے اگر یہ واضح ہوا کہ عالم برزخ کے بعض احوال کا انکشاف حضرت ﷺ کے لئے شب معراج کے علاوہ دوسرے موقع پر بھی ہوا تو یہ بھی ثابت ہوا کہ حجاب مرتفع ہوجانے سے جب مخفی حقیقتیں منکشف ہوئیں تو حضرت ﷺ نے بعض انبیاء علیہم السلام کو عالم برزخ میں کھڑے ہوکر نماز پڑھتے دیکھا۔ جس سے انبیاء علیہم السلام کی حیات جسدی کی صراحت ہوتی ہے۔

بیہقی کی احادیث صحیحہ سے استشہاد

صحاح ستہ خصوصاً صحیحین کی ان متعدد روایتوں کے علاوہ ان کتب حدیث کی بعض روایتیں بھی قابل استناد ہیں جو اگرچہ صحاح ستہ میں نہیں۔ تاہم محدثین کے طبقہ میں وہ مجموعہ احادیث صحت کے مرتبہ پر پہنچ کر قبول تام حاصل کر چکے ہیں اور صحاح ستہ کے بعد ہی ان کا درجہ ہے، ان میں ایک امام محدث، علامہ بیہقی کے مجموعہ احادیث ہیں۔ چنانچہ جامع مشکوٰۃ المصابیح نے صحاح ستہ کے بعد سب سے زیادہ امام بیہقی کی روایتیں جمع کی ہیں اور ان کی صحت پر اعتماد کیا۔

(۵) انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں، اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں

''عن انس ان النبی ﷺ قال الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' حضرت انس سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء پر اپنی قبروں میں زندہ ہیں نمازیں پڑھتے ہیں۔

(بیہقی، مسند ابی یعلی، انباء الاذکیاء فی حیوۃ الانبیاء للعلامہ جلال الدین سیوطی ص ۳ مطبوعہ حیدرآباد)

ملا علی قاری نے اس حدیث کی صحت کی صراحت کی ہے: ''وصح خبر الانبیاء احیاء فی قبورھم'' یہ حدیث صحیح ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۲۱۲)

صحیح مسلم کی حدیث میں اگر رویت کی بناء پر یہ ارشاد ہوا کہ بعض انبیاء قبروں میں نماز پڑھ رہے ہیں تو اس حدیث میں بالتصریح جملہ انبیاء کے متعلق مطلقاً یہ خبر دی گئی کہ وہ زندہ ہیں اور ان کو ایسی حیات حاصل ہے کہ قبروں میں نماز پڑھنے پر قادر ہیں اور یہ کسی خاص وقت یا مخصوص حالت کی حدیث نہیں ہے بلکہ اس میں علی الاطلاق جملہ انبیاء علیہم السلام کی کامل حیات اور عالم برزخ میں بعض عمل کرنے کی عام خبر دی گئی ہے۔

(۶) بعد وفات قبر نبوی ﷺ کی زیارت کرنے والا اسی طرح ہے جس نے زندگی میں آپ ﷺ کی زیارت کی

''عن ابن عمر مرفوعاً من حج فزار قبری بعد موتی کان کمن زارنی فی حیاتی'' حضرت عبداللہ

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے (یعنی حضرت ﷺ نے فرمایا) کہ جس نے حج کیا اور میری قبر کی زیارت میرے مرنے پر کی تو وہ اس کی طرح ہے جس نے میری زیارت میری زندگی میں کی۔

(شعب الایمان بیہقی، مشکوٰۃ المصابیح کتاب المناسک باب حرم المدینۃ ص ۲۱۷)

علامہ محدث شیخ عبدالحق دہلوی لمعاۃ (قلمی) شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں: ''وقوله کان کمن زارنی فی حیاتی مبناه علی ثبوت الحیوۃ له ﷺ حقیقة فلا خلاف فیه لاحد وقد فصلت القول فی هذا المطلب فی جذب القلوب فلینظر ثمه'' قولہ کان کمن زارنی فی حیاتی۔ اس کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کے لئے حقیقی حیات کے ثبوت پر ہے تو اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ میں نے اس بحث و گفتگو کو جذب القلوب میں پوری تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس جگہ دیکھو (لمعاۃ (قلمی) شرح مشکوٰۃ کتاب المناسک باب حرم المدینہ نسخہ قلمی موقوفہ کتب خانہ مجیبیہ)

ملا علی قاریؒ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۲۸۴) میں فرماتے ہیں: ''لانه ﷺ حی یرزق ویستمد منه المدد المطلق'' اس لئے کہ حضرت ﷺ زندہ ہیں، روزی دیئے جاتے ہیں اور آپ سے مدد لی جاتی ہے، مطلق مدد۔

علامہ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ (ج ۲ ص ۴۲۳ کتاب المناسک باب حرم المدینۃ) میں فرماتے ہیں: ''وایں معنی برثبوت بر حیات است بر آں حضرت ﷺ حیات حقیقی دنیاوی، بخلاف شہداء کہ بحیات معنوی مشرف اند وایں مسئلہ را بہ تفصیل ہر چہ تمام تر در جذب القلوب بیان کردہ ایم وباللہ التوفیق۔'' اور یہ خاص رسول اللہ ﷺ کے لئے حیات کے ثبوت پر مبنی ہے حیات حقیقی دنیاوی بخلاف شہداء کے کہ وہ حیات معنوی سے مشرف ہیں اور اس مسئلہ کو پوری تفصیل کے ساتھ جذب القلوب میں میں نے بیان کیا ہے اور اللہ ہی سے توفیق ملتی ہے۔

مضمون حدیث، بعد وفات زیارت قبر، حضرت کی حالت حیات کی زیارت کے ہم مثل ہے۔ اس کی شرح میں محدثین نے تصریح کی کہ اس کا مبنیٰ حضرت ﷺ کی حیات حقیقی ہے۔ یعنی وفات اور حالت حیات کے ہم مثل ہونے کے یہی معنی ہیں کہ حضرت حقیقی معنی میں زندہ ہیں اور آپ کی وفات اور حیات میں اس لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے کہ اب بھی آپ کو زائرین کی آمد کی خبر ہوتی ہے اور صلوٰۃ وسلام پیش کرنے والوں کا سلام و پیام سنتے ہیں اور علامہ محدث عبدالحق دہلوی نے یہ تصریح اس جگہ بھی کی کہ حیات حقیقی میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

(۷) قبر مبارک کے پاس کا درود وسلام حضرت خود سنتے ہیں اور دور کا آپ تک پہنچایا جاتا ہے

''عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ من صلّی علیّ عند قبری سمعته ومن صلّی علیّ نائیاً ابلغته[1]'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو مجھ پر درود بھیجے گا میری قبر کے پاس تو میں اس کو سنوں گا اور جو دور سے مجھ پر درود بھیجے گا وہ مجھ تک پہنچایا جائے گا۔

(شعب الایمان، بیہقی، مشکوٰۃ المصابیح کتاب الصلوٰۃ باب فضل الصلوٰۃ علی النبی ﷺ ص ۸۷)

---

[1] ''قال میرک نقلاً عن الشیخ ورواه ابو الشیخ وابن حبان فی کتاب الاعمال بسند جید'' میرک نے کہا شیخ سے نقل کرتے ہوئے اور اس کو روایت کیا ابوالشیخ نے اور ابن حبان نے ثواب الاعمال کی کتاب میں بہتر سند کے ساتھ۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۱۰)

ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ (ج ۲ ص ۱۰) میں اس کی شرح میں فرماتے ہیں: "من صلی علیَّ عند قبری سمعته ای سمعاً حقیقیا بلا واسطة" جو درود بھیجے گا مجھ پر میری قبر کے پاس تو میں اس کو سنوں گا، یعنی حقیقی معنی میں سنوں گا، بغیر کسی واسطہ کے۔

علامہ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ (ج ۱ کتاب الصلوٰۃ علی النبی ﷺ ص ۴۴۱) میں فرماتے ہیں: "من صلی علیَّ عند قبری سمعته" کسے کہ درود بفرستد بر من نزد قبر من می شنوم من صلوٰۃ اورا "و من صلی علیَّ نائیا ابلغته" و کسے کہ درود بفرستد بر من از دور نہ در حضور قبر رسانیدہ شود صلوٰۃ او را کہ ملائکہ سیاحین می رسانند و بر ہر تقدیر رد سلام می کنم و جواب سلام و ے می گویم۔" جو شخص کہ مجھ پر درود بھیجے گا میری قبر کے پاس تو میں اس کے درود کو سنوں گا اور جو شخص کہ دور سے مجھ پر درود بھیجے قبر کے سامنے سے نہیں تو اس کا درود مجھ تک پہنچایا جائے گا۔ جس کو ملائکہ سیاحین پہنچائیں گے اور ہر حال میں میں رد سلام کرتا ہوں اور ان کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

علامہ ابن حجر نے جوہر منظم میں لکھا ہے: "ان زائره ﷺ اذا صلی و سلم علیه عند قبره سمعه سماعا حقیقیا و رد علیه من غیر واسطة و الدلیل علی ذالک احادیث کثیرة۔" رسول اللہ ﷺ کی زیارت کرنے والا جب مزار مبارک کے پاس آ کر صلوٰۃ و سلام عرض کرتا ہے تو حضرت حقیقی طور پر اس کو سنتے ہیں اور بغیر کسی واسطہ کے جواب دیتے ہیں۔ بہت سی حدیثیں اس پر دلالت کرتی ہیں۔ (السعی المشکور لمولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی ص ۴۵۵)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ "الدرة المضنیه فی الزیارة المصطفویه" میں فرماتے ہیں: "ان زائره اذا صلی و سلم علیه عند قبره سمعه سماعا حقیقیا و رد علیه من غیر واسطة لما جاء عنه بسند جید من صلی عند قبری الخ" رسول اللہ ﷺ کا زائر جب مزار مبارک کے پاس صلوٰۃ و سلام عرض کرتا ہے تو حضرت حقیقی طور پر اس کو سنتے ہیں اور بغیر واسطہ کے جواب عنایت کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ حدیث صحیح سند سے مروی ہے۔ "من صلی علیَّ عند قبری سمعته" (السعی المشکور لمولانا عبدالحی فرنگی محلی ص ۴۵۵ مطبوعہ مطبع چشمہ فیض لکھنو)

حدیث اور شارحین حدیث کی ان تصریحات سے واضح ہوا کہ جو شخص حضرت ﷺ کے مرقد اطہر کے پاس جا کر صلوٰۃ و سلام عرض کرتا ہے حضرت بہ نفس نفیس اس کو سنتے ہیں اور حقیقی معنی میں سنتے ہیں جس طرح زندہ انسان سنتے ہیں۔ یعنی حضرت ﷺ حقیقی معنی میں زندوں کی طرح زائرین کے صلوٰۃ و سلام کو سنتے ہیں اور اس کا جواب دیتے ہیں تو ان محدثین حضرت ملا علی قاریؒ، علامہ ابن حجرؒ، علامہ محدث عبدالحق دہلوی کی تصریحات بالا کے مطابق حضرت ﷺ کو سماع حقیقی حسی طور پر حاصل ہے جو حیات حقیقی حسی یعنی جسمانی کی نشان دہی کرتا ہے۔

بعد وفات مرقد اطہر پر آ کر طلب مغفرت کرنے والے کو مغفرت کی بشارت دی گئی

عہد رسالت میں بعض افراد امت کے حق میں ان کی غلط روش کے موقع پر یہ آیتیں نازل ہوئی تھیں:

"ولوانهم اذ ظلموا انفسهم جاؤک فاستغفروالله واستغفرلهم الرسول لوجدالله توابا رحیماً (النساء: ۱۶۴)" اور اگر ان لوگوں نے جب اپنے پر ظلم کیا آتے آپ کے پاس اور اللہ سے مغفرت چاہتے اور رسول بھی ان کے لئے مغفرت چاہتے تو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو تو بہ قبول کرنے والا، رحمت کرنے والا پاتے۔

اس میں "جاؤک" کا مطلب حضرت ﷺ کی حیات ظاہری کے زمانہ تک کے لئے محدود نہیں سمجھا گیا بلکہ حضرت کو بعد الوفات، حصول حیات اور سماع حقیقی ہونے کی وجہ سے زائرین کے صلوٰۃ وسلام کے ہدایا اور ان کی طلب مغفرت کی دعاؤں کی درخواستیں مرقد اطہر پر پیش ہوتی ہیں اور حسب نصیب جواب سلام اور درخواستوں کی قبولیت سے زائرین کو نوازا جاتا ہے۔ چنانچہ اسی آیت کی تفسیر میں علامہ ابوالبرکات نسفی مدارک التنزیل ج ۱ ص ۳۹۹ میں اور علامہ اثیر الدین ابوحیان اندلسی اپنی تفسیر البحر المحیط ج ۱ ص ۲۸۳ میں اور علامہ شیخ سمہودی اپنی کتاب خلاصۃ الوفاء باخبار دار المصطفیٰ ص ۵ میں اور علامہ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب جذب القلوب الی دیار المحبوب ص ۱۹۶ میں یہ روایت نقل کرتے ہیں۔

"قیل جاء اعرابی بعد دفنه علیه السلام فرمی بنفسه علی قبره وحثی من ترابه علی رأسه وقال یا رسول الله قلت سمعنا وکان فی انزل علیک ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤک فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحیما وقد ظلمت نفسی وجئتک استغفر الله من ذنبی فاستغفر لی من ربی فنودی من قبره قد غفر لک" روایت کی گئی ہے کہ ایک بدوی حضرت ﷺ کی تدفین کے بعد حاضر ہوا اور قبر مبارک پر پڑ گیا اور اس کی مٹی لے کر اپنے سر پر ڈالی اور کہا یا رسول اللہ ﷺ جو آپ نے فرمایا میں نے سنا اور جو آپ پر نازل ہوا اس میں سے یہ بھی ہے کہ اگر لوگ اپنے نفس پر ظلم کر گزرے پھر اللہ سے طلب مغفرت کریں اور رسول بھی ان کے لئے مغفرت چاہیں تو وہ اللہ کو تواب اور رحیم پائیں گے اور میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور آپ کے پاس آ کر اللہ تعالیٰ سے طلب مغفرت کر رہا ہوں آپ بھی میرے لئے اللہ تعالیٰ سے دعائے مغفرت فرمائیں تو مزار مبارک سے ندا آئی کہ تم کو بخش دیا گیا۔

بجز تفسیر مدارک کے تفسیر البحر المحیط اور خلاصۃ الوفاء اور جذب القلوب ان تینوں میں اس کے راوی حضرت سیدنا علی مرتضیٰ ہیں۔ تینوں کتابوں میں ان کی روایت سے یہ واقعہ نقل کیا گیا اور مدارک التنزیل کی مرقومہ عبارت کے تھوڑے فرق کے ساتھ ہر ایک میں یہ واقعہ اسی طرح منقول ہے اور خلاصۃ الوفا میں ہے کہ ابن جوزی اور ابن عساکر نے بھی اپنی تاریخ میں اس روایت کو نقل کیا ہے۔

حافظ عماد الدین بن عمر بن کثیر دمشقی اپنی تفسیر ابن کثیر میں آیت: "ولو انهم اذ ظلموا انفسهم الی آخره" کے تحت میں تحریر فرماتے ہیں: "یرشد تعالی العصاة والمذنبین اذا وقع منهم الخطاء والعصیان ان یأتوا الی الرسول ﷺ فیستغفر الله عنده ویسألوه ان یستغفر لهم فانهم اذا فعلوا ذالک تاب الله علیهم ورحمهم وغفر لهم ولهذا قال لوجدالله توابا رحیما وقد ذکر جماعة منهم الشیخ ابو منصور الصباغ فی کتابه الشامل للحکایة المشهورة عن العتبی قال کنت جالسا عند قبر النبی ﷺ فجاء اعرابی فقال السلام علیک یا رسول الله سمعت الله یقول ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤک فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحیما وقد جئتک مستغفراً لذنبی مستشفعاً بک الی ربی ثم انشاء یقول یا خیر من دفنت بالقاع اعظمه فطاب من طیبهن القاع والاکم نفسی الفداء لقبر انت ساکنه فیه العفاف وفیه الجود والکرم ثم انصرف الاعرابی فغلبتنی عینی فرأیت النبی ﷺ فی النوم فقال یا عتبی الحق الاعرابی فبشره ان الله قد غفر له" (تفسیر ابن کثیر للحافظ عماد الدین بن عمر بن کثیر دمشقی ج ۳ ص ۲ ۱۳ مطبوعہ مصر)

اللہ تعالیٰ اس آیت میں مجرموں اور گناہگاروں کو بتاتا ہے کہ جب ان سے غلطی یا جرم سرزد ہو جائے تو وہ آئیں رسول اللہ ﷺ کے پاس اور اللہ تعالیٰ سے طلب مغفرت کرتے ہوئے حضرت سے بھی دعائے مغفرت کی درخواست کریں۔ وہ اگر ایسا کریں گے تو اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے گا۔ ان پر رحم فرمائے گا۔ ان کو بخش دے گا اور اسی وجہ سے فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تواب اور رحیم پائیں گے اور تحقیق ایک جماعت نے ذکر کیا ہے جن میں شیخ ابو منصور صباغ بھی ہیں۔ ان کی اس کتاب میں جو عتبی کی مشہور حکایت پر مشتمل ہے کہ کہا عتبی نے کہ میں حضرت ﷺ کے مزار اقدس کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک بدوی آیا اور کہا السلام علیک یا رسول اللہ! میں نے اللہ کے کلام میں پایا کہ وہ فرماتا ہے اگر لوگ اپنے نفس پر ظلم کر بیٹھیں پھر آپ کے پاس آ کر اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں اور آپ بھی اس کے لئے دعائے مغفرت کریں تو بے شک وہ لوگ اللہ کو تواب ورحیم پائیں گے تو میں آیا ہوں آپ کے پاس اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرتے ہوئے اور آپ کو اپنے رب کی طرف شفیع بنا رہا ہوں۔ پھر اس اعرابی نے یہ پڑھا۔ اے بہترین وہ جن کا جسم زمین میں دفن کیا گیا تو مہک اٹھے اس کی خوشبو سے میدان اور ٹیلے، میری جان اس قبر پر قربان جس میں آپ مقیم ہیں۔ اس میں عفت ہے اور جود وکرم ہے۔ اس کے بعد بدوی واپس چلا گیا۔ پھر مجھ پر نیند کا غلبہ ہوا تو میں نے حضرت ﷺ کو خواب میں دیکھا آپ نے فرمایا: ''اے عتبی بدوی سے مل کر اس کو بشارت دو کہ اللہ نے اس کو بخش دیا۔''

خلاصہ یہ کہ آیت: ''ولو انھم اذ ظلموا'' کی تفسیر کے تحت مفسرین اور بعض محدثین کے ان واقعات کو بالالتزام نقل کرنے سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ ''جاؤک'' کا مطلب حضرت ﷺ کی حیات ظاہری تک کے لئے محدود نہ تھا بلکہ اس کے بعد بھی آستانہ نبوت پر حاضر ہونے والے کا صلوٰۃ وسلام اور دعائے مغفرت کی درخواست سماع حقیقی کے ساتھ سنی جاتی ہے اور اس کو جواب وقبولیت کی نعمت سے سربلند کیا جاتا ہے۔ حضرت رسول اللہ ﷺ کی حیات حقیقی جسمانی کے تاریخی شواہد وثبوت میں مندرجہ بالا تصریحات کے علاوہ بعض حضرات تابعین کی صحیح روایتیں بھی اس مضمون کی مستند کتابوں میں موجود ہیں۔

حیات نبوی ﷺ کے حقیقی جسمانی ہونے کا صحیح روایتوں سے تاریخی ثبوت

''اخرج ابو نعیم فی دلائل النبوۃ عن سعید بن المسیب قال لقد رأیتنی لیالی الحرۃ وما فی مسجد رسول اللہ ﷺ غیری وما یاتی وقت صلاۃ الا وسمعت الاذان من القبر واخرج الزبیر بن بکار فی اخبار المدینۃ عن سعید بن المسیب قال لم ازل اسمع الاذان والاقامۃ فی قبر رسول اللہ ﷺ ایام الحرۃ حتی عاد الناس واخرج ابن سعد فی طبقات عن سعید بن المسیب انہ کان یلازم المسجد ایام الحرۃ والناس یقتلون قال فکنت اذا حانت الصلوۃ اسمع اذانا یخرج من قبل القبر الشریف واخرج الدارمی فی مسندہ قال اخبرنا مروان بن محمد عن سعید بن عبدالعزیز قال لما کان ایام الحرۃ لم یؤذن فی مسجد رسول اللہ ﷺ ولم یقم وان سعیدا ابن المسیب لم یبرح مقیما فی المسجد وکان لا یعرف وقت الصلوۃ الا بھمھمۃ یسمعھا من قبر النبی ﷺ'' (انباء الاذکیاء فی حیوۃ الانبیاء ص ۴، ۵ علامہ جلال الدین سیوطی مطبوعہ حیدرآباد)

ابونعیم نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت سعید بن المسیب (جو افضل التابعین کہے جاتے ہیں) فرماتے ہیں کہ حرہ والی راتوں میں اپنے آپ کو اس حال میں پایا کہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں میرے سواء کوئی دوسرا نہیں ہے۔ مگر جب نماز کا وقت آتا تو اذان کی آواز میں سنتا تھا جو قبر (مبارک) سے آتی تھی۔ انہی سعید بن المسیب سے زبیر بن بکار نے یہ روایت نقل کی ہے کہ اذان واقامت کی آواز حرہ کے دنوں میں حضرت کی قبر مبارک سے اس وقت تک سنتا رہا جب تک لوگ پھر مدینہ میں پلٹ کر آگئے۔ (اسی طرح) ابن سعد کے طبقات میں بھی ہے کہ سعید بن المسیب فرماتے تھے کہ حرہ کے دنوں میں وہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں مقیم ہو گئے اور لوگ کشت وخون میں مشغول تھے وہ کہتے تھے کہ میرا حال یہ تھا کہ نماز کا وقت جب آتا تو آذان کی آواز رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف سے سنتا۔ (یوں ہی دارمی نے اپنی مسند میں روایت نقل کی ہے کہ مروان بن محمد نے سعید بن عبدالعزیز کے حوالے سے یہ خبر دی (یعنی سعید کہتے تھے) کہ حرہ کے دنوں میں رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں نہ اذان ہوئی اور نہ اقامت۔ البتہ سعید بن المسیب جو ان دنوں مسجد نبوی ہی میں مقیم رہے ان کو نمازوں کے اوقات کا پتہ اس گنگناہٹ سے ہوتا جو رسول اللہ ﷺ کی قبر کی طرف سے آتی تھی۔

''ولابن الجوزی عن سعید بن المسیب لقد رأیتنی لیالی الحرة و ما فی المسجد احد من خلق اللہ غیری و ان اهل الشام لیدخلون زمرا یقولون انظروا الی هذا الشیخ المجنون و لا یاتی وقت الصلوٰة الا سمعت اذانا من القبر ثم اقیمت الصلوٰة فتقدمت فصلیت و ما فی المسجد احد غیری'' ابن جوزی نے بھی سعید بن المسیب کے متعلق یہ روایت نقل کی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ حرہ کی راتوں میں اپنے آپ کو اس حال میں مسجد نبوی کے اندر پایا کہ میرے سوا مسجد میں خدا کی کوئی مخلوق نہیں ہے اور شام والے (یزید کی فوج کے سپاہی) مسجد نبوی میں داخل ہو کر مجھے دیکھتے اور کہتے کہ اس بڈھے پاگل آدمی کو دیکھو میں نے ان دنوں میں یہ بھی دیکھا کہ نماز کا وقت جب آیا تو قبر (نبوی) شریف کی طرف سے اذان کی آواز سنتا پھر اقامت کہی جاتی میں آگے بڑھتا اور نماز پڑھتا (اس حال میں) کہ میرے سوا کوئی دوسرا نہیں ہوتا۔ (خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفیٰ ص ۳۸ علامہ شیخ سمہودی مطبوعہ مصر)

''وقضیہ سماع سعید بن المسیب در ایام واقعہ حرہ اذان از حجرہ شریفہ تاسہ روز کہ مردم مفارقت مسجد نبوی کردہ بودند مشہور است۔'' سعید بن المسیب کے متعلق یہ مشہور واقعہ ہے کہ وہ حرہ کے زمانے میں حجرہ شریف سے اذان کی آواز سنتے رہے ان تین دنوں تک جب کہ لوگ مسجد نبوی چھوڑ کر الگ ہو چکے تھے۔

(جذب القلوب الی دیار المحبوب ص ۱۸۹ مطبوعہ کان پور، مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۹۰۵، علامہ عبدالحق محدث دہلوی)

۱؎ ''وهی ایام یزید بن معاویة لما نهب المدینة عسکره من اهل الشام الذین لنهبهم لقتال اهل المدینة من الصحابة والتابعین و امر علیهم مسلم بن عقبة و فی ذی الحجة سنة ثلاث و ستین عقیبها لک یزید و حرة عنده ارض بظاهر المدینة بها حجارة سود کثیر'' (ایام حرہ، اسلامی تاریخ کی ایک اصطلاح ہے) یہ یزید بن معاویہ کا وہ زمانہ ہے جب کہ اس نے شام کی فوج مدینہ بھیجی تھی اور اہل مدینہ جن میں صحابہ وتابعین کے گھرانے بھی تھے ان کے قتل عام اور لوٹ مار کا حکم دیا تھا اور یزید نے اس فوج کا سردار مسلم بن عقبہ کو بنایا تھا۔ یہ واقعہ ۶۳ھ میں پیش آیا اس واقعہ کے بعد ہی یزید مر گیا۔ حرہ، مدینہ منورہ کی وہ سرزمین جہاں بہت سے سیاہ پتھر ہیں۔ (مجمع بحار الانوار ج ۱ ص ۲۵۲ مطبوعہ نول کشور لکھنو)

حضرت ﷺ کی حیات حقیقی جسمانی کے تاریخی شواہد میں افضل التابعین سعید بن المسیب کی یہ روایت جس کا تعلق ایام حرہ سے ہے بہت اہمیت رکھتی ہے۔ جو متعدد اور مختلف طرق سے روایت کی گئی ہے اور اس کو ارباب سیر و تاریخ و حدیث ہر ایک نے بالاتفاق روایت کیا ہے اور جو خود ایک جلیل القدر تابعی کی روایت ہے ان وجوہ سے یہ روایت ایک تاریخی حقیقت بن گئی ہے جس کی صحت میں شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

ایک اور اہم تاریخی واقعہ

دوسرا اہم تاریخی واقعہ ۵۵۷ھ کا ہے۔ سلطان عادل نور الدین محمد بن زنگی (مصر) رسول اللہ ﷺ کو ایک رات تین بار خواب میں دیکھا کہ دو شخصوں کی طرف اشارہ کر کے فرما رہے ہیں کہ "ان سے مجھ کو بچاؤ" تیسری بار دیکھنے کے بعد سلطان نور الدین کو اضطراب زیادہ ہوا اور رات ہی کے آخر حصہ میں مصر سے روانہ ہو کر سولہویں روز مدینہ منورہ پہنچے اور تفتیش و تلاش شروع کی۔ بالآخر پتہ لگا کہ دو نصرانی روضہ مطہرہ کے قریب ایک رباط میں مقیم ہو کر سرنگ کے ذریعہ مرقد اطہر تک پہنچنا چاہ رہے تھے اور ان کے بیان کے مطابق عیسائی بادشاہ نے ان کو اس کام کے لئے بھیجا تھا کہ جسد اطہر کو یہاں سے لے جائیں۔ اس کے بعد سلطان نور الدین عادل نے حجرہ شریفہ کے اردگرد گہری خندق کھدوائی اور رانگ یا سیسہ پگھلا کر اس میں بھروا دیا تا کہ جسد اطہر تک کسی کی رسائی نہ ہو۔

اس واقعہ کو (خلاصۃ الوفاء باخبار المصطفیٰ ص ۱۷۴) میں علامہ سمہودی نے حوالہ اور سند کے ساتھ پوری تفصیل سے لکھا ہے اور (مدارج النبوۃ ج ۳ ص ۹۰۵) میں علامہ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے اور (جذب القلوب الی دیار المحبوب ص ۱۹۰) میں بھی علامہ محدث دہلوی نے اس واقعہ لکھا ہے۔

اور اس کے آخر میں علامہ محدث فرماتے ہیں: "وایں قصہ را جمیع مورخاں مدینہ منورہ مثل شیخ جمال الدین مطری و مجد الدین فیروز آبادی وغیر ایشاں از علمائے اعلام ذکر کردہ اند وتصحیح نمودہ۔" اس واقعہ کا تذکرہ مدینہ منورہ کے تمام مؤرخوں نے کیا ہے۔ مثلاً شیخ جمال الدین مطری، مجد الدین فیروز آبادی اور ان کے علاوہ دوسرے سربرآوردہ علماء نے اس کو بیان کیا ہے اور اس کی صحت کی وضاحت کی ہے۔

واقعہ کے متعلق مؤرخین کے ان بیانات اور اس کی صحت کی تصریح سے واضح ہوا کہ یہ نا قابل تردید تاریخی واقعہ ہے جو حضرت ﷺ کے جسد اطہر کے مرقد شریف میں موجود ہونے کی دلیل ہے اور اس سے آپ کی حسی یعنی جسمانی حیات ثابت ہوتی ہے۔

لذت مرگ سے آشنا ہونے کے بعد حضرات انبیاء کو جسمانی حیات عطاء ہوتی ہے

ان جملہ تصریحات سے جس طرح یہ امر مسلم ہو گیا کہ انبیاء علیہم السلام کو حقیقی جسمانی حیات حاصل ہے۔ یہ بھی متعین ہو گیا کہ وہ حیات اذاقت موت (موت کی لذت شناسی) کے بعد لاحق ہوتی ہے، ائمہ حقد مین کے بعض اقوال سے اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔ مزید تصریحات بھی اس سلسلہ میں موجود ہیں۔

"قال البیھقی و لحیاۃ الانبیاء بعد موتھم شواھد" بیہقی نے کہا کہ مرنے کے بعد انبیاء علیہم السلام کی زندگی کے متعلق دلائل و شواہد موجود ہیں۔ (انباء الاذکیاء فی حیاۃ الانبیاء ص ۴)

"قال البیهقی فی کتاب الاعتقاد الانبیاء بعد ما قبضوا ردت الیهم ارواحهم فهم احیاء عند ربهم" کتاب الاعتقاد میں بیہقی نے کہا کہ حضرات انبیاء کی روحیں قبض ہو جانے کے بعد پھر واپس ہو جاتی ہیں تو اپنے پروردگار کے پاس وہ زندہ ہیں۔ (انباہ الاذکیاء فی حیاۃ الانبیاء ص ۶)

"وسئل عن البارزی عن النبی ﷺ هل هو حیّ بعد وفاته فاجاب انه ﷺ حیّ" امام بارزی سے دریافت کیا گیا کہ وفات پانے کے بعد رسول اللہ ﷺ زندہ ہیں؟ تو جواب دیا کہ ہاں زندہ ہیں۔ (ایضاً)

"واذا صح لنا هذا الاصل قلنا نبینا ﷺ قد صار حیاً بعد وفاته" جب یہ (یعنی انبیاء کا وفات کے بعد زندہ ہونا) تسلیم شدہ ہے تو یہ قول بھی قابل تسلیم ہوگا کہ ہمارے نبی ﷺ وفات کے بعد زندہ ہو گئے۔ (ایضاً ص ۷)

"موت نبی ﷺ مستمر نیست وحق تعالیٰ اورا بعد از اذاقت موت واجرائے سنت اماتت احیاء فرمود وانتقال ملک ومانند آں مشروط بموتے ست کہ مستمر باشد۔" موت کی جو کیفیت حضرت ﷺ پر طاری ہوئی وہ دوامی کیفیت نہ تھی بلکہ موت کا مزہ چکھانے اور اس سنت کو جاری کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو زندہ کر دیا اور ملک وغیرہ کی منتقلی اس موت کے ساتھ مشروط ہے جو دوامی ہو۔ (جذب القلوب الی دیار المحبوب علامہ عبدالحق محدث دہلوی ص ۱۸۵)

حاصل یہ کہ حضرت ﷺ کو بھی حکم "کل نفس ذائقة الموت" موت لاحق ہوئی۔ لیکن موت مستمرہ (یعنی دوامی) نہیں۔ بلکہ موت کی کیفیت طاری ہونے کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے پھر آپ کو حیات بخش دی۔ یعنی قبض روح کے بعد پھر جسد کی طرف روح لوٹا دی گئی اور حیات حقیقی جسمانی عطا ہوئی۔

جمہور امت کا مسلک

قابل غور یہ ہے کہ یہ نظریہ اور مسلک امت مسلمہ کے کسی خاص طبقہ کا ہے یا جمہور امت کا؟ علامہ ابن حجر اور علامہ عبدالحق محدث کی تصریح سے معلوم ہو چکا کہ اس مسلک میں امت میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ائمہ مذاہب کی مزید تصریحات بھی ہیں۔

ائمہ کرام کی تصریحات اور ان کے حوالے

"نقل عن الامام مالک انه کان یکره ان یقول رجل زرت قبر النبی ﷺ قال ابن رشد من اتباعه ان الکراهة لغلبة الزیارة فی الموتی وهو ﷺ احیاه الله تعالٰی بعد موته حیاة تامة واستمرت تلک الحیوة الی الآن وهی مستمرة فی المستقبل ولیس هذا خاصة به ﷺ بل یشارکه الانبیاء صلوات الله وسلامه علیهم اجمعین فهو حی بالحیوة الکاملة مع الاستغناء عند الغذاء الحسی الدینوی وجسده لم یتغیر ولم تاکله الارض وکذا سائر الانبیاء" امام مالک سے یہ روایت نقل کی جاتی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی۔ اس فقرہ کو ناپسند فرماتے تھے، ناپسندیدگی کی وجہ بیان کرتے ہوئے علامہ ابن رشد جو امام مالک کے متبعین میں ہیں کہا کرتے تھے کہ زیارت کو لفظ عموماً مردے کے متعلق استعمال ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کا حال یہ۔ ہے کہ موت کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو کامل حیات اور پوری زندگی عطاء فرمائی ہے اور آپ کی یہی زندگی اس وقت تک مسلسل باقی ہے اور آئندہ بھی باقی رہے گی اور یہ بات کچھ رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ سارے انبیاء علیہم السلام اس باب میں آپ کے شریک ہیں تو رسول اللہ ﷺ کامل ترین حیات کے ساتھ زندہ ہیں۔ باوجود زندہ رہنے کا محسوس

غذاؤں سے آپ بے نیاز ہیں۔ جسد مبارک میں کسی قسم کا تغیر بھی نہیں ہوا اور نہ زمین جسد اطہر کو کھا سکتی ہے۔ یہی حال سارے انبیاء کا ہے۔ (نور الایمان بزیارۃ آثار حبیب الرحمن ص ۱۴ مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی مطبوعہ مطبع علی لکھنوی)

"وقال الشیخ تقی الدین السبکی حیاۃ الانبیاء والشھداء فی القبر کحیاتھم فی الدنیا ویشھدلہ صلٰوۃ موسٰی فی قبرہ فان الصلٰوۃ تستدعی جسداً حیاً وکذالک الصفات المذکورۃ فی الانبیاء لیلۃ الاسراء کلھا صفات الاجسام" شیخ تقی الدین سبکی فرماتے ہیں کہ انبیاء اور شہداء اپنی قبروں میں اسی طرح زندہ ہیں جیسے وہ دنیا میں زندہ تھے۔ جس کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہوئے پایا گیا۔ کیونکہ زندہ جسد کے بغیر نماز پڑھنے کی صورت ہی کیا ہو سکتی ہے اور معراج والی رات میں انبیاء علیہم السلام کے جو صفات بیان کئے گئے ہیں یہ سارے صفات اجسام ہی کے ہیں۔ (انباء الاذکیاء فی حیوۃ الانبیاء ص ۱۱)

امام عفیف الدین یافعی فرماتے ہیں: "الانبیاء احیاء غیر اموات کما نظر النبی ﷺ الی موسٰی علیہ السلام فی قبرہ ونصوص العلماء کی حیاۃ الانبیاء کثیرۃ" حضرات انبیاء علیہم السلام مردہ نہیں بلکہ زندہ ہیں جیسے موسیٰ علیہ السلام کو رسول اللہ ﷺ نے قبر میں (نماز پڑھتے ہوئے) دیکھا انبیاء کی زندگی اور حیات کے متعلق علماء کی شہادتیں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ (انباء الاذکیاء فی حیاۃ الانبیاء ص ۷)

علامہ عبدالحق دہلوی فرماتے ہیں: "شیخ علاؤالدین قونوی کہ از علمائے شافعیہ از ارباب تصوف است می گوید کہ ما اعتقاد داریم بحیات ایشاں نزد پروردگار جل جلالہ بحیاتے کہ اشرف واکمل است ازیں حیات متعارف۔" شیخ علاؤالدین قونوی جو اہل تصوف علماء شافعیہ میں سے ہیں کہتے ہیں کہ ہم اس کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ لوگ (یعنی انبیاء علیہم السلام) پروردگار جل جلالہ کے پاس زندہ ہیں ان کو ایسی زندگی حاصل ہے جو اس حیات متعارف (دنیاوی) سے اعلیٰ واکمل ہے۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۹۰۴)

"وسبکی در شفاء السقام می گوید کہ موت نبی ﷺ مستمر نیست وحق تعالیٰ اور ابعد از اذاقت موت واجرائے سنت اماتت احیاء فرمود وایں حیات اعلیٰ واکمل است از حیات شہداء۔" علامہ سبکی شفاء السقام میں فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ پر موت کی کیفیت طاری ہوئی وہ دوامی نہیں تھی بلکہ موت کا مزہ چکھانے اور اس کی سنت جاری کرنے کے بعد آپ کو اللہ تعالیٰ نے زندگی عطاء فرمائی جو شہداء کی زندگی سے بھی اعلیٰ واکمل ہے۔

(جذب القلوب الی دیار المحبوب ص ۱۸۵)

علامہ عبدالحق محدث دہلوی، علامہ علاؤالدین قونوی کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں: "وحیات انبیاء علیہم السلام کامل تر از حیات شہداء است وتحقیق دریں باب کہ مختار جمہور علماء است ہماں ست کہ از تاج الدین سبکی نقل کردہ۔" اور جملہ انبیاء علیہم السلام کی زندگی شہداء کی زندگی سے زیادہ کامل ہے اور اس بارے میں تحقیق جو جمہور علماء کا مسلک مختار بھی ہے وہی ہے جو علامہ تاج الدین سبکی کے حوالہ سے نقل کیا گیا۔ (جذب القلوب الی دیار المحبوب ص ۱۹۱)

کل ائمہ مذاہب اور اہل سنت کا متفقہ مسلک

امام محدث علامہ ابوبکر بیہقی، علامہ دوراں جلال الدین سیوطی، ملا علی قاری اور دیگر ائمہ محدثین (حنفیہ) کے علاوہ امام دارالہجرۃ مالک بن انس، علامہ ابن رشد مالکی اور علامہ علاؤالدین قونوی شافعی، علامہ ابن حجر شافعی کی

تصریحات سے پوری طرح واضح ہو گیا کہ یہ تقریباً کل ائمہ مذاہب کا مسلک ہے اور علامہ ابن حجر و علامہ عبدالحق محدث دہلوی کی تصریحات بالا سے یہ بھی متعین ہو گیا کہ یہ کسی مخصوص طبقہ امت کا نہیں بلکہ اہل سنت والجماعت کا متفقہ اور جمہور امت کا مسلمہ مسلک ہے۔ چنانچہ محققین و علمائے متکلمین کی تحقیق اور اس مسئلہ پر ان کے اتفاق کرنے کے اقوال یہ ہیں۔

محققین علماء کا اتفاق

''قال المتکلمون المحققون من اصحابنا ان نبینا ﷺ حی بعد وفاته'' ہمارے ائمہ میں محققین، متکلمین کا قول ہے کہ نبی ﷺ اپنی وفات کے بعد زندہ ہو گئے۔ (انباء الاذکیاء فی حیوۃ الانبیاء ص ۷)

''و باتفاق علماء در حیات آنحضرت ﷺ بعد از وفات ہیچ شبہ نیست و ہمچنیں سائر انبیاء علیہم السلام در قبور زندہ اند بحیاتے کامل اثر و تحقیقت تر از شہداء کہ در کلام مجید از دے خبر دادہ است و کیف لا و آنحضرت ﷺ سید الشہداء است و اعمال شہداء در میزان اوست۔'' اور علماء کا اتفاق ہے کہ وفات کے بعد حضرت ﷺ کے زندہ ہونے میں کوئی شبہ و اختلاف نہیں ہے اور اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں ایسی زندگی جو زیادہ کامل اور حقیقت پر مبنی ہے۔ شہداء کی اس زندگی سے جس کی کلام مجید میں خبر دی گئی ہے اور کیوں ایسا نہ ہو جب کہ حضرت ﷺ سید الشہداء ہیں اور شہداء کے جملہ اعمال آپ کے میزان عمل میں موجود ہیں۔ (جذب القلوب الی دیار المحبوب ص ۱۸۳)

مسلک حیات النبی ﷺ پر کسی مفہوم حدیث سے شبہ کا احتمال ممکن ہے؟

جن علماء و ائمہ متقدمین نے اس مسئلہ پر غور کیا ہے اور دلائل و شواہد کے سلسلہ میں ہر طرف نگاہ ڈالی ہے، ہر ایک کو اس مسئلہ کے ثبوت میں کتاب و سنت کے دلائل و شواہد ملتے گئے لیکن ان میں سے کسی ایک کے پیش نظر کوئی ایسی آیت قرآنی یا حدیث صحیح نہیں آئی۔ جو اس مسلک کی مخالف ہو یا اس سے اس کا ٹکراؤ ہوتا ہو اور نہ کسی نے کتاب و سنت کے کسی منفی پہلو کی اس مسئلہ میں تصریح کی ہے۔

ائمہ محققین نے صرف ایک حدیث کے بارے میں صراحت کی ہے کہ اس سے اس مسئلہ میں شبہ پیدا ہو سکتا ہے لیکن خود ہی ان محققین نے حدیث کے مفہوم و معنی کو واضح کر کے شبہ کو زائل کر دیا ہے۔ حدیث یہ ہے: ''عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ قال ما من احد یسلم علی الا رد الله علی روحی حتی ارد علیه السلام'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو بھی مجھ پر سلام بھیجتا ہے، اللہ میری روح ادھر متوجہ کر دیتا ہے تو میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

(ابوداؤد، دعوات کبیر للبیہقی مشکوۃ المصابیح کتاب الصلوۃ باب فضل الصلوۃ علی النبی ﷺ ص ۸۶)

علامہ جلال الدین سیوطی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: ''ولا شک ان ظاهر الحدیث مفارقة الروح لبدنه الشریف فی بعض الاوقات وهو مخالف للاحادیث السابقة فقد تاملته ففتح علی فی الجواب عدة اجوبة۔ الوجه الرابع وهو قوی جدا انه لیس المراد برد الروح عودها بعد مفارقة البدن وانما النبی ﷺ فی البرزخ مشغول باحوال الملکوت مستغرق فی مشاهدة ربه کما کان فی الدنیا فی حالة الوحی وفی اوقات اخر فعبر عن افاقته من تلک المشاهدة و ذالک الاستغراق برد الروح ونظیر هذا قول العلماء فی

اللفظة التی وقعت فی بعض احادیث الاسراء وھی قولہ فاستیقظت واذا انا بالمسجد الحرام، لیس المراد الاسیتقاظ من نوم فان الاسراء لم یکن مناما وانما المراد الافاقة مما خامرہ من عجاب الملکوت'' اس میں شک نہیں کہ ظاہر حدیث کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات میں حضرت کے جسم اطہر سے روح جدا ہو جاتی ہے اور یہ گزشتہ احادیث کے مخالف ہے۔ جب میں نے غور و تامل کیا تو مجھ پر اس کے چند حل واضح ہوئے۔ چوتھی وجہ یہ ہے جو بہت مستحکم اور قوی ہے کہ روح کے واپس آنے سے اس کا جسم سے جدائی کے بعد واپس آنا مراد نہیں ہے بلکہ نبی ﷺ برزخ میں عالم ملکوت کے احوال میں مشغول اور اپنے رب کے مشاہدہ میں مستغرق ہیں جیسا کہ دنیا میں حالت وحی اور دوسرے اوقات میں ہوا کرتا تھا تو اس مشاہدہ اور استغراق سے افاقہ ہونے کی تعبیر اس سے کی گئی کہ روح واپس ہوئی اور اس کی نظیر علماء کا وہ قول ہے جو معراج کی بعض حدیث کے لفظ فاستیقظت (تو میں بیدار ہوا) کے بارے میں ہے کہ استیقاظ سے، نیند سے بیداری مراد نہیں ہے۔ کیونکہ یہ معلوم ہے کہ معراج کا واقعہ نیند کی حالت میں نہیں ہوا۔ بلکہ عالم ملکوت کے عجائب کے معائنہ میں جو انہماک ہو گیا تھا، اس سے افاقہ ہونا مراد ہے۔

(انباہ الاذکیاء فی حیاۃ الانبیاء ص ۹)

''الثانی وھو اقواھا ولا یدرکھا الا ذو باع فی العربیة ان قولہ رد اللہ جملة حالیة وقاعدة العربیة ان جملة الحال اذا وقعت فعلاً ماضیاً قدرت فیھا قد کقولہ تعالٰی جاءوکم حصرت صدورھم ای قد حصرت وکذا ھنا تقدر الجملة ماضیة سابقة علی السلام الواقع من کل احد وحتی لیست للتعلیل بل ھو مجرد حرف عطف بمعنی الواؤ فصار تقدیر الحدیث ما من احد یسلم علیَ الا قدرہ اللہ علیَ روحی قبل ذالک وارد علیہ وانما جاء الاشکال من ظن ان جملة رد اللہ بمعنی الحال او الاستقبال وظن ان حتی تعلیلیة ولیس کذالک وبھذا الذی قررناہ ارتفع الاشکال من اصلہ'' دوسری وجہ جو بہت زیادہ قوی ہے مگر اس کو وہی ادراک کر سکتا ہے جو فن عربی میں مہارت رکھتا ہو، یہ ہے کہ حضرت کا ارشاد رداللہ کا جملہ حالیہ ہے اور عربی کا قاعدہ ہے کہ جملہ حالیہ جب فعل ماضی ہو تو اس میں لفظ قد مقدر ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول: ''جاءوکم حصرت صدورھم'' یعنی قد حصرت۔ اسی طرح یہاں بھی قد مقدر ہے اور وہ جملہ ماضی کا ہر ایک کی طرف سے واقع ہونے والے سلام پر سابق اور مقدم ہے اور حتیٰ تعلیل کے معنی میں نہیں ہے بلکہ وہ محض حرف عطف ہے واؤ کے معنی میں تو اب حدیث بر بنائے تقدیر یہ ہے جو بھی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو چونکہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے میری روح مجھ پر واپس فرما چکا ہے اس لئے میں سلام کا جواب دیتا ہوں اور اس جگہ شک وشبہ کی گنجائش محض اس گمان کی وجہ سے ہوئی کہ جملہ رداللہ حال یا استقبال کے معنی میں ہے اور اس گمان سے بھی شبہ ہوا کہ حتیٰ تعلیل کے معنی میں ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے اور اس توضیح سے جو میں نے بیان کی شک وشبہ بالکل ختم ہو گیا۔ (انباہ الاذکیاء فی حیاۃ الانبیاء ص ۸)

علامہ جلال الدین سیوطی اپنے رسالہ انباہ الاذکیاء کے آخر میں فرماتے ہیں: ''ثم بعد ذالک رأیت الحدیث المسئول عنہ مخرجا فی کتاب حیاۃ الانبیاء البیھقی بلفظہ الا وقد رداللہ علی روحی فصرح فیہ بلفظ وقد فحمدت اللہ کثیرا وقوی ان روایة اسقاطھا محمولة علی اضمارھا وان حذفھا تصرف الرواة وھو الامر الذی جنحت الیہ فی الوجہ الثانی من الاجوبة وقد عرف الان ترجیحہ لوجود ھذہ الروایة فھو اقویٰ الاجوبة ومراد الحدیث علیہ الاخبار بان اللہ تعالٰی یرد روحہ بعد الموت علی الدوام فیصیر حیاً علی

الدوام حتی لو سلم علیه احد رد علیه السلام لوجود الحیاة فیه فصار الحدیث موافقاً للاحادیث الواردة فی حیاته فی قبره وواحدا من جملتها لا منافی لها البتة بوجه من الوجوه ولله الحمد والمنة''

(انباء الاذکیاء فی حیاۃ الانبیاء ص ۱۶)

پھر میں نے اس کے بعد اس حدیث کو جس پر گفتگو کی گئی ہے (رد اللہ علیّ روحی) امام بیہقی کی کتاب حیاۃ الانبیاء میں اس طرح تخریج کی ہوئی دیکھی الا وقد رد اللہ علیّ روحی تو اس میں لفظ وقد کی صراحت موجود ہے تو میں نے اللہ تعالیٰ کی بہت حمد کی اور یہ بات مستحکم ہوگئی کہ قد دراصل اس جگہ موجود ہے اور راویوں کے تصرف کی وجہ سے محذوف ہے اور یہ وہ امر ہے جس کی طرف اپنا میلان ورجحان وجہ ثانی میں بیان کر چکا ہوں تو اب اس روایت کی وجہ سے اس توجیہ کا راجح ہونا معلوم ہوگیا۔ اس بنا پر تمام جوابوں میں یہ سب سے زیادہ قوی ہے اور حدیث کا منشا یہ ہے کہ اس بات کی خبر دی گئی کہ موت طاری ہونے کے بعد اللہ آپ کی روح کو واپس کردے گا۔ ہمیشہ کے لئے اس لئے اگر کوئی سلام کرے گا تو زندگی اور حیات کی وجہ سے آپ سلام کا جواب دیں گے تو یہ حدیث بھی ان احادیث کے موافق ہوگئی۔ جو قبر میں حضرت کی حیات کے بارے میں وارد ہوئی ہیں اور کسی وجہ اور کسی بنیاد پر کوئی حدیث بھی اس کے منافی نہیں ہے۔ بس اللہ ہی کے حمد ومنت ہے۔

جس طرح تصریحات بالا میں علامہ جلال الدین سیوطی نے مختلف وجوہ کے ذریعہ اس شبہ کو پوری طرح زائل کردیا ہے اور حدیث کے مفہوم کو واضح کرکے متعین کردیا ہے، اسی طرح علامہ عبدالحق محدث دہلوی نے مشکوٰۃ کی دونوں (لمعاۃ قلمی شرح مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ علی النبی ﷺ وفضائلہا موقوفہ کتب خانہ مجیبیہ پھلوار) اور (اشعۃ اللمعات مطبوعہ شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۴۳۷) میں حدیث کے اس شبہ کو زائل کرکے مفہوم کی وضاحت کردی ہے اور ملا علی قاری نے (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۶) میں بھی شبہ کا ازالہ کیا ہے اور ان سب شارحین حدیث نے علامہ جلال الدین سیوطی کی تحقیق اور ان کے تعیین مفہوم کا ہر جگہ حوالہ دیا ہے۔ ان تمام اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث کے مفہوم میں مسلک حیات النبی کے بارے میں کوئی شبہ یا متضاد بات نہیں ہے۔ بلکہ علامہ سیوطی کی آخری تصریح کے مطابق مفہوم حدیث سے مسلک حیات النبی کی پوری تائید ہوتی ہے۔

حاصل یہ کہ مذکورہ بالا زائل کردہ شبہ کے علاوہ انبیاء علیہم السلام کی بعد الوفات حقیقی وجسمانی حیات کے حصول کے مخالف یا متعارض کتاب وسنت کا کوئی حوالہ نہیں دیکھا گیا اور نہ کسی عہد وزمانہ میں اپنے دور کے کسی محقق نے اس کے خلاف کسی سند یا حوالہ کی تصریح کی ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے طریان موت اور حضرت ﷺ کے واقعہ رحلت کی حدیثیں

کتب صحاح کی وہ حدیثیں جن میں حضرت ﷺ کی وفات کا تذکرہ ہے اور انبیاء علیہم السلام کو دنیاوی واخروی زندگی کے بارے میں اختیار دیئے جانے کی مرفوع حدیثیں جن میں تصریح ہے کہ اخری زندگی پسند کی گئی اور موت لاحق ہوئی۔ (۵ تا ۸ پر وہ حدیثیں گزر چکی ہیں)

یا وہ روایتیں جن کو امام بخاری ودیگر محدثین صحاح نے حضرت ﷺ کے مرض وفات اور کوائف رحلت میں بیان کیا ہے خواہ وہ بعض اجل صحابہ کے اثر ہوں جن میں انہوں نے حضرت کو موت لاحق ہونے اور وفات

پا جانے کی تصریح کی ہے۔ جیسے واقعہ رحلت اور وفات کے سلسلہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ اثر: ''اخبرنی ابو سلمة عن عائشة اخبرته ان ابابکر قبل علی فرس من مسکنه بالسنح حتی نزل فدخل المسجد فلم یکلم الناس حتی دخل علی عائشة فتیمم رسول اللہ ﷺ وهو مغشی بثوب حبرة فکشف عن وجهه ثم اکب علیه فقبله و بکی ثم قال بابی انت و امی واللہ لا یجمع اللہ علیک موتتین اما الموتة التی کتبت علیک فقد متها''
مجھ سے ابوسلمہ نے بیان کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے بیان کی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار اپنے گھر سنح سے جب واپس آئے تو مسجد نبوی میں داخل ہوئے اور لوگوں سے گفتگو نہ کی بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں داخل ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کے قریب پہنچے۔ آپ کے جسم اطہر پر ایک یمنی چادر تھی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چہرہ انور سے چادر ہٹائی اور جھک گئے پھر آپ کو بوسہ دیا اور رو پڑے اور کہا کہ میرے باپ ماں آپ پر قربان، قسم ہے خدا کی اللہ تعالیٰ آپ پر دو موت جمع نہیں کرے گا۔ جو موت آپ کے لئے متعین تھی اس کی بناء پر آپ کی وفات ہو گئی۔　(صحیح بخاری ج ۲ کتاب المغازی باب مرض النبی ﷺ و وفاته ص ۶۴۰)

کیا اس قسم کی تصریحات، مسلک حیات النبی کے معارض یا مخالف ہو سکتی ہیں؟ غور کا مقام ہے کہ ان جملہ تصریحات کا منشاء یہی ہے کہ حضرت کو موت لاحق ہوئی تو ان تصریحات حدیث پر کیا موقوف ہے خود نصوص قرآنی: ''انک میت وانهم میتون (الزمر:۳۰) افائن مت فهم الخالدون (الانبیاء:۳۴) کل نفس ذائقة الموت (العنکبوت:۵۷)'' خبر دی رہی ہیں کہ حضرت کو بھی موت لاحق ہوگی۔ بلکہ انہی نصوص قرآنی کی روشنی میں اس مسلک کی وضاحت کی گئی ہے کہ وفات واقع ہوئی اور موت کی کیفیت طاری ہونے کے بعد حقیقی حیات حاصل ہوئی۔ اس لئے خواہ احادیث مرفوع کی وہ روایتیں ہوں یا قرآن کریم کے وہ نصوص جن میں وقوع موت کا ذکر ہے ان میں سے کوئی بھی مسلک حیات النبی بعد الوفاۃ کے نہ متعارض ہے نہ متضاد۔

لا یجمع اللہ علیک موتتین کے تعیین مفہوم میں شارحین کے اقوال

اگرچہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے اثر کی تشریح و وضاحت اس مبحث سے خارج ہے، کیونکہ اس میں حضرت ﷺ کو موت لاحق ہونے اور وفات واقع ہونے کی خبر ہے جو کتاب وسنت اور عقیدہ امت کا مسلمہ ہے۔ لیکن چونکہ اس میں بعض ایسے جملے ہیں جو تشریح طلب ہیں اور جس کی عدم تشریح و وضاحت سے شکوک وشبہات پیدا ہو سکتے ہیں۔ مثلاً حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ارشاد: ''لا یجمع اللہ علیک موتتین'' (اللہ آپ پر دو موت جمع نہیں کرے گا) اس کا کیا منشاء ہے؟ اس کے لئے شارحین حدیث کے اقوال دیکھے جائیں ممکن ہے ان اقوال وضاحت میں ایسے پہلو موجود ہوں جو خود مسلک معرحہ کی تائید کرتے ہوں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح بخاری میں اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: ''واشد ما فیه اشکالاً قول ابی بکر لا یجمع اللہ علیک موتتین وعنه اجوبة فقیل هو علی حقیقة واشار بذالک الی الرد علی من زعم انه سیحیی فیقطع ایدی رجال لانه لو صح ذالک للزم ان یموت موتة اخری فاخبر انه اکرم علی اللہ من ان یجمع علیه موتتین کما جمعها علی غیره کالذین خرجوا من دیارهم وهم الوف وکالذی مر علی قریة وهذا اوضح الاجوبة واسلمها وقیل اراد لا یموت موتة اخری فی القبر کغیره اذ یحیی لیسئل ثم

یموت وھذا جواب الداؤوی وقیل لا یجمع اللہ علیک موت نفسک وموت شریعتک وقیل کنی بالموت الثانی عن الکرب ای لا تلقی بعد کرب ھذا الموت کربا اخر" اس میں زیادہ اشکال کی چیز حضرت ابوبکر کا یہ قول ہے اللہ آپ پر دو موتیں جمع نہیں کرے گا اس کے چند جوابات ہیں۔ (۱) کہا گیا ہے یہ اپنی حقیقت پر مبنی ہے اور اس سے ان لوگوں کی تردید کی طرف اشارہ ہے جن کا یہ گمان تھا کہ حضرت زندہ ہوں گے اور منافقین کا خاتمہ کریں گے۔ اگر یہ صحیح ہوتا تو لازم آتا کہ دوبارہ موت طاری ہو تو اس کی خبر دی گئی کہ اللہ کے نزدیک حضرت اس سے اکرم واعلیٰ ہیں کہ آپ پر دو موت جمع کرے۔ جیسا کہ یہ ان لوگوں کے ساتھ ہوا جن کو آیت قرآنی: "کالذین خرجوا من دیارھم وھم الوف (الانفال:۴۷)" اور "کالذی مر علی قریة (البقرة: ۲۵۹)" میں بیان کیا گیا ہے یہ اور جوابوں سے زیادہ واضح اور اسلم ہے اور (۲) کہا گیا ہے کہ مراد یہ ہے کہ دوبارہ موت قبر میں نہیں ہوگی جیسا کہ اور لوگ قبر میں زندہ کئے جائیں گے اور سوال وجواب ہے اور (۳) کہا گیا کہ دو موت سے مطلب یہ ہے کہ آپ کی ذات کی موت اور آپ کی شریعت کی موت جمع نہیں ہوگی اور (۴) کہا گیا ہے موت سے اذیت وتکلیف مراد ہے۔ یعنی اس موت کی تکلیف کے بعد کوئی دوسری تکلیف نہیں ہوگی۔ (فتح الباری شرح بخاری جز ثالث کتاب الجنائز ص ۹۱ مطبوعہ مصر)

علامہ بدرالدین عینی، عمدة القاری شرح بخاری میں فرماتے ہیں: "قوله لا یجمع اللہ علیک موتتین قال الداؤوی لم یجمع اللہ علیک شدة بعد ھذا الموت لان اللہ تعالٰی قد عصمک من اھوال یوم القیامة قال وقیل لا یموت موتة اخری فی قبرہ کما یحیی غیرہ فی القبر فیسئال ثم یقبض" یہ ارشاد کہ اللہ دو موت آپ پر جمع نہیں کرے گا داؤدی نے کہا کہ اللہ تعالٰی اس موت کے بعد آپ پر شدت وتکلیف نہیں جمع کرے گا، اس لئے کہ آپ کو قیامت کے دن کی ہولناکیوں سے محفوظ فرمادیا ہے۔ کہا کہ ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ کو دوبارہ موت قبر میں نہیں ہوگی۔ جیسا کہ اور لوگ قبر میں زندہ کئے جائیں گے۔ سوال وجواب ہوگا۔ پھر ان کی روح قبض کرلی جائے گی۔

(عمدة القاری شرح بخاری جز رابع کتاب الجنائز ص ۱۶ مطبوعہ مصر)

"قال موتتین قال ذالک ابوبکر حین قال عمر حین مات النبی ﷺ ان اللہ سیبعث نبیه فیقطع ایدی رجال قالوا انه مات ثم یموت آخر الزمان فاراد ابوبکر رد کلامه ای لا یکون ذالک فی الدنیا الاموتة واحدة وقال الداؤدی ای لا یموت فی قبرہ موتة اخریٰ" دو موت، یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس وقت کہا جب کہ حضرت ﷺ کی وفات ہوگئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ تعالٰی اپنے نبی کو مبعوث کرے گا تو وہ منافقین کا خاتمہ کریں گے۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ اس وقت آپ کی وفات ہوگئی۔ پھر آخری زمانہ میں آپ کی وفات ہوگی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کی تردید فرمائی کہ دنیا میں ایک ہی بار موت طاری ہوگی اور داؤدی نے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ قبر میں دوبارہ موت نہیں ہوگی۔ (عمدة القاری شرح بخاری جز ثامن کتاب المغازی باب مرض النبی ﷺ ووفاته ص ۴۵)

کوئی توضیح مفہوم حیات انبیاء کے معارض نہیں بلکہ مؤید ہے

علامہ ابن حجر عسقلانی نے "لا یجمع اللہ علیک موتتین" کی شرح میں چند اقوال لکھے ہیں۔ ان میں پہلا قول جس کو واضح بتایا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت ﷺ کی وفات کے وقت بعض صحابہ کو خیال ہوگیا تھا کہ حضرت ﷺ زندہ ہوکر منافقین کا خاتمہ کریں گے۔ تب آپ کی وفات ہوگی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے تردید فرمائی کہ ایسا نہیں

ہے کہ آپ زندہ ہوں اور پھر آپ پر دوبارہ موت طاری ہو جو آپ کے لئے مقرر تھی وہ ہو گئی۔ زندہ ہو کر دوبارہ موت نہیں ہوگی۔ یعنی دو موت آپ پر جمع نہیں ہوگی۔

علامہ بدرالدین عینی نے بھی اپنی شرح میں چند دوسرے اقوال کے ساتھ اس کو لکھا ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی اور علامہ بدرالدین عینی دونوں نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے قول کی دوسری توضیح یہ کی ہے کہ منشا یہ ہے کہ قبر میں حضرت ﷺ کے لئے دوبارہ موت نہیں ہے۔ یعنی جس طرح تمام لوگ قبر میں زندہ کر کے سوال و جواب کے مرحلے سے گزارے جائیں گے پھر ان کی روح قبض کر لی جائے گی۔ حضرت کے لئے ایسا نہیں ہے بلکہ آپ کو قبر میں زندگی عطاء ہوگی تو پھر دوبارہ موت طاری نہیں ہوگی۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ پہلی توضیح واقعیت کی بناء پر صحیح ہے۔ کیونکہ یہ مسلم ہے کہ دوبارہ حضرت کو ایسی حیات حاصل نہیں ہوگی کہ امور مہمہ دنیاوی انجام دیں اور منافقین کا خاتمہ کریں۔ لیکن اس کے باوجود وفات کے بعد انبیاء علیہم السلام کی وہ حیات جسمانی تسلیم شدہ رہی۔ جس کی بناء پر وہ صلوٰۃ وسلام پیش کرنے والوں کا سلام سنتے ہیں اور جواب عنایت کرتے ہیں اور اپنی جسمانی حیات کے ساتھ نمازیں پڑھتے ہیں۔ کیونکہ توضیح مذکور سے اس کی نفی تو درکنار اس کی طرف اشارہ بھی نہیں پایا جاتا ہے اور دوسری توضیح کا منشاء و مفہوم بعینہ وہی ہے جو حیات انبیاء کا ہے۔ اس لئے حیات انبیاء کا جو مفہوم کتاب وسنت وائمہ متقدمین کی تصریحات کی روشنی میں واضح ہو چکا ہے وہ نہ تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے قول کے معارض و متضاد ہے اور نہ ان کے قول کی کسی شرح کے۔ بلکہ اس قول کی توضیحات انبیاء علیہم السلام کی حیات بعد الوفات کی مؤید اور مثبت ہیں۔

لا یذیقک اللہ الموتتین کی شرح

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ اثر صحیح بخاری میں کتاب الجنائز اور کتاب المغازی باب مرض النبی ﷺ ووفاتہ کے علاوہ کتاب المناقب باب فضائل ابی بکر میں بھی مروی ہے۔ چنانچہ اس جگہ کے الفاظ یہ ہیں: ”فجاء ابوبکر فکشف عن رسول اللہ ﷺ فقبلہ فقال بابی انت وامی طبت حیاً ومیتاً والذی نفسی بیدہ لا یذیقک اللہ الموتتین ابدا“ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے حضرت ﷺ کے چہرہ انور سے کپڑا ہٹایا اور بوسہ دے کر فرمایا کہ میرے باپ ماں آپ پر قربان، پاکیزہ رہے آپ حالت حیات اور حالت ممات میں اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دو موت نہیں چکھائے گا۔

(صحیح بخاری ج ۱ کتاب المناقب باب فضل ابی بکر بعد النبی ﷺ ص ۵۱۷ مطبوعہ ہند)

اس کی شرح میں علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں: ”قولہ لا یذیقک اللہ الموتتین بضم الیاء من الاذاقۃ واراد بالموتتین الموت فی الدنیا والموت فی القبر وھما موتتان المعروفتان المشھورتان فلذالک ذکرھما بالتعریف وھما الموتتان الواقعتان لکل احد غیر الانبیاء علیہم السلام فانھم لا یموتون فی قبورھم بل ھم احیاء واما سائر الخلق فانھم یموتون فی القبور ثم یحیون یوم القیامۃ ومذھب اھل السنۃ والجماعۃ ان فی القبر حیاۃً وموتاً فلابد من ذوق الموتتین لکل احد غیر الانبیاء“ قول، اللہ آپ کو دو موت

نہیں چکھائے گا، دوموت سے ایک دنیا کی موت اور دوسرے قبر کی موت مراد ہے اور وہ دونوں معروف ومشہور ہیں۔ اسی لئے اس کو الف لام کے ساتھ معرفہ ذکر کیا ہے اور وہ دونوں موتیں انبیاء کے علاوہ ہر ایک کے لئے ہیں۔ اس لئے کہ انبیاء قبروں میں نہیں مرتے ہیں بلکہ وہ زندہ رہتے ہیں اور تمام لوگ قبروں میں مرجاتے ہیں۔ پھر قیامت کے دن زندہ کئے جائیں گے اور اہل سنت والجماعت کا مسلک ومذہب یہی ہے کہ قبر میں زندگی اور موت دونوں ہے۔ اس لئے دوموت کا چکھنا ہر ایک کے لئے ضروری ہے بجز انبیاء علیہم السلام کے۔

(عمدۃ القاری شرح بخاری جز سابع ص ۶۰۰ مطبوعہ مصر)

علامہ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: ''واحسن من هذا الجواب ان يقال ان حياته ﷺ في القبر لا يعقبها موت بل يستمر حيا والانبياء احياء في قبورهم ولعل هذا هو الحكمة في تعريف الموتتين حيث قال لا يذيقك الله الموتتين اى المعروفتين المشهورتين الواقعتين لكل احد غير الانبياء''

اور اس جواب سے احسن یہ ہے کہ کہا جائے کہ رسول اللہ ﷺ کو ایسی زندگی عطاء ہوئی کہ پھر اس کے بعد موت نہیں ہے۔ آپ ہمیشہ زندہ رہیں گے اور جملہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور غالباً یہی حکمت ہے کہ الموتتین کو معرف باللام لایا گیا ہے۔ یعنی وہ دومشہور ومعروف موتیں جو انبیاء علیہم السلام کے علاوہ ہر ایک کے لئے متعین ہیں۔

(فتح الباری شرح بخاری جز سابع ص ۲۲ مطبوعہ مصر)

شارحین کی توضیح حیات النبی کے ہم معنی اور مترادف ہے

صحیح بخاری کے دونوں مشہور شارح علامہ ابن حجر عسقلانی اور علامہ بدرالدین عینی نے اس جگہ الموتتین میں موت ثانیہ سے قبر کی موت مراد لی ہے اور علامہ ابن حجر نے اس کو احسن بتایا ہے اور فرمایا ہے کہ اذاقت موت کے بعد پھر کوئی موت حضرت ﷺ پر قبر میں طاری نہیں ہوگی۔ بلکہ اس کے بعد آپ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ لا یجمع اللہ علیک موتتین کی توضیح ثانی میں جو لکھا ہے اس کی مزید تاکید وتشریح کے ساتھ احسن قول بتاتے ہوئے اس جگہ لکھا ہے۔

شارحین کا اس مسلک پر اتفاق وایجاب

اس سے اگر یہ واضح ہوا کہ: ''لایجمع اللہ علیک موتتین۔ ولا یذیقک اللہ الموتتین'' کے تعین مفہوم میں ائمہ شارحین علامہ ابن حجر وعلامہ عینی کے نزدیک بہتر اور صحیح توضیح یہی ہے کہ موت ثانیہ سے قبر کی موت مراد ہے جو انبیاء کو طاری نہیں ہوگی اور وہ موت کی لذت شناسی کے بعد ہمیشہ کے لئے زندہ کردیئے جائیں گے تو اس کے ساتھ حیات انبیاء کے مسلک پر ان ائمہ شارحین کے اتفاق وایجاب کی تصریح کی بھی وضاحت ہوگئی۔

خلاصہ یہ کہ صحیح بخاری کے شارحین نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے قول کی جو وضاحت وتشریح کی ہے وہ مسئلہ حیات النبی ﷺ کی موافقت اور پوری تائید کرتی ہے۔ علامہ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی اس قول کو مسلک حیات النبی کے ثبوت وتائید میں پیش کیا ہے۔ چنانچہ مدارج النبوۃ میں علامہ محدث فرماتے ہیں: ودر قول ابی بکر لا یجمع اللہ علیک موتتین، اختلاف کردہ اند کہ چیست مراد از اں۔ بعضے گفتہ اند کہ مراد آن ست کہ نمی میرد

بموت دیگر در قبر ہمچو دیگراں کہ زندہ گردانیدہ می شود برائے سوال باز میرانیدہ می شوند وظاہر آن ست کہ موت دیگر نیست بروے وبعد از جریان سنت الٰہی براذاقت موت وزندہ گردانیدن بعد ازاں حیات باقی ومستمر خواہد بود ومماتِ براں طاری نہ خواہد شد۔ پس ایں سخن اشارت است بحیات آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قول: ''لا یجمع اللہ علیک موتتین'' میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے کہ اس کا منشاء کیا ہے؟ بعض نے کہا کہ اس کا منشاء یہ ہے کہ آپ کو دوبارہ موت قبر میں نہیں ہوگی۔ جیسا کہ اور لوگ زندہ کئے جائیں گے سوال کے لئے پھر مار دیئے جائیں گے اور ظاہر بھی ہے کہ آپ کے لئے دوبارہ موت نہیں ہے اور موت کا مزہ چکھانے کی سنت الٰہی جاری کرنے اور پھر آپ کو زندہ کرنے کے بعد حیات باقی اور ہمیشہ رہے گی اور پھر موت طاری نہیں ہوگی تو اس کلام سے آنحضرت ﷺ کی حیات کی طرف اشارہ ہے۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۸۹۰)

شارحین حدیث کی تصریحات سے واضح ہو گیا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے قول: ''لا یجمع اللہ علیک موتتین'' کی کوئی توضیح مسلک مصرحہ حیات الانبیاء کے مخالف ومعارض نہیں ہے۔ بلکہ ان کا قول اور اس کی توضیح مسلک مصرحہ کی تائید وموافقت میں ہے۔ اس بناء پر ان توضیحات وتصریحات کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اثر کے کسی حصہ سے مسلک حیات النبی ﷺ پر کوئی ایراد واشکال یا کسی شک وشبہ کا احتمال باقی نہیں رہتا۔ بلکہ مزید اس کی تائید وتشریح ہوتی ہے۔

الغرض حیات انبیاء علیہم السلام کا مسلک قرآن کریم کے نصوص صریحہ اور کتب صحاح کی احادیث[1] مرفوعہ کے واضح دلائل اور ائمہ مفسرین ومحدثین وعلمائے متقدمین[2] کی بیّن تصریحات اور محققین وائمہ مذاہب کی تحقیق کی روشنی میں[3] واضح اور پوری طرح نمایاں ہو گیا۔ مزید علماء محققین کی اس وضاحت سے کہ یہ مسئلہ اتفاقی واجماعی ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں اور نہ کسی شک وشبہ کی گنجائش ہے۔ اس کا امر مسلم اور متفق علیہ ہونا بھی پایہ ثبوت کو پہنچ گیا[4] اس بنا پر یہ کسی ایک فرد یا خاص ماحول وطبقہ کا مسلک ونظریہ نہیں بلکہ ان تمام اجلہ ملت اور ائمہ امت کی تصریحات وتوضیحات سے معلوم ہوا کہ اہل سنت والجماعت کا یہ متفقہ مسئلہ ہے اور سلف سے خلف تک سب کے نزدیک تسلیم شدہ ہے۔

نہ من تنہا دریں میخانہ مستم   گزیں مے ہمچو من بسیار شد مست

---

[1] ان احادیث کے قبول واستنباط میں انہی شارحین حدیث کے اقوال مدنظر رہے ہیں جن کی شرحیں علماء کے درمیان متداول اور مقبول ہیں اور جن جملہ پر علمائے کرام اعتماد کرتے ہیں۔

[2] علمائے متقدمین کی پیروی کہاں تک کی گئی ہے یہ اسی سے معلوم ہوگا کہ کسی اور کا قول لکھنے کے بجائے ہر جگہ علمائے متقدمین کے اقوال نقل کئے گئے ہیں اور انہی کی اتباع میں کوئی نظریہ یا مسلک واضح کیا گیا ہے۔

[3] یہ مسلک یہ نظریہ یا بزبان دیگر یہ وہم نہ صرف کسی ایک حدیث (وہ بھی ایسی حدیث جو صحابی کا قول ہو جس کو محدثین اثر کہتے ہیں۔ حدیث مرفوع بھی نہیں) بلکہ نص قرآنی اور احادیث مرفوعہ کی دلالت ووضاحت اور ائمہ مفسرین ومحدثین وعلماء متقدمین ومحققین وائمہ مذاہب کے اقوال وتصریحات کی روشنی میں ایک مسلم اور ناقابل تردید حقیقت ہے۔ اس لئے اگر اس کو وہم کہا جاسکتا ہے تو یہ کسی ایک فرد کا وہم نہیں، کسی خاص طبقہ وماحول کا وہم نہیں بلکہ پوری امت مسلمہ کا اتفاقی واجماعی وہم ہے۔ جو وہم کتاب وسنت کے قطعی نصوص کی بناء پر بلاخوف لومۃ لائم ہر ذی ہوش اور ذی فہم کے لئے مسلک صحیح اور نظریہ حقہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ (حاشیہ ۴،۱ اگلے صفحہ پر)

خاتمہ

خطاب عام

ایک عاجز و بے بس انسان سے اس کی علم بے بضاعتی اور قصور فہم و ادراک کے ساتھ اس موضوع پر جو شواہد و بیّنات مہیا ہو سکے اور اس کی محدود و ناقص نگاہ نے کتابوں کی ورق گردانی سے جو مواد فراہم کئے۔ ان سب کو یکجا اور قلمبند کردینے کی کوشش کی گئی ہے۔ کسی غلط تعبیر کی وجہ سے اگر کہیں اصلیت و واقعیت باقی نہ رہی ہو تو اس کو لکھنے والے کے بے علمی اور کم فہمی پر زیادہ اور لازمہ بشریت پر کم، محمول کرنا چاہئے۔

بحضور خداوند تعالیٰ: خداوندا! تو عالم الغیب اور عالم مافی الصدور ہے تو جانتا ہے کہ اس تالیف کا مقصد اپنی طمانیت قلبی کے ساتھ دوسروں کا اطمینان نفس ہے تاکہ کسی غلط فہمی میں اگر کوئی مبتلا ہے، یا اگر اس کو شکوک وشبہات ہیں تو اس سے ازالہ ہوجائے۔ اے علّام الغیوب! تو جانتا ہے کہ اس خالص اصلاحی نیت کے سوا اور کوئی مقصد پیش نظر نہیں ہے ان ارید الا الاصلاح ما استطعت و ما توفیقی الا بک فعلیک اتوکل و الیک انیب۔

خداوندا! تیرے عاجز بندہ کے ناقص فہم نے اگر کہیں دھوکا دیا ہو یا اس کے قلم نے کوئی ارادی غلطی کی ہو تو اس کو معاف اور درگزر فرما۔

بگوار دیگر زانکہ معلوم شد گیرندہ دیری وگزارندہ زود

اللّٰھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا واجبتنا اتباعہ۔ اللّٰھم طھر قلبی من کل وصف یباعد لی عن مشاھدتک ومحبتک واحینی فی ابتغاء مرضاتک وامتنی علی السنۃ والجماعۃ والشوق الی لقائک بجاہ نبیک المصطفی ﷺ عندک۔

عبدک العاجز عون احمد القادری فارحم علیہ وعلی ابویہ

۱۲/شعبان دوشنبہ ۱۳۷۵ھ

(حاشیہ ہذا گزشتہ صفحہ) ۲؎ ائمہ کرام وعلمائے متقدمین کی تصریحات بالا کے علاوہ اس سلسلہ میں مابعد کے اکابر علماء کا مسلک اور ان کی تصریحات معلوم کرنی ہوں تو ذیل کے حوالے ملاحظہ کئے جائیں: (۱) تحریر مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دار العلوم دیوبند مرقومہ آب حیات ص ۲۳۳ مؤلفہ مولانا موصوفؒ بحوالہ مکتوبات شیخ الاسلام ج ۱ ص ۲۴۴ تا ۲۴۵ وبحوالہ وفات النبی ص ۹۰ تا ۹۲ (مؤلفہ مولانا اخلاق حسین قاسمی مطبوعہ فاروقی پریس دہلی) (۲) دعوات عبدیت حصہ ششم ملقب بہ تعظیم الشعائر ص ۲۰ مواعظ مولانا اشرف علی تھانویؒ (مطبوعہ جمال پرنٹنگ ورکس جامع مسجد دہلی) (۳) مکتوبات شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی زیدت معالیہ (ج ۱ ص ۱۳۰) و ۲۴۲ تا ۲۴۳ مطبوعہ معارف پریس اعظم گڑھ) (۴) مولانا قاری محمد طیب زیدت معالیہ مہتمم دار العلوم دیوبند مرقومہ (وفات النبی ص ۹۰ مولفہ مولوی اخلاق حسین قاسمی (۵) مقالہ حضرت الاستاذ مولانا سید مناظر احسن گیلانی دامت برکاتہ مندرجہ (الفرقان ج نمبر ۶۹ ۱۳ھ ص ۵۷ تا ۵۸ و ۶۵ تا ۶۷) (۶) تجلیات مدینہ مؤلفہ مولانا احتشام الحسن کاندھلوی زیدت مکارمہ (ص ۳۴ تا ۴۰ مطبوعہ یونین پرنٹنگ پریس دہلی) معتبر ذرائع سے معلوم ہوا کہ مولانا احمد رضا خان بریلوی کا ایک رسالہ حیات انبیاء کے ثبوت میں طبع شدہ ہے لیکن وہ اب تک عاجز کے مطالعہ میں نہیں آیا ہے۔

فہرست مآخذ

اس کتاب ''نعمت کبریٰ'' میں قرآن کریم، مجموعہ احادیث، تفاسیر، شروح احادیث، کتب سیر وتواریخ، لغت حدیث وغیرہ سب سے استنباط واستدلال کیا گیا ہے۔ اس لئے ان تمام کتابوں کے نام مؤلفین وجامعین کے اسماء اور مطبع کی تصریح ذیل میں درج کی جاتی ہے تاکہ قارئین اس کے جملہ مآخذ اوران کی صحیح نوعیت وحیثیت سے باخبر ہوجائیں۔

نمبر شمار	کتابوں کے نام	مؤلفین کے اسماء	سنہ وفات	مطبع کے نام ومقام
۱	قرآن کریم	انا انزلنا علیک الکتاب للناس بالحق فمن اهتدیٰ فلنفسه ومن ضل فانما یضل علیها وما انت علیهم بوکیل	(زمر:۴۱)	بے شک ہم نے اتاری تم پر کتاب لوگوں کے واسطے سچائی اور حقانیت کے ساتھ تو پھر جو کوئی راہ پر آیا تو اپنے فائدہ کے لئے اور جو بھٹکا وہ اپنے نقصان کو پہنچا اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں۔
۲	تفسیر مدارک التنزیل وحقائق التاویل	علامہ ابوالبرکات محمود النسفی	۶۸۶ھ	مطبوعہ مصر
۳	تفسیر لباب التاویل فی معنی التنزیل	علامہ علاؤالدین خازن	۷۴۱ھ	مطبوعہ مصر
۴	تفسیر انوار التنزیل واسرار التاویل	قاضی ناصرالدین عبداللہ بن عمر بیضاوی	۶۹۱ھ	مطبع نولکشور
۵	تفسیر مفاتیح الغیب المشتہر بالتفسیر الکبیر	امام فخرالدین رازی	۶۰۶ھ	مطبوعہ مصر
۶	تفسیر احمدی	ملا احمد جیون	۱۱۳۰ھ	مطبوعہ ہند
۷	تفسیر فتح العزیز	مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی	۱۲۳۹ھ	مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی
۸	تفسیر مظہری	علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵ھ	مطبوعہ الغریب حصار
۹	تفسیر البحر المحیط	علامہ اثیرالدین ابوحیان اندلسی	۶۵۴ھ	مطبوعہ مصر
۱۰	تفسیر ابن کثیر	علامہ حافظ عمادالدین ابن کثیر دمشقی	۷۷۴ھ	مطبوعہ مصر
۱۱	الاکلیل شرح تفسیر مدارک التنزیل	علامہ عبدالحق مکی	تالیف: ۱۲۹۶ھ	مطبع اکلیل المطابع
۱۲	صحیح بخاری	امام محمد بن محمد اسماعیل بخاری	۲۵۶ھ	مطبع مصطفائی۔ نظامی کانپور
۱۳	صحیح مسلم	امام ابوالحسن مسلم بن الحجاج قشیری	۲۶۱ھ	مطبوعہ مصر

۱۴	سنن ابی داؤد	امام ابوداؤد بن اشعث السجستانی	۲۸۵ھ	مطبع محمدی دہلی
۱۵	سنن ابن ماجہ	امام عبداللہ محمد بن زید بن ماجہ قزوینی	۲۷۲ھ	بحوالہ مشکوۃ المصابیح
۱۶	سنن نسائی	امام ابوعبدالرحمن ابن بن شعیب	۳۰۳ھ	مطبع مجیدی کانپور
۱۷	سنن دارمی	امام عبداللہ بن عبدالرحمن تمیمی دارمی	۱۸۰ھ	مطبع مجیدی کانپور
۱۸، ۱۹	شعب الایمان، دعوات کبیر للبیہقی	امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی	۴۵۸ھ	بحوالہ مشکوۃ المصابیح مطبوعہ مطبع مجیدی کانپور
۲۰	مسند ابی یعلیٰ			بحوالہ انباہ الاذکیاء فی حیوۃ الانبیاء مطبوعہ حیدرآباد دکن
۲۱	مشکوۃ المصابیح	علامہ ابومحمد حسین بن مسعود الفراء بغوی	۵۱۶ھ	مطبوعہ مطبع مجیدی کانپور
۲۲	لمعات شرح مشکوۃ (عربی)	علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ	نسخہ قلمی کتب خانہ مجیبیہ پھلواری شریف
۲۳	اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ (فارسی)	// //	//	مطبع نولکشور لکھنو
۲۴	مرقاۃ شرح مشکوۃ	ملا علی القاری الحنفی	۱۰۱۴ھ	مصر
۲۵	نووی شرح مسلم	شیخ الاسلام بن شرف محی الدین نووی	۶۷۷ھ	مطبع نولکشور لکھنو
۲۶	فتح الباری شرح صحیح بخاری	علامہ ابن حجر عسقلانی	۸۵۲ھ	مصر
۲۷	عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری	علامہ بدرالدین عینی	۸۵۵ھ	مصر
۲۸	ارشاد الساری شرح صحیح بخاری	علامہ احمد بن محمد ابی بکر قسطلانی	۹۲۳ھ	مصر
۲۹	مدارج النبوۃ	علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ	مطبوعہ ہند
۳۰	جذب القلوب الی دیار المحبوب	// //	//	مطبع نولکشور لکھنو
۳۱	خلاصۃ الوفاء باخبار المصطفیٰ	علامہ شیخ سمہودی	۹۱۱ھ	مصر
۳۲	انباہ الاذکیاء فی حیاۃ الانبیاء	علامہ جلال الدین سیوطی	۹۱۱ھ	حیدرآباد دکن
۳۳	نور الرحمن بزیارۃ آثار حبیب الرحمن	مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی	۱۲۸۵ھ	مطبع علوی لکھنو
۳۴	السعی المشکور	مولانا عبدالحی فرنگی محلی	۱۳۰۴ھ	مطبع چشمہ فیض لکھنو
۳۵	مجمع بحار الانوار	علامہ شیخ محمد طاہر	تالیف: ۹۷۶ھ	مطبع نولکشور لکھنو
۳۶	المفردات فی غرایب القرآن	علامہ راغب اصفہانی	۵۰۲ھ	مکتبہ ابوذر جمہری مصطفوی طہران
۳۷	المنجد (لغت)	الاب لویس معلوف یسوعی	تالیف: ۱۳۲۶ھ	مطبع کاتھولیکیہ بیروت

دیگر علمائے کرام کی رائے وتوثیق

(۵) جناب مولانا مقبول احمد صاحب صدیقی صدر المدرسین دار العلوم مشرقیہ حمیدیہ دربھنگہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صلی اللہ علیک وعلی آلک یا محمد

دلائل شرعیہ مشہورہ سے عام مردوں کے لئے مرنے کے بعد ادراک منافع ومضار، عذاب وثواب ثابت ومبرہن ہے، مومنین کے لئے بعد موت سماع سلام اور سلام کا جواب دینا اپنی قبروں پر آنے والوں کو پہچاننا اور ان کی ملاقات سے مسرور ہونا دلائل شرعیہ کی روشنی میں ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ یہ امور مستلزم حیات اور حیات پر موقوف ہیں۔خود حضور اکرم ﷺ کا جنۃ البقیع میں آخر شب میں تشریف فرما ہونا اہل مقابر کو سلام سے نوازنا صحیح مسلم میں مصرح اور مروی ''وفی مجمع البرکات ناقلاً عن الشرعۃ ما من عبد یمر بقبر رجل کان یعرفہ فی الدنیا فیسلم علیہ الا عرفہ ورد علیہ السلام کذا اخرج ابن عبدالبر فی الاستذکار وفی الاحیاء واذا مرّ بقبر لا یعرفہ وسلم علیہ رد علیہ السلام'' (جب کوئی اپنے شناسا کی قبروں پر گزرتے ہوئے ان کو سلام کرتا ہے تو اہل قبر اسے پہچانتے ہیں اور جواب سلام دیتے ہیں اور ناشناسا پر سلام کرنے سے جواب سلام دیتے ہیں)

عالم برزخ کی اس طرح حیات کہ روح کو بواسطہ جسم کے ادراک ثواب وعقاب منافع ومضار مکروہات ومرغوبات ہوتا ہے عقائد اسلامیہ کی امتیازی خصوصیت ہے جو اس کو تمام مذاہب باطلہ عاطلہ مردودہ سے جن میں اموات کے عذاب روحانی اور حیات روحی کا یقین کرنے سے عقلاً مفر ممکن نہ ہوسکا، ممتاز وجدا کرتی ہے۔ شیخ محقق قدس سرہ جذب القلوب میں فرماتے ہیں: بداں کہ اہل سنت وجماعت اعتقاد دارند بہ ثبوت ادراکات مثل علم وسمع مرسائر اموات را از احادشئی خصوصاً انبیاء علیہم السلام (بلانکیر اہل سنت وجماعت ہر مرنے والے انسان کے لئے علم، سننے اور ادراکات کا اعتقاد ویقین رکھتے ہیں۔خصوصاً انبیاء علیہم السلام کے لئے) خصوصیت سے شہداء کے لئے باوجودیکہ ان کی موت مشاہدہ وبداہتاً معلوم ہے۔مرنے کے بعد دلیل قطعی آیات قرآنی سے خصوصی کیفیات کے ساتھ ایسی حیات ثابت ہے کہ اس کے بعد ان کی موت کے عینی مشاہدہ ومتیقن ہونے کے باوجود ان کو اموات کے لفظ سے ذکر کرنا اور ان کو مردہ سمجھنا تو درکنار مردہ کہنا بھی ممنوع اور حرام ہے۔مقتولین فی سبیل اللہ کو جن میں سرداران شہداء ومقتدایان اصفیاء محبوبین پروردگار عالم انبیاء علیہم السلام باتفاق سلف وعلمائے اخیار داخل ہیں۔ایک ایسی حقیقی زندگی بعد وقوع موت عنایت ہوتی ہے کہ ان پر میت کے لفظ کا اطلاق بھی ممنوع ہوگیا۔

فرمان خداوندی ہے: ''لاتقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون (البقرۃ:۱۵۴)'' (جو اللہ کی راہ میں قتل کئے جائیں ان کو مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم کو ان کی زندگی کا شعور واحساس نہیں ہے) دوسری آیت میں ''ولاتحسبن'' فرما کر ان کو مردہ گمان کرنے کی ممانعت وارد ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے لئے ان سب سے اعلیٰ وارفع واکمل واتم حیات مستمرہ باقیہ غیر منقطعہ ثابت ومبرہن بدلائل شرعیہ یقینیہ ہے۔تمام علماء محققین وسلف صالحین کا اس پر اتفاق واجماع ہے۔

شیخ محقق علی الاطلاق جذب القلوب میں فرماتے ہیں: ''و باتفاق علماء در حیات آنحضرت بعد از وفات ہیچ شبہ نیست و ہمچنیں سائر انبیاء علیہم السلام در قبور زندہ اند بحیات کامل تر و تحقیقت تر از حیات شہداء کہ در کلام مجید از وے خبر دادہ است و کیف لا و آنحضرت سید الشہداء است و اعمال شہداء در میزان اوست۔'' (آنحضرت ﷺ کی حیات میں باتفاق علماء کوئی شبہ نہیں ہے۔اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام شہداء کی حیات سے جس کی خبر قرآن پاک میں ہے بہتر اور کامل تر ممتاز و حقیقی حیات کے ساتھ قبروں میں زندہ ہیں اور کیسے نہ ہو جب کہ آنحضرت ﷺ شہداء کے سردار ہیں اور شہداء کے جملہ اعمال آپ کے میزان عمل میں موجود ہیں)

انبیاء علیہم السلام کی حیات بعد وفات خصوصاً سید الانبیاء کی حیات مطہر و منور اتم و اکمل بجسدہ الاطہر و بجسمہ المنور کہ جس پر احکام دنیوی (مثل حرمت نکاح ازواج مطہرات، آپ کی مملوکہ اشیاء کا آپ کی ملک میں باقی رہنا اور اس میں اجراء وراثت کا صحیح نہ ہونا، اذان دینا، نماز پڑھنا، آپ کی موجودگی کا مطابق منطوق قرآنی مثل حیات طیبہ دنیوی کے، عذاب سے امن کا باعث ہونا اسی سمع مبارکہ جسمانی سے قربت جسمانی کے شرف سے مشرف ہونے والوں کا تحیۃ وسلام سننا اسی زبان گوہر بار جسمانی سے کلیہ جواب سلام عنایت فرما کر شکستہ دلوں کو نوازنا اور اسی جسم اقدس کے حضور درود امت و اعمال امت کا پیش ہونا وغیرہ) مرتب ہوتے ہیں۔ایک ایسا اجماعی مسئلہ ہے کہ جس کا انکار خرق اجماع اور دلائل قطعیہ کا انکار ہے۔

شیخ محقق قدس سرہ جذب القلوب میں رقمطراز ہیں: ''بداں کہ در حیات انبیاء علیہم السلام وثبوت ایں صفت مر ایشاں را و ترتب آثار و احکام آں ہیچ کس را او علماء خلافے نیست۔'' (انبیاء کی حیات اور ان کے لئے اس صفت ثابت ہونے حیات کے احکام کے مرتب ہونے میں علماء میں کسی کو خلاف نہیں ہے۔

''وفی الجوھر المنظم ان الاجماع وقع علی ھذا ای حیاۃ الانبیاء'' بلاشبہ اس پر (حیات انبیاء پر) اجماع واقع ہے۔''عن ابن عمر مرفوعاً من حج فزار قبری بعد موتی کان کمن زارنی فی حیاتی۔(مشکوۃ)'' (جس نے حج کیا پھر میری قبر کی زیارت کی میری موت کے بعد وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے زندگی میں مجھ سے ملاقات کی)

حضرت شیخ محقق دہلوی قدس سرہ اشعۃ اللمعات میں حدیث مذکورہ کے تحت فرماتے ہیں: ''و یکے از فواید و بشائر زیارت شریف آنست کہ زائر را از نصیبہ صحبت معنوی و آنچہ از لوازم و آثار آنست حاصل می گردد و ایں مبنی بر ثبوت حیات است مر آنحضرت را ﷺ حیات حقیقی دنیاوی بخلاف شہداء کہ بحیات معنوی مشرف اند۔'' (زیارت شریف کے فوائد و خوشخبریوں میں ایک یہ ہے کہ زائر کو صحبت اور اس کے لوازمات سے ایک مخصوص حصہ حاصل ہوتا ہے اور یہ حضور اکرم ﷺ کی حیات پر مبنی ہے جو حیات حقیقی دنیاوی ہے بخلاف شہداء کے وہ حیات معنوی سے مشرف ہیں)

ابو یعلیٰ بہ نقل ثقات و علامہ بیہقی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں ''قال قال رسول اللہ ﷺ الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون کذا نقل الزرقانی'' (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں) آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''علمی بعد وفاتی کعلمی فی حیاتی رواہ الحافظ المنذری و ابن عدی فی الکامل'' (بعد وفات میرا علم زندگی کے علم کی طرح ہے)

علامہ بیہقی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور اس کی تصحیح فرمائی ہے ''الانبیاء لا یترکون فی قبورھم بعد اربعین لیلۃ ولکنھم یصلون بین یدی اللہ حتی ینفخ فی الصور'' (انبیاء اپنی قبروں

میں چالیس راتوں کے بعد (معطل) نہیں چھوڑ دیئے جاتے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں نمازیں پڑھتے ہیں یہاں تک کہ نفخ صور ہو) حضرت سعید بن مسیبؒ کا جو اکابر تابعین میں ہیں تین دنوں تک واقعہ حرہ کے زمانہ میں جب کہ مسجد نبوی زادہا اللہ شرفاً وتعظیماً اذان وتکبیر اور نمازیوں سے خالی تھی۔ اندرون حجرہ مبارکہ منبع خیرات وبرکات سے اذان وتکبیر کی آواز سننا اور اسی سے نماز کے اوقات معلوم کر کے نمازیں ادا کرنا تاریخی واقعہ اور حیات بابرکات پر بیّن دلیل ہے۔ لیلۃ المعراج میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہوئے سرور عالم کا ملاحظہ فرمانا۔ انبیاء علیہم السلام کی امامت کرنا۔ ان سے ملاقات وسلام وکلام، ان میں سے بعض حضرات کا حلیہ بیان فرمانا احادیث مشہورہ سے ثابت اور حیات انبیاء پر دلیل واضح۔

ان کے علاوہ احادیث کثیرہ متواترۃ المعنی اور اقوال ائمہ اعلام وعلمائے سلف بطور وضوح دلالت کرتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو عموماً اور سید الانبیاء ﷺ کو خصوصاً اللہ تعالیٰ نے بعد وفات حیات باقیہ مستمرہ عنایت فرمائی ہے جو ترتب آثار حیات میں مثل حیات دنیاوی بلکہ اس سے اکمل وارفع ہے اور بقائے حیات میں جن امور کی احتیاج ہے۔ اس میں حیات بعد الوفات حیات دنیاوی سے مختلف اور ممتاز ہے۔ یعنی حیات دنیاوی جسمانی کی بقاء غذا حسّی اور دنیاوی کھانے پینے پر موقوف ہے۔ لیکن حیات بعد الوفات اسی جسم انور کے ساتھ متعلق ہو کر بلا احتیاج غذاء دنیاوی باقی اور غیر فانی ہے۔

علامہ ابن رشد جو حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کے اکابر اتباع میں ہیں فرماتے ہیں: ''وھو صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احیاہ اللہ تعالٰی بعد موتہ حیوۃ تامۃ واستمرت تلک الحیوۃ الی الآن وھی مستمرۃ فی المستقبل ولیس ھذا خاصۃ بہ ﷺ بل یشارکہ الانبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیھم اجمعین فھو حیّ بالحیوۃ الکاملۃ مع الاستغناء عن الغذاء الحسی الدنیوی وجسدہ لم یتغیر ولم تاکلہ الارض وکذا سائر الانبیاء'' (حضور ﷺ کو بعد موت اللہ تعالیٰ نے حیات تامہ عنایت فرمائی اور وہ ہمیشہ ہمیشہ آج بھی اور آئندہ بھی باقی ومستمر ہے۔ یہ آپ کی خصوصیت سے نہیں ہے بلکہ اس نعمت میں تمام انبیاء علیہم السلام شریک ہیں۔ لہٰذا حضور ﷺ حیات کاملہ کے ساتھ زندہ ہیں۔ غذائے حسی دنیاوی سے مستغنی ہیں۔ آپ کے جسم اطہر میں کوئی تغیر نہیں۔ زمین اس میں کوئی تصرف نہیں کر سکتی اور نہ کھا سکتی ہے۔ یہی حال تمام انبیاء کا ہے)

ان شواہد سے ظاہر ہے کہ حضور سرور انبیاء علیہم السلام پر بمقتضائے ''کل نفس ذائقۃ الموت'' وفات آنی لاحق وطاری ہوئی اور بعد وفات جسم اطہر سے روح کے تعلق کے بعد جیسا کہ جمیع آحاد بشر کے لئے دلائل شرعیہ کی روشنی میں واقع ہوتا ہے وہ تعلق بطور اکمل واتم مستمر الی یوم القیامۃ والی مالانہایۃ لہ قائم وباقی ہے اور بوجہ طریان موت آنی یہ کہنا تو صحیح ہے کہ: ''النبی ﷺ قد مات'' لیکن بوجہ بعد وفات حیات دائمی باقی عنایت فرمائے جانے کے جو ترتب آثار اور متعلق بجسم ہونے میں مثل حیات دنیاوی بلکہ اس سے اتم ہے۔ ''النبی ﷺ میت'' کہنا ممنوع اور حرام اور دلائل قطعیہ کا انکار ہے۔ نعوذ باللہ منہا! حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے قول وعمل سے بطریق ابلغ حیات سرور انبیاء علیہم السلام کو واضح فرما دیا اور صحابہ کرام میں سے کسی کا انکار مروی نہیں۔

علامہ بخاریؒ کی روایت کے مطابق حضور اکرم ﷺ کی موت کو اس طرح ظاہر فرمایا گیا ''بابی انت وامی واللہ لا یجمع اللہ علیک موتتین اما الموتۃ التی کتبت علیک فقد متھا'' حشر میں کفار کے قول کی حکایت اللہ تعالیٰ نے یہ فرمائی ہے کہ وہ انتہائے مایوسی میں دنیا میں دوبارہ واپسی کی تمنا کے لئے عرض کریں گے۔ ''ربنا امتنا

اثنتین و احییتنا اثنتین " (اے ہمارے پروردگار تو نے ہم کو دو مرتبہ موت دی اور دو مرتبہ زندگی عنایت فرمائی) اس آیت کی تفسیر میں علامہ رازی فرماتے ہیں: "والموتتان لاتحصل الا عند حصول الحیوۃ فی القبر" (قبروں میں زندگی کے حصول کے بغیر دو موتوں کا حصول متصور نہیں ہے)

اس سے نیز دوسرے آثار سے واضح ہے کہ ہر انسان حیات دنیاوی کی موت اور جسم سے تعلق روح کے انقطاع کے بعد جو موت اوّل ہے قبر میں پھر زندہ کیا جاتا ہے اور روح کا جسم کے ساتھ اس طرح تعلق ہوتا ہے کہ حیات دنیاوی کی مماثلت کی وجہ سے اس کو حیات سے تعبیر کیا جاتا ہے اور پھر تعلق روح کا اس طرح انقطاع ہوتا ہے کہ حیات دنیاوی کی عدم مماثلت کی وجہ سے اس کو موت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ اماتت ثانیہ اور دوسری موت ہے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کتنے ابلغ انداز میں حضور کی حیات جاودانی پر متنبہ فرمایا کہ قول باری تعالیٰ: "انک میت" میں جس موت کی پیشین گوئی فرمائی گئی ہے اور "کل نفس ذائقۃ الموت" کے مقتضی کے مطابق جس موت کو مقدر فرمایا گیا اس کا مصداق متحقق ہو چکا اور وہ موت واقع ہو چکی۔ ہرگز اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں جمع نہ فرمائے گا۔ بلکہ اس کے بعد جب جسم پاک کے ساتھ روح کا تعلق ہوگا تو وہ قائم و باقی رہے گا۔ اس کے لئے انقطاع نہیں ہے جس کو علوم شرعیہ میں کچھ بھی درک ہے۔ اس سے یہ امر پوشیدہ نہیں کہ بعد موت قبر (عالم برزخ) میں روح کا تعلق جسم کے ساتھ ہوتا ہے، مرنے والا آنکھیں کھولتا ہے، کرتک اٹھ کر بیٹھتا ہے، وحشت قبر سے متوحش ہوتا ہے۔ مومن نماز کے اہتمام کو ظاہر کرتا ہے اپنے شناساسے جو اس کی قبر پر موجود ہو تقویت اور انس حاصل کرتا ہے۔

کیا ان امور میں کسی کو مجال انکار ہے؟ جسم اقدس اکرم و اعظم ﷺ کے ساتھ یہ تعلق معلوم بالبداہۃ، پھر اس کے انقطاع پر نہ دلیل نہ برہان بلکہ عدم انقطاع احادیث کثیرہ سے صراحۃً معلوم اور آیات قرآنیہ سے مبرہن، ورنہ یہاں بھی نعوذ باللہ اماتت ثانیہ کا قول لازم آئے گا۔ اسی لئے انتہائے تاکید کے ساتھ فرمایا گیا۔ "واللہ لا یجمع اللہ علیک موتتین" (قسم بخدا) اللہ تعالیٰ آپ پر ہرگز دو موتیں جمع نہ فرمائے گا) فالحمد للہ رب العالمین!

اسی طرح حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے جو حضور اقدس ﷺ کے مملوکات میں وراثت جاری کرنے کے بجائے بلا لحاظ سہام ارث ان کو انہیں مصارف میں جن میں خود سرکار دو عالم ﷺ صرف فرمایا کرتے تھے خرچ کر کے عملاً حیات جاودانی مثل حیات دنیاوی کو واضح فرمایا۔

الحاصل صحابہ کرام اور تابعین عظام و علمائے سلف، محققین خلف متفق الکلمہ ہیں اور اہل سنت و جماعت میں سے کسی کو کسی زمانہ میں حیات انبیاء علیہم السلام میں عموماً سید الانبیاء علیہم السلام کی حیات بعد وفات میں خصوصاً کہ مثل حیات دنیاوی بلکہ ترتب آثار حیات میں اس سے اتم و اکمل ہے کوئی اختلاف نہیں ہے اور نہ ان میں سے کسی کا خلاف مروی و منقول ہے۔ زمانہ موجودہ میں بعض اہل اہواء و بدع اس کو قدرت باری تعالیٰ سے بالاتر متوہم کرتے ہوئے نصوص واضح کے خلاف انکار کی جانب مائل ہیں۔ اللہ تعالیٰ مخدوم و مکرم حضرت المعظم سید السند شاہ عون احمد صاحب قادری پھلواروی مدظلہ العالی کی سعی مشکور فرمائے اور جزائے جزیل عنایت کرے کہ حضرت ممدوح نے زیر نظر رسالہ "نعمت کبریٰ (فی) الحیٰوۃ المصطفیٰ" میں مسئلہ حیات انبیاء کی ایسی توضیح و تشریح فرمائی ہے اور دلائل قطعیہ سے مدلل و مشید فرمایا ہے کہ اس سے مزید متصور نہیں اور نہ زاید کی حاجت۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء و رقاہ الی مدارج العلیاء و یزیدہ لتائید الحق و اھلہ الی یوم الجزاء لحبیبہ سید الشہداء رأس الانبیاء ﷺ۔ ناچیز مقبول احمد صدیقی

(۶) مولانا قدیر اختر ندوی سلمہ اللہ استاد ناظم الدین ہائی اسکول ایشرڈی (مشرقی پاکستان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انبیائے کرام علیہم السلام کو خداوند تعالیٰ نے گوناگوں فضائل وکمالات عطا فرمائے ہیں۔ قرآن پاک نے ان کے اوصاف کا جو مرقع پیش کیا ہے۔ وہ عام افراد انسانی سے بہت ممتاز ہے، قرب ربانی عبدیت کاملہ، صبر وتوکل، تسلیم ورضا، تفکر وتدبر، تبلیغ وہدایت، بصیرت وبصارت کے جن بلند مقامات پر وہ فائز ہوتے ہیں، ان کا ادراک انسانی ذہن نہیں کر سکتا۔ جس طرح انبیاء کرام کی حیات استثناء صفات ہوا کرتی ہے۔ اسی طرح ان کی وفات بھی عام انسانوں کی موت سے ممتاز ہوتی ہے۔ عام انسانوں پر موت وفنا کی دائمی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ مگر انبیائے کرام پر عارضی طور پر ہوتی ہے۔

''انک میت و انهم میتون'' سے مطلق موت کے وقوع میں اشتراک مقصود ہے۔ ورنہ نہایت مختصر لمحہ کے بعد روح وجسم کے اتصال سے انہیں حیات تو حاصل ہوتی ہے اور وہ پھر موجود ومتصرف ہوتے ہیں۔ ہمارے صلوٰۃ وسلام کو سنتے ہیں۔ ہماری آہ وفریاد کو سنتے ہیں۔ دیکھنے والوں کی آنکھیں ان کو دیکھتی ہیں، دھڑکنے والے دل ان کی صدائیں سنتے ہیں۔ ان کے تصرفات کو محسوس کرتے ہیں۔ یہ جمہور امت کا متفق علیہ عقیدہ ہے اور اس پر متواتر الدلالۃ خبریں موجود ہیں۔

علامہ ابن قیم اپنی کتاب الروح میں فرماتے ہیں: ''ان موت الانبیاء انما هو راجع الی ان غیبوا عنا بحیث لا ندرکهم وان کانوا موجودین احیاء ذالک کالحال فی الملائکة فانهم احیاء موجودون ولا نراهم'' موت انبیاء کا مفہوم یہ ہے کہ وہ ہماری نظروں سے چھپ جاتے ہیں، اس طور پر کہ ہم ان کا ادراک نہیں کر سکتے۔ حالانکہ وہ موجود وباحیات ہوتے ہیں اور یہ چیز ایسی ہے جیسے فرشتے کہ وہ موجود ہیں مگر ہم ان کو دیکھ نہیں سکتے۔

احادیث نبوی میں حیات بعد الوفات کے شواہد اس قدر موجود ہیں کہ ان کو خبر متواتر الدلالۃ کی حیثیت حاصل ہے۔ علامہ سیوطی اپنی کتاب مرقاۃ الصعود حاشیہ ابوداؤد میں فرماتے ہیں: ''تواترت بها الاخبار'' حیات الانبیاء پر متواتر الدلالۃ خبریں ہیں۔

اپنی دوسری کتاب انباہ الاذکیاء فی حیات الانبیاء میں فرماتے ہیں: ''ما نصه حیات النبی ﷺ فی قبره وهو سائر الانبیاء معلومة عندنا علما قطعیاً لما قام عندنا فی ذالک من الادلة'' نبی کریم ﷺ کی حیات فی القبر ہو یا تمام انبیاء کی حیات بعد الوفات ہمیں قطعی طور پر معلوم ہے۔ اس لئے کہ اس پر ہمارے پاس کافی دلائل موجود ہیں۔

یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ حیات بعد الوفات کی فضیلت جب شہداء کو حاصل ہے تو انبیاء کرام علیہم السلام بدرجہ اولیٰ اس کے مستحق ہیں۔ بالخصوص نبی کریم ﷺ اس لئے کہ خدا نے آپ کو شہادت ونبوت کا جامع بنایا تھا۔

علامہ ابن قیم اپنی کتاب الروح میں فرماتے ہیں: ''ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل الله اموات بل احیاء عند ربهم۔ فهذه الایة تدل علی حیات جمیع الانبیاء بعد وفاتهم بمفهوم للموافقة وذالک ان الانبیاء اولیٰ بتلک المنقبة من الشهداء وتدل علی حیاة نبینا ﷺ بعموم لفظها وذالک ان الله تعالیٰ جمع له بین الشهادة والنبوة'' یہ آیت تمام انبیاء کی حیات بعد الوفاۃ پر موافقت مفہوم کے ساتھ دلالت کرتی ہے۔ اس لئے کہ انبیاء شہداء سے زیادہ اس فضیلت کے مستحق ہیں اور ہمارے نبی ﷺ کی حیات بعد الوفات پر عموم لفظ کے ساتھ دلالت کرتی ہیں اس لئے کہ خدا نے آپ کو جامع نبوت وشہادت بنایا تھا۔

انبیائے کرام علیہم صرف باحیات ہی نہیں ہوتے بلکہ بجسدھم و بجسمھم موجود ہوتے ہیں۔ ردسلام اور جواب صلوٰۃ کی تو متعدد حدیثیں موجود ہیں۔ فریادرسی کے لئے اور کچھ نہیں تو عہد فاروقی کا واقعہ قحط کو دیکھ لیجئے۔ جب کہ سارا مدینہ فریادی بن کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کے مشورہ سے روضہ اطہر کا سقف مبارک کھول دیا گیا۔ پانی برسا اور ٹوٹ کر برسا۔ یہ واقعہ خاص طور پر اس لئے پیش کیا گیا کہ اجتماعی تھا۔ ورنہ ارباب چشم باطن تو اب بھی شرف رویت اور زیارت سے مشرف ہوتے ہیں اور دل کی گہرائیوں سے پکارنے والے ادھر سے تسکین وطمانیت کی صدائیں بھی سنتے ہیں۔

زیر نظر کتاب ''نعمت کبریٰ حیات مصطفیٰ'' کے مصنف ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے بڑی محنت وجانفشانی سے احادیث نبوی اور آیات قرآنی کے عمیق مطالعہ کے بعد خصائص نبوی کے اس اہم گوشہ پر نہایت مبسوط روشنی ڈالی ہے اور اپنے موضوع پر عالمانہ وحکیمانہ ادراک وبصیرت کے ساتھ نہایت جامع اور مدلل بحث کی ہے۔ سلسلہ براہین ودلائل میں صحت واعتدلال کا جو انضباط انہوں نے ملحوظ رکھا ہے وہ ان کی بالغ نظری کا بیّن ثبوت ہے۔

فاضل مؤلف علامہ شاہ عون احمد صاحب زید مجدہ اس ستودہ صفات خانوادہ کے ایک فرد ہیں جو سنت کے تمسک واتباع کی وجہ سے بذات خود مظہر جلوہائے مصطفوی ہے۔ اس لئے ان کو علم کی بصارت کے ساتھ ساتھ باطن کی بصیرت بھی حاصل ہے۔ ان کی یہ گراں قدر تصنیف فی الواقع ہم مسلمانوں کے لئے ایک ''نعمت کبریٰ'' ہے۔ خدا ہم لوگوں کو استفادہ کی توفیق عطا فرمائے اور ان کو حسن صلہ سے نوازے۔ قدیر اختر ندوی ۱۱ر محرم ۷۶ ۱۳ھ

قطعات تاریخ طبع کتاب

(۱) مولانا شاہ محمد موسیٰ صاحب فریدی نعمتی پھلواری شریف

دل کا اب ارمان پورا ہوگیا — چھپ کے آیا جب رسالہ لاجواب
یہ رسالہ ہے کہ ہے آب حیات — مردہ دل پی لے تو آجائے شباب
حق ہے اس کو نعمت کبریٰ کہیں — زندگی میں آگئی ہے اس سے آب
کیوں حیات جاوداں اس کو نہ ہو — ہے جہاں کی زندگی جس سے جناب
ہو حیات مصطفیٰ میں شک کسے — جب کہ آئی ہے دلیل ام الکتاب
مرقد اقدس میں باعضائے پاک — جلوہ گر سرکار ہیں با آب وتاب
جسم نورانی سے اس سرکار کے — چشم عارف ہورہا ہے فیض یاب
ضو فشاں ہے سارے عالم میں ہنوز — وہ مدینہ کی زمین کا آفتاب
حق تو یہ ہے ہوگئے اب دہر میں — عون احمد کے مساعی کامیاب
سال موسیٰ سے طباعت کا سنو — کیا مدلل ہے روایت سے کتاب

۱۲ ۶۰ ۱۱۶

۱۳ ۷۶ھ

هاتف نادی لموسیٰ قائلاً
قم فخذ هذا فارخ ذا الکتاب
عاجلاً رخت تاریخاً به
تابعا من ما قراءت فی الکتاب
۱۳۷۶ھ

(۲) مولوی حکیم سید محمد یوسف صاحب رضوی پھلواری شریف

کسے کہ زندہ نہ پنداشت شاہ یثرب را
تمام بولہبی وکمال بے بصری است
خدا گواہ وجودش کہ نعت کبریٰ است
ہنوز نور فشاں از حظیرہ نبوی است
نوشتہ شد چہ کتاب یقین فروز امسال
کہ در بیان حیات محمد عربی است
شنیدم از لب ہاتف سن طباعت او
صحیفہ از حیات جناب مصطفوی است

۱۳ ۷۱ھ
۵
۱۳ ۷۶ھ

دیگر

سیرت کی کتابوں میں اک باب ہے رحلت کا
کم فہم سمجھتے ہیں ہے موت یہ ہم جیسی
کیا ان کو خبر اس کی کیا ان کو پتہ اس کا
کیا جانیں وہ کیا شئ ہے یہ موت نبیوں کی
مرنے کا تخیل ہی ان کے لئے بے جا ہے
جو مردہ انہیں سمجھے ہے اس کی یہ کم بینی
ہوتا ہے وہ ایک عالم کہتے ہیں جسے رحلت
مرقد میں بھی پاتے ہیں اللہ سے رزق اپنی
سرمایہ حدیثوں کا، آیات کی تفسیریں
آثار صحابہ کے، تصریحیں ائمہ کی
ان میں سے کسی میں تم کچھ فرق نہ پاؤ گے
اس مسئلہ میں آکر سب کہتے ہیں بس ایک ہی
زندہ ہیں نبی اللہ شک اس میں نہیں واللہ
خود مصحف باری سے ملتی ہے سند اس کی
ان خاص مباحث سے اردو تھی تہی دامن
تفصیل سے ذکر اس کا ملتا ہی نہ تھا کوئی
اے سید عون احمد ہو عمر بڑی تیری
اس نعت کبریٰ نے پوری یہ کمی کردی
کھل جائے گا ہر عقدہ ہوجائے گا حق ظاہر
اس سچے عقیدے کی بنیاد کہاں سے تھی
دیکھے گا دلیلوں کو سمجھے گا فراست سے
حق کوشی کی جس جس کے لو دل میں لگی ہوگی
اس نعت کبریٰ کے چھپنے کی خبر پاکر
ایمان ہوا تازہ مسرور ہوا دل بھی
آیا ہی تھا یہ دل میں تاریخ کوئی کہئے
گلزار مضامین ایقاں ہے صدا آئی

۱۳۷۶ھ

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَآءُ أَحْيَآءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (الحديث)

تَنْبِيْهُ الْاَغْبِيَاء
عَلٰى
حَيَاةِ الْاَنْبِيَاء

مؤلف:

حضرت مولانا سید امین الحق رحمۃ اللہ علیہ
خطیب جامع شیخوپورہ

وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ (الآیۃ)

الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون (حدیث)

تَنبِیهُ الاَغبِیَاء

عَلیٰ

حَیَاةِ الاَنبِیَاء

مؤلفہ

مولٰنا سید امین الحق خطیب جامع شیخوپورہ

متوطن طورو۔ ضلع مردان

(محررہ محمد عطاء اللہ حجر کانی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفصیلی فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(حرفے چند)

حضرت مولانا سید امین الحق صاحب رحمہ اللہ

پیدائش: ۱۹۰۴ء ...... وفات: ۷ ستمبر ۱۹۸۱ء

مولانا سید امین الحق صاحب طورو ضلع مردان کے رہنے والے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے نامور شاگرد تھے۔ آپ شیخوپورہ کی مسجد قبرستان والی کے خطیب رہے۔ محکمہ اوقاف کے صوبائی خطیب تھے۔ آپ کا بیعت کا تعلق حضرت امام التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ سے تھا۔ آپ نے ۱۳۸۰ھ میں ''تنبیہ الاغبیاء فی حیات الانبیاء'' نامی کتاب لکھی، جسے اس مجموعہ میں شامل کرنے کی ہم سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ (ناشر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی۔ اما بعد!

جہاں تک میں جانتا ہوں عہد صحابہ تابعین اور سلف صالح کے زمانہ میں آرام گاہ نبوت میں رحمت کائنات ﷺ کی جسمانی حیات کا کسی نے انکار نہیں کیا ہے اور کسی وقت بھی ان نفوس قدسیہ کو اس اہم مسئلہ پر بحث وتالیف کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ عالم برزخ میں آرام گاہ نبوت میں حضرت مصطفیٰ ﷺ کی حیات طیبہ کو دین کے بدیہیات میں حقیقت واقعی کے طور پر حضرات سلف نے تسلیم کیا تھا۔ لیکن جب سے ہوئی وہوس کی اتباع اور دین کے مسلمہ اصول کے خلاف فتنوں کا آغاز ہوا ہے اس وقت کی پیداوار میں ایک عظیم فتنہ یہ بھی تھا کہ آرام گاہ نبوت میں فداہ ابی وامی ﷺ کا مقدس جسد بے جان مردہ پڑا ہے۔ اس میں حیات، حس اور شعور نہیں ہے اور اس فتنہ میں دوسرا قبیح تر حصہ یہ بھی شامل ہے کہ چونکہ روضہ اطہر میں رسالت مآب ﷺ کا بابرکت جسد بے جان پڑا ہے۔ اس لئے آپ کی نبوت اور رسالت بھی ختم ہوگئی۔ گویا حضور کی جسمانی حیات کا اس لئے انکار کیا گیا کہ اس فتنہ کے پیشواؤں نے دعوت نبوت کو چیلنج اور ابطال نبوت کا اعلان کرنا چاہا تھا۔

چنانچہ اس فتنہ انگیز نئے فرقہ سے ہم سب سے پہلے ابن حزم کی تحریر میں متعارف ہوتے ہیں۔ حافظ ابن حزم لکھتے ہیں: کیا انبیاء ورسل علیہم السلام آج انبیاء ورسل نہیں رہے۔ ایک نیا فرقہ پیدا ہوا ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ رسالت مآب ﷺ اب رسول اللہ ﷺ نہیں ہیں۔ لیکن وہ رسول اللہ ﷺ تھے اور مجھے سلیمان بن خلف الباجی نے جو آج ان لوگوں کے متقدمین میں سے ہیں۔ خبر دی کہ محمد بن الحسن بن فورک اصفہانی کا یہی عقیدہ تھا۔ جس کو محمود بن سبکتگین نے زہر دے کر قتل کر دیا اور اس فرقہ کا یہ خبیث عقیدہ اس کے اس فاسد نظریہ پر مبنی تھا کہ حضور کا جسد مبارک روضہ اطہر میں مردہ ہے۔ لہٰذا اس وجہ سے آپ کی نبوت ورسالت باطل ہوگئی۔

(مختصر الملل والنحل ج اول ص ۱۶۳، اردو ترجمہ مولانا عبد اللہ عمادی رکن سررشتہ تالیف وترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

آپ جانتے ہیں کہ ۴۵۶، ۴۵۷ھ میں ابن حزم کی وفات ہوتی ہے اور ۴۲۱ھ میں محمود بن سبکتگین نے وفات پائی ہے اور سب سے پہلے امام بیہقی رحمہ اللہ نے عالم برزخ میں حضور ﷺ کی جسمانی حیات پر مستقل رسالہ لکھا اور حافظ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ نے امام بیہقی کی وفات کا سن ۴۵۸ھ لکھا ہے۔ اس لئے یہ اندازہ کیا جاتا ہے کہ چوتھی صدی کے اواخر یا پانچویں صدی کے اوائل میں اس نئے فرقہ نے وہ نیا عقیدہ بنایا تھا کہ رسالت مآب ﷺ کا مقدس جسد بے جان مردہ ہے اور آپ کی نبوت اس لئے ختم ہوگئی ہے کہ متعارف موت سے آپ وفات پاچکے ہیں اور اس عہد سے محدثین اور خیر خواہان اسلام کو اس فرقہ کے اس خبیث عقیدہ کی تردید کی ضرورت محسوس ہوئی ہے اور امام بیہقی رحمہ اللہ کے علاوہ شیخ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ اور حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ اور سب کے آخر میں مولانا نانوتوی رحمہ اللہ قدس اللہ سرہ نے رسالت مآب کی جسمانی حیات پر اس قدر بسیط وبصیرت سے لکھا ہے کہ آج اس پر مزید اضافہ کی گنجائش نہیں ہے اور علم کلام کے ارباب تحقیق نے حضور ﷺ کی جسمانی حیات کو علم کلام کا اجماعی عقیدہ لکھا ہے۔ چنانچہ استاذ ابو منصور بغدادی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ ”ہمارے محققین اصحاب کلام نے لکھا ہے کہ حضور علیہ السلام اپنی مناسب

وفات کے بعد زندہ ہیں۔ اپنی امت کی طاعات سے خوش ہوتے ہیں۔ ابن حبیب فرماتے ہیں۔ جب آپ حضور ﷺ کے آرام گاہ کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں تو حضور ﷺ جانتے ہیں کہ آپ سامنے حاضر ہیں اور جب آپ بولتے ہیں تو حضور ﷺ آپ کی بات کو سنتے ہیں۔'' (وفاء الوفاء لسید السمہودی ج ۴ ص ۱۳۵۴)

اور امام بیہقی رحمہ اللہ کتاب الاعتقاد میں لکھتے ہیں: انبیاء علیہم السلام اس کے بعد جب ان کی ارواح کو قبض کیا گیا سب کے سب قبض ارواح کے بعد زندہ کئے گئے ہیں۔ ان کی ارواح ان کے اجسام میں واپس لوٹائی گئی ہیں۔ (ایضاً)

اور امام بیہقی نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں اس حدیث کی تخریج کی ہے کہ (انبیاء آرام گاہوں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں) محدثین نے عالم برزخ میں رسالت مآب ﷺ کی جسمانی حیات کو نبوت کی علامات میں سے ایک علامت اور اسلامی عقائد میں اہم عقیدہ اور اہل سنت کے ضروری مسائل میں ایک لازمی مسئلہ قرار دیا ہے۔ ارباب حدیث کا اس قدر اہتمام کہ حضور ﷺ کی حیات جسمانی کو بحث و تالیف کا مستقل موضوع اور عقائد کا ضروری عقیدہ اور علامات نبوت کو اہم علامت رکھا ہے۔ آپ سوچئے کہ محدثین کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کی جسمانی حیات کو عظیم الشان عقیدہ اور مہتم بالشان مسئلہ کی حیثیت حاصل ہے اور جس شخص نے حضور کے آرام گاہ میں آپ کی جسمانی حیات کا انکار کیا اور حضور ﷺ کے جسد کے بے جان اور مردہ ہونے کا گمان کرتا ہے تو وہ محدثین کے علم وعقائد کا مزاحم ہوتا ہے اور اہل سنت والجماعت کے حصار سے الگ اور باہر ہوا چاہتا ہے۔

آپ یاد رکھئے کہ محدثین اور اصحاب سنن کی یہ مبلغانہ کوششیں صرف روحانی حیات کے اثبات کے لئے نہیں ہیں۔ اس لئے کہ روح کی حیات اور موت کی بحث نہیں تھی بلکہ اس گمراہ فرقہ کا یہ دعویٰ تھا کہ حضور ﷺ کا جسد پاک روضہ اطہر میں بے جان مردہ ہے محدثین اس فرقہ کی تردید میں حضور ﷺ کے جسد مبارک کو روضہ اطہر میں زندہ جاوید اور سننے اور جاننے والے ثابت کرتے ہیں اور اس جسمانی حیات کو ضروری عقیدہ اور علامات نبوت میں لازم علامت قرار دیتے ہیں۔ بیہقی رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارت میں صراحت کے ساتھ یہ مذکور ہے کہ قبض ارواح کے بعد انبیاء کے اجسام میں ان کی ارواح واپس لوٹائی گئی ہیں اور یہی جسمانی اور دنیاوی زندگی ہے کہ روح جسم کے اندر ہے اور اس میں تدبیر وتصرف کرتی ہے۔

اہل حق کی مخلصانہ تبلیغی مساعیوں نے ایک عرصہ ہوا کہ اس عقیدے کے پیروکاروں کو ختم کر دیا تھا یا اس تحریک کا چلانے والا کہیں سننے میں نہیں آتا تھا کہ ملتان کے کسی اعانتی جلسہ میں ایک صاحب کی زبان سے اس دعویٰ کا اچانک آغاز ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے اجساد اگرچہ قبروں میں محفوظ ہیں۔ مگر ان میں زندگی نہیں ہے اور اگر کچھ زندگی ہے تو صرف اس قدر جو عام اموات کو برزخ میں روحانی زندگی ہوتی ہے۔ چونکہ برزخ میں انبیاء کی ارواح کی حیات کا اقرار کرنا اور ان کے اجساد سے ان کی ارواح کو دنیا کی حیات جیسے تعلق سے الگ اور بے تعلق بتلانا اہل سنت اور جمہور سلف کا مسلک نہیں ہے بلکہ اعتزال کی راہ ہے۔ اس لئے اہل حق نے اس قسم کے ادّعاء کو تحریر وتقریر میں نفرت سے پڑھا اور کراہت سے سنا ہے۔ اس لئے کہ اہل حق بدن کے ساتھ یا قبر کے ساتھ روح کے اس قسم کے تعلق اور اتصال کو جیسے کہ شعاع شمس کو جو زمین پر پڑتے ہیں۔ زمین کے ساتھ اتصال ہے اور اصل شعاع شمس کے ساتھ متصل ہیں حیات نہیں جانتے ہیں بلکہ یہ کہا ہے کہ بدن کی حیات روح کے اس اتصال کا نام ہے جیسا کہ دنیا کی زندگی میں روح کو اس کے بدن کے ساتھ تعلق اور اتصال ہوتا ہے۔ چنانچہ علامہ عبدالرؤف مناوی رحمہ اللہ جامع صغیر کی

شرح میں لکھتے ہیں: ''ہر ایک روح کو اس کے بدن کے ساتھ ایسا معنوی اتصال ہوتا ہے کہ وہ دنیا کی حالت حیات کے اتصال کے مشابہ نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ ایسا اتصال ہے جیسے کہ نائم کی روح کو نائم کے جسد کے ساتھ نوم کی حالت میں ہوتا ہے۔ اگر چہ نائم کی روح اس کے جسد سے باہر اور الگ ہے۔'' (فیض القدیر ج ۲ ص ۳۹۸)

مذکورہ ادّعاء میں انبیاء علیہم السلام کی ارواح کو ان کے اجساد کے ساتھ عام اموات کی ارواح اور اجساد کے معنوی اتصال کی طرح فی الجملہ اتصال بتلایا گیا ہے۔ جس کا معنی یہ ہے کہ انبیاء بھی عام اموات کی طرح اپنی قبروں میں مردہ ہیں اور اہل حق اس کو مبتدعانہ گمراہی سمجھتے ہیں۔ البتہ ہمارے زمانہ کے اصطلاحی اہل حدیث مذکورہ ادّعاء کے ہمنوا ہیں۔

اس لئے مولوی محمد اسماعیل صاحب نے مذکورہ ادعاء کی تائید میں تین قسطوں میں اپنے فرقہ اہل حدیث کی نمائندگی کرتے ہوئے رحیق رسالہ شعبان، رمضان، شوال ۱۳۷۷ھ میں اپنی بحث کو شائع کر دیا ہے۔ مولوی صاحب نے اپنی تحریر میں پیغمبرانہ حیات کے ایک ایک پہلو پر باتفصیل مخالفانہ مزاحمت کی ہے اور دل کھول کر اہل حق پر سوقیانہ چوٹیں کی ہیں اور بڑی بے رحمی کے ساتھ قریب بہ تحریف تاویلات کا دروازہ کھولا ہے اور سلف اور حفاظ حدیث کی طرف ان کی نامرضیات کے منسوب کرنے میں بھی دریغ نہیں کیا ہے۔ اس لئے میں مولوی محمد اسماعیل صاحب کی تحریر کو سامنے رکھ کر آپ کے دفاع کو تین عنوانوں پر تقسیم کرتا ہوں۔

(۱) عام اموات کی برزخ میں زندگی (۲) شہداء کی زندگی (۳) انبیاء کی جسمانی حیات۔ تاکہ برزخ میں عام اموات کی زندگی کے سمجھ لینے کے بعد برزخ میں شہداء کی زندگی کے تفصیل کے بعد انبیاء علیہم السلام کی جسمانی حیات کی خصوصیت اور امتیاز کے سمجھنے میں آسانی اور سہولت ہو جائے۔ وماتوفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب!

برزخ میں عام اموات کی زندگی

سنن وآثار اور اہل علم کی تحقیق سے ظاہر ہوتا ہے کہ عالم اجساد کے بعد اور عالم آخرت سے پیشتر عالم برزخ میں موت کے بعد عام اموات کے اجساد کے ساتھ ان کی ارواح کو حسب مراتب تعلق ہے اور ضرور تعلق ہے۔ چنانچہ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: جمعہ کے دن اموات کی ارواح ان کی قبروں کے قریب اور متصل ہوتی ہیں اور جو ان کی قبروں کی زیارت کرتے ہیں اور ان کی قبروں پر گزرتے وقت ان کو سلام کرتے ہیں تو ان کی ارواح ان کو جانتی اور پہچانتی ہیں۔'' (زادالمعاد ج اوّل ص ۱۴۴)

سید سمہودی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: احکام صغریٰ میں شیخ عبدالحق نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ سند اس کی صحیح ہے اور ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کی تصحیح کی ہے۔ رسالت مآب نے فرمایا اپنے مومن بھائی کی قبر پر جو گزرتا ہے اور وہ میت اپنی حیات میں اس کو جانتا تھا اور اس کو سلام کرتا ہے تو وہ میت اس کو جانتا ہے اور اس کے سلام کا اس کو جواب دیتا ہے۔

اور حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو ذیل کے الفاظ میں روایت کیا ہے: جو آدمی کسی کی قبر پر گزرتا ہے اور وہ اس کو دنیا میں جانتا تھا اور اس کو سلام کرتا ہے تو میت کی روح کو حق تعالیٰ اس کو لوٹا دیتا ہے اور وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: حضور ﷺ نے فرمایا اپنے بھائی کی قبر کی زیارت کے لئے جو حاضر ہوتا ہے اور اس کے پاس بیٹھتا ہے تو وہ میت اس کے واپس ہونے تک اس سے انس لیتا ہے۔

اور حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اقتضاء الصراط المستقیم میں ذکر کیا ہے کہ شہداء بلکہ تمام ایمان والوں کا یہ حال ہے کہ جب کوئی مسلمان ان کی قبر کی زیارت کرتا ہے تو وہ اس کو پہچانتے ہیں اور اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں اور جب آحاد مؤمنین کا یہ حال ہے تو سید المرسلین ﷺ کا کیا حال ہوگا۔ (وفاء الوفاء ص ۱۳۵۱)

مرنے کے بعد آحاد مؤمنین کو جب اس قدر حیات دی جاتی ہے کہ وہ سلام کرنے والے کو پہچانتے ہیں اور اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں اور اس کے سلام کو سنتے ہیں تو پھر حضور ﷺ کے علو درجات اور مراتب کی بلندی کی نسبت سے آپ کی حد کہاں ہے اور کہاں تک ہونی چاہئے۔

حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضور ﷺ نے فرمایا کہ مردوں کی قبروں میں ظلمت در ظلمت ہے۔ ان پر میری نماز جنازہ کی برکت سے حق تعالیٰ ان کی قبروں کو ان پر روشن اور منور فرماتے ہیں۔ (صحیح مسلم کتاب الجنائز، سنن کبریٰ ج ۴ ص ۴۶)

اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ میت کی روح کو اس کے جسد کے ساتھ اس قدر تعلق ضرور ہے۔ جس نے میت میں اس درجہ حیات کو پیدا کر دیا ہے کہ وہ قبر میں نور اور روشنی کو محسوس کرتا ہے اور میت پر اس کا اثر پڑتا ہے ورنہ بالکل بے جان اور مردہ لاش کو روشنی اور ظلمت دونوں برابر ہیں۔

قبر میں نعمتیں ہوں گی یا عذاب ہوگا

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: کیا قبر میں نفس اور بدن دونوں کو عذاب ہوتا ہے یا صرف نفس یا صرف بدن کو عذاب ہوگا۔ شیخ الاسلام غالباً حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: کہ اہل سنت والجماعت کو اتفاق ہے کہ برزخ میں نفس اور بدن دونوں کو عذاب ہوگا یا دونوں نعیم میں ہوں گے اور معتزلہ اگرچہ بعثت کے وقت ابدان کے معاد کا اقرار کرتے ہیں مگر برزخ میں صرف روح کے لئے نعیم یا عذاب کو تسلیم کرتے ہیں اور ابن حزم اور ابن مرہ کو بھی معتزلہ کے ساتھ اتفاق ہے۔ (کتاب الروح ص ۷۹)

حافظ ابن حزم رحمہ اللہ برزخ میں عذاب کی بحث میں لکھتے ہیں: قبر میں فتنہ اور عذاب صرف روح کو ہوگا اور جسم سے روح کے الگ ہو جانے کے بعد صرف روح کو عذاب اور سوال ہوگا اور یہ جو گمان کیا جاتا ہے کہ میت کو اس کی قبر میں زندہ کیا جاتا ہے تو یہ غلط ہے اور کسی صحیح حدیث سے یہ ثابت نہیں ہے کہ مردوں کی ارواح ان سے سوال کے وقت ان کے اجسام میں واپس کر دی جاتی ہیں اور حدیث میں یہ جملہ کہ ارواح اجسام کی طرف پلٹتی ہیں۔ صرف منہال بن عمرو نے روایت کیا ہے۔ مگر منہال قوی نہیں ہے۔ شعبہ وغیرہ نے اس کو چھوڑ دیا ہے۔ (الملل والنحل ج ۲ ص ۷۱۵)

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے اس بحث میں ابن حزم رحمہ اللہ کا تعاقب کیا ہے اور خوب تعاقب کیا ہے۔ ابن حزم کی وجوہات کو مسترد کر دیا ہے اور اہل سنت والجماعت کے مسلک کو واضح اور ثابت کر دیا ہے کہ میت کو اس کے جسم میں اس کی روح واپس کر دی جاتی ہے۔ مولوی اسماعیل صاحب نے بھی ابن قیم کی اس بحث سے اس قدر حصہ نقل

کر دیا ہے جس کو اہل سنت والجماعت کے مسلک میں شبہ اور مغالطہ ڈالنے کے لئے مفید جانتے تھے۔ میں ابن قیم رحمہ اللہ کے علم ونظر سے استفادہ کے لئے پوری بات نقل کرنا چاہتا ہوں۔

ابن حزم کی بات نقل کرنے کے بعد ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اگر ابن حزم کی غرض یہ ہے کہ مردوں کو قبر میں ایسی حیات، ہے جیسی کہ دنیا میں ان کی زندگی تھی کہ روح جسم میں تدبیر اور تصرف کرتی ہے اور جسم کھانے پینے اور پہننے کا محتاج ہوتا ہے تو واقعی یہ غلط ہے۔ قبروں میں اموات کو ایسی زندگی حاصل نہیں ہے اور اگر قبروں میں اموات کی ایسی زندگی مراد ہے کہ وہ دنیا کی زندگی کے علاوہ دوسری قسم کی ایسی زندگی ہے جس میں روح کا اعادہ ضرور ہوتا ہے۔ مگر یہ اعادہ پہلے اعادہ کی طرح نہیں ہے۔ جیسا کہ دنیا کی زندگی میں پہلا اعادہ تھا کہ حیات کی پوری ضروریات اور لوازمات اس کے ساتھ آئی تھیں تو قبروں میں ایسی زندگی کی نفی کرنا جیسا کہ ابن حزم نے کیا غلط ہے۔ (اس لئے کہ اموات کو قبروں میں ایسی زندگی ضرور ہے) صریح اور صحیح ہے۔ نص سے یہ ثابت ہے کہ میت کی روح اس کے جسم میں پلٹتی ہے۔ اگر ابن حزم اس حدیث کو ضعیف بتلاتے ہیں تو ہم اس کا جواب ذکر کرتے ہیں۔ اس حدیث میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد "ثم تعاد روحه في جسده" صریح دلالت کرتا ہے کہ میت کے جسم میں اس کی روح لوٹتی ہے۔ میت کی روح میت کے جسم کے ساتھ متعلق رہتی ہے۔ اگر چہ اس کا جسم گل جائے اور ریزہ ریزہ ہو جائے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بدن کے ساتھ روح کے پانچ قسم کے تعلقات ہوتے ہیں اور ہر ایک تعلق کے احکام دوسرے تعلق کے احکام سے بدلے ہوئے ہیں۔

پہلا تعلق جبکہ جنین ماں کے پیٹ میں تھا۔ دوسرا تعلق جبکہ وہ باہر کی دنیا میں آیا ہے۔ تیسرا تعلق نیند کی حالت میں کہ نائم کی روح من وجہ اس سے الگ ہے اور من وجہ تعلق ہے۔ چوتھا تعلق برزخ میں اگر چہ میت کی روح اس سے الگ ہے مگر یہ جدائی اس حد تک نہیں ہے کہ روح کو اپنے جسم کی طرف بالکل التفات نہیں ہے۔ پانچواں تعلق بعث اجساد کے دن کا ہے اور یہ کامل اور پورا تعلق ہے اور یہ زندگی ایسی ہے جس میں موت وفساد کا امکان نہیں ہے اور اعادہ روح کے بعد میت کی حالت زندہ اور اس میت کے درمیان درمیان ہے۔ جس کی روح اس کے بدن میں نہیں واپس کی گئی ہے۔ جیسا کہ نائم کا حال زندہ اور میت کے درمیان درمیان ہے۔ (کتاب الروح ص ۶۶)

اور ابن حزم کو جواب دیتے ہوئے ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ میت کو روح کا اعادہ سلام کے جواب کے لئے یا دوسرے مخصوص اوقات میں خاص اور عارضی اعادہ ہے۔ بدن کی حیات اور بدن میں معتد بہا اور مستقل حیات اس سے ثابت نہیں ہوتی ہے اور ایسی عارضی اور مخصوص وقت میں ایک لحظہ کی حیات آیت امساک نفس اور آیت امتنا اثنتین کی منافی اور منفی نہیں ہے۔ ابن حزم کی مجازفت ہے۔ ورنہ جس حدیث پر اس کو اعتراض ہے اس کے صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ حضرت زاذان کے علاوہ اس حدیث کو عدی بن ثابت، محمد بن عقبہ اور مجاہد نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ حافظ ابن مندہ نے کتاب الروح والنفس میں عدی بن ثابت عن براء بن عازب اور مجاہد عن البراء بن عازب کی حدیث کے آخر میں مرفوعاً یہ استشہاد مذکور ہے "منها خلقنا کم وفیها نعید کم ومنها نخرجکم تارة اخری" (طٰہٰ:۵۵) ترجمہ (اس زمین سے ہم نے تم کو بنایا اور اسی میں تم کو پھر پہنچا دیتے ہیں اور اسی سے دوسری بار تم کو نکالیں گے) ابن قیم کہتے ہیں یہ حدیث ثابت ہے مشہور ہے۔ حفاظ کی جماعت نے اس کو صحیح بتایا ہے اور میں ائمہ حدیث میں کسی صاحب کو نہیں جانتا جس نے اس حدیث پر طعن کیا ہے۔ بلکہ اس حدیث کو ائمہ حدیث نے قبر کے عذاب اور نعیم میں دین کے اصول میں قرار دیا

ہے۔ حضرت زاذان ثقہ ہے اکابر صحابہ سے روایت کرتے ہیں۔ مسلم اپنے صحیح میں اس سے روایت لیتے ہیں۔ یحییٰ ابن معین اس کو ثقہ کہتے ہیں اور منہال ابن عمر عادل ثقہ ہے۔ ابن معین اور عجلی اس کو ثقہ کہتے ہیں۔ (کتاب الروح ص ۷۴،۷۵)

حافظ ابن مندہ کے علاوہ حافظ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ اور حاکم نے مستدرک میں بھی اس حدیث کو ذکر کیا ہے اور اس کی تصحیح کی ہے اور دونوں حضرات حفاظ نے یہ لکھا ہے کہ زاذان اور براء بن عازب کے درمیان ابی البختری طائی کا ذکر صرف شعیب بن صفوان کرتے ہیں۔ مگر شعیب کو یہ وہم ہو رہا ہے۔ اس لئے کہ ائمہ ثقات کو عن زاذان انہ سمع البراء پر اتفاق ہے۔ اس میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے۔ "فترد روحه الى جسده" (مستدرک حاکم ج اول ص ۳۹)

ابن قیم کہتے ہیں: شیخ الاسلام غالباً حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ میت کی طرف سوال کے وقت روح کا اعادہ کرنا احادیث صحیحہ متواترہ سے ثابت ہے اور ابن مرہ اور ابن حزم کا یہ کہنا کہ صرف روح سے سوال ہوگا غلط ہے۔ احادیث اس کا انکار کرتی ہیں۔ اگر صرف روح سے سوال ہوتا ہے تو قبر کو روح کے ساتھ اختصاص نہ ہوتا۔ (کتاب الروح ص ۷۹)

بہرحال براء بن عازب کی مذکورہ حدیث صحیح اور ثابت ہے اور میت کی طرف روح کا اعادہ صحیح احادیث کا منطوق ہے۔ بلکہ براء بن عازب کی حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ میت سے اللہ کا وعدہ تھا کہ اس کی روح اس کو اعادہ کیا جائے گا اور حضور رسالت مآب ﷺ کا اس وعدہ خداوندی پر قرآن شریف کی آیت "منها خلقناكم وفيها نعيدكم ومنها نخرجكم تارة اخرىٰ" سے استشہاد فرمانا ثابت کرتا ہے کہ میت کی طرف روح کے اعادہ کا مسئلہ قرآن شریف میں بھی مذکور ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیثوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ میت اپنے واقف گزرنے والے کو پہچانتا ہے اور سلام کرنے والے کے سلام کا جواب دیتا ہے اور اس کے پاس بیٹھنے سے انس لیتا ہے۔

غرض یہ کہ میت کو قبر میں زندگی دی جاتی ہے۔ اگرچہ وہ عارضی اور موقت غیر مستقل زندگی ہے اور یہ کہ میت کے جسم کے ساتھ اس کی روح کا اس قدر تعلق اور اتصال ضرور ہے کہ گزرنے والے کو جانتا اور پہچانتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے اور اس کے پاس بیٹھنے سے انس لیتا ہے۔ اگرچہ میت کے جسم میں اس کی روح موجود نہیں ہے۔ لیکن جیسے آفتاب لاکھوں میل سے شعاعوں کے ذریعہ سے زمین کو گرم رکھتا ہے۔ اسی طرح روح کے الگ ہونے کے باوجود بھی اپنے جسم میں وہ اس قدر حیات اور شعور کو باقی اور قائم رکھتی ہے۔ جس قدر کہ احادیث میں مذکور ہوا ہے۔ جسم میں اس قدر حیات اور شعور کے اعتراف کے باوجود بھی کتاب وسنت میں کہیں بھی یہ مذکور نہیں ہوتا ہے کہ عالم برزخ میں عام اموات مؤمنین زندہ ہیں یا ان کو زندگی دی گئی ہے اور دین کے عمائد محدثین اور فقہاء بھی قبروں میں ان کی زندگی کو تسلیم نہیں کرتے ہیں اور اس کی وجہ صرف یہی ہوسکتی ہے کہ روح کے اس فی الجملہ تعلق و اتصال اور ایک گونہ فی الجملہ حیات کو کتاب وسنت اور فقہاء ومحدثین نے حیات اور زندگی نہیں سمجھا ہے بلکہ درحقیقت زندگی یہ ہے کہ اس فی الجملہ حیات اور اتصال کے علاوہ روح کو جسم کے ساتھ ایسا تعلق ہوتا ہے جیسا کہ دنیا کی زندگی میں روح کو اپنے جسم کے ساتھ تدبیر اور تصرف کا تعلق تھا۔

لہٰذا جب کتاب اور سنت میں شہداء اور انبیاء علیہم السلام کو خصوصیت کے ساتھ عالم برزخ میں زندہ کیا گیا ہے تو اس کا معنی یہ ہے کہ عالم برزخ میں عالم برزخ کے مناسب شہداء کے حسب مراتب اور انبیاء علیہم السلام کو ان کے مناسب شان ایسی جسمانی حیات بخشی گئی ہے جیسا کہ دنیا کی زندگی میں ان کی جسمانی زندگی دیکھی گئی تھی اور جب

امت کے ائمہ حدیث نے عالم برزخ میں سرور کائنات کی حیات سے بحث کی ہے اور اس کو دین کا اہم عقیدہ تسلیم کیا ہے تو ان کی مراد یہ ہے کہ دنیا کی حیات جیسی حیات میں آپ عالم برزخ میں حیات ہیں اور اگر کتاب وسنت اور محدثین کی بحث واثبات میں انبیاء ﷩ کی اس قدر حیات مراد ہے جس قدر عام اموات مؤمنین کو روح کے کسی قدر تعلق سے فی الجملہ اور ایک گونہ حیات حاصل ہوتی تو کتاب وسنت میں اور ائمہ دین کے مباحث میں ان کی حیات کو مخصوص بالذکر کرنے کا کچھ معنی نہیں ہے۔

محدثین اور اہل علم کی بحث کا موضوع جسمانی حیات ہے

بدرالدین ابن الصاحب فرماتے ہیں: عالم برزخ میں حضور ﷺ کی زندگی قرآن شریف کی اس آیت سے بھی ثابت ہے ''ولاتحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتاً بل احیاء عند ربھم یرزقون'' (آل عمران: ۱۶۹) ترجمہ: اور تو نہ سمجھ ان لوگوں کو جو مارے گئے ہیں اللہ کی راہ میں مردے بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس کھاتے پیتے ہیں (اس لئے کہ ان کو زندگی بخشی گئی ہے اور مارے جانے کے بعد وہ زندہ ہیں اور ان کی زندگی اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے اور ان کا رب تمہیں ان کی حیات کی خبر دیتا ہے۔ ان کے رب نے ان کو ایسی زندگی بخشی ہے جس میں وہ کھاتے پیتے ہیں)

برزخ میں موت کے بعد شہداء کو زندگی دی گئی ہے اور جن کو برزخ میں یہ رتبہ اور مقام حاصل نہیں ہے۔ ان سے شہداء اعلیٰ اور افضل ہیں اور امت میں چونکہ رسالت مآب ﷺ سے کسی کا مقام اور رتبہ اعلیٰ اور اونچا نہیں ہے۔ بلکہ شہداء کو بھی یہ رتبہ حضور ﷺ کی اتباع اور اطاعت وحرمت کے صلہ میں ملتا ہے۔ اس لئے شہداء کی حیات سے اعلیٰ اور افضل زندگی نبی کریم ﷺ کو حاصل ہے اور حضور ﷺ نے فرمایا میں اسریٰ کی رات سرخ رنگ کے ٹیلہ کے پاس سے گزرا تو میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہاں اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔

اس حدیث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جسمانی حیات کی تصریح ہے۔ اس لئے کہ اس حدیث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک صفت صلوٰۃ کو اور دوسری صفت قیام کو اور تیسرا حال قبر میں بیان کیا گیا ہے اور ظاہر متبادر یہ ہے کہ صرف روح قیام وصلوٰۃ سے موصوف نہیں ہو سکتی ہے اور نیز قبر کی تخصیص بھی روح کے لئے ناممکن ہے بلکہ یہ تمام اوصاف اور مذکورہ حال جسد کے ہیں اور روح کے لئے قبر کی تخصیص میں ایسی نامعقول بات نہ کسی نے کہی ہے اور نہ کوئی کہے گا کہ انبیاء ﷩ کی ارواح اپنی قبروں میں اپنے اجساد کے ساتھ محبوس ہیں اور شہداء یا مؤمنین کی ارواح آزاد ہیں جہاں چاہتی ہیں سیر کرتی ہیں۔

حضرت ابن عباس ﷠ فرماتے ہیں: ہم حضور ﷺ کے ہم رکاب جارہے تھے کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ہم ایک وادی پر گزرے۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ کون سی وادی ہے۔ جواب میں کہا گیا یہ وادی ارزق ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں نے یونس علیہ السلام کو سرخ ناقہ پر سوار، صوف کا جبہ پہنے ہوئے اور تلبیہ پڑھتے ہوئے اس وادی میں گزرتے ہوئے دیکھا۔

یہ تمام اوصاف ناقہ پر سواری، جبہ کا پہننا اور گزرتے ہوئے نکل جانا۔ جسم کے اوصاف ہیں جو اس حدیث میں بیان کئے گئے ہیں۔ اگرچہ برزخ عمل اور عالم تکلیف نہیں ہے۔ لیکن انبیاء ﷩ کو عمل کرنے میں لذت محسوس ہوتی ہے اور عبادت کرنے کو اللہ کا انعام سمجھتے ہیں۔ اس لئے وہ اپنے عمل بڑھاتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ اللہ کا قرب حاصل کرتے ہیں اور جب تک قیامت اور جزاء کا دن نہیں آیا ہے تو اس اعتبار سے وہ اس دنیا میں ہیں اور ان کا عمل ابھی ختم نہیں ہوتا ہے۔

غرض یہ ہے کہ حضور ﷺ اپنے جسد اور روح دونوں میں زندہ ہیں اور زمین وملکوت کے اطراف میں جہاں چاہتے ہیں سیر فرماتے ہیں اور اس حال اور اس حال میں جو وفات سے پہلے تھا صرف اس قدر تبدیلی آئی ہے کہ ہماری نگاہوں سے آپ غائب ہیں جیسا کہ ملائکہ اپنے مناسب اجسام میں زندہ ہیں۔ مگر ہم ان کو نہیں دیکھتے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی پر لطف فرماتے ہیں تو حجاب کو اٹھا دیتے ہیں اور اس کو حضور ﷺ کی زیارت کا شرف بخشتے ہیں اور حضور ﷺ کو سابق ہیئت پر وہ دیکھتا ہے۔ اس سے کوئی شرعی دلیل مانع نہیں ہے اور رویت مثالی کی تخصیص کے لئے کوئی داعی نہیں ہے۔ (الحاوی ج ۲ ص ۲۶۴)

اور زرقانی مالکی لکھتے ہیں: انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں ایسی نماز پڑھتے ہیں کہ جس طرح کی نماز دنیا کی زندگی میں پڑھا کرتے تھے۔ اس لئے کہ وہ جزاء کے دن تک دنیا میں اور عبادت کے عالم میں ہیں۔ آپ عالم برزخ کو عالم تکلیف نہ سمجھئے۔ لیکن انبیاء علیہم السلام کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ برزخ میں بھی اللہ کی عبادت میں وہ انعام اور لذت محسوس کرتے ہیں اور دنیا کی زندگی کی طرح زیادہ سے زیادہ عمل کے بڑھانے میں حق تعالیٰ سے اپنے قرب کو زیادہ بڑھاتے ہیں اور قبروں میں ان کی نماز پڑھنے کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے اجسام زندہ ہیں اور ان کی زندگی حقیقی جسمانی زندگی ہے۔ قرطبی کو بھی اس کا یقین ہے۔ (زرقانی ج ۶ ص ۳۰۰ و ج ۵ ص ۳۳۲)

اور حافظ سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''ولاتحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتاً بل احیآء عند ربھم یرزقون'' (آل عمران: ۱۶۹) کے عموم میں انبیاء علیہم السلام داخل ہیں اور عالم برزخ میں انبیاء علیہم السلام حیات اور رزق کے زیادہ مستحق ہیں۔ اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام کے مراتب شہداء سے بدرجہا بلند ہیں اور شہادت کے مقام سے نبوت بمراتب بلند ہے۔ ہر ایک نبی علیہ السلام کی نبوت کے ساتھ شہادت بھی اس کی صفت ہے۔ امام احمد ابو یعلی، طبرانی، حاکم، بیہقی نے دلائل النبوۃ میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نو دفعہ قسم کھانے کو ایک دفعہ قسم کھا کر کہنے سے بہتر سمجھتا ہوں کہ حضور ﷺ شہید کر دیئے گئے تھے۔ ''وذالک بان اللہ عزوجل اتخذہ نبینا و جعلہ شھیدا'' (مسند احمد حدیث نمبر ۳۶۱۷)

اور (مسند احمد حدیث نمبر ۳۸۷۳) میں عبدالرزاق کے طریقہ میں یہ ہے: کہ میں نو دفعہ قسم کھا کر یہ کہہ دوں کہ حضور ﷺ شہید کئے گئے تھے۔ ایک دفعہ کے قسم کھا کر کہنے سے بہتر سمجھتا ہوں کہ حضور ﷺ شہید نہیں کئے گئے۔ ''وذالک بان اللہ جعلہ نبیاً واتخذہ شھیدا'' اسی طرح حاکم نے کتاب المغازی میں روایت کیا ہے۔ (ج ۳ ص ۵۸) اللہ نے حضور ﷺ کو نبوت بخشی ہے اور شہید بنایا ہے۔

حضور ﷺ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ فی سبیل اللہ تھا اور اس میں شک نہیں کہ یہود نے خیبر کے دن کھانے میں آپ کو زہر دیا تھا اور اخیر میں اس کے اثر سے آپ کی شہادت ہوگئی ہے۔ بخاری نے فی باب مرض النبی ﷺ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے: حضور فرماتے ہیں میں نے خیبر میں جو زہر آلود کھانا کھایا تھا اس کا اثر ہمیشہ محسوس کرتا رہا اور اب تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس نے میری شہ رگ کو کاٹ دیا ہے۔ غرض یہ ہے کہ آرام گاہ نبوت میں حضور ﷺ کی زندگی کے لئے قرآن کی نص آیت کا عموم اور آیت کا مفہوم دلائل ہیں۔ (الحاوی ج ۲ ص ۱۴۸)

شیخ تقی الدین سبکی فرماتے ہیں: انبیاء علیہم السلام اور شہداء کی حیات قبر میں ایسی ہے جیسی کہ دنیا میں ان کی زندگی تھی؛ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور قبر میں نماز پڑھنے کا تقاضا یہ ہے کہ قبر میں آپ کا جسم زندہ ہے اور اسی طرح وہ دوسری صفات جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ الاسراء میں انبیاء علیہم السلام کی ملاقات کے بعد ذکر فرمایا ہے تمام اجسام کے صفات ہیں۔ (الحاوی ج ۲ ص ۱۵۲)

اور شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں: امت مسلمہ کے علماء کو انبیاء علیہم السلام کی حیات پر اتفاق ہے۔ ایک امت کے علماء میں پانچ افراد کو بھی اس میں اختلاف نہیں ہے۔ انبیاء کی حیات حسی اور دنیاوی ہے۔ احادیث اور آثار سے ان کی اس قسم کی حیات ثابت ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی حیات مجرد لقاء ارواح کی قسم سے نہیں ہے۔ جیسے کہ شہداء کو جوف طیور میں زندگی حاصل ہوتی ہے۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۵۷۶)

خلاصہ یہ کہ امت کے علماء کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی اور دنیا کی حیات کی طرح عالم برزخ میں حیات پر اتفاق ہے۔ اگر کسی نے کچھ اختلاف کیا ہے تو ان کی تعداد پانچ تک بھی نہیں پہنچتی ہے وہ گنتی میں نہیں ہیں اور سلف وخلف کے علماء کو قرآن شریف کی آیت اور احادیث وآثار کی روشنی میں حضور کی جسمانی حیات پر یقین ہے اور ان کی بحث کا موضوع جسمانی حیات ہے اور روحانی حیات سے ان کی بحث کا کچھ تعلق نہیں ہے۔ اس لئے مولوی اسماعیل صاحب کا یہ لکھنا کہ شیخ عبدالحق اور مولانا حسین احمد مدنی نے جسمانی حیات کی یہ مصیبت کہاں سے خریدی ہے۔ باطنی کھوٹ اور ہویٰ پرستی کے جنون میں احادیث نبویہ کا اعراض اور حضرات سلف کے علماء کے استفادات سے انکار کرنے اور دور رہنے کی بیماری ہے۔ کتاب وسنت میں حضرات سلف کے علماء کی صواب دید بصیرت کی علمی دولت نے شاہ عبدالحق اور مولانا مدنی کو اس علم وعقیدہ کی طرف صحیح رہنمائی کی ہے اور ارباب علم وتقویٰ سے اصطلاحی اہل حدیث کی شوخی نے اصابت حق کی نعمت اور عظیم سعادت سے ان کو محروم کر دیا ہے۔ ورنہ کسی پڑھے لکھے آدمی کے لئے اس حقیقت واقعی کو سمجھنا کوئی مشکل اور بار گراں نہیں تھا۔

سید سمہودی مدنی متوفی ۹۱۱ھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: حیات الانبیاء کے دلائل کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے ابدان کا غذا سے استغناء اور عالم میں قوت نفوذ کے باوجود ابدان انبیاءؑ کی حیات کا حال ایسا ہے جیسا کہ دنیا میں ان کے ابدان کی حیات کا حال تھا۔ (وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۳۵۵)

جس صاحب بصیرت نے مسئلہ حیات پر قلم اٹھایا ہے، اس نے وہی لکھا ہے جو شیخ عبدالحق رحمہ اللہ اور مولانا مدنی رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ مولوی اسماعیل صاحب معتزلہ کا یہ گمراہ کن عقیدہ کہاں سے چرا کر لائے ہیں اور اہل سنت کے خلاف معتزلہ سے رشتہ ناطہ جوڑنا کہاں کی سنت ہے اور مولوی صاحب اور آپ کے فرقہ کو اس فرقہ کا یہ ساگھ کہاں پہنچا کر چھوڑے گا۔

برزخ میں شہداء کی حیات

قرآن شریف میں سورۃ بقرہ کی آیت میں شہداء کی حیات کی تصریح ہے اور اس میں یہ بھی اطلاع ہے کہ تم شہداء کی حیات کو نہیں سمجھتے۔ اس کی دریافت کرنے اور جاننے کے لئے تمہارے پاس وحی کی اطلاع کے بغیر کوئی فکر اور ذریعہ نہیں ہے۔ مگر کتاب وسنت کی زبان میں وہ زندگی ہے اور ضرور زندگی ہے اور ایسی زندگی کہ روحانی اور برزخی زندگی کے مقابل ہے۔ ورنہ عام اموات کو بھی کتاب وسنت میں زندہ کہا جاتا۔ اس لئے کہ عام مؤمنین کے اموات کو بھی برزخ

میں فی الجملہ روحانی زندگی حاصل ہے اور چونکہ قرآن شریف نے شہداء کی برتری اور فضیلت کو ظاہر کرتے ہوئے ان کو زندہ بتلایا ہے۔ اس لئے قرآن شریف کا منشاء یہ ہے کہ شہداء کو برزخ میں اس قسم کی زندگی دی گئی ہے۔ جو عام اموات کو نہیں ملتی۔ شہداء برزخ میں کھاتے پیتے ہیں۔ بے حد مسرور اور خوشحال ہوتے ہیں کہ اللہ نے اپنے فضل سے شہادت کی دولت عنایت فرمائی اور اپنی نعمتوں سے نوازا اور ہر آن مزید انعامات کا سلسلہ قائم کر دیا ہے اور بے انتہاء خوش ہوتے ہیں کہ جو وعدے ان سے کئے گئے تھے۔ ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور صرف اپنی اس حالت پر شاداں وفرحاں نہیں ہوتے ہیں۔ بلکہ اپنے ان مسلمان بھائیوں کا تصور کر کے بھی ان کو خوشی حاصل ہوتی ہے۔ جن کو اپنے پیچھے جہاد فی سبیل اللہ میں مشغول چھوڑ کر آئے ہیں کہ وہ بھی اگر ہماری طرح اللہ کی راہ میں مارے گئے تو ایسی ہی پر لطف اور بے خوف زندگی کے مزے لوٹیں گے۔ مولوی اسماعیل صاحب نے برزخ میں شہداء کی روحانی حیات کے اثبات کے لئے روح المعانی سے ناتمام استفادہ کی کوشش کی ہے۔ اس لئے میں سید آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کا پورا بیان نقل کرنا چاہتا ہوں۔

سید آلوسی رحمۃ اللہ علیہ سورۃ بقرہ کی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''آیت نے شہداء کی موت کی بالکلیہ نفی نہیں کی کہ شہداء نے کسی وقت موت کا ذائقہ نہیں چکھا ہے۔ اگر قرآن شریف کی یہ مراد ہوتی کہ شہداء نے بالکلیہ موت کا ذائقہ نہیں چکھا ہے تو نہی کے بعد امواتا کی جگہ ماتوا فرمادیتے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں جو مارے گئے ہیں یہ مت کہو کہ وہ نہیں مرے تھے بلکہ یہ فرمایا کہ مارے جانے کے بعد ان کو مردے نہ سمجھو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو قتل ہو جانے کے بعد حیات بخشی ہے۔ شہداء کو مردہ کہنے سے آیت نے روکا ہے اور آیا برزخ میں شہداء کی حیات روحانی ہے یا جسمانی زندگی ہے۔ سلف میں کثیر التعداد حضرات نے کہا ہے کہ شہداء کی زندگی حقیقی اور جسمانی ہے۔ روح اور جسم دونوں زندہ ہیں اور عند ربھم یرزقون! اس قسم کی حیات کی دلیل ہے اور چونکہ قرآن شریف شہداء پر فضیلت اور امتیازی خصوصیت کو ظاہر کرتا ہے اور شہداء کی روحانی حیات میں غیر شہداء بھی ان کے شریک ہیں۔ اس میں شہداء کی خصوصی فضیلت اور امتیازی برتری نہیں ہے۔ اس لئے قرآن شریف کی مراد یہ ہے کہ شہداء جسمانی حیات میں زندہ ہیں اور یہی جسمانی زندگی ان کا مخصوص مقام اور امتیازی درجہ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ، حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ بصری صحابی اور تابعین اور مفسرین کی ایک جماعت کا یہ کہنا ہے سلف کو اس میں اختلاف ہے کہ برزخ میں شہداء اسی جسم میں زندہ ہیں جو دنیا میں تھا اور قتل نے اس کے نظام کو بگاڑ دیا ہے یا سبز رنگ پرندوں کی صورت میں شہداء کو زندگی دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے عاجز نہیں ہے کہ شہداء کے دنیاوی جسم میں حیات کو اتار دے۔ اگرچہ ہم اس کو زمین میں گلا سڑا دیکھتے ہیں اور حیات کے آثار اس میں ظاہر نہیں دیکھتے اور یہ ہماری کمزوری ہے کہ اصل حقیقت کچھ ہوتی ہے۔ اگرچہ ہم اس کی پوری حقیقت کے سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں۔

اس کی مثال یہ ہے کہ حدیث میں ارشاد ہے کہ مومن کے لئے اس کی قبر انتہاء بصر کی حد تک کھول دی جاتی ہے اور اس کو کہا جاتا ہے کہ عروس کی نیند اس میں سو جاؤ۔ حدیث کے اس خبر کے باوجود بھی ہم میت کی قبر کو اس قدر کھلی ہوئی نہیں دیکھتے اور نہ میت کو اس میں عروس کی مانند سویا ہوا پاتے ہیں۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ خبر واقعی نہیں ہے۔ بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ برزخ عالم غیب اور وہ عالم غیب کے احوال ہیں اور ہم عالم غیب کے احوال اور

واقعات کونہیں جانتے ہیں۔ بشری اذہان اور قوئی اس کے احوال کے ادراک سے قاصر اور دور ہیں اور بعض امامیہ کا دعویٰ ہے کہ برزخ میں دنیاوی اجسام میں شہداء کو زندگی ہوتی ہے۔

امامیہ کے اس دعوے پر سید آلوسی رحمہ اللہ تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: میں سمجھتا ہوں کہ شہداء اور غیر شہداء دونوں کو برزخ میں زندگی ہے اور ارواح اگر چہ جوہر قائم بانفسہا ہیں۔لیکن اس امر سے کوئی مانع نہیں ہے کہ ارواح کو ایسے بدن برزخی کے ساتھ تعلق ہے کہ وہ اس کثیف بدن کے علاوہ اور مقابل ہے اور شہداء کی ارواح کو اس کے ساتھ ایسا تعلق اور ایسی وجہ پر تعلق ہے کہ شہداء کو غیر شہداء پر اس تعلق اور اس تعلق کی وجہ اور کیفیت میں امتیاز ہے اور یہ امتیاز یا اصل تعلق میں ہے یا بناء بر مشلک نہ بناء بر متواطی نفس حیات میں امتیاز ہے یا نفس متعلق بہ میں امتیاز ہے اور جس بات سے میرے دل کو تسلی اور اطمینان ہے وہ یہ ہے کہ برزخی ابدان کو ان ابدان کے ساتھ پوری صوری مشابہت ہے۔اگر چہ دونوں کے اجزاء متفاوت اور ان کے عناصر مختلف ہوں۔اس لئے کہ دونوں جہانوں میں فرق ہے اور ہوسکتا ہے کہ حدیث میں سرعت حرکت کے اعتبار سے تشبیہ مراد ہو اور اگر چاہو تو یوں کہو کہ شہداء کی ارواح خود صورت میں متشکل ہوتی ہیں۔اس لئے کہ روح میں لطافت کی وجہ سے تجسد کی قوت ہے۔جیسا کہ دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں روح الامین کا ظاہر ہونا حدیث میں ثابت ہے اور شہداء کا حیات اس قبیل سے ہے کہ ان کی ارواح خود تجسد اختیار کرتی ہیں اور یہ کہنا کہ برزخ میں شہداء کی دنیوی جسد زندہ ہوتا ہے۔اللہ کی ذات سے یہ بھی بعید نہیں ہے۔اگر اس نے ایسا چاہا ہے تو کوئی مانع نہیں ہوسکتا۔لیکن شہداء کی امتیازی حیات کو ثابت کرنے کے لئے اس دنیوی جسد کی زندگی چنداں ضروری نہیں ہے اور نہ صرف اس جسد کی حیات میں مزید فضل اور عظیم منت ہے۔شہداء کی امتیازی حیات یہ ہے کہ ان کی ارواح کو تجسد ہے (ان کی ارواح نے جسد کی صورت کو اختیار کیا ہے) اور اس تجسد کو شہداء کی دنیاوی اجساد کے ساتھ اس قدر اتصال اور تعلق ضرور ہے۔جس نے دنیاوی جسد کے اندر حیات کو پیدا کیا ہے (جس قدر کہ نائم کی زندگی ہے کہ اس کا جسم مردہ اور بے جان نہیں ہے)

سید آلوسی رحمہ اللہ کی بحث کا یہ خلاصہ ہے۔سید رحمہ اللہ نے شہداء کی روحانی حیات بتلانے والے پر اعتراض کیا ہے اور شہداء کی روحانی حیات کے ادّعاء کو ناپسند فرمایا اور ''عند ربهم یرزقون'' اور شہداء کی خصوصی فضیلت اور برتری کے دلائل سے اس کو مسترد کیا ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اثر اور حضرت قتادہ رحمہ اللہ، حضرت مجاہد رحمہ اللہ، حضرت حسن بصری رحمہ اللہ اور مفسرین کی ایک جماعت کے اقوال سے اس کی تائید فرمائی اور ظاہر فرمایا ہے کہ ان کی ارواح نے تجسد کو اختیار کیا ہے اور ان کے ابدان دنیاوی میں حیات کو باقی اور قائم رکھا ہے۔ان کے دنیاوی ابدان بہرحال زندہ ہیں اور نیز بتا دیا ہے کہ ابدان شہداء کی حیات مستمر اور ہمیشہ ہے اور عام اموات مؤمنین کے اجساد کی طرح عارضی اور مخصوص اوقات میں ان کی حیات نہیں ہے کہ زائر کے واپسی اور رد سلام کے بعد ان کی حیات منقطع ہو جاتی ہے اور روح کا اس قسم کا اتصال ان سے قائم نہیں رہتا ہے کہ ان کو زندہ رکھے۔بلکہ شہداء کی حیات نائم کی زندگی جیسی ہے۔جب تک بھی سوتا رہے وہ زندہ ہے۔مولوی اسمٰعیل صاحب کا یہ کہنا کہ صاحب روح المعانی بھی شہداء کی روحانی حیات کے قائل ہیں۔سید آلوسی رحمہ اللہ کے خلاف سراسر افتراء اور بہتان ہے۔

ہندوستان کا بیہقی قاضی صاحب تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں: ''بل احیاء ولٰکن لا تشعرون'' بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں سمجھ سکتے۔اس آیت میں اللہ کی طرف سے یہ تنبیہ ہے کہ شہداء کی حیات وحی سے معلوم ہوتی ہے یا اس

فراست سے جو وحی سے مکتسب ہے اور شہداء کے زندہ ہونے کا یہ معنی ہے کہ اللہ نے ان کی ارواح کو تجسد کی قوت عنایت کی ہے۔ وہ اجساد کی صورت اختیار کر لیتی ہیں اور زمین وآسمان، جنت سب جگہ کی سیر کرتی ہیں اور اپنے دوستوں کی مدد اور دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں اور ایسی زندگی کی وجہ سے ان کے دنیاوی اجساد اور اکفان کو زمین نہیں کھاتی ہے (اس لئے کہ ان کے دنیاوی اجساد میں روح کے خاص اتصال اور مستمر تعلق سے اس قدر زندگی ہے کہ زمین کے ضرر اور اثر سے ان کے اجسام اور اکفان گلنے اور سڑنے سے محفوظ ہیں)

مذکورہ احادیث پر نظر کر کے بعض علماء نے یہ فرمایا ہے کہ اس قسم کی حیات صرف شہداء کے ساتھ مخصوص ہے لیکن میرے نزدیک حق یہ ہے کہ اس قسم کی حیات صرف شہداء کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ آثار واحکام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کی حیات بدرجہا ان کی حیات سے قوی اور بلند ہے۔ حتیٰ کہ انبیاء کی حیات کا خارج میں اثر یہ ہے کہ حضور ﷺ کی ازواج مطہرات سے نکاح کرنا ہر کسی کے لئے اور قیامت تک کے لئے ناجائز اور حرام ہے۔ بخلاف شہید کے کہ اس کی زوجہ سے نکاح کرنا جائز ہے اور صدیقین اس حیات میں شہداء سے اعلیٰ درجہ میں ہیں اور صالحین اولیاء اس حیات میں شہداء سے کم ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ملحق ہیں۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ نساء میں ارشاد فرمایا ہے اور ان کی ترتیب ذکری رتبی ترتیب پر دلالت کرتی ہے۔

قاضی صاحب کی مراد یہ ہے کہ شہداء کی ارواح تجسد اختیار کر لیتی ہیں اور اس جسم کو دنیاوی صورت کے ساتھ پوری صوری مشابہت ہے اور اس جسم سے دنیا کا جسم اس قدر متاثر ہے کہ اس کی زندگی سے وہ زندہ ہے اور اس کی زندگی نے اس کو زمین کے اثر اور ضرر نے بچایا ہے اور انبیاء کی حیات شہداء کی حیات سے بدرجہا بلند اور اونچی ہے۔ اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دنیا کی حیات سے برابر اس وقت تک مستمر چلی آتی ہے کہ خارج میں اس کی قوت اور استمرار کا یہ اثر ہے کہ اس کے بعض دنیاوی احکام باقی اور قائم ہیں۔ ان میں سے ایک حکم یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ کی ازواج مطہرات سے نکاح کرنا اس لئے حرام ہے کہ آپ کی حیات قائم ہے اور اس کے استمرار میں انقطاع نہیں آیا ہے۔ ورنہ ازالہ استمرار حیات کے بعد حرمت نکاح کا حکم قائم اور باقی نہ رہتا اور ازواج مطہرات حضور کے نکاح میں نہ رہتیں اور شہداء کے ابدان اگرچہ زندہ ہیں اور زمین کے اثر سے محفوظ ہیں۔ مگر کچھ وقفہ کے لئے ان کے قتل نے ان کی حیات کو زائل کر دیا تھا۔ اس لئے ان کی ازواج ان کے نکاح میں نہیں ہیں اور حضور ﷺ کے ازواج مطہرات آپ کے نکاح میں ہیں۔ اس لئے کہ استمرار حیات میں نکاح قائم ہے "والمحصنت من النساء" اور حرام ہوئیں تم پر خاوند والی عورتیں۔

حیات ابدان شہداء کے واقعات

حضرت جابر ﷛ فرماتے ہیں کہ جب احد کا جہاد سامنے آیا تو میرے والد نے مجھے فرمایا کہ شاید صحابہ ﷡ میں سب سے پہلے میں شہید ہو جاؤں گا۔ حضور ﷺ کے سوا آپ سے زیادہ پیارا مجھے کوئی دوسرا نہیں ہے۔ دیکھو میرا قرضہ ادا کرنا اور اپنی بہنوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ جہاد میں سب سے پہلے میرے والد مارے گئے اور میرے والد صاحب کے ساتھ قبر میں ایک دوسرے صحابی بھی دفنائے گئے۔ مگر میرے دل نے یہ گوارا نہ کیا کہ میرے والد کے ساتھ قبر میں کوئی دوسرا بھی ہو۔ میں نے چھ ماہ کے بعد اپنے والد ماجد کو قبر سے نکالا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آج ہی ان کو دفن کیا تھا۔ صرف ان کے کان پر ذرا سا اثر تھا۔ (بخاری کتاب الجنائز ج اول ص ۱۸۰)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد کے ساتھ دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ آپ کے دوست اور بہنوئی عمرو بن الجموح دفنائے گئے تھے۔ ہشام بن عروہ عن ابیہ فرماتے ہیں کہ ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ مبارک کی دیوار گرگئی اور جب اس کو اٹھانے لگے تو ایک قبر میں سے قدم ظاہر ہوا۔ لوگ گھبرا گئے اور خیال کیا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک قدم ہے۔ حضرت عروہ جانتے تھے۔ اس نے قسم کھا کر کہا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قدم نہیں ہے بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قدم ہے۔ (بخاری کتاب الجنائز ج اوّل ص ۱۸۶)

عبدالرحمن بن صعصعہ فرماتے ہیں کہ عمرو بن الجموح اور عبداللہ بن عمرو انصاری کی قبریں رو کے متصل واقع تھیں۔ اتفاق ہوا کہ سیل آئی اور دونوں کی قبریں کھود ڈالیں۔ جب دوسری جگہ ان کی قبریں کھودی گئیں تو ان کے ابدان میں ذرا بھی فرق نہیں ہوا تھا اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ کل دفنائے گئے تھے اور یہ دونوں حضرات صحابہ احد کے دن شہید ہو گئے اور اس دن سے آج تک ۴۶ سال کی مدت گزر چکی ہے اور ان میں سے ایک صاحب نے اپنے زخم پر ہاتھ رکھا تھا اور جب اس کا ہاتھ زخم سے ہٹایا گیا اور چھوڑ دیا گیا تو پہلے مقام پر پڑ جاتا تھا۔ (مؤطا امام مالک کتاب الجہاد ج اوّل ص ۳۱۳)

حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ اپنے والد کو چھ ماہ کے بعد قبر سے نکالا اور ۴۶ سال کے بعد قبر سے نکالنے کا یہ دوسرا واقعہ ہے۔ بیہقی دلائل النبوت میں اور سید سمہودی روایت کرتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب نہر کظامہ جاری کرنے کا ارادہ کیا تو مدینہ منورہ میں آپ نے اعلان کر دیا کہ احد میں جو لوگ شہید ہو گئے ہیں ان کے وارث سب یہاں آ ئیں تو لوگ چلے گئے۔ شہداء کو دیکھا کہ وہ تر و تازہ پڑے ہوئے ہیں اور ان کے بال بڑھے ہوئے ہیں۔ اتفاقاً ایک شہید کے پاؤں پر پھاوڑا پڑ گیا تو اس سے خون کا ایک فوارہ جوش مارنے لگا اور جب مٹی کھودی گئی تو تمام جگہ مشک کی خوشبو پھیل گئی۔ (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۹۳۹)

یہ ہیں شہداء کے ابدان کہ صرف محفوظ نہیں ہیں بلکہ ان میں زندگی کے آثار دیکھے گئے ہیں۔ ۴۶ سال کے بعد جسم کا تر و تازہ ہونا اور وہ بھی قبر میں اور اپنے زخم پر اپنے اختیار سے سابق کی طرح ہاتھ رکھنا، بالوں کا بڑھ جانا اور پھاوڑا لگنے پر ان کے جسم سے خون کا نکلنا اور ان کی راحت اور مسرت کے لئے خوشبو کا ان کے پاس۔ یہ تمام بدن کی علامات اور آثار زندگی ہیں۔ جس قدر ان کے مناسب اور برزخ میں ان کے ابدان کے مناسب اللہ کے علم و حکمت میں زندگی ہے۔ ان کو عنایت کی گئی ہے۔

محدثین اور اہل علم نے شہداء کے مرزوق ہونے سے ان کی جسمانی حیات پر استدلال کیا ہے۔ اس استدلال پر مولوی اسماعیل کو دو شبہ ہیں:

پہلا شبہ یہ ہے کہ شہداء کا مرزوق ہونا جسمانی حیات کی دلیل نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ رزق عنداللہ ہے اور رزق عنداللہ روحانی ہے اور روحانی زندگی ہے۔

الجواب: بریں عقل و دانش بباید گریست۔ آیت کا مقصد شہداء کا مرزوق ہونا بتلاتا ہے اور عنداللہ کا مفاد صرف اس قدر ہے کہ ان کا مرزوق ہونا تم پر ظاہر نہیں ہے۔ تمہارے ادراک و شعور سے باہر ہے۔ مگر ان کو حق تعالیٰ رزق عنایت کرتا ہے۔ جیسا کہ دنیا کی زندگی میں جسم کی صحت اور بقاء حیات کے لئے رزق کی ضرورت تھی۔ اسی طرح برزخ میں بھی شہداء کو ان کے ابدان کے بقاء اور حیات کے لیے رزق دیا جاتا ہے اگرچہ وہ دنیا کی رزق کی طرح

نہیں ہے اور آیت میں رزق عند اللہ سے روحانی رزق اور روح کے لئے رزق سمجھنا نادانی اور بڑی غلطی ہے۔ حضرت مریم کے پاس رزق دیکھ کر حضرت زکریا علیہ السلام نے پوچھا تھا یہ آپ کے لئے کہاں سے آتا ہے۔ جواب میں فرمایا "ھو من عند اللہ" اللہ کے پاس سے آتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ وہ رزق بھی مادی تھا اور دنیا میں دنیاوی بدن کے لئے تھا۔ قرآن شریف میں دوسری جگہ ارشاد ہے "فابتغوا عند اللہ الرزق" اللہ کے یہاں رزق ڈھونڈو دنیا میں اور دنیاوی بدن کے لئے بھی جو رزق تلاش کیا جاتا ہے وہ بھی اللہ کے پاس سے ہے۔

دوسرا شبہ: مولوی اسماعیل صاحب کہتے ہیں کہ رزق سے شہداء کی زندگی پر استدلال کرنا بے معنی اور غلط ہے۔ اس لئے کہ رزق انبیاء اور شہداء کے علاوہ برزخ میں دوسرے مرنے والوں کو بھی ملتا ہے۔ جیسا کہ آیت میں مذکور ہے "والذین ھاجروا فی سبیل اللہ ثم قتلوا او ماتوا لیرزقنھم اللہ رزقاً حسناً" (الحج:۵۸) ترجمہ: اور جو لوگ گھر چھوڑ آئے اللہ کی راہ میں پھر مارے گئے یا مر گئے البتہ ان کو دے گا اللہ روزی خاصی۔

جب طبعی موت مرنے والوں کو بھی رزق ملتا ہے تو شہداء کو رزق ملنے سے ان کے ابدان کی زندگی پر استدلال نہ رہا۔

الجواب: مولوی صاحب کا دعویٰ یہ ہے کہ طبعی موت سے مرنے والوں کو بھی شہداء کی طرح رزق ملتا ہے اور سورت حج کی جس آیت سے تصدیق چاہا ہے۔ اس میں مہاجر فی سبیل اللہ کے لئے رزق کا وعدہ مذکور ہے۔ جن حضرات نے اللہ کی راہ میں دین کی نصرت اور دین کے دشمنوں کی مقاومت کے لئے اپنا گھر بار، اقارب احباب کو چھوڑا ہے۔ ایسے حضرات جن کے یہ مقاصد تھے خواہ وہ جہاد میں مارے جائیں یا اثنا راہ میں اور جائے قیام میں فوت ہو جائیں، شہداء کے حکم میں ہیں اور شہداء کی طرح اللہ کے پاس سے رزق میں شہداء کے برابر ہیں۔ قرآن شریف میں مذکور ہے "ولئن قتلتم فی سبیل اللہ او متم لمغفرة من اللہ ورحمة خیر مما یجمعون" (آل عمران:۱۵۷) ترجمہ: (اگر تم مارے گئے اللہ کی راہ میں یا اللہ کی راہ میں مر گئے تو اللہ کی بخشش اور اللہ کی مہربانی بہتر ہے اس چیز سے جو وہ جمع کرتے ہیں۔

آیت نے شہید فی سبیل اللہ اور متوفی فی سبیل اللہ کے لئے ایک ہی قسم کا وعدہ بیان فرمایا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ فی سبیل اللہ مقتول اور فی سبیل اللہ متوفی دونوں کے لئے جزاء اور عطا اور بخشش کا ایک حکم اور ایک ہی فیصلہ ہے۔ اس میں کچھ شک اور تامل نہیں کہ شہید فی سبیل اللہ کے ساتھ اس جیسے رزق میں متوفی فی سبیل اللہ بھی شریک کیا گیا ہے۔ لیکن یہ تو بحث نہیں ہے۔ بحث یہ ہے کہ عام اموات متوفین غیر مقتول فی سبیل اللہ اور غیر متوفی فی سبیل اللہ کے مقابلہ پر شہدا کے ابدان کو رزق ملنا اور ان کو رزق دیا جانا ان کے ابدان کی حیات پر دلیل ہے۔ مولوی صاحب کو اہل حدیث کہلانے کا شوق تو ہے۔ مگر آپ کی نگاہ ان احادیث پر نہیں پڑتی جن میں متوفی فی سبیل اللہ کو مقتول فی سبیل اللہ کے حکم میں اور اللہ کے وعدہ میں برابر ہونا بیان فرمایا گیا ہے۔

ابو مالک اشعری کی حدیث میں مذکور ہے جو اللہ کی راہ میں نکلا پس فوت ہوا یا مارا گیا یا اس کے اسپ یا شتر نے اس کی گردن کو توڑ دیا یا اور کوئی آفت اس پر پڑ گئی تو وہ شہید ہے اور اس کے لئے جنت ہے۔ (بیہقی ج۹ ص۱۶۶)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: لوگو ایسا کہو جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو اللہ کی راہ میں مارا گیا یا فوت ہوا تو وہ جنت میں ہے۔ (بیہقی ج۹ ص۱۶۸)

سہل بن حنیف عن ابیہ عن جدہ کی حدیث میں ہے جس نے سچے دل سے شہادت کو چاہا تھا تو اس کو اللہ تعالیٰ شہداء کے منازل میں پہنچا دیں گے اگر چہ وہ اپنے فراش پر فوت ہو جائے۔ (بیہقی سنن کبریٰ ج ۹ ص ۱۷۰)

حضرت معاذ کی حدیث میں ہے جس نے اخلاص اور سچائی کے ساتھ شہادت کا سوال کیا پھر وہ فوت ہوا یا مارا گیا تو اس کے لئے شہید کا درجہ ہے اور جو فی سبیل اللہ نکل گیا تو اس پر شہداء کی مہر لگتی ہے۔ (سنن کبریٰ بیہقی ج ۹ ص ۱۷۰)

فضالہ بن عبید نے قتیل فی سبیل اللہ کے جنازہ پر لوگوں کو زیادہ مائل دیکھا اور متوفی فی سبیل اللہ کے جنازہ پر لوگ کم رغبت کرتے تھے تو آپ نے یہ دیکھ کر فرمایا واللہ، میں پرواہ نہیں کرتا کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کی قبر سے اٹھایا جاؤں۔ لوگو! سنو! اللہ کی کتاب کو سنو" والذین ھاجروا فی سبیل اللہ ثم قتلوا او ماتوا" (الحج: ۵۸، حافظ ابن کثیر ج ۳ ص ۲۳۲)

ان مذکورہ احادیث نے قرآن شریف کی مذکورہ آیت کی یہ تفسیر کردی ہے کہ قتیل فی سبیل اللہ اور مہاجر متوفی فی سبیل اللہ دونوں کے لئے اللہ کے یہاں ایک ہی حکم اور ایک ہی وعدہ اور دونوں کا مقام اور درجہ ایک ہے۔ اس لئے متوفی فی سبیل اللہ کو بھی شہید کی طرح رزق دیا جاتا ہے اور شہداء کا مرزوق ہونا ان کے ابدان کی حیات کی دلیل ہے۔ جیسا کہ مذکورہ شہداء کے واقعات نے ثابت کردیا ہے۔

انبیاء کی حیات دنیا کی حیات کی طرح جسمانی ہے

جب یہ کہا جاتا ہے کہ انبیاء ﷩ کی حیات جسمانی اور دنیاوی ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ جس طرح دنیا کی حیات میں روح کو اپنے جسم کے ساتھ ایسا اتصال ہوتا ہے کہ اپنے جسم میں تصرف وتدبیر کرتی ہے اور اس سے زندگی کے افعال وآثار ظاہر ہوتے ہیں۔ اسی طرح برزخ کے اندر عالم غیب میں انبیاء ﷩ کے مقدس ارواح کو ان کے پاکیزہ اجسام کے ساتھ تدبیر وتصرف کا اتصال ہے اور زندوں کی طرح ان سے عالم غیب میں افعال وآثار کا ظہور ہوتا ہے اور دنیا کی زندگی میں جو ان کے جسمانی احکام تھے جیسا کہ دنیا میں زندہ آدمی کا اپنے املاک پر ملک قائم ہوتا ہے اور دنیا میں زندہ آدمی کی بیوی سے نکاح کرنا ناجائز ہے اور دنیا میں زندہ آدمی کے املاک میں کسی وارث کو میراث کا حق نہیں پہنچتا۔ اگر چہ انبیاء ﷩ عالم غیب میں ہیں۔ مگر دنیا میں ان کے یہ جسمانی احکام باقی اور قائم ہیں۔ انبیاء کی دنیاوی زندگی کے یہ معنی نہیں کہ وہ دنیا کے لوگوں میں آتے رہتے، وقت گزارتے ہیں اور دنیا والوں کی خوشی اور غم، فتح وشکست میں شریک اور دلچسپی لیتے ہیں۔

انبیاء ﷩ کی جسمانی زندگی پر سلف نے مفید اور پرمعنی رسائل اور مضامین لکھے ہیں جن میں سے خصوصیت کے ساتھ بیہقی متوفی ۴۵۸ھ کا رسالہ حیات الانبیاء اور عبدالرحمن بن ابی بکر سیوطی ﷫ کا رسالہ انباہ الاذکیاء اور شیخ تقی الدین سبکی کا رسالہ شفاء الاسقام اور حضرت مولانا نانوتوی ﷫ کا رسالہ آب حیات اہل علم کے طبقہ میں زیادہ متداول اور معروف ومقبول ہیں اور میں انہیں حضرات محدثین کے فیوض سے استفادہ کروں گا اور اپنے الفاظ میں انہیں حضرات کا علم ونظر بیان کروں گا اور مولوی اسماعیل صاحب نے جو ان حضرات کی روایات پر اعتراض کیا ہے۔ اس کا جواب لکھوں گا۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان!

حافظ سیوطی ﷫ فرماتے ہیں حضور رسالت مآب ﷺ کی حیات اور تمام انبیاء ﷩ کی زندگی ہم کو قطعی معلوم ہے اور اس پر دلائل قائم ہیں اور متواتر اخبار سے ثابت ہے کہ انبیاء ﷩ زندہ ہیں۔ (الحاوی ج ۲ ص ۱۴۷)

مراد یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی زندگی ان کی قبروں میں جسمانی ہے ورنہ روحانی زندگی کے لئے ان کی قبروں میں زندگی کی تخصیص کی ضرورت نہیں ہے اور نیز ان کی قبروں میں ان کی روحانی زندگی انبیاء کی شان عظیم میں کچھ اضافہ بھی نہیں کرتی ہے۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آپ کے شیخ احمد بن عمر متوفی ۶۳۳ھ نے فرمایا ہے موت عدم محض نہیں ہے بلکہ ایک حال سے دوسرے حال میں منتقل ہو جانے کا نام موت ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ شہداء قتل کئے جانے اور موت آنے کے بعد بھی اپنے رب کے پاس زندہ ہیں کھاتے ہیں خوش ہیں اور خوشخبری دیتے ہیں اور یہ دنیا میں زندوں کی صفت ہے اور جب شہداء کا یہ حال ہے تو انبیاء علیہم السلام کو ایسی زندگی کا شہداء سے اولی اور زیادہ حق ہے۔

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ قرطبی اور آپ کے شیخ، شہداء کے لئے دنیا کی زندگی جیسی زندگی تسلیم کرتے ہیں اور دنیاوی زندگی جیسی زندگی کا انبیاء علیہم السلام کو شہداء سے بدرجہا زیادہ حق ہے اور حافظ ابن قیم نے ان کا یہ کہنا رد نہیں کیا ہے۔ اس لئے کہا جائے گا کہ حافظ کو بھی ان کے ساتھ اتفاق ہے۔

اور اس کے باوجود حضور علیہ السلام سے صحیح ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اجساد کو زمین نہیں کھاتی ہے اور نیز صحیح ثابت ہے کہ معراج کی رات بیت المقدس میں اور آسمانوں میں حضور علیہ السلام انبیاء علیہم السلام سے بالعموم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بالخصوص ملے تھے اور نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مجھ پر سلام پڑھے گا تو میں اس کا جواب دوں گا۔ اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر لوٹا چکا ہے۔ اسی طرح دوسری احادیث جن کے مجموعہ سے یقین حاصل ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی موت کا خلاصہ صرف اس قدر ہے کہ ہم سے غائب کر دیئے گئے ہیں۔ ہم ان کو نہیں سمجھتے اگرچہ وہ زندہ موجود ہیں۔ جیسا کہ ملائکہ زندہ موجود ہیں اور ہم ان کو نہیں دیکھتے اور جب یہ ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں تو پھر جب پھونکا جانے صور میں "فصعق من فی السمٰوات و من فی الارض الا من شاء اللہ" (زمر: ۶۸) انبیاء کا صعق بیہوشی ہے اور غیر انبیاء کا صعق موت ہے۔ نفخہ اولیٰ میں جو مر چکے تھے نفخہ ثانیہ میں وہ زندہ ہو جائیں گے۔ اور نفخہ اول میں جو بیہوش ہو گئے تھے وہ نفخہ ثانیہ کے بعد ہوش میں آجائیں گے۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے پہلے مجھے بیہوشی سے افاقہ ہوگا۔ (کتاب الروح ص ۵۴، الحاوی ج ۲ ص ۱۴۹)

آیت مذکور کی تفسیر سید آلوسی رحمہ اللہ نے اساس سے یہ نقل کیا ہے کہ صعق غشی اور موت دونوں کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے "صعق الرجل اذا غشی علیه و صعق الرجل اذا مات" اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ مذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ "نفخة الصعق" وہ ہے جس سے زمین اور آسمانوں میں زندہ نفوس مر جائیں گے۔ مگر جن کو اللہ چاہے اور دوسری بار نفخہ میں سب مرے ہوئے زندہ ہو جائیں گے اور قیامت کے احوال کو حیرت زدہ ہو کر تکتے ہوں گے اور مسند امام احمد میں عبداللہ بن عمرو کی روایت سے یہ حدیث مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھیج دے گا اور آپ دجال کو ہلاک کر دیں گے۔ پھر حق تعالیٰ شام کی طرف سے ٹھنڈی ہوا چلائے گا اور جس کے دل میں ذرہ بھر ایمان ہے وہ اس ہوا سے فوت ہو جائے گا اور ایسے شریر لوگ رہ جائیں گے کہ طیور کی طرح ان میں توہم، نفور اور اضطراب ہوگا۔ فسق و فجور کی طرف مائل اور فساد پر آمادہ ہوں گے۔ ان کی رائے بری ہوگی، ان میں وقار نہیں ہوگا، ان کی عقل ناقص ہوگی۔ علم اور حلم سے عاری ہوں گے۔ قلت رحم۔ اہلاک و اتلاف، غضب اور وحشت ان کی

زندگی ہوگی۔ نہ معروف کو معروف جانتے ہوں گے اور نہ منکر کو منکر، شیطان کے اکسانے اور ترغیب دینے پر بتوں کو پوجیں گے، ان کا رزق وسیع ہوگا، خوش وقت اور خوش حال ہوں گے۔ ایسے وقت اور ایسے حال میں صور پھونکا جائے گا اور جس کے کان میں صور کی آواز پڑے گی وہ مرے گا۔ حتی کہ کوئی باقی نہیں رہے گا۔ سب مرجائیں گے۔ پھر حق تعالی شبنم کی طرح بارش برسائے گا جس سے اجسام اگ آئیں گے۔ پھر دوسری بار صور میں پھونکا جائے گا تو سب اٹھ کھڑے ہوں گے۔ پھر کہا جائے گا لوگو! آؤ اپنے رب کی طرف آؤ۔ (مسند احمد حدیث نمبر ۶۵۵۵)

اس حدیث نے بتلا دیا ہے کہ نفخہ صعقہ سے لوگ مریں گے اور نفخہ ثانیہ سے لوگ زندہ ہوں گے اور بخاری کتاب الانبیاء میں حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ حدیث مذکور ہے۔ حضور فرماتے ہیں مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت مت دینا کیونکہ (نفخہ صور) کے بعد سب لوگ مرجائیں گے اور سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا "فاکون اوّل من یفیق" تو یکایک میں کیا دیکھوں گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کا ایک کونہ پکڑے ہوئے کھڑے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ آیا وہ ان لوگوں میں ہیں جو بے ہوش ہوئے مگر ان کو مجھ سے پہلے ہوش آئے گا یا ان لوگوں میں تھے جن کو اللہ تعالی نے بے ہوشی سے مستثنیٰ کر دیا۔ (بخاری باب وفات موسیٰ ص ۴۸۴ و باب ما یذکر فی الاشخاص ص ۳۲۵)

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ ہے یا ان کو پہلی بے ہوشی کا بدلہ دیا گیا اور ابراہیم بن سعد کی روایت ہے "فان الناس یصعقون یوم القیامة فاصعق معھم فاکون اوّل من یفیق" اور عبداللہ بن الفضل کی روایت میں یہ ہے "فاکون من اوّل من بعث" اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے شعبی کی روایت میں یہ ہے "انی اوّل من یرفع راسہ بعد النفخة الاخیرة" ان روایات سے صریحاً یہ معلوم ہوتا ہے کہ بخاری کی حدیث میں جو افاقہ مذکور ہے۔ وہ نفخہ ثانیہ کے بعد ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۳۴۵)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ابن حزم نے گمان کیا ہے کہ قیامت کے دن نفخات کی تعداد چار ہے لیکن یہ واضح نہیں ہے بلکہ نفخات دو ہیں۔ ایک نفخہ صعق ہے جس سے ہر ایک زندہ مرجائے گا اور جو مرنے والا نہیں ہے اس کو بے ہوشی ہوجائے گی اور نفخہ ثانیہ نفخہ بعث ہے۔ جس سے وہ لوگ زندہ ہوجائیں گے جو نفخہ اوّل میں مرچکے تھے اور جو بے ہوش ہوچکے تھے ان کو افاقہ ہوگا۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۳۴۶ باب وفات موسیٰ علیہ السلام)

غرض اس تفصیل کی یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غشی سے افاقہ ہوگا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یا بیہوشی نہیں آئی یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی پہلے نفخہ ثانیہ کے بعد ہوش میں آگئے تھے اور بے ہوشی زندوں کو ہوتی ہے۔ جیسے صعقہ الطور میں موت نہیں تھی افاقہ فرمایا گیا ہے۔ نفخہ اولیٰ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم زندہ تھے۔ اس لئے ان کو بے ہوشی ہوگئی اور نفخہ ثانیہ کے بعد افاقہ ہوا اور دوسرے لوگ جو نفخہ اولیٰ کے وقت زندہ تھے وہ مرگئے تھے اور نفخہ ثانیہ کے بعد وہ موت سے زندہ کئے گئے تو قرطبی اور اس کے شیخ اور حافظ ابن قیم کی غرض یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ آرام گاہ نبوت میں نفخہ اولیٰ کے وقت آپ زندہ ہیں ورنیز صعق ایک لفظ ہے۔ مگر جب اس کی نسبت عام لوگوں کی طرف کی گئی تو ان کی موت مراد ہے اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس کی نسبت کی گئی تو اس کے معنی بے ہوشی ہے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے صعق اور غیر انبیاء کے صعق میں فرق ہے۔ اسی طرح انبیاء اور غیر انبیاء کی موت میں بھی فرق ہونا ممکن ہے کہ غیر انبیاء کی موت نے ان کی حیات کا ازالہ کر دیا ہے اور انبیاء علیہم السلام کی موت ساتر حیات ضرور ہے۔ مگر

حیات کا ازالہ نہیں کیا ہے بلکہ زیر پردہ ان کی حیات قائم ہے۔ محدثین کے فکر و نظر میں انبیاء کی زندگی کیسی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: انبیاء علیہم السلام الامن شاء اللہ استثناء میں داخل ہیں۔ جیسے کہ موتی اس میں داخل اور نفحہ اولی میں صعقۃ الموت صرف زندوں کے لئے ہے اور جن کو پہلے موت آچکی ہے۔ وہ مستثنیٰ ہیں اور انبیاء علیہم السلام اگرچہ نفحہ اولی کے وقت دوسرے زندوں کی طرح زندہ ہیں۔ لیکن اہل دنیا کے عام دنیاوی زندگی کے مقابلہ پر انبیاء علیہم السلام اموات کی صورت میں ہیں۔ اگرچہ حقیقتاً نفس الامر کے اعتبار سے اموات کی صورت میں بھی نہیں ہیں بلکہ زندہ ہیں۔　(فتح الباری ج ۶ ص ۴۴۵ باب وفات موسیٰ)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی طرح قرطبی رحمہ اللہ نے بھی ایسا کہا ہے۔ اگر نفحہ اولی کے وقت اور اس سے پہلے انبیاء علیہم السلام نفس الامر کے اعتبار سے حقیقتاً اور اجساد میں زندہ ہیں۔ اگرچہ اہل دنیا کے عام واقعات پر شامل زندگی کے مقابلہ پر انبیاء علیہم السلام کو اموات کی صورت میں محدثین ظاہر کرتے ہیں تو اس میں کچھ استبعاد نہیں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی موت اہل دنیا کے واقعات دنیا پر مشتمل زندگی کے مقابلہ پر موت کی صورت میں تھی۔ لیکن نفس الامر کے اعتبار سے اس وقت بھی ان کی حیات قائم تھی۔ اگرچہ وہ ظاہر نہ تھی۔ مگر دنیا میں زندگی کی طرح اس کے دنیاوی اور جسمانی احکام اس وقت بھی مثلاً املاک پر قیام ملک اور ازواج مطہرات سے قیام نکاح کے احکام باقی اور قائم تھے۔

حافظ ابن حجر اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ حضور ﷺ نے انبیاء علیہم السلام میں کسی نبی علیہ السلام کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور کسی کو حج کرتے ہوئے اور حج و نماز وغیرہ عبادات کا سلسلہ موت کے بعد کیسے باقی رہ سکتا ہے۔ موت کے بعد تکلیف باقی نہیں رہتی۔ لکھتے ہیں: جب انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں تو کوئی مستبعد نہیں ہے۔ جب تک دنیا قائم ہے اور دنیا کا دار تکلیف ہونا باقی ہے۔ انبیاء علیہم السلام نماز، حج اور دیگر قربات کو حسب استطاعت کرتے رہیں گے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۳۶۷ باب قولہ تعالیٰ واذکر فی الکتاب مریم)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی طرح بلکہ زیادہ واضح الفاظ میں قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ حضور ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کو حقیقتاً اور بیداری میں دیکھا ہے اور حدیث اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں۔ اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہیں جیسا کہ دنیا کی زندگی میں نماز پڑھتے تھے اور یہ ممکن ہے۔ اس سے مانع کوئی دلیل نہیں۔ اس لئے کہ حضرت موسیٰ آج تک دنیا میں ہے اور دنیا دار تعبد عبادت کا گھر ہے (جب تک انبیاء علیہم السلام دار الجزاء میں نہیں پہنچے ہیں تو ان کی زندگی دنیا کی زندگی کی سی ہے اور دنیا میں ہونے کی حالت کی طرح عالم برزخ میں بھی دار تعبد کی زندگی قربات و عبادات کی زندگی بسر کرتے ہیں اور یہی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا تھا کہ دنیا کا دار التکلیف ہونا مسلم ہے اور جب تک یہ دنیا باقی ہے اس دنیا میں دار التکلیف میں ہونے کی طرح انبیاء علیہم السلام نماز اور حج اور دیگر قربات کو حسب استطاعت کرتے رہیں گے۔ عالم برزخ میں انبیاء علیہم السلام کی متعبدانہ زندگی قیام قیامت تک دنیا کی تکلیفی زندگی جیسی ہے۔ اگرچہ ان کی زندگی تکلیفی نہ ہو اور عالم برزخ عالم تکلیف نہیں ہے)

قرطبی رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارت کی مزید شرح کرتے ہوئے علامۃ الحدیث مناوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا تکلیفی حکم کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اکرام و تشریف کا یہ حکم ہے کہ برزخ میں قبر میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نماز پڑھتے ہیں۔ اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام جب دنیا میں تھے تو ان کی محبت اللہ سے تھی اور اللہ

کی عبادت نماز وغیرہ سے محبت تھی اور اسی حالت میں انہوں نے اپنے اختیار سے جیسا کہ آگے آئے گا دنیا کو چھوڑا ہے تو حق تعالیٰ نے عالم برزخ میں بھی ان کی دنیاوی زندگی کے اس شرف اور اکرام کو باقی رکھا اور ملائکہ کی طرح ان کی عبادت تکلیفی نہیں ہے بلکہ الہامی ہے۔ چونکہ انبیاء علیہم السلام کے لئے مراتع اور مسارح ہیں اس میں جہاں چاہتے ہیں، پھرتے اور پہنچتے ہیں۔ پھر واپس لوٹتے ہیں۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اسی رات قبر میں نماز پڑھتے دیکھا اور آسمان پر بھی دیکھا۔ (فیض القدیر ج ۵ ص ۵۱۹)

امام بیہقی رحمہ اللہ کتاب الاعتقاد میں لکھتے ہیں: انبیاء علیہم السلام کی ارواح قبض کئے جانے کے بعد انبیاء علیہم السلام کی طرف واپس لوٹائی گئی ہیں اس لئے اپنے رب کے پاس انبیاء زندہ ہیں جیسے شہداء۔ (وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۳۵۵)

عرض یہ ہے کہ جس طرح شہداء کو ان کے قتل کئے جانے کے بعد زندگی بخشی گئی ہے۔ اسی طرح بلکہ اس سے اولیٰ اور اعلیٰ حیثیت سے انبیاء علیہم السلام کو ان کی ارواح عالم برزخ میں واپس کردی گئی ہیں اور ان کی زندگی اس طرح کی ہے کہ ان کی ارواح ان کے ابدان کے ساتھ تدبیر وتصرف کا تعلق رکھتی ہیں اور قبض ارواح ازالہ حیات کو مستلزم نہیں ہے۔ بلکہ بعض قبض ارواح کے باوجود بھی حیات قائم رہتی ہے۔ اگرچہ افعال حیات سے وہ معطل ہیں۔ جیسا نائم کہ نیند کی حالت میں اس کی روح قبض کرلی گئی ہے۔ مگر اس کی حیات قائم ہے۔ کوئی بھی نہیں کہتا کہ نائم مردہ ہے۔ قرآن شریف میں مصرح مذکور ہے کہ نائم کی روح کو بھی اللہ تعالیٰ کھینچتا ہے۔ مگر ابھی اس کی حیات کے ایام باقی ہیں تو اس کو چھوڑ دیتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نوم کے وقت بھی نائم کی روح نکالی جاتی ہے۔ مگر اس جسم کے ساتھ ایک قسم کا ایسا تعلق باقی رہتا ہے۔ جس سے جسم کی حیات قائم رہتی ہے۔

اسی طرح انبیاء کی ارواح قبض کرلی جاتی ہیں اور موت کی صورت ان کو عارض ہوتی ہے۔ لیکن عام اموات کی طرح اس وقت بھی وہ مردہ نہیں ہے۔ بلکہ ان میں اس وقت بھی اس درجہ حیات قائم ہے۔ جس نے ان کی حیات جسمانی کے بعض احکام دنیاوی کو جیسا کہ مذکور ہوچکے ہیں اور آئندہ بھی مذکور ہوں گے قائم اور باقی رکھا ہے۔ موت کے وقت بھی انبیاء کی حالت نائم کی سی ہوتی ہے۔ نائم کے لئے جس طرح اس کی روح کو اس کی طرف چھوڑنا مقدر ہے۔ اسی طرح انبیاء کو ان کی ارواح کا واپس لوٹانا اللہ کی تقدیر ہے۔ جس کو روح کا واپس لوٹانا اللہ کا فیصلہ ہے۔ اس کی موت اور اس سے اس کی روح کا نکالنا بھی حیات کا ازالہ نہیں کرتی ہے۔ بلکہ اس کی موت اس میں تعطل پیدا کرتی ہے اور افعال حیات سے روک دیتی ہے اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف یا ایک عالم سے دوسرے عالم کی طرف جانے اور پہنچنے کے قابل اور مناسب بنا دیتی ہے۔ جیسا کہ ابن قیم رحمہ اللہ نے کتاب الروح میں کہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی موت صرف اس قدر ہے کہ ہم سے غائب کردیئے گئے ہیں۔ محدثین نے عالم برزخ میں انبیاء علیہم السلام کی نماز اور حج اور دیگر قربات کی روایات کو روایت کیا ہے اور دنیا کی نماز اور حج کی حقیقت کی طرح انبیاء کی نماز اور حج کو تسلیم کرتے ہیں اور محدثین کو اعتراف ہے کہ اس دنیا کے باقی رہنے تک عالم تکلیف میں ہونے کی طرح عالم برزخ میں انبیاء نماز وحج کی عبادت کرتے ہیں اور نماز وحج کے محل تکلیف اجسام ہیں۔ اس لئے ہم کہتے ہیں کہ محدثین کا عقیدہ اور نظریہ یہ ہے کہ دنیا کی حیات کی طرح انبیاء علیہم السلام کے اجساد مقدسہ زندہ ہیں۔

سید آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: امت کے صلحاء کے اقوال اور احادیث نبویہ کا خلاصہ یہ ہے کہ رسالت

مآب ﷺ اپنے جسد اور روح دونوں میں زندہ ہیں اور زمین وملکوت کے اقطار واطراف میں جہاں چاہتے ہیں سیر کرتے ہیں اور وفات سے پیشتر جس ہیئت پر دیکھے جاتے تھے آج بھی اسی ہیئت پر موجود ہیں۔ اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ فرق آیا ہے تو صرف اس قدر کہ رسالت مآب ﷺ ہماری نگاہوں سے غائب کر دیئے گئے ہیں۔ جیسا کہ ملائکہ ہم سے پوشیدہ ہیں۔ اگرچہ زندہ موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو جس کا اکرام منظور ہوا اور جس پر احسان کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ اس حائل کو اٹھا دیتا ہے اور اس قدیم اور پاکیزہ صورت پر جمال جہاں آراء کی زیارت سے سرفراز فرماتا ہے۔ (روح المعانی تفسیر آیت خاتم النبیین)

عام اموات کی طرح حضور ﷺ کی موت نہیں ہے

زرقانی ﷫ لکھتے ہیں: عام اموات کو ہمیشہ کے لئے موت ہے اور رسالت مآب ﷺ کی موت مستمر نہیں ہے۔ حضور ﷺ کو موت عارض ہوئی ہے۔ مگر اس کے بعد برزخ میں آپ کو زندگی حاصل ہے اور اس زندگی میں اس موت کے بعد بھی آپ کے املاک پر اسی طرح ملک قائم ہے اور اسی قیام ملک اور اس زندگی کی بنیاد پر ازواج مطہرات کے لئے آپ کے املاک میں نفقہ لازم ہے اور سبکی ﷫ نے حضور ﷺ کی حیات (غیر منفک) کی بنیاد پر یہ نظریہ قائم کیا ہے کہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد اپنے املاک پر حضور کا ملک قائم ہے اور اس تعلیل کا تقاضا یہ ہے کہ دنیا کے احکام میں بھی حضور ﷺ کی زندگی ثابت ہوتی ہے اور حضور ﷺ کی اس قسم کی زندگی عالم برزخ میں شہداء کی زندگی سے زائد اور بالا زندگی ہے۔ (اس لئے کہ شہداء کی زندگی اگرچہ جسمانی زندگی ہے۔ مگر دنیا کے احکام میں وہ قائم اور باقی نہیں ہے) (زرقانی شرح مواہب ج ۵ ص ۳۳۲)

امام حدیث بیہقی ﷫ نے اس مضمون کے اظہار کے لئے ذیل کا عنوان باندھا ہے: ''باب کان ماله بعد موته قائم علی نفسه وملکه'' حضور ﷺ کے اموال پر موت کے بعد بھی حضور ﷺ کا ملک اور تصرف کا حق باقی ہے اور اس بحث میں بخاری اور مسلم میں مذکورہ جناب فاطمۃ الزہراء کا مطالبہ اور اس کے جواب میں صدیق اکبر ﷜ کی زبان سے بیہقی ﷫ نے حضور ﷺ کا یہ ارشاد روایت کیا ہے کہ میں نے جو کچھ چھوڑا ہے وہ ازواج مطہرات کے نفقہ اور عامل کو حق الخدمت ادا کرنے کے بعد صدقہ ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۷ ص ۶۵)

حضور ﷺ کے اس ارشاد کی تہ میں ناقابل انکار حقیقت واقعی یہ ہے کہ آپ کو عروض موت نے آپ کی سابق حیات کو منقطع نہیں کیا تھا بلکہ وہ ظاہر اور در پردہ مستمر چلی جاتی ہے۔ ورنہ انقطاع حیات کے بعد جدید ملک کے قائم کئے بدوں اپنے املاک پر سابق ملک کے قیام کے کچھ معنی نہیں ہے اور اہل وعیال کے لزوم نفقہ کا موجب اختصاص منفعت اور ملک نکاح ہے اور انقطاع حیات کے ساتھ ساتھ ملک نکاح کا اٹھ جانا لازم ہے۔ اگر اس موت میں زندگی منقطع ہو چکی ہے اور ملک نکاح اٹھ چکا ہے تو عدت وفات کے بعد بھی ازواج مطہرات کے لئے حضور ﷺ کے املاک میں لزوم نفقہ کے التزام رکھنے کی وجہ نہیں ہے۔

زرقانی ﷫، سبکی ﷫ اور بیہقی ﷫ کا یہ نظریہ کہ وفات کے بعد بھی اپنے املاک پر حضور رسالت مآب ﷺ کا ملک باقی ہے۔ اس بنیاد پر قائم ہے کہ حضور ﷺ کی موت نے آپ کی حیات کو زائل اور منقطع نہیں کیا ہے اور آپ کی زندگی موت کے وقت اور موت کے بعد بھی در پردہ قائم تھی اور قائم ہے اور اس نظریہ کی دلیل حضور ﷺ کا مذکورہ

ارشاد ہے اور نیز ان محدثین کے مذکورہ نظریہ کی کتاب وسنت میں فرائض کی حدود اور احکام کے بیان سے تائید ہوتی ہے۔ کتاب وسنت میں قرب وبعد کے اعتبار سے بناء بر فرض وتعصیب اقارب کے لئے مال متروکہ میں لازم اور متعین حقوق رکھ دیئے گئے ہیں۔ کتاب وسنت میں ثلث تک وصیت درست ہوسکتی ہے اور حضور ﷺ کا اپنا ترکہ میراث میں اقارب سے روکنا اور مذکورہ ضروری مصارف کے علاوہ کل ترکہ صدقہ بنا کر چھوڑنا اس قدر مطلق اور عام تصرف اور اختیار ثابت کرتا ہے کہ بوقت ترکہ بھی جو موت کا وقت ہے۔ حضور ﷺ کو زندگی جیسا اختیار وتصرف کا حق اس لئے حاصل ہے کہ آپ کی موت میں آپ کی حیات کا ازالہ اور انقطاع نہیں ہوا ہے۔ ورنہ جس کی موت نے اس کی حیات کو بالکلیہ زائل اور منقطع کر دیا ہے۔ اس کے ترکہ پر کتاب وسنت نے اقارب کے لئے حقوق متعین کر دیئے ہیں اور ایسی حدود عائد کی ہیں۔ جن سے تجاوز کرنا کسی ادنیٰ مسلمان کے لئے بھی جائز اور قابل برداشت نہیں ہے۔ چہ جائے کہ رسالت مآب ﷺ کا بوقت موت بھی زندوں جیسا اپنے اموال کو جس قدر چاہا اور جس کے لئے چاہا اپنے اختیار سے چھوڑنا کتاب وسنت کے خلاف نعوذ باللہ من ذالک! اقدام کرنے کا ارادہ فرمایا۔

انہیں حضرات محدثین کی طرح حضرت مولانا نانوتوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: رسول اللہ ﷺ اور مومنین کی موت میں بھی مثل حیات فرق ہے۔ ہاں فرق ذاتیت وعرضیت منظور نہیں۔ وجہ اس فرق کی وہی تفاوت حیات ہے۔ حیات نبوی بوجہ ذاتیت قابل زوال نہیں اور حیات مومنین بوجہ عرضیت قابل زوال ہے۔ اس لئے وقت موت حیات نبوی ﷺ زائل نہ ہوگی۔ ہاں مستور ہو جائے گی اور حیات مومنین ساری یا آدھی تہائی زائل ہو جائے گی۔ (آب حیات ص ۲۰۸)

اس سے آگے لکھتے ہیں: ہاں علاقہ حیات انبیاء علیہم السلام منقطع نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے ازواج نبوی ﷺ اور نیز اموال نبوی ﷺ بدستور آپ کے نکاح اور آپ کے ملک میں باقی ہیں اور اغیار کو اختیار نکاح ازواج اور ورثہ کو اختیار تقسیم اموال نہیں۔ بالجملہ موت انبیاء اور موت عوام میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ وہاں استتار حیات زیر پردہ موت ہے اور یہاں انقطاع حیات بوجہ عروض موت ہے اور شاید یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ جناب باری نے حضرت سرور عالم ﷺ کو جدا خطاب کر کے ارشاد فرمایا ''انک میت'' اور سوا آپ کے اوروں کو بھی جدا ارشاد فرمایا ''انھم میتون'' اور مثل جملہ لاحقہ ''ثم انکم یوم القیامۃ عند ربکم تختصمون'' سب کو شامل کر کے یوں ارشاد نہ فرمایا ''انکم میتون'' بالجملہ جیسے حیات نبوی ﷺ اور حیات مومنین امت میں فرق ہے۔ چنانچہ اس کے اثبات کے لئے تقریر دانی اور تحریر شافی کافی اوراق گزشتہ میں گزر چکی ہے۔ ایسی ہی موت نبوی ﷺ اور موت مومنین میں بھی فرق ہے اور بوجہ فرق بین الموتین وہی فرق بین الحیاتین ہے۔ (آب حیات ص ۲۲۰)

حضرت مولانا رحمہ اللہ کی مراد ظاہر ہے کہ حیات نبوی ذاتی ہے۔ اس لئے بوقت موت بھی منقطع اور زائل نہیں ہوتی ہے اور تمام املاک پر بوقت موت بھی ملک قائم ہے اور ازواج مطہرات بوقت موت آپ کے نکاح میں ہیں۔ اس لئے لازماً ماننا پڑتا ہے اور ضرور ماننا چاہئے کہ آپ کی موت نے آپ کی حیات کو زائل اور منقطع نہیں کیا ہے اور اس کی وجہ کہ انبیاء علیہم السلام کی موت اور مومنین کی موت میں فرق یہ ہے کہ مذکورہ آیت میں مومنین کی موت کو الگ اور حضور ﷺ کو خطاب میں منفرد کیا گیا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ قرآن شریف کی بلاغت اور معجزانہ اسلوب میں ایسے معانی مشار الیہ ہوتے ہیں۔ جو قرآن شریف کی نظم میں منصوص نہیں ہوتے۔ مگر اس کے اسلوب سے مفہوم ہوتے ہیں۔ مذکورہ آیت میں دوسروں کی موت میں حضور ﷺ کو شامل نہ کرنا اور حضور ﷺ کو جداگانہ خطابات

فرمانا اور دوسروں کی موت کی جداگانہ خبر دینا ظاہر کرتا ہے کہ قرآن شریف کو اس اسلوب میں کچھ مزید معنی بیان کرنا مقصود ہے اور ہوسکتا ہے کہ آیت میں مزیت اور مزید معنی وہی ہے جو حضرت مولانا نے فرمایا ہے کہ موت نبوی میں حیات مستور ہو جاتی ہے اور دوسروں کی موت میں حیات کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

قرآن شریف میں ایسی مثالیں مذکور ہیں کہ قرآن شریف اپنے بیان میں مشمولہ فرد یا افراد میں باہمی فرق وتغایر کو بتلانے اور ظاہر کرنے کے لئے اس بیان میں بعض فرد یا افراد کو بعض سابق مذکورہ سے الگ اور جداگانہ ذکر کرتا ہے۔

پہلی مثال: ''من کان عدو اللہ وملائکتہ ورسلہ وجبریل ومیکال'' (البقرۃ: ۹۸) میں جرائیل اور میکائیل ملائکۃ اللہ میں شامل تھے۔ مگر ذکر ملائکۃ اللہ کے بعد جرائیل اور میکائیل کو اس لئے ذکر کرنے میں الگ اور منفرد کیا گیا ہے کہ قرآن شریف فضیلت اور مزید شرف میں جرائیل اور میکائیل کو فرشتوں سے الگ کرتا ہے اور اس میں تغایر وصفی کو تغایر ذاتی کا مقام دے دیتا ہے۔

دوسری مثال: ''فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید وجئنا بک علی ھؤلاء شھیدا'' (النساء: ۴۱) میں رسالت مآب ﷺ ''من کل امۃ بشھید'' میں شامل ہیں۔ مگر قرآن شریف حضور ﷺ کی شہادت اور دوسرے انبیاء ﷤ کی شہادت میں اس فرق تغایر کو بتلانا چاہتا ہے کہ دوسرے انبیاء کی شہادت امت کے فساد عقائد اور قبائح اعمال پر ہوگی اور حضور ﷺ کی شہادت دوسرے انبیاء کے صدق اور راستی پر اس لئے حضور ﷺ کی شہادت کو الگ اور حضور ﷺ کو جداگانہ خطاب کیا گیا کہ دونوں شہادتوں میں فرق تھا۔

تیسری مثال: ''واذ اخذنا من النبیین میثاقھم ومنک ومن نوح وابراھیم وموسی وعیسی بن مریم واخذنا منھم میثاقا غلیظا'' (الاحزاب: ۷) میں منصوص حضرات انبیاء بھی من النبیین میں شامل تھے۔ مگر مزید فضل وشرف اور ارباب شرائع ہونے میں دوسرے انبیاء اور ان حضرات انبیاء میں فرق تھا۔ گویا کہ یہ حضرات دوسرے حضرات انبیاء سے الگ ہیں یا ان حضرات کا میثاق ان حضرات انبیاء کے میثاق سے الگ اور مغایر تھا۔ اس لئے ان حضرات انبیاء کو ان حضرات انبیاء ﷤ کے ذکر کے بعد حضور ﷺ کو جداگانہ خطاب اور منفرد ذکر کیا ہے۔

اسی طرح مذکورہ آیت میں نفس موت کے اعتبار سے دوسروں کے ساتھ رسالت مآب ﷺ بھی شامل ہیں۔ مگر حضور ﷺ کو اس میں جداگانہ خطاب میں اور ذکر کرنے میں دوسروں سے الگ اور منفرد کیا گیا ہے۔ اس لئے قرآن شریف حضور ﷺ کی موت اور دوسروں کی موت میں فرق وتغایر کو بتلانا چاہتا ہے اور حضرت مولانا نانوتوی ﷫ نے حضور کی حیات ذاتی اور دوسرے مؤمنین کی عرضی ہونے پر بھی مدلل بحث فرمائی ہے۔ میں بخوف طوالت اس کا ذکر نہیں کرنا چاہتا۔ صرف بہت مختصر اور اس قدر حصہ اس سے اس غرض کے لئے یہاں نقل کرنا چاہتا ہوں جس سے آپ یہ اندازہ کر سکیں کہ حضرت مولانا کے تمام دلائل اور وجوہات کا مآخذ کتاب وسنت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ حضرت مولانا کہتے ہیں بشہادت آیت کریمہ ''النبی اولی بالمؤمنین من انفسھم'' حیات مؤمنین کے حق میں ایک صفت عرضی بمعنی بالعرض ہوگی۔ جس کا موصوف بالذات بحکم تقاریر گزشتہ نفس مقدس سرور انفس ﷺ ہوگا اور بایں لحاظ کہ صفات ذاتیہ قابل انفکاک نہیں ہوتیں اور صفات عرضیہ قابل زوال ہوتی ہیں۔ اس بات کا قائل ہونا پڑے گا کہ نفس مقدس نبوی ﷺ اور حیات میں نسبت ضرور یہ ذاتیہ ہے اور نفوس مؤمنین اور حیات میں نسبت

امکان ذاتی ہے۔ بالجملہ حیات نبوی ﷺ دائمی ہے۔ ممکن نہیں کہ آپ کی حیات زائل ہو جائے اور حیات مؤمنین عرضی ہے۔ زائل ہوسکتی ہے۔ (آب حیات ص ۱۷۳)

اس کے بعد حضرت مولانا، انبیاء علیہم السلام کے انبیاء ہونے کی وجہ اور علت اور امتیوں کے امتی ہونے کی وجہ اور علت اور اس پر کہ امتیوں میں سے کوئی امتی نبی نہیں ہو جاتا ہے، بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اس لئے کہ واسطہ فی العروض اور متوثر اور علت اور منشاء انتزاع ہونا واسطہ فی العروض اور متوثر اور علت اور منشاء انتزاع کے اختیار میں نہیں ہوتا۔ وجہ اس کی ظاہر ہے۔ ارادہ کے نیچے اصل میں افعال اختیاریہ داخل ہیں اور جو چیزیں بوسیلہ افعال اختیاریہ حاصل ہوتی ہیں جیسے درہم و دینار مثلاً ان کو کسی اور اختیاری بوجہ مداخلت افعال اختیاریہ کہتے ہیں اور صفات ذاتیہ مرید و مختار نہ از قسم افعال ہیں، نہ افعال اختیاریہ سے حاصل ہوتی ہیں۔ بلکہ ذات صفات مذکور بھی خداداد ہوتے ہیں۔

دیکھئے استماع و ابصار جو از قسم افعال ہیں اختیاری ہیں۔ مگر خود سمع و بصر اختیاری نہیں۔ عطاء خدائے واہب العطایا ہیں۔ ورنہ اندھے مادرزاد اور بہرے مادرزاد سمع و بصر حاصل کیا کرتے اور ظاہر ہے کہ علّیت و معلولیت و متوثریت و اثریت اور وساطت عروضی اور عارضیت اور منشائیت انتزاع لوازم مراتب مخلوقیہ سے ہیں اور لوازم مخلوقیہ مخلوقات کے اختیار میں نہیں ورنہ ہر کوئی اپنے حسب دلخواہ مراتب جلیلہ و جمیلہ حاصل کر لیا کرتا بالجملہ امور مذکورہ صفات ذاتیہ میں سے ہیں اور مثل ذات محض بقدرت الٰہی مخصص معین ہوتی ہیں۔ موصوف اوصاف مذکورہ کو اس میں کچھ دخل نہیں ہے جیسے آفتاب کو فاعل تنویر اور مصدر شعاع بنادیا اور زمین کو مثلاً قابل تنویر اور شعاع کو صادر اور آتش کو محرق اور مصدر حرارت اور چوب کو مثلاً قابل احتراق اور حرارت کو صادر بنایا۔ ایسے ہی انبیاء کو مصدر ارواح مؤمنین اور ارواح کو صادر بنادیا۔ الخ (آب حیات ص ۱۷۵)

حضرت مولانا کی مراد ظاہر ہے کہ آیت مذکورہ حسب تفسیر سابق یہ شہادت دیتی ہے کہ رسالت مآب ﷺ کی حیات ذاتی ہے اور مؤمنین کی حیات عرضی ہے۔ اس لئے حضور ﷺ کی حیات ناقابل زوال ہے اور مؤمنین کی حیات کا زوال ممکن ہے۔ درحقیقت حیات کا موصوف بالذات رسالت مآب ﷺ کا نفس مقدس ہے اور ارواح امت اس کے آثار ہیں۔ ارواح مؤمنین آپ کی روح پرفتوح سے پیدا ہوتے ہیں اور رسالت مآب ﷺ کا نفس مقدس واسطہ فی العروض یعنی اوّلاً بالذات درحقیقت عارض کا موصوف ہے اور منشاء انتزاع ارواح مؤمنین ہے اور حضور ﷺ کی یہ صفات مثل ذات اقدس کے اپنے اختیار وارادہ سے نہیں ہیں کہ کسی بہانہ گر اور حیلہ جو متوحد کو فاسد وہم ہو جائے۔ بلکہ یہ بخشش بہ انعام واہب العطایا خداوند تعالیٰ کا عطیہ ہے۔ جیسا کہ آفتاب میں نور ذاتی ہے اور دوسروں میں مستعار ہے۔ آفتاب سے روشنی پھیلتی ہے اور ہمیشہ وہ روشن رہتا ہے پر دوسروں کی روشنی ختم ہو جاتی ہے۔ آتش کی حرارت ذاتی ہے۔ ہمیشہ قائم رہتی ہے۔ پر دوسروں کی گرمی سرد ہو جاتی ہے اور چونکہ خود بخود بغیر کسی خارجی اثر کے سرد ہو جاتی ہے۔ اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ وہ عرضی تھی۔ اسی طرح حق تعالیٰ نے ارواح انبیاء کو ارواح مؤمنین کا مصدر بنادیا ہے۔

حضرت مولانا رحمہ اللہ اس مضمون کی مزید تفصیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: کہ آیت مذکورہ کی تفسیر سابق سے رسالت مآب ﷺ کی ابوۃ روحانی ثابت ہوگئی۔ اس لئے کہ درحقیقت ابوت وساطت ایجاد ہے۔ یعنی والد جسمانی سلسلہ ایجاد میں واسطہ وجود ولد ہوتا ہے۔ سو ایسی ہی ارواح انبیاء خصوصاً سرور انام علیہم السلام واسطہ وجود ارواح امم ہیں۔

کیونکہ انبیاء علیہم السلام خصوصاً حضرت سید الموجودات ﷺ حسب تحریر گزشتہ منشاء انتزاع ارواح مومنین امت ہوتے ہیں اور ارواح امت ان کے حق میں منجملہ انتزاعیات ہوتی ہیں اور ظاہر ہے کہ والد جسمانی کو وجود ولد میں اتنا دخل نہیں جیسا منشاء انتزاع کو وجود انتزاعیات میں دخل ہوتا ہے۔ بالجملہ والد روحانی کو خود جناب خالق اکبر کے ساتھ ایک نوع کی مشابہت تامہ ہے۔ ممکنات کو حدوث میں کیا بقاء میں کیا وجود باری کی ضرورت اور اس کی طرف احتیاج ہے۔ ایسے ہی انتزاعیات وغیرہ کو منشاء انتزاع وغیرہ کے حدوث بقاء میں ضرورت ہے۔ اس جگہ سے اہل فہم کو کیفیت ارتباط حادث بالقدیم کسی قدر معلوم ہوگئی ہوگی اور یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ حقوق والد روحانی والد جسمانی کے حقوق سے کس قدر زیادہ ہیں اور کیوں نہ ہو وہاں اگر تولد جسمانی ہے تو یہاں حدوث روحانی ہے۔ وہاں اگر مداخلت ہے تو یہاں ضرورت ہے۔ پھر جب حقوق والدین جسمانی اس قدر ہیں کہ حقوق والدین منجملہ اکبر کبائر ٹھہرا تو حقوق والدین کتنے اور حقوق والد روحانی کیا ہوگا۔ بالجملہ جس قدر والد جسمانی مظہر خالقیت و مظہر ربوبیت ہے۔ اس سے زیادہ والد روحانی مظہر خالقیت و مظہر ربوبیت ہے۔ (آب حیات ص ۱۷۷)

حضرت مولانا آگے لکھتے ہیں: جیسے خداوند کریم بشہادت ”نحن اقرب الیہ من حبل الورید“ (ق:۱۶) منشاء انتزاع ممکنات ہیں۔ اس لئے کہ آیت گو بوجہ خطاب خاص انسان کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ پر حکم عام ہے۔ چنانچہ ظاہر ہے ایسے ہی رسول اللہ ﷺ بشہادت ”النبی اولی بالمؤمنین من انفسھم“ منشاء انتزاع ارواح مؤمنین ہیں اس لئے حقوق نبوی ﷺ حقوق والدین جسمانی سے بمدارج زیادہ ہوں گے۔ (آب حیات ص ۱۸۳)

حضرت مولانا کی مراد ظاہر ہے کہ رسالت مآب کے حقوق جو والد روحانی ہیں والد جسمانی کے مقابلہ پر بدرجہا زیادہ ہیں۔ اس لئے کہ ایجاد ولد میں والد جسمانی سے والد روحانی کو جو منشاء انتزاع ارواح مومنین ہیں بدرجہا زیادہ دخل ہے۔ کیونکہ والدین اور والد جسمانی کے بغیر بھی آدمی کا وجود متصور بلکہ واقع ہے۔ جیسا حضرت آدم کا وجود اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال ہے۔ مگر منشاء انتزاع کے بغیر انتزاعیات کا وجود ناممکن ہے۔ بلکہ جس طرح ممکنات اپنے حدوث اور بقاء میں وجود باری کے محتاج ہیں اور ممکنات کے حدوث اور بقاء کے لئے وجود باری کی ضرورت ہے۔ اسی طرح ارواح مؤمنین اپنے حدوث و بقاء میں حضور ﷺ کے محتاج ہیں اور ارواح مومنین کے حدوث و بقا کے لئے حضرت رسالت مآب ﷺ کی ضرورت ہے۔

اگر حق تعالیٰ غیر قیوم اور غیر موجود فرض کر لیا جائے تو ممکنات کے حدوث و بقاء کا تصور بھی ناممکن ہے۔ اسی طرح اگر حضور ﷺ کی حیات کا زوال اور انقطاع فرض کیا جائے تو ارواح مومنین کا حدوث و بقاء کہاں سے اور کیسے متصور ہوگا اور مذکورہ نظریات کا ماخذ اور بحث کے دلائل قرآن شریف کی مذکورہ آیات ہیں جو حضرت مولانا کے کلام میں ذکر کئے گئے ہیں۔ اس کے بعد حضرت مولانا بحث کرتے ہیں کہ موت و حیات میں تضائف اور ایجاب وسلب کا تقابل نہیں ہے بلکہ حسب ظاہر تقابل عدم و ملکہ اور باعتبار اشارہ آیت ”خلق الموت والحیوۃ“ اور حدیث ذبح موت ان میں تقابل تضاد غالب معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ مخلوقیت صفات موجودات اور وجودات میں سے ہے۔ موت اور حیات میں خواہ تضاد ہو یا عدم و ملکہ ہو۔ بہرحال حیات نبوی ﷺ قابل زوال نہیں ہے۔ بلکہ بوقت موت بھی قائم ہوتی ہے۔ مگر مستور ہو جاتی ہے۔ تقابل عدم و ملکہ کی صورت میں اس استتار حیات میں رسالت مآب کو مثل

آفتاب سمجھ لیجئے کہ وقت کسوف اس کا نور مستور ہو جاتا ہے یا مثل شمع چراغ خیال فرمایئے کہ جب اس کو کسی ہنڈیا یا مٹکے میں رکھ کر اوپر سے سرپوش رکھ دیجئے تو اس کا نور بالبداہۃ مستور ہو جاتا ہے۔ مگر زائل نہیں ہو جاتا اور تقابل تضاد کی صورت میں رسالت مآب کے استمرار حیات مثل آب سرد کی معمولی برودت ہے۔ جو آگ سے گرم کرنے کے وقت ہوتی ہے۔ آب سرد کی معمولی برودت جو اسباب حرارت کے نہ ہونے کے وقت ہوتی ہے۔ آگ سے گرم کرنے کے بعد زائل نہیں ہو جاتی ہے۔ البتہ حرارت کے پردہ کے نیچے مستور ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اسباب حرارت کے الگ ہو جانے کے بعد کسی سبب خارجی کے بغیر معمولی برودت عود کر آتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آب سرد کی معمولی برودت اس کی ذاتی ہے، قابل زوال نہیں ہے۔

حضور ﷺ کی روح اور بدن کا تعلق زائل نہیں ہوتا ہے

حضرت مولانا لکھتے ہیں: رہا جسد اطہر حضرت ساقی کوثر ﷺ سو ہر چند اس کی موت کی بھی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو وہی عروض موت، دوسرے زوال علاقہ روح اقدس و جسد مقدس ﷺ بالجملہ انفکاک علاقہ فیما بین روح پاک و جسد مصطفیٰ ﷺ ممکن ہے اور کیوں نہ ہو جو حادث ہے اس کا زوال بھی ہے اور اس کا عدم بھی وجود کے برابر مرتبہ امکان میں امکان رکھتا ہے۔ لیکن عالم اسباب میں کسی سبب کے ساتھ ارتباط مسببیت نہیں۔ یعنی جیسے عالم اسباب میں تنویر ارض و سماء کے لئے شمس و قمر احراق اجسام سوختنی کے لئے آتش حرارت پر ور تبرید کے لئے آب تسکین خاطر کے لئے جواب باصواب خدائے مسبب الاسباب نے بنایا ہے۔ اسی طرح قطع علاقہ روح اطہر حیات ثاقی کوثر ﷺ کے لئے کوئی سبب نہیں بنایا۔ (آب حیات ص ۲۱۱)

اور اس کی وجہ یہ فرمائی ہے کہ بدن کے ساتھ روح کو بغرض تکمیل روح تعلق ہے او جس طرح کاتب کو بغرض کتابت قلم کی ضرورت ہے۔ یا نجار کو تیشہ وغیرہ کی حاجت ہے۔ ایسی ہی روح کو بغرض اتمام فاعلیت اور تکمیل مؤثریت بدن کے ساتھ تعلق کی حاجت ہے۔ اگر یہ آلہ بدن نہ ہو تو روح اپنے اعمال میں مثل معذوران بے دست و پا معذور ہے۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ ایک کمال علمی ہے اور دوسرا کمال عملی اور در حقیقت مقصود کمال عملی ہے۔ مگر کمال عملی بدون وساطت کمال علمی متصور نہیں۔ اس لئے اس کی تکمیل بھی مطلوب ہے۔ قرآن شریف کی آیت "وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون" (الذاریات: ۵۶) اور "وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین" (البینۃ: ۵) اس بات کا گواہ ہے کہ مطلوب بالذات عمل ہے۔ عامل بے علم کا محمود خلائق ہونا اور عالم بے عمل کا مطعون عالم ہونا سب جانتے ہیں۔

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ علم آلہ عمل ہے اور روح اور بدن کے اس تعلق کا ثمرہ بدن کے حق میں فقط جسمانی حیات ہے اور جسم کی حیات بغرض عمل مطلوب ہے۔ قرآن شریف کی آیت "خلق الموت والحیوۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا" (الملک: ۲) سے ثابت ہوتا ہے کہ حیات کا اصل ثمرہ عمل ہے۔ حیات اصلی منشاء اور مبداء اعمال ہے اور حاصل حیات قدرت ذاتی علی الاعمال اور حاصل موت عجز عن الاعمال ہے۔ قدرت عملیہ اور قوت اختیار یہ جب رک گیا تو یہ موت ہے۔ اصل میں قوت عملی اور قدرت اختیاری حیات اور موت کا مورد ہے۔ اگر قوت عمل اور قدرت اختیار ہے تو زندگی ہے ورنہ موت ہے۔

سابق اوراق میں آپ نے پڑھا ہے کہ انبیاء علیہم عالم برزخ میں نماز پڑھتے ہیں اور حج کرتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو قوت عمل اور قدرت اختیاری حاصل ہے اور یہ ان کی جسمانی حیات کی دلیل ہے۔ اس لئے کہ جسمانی حیات کا بالذات ثمرہ اور نتیجہ قوت عملی اور قدرت اختیاری ہے اور قرآن شریف کی اس آیت سے اس فکر کی تصدیق ہوتی ہے کہ حیات اور موت کی حقیقت قوت عمل اور قدرت اختیاری ہے اور قرآن شریف کی اس آیت سے اس فکر کی تصدیق ہوتی ہے کہ حیات اور موت کی حقیقت قوت عملی اور قدرت اختیاری ہے ''اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا فیمسک التی قضی علیھاالموت ویرسل الاخریٰ'' (الزمر: ۴۲) میں حیات اور موت امساک اور ارسال قوت عملی ہے اور جب عمل کو ہم حیات کا ثمرہ کہتے ہیں تو اس سے مراد بالفعل حیات ہے۔ لہٰذا جہاں جسمانی اعمال دیکھتے اور جانتے ہیں تو اس کے لئے جسمانی حیات بالفعل لازم ہے اور روحانی حیات بالقوۃ جو عین قوت عملیہ ہے اور چیز ہے اور بدن کے ساتھ جو قوت عملیہ کا تعلق ہے۔ جس کو ہم جسمانی حیات بالفعل کہتے ہیں اور قوت عملیہ کے لئے روح کو اس بدن کے ساتھ تعلق کی ضرورت تھی اور چیز ہے۔ اگر عمل مفقود ہے تو بالفعل حیات نہیں ہے۔

مگر اس کے ساتھ یہ لازم نہیں ہے کہ بالقوۃ حیات کا ازالہ ہو چکا ہے اور قوت عملی باقی نہیں ہے۔ اگر موت کے وقت عجز عن الاعمال ہے تو ہو مگر اس سے لازم نہیں آتا کہ اصل حقیقت میں عجز ہے اور حیات وقوت عملی باقی نہیں ہے اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی زور آور کے دبا لینے سے کمزوروں سے بعض افعال صادر نہیں ہو سکتے اور بظاہر عاجز سمجھے جاتے ہیں اور وہ مردہ نہیں کہلاتے۔ ایسے ہی رسول اللہ ﷺ اور انبیاء کرام ﷩ کو بوجہ عروض موت یا عدم اسباب ارسال باعتبار خارج عاجز سمجھئے اور میت سمجھئے باعتبار اصل حقیقت عاجز اور میت خیال نہ فرمایئے۔

اس کے بعد حضرت مولانا لکھتے ہیں کہ اس مقدمہ کے بعد سنئے: کہ تعلق کی دو قسمیں ہیں: ایک تعلق فعلی اور فاعلی اور دوسرا تعلق انفعالی اور منفعلی مثلاً نور کا تعلق آفتاب کے ساتھ فعلی ہے اور آفتاب کا تعلق نور کے ساتھ فاعلی ہے اور زمین کے ساتھ اسی نور کا تعلق انفعالی ہے اور زمین کا تعلق اسی نور کے ساتھ منفعلی ہے یا مثلاً نور کا تعلق شمع وچراغ کے ساتھ فعلی اور چراغ وشمع کا تعلق اسی نور کے ساتھ فاعلی اور زمین وغیرہ کے ساتھ اسی نور کا تعلق انفعالی اور زمین وغیرہ کا تعلق اسی نور کے ساتھ منفعلی ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ فاعل اور منفعل کے بیچ میں کوئی شئے حائل وحاجب ہوتی ہے تو وہ شئے مانع تعلق انفعالی ومنفعلی ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ خود قائم مقام منفعل ہو جاتی ہے اور منفعل ہو جاتی ہے پر مانع تعلق فعلی وفاعلی نہیں ہوتی۔ مثلاً اگر کوئی جسم قابل تعلق نور آفتاب اور زمین یا شمع وچراغ اور زمین کے مابین حائل ہوتا ہے تو وہ مانع تعلق انفعالی نور اور مانع تعلق زمین ہوتا ہے۔ یعنی اس تعلق کو زمین سے چھین کر اپنے تصرف میں لے آتا ہے۔ آفتاب وشمع چراغ کے ساتھ نور مذکور کو جو تعلق تھا وہ تعلق بدستور رہتا ہے۔ اس میں کچھ فرق نہیں آتا۔ بلکہ تعلق مذکور اور دوی ہو جاتا ہے۔ (آب حیات ص ۲۱۴)

غرض یہ ہے کہ آفتاب یا شمع وچراغ کے ساتھ آفتاب کے نور یا شمع کے نور کا جو تعلق تھا وہ اس وقت بھی بدستور باقی رہتا ہے جب کہ آفتاب یا شمع وغیرہ اور زمین کے درمیان کوئی جسم حائل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح حضور ﷺ کی روح اور بدن کا تعلق فعلی اور فاعلی تعلق اس وقت بھی قائم ہے جب کہ موت کے پردہ کے نیچے حضور ﷺ کی حیات مستور ہو جائے اور اس کی مثال یہ ہے کہ پانی کو برف سے حد اصلی سے زیادہ سرد کر لیں یا پانی کو آگ سے حد اصلی سے زیادہ گرم کر لیں تو یہ

دونوں صفتیں پانی کی اصلی نہیں ہیں عرضی ہیں اور جب اس سبب خارجی آگ اور برف کا اثر ختم ہو جاتا ہے تو وہ زائل ہو جاتی ہیں اور پانی کا اصل برودت اور حد اصلی کی حرارت اس وقت بھی قائم تھی جب کہ برودت اور حرارت اصلی دونوں اپنی حد اصلی سے خارجی سبب کے وسیلہ سے متجاوز تھیں۔ اس لئے سبب خارجی کے اثر کے ختم ہونے کے بغیر کسی سبب کے اصلی برودت عائد ہو جاتی ہے یا چاندی پر سنہرا جھول اور سونے پر ررو پہلا جھول دے کر چاندی کا اور سونے کا اصلی رنگ چھپا دیں۔ مگر چاندی اور سونے کا اصلی رنگ زائل اور جدا نہیں ہوتا۔ مستور ضرور ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد حضرت مولانا لکھتے ہیں: اور تعلق حیات بالبدن تعلق فعلی اور فاعلی ہے۔ چنانچہ ابھی عرض خدمت کر چکا ہوں تو اس صورت میں مانع تعلق قوت عملیہ بالاعمال تو متصور ہوگا۔ پر منع تعلق قوت عملیہ بالبدن جو مبداء افعال اور منشاء حیات ہے، متصور نہیں۔ ہاں اگر تعلق قوت عملیہ کا بدن کے ساتھ فقط تعلق فعلی اور فاعلی نہ ہو بلکہ تعلق انفعالی اور منفعلی بھی ہو تو اس وقت گو بجہت فعل وفاعل قوت مذکورہ کے تعلق کا ارتفاع ممتنع ہو پر بجہت انفعال ومنفعل متصور ہے۔ سو یہ بات حیات جناب سرور کائنات ﷺ کے ساتھ تو متصور نہیں۔ کیونکہ آپ کی حیات مستعار نہیں۔ کسی دوسرے کا طفیل نہیں۔ پھر بہ نسبت حیات امت البتہ ممکن ہے۔ کیونکہ حیات روح مبارک ﷺ کو موافق مقتضائے تحقیقات سابقہ ابدان مومنین کے ساتھ تو تعلق انفعال ومنفعلی ہے اور آپ کے بدن اطہر کے ساتھ تعلق فعلی وفاعلی ہے اور بناء حیات وموت قوت عملیہ پر ہے اور وہ قوت آپ میں ذاتی اور سوا آپ کے اوروں میں عرضی ہے۔ (آب حیات ص ۲۱۵)

اس کے بعد حضرت مولانا کہتے ہیں: مگر اس بناء پر یہ بات خوب روشن ہوگئی کہ مابین روح اطہر حضرت سرور عالم ﷺ اور جسد مطہر جناب رسالت مآب ﷺ کسی حائل اور حاجب کی گنجائش نہیں جو موت بمعنی انقطاع علاقہ حیات متصور ہو کیونکہ علاقہ روح وجسد حسب تحقیق تازہ فعلی ہے اور اس علاقہ کے انقطاع کی کوئی صورت نہیں۔ پھر مداخلت مانع وحاجب ہو تو کیونکر ہو۔ اس صورت میں یہ فرق ہاتھ لگا کہ تعلق حیات وبدن نبوی ﷺ قابل انفکاک نہیں۔ پھر موت جسمانی حضرت حبیب ربانی جو کسی طرح قابل انکار نہیں۔ بجز اس کے متصور ہی نہیں کہ حیات مذکور زیر پردہ موت مستور ہو جائے۔ اس لئے ممکن ہے کہ علاقہ روح وجسد نبوی ﷺ بوجہ اور علاقہ روح وجسد مومنین بے زوال انفعال معروضات خداوند کریم اپنی قدرت کاملہ سے توڑ ڈالیں۔

مگر وعدہ الٰہی یہ ہے کہ علاقہ روح وجسد نبوی ﷺ منقطع نہ ہوگا۔ چنانچہ ''ولا تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابداً'' (الاحزاب: ۵۳) بعد ملاحظہ اجازت عامہ جو درصورت موت ازواج آیۃ ''والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر وعشراً'' (البقرۃ: ۲۳۴) سے دربارہ نکاح متوفی عنہا زوجہا ثابت ہے۔ اس پر دلالت کرتی ہے یعنی علی العموم آیۃ ''یتوفون منکم'' تو بعد عدت درصورت زوال حیات انقطاع نکاح پر شاہد ہے۔ آیت ''لا تنکحوا ازواجہ'' حرمت نکاح ازواج مطہرات پر الی الابد دال ہے۔ پھر تطبیق کی بجز اس کے اور کیا صورت ہے کہ نکاح منقطع نہ ہوا ہو اور بقاء نکاح بے بقاء علاقہ روح وجسد متصور نہیں۔ مگر اجازت نکاح ازواج شہداء اور تقسیم اموال شہداء بقدر میراث جو احادیث صحیحہ اور اجماع سے ثابت ہے۔ انقطاع حیات پر دال ہے۔ (آب حیات ص ۲۱۸)

اس تفصیل کی غرض اور خلاصہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کی روح اور جسد کے درمیان جو تعلق اور علاقہ ہے وہ قابل زوال نہیں ہے۔ اس لئے کہ روح اور جسد کے درمیان کسی حائل اور حاجب کے لئے گنجائش نہیں ہے تو پھر

انقطاع حیات کا تصور ہو تو کیونکر ہو، جب کہ اس تعلق کا ارتفاع ممتنع ہوا یک طرف انقطاع حیات کا امتناع اور دوسری طرف بظاہر حضور ﷺ کی موت جسمانی جس کا انکار کسی نے نہیں کیا ہے اور نہ اس کا انکار کرنا چاہتے ہیں۔ اس وقوع اور اس امتناع کا تصور صرف اس صورت میں ہے کہ حضور ﷺ کی حیات زیر پردہ موت مستور ہے اور نیز حضور ﷺ کے بدن مبارک کے حق میں علاقہ فعلی حیات لازم وجود خارجی اور دائم بدوام ذات الموضوع ہے۔ لازم ماہیت نہیں ممکن الانقطاع ہے۔ مگر اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ علاقہ منقطع نہ ہوگا۔ چنانچہ ہمیشہ کے لئے اور عموم کے ساتھ حضور ﷺ کے ازواج مطہرات کے نکاح کی حرمت اس وعدہ پر شاہد عدل ہے کہ بقاء عالم تکلیفی تک حضور ﷺ کے بدن اور جسد کے درمیان علاقہ حیات قائم ہے۔ ورنہ آیت عدت متوفی کا عموم جو عدت کے بعد زوال حیات کی صورت میں انقطاع نکاح پر شاہد ہے۔ حضور ﷺ کے ازواج مطہرات کے حرمت نکاح الی الابد کی آیت سے منطبق نہیں ہوسکتی۔ حضرت مولانا نے تمام بحث میں کتاب اللہ کی آیات سے صحیح استدلال کیا۔ مگر ضرورت ہے کہ غائر نگاہ سے اس کا گہرا مطالعہ کیا جائے اور پوری توجہ اور خالی الذہن ہو کر غور وفکر کی بصیرت میں سمجھنے کی کوشش کی جائے اور جس نے اس کو ماہنامہ سمجھ کر پڑھا ہے۔ اس نے شکایت کی ہے اور حضرت مولانا کا یہ گلہ کیا ہے کہ اس مسئلہ میں آپ منفرد ہیں۔ حالانکہ مولانا نے وہی لکھا ہے جو زرقانی رحمہ اللہ، سبکی، بیہقی رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔ پھر مولانا رحمہ اللہ کے منفرد ہونے کا معنی کیا ہے۔

ان حضرات محدثین کی طرح حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔ حضرت شیخ لکھتے ہیں: بعض محققین علماء نے لکھا ہے کہ انبیاء کی عدم میراث کا مدار ان کی حیات پر ہے خصوصاً سرور کائنات ﷺ کی میراث تو مردوں کی ہوتی ہے زندوں کی میراث نہیں ہوتی ہے۔ انبیاء چونکہ زندہ ہیں اس لئے ان کی میراث نہیں ہے اور آنحضرت ﷺ کے اموال آپ کے ملک میں ہیں جیسے کہ زندگی میں آپ کے ملک میں تھے اور ورثاء کے ملک میں آپ کے املاک منتقل نہیں ہوئے۔ جیسا کہ دوسرے اموات کے املاک ورثاء کے ملک میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ امام الحرمین نے اس قول کی تصحیح کی ہے اور فرمایا ہے کہ سیرت صدیق کے موافق یہی ہے اور فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی موت جمیع وجوہ اور معانی میں لازم نہیں ہے کہ ایسی موت ہو جیسے کہ عام اموات کی موت ہوتی ہے بلکہ حضور ﷺ کی موت حس اور شعور کے ذہاب اور تعطل کی حد تک موت ہے۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۔ ۵،۶ ۵۷)

اور حضرت شیخ ذکر فضائل میں لکھتے ہیں: کہ حضور ﷺ کے املاک حضور ﷺ کے ملک میں باقی تھے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی نیابت کی حیثیت سے ان میں تصرف کرتے تھے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ حضور ﷺ کا ملک حضور ﷺ کے املاک پر باقی ہے۔ جیسا کہ امام الحرمین نے کہا ہے۔ (مدارج النبوۃ ج ا ص ۱۷۰)

* جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو علم اور یقین تھا کہ حضور ﷺ کے املاک حضور ﷺ کے ملک میں ہیں تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو علم تھا اور جانتے تھے کہ بوقت موت بھی حضور ﷺ کی زندگی تھی ورنہ انقطاع زندگی کے بعد املاک پر حضور ﷺ کا ملک کیسا باقی اور قائم رہا۔ اس لئے اگر ملک کے زوال کے دوسرے اسباب مثلاً بیع ہبہ وغیرہ نہیں ہے تو زوال حیات زوال ملک کو مستلزم ہے۔

موت کی حقیقت کیا ہے

کہا جاتا ہے کہ موت کی حقیقت حیات کا ازالہ ہے اور حضور ﷺ کی موت کی حقیقت بھی آپ کی حیات

کے زوال کے سوا اور کچھ نہیں اور عرب میں سے کوئی بھی موت کا معنی انفکاک روح عن الجسد کے سوا دوسرا معنی نہیں جانتا۔ منکرین حیات کے گروپ میں ایک بڑا رکن اپنی کتاب (القول الجلی فی حیات النبی ﷺ ص ۴۳) میں ایسا لکھتے ہیں: میں نہیں جانتا کہ عرب اور غیر عرب میں کوئی ادیب اور لغوی ایسا بھی ہے جس کے علم وادب نے لغات کے ایک ایک محل اور استعمال پر احاطہ کیا ہے اور اس کے علم وادب نے کسی ایک لغت کے محل اور استعمال کو فروگزاشت نہیں کیا ہے۔ میں یہ بھی نہیں سمجھتا کہ حضور ﷺ رسالت مآب کی موت کی حقیقت دریافت اور سمجھنے کے لئے لغت کی امداد پر انحصار کیوں ہے اور جب کتاب وسنت میں انبیاء کی حیات عموماً اور رسالت مآب ﷺ کی حیات خصوصاً مذکور ہے تو کتاب وسنت میں موت کی حقیقت اور اس کے استعمال کے موارد سے انکار حیات کی ضد اور تمرد میں اہل اعتزال کا ہمنوا بن کر کتاب وسنت کی نصوص سے دیدہ دانستہ منکرین حیات نبوی کیوں آنکھ چراتے ہیں۔

قرآن شریف میں ارشاد ہوتا ہے "اللہ یتوفی الانفس حین موتہا والتی لم تمت فی منامہا فیمسک التی قضی علیہا الموت ویرسل الاخریٰ" (الزمر:۴۲) ترجمہ: (اللہ کھینچ لیتا ہے جانیں جب وقت ہوان کے مرنے کا اور جو نہیں مریں ان کو کھینچ لیتا ہے ان کی نیند میں پھر رکھ چھوڑتا ہے جن پر مرنا ٹھہرایا ہے اور بھیج دیتا ہے اوروں کو ایک وعدہ مقرر تک)

قرآن شریف کی یہ آیت بتلاتی ہے کہ موت کی طرح نیند میں بھی جان کھینچتی ہے، نکالی جاتی ہے اور جس طرح موت میں انفکاک روح ہوتا ہے۔ اسی طرح نیند میں بھی انفکاک روح عن الجسد ہوتا ہے۔ مگر نیند بالکلیہ موت نہیں ہے۔ اس میں حیات کا ازالہ نہیں ہوتا ہے۔ نائم کا کھایا ہوا ہضم ہوتا ہے، نائم سانس لیتا ہے، چھوڑتا ہے نائم کی نبض چلتی ہے۔ قیام حیات کے آثار موجود ہیں۔ مگر جس روح کو اللہ نے قوت عمل اور قدرت اختیاری سے روکا ہے وہ موت ہے اور یہی امساک موت کی حقیقت ہے اور جس روح کو قوت عمل اور قدرت اختیاری واپس کر دیا ہے۔ یہی ارسال ہے اور حیات کی یہی حقیقت ہے۔ افعال حیات زندگی کی حقیقت ہے اور افعال حیات سے روح کا تعطل موت کی حقیقت ہے۔ اگر انفکاک روح عن الجسد موت کی حقیقت اور زوال حیات کو مستلزم ہے تو نائم مائت یا میت کہلانا چاہئے تھا اور اس پر موت کے احکام مثلاً ارتفاع نکاح وارتفاع ملک وغیرہ کو جاری کیا جاتا۔ اس لئے کہ نائم سے اس کی روح کو اس کے جسد سے اللہ تعالیٰ نے کھینچ لیا ہے نکال دیا ہے۔

اور بخاری ﷫ نے کتاب الدعوات میں باب التعوذ والقرأۃ عند النوم میں ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس حدیث کو ذکر کیا ہے "ثم یقول باسمک ربی وضعت جنبی وبک ارفعہ ان امسکت نفسی فارحمہا وان ارسلتہا فاحفظہا بما تحفظ بہ الصالحین" ترجمہ: جب تم میں سے کوئی بستر پر آئے تو یہ دعا پڑھے۔ تیرے ہی نام پر اے میرے رب اپنے پہلو کو رکھتا ہوں اور تیرے ہی نام کے ساتھ اس کو اٹھاؤں گا۔ اگر تو میری جان کو روک لے تو اس پر رحم کیجیو اور اگر چھوڑ دے تو اس کی حفاظت کیجیو جیسے کہ تو اپنے نیک بندوں کی حفاظت کرتا ہے۔ (بخاری شریف ج ۲ ص ۹۳۵)

اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نیند کے وقت روح نکالی جاتی ہے۔ اس کے بعد یا امساک ہے موت ہے یا ارسال ہے حیات ہے۔ بہر حال موت یا حیات اور امساک یا ارسال روح کے کھینچ لینے کے نکالے جانے کے بعد کے حالات اور واقعات ہیں اور امساک یا ارسال سے پیشتر انفکاک روح عن الجسد نوم کی حالت میں ہو چکا ہے۔ لیکن کتاب وسنت میں اس کو موت نہیں کہا گیا اور انفکاک روح عن الجسد کے باوجود بھی حیات کا انقطاع نہیں

ہوا ہے۔ ورنہ کتاب وسنت کی زبان میں وہ نائم نہیں بلکہ میت پکارا جاتا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ موت کی حقیقت انفکاک روح عن الجسد نہیں ہے اور نیز یہ کہ انفکاک روح عن الجسد جیسے نوم میں ہوتا ہے۔ مگر ازالہ حیات نہیں کرتا۔ بلکہ روح کو جسد میں تدبیر وتصرف سے روکنا۔ اگر چہ جسد کے ساتھ اس کا علاقہ حیات قائم ہے موت کی حقیقت ہے۔

کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس حدیث میں امساک موت سے کنایہ ہے اور ارسال استمرار بقاء سے کنایہ ہے اور طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث کتاب اللہ کی اس آیت کے موافق آیت ہے "اللہ یتوفی الانفس حین موتھا الخ" یعنی اس حدیث نے قرآن شریف کی طرح یہ بتلا دیا ہے کہ نیند میں روح نکالی جاتی ہے کسی کو روک لیا جاتا ہے کسی کو چھوڑ دیا جاتا ہے کسی کو موت دی جاتی ہے اور کسی کو زندہ واپس کیا جاتا ہے۔

اور عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے حدیث کے صریح الفاظ میں امساک اور ارسال کی جگہ موت اور حیات مذکور ہیں: "ان احییتنا فاحفظھا وان امتھا فاغفر لھا" نسائی نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اس کی تصحیح کی ہے۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۱۰۶)

حافظ ابن قیم لکھتے ہیں کہ نفس ممسکہ اور نفس مرسلہ دونوں کو نیند میں کھینچ لیا گیا ہے۔ جس نفس نے اپنا وقت پورا کر دیا تھا اس کو روک دیا، جسد کی طرف نہیں واپس کیا گیا اور جس کا وقت ابھی باقی تھا اس کو جسد کی طرف واپس کر دیا تا کہ وہ اپنا وقت پورا کر دے۔ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس تفسیری قول کو پسند فرمایا ہے اور فرمایا کہ قرآن وسنت میں اس کی تائید اور رہنمائی ہے۔ (کتاب الروح ص ۲۹)

حافظ کی غرض بھی یہی ہے کہ نائم کی روح نکالی جاتی ہے اگر اس کا وقت اور مدت حیات ابھی باقی ہے تو وہ جسد کی طرف واپس کر دی جاتی ہے۔ نوم کی حالت میں بھی نائم کا جسد روح بغیر رہتا ہے۔ مگر اس جسد میں زندگی قائم ہے۔ منکرین حیات نبوی کو کہاں سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ انفکاک روح عن الجسد کے سوا موت کا دوسرا معنی نہیں ہے اور اس حدیث میں عجلان بن سعید عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کے طریقہ سے جامع ترمذی میں یہ مذکور ہے "الحمد للہ الذی عافانی فی جسدی ورد علی روحی" ترجمہ: سب خوبیاں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے میرے جسد میں عافیت بخشی اور میری روح کو مجھے واپس لوٹا دیا۔ (ترمذی ابواب الدعوات ج ۲ ص ۱۷۶)

نووی کہتے ہیں اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ ابن حجر فرماتے ہیں اس کی سند حسن ہے۔ جامع التفسیر میں بھی اس کے حسن کا اشارہ ہے۔ (فیض القدیر ج اول ص ۲۸۰)

نیند سے بیدار ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ دعا پڑھنے کا ارشاد فرمایا ہے اور یہ بتا دیا ہے کہ موت سے جاگنے والے کو اس کی روح لوٹائی جاتی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کو اس کی روح لوٹانے سے پیشتر اس کی روح نکالی گئی تھی اور روح کے نکالے جانے کے بعد بھی وہ میت نہیں ہے بلکہ نائم ہے اور زندہ ہے۔ روح نوم کے بعد بھی رد کیا جاتا ہے۔ رد روح سے پہلے موت کا ہونا ضروری اور لازم نہیں ہے۔ اس حدیث میں نائم کی رد روح نے یہ ثابت کر دیا کہ جس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صلوٰۃ وسلام کے وقت رد روح کا ذکر آیا ہے اور منکرین حیات نے اس سے رد روح سے پیشتر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت پر استدلال کیا ہے۔ ان کا استدلال صحیح نہیں ہے۔ اس کے علاوہ بخاری رحمہ اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے بچھونے پر تشریف لے جاتے تھے تو یہ دعا پڑھتے تھے "باسمک اموت

واحیی" تیرے نام ہی مرتا اور جیتا ہوں اور جب بیدار ہوتے تھے تو یہ دعا پڑھتے تھے "الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا" (اس اللہ کی سب تعریف ہے جس نے ہم کو مرنے کے بعد زندہ کیا) (کتاب الدعوات باب ما یقول اذا نام)

حضور ﷺ نے اس حدیث میں نیند سے بیدا ہونے کو حیات اور نوم کو اور نائم کو موت اور میت فرمایا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ نوم میں اور نائم سے انفکاک روح عن الجسد ضرور ہوتا ہے۔ مگر روح کا نکالا جانا جسد اور روح کے درمیان علاقہ حیات کو منقطع نہیں کرتا بلکہ حیات قائم ہوتی ہے جیسا کہ نوم میں انفکاک روح کے باوجود نائم زندہ ہے اور اس وقت بھی اس کی زندگی باقی ہے۔ اس حدیث میں نوم اور نائم کو موت اور میت فرمانا ظاہر کرتا ہے کہ موت کی حقیقت انقطاع حیات نہیں ہے اور چونکہ نائم اپنی نیند میں اپنے اختیار اور حس وحرکت سے اور اطاعت واجتناب کے عمل اور انتفاع حیات سے معطل اور روکا گیا ہے۔ اس لئے حضور ﷺ نے اس حدیث میں نائم کو میت اور نوم کو موت فرمایا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ نست کی نگاہ میں افعال حیات سے روح کا تعطل موت کی حقیقت ہے۔ اگرچہ باطن میں درحقیقت قائم اور باقی ہے۔ مگر ظاہر میں تعطل ہے۔ اس کے ظاہر سے اس کے ظاہر کو موت اور میت کہا گیا ورنہ حقیقت میں وہ زندہ ہے اور زندوں کی طرح اس کے احکام باقی ہیں۔

اس کے علاوہ جامع الصغیر میں مسند دیلمی ﷫ سے یہ حدیث مذکور ہے: "اذا دخل اللہ الموحدین النار اماتهم فيها اماتة فاذا اراد ان امسهم الم العذاب تلك الساعة" ترجمہ: (جب اللہ موحدین کو جہنم میں ڈال دے گا تو ان کو جہنم میں موت دے گا اور جب اللہ ان کو جہنم سے نکالنا چاہے گا تو ان کو اس وقت عذاب کی تکلیف چکھائے گا)

علامہ مناوی اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: موحدین وہ لوگ ہیں جو عاصی مرے تھے۔ انہوں نے توبہ نہیں کی تھی اور معاف بھی نہیں کئے گئے تھے۔ ان پر حق تعالیٰ کا یہ لطف ہوگا اور صحیح ایمان اور توحید کے اثر کے اظہار کے لئے ان کے احساس اور شعور کو مار دے گا۔ ان کے احساس اور شعور کو معطل کر دے گا تا کہ ان کو جہنم کے عذاب کی تکلیف کا احساس نہ ہو اور جب ان کو حق تعالیٰ جہنم سے نکالنے کا ارادہ شفاعت یا رحمت سے کرے گا۔ اس وقت ان کے احساس وشعور کو بحال کر دے گا اور جہنم سے نکالنے کے وقت عذاب ان کے احوال کے مناسب زیادہ یا تھوڑا چکھا دے گا۔ (فیض القدیر ج اول ص ۲۵۳)

حدیث مذکور میں اگرچہ لفظ اماتہم ہے۔ مگر مراد یہ نہیں ہے کہ اللہ نے ان کو مردہ کیا۔ اس لئے کہ حضرت انس ﷛ کا بیان ہے: حضور ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن کبش املح کی صورت میں موت کو لایا جائے گا اور جنت اور جہنم کے درمیان کھڑا کیا جائے گا اور اعلان کیا جائے گا کہ جنت والو دیکھو یہ جانتے ہو وہ کہیں گے یا اللہ ہم جانتے ہیں یہ موت ہے تو اس وقت موت ذبح کی جائے گی۔ جیسے کہ بکری ذبح کی جاتی ہے۔ جنتیوں کو اطمینان ہو جائے گا اور جہنمی مایوس ہو جائیں گے اور اس حدیث کے رجال نافع بن خالد کے سوا تمام بخاری کے رجال ہیں اور نافع بن خالد بھی ثقہ ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۹۵)

اور جامع ترمذی میں ابوہریرہ ﷛ کی روایت سے مفصل یہ حدیث مذکور ہے کہ حق تعالیٰ تمام لوگوں کو ایک میدان میں اکٹھا کرے گا اور حق تعالیٰ کے کچھ سوال وجواب کے بعد پل صراط سے اہل جنت جنت میں پہنچ جائیں گے اور اہل جہنم جہنم میں گر کر پہنچیں گے۔ پھر حق تعالیٰ دونوں کو پکارے گا۔ بہشت والوں کو نکالے جانے کا

ڈر ہوگا اور دوزخیوں کو شفاعت کی توقع ہوگی۔ حق تعالیٰ ارشاد فرمائے گا۔ دیکھو جانتے ہو یہ موت ہے۔ دونوں طبقہ بولیں گے۔ ہاں ہم جانتے ہیں کہ یہ موت ہے جو ہم پر لازم کردی گئی تھی۔ اس وقت موت کو ذبح کیا جائے گا اور کہا جائے گا جنتیوں کو جنت میں خلود ہے، موت نہیں ہے اور اے دوزخیو! تم یہاں ہمیشہ کے لئے رہو گے۔ موت نہیں آئے گی وہ ذبح کی گئی۔ ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی ج ۲ ص ۹۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ثابت ہوتا ہے کہ بہشت میں اور دوزخ میں اہل خیر اور اہل شر کو پہنچانے کے بعد نہ بہشت میں موت ہے اور نہ دوزخ میں موت ہے۔ بلکہ موت کے نام وحقیقت کو ختم کردیا جائے گا تو یہ کیسے خیال ہوسکتا ہے کہ دوزخ میں حق تعالیٰ ان لوگوں کو موت دے گا جن کو اپنے رحم اور لطف سے جہنم کا عذاب محسوس کرانا نہیں چاہتا ہے۔ جہنم کے عذاب کی تکلیف سے بچانے کے لئے اتنا کافی ہے کہ ان کو بے حس، بے شعور بنادے۔ قیامت کے دن اٹھائے جانے کے بعد حیات اور موت کا سوال ہی نہیں۔ نہ کسی کو موت دی جاتی ہے اور نہ کسی کی روح نکالی جاتی ہے ''لایذوقون فیھا الموت الا الموتۃ الاولی'' (الدخان:۵۶) ترجمہ: (نہ چکھیں گے وہاں موت مگر جو پہلے آچکی، موت جو دنیا میں آچکی وہ آچکی اب آگے کبھی موت نہیں) ''ربنا امتنا اثنتین و احییتنا اثنتین'' (المؤمن:۱۱) ترجمہ (بولیں گے اے ہمارے رب تو موت دے چکا ہم کو دوبار اور زندگی دے چکا دوبار)

پہلی موت اور انقضاء آجال کے وقت دوسری موت، جیسے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے اور انقضاء آجال کے بعد تیسری موت کے لئے کتاب وسنت میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔ غرض یہ کہ موحدین میں جہنم میں زندگی موجود ہونے کے باوجود جہنم کے عذاب سے ان کے بے حس اور بے شعور کردینے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے موت فرمایا اور ان کو اموات فرمایا ہے تو ہمیں یہ سمجھنا چاہئے کہ جہاں ظاہر میں زندگی کے آثار عمل اور احساس وشعور کو معطل کردیا جائے تو یہ موت کی حقیقت ہے۔ اگرچہ باطن اور حقیقت میں زندگی موجود ہے۔ جیسے کہ موحدین میں باطن اور حقیقت میں زندگی موجود تھی۔ اس لئے کہ جہنم میں نہ ان کی روح کا انفکاک ان کے اجساد سے ہوسکتا ہے اور نہ ان کی حیات کا بالکلیہ ازالہ متصور ہے۔

بات یہ ہے کہ انفکاک روح یا ازالہ حیات کو موت کی حقیقت بتلانا جیسے منکرین حیات بتلاتے ہیں بڑی غلطی ہے۔ اس لئے کہ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ موت کی حقیقت کا تقاضا سبق حیات بتلایا گیا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ حیات کے موجود ہونے کے بعد اس کو معدوم کردینا موت کی حقیقت سمجھی گئی ہے۔ لیکن قرآن شریف میں ایسی اشیاء پر اموات کا اطلاق مذکور ہے۔ جن میں سبق حیات نہیں ہے کہ ان کی موت نے ان کے سابق حیات کو ازالہ کردیا۔ پھر مسبوقیت یا حیات موت کا تقاضا اور ازالہ حیات موت کی حقیقت کیونکر صحیح ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ مشرکین کی حماقت کی بحث میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے اللہ کے سوا جن کو تم پوجتے ہو ''اموات غیر احیاء'' مردے ہیں جن میں جان نہیں۔ غیر احیاء خبر بعد خبر ہے یا صفت اموات ہے۔ اس سے غرض تاکید ہے یا یہ مراد ہے کہ تمہارے اصنام فی الحال بھی مردے ہیں اور پہلے بھی مردے تھے اور آئندہ کے لئے بھی قابل حیات نہیں ہیں۔ چونکہ اصنام کی موت میں مسبوقیت بالحیات نہیں ہے۔ اس لئے یہاں ازالہ حیات کا

تصور بھی نہیں ہے اور موت کی حقیقت اس آیت سے ثابت ہوتی ہے "جعل الشئی عادم الحیاۃ" کسی شئے کا ایسا ہونا جس میں زندگی نہ ہو خواہ اس میں پہلی زندگی تھی یا نہ تھی۔

دوسری مثال: "کیف تکفرون باللہ و کنتم امواتاً" (البقرۃ: ۲۸) ترجمہ: (کس طرح کافر ہوتے ہو خدائے تعالیٰ سے حالانکہ تم مردہ تھے، بے جان تھے پھر زندہ کیا تم کو) اس آیت میں موت سے مراد وہ عدم ہے جو احیاء اور خلق سے پہلے تھا۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔ چونکہ احیاء اور خلق سے اوّل پیشتر زندگی نہیں تھی صرف موت ہے۔ اگر موت کی حقیقت ازالہ حیات ہے تو اس موت نے کہاں کا ازالہ حیات کیا ہے اور نہ روح کا تعلق تھا تو انفکاک روح موت کی حقیقت کیسی ہے۔ اس کے علاوہ انفکاک روح ازالہ حیات موت کی حقیقت اس قرار واقعی کی بناء پر بتلایا جاتا ہے کہ موت اور حیات میں تقابل عدم والملکہ اور موت کو عدمی تسلیم کیا گیا ہے۔ جیسا کہ قدریہ اور بعض اہل سنت کا خیال ہے اور اگر موت وحیات میں تقابل تضاد ہے اور موت صفت وجودیہ ہے۔ اس لئے کہ متعلق خلق ہے "خلق الموت والحیاۃ" چونکہ اعدام ازلی ہیں۔ ان کے ساتھ خلق متعلق نہیں ہوتا۔

اکثر اہل سنۃ والجماعت اس کے قائل ہیں تو پھر موت میں انفکاک روح اور ازالہ حیات کا سوال نہیں ہوتا۔ بلکہ صرف عدم حیات موت کی حقیقت ہے۔ "عما من شانہ ان یکون حیا" کے اضافہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر تقابل عدم والملکہ تسلیم بھی کیا جائے۔ مگر وقت کی قید کے بغیر اس سے اعم اور تقابل حقیقی ہے تو سبق حیات کے بغیر بھی موت کا حقیقی اطلاق ہوتا ہے اور ازالہ حیات سابق کے بدوں موت ثابت ہوتی ہے اور مسبوقیت بالحیات کا اقتضاء لازم اور ضروری نہیں ہے۔

غرض یہ کہ مسبوقیت بالحیات موت کا لازم اقتضاء نہیں ہے۔ کہیں پایا جاتا ہے اور کہیں نہیں پایا جاتا اور نیز حیات سابق کا ازالہ موت میں ضروری نہیں ہے۔ کہیں انقطاع حیات ہوتا ہے اور کہیں نہیں ہوتا ہے۔ جیسا کہ جہنم میں موحدین کی موت اور نوم میں نائم کی موت شارع کی زبان میں موت ہے۔ مگر صرف اس قدر ہے کہ نوم میں نائم کے اختیار اور احساس کو اور جہنم میں مؤحد کے حس اور شعور کو معطل کردیا ہے۔ لہٰذا ہم سمجھتے ہیں کہ قرآن شریف میں رسالت مآب کو "انک میت" کا خطاب اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تقریر میں فقد مات محمد کا ارشاد صرف اس قدر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات کے ظاہری آثار قدرت اختیار انتفاع حیات کو اس نے روک دیا ہے۔ مگر یہ ضروری اور لازم نہیں ہے کہ اس خارجی اور عارضی عجز نے درحقیقت عجز اور انقطاع حیات بھی کردیا ہے۔

اور اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی شمع یا چراغ پر ڈھکنا رکھ دیجئے تو اس شمع یا چراغ کی روشنی پھیلنے سے رک گئی ہے۔ مگر وہ روشنی گل نہیں ہوئی ہے۔ شمع یا چراغ میں اس وقت بھی موجود ہے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کو عروض موت نے زیر پردہ ضرور کردیا ہے۔ مگر بالکلیہ اس کو منقطع نہیں کیا ہے۔ دیکھئے سکتہ میں کیا ہوتا ہے۔ سب کچھ معطل ہے اور اشتباہ موت ہے۔ مگر حیات باقی ہے اور ضرور قائم ہے اور اس کی وجوہات کہ عام اموات کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت میں انقطاع زندگی اور ازالہ حیات نہیں ہے بلکہ زیر پردہ موت استتار حیات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت ہے اور عام اموات کی موت میں انقطاع حیات ہے۔ ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں:

پہلی وجہ یہ ہے کہ موت کے وقت اور موت کے بعد اپنے مال میں کسی میت کو حق باقی نہیں رہتا اور نہ وہ مالکانہ

تصرف کرنے کا مجاز ہے۔ مصعب بن سعد عن سعد فرماتے ہیں: میں بیمار تھا اور حضور ﷺ عیادت کے لئے تشریف لاتے تھے۔ میں نے کہا میں کل مال کی وصیت کرتا ہوں۔ حضور ﷺ نے انکار فرمایا میں نے کہا دو ثلث کی وصیت کرتا ہوں۔ حضور ﷺ نے انکار فرمایا۔ میں نے کہا ایک ثلث کی وصیت کرتا ہوں۔ حضور ﷺ خاموش رہے۔ (مسلم، بیہقی کتاب الوصیت)

ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضور ﷺ نے فرمایا تمہیں وفات کے وقت اللہ تعالیٰ نے تمہارے اموال میں صرف ثلث کا حق اور ثلث میں تصرف کرنے کا حق دیا ہے۔ (سنن کبریٰ)

ان حدیثوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ موصی اپنی زندگی میں اگر یہ چاہتا ہے کہ اس کے مرنے کے بعد کل مال یا تہائی یا دو ثلث اس کا مال جس کو وہ چاہتا ہے دے دیا جائے تو شارع نے اس کے ایسے عام تصرف کو روکا اور اس کے ملک کو اس قدر محدود اور کمزور کر دیا ہے کہ ایک ثلث سے وہ آگے نہیں بڑھتا اور اگر کسی نے ثلث سے زیادہ کی وصیت کی اور اس کو اپنے ملک پر اس قدر زعم تھا کہ اس کے مرنے کے بعد تقسیم مال کا اس کو اختیار ہے۔ چاہے وہ تقسیم کر دے۔ اگر زندگی میں اس نے ایسا چاہا اور وصیت کی ہے۔ مگر شارع نے اس کے اس زعم کو باطل کر دیا ہے اور اس کی ایسی وصیت کو اس کی زندگی میں ناجائز اور مسترد فرما دیا ہے۔

چنانچہ عمران بن حصین فرماتے ہیں: کہ ایک صاحب نے موت کے وقت اپنے چھ غلام آزاد کئے اور اس کے پاس ان غلاموں کے سوا اور کوئی مال نہیں تھا تو حضور ﷺ کو یہ بات پہنچی تو اس کو سخت بات فرمائی اور ان غلاموں کو بلایا اور ان کے تین ٹولے بنائے اور ان میں قرعہ اندازی فرمائی۔ ان میں سے دو کو آزاد کر دیا اور چاروں کو غلام رکھا۔ (سنن کبریٰ کتاب الوصایا، صحیح مسلم)

یہ وصیت چونکہ کل مال کی تھی۔ اس لئے حضور ﷺ نے اس کی زندگی میں اس کو مسترد فرمایا اور ابھی اس کی زندگی باقی تھی کہ اس کے ملک کے اختیار و تصرف کو ثلث تک محدود فرمایا اور جب موت واقع ہو جاتی ہے اور اس نے وصیت نہیں کی تو پھر اس قدر بھی ملک باقی نہیں رہتا ہے بلکہ اس کے مال سے اس کا ملک بالکلیہ مرتفع ہو جاتا ہے اور اس کے اموال اس کے وارثوں کو منتقل ہوتے ہیں۔ چنانچہ قرآن شریف میں ارشاد ہے "للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون وللنساء نصیب مما ترک الوالدان والاقربون" (النساء:۷) ترجمہ (مردوں کا بھی حصہ اس میں جو چھوڑ مریں ماں باپ اور قرابت والے اور عورتوں کا بھی حصہ ہے اس میں جو چھوڑ مریں ماں باپ اور قرابت والے)

ماں باپ اور دیگر قرابت والوں کے ترکہ میں جو مر کر چھوڑ رہے بیٹوں کی طرح بیٹیوں کا بھی حق ہے اور ترکہ میں سب سے زیادہ قریب کے وارثوں کا یہ حق اور اس کا تقرر و تعین اللہ کا مقرر کیا ہوا ہے۔ اس آیت کی یہ مراد ظاہر ہے کہ ماں باپ یا دیگر اقارب جب مرتے ہیں تو ان کے اموال بوقت موت ترکہ ہیں اور ان کا ترکہ ان کے وارثوں کو اس طرح تقسیم کیا جائے گا۔ جس طرح حق تعالیٰ نے حسب تفاوت وارثوں کے حقوق مقرر اور متعین فرمائے ہیں۔ میت کا حق اور ملک اٹھ چکا ہے۔ اب وارثوں کے ملک اور حق میں وہ اموال آچکے ہیں۔

عتبہ بن عامر فرماتے ہیں: کہ حضور ﷺ کی خدمت میں ایک صاحب آئے اور کہا اللہ کے رسول میری ماں فوت ہو گئی اور اس نے کچھ زیورات چھوڑے ہیں۔ کیا میں ان کو اس کی طرف سے صدقہ کر دوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا تیری ماں نے تجھے صدقہ کرنے کا امر دیا تھا۔ اس نے کہا نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا اپنی ماں کا ترکہ اپنے لئے رکھ دے۔

مراد یہ ہے کہ اب وہ ترکہ تیرے لئے ہے تو اس کا مالک ہے تیری ماں کا ملک ختم ہوگیا ہے۔ مجمع الزوائد میں اس حدیث کا یہ عنوان باندھا ہے۔ جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کے مال میں ملک اس کا نہیں رہتا۔ (ج ۴ ص ۲۲۶) بلکہ منقطع ہوجاتا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ موت اموال میں حق اور ملک کا انقطاع کرتی ہے۔ اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ بوقت موت حضور ﷺ کے اموال میں حضور ﷺ کا حق تصرف اور ملک باقی تھا یا حضور ﷺ کی موت نے ملک اور حق تصرف کو زائل اور منقطع کردیا تھا۔

صحیح بخاری کتاب الفرائض میں حضرت مالک بن اوس رضی اللہ عنہ کے مفصل بیان میں یہ مذکور ہے کہ حضرت عثمان بن عفان، عبدالرحمن بن عوف اور زبیر بن عوام اور سعد بن وقاص، حضرت عباس، حضرت علی کو حضرت عمر (رضی اللہ عنہم) نے اندر آنے کی اجازت دی اور فرمایا میں تم کو اس خدا کی قسم دیتا ہوں جس کے حکم سے آسمان وزمین قائم ہیں۔ تم جانتے ہو کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے ہمارا کوئی وارث نہیں ہے جو کچھ ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔ ان سب حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا بیشک حضور ﷺ نے ایسا فرمایا ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا فرمایا۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ دونوں کا یعنی حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مطلب ایک ہے۔ عباس رضی اللہ عنہ! آپ مجھ سے اپنے بھتیجے کے مال میں سے حصہ مانگتے ہیں اور علی رضی اللہ عنہ! آپ اپنی بیوی کا حصہ حضور ﷺ کے مال میں سے مانگتے ہیں۔ قسم ہے اس خدا کی جس کے حکم سے آسمان وزمین قائم ہیں۔ میں ایسا فیصلہ قیامت تک نہ دوں گا۔ (بخاری کتاب الفرائض وکتاب فرض الخمس)

اور ترمذی رحمہ اللہ نے شمائل میں (ص ۲۹) اور جامع (۱۹۴) باب السیر میں روایت کیا ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا۔ آپ کی میراث آپ کی اولاد اور اہل کو ملے گی تو میں اپنے والد سے میراث کیوں نہیں لوں گی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضور ﷺ نے فرمایا "لانورث" ہم سے کوئی وارث نہیں ہوتا۔ ہماری میراث نہیں ہوتی۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے اموال میں میراث کا مطالبہ کیا تھا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو یہ جواب دیا کہ حضور ﷺ کے اموال محل موروثیت نہیں ہیں۔ حضور ﷺ کے اموال میں وارثوں کے لئے ارث کے حقوق قائم نہیں ہوتے۔ بلکہ حضور ﷺ جن کی عیالداری کرتے تھے ان کی عیالداری کی جائے گی اور حضور ﷺ جن پر خرچ کرتے تھے ان پر خرچ کیا جائے گا۔ جیسے کہ ترمذی اور مسند احمد میں ہے۔ بخاری کتاب الفرائض میں اور مؤطا امام مالک "ماجاء فی ترکة النبی" میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت مذکور ہے "لا یقتسم ورثتی دینارا ما ترکت بعد نفقة نسائی ومؤنة عاملی فهو صدقة" ترجمہ (میرے بعد میرے وارث ترکہ کو تقسیم نہ کریں گے جو میں چھوڑ جاؤں اپنی بیبیوں کی خوراک کے بعد اور عامل کے خرچ کے بعد وہ سب صدقہ ہے)

حافظ ابن حجر کہتے ہیں سبکی کبیر فرماتے ہیں: حضور ﷺ نے ورثتی فرما کر یہ بتلادیا ہے کہ ارث کی وجہ سے حضور ﷺ کا ترکہ تقسیم نہیں کیا جائے گا۔ ارث اس حکم کی علت ہے۔ حضور ﷺ سے ارث میں حضور ﷺ کے اموال کا اقسام منفی ہے۔ (فتح الباری ج ۱۲ ص ۵)

اور اس کی دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں یا تو مورث کے وارث نہ ہوں اور یا مورث زندہ ہے۔ پہلی صورت تو نہیں۔ حضور ﷺ کے ایسے اقربا ضرور تھے تو دوسری صورت متعین ہے۔ یعنی حضور ﷺ کی زندگی موت کے وقت قائم اور باقی تھی۔

ظاہر ہے کہ ترکہ اس وقت ہوتا ہے جب موت ہو جائے، موت کے ہو چکنے کے بعد اس کا ملک باقی نہیں ہوتا بلکہ ترکہ پر حسب قرب و بعد وارثوں کا ملک قائم ہو جاتا ہے۔ مگر حضور ﷺ کے املاک پر وارثوں کا ملک قائم نہیں ہوا۔ بلکہ آپ کے ملک میں ہیں۔ اس لئے آپ عروض موت کے بعد ان کو صدقہ کرتے ہیں۔ ملک کے بدوں صدقہ نہیں ہوتا ہے۔ آپ کا ملک قائم ہے۔ اس لئے وارثوں کو آپ کے اموال منتقل نہیں ہوتے۔ عدت کے بعد متوفی کے اموال میں بیوی کے لئے نفقہ کا حق نہیں ہے اور حضور ﷺ کے اموال میں عروض موت کے بعد ازواج مطہرات کے لئے آپ نے نفقہ قائم رکھا۔ اس لئے ہم کہتے ہیں کہ عروض موت کے بعد آپ کا ملک بدستور قائم تھا۔ جیسا کہ (زرقانی شرح مواہب ج ۵ ص ۲۳۳) اور (سنن کبریٰ ج ۷ ص ۶۵) میں مذکورہ محدثین کو عروض موت کے بعد حضور ﷺ کے ملک کے قیام کا اعتراف اور قیام ملک بدوں حیات ممکن نہیں ہے۔ اس لئے ہم کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی موت عام اموات کی موت کی طرح نہیں ہے۔ بلکہ عروض موت کے وقت اور بعد میں بھی آپ کی حیات بدستور قائم تھی۔

دوسری وجہ کہ حضور ﷺ کی موت عام اموات کی طرح نہیں ہے یہ ہے کہ عدت متوفی عنہا زوجہا کے بعد میت کی بیوی کو نکاح کرنے کا اختیار ہے عدت کے بعد اگر وہ چاہتی ہے تو پہلے خاوند کی موت نے اس کے ملک نکاح کو زائل کر دیا ہے۔ دوسرا نکاح وہ کر سکتی ہے اور یہ عام حکم ہے۔ اس کے عموم کی تخصیص قرآن کی اس آیت یا کسی دوسری آیت میں مذکور نہیں ہے۔ لیکن حضور ﷺ کے بعد بھی ازواج مطہرات کو نکاح کرنے کا اختیار نہیں ہے اور ہمیشہ کے لئے ازواج مطہرات کے نکاح کی حرمت کا قرآن شریف نے اعلان فرمایا ہے اور ان آیات میں قرآن شریف نے یہ بھی ظاہر فرما دیا ہے۔ اگر ازواج مطہرات سے کچھ کام کی چیز مانگنے جاؤ تو پردہ کے پیچھے مانگ لو۔ پس پردہ کھڑا ہونا ظاہر کرتا ہے کہ ازواج مطہرات احترام و تعظیم میں تمہاری مائیں ہیں۔ بلکہ ان سے بھی بڑھ کر ازواج مطہرات کی حرمت لازم ہے۔ لیکن اپنی ماؤں کی طرح ازواج مطہرات کی امومت کے احکام نہیں ہیں۔ اپنی ماؤں کے پاس پس پردہ بیٹھنا اور کچھ مانگنا تم پر ضروری نہیں ہے۔ جیسا کہ ازواج مطہرات کے لئے لازم کیا گیا ہے اور نیز ظاہر فرمایا کہ تمہیں اللہ کے رسول کو تکلیف دینا لائق نہیں اور حضور ﷺ کو ایذا اور تکلیف دہ حرکات میں سے بہت سخت اور بڑا بھاری گناہ یہ ہے کہ کوئی شخص ازواج مطہرات سے آپ کے بعد نکاح کرنا چاہے۔ اس کا متبادر معنی یہ ہے کہ ازواج مطہرات سے نکاح کرنے کا ارادہ حضور ﷺ کو ایذاء اور تکلیف دہ حرکت ہے اور اللہ کے یہاں بڑا بھاری گناہ ہے۔

ازواج مطہرات کی یہ مخصوص حرمت رسالت مآب ﷺ کے تعلق نکاح کی وجہ سے قائم ہوتی ہے۔ بجز اس کے اور کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی ہے اور ازواج مطہرات کے نکاح میں حضور ﷺ کی ایذاء کا بنیادی اور محکم تصور نہیں ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات سے حضور ﷺ کے نکاح کا تعلق ابھی قائم ہے۔ عروض موت کے بھی ازواج مطہرات کے نکاح کی حرمت حضور ﷺ کے بقاء نکاح کی دلیل ہے اور بقاء نکاح قیام حیات کے بدوں متصور نہیں ہے۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ حضور ﷺ کی موت نے عام اموات کی طرح حضور ﷺ کی حیات کو زائل نہیں کیا ہے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ ازواج مطہرات مسلمانوں کی مائیں ہیں۔ مگر اپنی نسبت سے نہیں ورنہ حضور ﷺ کے تعلق سے پیشتر بھی ان کی یہ حرمت ثابت ہوتی بلکہ ازواج مطہرات حضور ﷺ کے تعلق اور نسبت سے ہماری مائیں ہیں اور اس کا معنی یہ ہے۔

حافظ ابن کثیر ﷫ ''وازواجه امهاتهم'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ازواج مطہرات حرمت اور احترام میں

اکرام وتوقیر میں امت کی مائیں ہیں لیکن جس طرح اپنی ماں کے ساتھ خلوت میں بیٹھنا جائز ہے۔ اس طرح خلوت میں بیٹھنا ازواج مطہرات کے ساتھ جائز نہیں ہے اور جس طرح اپنی ماں کی بہنیں اور بیٹیاں خالائیں اور بہنیں بنتی ہیں اور حرام ہوتی ہیں۔ اسی طرح ازواج مطہرات کی بیٹیاں اور بہنیں مسلمانوں کی بہنیں اور خالائیں نہیں بنتی ہیں اور حرام نہیں ہیں۔ اسی طرح سید آلوسی رحمہ اللہ نے روح المعانی میں اس اضافہ کے ساتھ لکھا ہے: کہ ازواج مطہرات میراث کے بارے میں اپنی ماؤں کی مانند نہیں ہیں بلکہ اجنبیات ہیں۔ ان میں سے مسلمانوں کو میراث نہیں ملتی۔

اور اسی طرح بیہقی رحمہ اللہ نے سنن کبریٰ (ج ۷ ص ۶۹) میں خوب تفصیل سے لکھا ہے۔ اگر چاہو تو مراجعت کر لیجئے۔ غرض یہ ہے کہ ازواج مطہرات کے نکاح کی حرمت کی وجہ یہ نہیں کہ وہ امہات المؤمنین ہیں۔ قرآن شریف میں ارشاد ہے "ان امھاتھم الا اللّٰئی ولدنھم" (المجادلہ: ۲) ان کی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہے۔ چونکہ ازواج مطہرات مسلمانوں کی حقیقی مائیں نہیں ہیں۔ اس لئے ان کے نکاح کی حرمت کی وجہ بھی ان کی امومت نہیں ہے۔ بلکہ رسالت مآب ﷺ کی حیات کا دوام واستمرار ہے۔ منکرین حیات کو برزخ میں بھی دوام حیات کا انکار ہے۔ جیسے کہ حیات علی الاتصال کا انکار کرتے ہیں اور دوام حیات اور حیات علی الاتصال اور آیت "انک میت" اور "کل نفس ذائقة الموت" میں ان کو تعارض کا شبہ ہے اور ان کو حضرت مولانا نانوتوی رحمہ اللہ کے معنی مراد پر شبہ ہے۔ اس لئے میں حضرت مولانا قدس سرہٗ کی عبارت کو یہاں نقل کرنا چاہتا ہوں۔ جس میں شبہ تعارض کے جواب کے علاوہ اور مزید فوائد بھی ہیں۔

حضرت مولانا لکھتے ہیں: نور آفتاب ہموارہ بیک حال است وایں فرق کسوف وعدم کسوف ہمچو استتار اوزیر پردہ وانکشاف آں است۔ چنانچہ بر ماہران علم ہیئت پوشیدہ نباشد ہمچناں حیات وموت آن کمش کہ بروز جزا بین الجنة والنار ذبح کردہ خواہد شد ذاتی باید دانست وحیات وموت دیگراں را خارجی وعرضی ویں فرق از ابوۃ روحانی انبیاء علیہم السلام کہ از جملہ "النبی اولی بالمؤمنین من انفسھم وازواجه امھاتھم" ماخوذ است باید دریافت چہ امومت ازواج مطہرات موقوف بر ابوۃ نبوی است ﷺ وابوۃ جسمانی آنحضرت ﷺ بہ نسبت جملہ مومناں امت مرحومہ معلوم ناچار بابوت روحانی اعتراف لازم آید وظاہر است کہ ارواح ایں قسم فاعلیت ومفعولیت وفعل وانفعال کہ موقوف برآلات ومحالات معلوم است متصور نیست بجز اینکہ مابین ارواح انبیاء وارواح امت رابطہ فیما بین آفتاب وقمر وقطعات نور ارضی باشد کہ در حرف مادھوپ وچاندنی نامند۔ تصحیح ایں ابوۃ تواں کرد۔

ازیں تقریر دریافتہ باشی کہ اتصال حیات با ارواح انبیاء مفاد قضیہ ضروریہ است واتصال حیات با اجسام اوشان مفاد قضیہ دائمہ۔ مگر ایں قدر من خود عرض میکنم کہ وقتیکہ کیفیت حیات جسمانی وروحانی اوشان چنیں باشد در صورت عروض موت حاجت تصور انفکاک حیات از اجسام ہیچ نیست بلکہ نشاید آنچہ تصورش بہر اطمینان دربارہ حیات وموت کہ اول بوجہ دلائل معروضہ واجب التسلیم است ودوم بوجہ ارشاد "کل نفس ذائقة الموت" وہدایت آیت "انک میت" واجب الایمان ضروریست۔ ایں قدر است کہ چنانکہ اجتماع برودت ذاتیہ واجتماع حرارت خارجہ از آب گرم میشود است یا اجتماع نور اصلی وظلمۃ عرضی در شمس وقت کسوف یا اجتماع نور قمر کہ سواء اوقات خسوف دائمی است وظلمت اوقات ابر کہ بہ نسبت آں عرضی است معلوم ہمچناں اگر اجتماع حیات ارواح اوشاں یا موت آنہا واجتماع حیات اجسام اوشاں یا موت آنہا باشد چہ حرج است کہ در قصہ شمس وقمر گزارش نیست۔ ہمیں امکان اجتماع را در حیات وموت می باید کشید، وقت مشاہدہ آثار موت انبیاء باجتماع موت

عرضی وحیات ذاتی ایمان آورد مگر ہویدا است کہ بقاء حیات بے بقا علاقہ فیما بین واجسام متصور نیست نظر براین فقط بمجرد ومشاہدہ آثار موت حکم انفکاک علاقہ مذکور نباید کرد مگر بوجہ نصوص۔ (فیوض قاسمیہ ص۲۱،۱۸)

حضرت مولانا نانوتوی ﷫ کو حضور ﷺ کی حیات علی الاتصال پر جس قدر اصرار ہے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مولانا کو اس میں کچھ بھی شک یا شبہ نہیں تھا اور جس شوق اور روانی سے حضرت مولانا اس پر بحث کرتے ہیں۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مولانا کے علم اور وجدان کو اس پر یقین اور قطعی اعتماد ہے۔

چنانچہ جمال قاسمی میں لکھتے ہیں: انبیاء علیہم کی ارواح طیبہ کو بعد مرگ بھی وہی تعلق اپنے اجسام سے رہتا ہے جو قبل مرگ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اجسام مثل اجسام احیاء پھولتے پھلتے نہیں۔ چنانچہ احادیث میں موجود ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان کی ازواج مثل ازواج احیاء اوروں سے نکاح کرنے کا اختیار نہیں رکھتیں اور یہی وجہ ہے کہ ان کے اموال مثل اموال احیاء ان کے وارث تقسیم نہیں کر سکتے اور اس وجہ سے حدیث لانورث کو معارض آیت یوصیکم اللہ اور آیت لاتنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا کو معارض آیت والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ آیت ''یوصیکم اللہ'' اور آیت ''والذین یتوفون'' کے مصداق وہ ہیں جن کی ارواح کو ان کے ابدان کے ساتھ وہ تعلق نہ رہا جو حالت حیات میں تھا۔

چنانچہ ''للرجال نصیب مما ترک الوالدان'' (النساء:۷) میں لفظ ترک اور آیت ''والذین یتوفون منکم'' (البقرۃ:۲۴۰) میں مادہ توفی اس پر شاہد ہے۔علیٰ ہذالقیاس آیت ''ولیخش الذین لوترکوا من خلفھم'' (النساء:۹) میں لفظ ترکوا قرینہ مضمون معروض ہے۔ کیونکہ جیسے مضمون توفی جبھی چسپاں ہوسکتا ہے جب کہ کوئی چیز نکال لی جائے اور یہ بات اس وقت صحیح ہوسکتی ہے جب روح کو بدن سے نکال کر باہر کیجئے۔ کیونکہ الذین کا مصداق آیت یتوفون میں وہی ہے اور نیز وہ نہ ہوتو جسم ہوا اور ظاہر ہے کہ جسم مورد توفی وقت مرگ نہیں ہوتا۔اس لئے بھی کہنا پڑتا ہے کہ روح کو ایسے لوگوں کے اپنے جسم سے وہ علاقہ نہیں رہتا جو وقت حیات تھا۔ایسے ہی مضمون ترک بھی گرفتاران محبت اولاد و اموال کے حق میں جبھی صحیح ہوسکتا ہے جب کہ اس خاکدان سفلی کو چھوڑ کر عالم علوی کو چلی جائیں۔ سو یہ جبھی ہی متصور ہے جب کہ روح کو وہ تعلق اوّل نہ رہے ورنہ وہ ترک نہیں بلکہ مثل بندیوان دست و پا ملاقات اولاد و تصرفات اموال سے مجبور ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قیدیوں کے ازواج واموال ان کے ملک سے خارج نہیں ہوتے اور یہی وجہ ہے کہ سکتہ والے کی ازواج واموال بدستور اس کے ملک میں باقی رہتے ہیں۔ان دونوں میں اتنا فرق ہے کہ قیدیوں کے اجسام مقید ہوتے ہیں اور سکتہ والے کی روح مقید ہوجاتی ہے۔مگر اس قید خانہ میں جسم خاکی ہوتا ہے۔اس لئے وہ پھیلاؤ جو بذریعہ ظہور افعال اختیاریہ ہوا کرتا ہے اور نور قمر وآفتاب کے مشابہ ہوتا ہے۔ایسی طرح بند ہوجاتا ہے جیسے چراغ پر کسی ظرف کے رکھ دینے کے وقت اس کے نور کا پھیلاؤ بند ہوجاتا ہے۔سو یہی صورت بعینہٖ انبیاء علیہم کی موت کی سمجھئے۔ بہرحال ارواح انبیاء کرام کو بدستور اپنے ابدان کے ساتھ تعلق رہتا ہے اور مثل نور چراغ وظلمت ظرف محیط حیات وموت دونوں مجتمع ہوجاتی ہیں۔ القصہ اگر ایک ضد طبعی اور ذاتی ہے اور دوسری عارضی تو پھر یہ اجتماع محال نہیں۔ بلکہ کثیر الوقوع ہے۔ ورنہ کارخانہ عروض بالکل باطل ہوجائے۔ (جمال قاسمی ص۱۲)

دوسرا شبہ

منکرین حیات کو اس مضمون رسالت مآب کے حیات علی الاتصال میں بہت شکوک پیش آتے ہیں اور ان کے شبہات نے ان کو حیات علی الاتصال کے انکار کرنے پر مجبور کر دیا ورنہ ان کے ادّعاء کے لئے ان کے پاس دلیل کوئی نہیں ہے۔ لیکن حضرت مولانا قدس سرہٗ نے اس قسم کے شبہات کے جوابات سے علماء کی جماعت کو فارغ کر دیا ہے۔ اس لئے اس شبہ کا جواب بھی حضرت مولانا کی کتاب سے نقل کرنا چاہتا ہوں:

القول الجلی کے مصنف نے مذکورہ حدیث کے معانی بدلنے کے لئے اپنے مزاج کو کچھ حرکت دی ہے مگر ناکام رہے ہیں اور اس کہنے کی کوشش کی ہے کہ حضور ﷺ کے اموال پر آپ کا ملک باقی نہیں تھا۔ مگر یہ نہ بتلا سکے کہ اس کی دلیل سے یہ کیسے ثابت ہوتا ہے۔ مؤلف کہتے ہیں اور اگر ملک باقی ہے تو ''ماترکناہ'' کیوں فرمایا؟ کیا یہ وہی ترک نہیں ہے جس کا ذکر ''فلھن ثلثا ماترک ولکم نصف ماترک'' آیات قرآنیہ میں آیا ہے۔ لہٰذا یہاں بعد الموت بقاء ملک کا قول کرنا عجیب اور پھر اس کی علت حیات دنیویہ نکالنا اور عجیب ہے۔ (القول الجلی ص ۵۶)

سابق اوراق میں گزر چکا ہے کہ زرقانی رحمہ اللہ، سبکی رحمہ اللہ، بیہقی رحمہ اللہ نے اقرار کیا ہے کہ عروض موت کے بعد بھی حضور ﷺ کا ملک حضور ﷺ کے املاک پر قائم تھا۔ شیخ عبدالحق رحمہ اللہ لکھتا ہے: کہ امام الحرمین کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے املاک پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے ملک کو باقی اور قائم جانتے تھے۔ (مدارج النبوۃ ج ۱ ص ۱۷۰)

یہ حضرات علماء محدثین اور خلیفہ راشد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ القول الجلی کے مؤلف سے کتاب و سنت کے علم اور رسالت مآب ﷺ کے امتیازات اور پیغمبرانہ خصوصیات کو بدرجہا زیادہ اور خوب جانتے تھے۔ ہمیں مؤلف کے انکار و تعجب پر افسوس ہے۔

حضرت مولانا رحمہ اللہ کہتے ہیں: مگر اور لوگ تو سب کو چھوڑ جاتے ہیں اور انبیاء کرام فقط مال کو چھوڑ دیتے ہیں۔ کیونکہ ازواج دینے کے قابل نہیں جو چھوڑ دیجئے بالجملہ انبیاء مال کو چھوڑ دیتے ہیں اور اموات باقی ازواج و اموال دونوں کو چھوڑ جاتے ہیں۔ چنانچہ وقت مرگ ان کی مجبوری اور انبیاء کی خودمختاری جس پر ان کی رضا سے ان کا متبوض ہونا دلالت کرتا ہے۔ اس فرق پر شاہد ہے اور ظاہر ہے کہ چھوڑ جاتے ہیں تو جانے کی ضرورت میں چھوڑنا پڑتا ہے۔ ورنہ اصل میں چھوڑنا ناگوار ہوتا ہے اور چھوڑ دینے میں دینے کے لئے باختیار خود چھوڑتے ہیں۔ سوای فرق کے اظہار کے لئے آپ نے یہ ارشاد فرمایا ''ماترکناہ صدقۃ'' تاکہ لفظ صدقہ چھوڑ دینے پر دلالت کرے اور کسی کو چھوڑ جانے کا وہم نہ ہو جو انجام کار یہ وہم نہ ہو کہ ترک ہے تو ماترک میں آپ کا متروک بھی داخل ہوگیا۔

اس لئے یوں مناسب ہے کہ موافق ارشاد ''یوصیکم اللہ'' اس میں بھی میراث جاری ہو۔ کیونکہ چھوڑنا جو مفہوم ترک ہے۔ گو دونوں میں مشترک ہے۔ مگر وہی فرق ہے جو میں نے عرض کیا۔ اس لئے جیسے حضور نے لفظ صدقہ سے ایک قسم ترک کو متعین کر دیا۔ ایسے ہی لفظ ''للرجال نصیب وللنساء نصیب'' (النساء:۷) سے خدا نے اوروں کے حق میں قسم ثانی ترک کو متعین کر دیا علیٰ ہذا القیاس آیت ''ولیخش الذین بقرینۃ خافوا علیھم'' (النساء:۹) قسم ثانی کی تخصیص فرمادی۔ شرح اس معمہ کی یہ ہے کہ خوف اسی وقت متصور ہے۔ جب کہ بہ مجبوری چھوڑ کر جائے باختیار خود چھوڑ دیجئے تو کیا خوف ہے۔ جو چیز اوروں کو دے بیٹھتے ہیں وہ ضائع ہو یا باقی رہے اپنی بلا سے۔ غرض جس چیز

سے خود بے تعلق ہو جائیں وہ رہ جائے یا جائے۔ اس کا کیا خوف۔ علی ہذا القیاس اموال کو باختیار خود ہم وقت مرگ چھوڑ دیا کریں تو اس صورت میں وقت مرگ بھی خداوند عالم دخل نہ دیتے۔ مگر یہ ارشاد اس بناء پر ہے کہ دل خستہ بدستور لبریز محبت ازواج واولاد واموال ہے۔ پھر کیونکر کہہ دیجئے کہ ہم چھوڑ دیتے ہیں، نہیں یہ چھوڑا جاتا ہے۔ سو یہ چھوڑنا اسی وقت متصور ہے کہ جسم سے اخراج روح ہو اور جس قسم کا اس کا دخول تھا جس پر یہ تمام آثار تسلط یعنی باختیار خود جسم اور اعضاء جسم کام لینا دلالت کرتا ہے۔ اس کے مناسب خروج متحقق ہو جائے۔ سو یہ بات بدلالت فرق احکام مذکورہ اور اموات میں تو ہوتی ہے پر انبیاء میں نہیں ہوتی ہے۔ یعنی بقاء اجساد کا انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے ضروری ہونا اور سوا ان کے اوروں کے لئے ضروری نہ ہونا اور ازواج انبیاء کرام علیہم السلام کا نکاح ثانی کا اجازت نہ ہونا اور اوروں کی ازواج کے لئے اجازت کا ہونا اور اموال انبیاء کرام علیہم السلام میں میراث کا جاری نہ ہونا اور اوروں کے اموال میں جاری ہونا اس پر شاہد ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح کا اخراج نہیں ہوتا۔ فقط مثل نور چراغ اطراف و جوانب سے قبض کر لیتے ہیں۔ یعنی سمیٹ لیتے ہیں اور سوا ان کے اوروں کی ارواح کو خارج کر دیتے ہیں۔ (جمال قاسمی ص ۱۶)

حضرت مولانا رحمہ اللہ کی مراد ظاہر ہے کہ انبیاء کے سوا دوسرے مجبوری سے چھوڑتے ہیں۔ ان کو چھوڑنے اور نہ چھوڑنے کا اختیار نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے بوقت مرگ اپنے اموال کسی کو نہیں دے سکتے۔ بلکہ حق تعالیٰ نے ان کے اموال کو ان کے وارثوں کے حق اور ملک میں دے دیا اور ان کی ارواح کا اخراج کیا گیا۔ اس لئے ان کے ملک کے حقوق باقی نہیں ہیں۔ ان کے اموال وغیرہ میں دوسروں کے حقوق اور دوسروں کا ملک ہے اور انبیاء علیہم السلام اپنے اختیار سے اپنے اموال کو جس کے لئے چاہتے ہیں چھوڑ دیتے ہیں۔ اس لئے ان کو بوقت مرگ بھی کسی کو دینے اور صدقہ کرنے کا حق ہے اور ان کی ارواح کا اخراج نہیں کیا جاتا۔ اس لئے ان کا ملک اور ان کے حقوق باقی ہیں اور حق تعالیٰ ان کے ملک اور حقوق کو دوسروں کی طرف منتقل ہونے کی اجازت نہیں دیتا اور ان کے اختیار اور مرضی میں دخل نہیں دیتا۔

انبیاء علیہم السلام کو اختیار دیا جاتا ہے چاہے تو دنیا میں رہیں اور چاہے تو آخرت کا سفر کریں۔ بخاری ''باب مرض النبی و باب آخر ماتکلم بہ النبی ﷺ'' میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے: کوئی نبی قبض نہیں کیا جاتا ہے۔ مگر وہ اپنا مقام جنت میں دیکھتا ہے پھر اس کو اختیار ہے چاہے تو دنیا میں اور چاہے تو آخرت کا سفر اختیار کرے اور اس بیماری میں جب حضور ﷺ نے ''اللھم فی الرفیق الاعلیٰ'' فرمایا تو میں نے سمجھ لیا کہ حضور ﷺ ہمارے پاس رہنا پسند نہیں کرتے اور نیز میں نے جان لیا کہ جو حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ نبی کو اختیار دیا جاتا ہے۔ وہ سچ تھا اور یہ اس کا وقت ہے۔ اور مسند امام احمد میں ہے، حضور ﷺ فرماتے ہیں: مجھے اختیار دیا گیا میں نے لقاء رب اور جنت کو پسند کر لیا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۱۱۲)

جب انبیاء علیہم السلام کے چھوڑ دینے اور دوسروں کے چھوڑنے میں اس قدر فرق ہے تو پھر حضور ﷺ کا ماترکنا اور دوسرے لوگوں کے ماترک دونوں کیسے برابر ہو سکتے۔ یہ حضرت مولانا کے چند اقتباسات مذکورہ حضور ﷺ کی حیات علی الاتصال کی بحث میں حضرت مولانا نانوتوی رحمہ اللہ کے چند مختصر اقتباسات میں نے ذکر کئے ہیں کہ حضرت مولانا اپنی بحث کے ثبوت میں کتاب وسنت کی تصریحات کو ذکر کرتے ہیں اور آپ کے علم اور بصیرت میں آپ کے فکر و نظر کے تمام مباحث کتاب وسنت کی نصوص سے ماخوذ ہیں۔ مگر اخذ و استنباط حضرت مولانا کی قوت قدسیہ کی خوبی ہے۔ اگر کسی صاحب کو حضرت مولانا قدس سرہٗ سے حضور ﷺ کی حیات علی الاتصال کی تحقیق حقیقت میں اختلاف ہے تو اس کی مرضی ہے۔ مگر

اس کا یہ فرض ہے کہ اپنے تکلفات کو حضرت مولانا کی فراست اور اپنے مزعومات کو حضرت مولانا کے بصائر کے مقابلہ پر دنیا کے سامنے لائے تاکہ برخود غلط خود پسندوں کے موضوعات سے دوسروں کو بھی استفادہ کرنے کا موقعہ مل جائے۔ ورنہ ارباب علم وتقویٰ کے خلاف طعن وتشنیع کی زبان کھولنا اگر چہ ان کی خوبی صرف یہی ہے۔ مگر اہل علم اس کو قبیح تر جانتے ہیں۔

کتاب وسنت کی نصوص کے وسیع دفتر میں کوئی نص ایسی نہیں ہے جس نے حضور ﷺ کی موت بمعنی ازالہ حیات کے واقع ہونے کی خبر دی ہے اور کتاب وسنت کے نصوص میں ایسا ملنا ممکن بھی نہیں ہے۔ کیونکہ آپ کی حیات طیبہ کتاب کے آنے کا عہد اور سنت میں ارشادات کا زمانہ ہے۔ کیا یہ ہوسکتا ہے کہ حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں کتاب وسنت میں یہ خبر دی گئی ہے کہ رسالت مآب پر موت واقع ہو چکی ہے۔ اگر ایسا کیا گیا ہوتا تو حضور ﷺ کے بعد ایسی کتاب وسنت کی جعلی اور تالیف کرنے میں کیا شبہ رہتا۔ جیسا کہ تورات کی (کتاب استثناء باب ۳۴) میں ذیل کے الفاظ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کا ذکر ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے موآب کے ملک میں وفات پائی پر آج تک کسی آدمی کو اس کی خبر معلوم نہیں۔

تورات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کا ذکر کرنا دلیل ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو کتاب دی گئی تھی یہ وہ کتاب نہیں ہے ورنہ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس کتاب میں جو آپ کی زندگی میں آپ کو دی گئی تھی۔ بیاں کیا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں اور بیت فغور کے مقابل دفن کئے گئے ہیں۔ اسی طرح انجیل میں حضرت مسیح کے صلیب کا تصور ثابت کرتا ہے کہ وہ حضرت مسیح کو اللہ کی دی ہوئی انجیل نہیں ہے جس کی تبلیغ آپ اپنی قوم میں کرتے رہے ورنہ آپ کی حیات میں آپ کی صلیب کا خاکہ حق تعالیٰ نے کیسے بیان فرمایا کہ واقعہ ہو چکا ہے۔ اسی طرح قرآن وحدیث میں حضور ﷺ کی موت واقع ہو چکنے کو بتلانا کسی عقل خوردہ کا کام ہوسکتا ہے ورنہ اہل علم اس کو باور نہیں کرسکتے کہ حضور ﷺ نے اپنی حیات میں خبر دی ہے کہ حضور ﷺ وفات پا چکے ہیں اور اسی طرح کتاب نے حضور ﷺ کی زندگی میں بتلا دیا ہے کہ حضور ﷺ کی موت واقع آ چکی ہے۔ قرآن شریف حضور ﷺ کی موت کے واقع ہو چکنے کی خبر ہرگز نہیں دیتا۔ البتہ قرآن میں حضور ﷺ کو آئندہ موت کے عارض ہونے کی پیش گوئی ہے۔ لیکن کتاب وسنت میں ہم کسی ایسی نص کو نہیں جانتے کہ حضور ﷺ کی موت حضور ﷺ کی سابق حیات کو ضرور زائل کرے گی یا جزاء وسزا کے دن تک حضور ﷺ کے مقدس جسم اور پاکیزہ روح میں بالکلیہ مفارقت رہے گی اور کہا جاسکتا ہے کہ کتاب وسنت میں اس معنی کے بیان کرنے کے لئے کوئی عبارت نہیں ہے۔ بلکہ کتاب وسنت میں نوم پر موت کا اطلاق کیا گیا اور ایسی اشیاء پر بھی کتاب میں موت کا اطلاق مذکور ہے جن میں سرے سے حیات نہیں تھی۔ جیسے کہ مذکور ہو چکا ہے تو ہم سمجھتے ہیں کہ موت سے پہلے حیات لازم نہیں اور موت کے وقت حیات کا ازالہ ضروری نہیں ہے۔

اس لئے ہم کہتے ہیں کہ کتاب وسنت کی زبان میں حضور ﷺ کو موت کے عارض ہونے کے وقت بھی حضور ﷺ کی حیات کا انقطاع لازم نہیں ہے۔ بلکہ کتاب وسنت میں کوئی ایسی نص نہیں ہے کہ خلاصہ کائنات، باعث تکوین عالم، امام الانبیاء، محبوب رب العزت کو عروض موت کے وقت آپ کی اصلی اور ذاتی اضافی حیات کے قیام اور بقاء کا انکار کرتی ہے۔ حضور ﷺ کی فوق العادت موت کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے انکار کے جواب میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا سب سے پہلا اور اہم خطبہ حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے اور منکرین حیات اس سے حضور ﷺ کی موت بمعنی ازالہ حیات پر اور نیز آرام گاہ میں نعوذ باللہ حضور ﷺ کے مقدس جسم کے بے جان پڑے رہنے پر بھی استدلال کرتے ہیں۔ اس لئے میں اس اہم اور مبینہ خطبہ کو یہاں ضروری تفصیل کے ساتھ نقل کرنا چاہتا ہوں:

حضرت عمر ؓ کا انکار اور صدیق اکبر ؓ کا جوابی خطبہ

حضرت عائشہ ؓ نے عبدالرحمن بن عوف ؓ کے بیٹے ابوسلمہ کو بتایا کہ میرے والد ابوبکر ؓ اپنے گھر مدینہ کے عوالی سنح سے گھوڑے پر آئے۔ مسجد نبوی میں داخل ہوئے اور کسی سے بات چیت نہیں کی۔ سیدھے میرے حجرے میں حضور ﷺ کے دیکھنے کے ارادہ سے چلے آئے اور حضور ﷺ پر یمن کے کپڑوں میں سے کپڑا پڑا ہوا تھا۔ آپ نے پہلے وہ کپڑا اٹھایا پھر اوپر گر پڑے۔ پس بوسہ دیا اور رونے لگے۔ پھر فرمایا میرے باپ اور ماں آپ پر قربان ہوں۔ اللہ کی قسم آپ پر دو موتوں کو اللہ جمع نہیں کرے گا (آپ دو دفعہ وفات نہ پائیں گے) لیکن جو موت آپ کے لئے اللہ نے لکھ دی تھی وہ آپ کو پیش آ گئی۔ یہی ابوسلمہ کہتے ہیں عبداللہ ابن عباس ؓ فرماتے ہیں صدیق اکبر ؓ نکلے اور حضرت عمر ؓ (مسجد میں) لوگوں سے بول رہے تھے۔ حضرت ابوبکر ؓ نے حضرت عمر ؓ کو کہا بیٹھ جائیے۔ حضرت عمر ؓ نے بیٹھ جانے سے انکار کیا۔ لوگ (جو حضرت عمر ؓ کی بات سن رہے تھے) حضرت ابوبکر ؓ کی طرف متوجہ ہو گئے اور حضرت عمر ؓ کو چھوڑ دیا تو حضرت ابوبکر ؓ نے فرمایا: اما بعد! جو بھی تم میں سے حضور ﷺ کی عبادت کرتا تھا "فان محمدا قد مات" بیشک حضور ﷺ فوت ہو گئے اور تم میں سے جو اللہ کی عبادت کرتا تو اللہ زندہ ہے نہیں مریں گے اور فرمایا "وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم" (آل عمران: ۱۴۴) ترجمہ: (اور محمد تو ایک رسول ہے ہو چکے اس سے پہلے بہت رسول پھر کیا اگر وہ مر گیا یا مارا گیا تو تم پھر جاؤ گے الٹے پاؤں)

ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ ابوبکر ؓ کی تلاوت سے پہلے گویا کسی کو اس آیت کے نازل ہونے کی خبر بھی نہ تھی تو سب لوگوں نے ابوبکر ؓ سے اس آیت کو لیا۔ پس جس کو سنتے تھے اس آیت کو پڑھتے تھے۔ حضرت سعید بن المسیب کہتے ہیں اس آیت کو سن کر حضرت عمر ؓ نے فرمایا اللہ کی قسم ابوبکر ؓ سے اس آیت کو پڑھتے میں نے سنا۔ پس میں مارا گیا اور میرے پاؤں مجھے نہ اٹھا سکے اور میں زمین پر گر پڑا۔ جب میں نے ابوبکر ؓ سے اس آیت کی تلاوت کو سنا اور یہ سمجھ لیا کہ حضور ﷺ تشریف لے گئے ہیں۔ (بخاری ج دوم ص ۶۴۰ باب مرض النبی ووفاتہ)

اور بخاری باب مناقب ابی بکر ؓ میں عروہ بن الزبیر عن عائشہ ؓ اس طرح مذکور ہے: کہ حضور ﷺ کی وفات ہوگئی اور ابوبکر ؓ سنح میں تھے۔ پس حضرت عمر ؓ کھڑے ہو گئے اور فرمایا اللہ کی قسم! حضور ﷺ فوت نہیں ہوئے اور کہا اس کے سوا حضور ﷺ کی عدم موت کے سوا اور کوئی بات آتی نہ تھی اور کہ اللہ آپ کو اٹھائے گا اور آپ ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے، جنہوں نے کہا کہ حضور ﷺ فوت ہو گئے۔ پس ابوبکر ؓ آئے اور مذکورہ خطبہ فرمایا اور جب ابوبکر ؓ نے حضور ﷺ کی وفات کے واقع ہونے کی خبر دے دی تو لوگ بے اختیار رونے لگے۔

اور قاسم بن محمد بن ابی بکر فرماتے ہیں کہ حضرت صدیقہ ؓ نے فرمایا: حضور ﷺ کی آنکھیں اوپر کو اٹھ گئیں اور فرمایا یا ملاء اعلیٰ کو چاہتا ہوں اور پوری حدیث بیان کی (اور حضرت عمر ؓ کا یہ قول بیان کیا کہ حضور ﷺ نے وفات نہیں پائی اور ہرگز وفات نہیں پائیں گے، یہاں تک کہ منافقوں کے ہاتھ اور پاؤں کاٹیں گے۔ عمدۃ القاری، فتح الباری میں اس حدیث کی شرح میں اس طرح نقل کیا ہے اور دونوں حضرات نے لکھا ہے کہ بخاری ؒ نے اس حدیث کو معلقاً ذکر کیا ہے۔ مگر طبرانی نے موصول اور مسند روایت کیا ہے)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ دونوں کے خطبوں سے اللہ نے نفع پہنچایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نفاق سے ڈرایا، ان میں نفاق تھا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ہدایت کی راہ دکھائی اور جوان پر لازم اور حق تھا ان کو معلوم کر دیا اور لوگ آیت ''وما محمد الا رسول الخ'' کی تلاوت کرتے ہوئے باہر نکلے۔ (بخاری ابواب المناقب ص ۵۱۷)

ان حدیثوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جب وفات ہوئی ہے تو عین اس وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ نہیں تھے کچھ وقفہ کے بعد تشریف لائے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب بول رہے تھے تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بولنے سے منع فرمایا اور بیٹھنے کو کہا۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خاموش ہو جانے اور بیٹھ جانے سے انکار کیا۔ کتاب الجنائز میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انکار مذکور ہے اور عبدالرحمن بن عوف ابوسلمہ کی روایت سے ظاہر ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جو اللہ نے موت لکھ دی تھی وہ آپ کو پیش آ گئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسروں کے مقابلہ پر خصوصیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے خاص قسم کی موت مقدر فرمائی تھی۔ جو ''انک میت وانھم میتون'' میں مذکور ہے۔

اور نیز اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس طویل سکوت اور تعطل شعور کو جانتے تھے۔ مگر ظاہر کے تعطل کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ موت کی حقیقت نہیں جانتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عروض موت کا انکار نہیں کرتے تھے۔ مگر انہیں خیال تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو موت ضرور آئے گی۔ مگر اس وقت آئے گی کہ جب ان منافقوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے حق تعالیٰ ختم کر دے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کی خبر پھیلاتے ہیں اور اب منافقین موجود ہیں اور نیز خیال تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کی یہ خبر منافقین نے اڑائی ہے اور شہرت دے رہے ہیں۔ جیسے کہ احد کے دن بھی منافقین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر اڑا دی تھی۔ مگر سب جانتے ہیں کہ انہوں نے جھوٹ بولا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کے ہو چکنے کی خبر میں احد کے دن کی طرح موت کی خبر اڑانے میں اشتباہ ہو رہا ہے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ امام احمد رحمہ اللہ کے حوالہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ بیان ذکر کرتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑا اوڑھایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت مغیرہ بن شعبہ نے مجھ سے اندر آنے کی اجازت چاہی اور تشریف لائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نگاہ ڈالی اور فرمایا ''واغشیتاہ'' وائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غشی۔ پھر دونوں چلے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا تھا تم نے جھوٹ بولا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فوت نہیں ہوں گے جب تک منافقوں کو فنا نہ کریں اور حضرت عباس کو جواب دیتے ہوئے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عروض موت کو منافقوں سے جنگ وغیرہ امور کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بیان فرمایا۔

اور ابن ابی شیبہ ذکر کرتے ہیں ابن عمر فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گزر رہے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہہ رہے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فوت نہیں ہوئے ہیں اور آپ کو اس وقت موت عارض ہوگی کہ منافقوں کو قتل کریں گے اور لوگ یہ سن کر خوش ہو رہے تھے اور اوپر کو سر اٹھاتے تھے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما یہ بھی کہتے ہیں کہ منافقین یہ سن کر مر رہے تھے یہ بھی کہتے ہیں، ہمارے چہروں پر پردہ تھا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے خطبہ نے اس کو ہٹا دیا اور اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس خیال میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اتفاق تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی وفات نہیں پائی ہے۔ لیکن ان کی اکثریت کے باوجود ان کا اجتہاد خطا کار تھا اور یہ ہو سکتا ہے کہ اقلیت کا اجتہاد صواب دید ہو جیسے کہ یہاں ہوا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۱۱۹ باب وفات النبی ومرضہ)

امام احمد اور ابن ابی شیبہ کی مذکورہ روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس وقت کے بعد کپڑے اوڑھے دیکھا تھا جب آپ کو حضور ﷺ کی موت کی خبر پہنچ چکی تھی اور فرمایا یہ غشی ہے موت نہیں ہے اور اس کہنے میں ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ تھے اور دوسرے اکثر صحابہ کو یہ خیال ہو رہا تھا اور حضور ﷺ کی طویل خاموشی اور غیر معمولی حواس ظاہرہ کے تعطل کو سب جانتے تھے۔ مگر اس جاننے کے باوجود بھی اس طویل تعطل کو موت نہیں کہا بلکہ غشی کہا۔ اس لئے کہ ان کے خیال میں موت کی حقیقت کچھ اس سے زائد تھی اور حضور ﷺ کی موت کا ان کو یقین تھا مگر کسی دوسرے وقت پر اس کو ملتوی سمجھتے تھے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے جوابی خطبہ میں یہ سمجھا دیا کہ اس طرح ظاہر کا تعطل موت کی حقیقت ہے اور اسی حجاب نے ان کے چہروں کو ڈھانپا تھا کہ وہ دیکھ رہے تھے۔ مگر سوچا سمجھا نہیں تھا اور اس حجاب کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اٹھا دیا۔

اس لئے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے خطبہ میں اس سے زائد اور کوئی چیز مذکور نہیں ہے کہ قرآن شریف کی آیات میں حضور ﷺ کو موت کے عارض ہونے کا امکان اور موت کے آنے کی خبر ہے اور اس طرح کے تعطل کی بنیاد پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی موت کے واقع ہونے کا اظہار فرمایا اور جس خیال کی بنا پر اس وقت کے تعطل کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی موت واقع ہونے کا انکار فرماتے تھے۔ آل عمران کی آیت میں اس کا رد مذکور ہے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس کو بیان فرمایا۔ مگر اس میں بھی تعطل کے سوا کسی زائد چیز کو موت کہنے کا بیان نہیں ہے۔ آگے اس کی تفصیل کروں گا۔

محب طبری رحمہ اللہ ذکر کرتے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: حضور ﷺ میرے سینے سے تکیہ لگائے ہوئے تھے۔ دفعۃً میری طرف ایسی نظر سے دیکھا جیسے کہ گھر والوں سے کوئی چیز مانگتے وقت نگاہ کی جاتی ہے۔ حضور ﷺ نے میری طرف دیکھا اور میرے سینہ سے ایک طرف کو مائل ہو گئے۔ مجھے خیال ہوا کہ حضور ﷺ کو غشی ہو گئی اور میں نے کپڑا اوڑھا دیا۔ اتنے میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور مجھ سے پوچھا بیٹی حضور ﷺ کا کیا حال ہے۔ میں نے حال بیان کرتے ہوئے کہا میں نہیں جانتی کہ غشی ہے یا قبض کئے گئے ہیں اور فرماتی ہیں کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے دونوں نورانی آنکھوں کے درمیان اپنا منہ رکھا اور اپنے دونوں ہاتوں کو حضور ﷺ کے صدغین دونوں آنکھوں اور کانوں کے درمیان رکھا اور فرمایا: ''وانبیاہ واخلیلاہ الخ'' (ج اول ص ۹۸)

اور فرماتی ہیں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ صدیق تشریف لائے اور حضور ﷺ کے چہرہ سے کپڑا اٹھایا اور حضور ﷺ کے مقدس منہ پر اپنا منہ رکھا اور حضور ﷺ کی خوشبو سونگی۔ پھر آپ نے کپڑا اوڑھایا اور ہماری طرف توجہ فرمائی اور مذکورہ خطبہ پڑھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ابو بکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا حضور ﷺ فوت ہو گئے؟ آپ نے فرمایا: ہاں!

(الریاض النضرۃ لحب الطبری ج اول ص ۹۶)

غرض یہ کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بھی حضور ﷺ کی اس حالت کے متعلق خیال تھا کہ وہ غشی ہے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ سے جب سنا کہ یہ غشی ہے یا قبض ہے تو آپ نے اس تجسس اور تحقیق کی طرف پوری توجہ کی اور جس قدر غشی اور قبض کے سمجھنے کے لئے آپ کے امکان میں تھا اس قدر پوری توجہ سے غور اور تحقیق کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ غشی نہیں ہے بلکہ قبض ہے۔ موت کے قرائن اور علامات کے ٹٹولنے کے بعد حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جتلایا کہ حضور ﷺ نے وفات پائی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ابو بکر رضی اللہ عنہ کے آنے سے پیشتر حضور ﷺ کو کپڑا اوڑھے

پڑے دیکھا تھا۔ مگر رسالت مآب فداہ ابی و امی ﷺ کے خیال مفارقت کے حزن سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر حال غالب آیا اور غلبہ حال میں غشی اور قبض میں فرق کرنے والے قرائن اور نشانات کی طرف توجہ نہیں کی ہے اور مفارقت نبوت نا قابل برداشت صدمہ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بعض جزئی خصائص کی بناء پر لاحق ہوسکتا تھا ایسا نہ تھا کہ عمر رضی اللہ عنہ ہوش وحواس اور دانشمندانہ حوصلہ پر قائم رہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلبہ حال سے مجبور ہونے پر تعجب نہ کیا جائے۔

چنانچہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: واز انجملہ آنست کہ فاروق درموت آنحضرت شک کردہ باید دانست کہ قصہ دلالت میکند بر آنکہ فاروق میدانست کہ موت بر آنحضرت شدنی است پس مخالف آیہ ''انک میت وانھم میتون'' اعتقاد نہ کردہ بود۔ لیکن گمان میکرد کہ آنچہ واقعہ شدہ است موت نیست بلکہ تعطیل حواس ظاہر است بسبب انتقال بامر باطن۔ چنانکہ دراثناء وحی واقع میشد وشک درآنکہ ایں واقع موت است یا غشی مصادم، ہیچ نص نبود بلکہ راجع بقلت تتبع قرائن است بسبب اشتغال قلب بحزن ومعنی قول ردکانی لم اسمعہا ایںست کہ استماع ایں آیت مائل گردانید اوراب تتبع قرائن وپیش ازیں میلان باں نداشت۔'' (قرۃ العینین ص ۲۷۰)

حضرت شاہ صاحب حیات وموت کی کسی قسم کی بحث میں یہ نہیں لکھتے بلکہ ایک سوال ہے۔ اس کے جواب میں حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف سے دفاع کرتے ہیں اور غرض یہ ہے کہ حضور ﷺ کے اس موجودہ حال میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شک تھا کہ وہ غشی ہے یا موت اور اس حال کے غشی یا موت کے متعلق کوئی نص نہیں تھا کہ اس حال میں غشی یا موت میں شک اس نص کے مزاحم ہوا ہے۔ بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ خیال کرتے تھے کہ جیسے وحی کے حال میں انتقال بامر باطن کی وجہ سے حواس ظاہرہ معطل ہوجاتے تھے۔ اسی طرح اس حال میں ابھی امر باطن کے انتقال نے حضور ﷺ کے ظاہر اور ظاہری حواس کو معطل کر دیا ہے اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اگر موت کے قرائن کو ٹٹولتے اور سوچتے جیسا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے غور کیا تھا تو آپ کو غشی اور موت میں فرق معلوم ہوجاتا اور شک میں نہ پڑتے۔ لیکن حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا قلب حزن کی گہرائیوں میں پڑ چکا تھا۔ اس لئے موت کے قرائن کی تلاش اور کوشش کی طرف توجہ نہیں کی اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے خطبہ میں آیت مذکورہ نے آپ کو اس طرف متوجہ کر دیا۔ اس حال سے پہلے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کو ظاہر کے تعطل کے حال میں دیکھا تھا اور اس سے یہاں بھی اشتباہ ہوگیا۔

بخاری اور مسلم نے کتاب الحج میں صفوان بن یعلیٰ کے طریقہ سے روایت کیا ہے کہ یعلیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مجھے حضور ﷺ اس حالت میں دکھا دیجئے کہ آپ پر وحی نازل ہورہی ہو۔ حضور ﷺ کا قیام جعرانہ میں تھا کہ ایک شخص آپ کے پاس آیا اور اس نے کہا اے اللہ کے رسول کیا ارشاد ہے۔ جس نے عمرہ کا احرام باندھا ہو اور وہ خوشبو سے تر ہو۔ حضور ﷺ نے کچھ دیر سکوت فرمایا پھر آپ پر وحی آئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یعلیٰ کی طرف اشارہ کیا۔ یعلیٰ آئے اور حضور ﷺ کے اوپر ایک کپڑا تنا ہوا تھا جس سے آپ پر سایہ کیا گیا تھا۔ یعلیٰ نے اپنا سر اس کپڑے کے اندر ڈالا کیا دیکھا کہ رسول خدا ﷺ کا مبارک چہرہ سرخ ہے اور آپ لمبی لمبی سانس لے رہے ہیں۔ پھر وہ حالت آپ سے زائل ہوگئی۔ آہ

وحی کی حالت میں آلات جسدانیہ بالکل معطل ہوجاتے تھے اور صرف روحی قوتوں اور قلبی حواس سے کام لینا ہوتا تھا دل کے کانوں سے وحی کی آواز سنتے تھے اور دل کی الٰہی قوتوں سے علوم کی تلقی کرتے تھے اور محفوظ کرتے تھے۔ اس لئے اس حالت میں وحی کی سی حالت کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو غشی اور موت میں اشتباہ ہوجانا کچھ تعجب کی بات

نہیں اور خصوصاً جب والہانہ وارفتگی اور غلبہ حال کا تاثر ہے۔ آپ نے پڑھ لیا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خاموش ہو جانے اور بیٹھ جانے کو فرمایا۔ مگر آپ نے خاموش ہو جانے اور بیٹھ جانے سے انکار فرمایا۔ کیا عمر رضی اللہ عنہ اپنے مزاج میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ارشاد کی تعمیل میں تامل اور انکار کرتے ہیں۔ یہ غلبہ حال نہیں تو اور کیا ہے۔

بخاری رحمہ اللہ باب حملی من الزنا میں ذکر کرتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایک بات میں نے سوچ رکھی تھی جو مجھ کو بہت ہی اچھی معلوم ہو رہی تھی۔ میں نے بولنا چاہا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے خاموش ہونے کو کہا۔ میں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ناراض کرنا مناسب نہ سمجھا میں خاموش ہو گیا۔ پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے گفتگو کی۔ (بخاری)

عمر رضی اللہ عنہ کا اصل مزاج یہ ہے جب کہ اپنے حال پر ہے اور صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کیا جناب فاطمۃ الزہراء کو دیکھئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے۔ حضرت فاطمۃ الزہراء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد روتی اور کہتی تھی۔ ہائے میرے ابا تو نے اپنے رب کے بلانے پر لبیک کہا۔ ہائے میرے ابا ہم جبرائیل کو آپ کی وفات کی خبر سناتے ہیں اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم دفنائے گئے تو حضرت فاطمۃ الزہراء نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو فرمایا کیا تم لوگوں کو یہ برداشت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی پر مٹی ڈالو۔ حال کا غلبہ ہے اور بے بسی بے اختیاری مجبوری کی باتیں ہیں اور یہی وجہ ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کسی قسم کی ادنیٰ سرزنش بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں کی ہے۔ بلکہ معذور فرمایا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس وقت کے خطبہ کو بھی نفع بخش بتلایا ہے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے خطبہ کا اہم حصہ

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس خطبہ میں ابتدائی حصہ یہ مذکور ہے اس اللہ کی قسم ہے جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتوں کو کبھی جمع نہ کرے گا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کی شرح میں مختلف باتیں کہی گئیں ہیں۔ ہمیں ان کے نقل کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ البتہ اس پر غور کرنے کے لئے اس کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس خیال کی تردید کے لئے کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودہ حالت موت نہیں ہے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یہ خطبہ فرما رہے ہیں اور جس حقیقت واقعی کو آپ ظاہر فرمانا چاہتے ہیں وہ اس قدر ہے کہ اس وقت کی حالت موت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک موت اور دو موت کا سوال اس وقت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سامنے نہیں تھا۔ اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک موت کا انکار اور دو موتوں کا اعتراف نہیں تھا اور نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خیال کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو موتیں جمع نہیں ہو سکتی تھیں۔

جس حالت کی تشخیص کے لئے یہ خطبہ دیا گیا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کو تسلیم نہیں کرتے تھے بلکہ امام احمد کی مذکورہ روایت کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو غشی فرمایا ہے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک اور حکم کا اضافہ کرنا چاہا اور کسی سوال اور کسی کے رد کے خیال کئے بغیر یہ بتانا چاہا ہے کہ اس دنیا کی اس موت کے بعد دوسرے عالم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حال دوسرے اموات کی طرح نہیں ہے کہ ان کی طرح قبر میں حضور کو بھی دوسری بار موت آئے گی۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت بس ایک موت ہے جو تمہارے سامنے ہے۔ عام اموات کی طرح دوسری موت آپ کے لئے ہرگز نہیں ہے اور اس موت کے بعد دوسرے عالم میں آپ کی حیات دائمی اور مستمر ہے اور اس لئے بخاری کے کتاب المغازی باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں اور کتاب الجنائز میں آپ کا یہ ارشاد اس فرمانے کے بعد متصل مذکور ہے۔ جو موت آپ کے لئے لکھی گئی تھی وہ آپ کو پیش آ چکی۔

چنانچہ علامہ عینی کہتے ہیں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد میں دو موتوں سے مراد، ایک دنیا کی موت اور دوسری قبر کی موت ہے اور یہ دو موتیں اہل اسلام میں اور اسلامی علوم میں معروف اور مشہور ہیں۔ اس لئے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ارشاد میں معرفہ ذکر کیا گیا۔ یہ دو موتیں دنیا کی موت اور قبر کی موت انبیاء علیہم السلام کے سوا ہر انسان کو پیش آتی ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کو ان کی قبروں میں موت پیش نہیں آئے گی بلکہ وہ زندہ رہتے ہیں اور عام لوگ زندہ کئے جانے کے بعد اور فرشتہ کے سوال و جواب کے بعد پھر مرتے ہیں۔ پھر قیامت کے دن زندہ کئے جائیں گے۔ اہل السنۃ والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ سب لوگوں کے لئے انبیاء علیہم السلام کے علاوہ قبر میں حیات اور موت دونوں ہیں۔ البتہ معتزلہ اور ان کی قسم کے دوسرے لوگ قبر میں حیات کا انکار کرتے ہیں۔ (عمدۃ القاری باب فضل ابی بکر ج ۱۶ ص ۱۸۵)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اہل السنۃ والجماعت قبر میں حیات کے قائل ہیں اور اہل السنۃ والجماعت کی طرف سے قبر میں منکرین حیات کو بہتر جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی دائمی اور ہمیشہ کی زندگی ہے جس کے بعد موت نہیں ہے اور انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور غالباً یہی وجہ ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ارشاد میں ''الموتتین'' معرف باللام ذکر کیا گیا کہ یہ دونوں موتیں ایک دنیا کی اور دوسری قبر کی انبیاء علیہم السلام کے علاوہ ہر ایک کے لئے معروف اور مشہور ہیں کہ وارد ہوں گی۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۲۱)

ان حضرات محدثین نے جو اہل اسلام اور ارباب علم میں معروف اور باتامل مقبول ہیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے خطبہ میں مذکورہ ارشاد کے یہ معنی مراد متعین کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو دنیا میں موت آنی تھی وہ آچکی اور آئندہ برزخ میں آپ ہمیشہ اور متصل حیات میں زندہ ہیں اور ان حضرات نے یہ بھی بتلا دیا ہے کہ اہل سنت والجماعۃ کا مسلک بھی یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں دائمی حیات میں زندہ ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ خطبہ منکرین حیات کے خلاف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی حیات کا اعلان کرتا ہے اور اس خطبہ سے ہرگز ہرگز منکرین حیات کے اس نظریہ کی تصدیق یا تائید نہیں ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں بے جان مردہ پڑے ہیں یا آپ کی روح کو آپ کے جسد سے اس قدر تعلق ہے جیسا کہ عام اموات کے اجسام کے ساتھ ان کے ارواح کو نعیم یا عذاب کے لئے تعلق ہوتا ہے جیسا کہ پہلے اوراق میں بالتفصیل یہ بیان مذکور ہوا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم رسالت مآب کے حقیقی حیات کے انکار کرنے والے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مذکورہ خطبہ بے جا اور غلط مطلب کے لئے استعمال کرتے اور پڑھ کر سناتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ آرامگاہ نبوت میں جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی حیات کا انکار کرتے ہیں وہ لوگ بقول ان حضرات حفاظ حدیث اہل السنۃ والجماعت کے مسلک سے الگ معتزلہ سے رشتہ ناتا جوڑ رہے ہیں۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے استدلال کا مفہوم

بخاری رحمہ اللہ کتاب المغازی اور کتاب الجنائز میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے خطبہ میں سورۃ آل عمران کی آیت ''وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم'' (آل عمران: ۱۴۴) سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تقریر وانکار کے جواب میں استدلال کرنا مذکور ہے۔ اگرچہ اس آیت کے ساتھ دوسری آیت ''انک میت وانهم میتون'' کو بھی بخاری رحمہ اللہ نے کتاب المناقب میں ذکر کیا ہے۔ مگر اس کا انکار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں تھا اور نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تقریر وانکار کی اس سے تردید ہو سکتی ہے۔ اس لئے کہ اس آیت میں صرف

موت کے آنے کی خبر ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کا اعتراف کرتے تھے۔ البتہ سورۃ آل عمران کی آیت میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا استدلال اور انکار کا رد پورا ہوتا ہے۔ میں آگے اس کو واضح کروں گا۔

اس وقت سورۃ آل عمران کی آیت پر غور کیجئے کہ اس کا اصل مقصد کیا ہے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سورۃ آل عمران کی آیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کے واقع ہوچکنے پر استدلال نہیں کیا ہے اور نہ کسی دوسرے صحابی نے اس آیت سے یہ سمجھا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت واقع ہوچکی ہے اور نہ آیت کا یہ مفہوم ہے کہ اس کے نزول کے وقت یا اس کے نزول سے پیشتر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت ہوگئی تھی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت کے موجودہ حالت سے جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ تقریر فرما رہے تھے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خطبہ دینے کی ضرورت پڑی۔ سات سال پیشتر یہ آیت نازل ہوچکی تھی۔ اگر آیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کے واقع ہوچکنے کی خبر دیتی تھی تو اس صورت حال سے سات سال پیشتر یہ سمجھ لیا جاتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی ہے اور یہ سراسر خلاف واقع ہے اور اگر ایسا ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ہرگز اس کا انکار نہ فرماتے۔

اس آیت کے معنی صرف اس قدر ہے کہ نزول آیت کے وقت پیغمبرانہ دعوت کو قبول کرنے والے موجودہ حضرات صحابہ کو جو اس آیت کے اوّلین مخاطب تھے یہ ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رسالت مآب سے پہلے بہت رسول ہوچکے ہیں۔ اپنی قوموں متبعین کو چھوڑ کر گزر گئے، چلے گئے ہیں۔ مگر ان کا دیا ہوا دین باقی رہا اور ان کے متبعین اس پر قائم رہے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات پاجائیں یا مارے جائیں جیسے کہ احد کے دن یہ خبر مشہور کی گئی تھی تو کیا تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے۔ تمہیں ایسا نہ کرنا چاہئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس وقت کے موجودہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے الٹے پاؤں پھر جانے پر اس آیت میں انکار اور تغلیظ وزجر ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر استقامت کی ترغیب اور تائید ہے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے خداداد فہم وبصیرت کی امتیازی حسن وفضیلت ہے کہ اس آیت میں قرآن شریف کے معجزانہ شان کا یہ بلیغ اشارہ سمجھا رہے ہیں کہ جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد دین پر ثبات واستقامت کے لئے کہا گیا ہے اور دین سے الٹے پاؤں پھر جانے پر تغلیظ وانکار کیا گیا وہ حضرات صحابہ ہیں۔ جنہوں نے دین نبوی کو قبول کیا تھا۔ ان کی زندگی میں ان کی موجودگی میں یہ ہوسکتا ہے کہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی موت واقعہ ہوجائے یا آپ شہید کئے جائیں۔ اگر اس آیت کے اوّلین مخاطب حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی حیات اور موجودگی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی ہے تو وہ اس آیت کے بیان کا مقصد اور منشاء ہے۔ ایسے وقت میں جب کہ آیت کے اوّلین مخاطب زندہ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا انکار کرنا اور اپنی زندگی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے انکار کے لئے عذر بنانا اس آیت کے مفہوم اور معنی کے خلاف ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی وفات سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوچکنے کے متعلق جو خلجان تھا جس کو میں عنقریب ذکر کروں گا۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جب اس آیت کی اس موقعہ پر تلاوت کی اور اس اجتماع میں اعلان فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت واقع ہوچکی ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس آیت کے مفہوم سے خلجان رفع ہوگیا اور حقیقت حال کا یقین ہوا اور اس یقین سے اس قدر آپ کو صدمہ پہنچا کہ کھڑے نہ رہ سکے اور زمین پر گر پڑے۔

سید آلوسی رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس آیت سے غفلت ہوگئی تھی اور فرمایا تھا کہ منافقین یہ گمان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوگئے ہیں۔ اللہ کی قسم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت واقع نہیں ہوئی ہے۔ وہ اپنے رب کے پاس گئے ہیں۔ جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رب کے پاس گئے تھے

اور چالیس رات الگ رہے اور پھر واپس آ گئے۔ اسی طرح حضور ﷺ ضرور واپس آئیں گے اور ان منافقوں کے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے جنہوں نے خیال کیا ہے کہ حضور ﷺ کی وفات ہوگئی ہے۔ (روح المعانی ج ۴ ص ۶۶)

میں سمجھتا ہوں کہ صدیق اکبر ﷛ کے اس خطبہ میں کوئی ایک فقرہ بھی ایسا نہیں۔ جس سے منکرین حیات نبوت کے اس فکر و اعتقاد کی تائید ہوسکتی ہے کہ آرام گاہ نبوت میں نعوذ باللہ حضور ﷺ کا مقدس جسد بے جان مردہ پڑا ہے یا حضور ﷺ کے جسد سے حضور ﷺ کی روح کو صرف اس قدر تعلق ہے جتنا کہ عام اموات کے اجسام کے ساتھ ان کی روح کو نعیم و عذاب وغیرہ کے لئے ہوتا ہے۔ جس کو یہ صاحبان برزخی اور روحانی حیات کہتے ہیں ہیں۔ بلکہ صدیق اکبر ﷛ کے خطبہ میں یہ ارشاد صدیقی کہ عام اموات کی طرح قبر میں پہلی موت کے بعد دوسری موت کے آنے سے اللہ تعالیٰ آپ پر اس پہلی اور موجودہ موت کے بعد قبر میں دوسری موت کے آنے میں دو موتوں کو جمع نہیں کرے گا۔ اہل السنۃ والجماعت اور معتقدین حیات نبوی کی اس مسلک کی تصدیق و تصویب کرتا ہے کہ حضور ﷺ رسالت مآب کی صرف حیات کا نہیں بلکہ حیات سے زائد افعال حیات نماز، حج، تلاوت وغیرہ اور ان کی زیارت کے وقت ان سے شفاعت کی درخواست کرنے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔

انبیاء کا قبروں میں مرزوق ہونا، نماز پڑھنا اور حج کے لئے قبروں سے نکل کر جانا صحیح حدیثوں میں مذکور ہے اور زیارت کے وقت انبیاء سے سلام کا جواب سننا، استغاثہ اور شفاعت کی درخواست کرنا، امت مسلمہ کے معروف اور مقبول محدثین اور فقہاء نے لکھا ہے۔

ابراہیم بن بشار فرماتے ہیں: میں حج کرنے کے بعد مدینہ منورہ آیا اور آرام گاہ نبوت پر حاضر ہو کر حضور ﷺ کو سلام کہا۔ میں نے حجرہ کے اندر سے سنا وعلیک السلام اس طرح اولیاء و صلحاء کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے۔ (وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۳۵۳)

محمد بن المنکدر فرماتے ہیں: میرے باپ کو کسی آدمی نے اسی دینار امانت دیئے اور ضرورت کے وقت اس نے خرچ کرنے کی اجازت دی تھی۔ میرے والد نے اس کو کہا کل آیئے اور میرے والد آرام گاہ سے مسجد میں تمام رات بار بار استغاثہ کرتے تھے۔ اسی حال اندھیرے میں ایک صاحب نے مجھ سے کہا ہاتھ بڑھاؤ۔ میں نے ہاتھ بڑھایا اور ایک تھیلی مجھے دی گئی جس میں اسی اشرفیاں تھیں۔

امام ابوبکر بن المقری فرماتے ہیں کہ میں اور طبرانی اور ابوالشیخ حرم مدینہ میں کئی دن سے بھوکے تھے۔ عشاء کے وقت میں آرام گاہ نبوت پر حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ بھوک ہے اور ابوالقاسم نے کہا بیٹھ جاؤ یا رزق ہے یا موت ہے۔ طبرانی بیٹھے رہے اور میں اور ابوالشیخ اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک علوی نے دروازہ کھٹکھٹایا اور اس نے ہمیں بہت کچھ کھانے کو دیا اور جب ہم کھا کر فارغ ہوئے تو اس علوی نے ہم سے کہا حضرات! آپ نے حضور ﷺ سے شکایت کی۔ مجھے حضور ﷺ نے تمہیں کھلانے کا حکم دیا۔

ابوعبداللہ فرماتے ہیں: میں ابھی بالغ نہیں تھا اور اپنے والد کے ساتھ مکہ کے بعد مدینۃ الرسول گیا۔ میں نے اپنے والد سے بار بار کہا میں بھوکا ہوں میرے والد نے حضور ﷺ سے عرض کیا یارسول اللہ! میں رات کو آپ کا مہمان ہوں اور مراقبہ پر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر کے بعد سر اٹھایا، کبھی روتے تھے اور کبھی ہنستے تھے اور بتایا حضور ﷺ نے

میرے ہاتھ میں روپے دے دیئے ہیں اور اپنا ہاتھ کھولا اس میں روپے پڑے ہوئے تھے۔ ہم اس سے خرچ کرتے تھے یہاں تک کہ ہم شیراز پہنچ گئے۔ (وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۳۸۰)

ابی القاسم الصقلی فرماتے ہیں: مجھے ایک ثقہ صاحب نے فرمایا کہ ہم پانچ ماہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر رہے۔ میں نے کہا یا سید الاولین والآخرین ہم بھوکے ہیں اور ضعیف ہیں۔ واپس جانے سے مجبور ہیں۔ ایک صاحب حجرہ مطہرہ میں داخل ہوئے اور کچھ باتیں ان سے کیں اور کہا یا جداہ یا جداہ پھر نکل کر مجھے اپنے ساتھ لے گئے اور کھلایا اور فرمایا آئندہ میرے دادا کو اپنی تکلیف کی شکایت مت کیجیو۔ میرے جد کو تکلیف ہوتی ہے۔ تمہیں کھانا پہنچ جایا کرے گا اور نوکر کو ساتھ کر دیا کہ پاکیزہ حجرہ تک پہنچا دو۔ میں نے راستہ میں سے اس کو واپس کرنا چاہا۔ اس نے انکار کیا اور کہا میں ایسا نہیں کر سکتا۔ حضور ﷺ میرے آقا کو یہ بتلا دیں گے۔ (وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۳۸۴)

حافظ محمد بن موسیٰ حافظ ابا سعید سمعانی سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایات میں ذکر کرتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ حضور ﷺ کے دفنانے کے تین دن بعد ایک اعرابی آیا اور آرام گاہ نبوت پر گر پڑا اور کہا جو آپ نے کہا تھا اس کو ہم نے سنا اور اپنے اللہ سے محفوظ کیا اور ہم نے جو آپ سے یاد رکھا ہے اور آپ پر اترا ہے اس میں یہ ہے ''ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جآؤک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول'' (النساء: ۶۴) میں نے ظلم کیا اور تیرے پاس آیا ہوں میری شفاعت کیجئے۔ آرام گاہ نبوت سے آواز آئی تو بخشا گیا۔

ائمہ کی ایک جماعت نے حضرت عتبیؒ سے ایک اعرابی کی معروف ومشہور حکایت نقل کی ہے۔ ابن عساکر اور ابن الجوزی بھی روایت کرتے ہیں۔ محمد بن حرب ہلالی فرماتے ہیں: میں مدینہ منورہ میں آرام گاہ نبوت کے سامنے بیٹھا ہوا تھا کہ ایک اعرابی آیا اور کہا یا خیر الرسل اللہ نے تجھ پر سچی کتاب اتاری ہے۔ اس میں ارشاد ہے ''ولو انھم اذ ظلموا انفسھم الخ'' میں تیرے پاس آیا ہوں۔ رب سے معافی چاہتا ہوں اور تیری شفاعت چاہتا ہوں۔ پھر وہ چلا گیا۔ میں سو گیا میں نے حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا اور ارشاد فرمایا اس آدمی سے ملو اور کو کہو کہ اللہ نے اس کو میری شفاعت سے معاف کر دیا ہے۔ (وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۳۶۱، تفسیر ابن کثیر)

شیخ ابن ہمام نے کتاب الحج کے آخر میں حضور ﷺ کی زیارت پر بہت مفصل بیان کیا ہے اور آرام گاہ نبوت کے سامنے امور مذکورہ کے علاوہ یہ بھی عرض کیا جائے یا رسول اللہ! میں شفاعت کے لئے سوال کرتا ہوں۔ یہ مذکورہ واقعات اور اس قسم کے بے شمار واقعات برزخ میں اس ذات پاک کی حیات طیبہ کے واقعات ہو سکتے ہیں۔ جس کی حیات دنیا کی حقیقی حیات کے ہمرنگ ہے۔ اس لئے کہ انبیاء کا قبروں میں مرزوق ہونا۔ نماز پڑھنا اور حج کرنا، تلاوت کرنا۔

مذکورہ واقعات اصل حیات نہیں ہے بلکہ ان سے اصل حیات سے زائد افعال اور اعمال حیات کا ثبوت ہوتا ہے اور برزخی روحانی زندگی میں میت میت ہے۔ افعال عباد کی دنیا میں مردہ کا کوئی فعل نہیں ہے اور انبیاء کے یہ مذکورہ افعال ان کے جسد اور جسمانی حیات کے ایسے دلائل اور آثار ہیں جن سے انبیاء کی حیات کی کیفیت کا اظہار ہوتا ہے کہ حضور ﷺ قبر میں سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔ حضور ﷺ سے استغاثہ کیا جاتا ہے اور آپ تدارک فرماتے ہیں۔ آپ سے مانگا جاتا ہے۔ آپ عنایت فرماتے ہیں۔ حضور ﷺ سے شکایت کی جاتی ہے۔ آپ اس پر غور فرماتے اور تدبیر فرماتے ہیں۔ آپ سے شفاعت کی درخواست کی جاتی ہے۔ آپ قبول فرماتے ہیں اور اس کی اطلاع دیتے ہیں۔ یہ دنیاوی اور حقیقی حیات نہیں ہے تو وہ دنیاوی اور حقیقی حیات اور کیسی ہوتی ہے۔

وفات کے دن حضرت عمر ﷜ نے حضور ﷺ کی وفات کا انکار کیوں کیا تھا

خیال ہوسکتا ہے کہ غلبہ حال سے حضرت عمر ﷜ نے معذوری سے حضور ﷺ کی وفات کے دن حضور ﷺ کی وفات کا انکار کیا تھا۔ لیکن یہ بھی خیال ہوسکتا ہے کہ فوری طور پر تاثر میں خیال کا پیدا ہوجانا ممکن تو ہے لیکن اس قدر اصرار کہ کسی کہنے والے کا یہ کہنا بھی کہ حضور ﷺ وفات پاگئے عمر ﷜ کو برداشت نہیں اور اعلان فرماتے ہیں کہ جس نے ایسا کہا اس کا سر قلم کردوں گا اور اس پر مزید یہ کہ حلفیہ اعلان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے وفات نہیں پائی۔ اور جب تک سابق مذکورہ امور نہ ہو پائیں گے رسالت مآب ﷺ کی وفات نہیں ہوگی۔ حضرت عمر ﷜ کے حلفیہ اعلان اور اس درجہ وثوق اور تیقن سے گمان ہوتا ہے کہ یہ خیال حضرت عمر ﷜ کو کسی قطعی بنیاد پر قائم ہوا تھا اور پہلے سے قائم ہوا تھا اور اس کا منشاء تھا ضرور تھا خواہ اس کے سمجھنے میں حضرت عمر ﷜ سے اجتہادی لغزش ہوئی ہے۔ مگر وہ منشاء فی نفسہ یقینی اور قطعی تھا۔

واقعہ بھی یہی ہے ایسا ہوا ہے۔ امام بخاری کتاب الاحکام باب الاستخلاف میں حضرت انس ﷜ کا بیان ذکر کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کی وفات کے دوسرے دن کا واقعہ ہے کہ حضرت عمر ﷜ منبر پر بیٹھ گئے۔ حضرت عمر ﷜ نے خطبہ پڑھا اور حضرت ابوبکر خاموش بیٹھے تھے۔ حضرت عمر ﷜ نے فرمایا مجھے توقع تھی کہ حضور ﷺ زندہ رہیں گے اور ہم پہلے اور حضور ﷺ ہمارے بعد فوت ہوں گے اور عقیل عن ابن شہاب کی روایت میں یہ ہے کہ کل جو میں نے کہا تھا کہ حضور ﷺ کی وفات نہیں ہوئی ہے۔ وہ ایسا نہیں تھا جیسے کہ میں نے کہا تھا۔ اللہ کی قسم! جو میں نے کہا نہ وہ قرآن شریف میں ایسا پاتا ہوں اور نہ مجھے حضور ﷺ نے کبھی ایسا فرمایا تھا۔ لیکن میں ایسی توقع کرتا تھا کہ ہم پہلے اور حضور ﷺ ہمارے بعد فوت ہوں گے اور چونکہ میں نے اپنی توقع کے خلاف اپنی زندگی میں حضور ﷺ کی وفات کی خبر سنی اور کچھ طبعی حزن اور مفارقت نبوی کا صدمہ تھا۔ مجھے زیادہ تأمل اور سوچ کا موقعہ نہیں ملا۔

چونکہ ابن اسحاق نے اس اعتذار کا حضرت عمر ﷜ کی زبان سے وضاحت اور تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ اس لئے میں اس کو بھی ابن عباس ﷜ کے ذکر سے نقل کرنا چاہتا ہوں۔ ابن اسحاق کہتے ہیں "حدثنی حسین بن عبداللہ عن عکرمۃ عن ابن عباس" ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضرت عمر ﷜ کے عہد خلافت میں حضرت عمر ﷜ کی کسی ضرورت سے میں آپ کے ساتھ جارہا تھا۔ ہم دونوں کے ساتھ کوئی تیسرا نہیں تھا۔ حضرت عمر ﷜ کچھ سوچتے ہوئے اپنے جی میں بولتے ہوئے جاتے تھے۔ دفعۃً میری طرف توجہ فرمائی اور فرمایا ابن عباس ﷜ جانتے ہو میں نے حضور ﷺ کی وفات کے جو کچھ کہا تھا کیوں کہا تھا۔ اس کہنے کی وجہ کیا تھی؟ ابن عباس ﷜ نے فرمایا امیر المؤمنین میں نہیں جانتا آپ ہی جانتے ہیں۔ حضرت عمر ﷜ نے فرمایا میرے اس کہنے کی حضور ﷺ کی وفات کے واقع ہوچکنے کا منشاء سورۃ بقرہ کی یہ آیت تھی "وکذالک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا" (البقرۃ: ۱۴۳) اللہ کی قسم میں ضرور یہ گمان کرتا تھا کہ رسالت مآب ﷺ امت میں باقی اور زندہ رہیں گے۔ یہاں تک کہ امت کے آخری اعمال پر شہادت دیں گے۔ اس گمان نے اس کہنے پر مجبور کیا تھا۔ (سیرت ابن ہشام ج ۴ ص ۱۴۰۳، اعتذار عمر لمقالتہ یوم وفاۃ النبی ﷺ)

غرض یہ کہ آیت میں امت پر حضور ﷺ کی شہادت مذکور ہے اور آیت میں اولین مخاطب اور اولین امت وہی حضرات صحابہ ﷢ ہیں جو نزول آیت کے وقت موجود اور آیت میں مخاطب ہیں۔ اس لئے مجھے گمان ہوتا تھا کہ ہمارے آخری اعمال کو رسالت مآب ﷺ ضرور دیکھیں گے۔ اس لئے کہ آپ اگلے اور پچھلے تمام اعمال امت

پر گواہی دیں گے اور اس کے لئے ضروری تھا کہ یہ امت آپ سے پہلے فوت ہوگی اور رسالت مآب ﷺ امت کی وفات کے بعد فوت ہوں گے۔ حضرت عمر ﷜ کی زبان سے وفات کے دن حضور ﷺ کی وفات کا انکار کرنا اس مذکورہ اعتذار کی وجہ سے تھا اور مذکورہ آیت کو حضرت عمر ﷜ اس خیال کا منشاء سمجھ رہے تھے۔

حضرت صدیق اکبر ﷜ نے جوابی خطبہ میں یہ بتلانا چاہا کہ اس دن کی صورت حال سے بہت پیشتر جنگ احد کے بارے میں جو آیات اتری ہیں ان میں وہی آیت جو اس حقیقت پر روشنی ڈال رہی تھی۔ صدیق اکبر ﷜ نے استدلال پیش کیا ہے کہ حضور ﷺ کی وفات تمہاری وفات سے پہلے ہوسکتی ہے۔ اگر ایسا ہوجائے تو تم دین پر مستقل اور ثابت قدم رہو۔ حضرت عمر ﷜ کو مذکورہ آیت کے غیر مراد معنی کے سمجھنے کا احساس پیدا ہوا، اور حضرت صدیق اکبر ﷜ کے ارشاد پر تسلی ہوگئی کہ تقدیر الٰہی پوری ہوگئی ہے اور سمجھا گیا اگر رسول ﷺ کی شہادت دینے کے لئے حضور ﷺ کی حیات اور موجودگی ضروری ہے تو اس آیت میں دوسرے لوگوں پر امت کی شہادت بھی مذکور ہے تو پھر امت کی حیات اور موجود ہونا بھی دوسرے لوگوں کی حیات اور موجودگی میں ضرور ہونا چاہئے تھا۔

شہادت کے لئے علم اور عدل ضروری ہے، حضور ﷺ کے علم وعدل میں شک نہیں۔ اس لئے کہ رسول کا رسول ہونا ہی علم وعدل کی شہادت اور ضامن ہے اور امت کے عدل کی قرآن شریف تصدیق کرتا ہے۔ حضور ﷺ کو امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔ ہر برے بھلے جانتے ہیں، اچھے اعمال پر خوش ہوتے ہیں اور برے اعمال پر استغفار کرتے ہیں اور اگلوں کے تمام واقعات حضور ﷺ سے سنے گئے اور جانے گئے ہیں۔ حضور ﷺ کو ان کے معلوم ہونے میں کیا شک۔ امت نے حضور ﷺ سے سب کچھ سن لیا ہے اور اللہ کی کتاب سے سمجھ لیا ہے اور اس قدر شہادت کے لئے کافی ہے۔

حضرات شیخین کا عندیہ حیات

صدیق اکبر ﷜ کا خطبہ آپ نے پڑھ لیا ہے کہ حضرت صدیق اکبر ﷜ کا خطبہ جس مقصد کے لئے تھا اس کے شروع کرنے سے پہلے آپ نے یہ فرمایا ہے۔ آپ پر اللہ تعالیٰ دو موتوں کو جمع نہیں کرے گا اور اس ارشاد میں صدیق اکبر ﷜ کا جو ارادہ تھا وہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ صدیق اکبر ﷜ اس ارشاد میں یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ عام اموات کو قبر میں جو عارضی کچھ وقفہ کے لئے حیات دی گئی ہے اور اس کے بعد ان کو موت دی جاتی ہے اور حشر کے دن نفخہ ثانیہ کے بعد ان کو جسمانی اور دنیا کی حیات جیسی زندگی دی جائے گی اور عام اموات کو اس عارضی حیات کے بعد جو دوسری موت دی گئی ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے بھی نعیم وعذاب کے لئے اموات کی برزخی اور روحانی زندگی کا سلف صالح نے اعتراف کیا ہے اور صحیح احادیث میں ان کی ایسی زندگی کی تصریحات ہیں اور حضور ﷺ سے خصوصیت کے ساتھ اس دوسری موت کا قبر میں نفی کرنے میں صدیق اکبر ﷜ یہ اعلان فرماتے ہیں کہ حضور رسالت مآب ﷺ کی مستمر حیات کا وقت برزخ میں داخل ہونے کی ابتداء سے ہوتا ہے اور یہ حیات اس پہلی موت سے قبل دنیاوی حیات کا ہمرنگ برزخ میں دنیاوی زندگی ہے اور جس طرح عام اموات کی جسمانی اور دنیاوی زندگی قبر میں دوسری موت کے بعد نفخہ ثانیہ کے ساتھ شروع ہوتی ہے "فاذاھم من الاجداث الی ربھم ینسلون" پھر تبھی وہ قبروں سے اپنے رب کی طرف پھیل پڑیں گے۔ (یٰسین:۵۱)

اسی طرح حضور ﷺ کی جسمانی اور دنیاوی زندگی اس پہلی موت کے بعد شروع ہوگی اور نفخہ اولیٰ تک قائم اور دائم رہے گی اور نفخہ ثانیہ کے ساتھ جب عام اموات قبروں سے زندہ ہوکر اٹھیں گے۔ اس وقت حضور ﷺ کو غشی

سے افاقہ ہوگا۔ چونکہ غشی اور غشی سے افاقہ تقاضا کرتا ہے کہ اس سے پہلے جسمانی زندگی تھی تو اس کے معنی یہ ہیں کہ برزخ کی ابتداء سے قیامت کے دن تک حضور ﷺ رسالت مآب کی حیات کے استمرار اور دوام کا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اعلان فرمایا ہے اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ اعلان سنا ہے اور خاموش رہے۔ کسی نے بھی اس کی مخالفت نہیں کی۔

لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس اعلان کرنے میں صحابہ کو پورا اتفاق ہے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی اس پہلی موت کے متصل برزخ کی ابتداء سے قیامت کے دن تک حضور ﷺ کی جسمانی حیات کے استمرار اور دوام کے اعلان کو اس درجہ اہم سمجھتے تھے کہ حضور ﷺ کی جسمانی اور دنیاوی موت کے ذکر کرنے سے پیشتر اس کی ضد جسمانی اور دنیاوی حیات کا قیامت کے دن تک کے امتداد کو بیان فرمایا اور اہل السنۃ والجماعت کا مسلک بھی یہی ہے کہ اس پہلی دنیاوی موت کے بعد قیامت تک حضور ﷺ کی جسمانی حیات پھیلی ہوئی ہے۔

چنانچہ حافظ شمس الدین محمد بن عبدالرحمن سخاوی شافعی متوفی ۹۰۲ھ کہتے ہیں بیہقی نے جواب دیا اور اس کا حاصل یہ ہے: اللہ تعالیٰ نے میری روح کو مجھ پر لوٹا دیا ہے۔ یعنی حضور ﷺ اس کے بعد جب فوت ہو گئے اور دفنائے گئے تو اللہ تعالیٰ نے اسی وقت آپ کی روح آپ کو واپس کر دی ہے تا کہ جو آپ پر سلام پڑھے اس کو جواب عنایت فرمائیں اور حضور ﷺ کی مقدس روح ہمیشہ آپ کے پاکیزہ جسم میں ہے نہ یہ کہ وہ کبھی جسم میں آتی ہے اور کبھی جسم سے جاتی ہے۔ (القول البدیع ص ۱۲۷)

حافظ سخاوی رحمہ اللہ کی یہ بحث اس حدیث میں ہے جس میں یہ ارشاد ہوا ہے کہ جو حضور ﷺ پر سلام پڑھتا ہے تو حضور ﷺ اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ اس لئے روح کے لوٹانے کا سبب سلام کا جواب دینا متعین فرمایا ہے۔ ورنہ دوسرے امور بھی حضور ﷺ کی جسمانی حیات کی شہادت دیتے ہیں۔

باب رابع کے اس حدیث کے فوائد پر حافظ سخاوی تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ہم ان مذکورہ حدیثوں کے یہ نتائج سمجھتے ہیں کہ حضور رسالت مآب ﷺ کی برزخ میں زندگی دائمی اور جسمانی ہے اور یہ اس لئے کہ عادۃً یہ محال ہے کہ کوئی وقت بھی ایسا گزر جائے۔ جس میں کوئی ایک بھی رات دن میں حضور ﷺ پر سلام نہ پڑھے۔ ہم ایمان لائے ہیں۔ صحیح اور سچ سمجھتے ہیں کہ حضور ﷺ زندہ ہیں اور قبر میں آپ کو رزق ملتا ہے اور حضور ﷺ کے جسد شریف کو ہرگز زمین نہیں کھائے گی اور اس پر اجماع ہے۔ (القول البدیع ص ۱۳۵)

سلام کا جواب دینا اصل حیات سے زائد مقصد حیات اور فعل حیات ہے اور صرف برزخی اور روحانی زندگی میں میت کا کوئی فعل متصور نہیں ہے اور نیز رزق کھانا پینا جسم کی ضروریات اور لوازمات سے ہے اور حیات کا فعل اور مقصد حیات ہے۔ نفس حیات سے زائد ہے۔ اس لئے حافظ کے حسب ارشاد ہم یہ سمجھتے ہیں کہ محدثین کو حضرت رسالت مآب ﷺ کی جسمانی حیات کے دوام اور برزخ میں اتصال کے وقت سے استمرار پر اجماع ہے۔

اب جو شخص محدثین امت اور پاسبانان علوم نبویہ کے خلاف قبر میں حضور ﷺ کی جسمانی زندگی کا انکار اور قبر میں شریف ترین جسد نبوی کو مردہ اور بے جان سمجھتے ہیں ان کی مرضی ہے۔ ورنہ عہد صحابہ رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک کوئی فقیہ النفس صاحب علم اس قول وانکار کی تائید نہیں کرتا ہے۔ جناب صدیق رضی اللہ عنہ کی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فکر ونظریہ ہے کہ حضور رسالت مآب ﷺ اپنے آرام گاہ میں دنیا کی حیات کی طرح زندہ ہیں اور دنیا کی حیات میں آپ کی آواز پر آواز بلند کرنا اس قدر جرم عظیم تھا کہ اپنے تمام کئے ہوئے نیک اعمال کے اکارت جانے کا سبب تھا۔ اسی طرح حضور ﷺ کی قبر کے پاس یا قریب آواز کو بلند

کرنا آپ کو ایذا اور اذیت ہے اور اس درجہ جرم ہے کہ جناب عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر سخت تکلیف دینے کا ڈر سنایا ہے۔

ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں کہ دو نیک آدمی ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما قریب تھا کہ ہلاک ہوں، ان دونوں نے رسول اللہ کے سامنے اس وقت آوازیں بلند کیں۔ جب کہ بنی تمیم کے سوار حضور ﷺ کی خدمت میں اپنے لئے امیر مقرر کرنے کی التجا لے کر آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اقرع بن حابس کی طرف اشارہ کیا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کسی اور کی طرف اشارہ کیا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا۔ تم نے صرف میری مخالفت کا ارادہ کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں اس خیال سے نہیں کہتا۔ اس وقت ان دونوں کی آوازیں بلند ہوئیں تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ حجرات کی یہ آیات نازل فرما دیں (اے ایمان والو نبی کی آواز سے زیادہ اور اونچی آواز مت نکالو۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ اس کے بعد حضور ﷺ سے اس قدر آہستہ بولتے تھے کہ حضور ﷺ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دوبارہ پوچھنے کی ضرورت پڑتی تھی۔ (بخاری تفسیر سورہ حجرات)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی آواز کے پست کرنے اور حضور ﷺ کے سامنے بہت ہی آہستہ بولنے پر مذکورہ آیت سے استدلال کرتے تھے اور یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ حضور ﷺ جب بولتے ہیں تو حضور ﷺ کے ارشاد کے وقت حضور ﷺ کی آواز سے تمہاری آواز تمہارے بولنے کے وقت اونچی نہیں ہونی چاہئے۔ بلکہ قرآن شریف حضور ﷺ کے سامنے بولنے اور اونچی آواز سے بولنے کی ممانعت کرتا ہے۔

چنانچہ بخاری رحمہ اللہ ابن جریج کے طریقہ سے اس باب میں روایت کرتے ہیں کہ ابن ابی ملیکہ نے ابن جریج کو کہا تھا کہ یہ واقعہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ان کو بتایا تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آپس میں جب بولتے اور تکرار کے وقت آوازیں بلند ہوئیں تو سورۃ حجرات کی پہلی آیت نازل ہوئی۔ اے ایمان والو! بولنے میں اللہ کے سامنے اور اللہ کے رسول کے سامنے پیش قدمی مت کرو عظیم تک الخ۔ حضور ﷺ کے بولنے سے پیشتر خود بولنے کی جرأت مت کرو اور حضور ﷺ سے فیصلہ لینے کی توقع میں خاموش رہو اور فیصلہ لینے کا انتظار کرو اور حضور ﷺ کی مجلس میں بے تکلف ترخ کر بات مت کرو۔ اگر بولنے کی ضرورت پڑ گئی ہے تو نرم آواز سے تعظیم واحترام کے لہجہ میں بولو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں قرآنی ارشادات کے معانی جم کر بیٹھ گئے تھے۔

اس کے بعد جب حضور ﷺ سے بولتے تو بہت آہستہ آہستہ بولتے تھے۔ اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ اور تہدید پڑھئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آرام گاہ نبوت میں حضور ﷺ کی اور کس قسم کی حیات کو سمجھتے اور یقین کرتے ہیں۔

حضرت سائب بن یزید فرماتے ہیں: میں مسجد میں کھڑا تھا کہ ایک شخص نے مجھے کنکری ماری۔ میں نے ادھر کو دیکھا تو وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ فرمایا یہ دو آدمی بلا کر لاؤ میں ان دونوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بلا کر لایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا تم کہاں کے ہو انہوں نے کہا ہم طائف کے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تم شہر کے رہنے والے ہوتو تمہیں تکلیف اور درد کا مزہ چکھاتا۔ تم حضور ﷺ کی مسجد میں چیک کر چلا کر بول رہے ہو۔

(بخاری کتاب الصلوٰۃ باب رفع الصوت فی المسجد ص ۶۷)

بعض روایات میں ایسا مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم کو ایسے کوڑے مارتا کہ بدن درد کرنے لگتا۔ ان حضرات طائف کے باشندوں کے زور زور سے بولنے اور اس تہدید کے سنانے کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیش نظر سورۃ حجرات کی وہی مذکورہ آیت اور حضور ﷺ کی حیات اور حضور ﷺ کی مجلس میں بولنے کی پیش قدمی اور چلانے کی خلاف ادب

گستاخی اور مجرمانہ ایذاء کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یقین ہے کہ آرام گاہ نبوت کے قرب میں شان نبوت کے شایان تعظیم واحترام کے خلاف اس قسم کے اقدامات حضور ﷺ کے لئے تکدر مزاج کے باعث ہیں اور مسجد نبوی کی تخصیص کی وجہ یہی ہے کہ آرام گاہ نبوت اور مسجد نبوی میں کوئی فاصلہ نہیں ہے۔ خصوصاً اس وقت کے لحاظ سے تو قرب بھی قریب تر تھا۔

اس تخصیص اور اس قبر کے پیش نظر یقین ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس تہدید کے لئے رسالت مآب ﷺ کی جسمانی حیات اور جسمانی مجلس کے یقین اور اعتقاد کے سوا دوسری کوئی وجہ نہیں ورنہ حضور ﷺ کی مسجد کی تخصیص قرب آرام گاہ کے لحاظ کے بغیر ذکر کرنے کی ضرورت نہیں اور آستانہ نبوت کا قرب اس تہدید کا داعی نہیں ہوسکتا۔ اگر آستانہ نبوت میں اس مقدس جسد کی حیات کا عمر رضی اللہ عنہ کو یقین اور اعتقاد نہیں ہے تو صرف بے جان اور مردہ لاش کی نعوذ باللہ ایذا کا تصور اور یہ قانونی اور آسانی تعزیر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے کب اور کیسے جائز ہوسکتا ہے۔ سمجھنا چاہئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ تہدید اس وجہ سے نہیں تھی کہ وہ مسجد نبوی میں بول رہے تھے اور مسجد کے احترام کے خلاف ان کو ان کے چلانے پر ایسی شدید تہدید کی ہے۔ اس کے جواب میں بہت سی باتیں کہی جاسکتی ہیں۔ لیکن میں اس ایک جواب کو پسند کرتا ہوں کہ وہ اختصار کے ساتھ یقینی بھی ہے۔

وہ یہ ہے کہ بخاری رحمہ اللہ نے اسی باب میں اور اس سے دس ابواب پیشتر باب التقاضی میں حضرت کعب سے روایت کیا ہے کہ: حضرت کعب نے مسجد نبوی میں ابن ابی حدرد سے اپنے قرض کا مطالبہ کیا اور ان دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں۔ یہاں تک کہ حضور ﷺ نے سنا اور حضور ﷺ گھر میں تھے۔ ان کی طرف نکلے یہاں تک کہ آپ نے اپنے حجرہ کا پردہ کھول دیا اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو پکارا۔ کعب نے لبیک کہا۔ حضور ﷺ نے اپنے ہاتھ سے کعب کو اشارہ کیا کہ آدھا قرض معاف کردو اور ابن ابی حدرد سے فرمایا اٹھو اور قرض ادا کردو۔ (بخاری باب التقاضی فی المسجد کتاب الصلوٰۃ باب رفع الصوت فی المسجد)

اور بخاری رحمہ اللہ کتاب الصلح باب هل یشیر الامام بالصلح میں اعرج کے طریقہ سے اس حدیث میں ذکر کرتے ہیں: کہ حضور ﷺ نے گزرتے ہوئے حضرت کعب کو ہاتھ سے اشارہ کیا کہ آدھا قرض چھوڑ دو۔

مسجد نبوی میں حضرت کعب رضی اللہ عنہ اور آپ کے مدیون کی آوازیں مسجد نبوی میں بلند ہورہی ہیں اور اعرج کی روایت کے مطابق ان پر گزرتے ہوئے حضور ﷺ نے کعب کو سمجھادیا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کو اعرج کے اس کہنے پر کہ حضور ﷺ ان پر گزرے کچھ استبعاد ہے۔ مگر یہ اس وقت ہوسکتا ہے کہ حضور ﷺ حجرہ مبارک میں داخل ہوتے وقت ان پر گزرے ہوں اور حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو جو فرمانا چاہا تھا فرمادیا ہو تو پھر دوبارہ ان کی طرف نکلنے کی چنداں ضرورت نہیں تھی اور اگر حجرہ سے نکلنے کے بعد ان کی طرف کعب کو ارشاد فرماتے ہوئے ان پر گزر رہے ہیں تو پھر حافظ کا اعرج کے بیان پر استبعاد نہیں ہوتا ہے۔

علامہ عینی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی شرح میں باب التقاضی میں اس طرح لکھا ہے۔ اب یہ واقعہ مسجد میں مسجد نبوی کا خصوصی واقعہ ہے اور دونوں حضرات کی مسجد میں نبوی آوازیں بلند ہورہی ہیں۔ لیکن رسالت مآب ﷺ کی مجلس اور حضور ﷺ میں نہیں ہیں۔ اگرچہ حجرہ کے اندر حضور ﷺ نے ان کی آوازوں کو اس قدر ضرور محسوس کرلیا ہے کہ آپ ان کی طرف کو نکلے۔ لیکن گزرتے ہوئے ان کو صلح کرنے کا اشارہ فرمایا۔ مگر کسی قسم کی ادنیٰ تنبیہ نہیں کی کہ مسجد نبوی میں ان کی آوازیں بلند ہوگئی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مزاج جانتے ہیں کہ حضور ﷺ کی اس سنت کے ہوتے ہوئے اس کے خلاف کیا۔ مسجد نبوی میں رفع اصوات کو اس قدر جرم اور اس شدید تہدید کو جائز قرار دے دیں گے۔

اور بخاری رحمہ اللہ خود اس ایک باب میں کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث کو سائب بن یزید کی حدیث کے بعد اس لئے روایت کرتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ سائب بن یزید کی حدیث میں حضرت عمر کی مذکورہ تہدید مسجد نبوی میں ان کی آوازوں کے بلند کرنے کی وجہ سے نہیں تھی۔ اس لئے کہ کعب بن مالک کی حدیث میں مسجد نبوی میں آوازوں کے بلند کرنے پر حضور ﷺ نے ادنیٰ قسم کی تنبیہ اور سرزنش نہیں فرمائی ہے۔ جو حضرات امام بخاری کی دقت فکر اور بالغ نظری کو جانتے ہیں۔ ان کو اس پر تعجب نہیں ہوگا کہ بخاری نے اس صنیع اور روش میں مسجد نبوی میں رسالت مآب ﷺ کے علم اور سنت کو ظاہر کرنا چاہا تھا اور مساجد میں رفع اصوات کی نہی میں حدیثیں وارد ہیں۔ لیکن حافظ نے اور شیخ دونوں حذاق حدیث نے باب رفع الصوت اور باب التقاضی میں یہ لکھ دیا ہے کہ وہ تمام حدیثیں ضعیف ہیں اور بخاری رحمہ اللہ نے اشارۃ ان کے ضعف پر کعب بن مالک کی حدیث کے روایت کرنے میں تنبیہ کردی ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ سورۃ حجرات کی تفسیر میں لکھتے ہیں: اہل علم فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی قبر کے پاس آواز کو بلند کرنا اس درجہ برا ہے کہ جس درجہ آپ کی دنیا کی حیات میں آپ کے قریب، آپ کی مجلس میں آواز کا بلند کرنا برا تھا۔ اس لئے کہ حضور ﷺ دنیا کی زندگی اور آرام گاہ دونوں میں ہمیشہ محترم ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴، ص ۲۰۷)

آپ سوچئے کہ حضور نبی کریم ﷺ مجموعہ روح اور جسد میں مخص اور نبی ہیں یا صرف جسد میں۔ ظاہر ہے کہ مجموعہ روح اور جسد میں حضور مخص اور نبی ہیں۔ حافظ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ جس شان نبوت سے دنیا کی زندگی میں رسالت مآب ﷺ محترم تھے۔ اسی شان نبوت میں آرام گاہ نبوی کے اندر حضور پاک ﷺ واجب الاحترام ہیں۔ اب آپ کی مرضی ہے کہ آستانہ نبوت میں نبی علیہ السلام کے جسم کو بے جان لاش نعوذ باللہ بتلائیں یا اس کی سالمیت کو بھی داغ لگادو کہ اس کے لئے بھی آپ کے خیال میں کوئی قطعی دلیل موجود نہیں ہے۔ لیکن حقیقت واقعی یہ ہے کہ حضور ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں۔ خواہ ہمیں زمین کے اوپر دکھائی دیں یا زمین کے پردہ میں استراحت فرما ہوں۔ وہ یقیناً زندہ ہیں جیسے کہ اس دنیا کی زندگی میں آپ کے حاضر ہونے اور غائب ہونے سے آپ کی زندگی میں کوئی فرق نہیں آتا تھا۔

منکرین حیات کا استدلال

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا خطبہ بالتفصیل آپ نے پڑھ لیا ہے۔ منکرین حیات اس خطبہ سے حضور ﷺ کی موت واقع ہو چکنے بمعنی انقطاع حیات پر استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب انقطاع حیات ہو چکا ہے تو پھر قبر میں دوبارہ جسمانی حیات کے لئے دلیل کی ضرورت ہے اور ان کے خیال میں کسی صحیح دلیل سے جسمانی حیات ثابت نہیں ہوتی ہے۔ اس لئے وہ سابق موت بمعنی انقطاع مستمر چلی جارہی ہے۔ مگر آپ جانتے ہیں کہ حیات اور موت دونوں ضد اور ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔ موت کی جگہ حیات آتی ہے اور حیات کی جگہ موت کا ورود ہوتا ہے۔ جب حق تعالیٰ چاہتا ہے تو موت کو حیات میں تبدیل کردیتا ہے اور جب چاہتا ہے حیات کو موت میں بدل دیتا ہے۔ جس طرح حیات وجودی ہے اور اس کی اپنی حقیقت اور خلقت ہے۔ اسی طرح موت وجودی ہے اور اس کی اپنی حقیقت اور خلقت ہے۔ قرآن شریف میں ارشاد ہے "خلق الموت والحیوٰت" اللہ نے موت کو پیدا کیا اور حیات کو بھی پیدا کیا۔

سید آلوسی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: اہل السنت والجماعت کی اکثریت موت کو صفت وجودی اور حیات کی ضد تسلیم کرتی ہے اور ان کی دلیل قرآن شریف کی یہ آیت ہے اور اس آیت سے موت کے وجودی ہونے

پر استدلال کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کا خلق اس کے متعلق اس بیان میں مذکور ہے اور خلق کا تعلق عدمی سے نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے کہ عدمیات ازلی ہیں۔ اس آیت میں موت کو اللہ کی مخلوق ظاہر کیا گیا ہے اور معدوم مخلوق نہیں ہوتا ہے۔ اگر موت کو عدمی کہا جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس آیت کے خلاف اللہ کی مخلوق سے موت کو باہر کرنا چاہئے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بہشت اور جہنم کے درمیان اللہ کے اس اعلان کے بعد دیکھو یہ موت ہے جو لائی گئی ہے اور اس وقت بکری کی طرح موت ذبح کی جائے گی اور اعلان کیا جائے گا کہ موت ذبح کی گئی ہے۔ اب موت نہیں ہے، جنتی جنت میں ہمیشہ رہیں اور دوزخی دوزخ میں ہمیشہ رہیں۔ (جامع ترمذی ج ۲ ص ۹۷، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۹۵)

یہ حدیث کھلم کھلا ہدایت کرتی ہے کہ موت وجودی ہے، اس لئے وہ لائی گئی اور وجودی ہے۔ اس لئے ذبح کی گئی۔ عدم کے لانے کا اور ذبح کرنے کا کچھ معنی نہیں۔ اس لئے معنی موت کو عدمی بتانا اور ازالہ حیات انقطاع حیات اس کا معنی بتلانا کتاب وسنت کے خلاف اور اہل سنت والجماعت کے مسلک سے باہر ہونے کے لئے مذبوحی حرکت ہے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے خطبہ میں لفظ موت کو حضور ﷺ کی موت بمعنی انقطاع اور ازالہ حیات پر دلیل بتانا جبری استدلال تو ہوسکتا ہے۔ مگر اس معنی کے لئے لفظ موت سے استدلال کرنا حقیقت واقعی نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کتاب وسنت میں جس معنی کے لئے موت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے وہ اس معنی کے مترادف نہیں ہے۔

آپ کو بھی یقین ہوگا کہ کسی معنی مراد کے لئے جس قدر صحیح لفظ اور صحیح استعمال لفظ اور صحیح استعمال کتاب وسنت میں کیا گیا ہے اور کیا جاسکتا ہے اس کے قریب کسی ایسے شخص کا استعمال لفظ اور ٹھیک اس لفظ کا صحیح مدلولی معنی متعین کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے۔ جس کا ذہن جاہلیت کے استعمال کے تصور سے خالی نہیں ہوسکتا ہے۔ موت کے متعلق جاہلی تصور یہ تھا کہ جب بدن سے روح الگ ہوجاتی ہے تو یہ موت ہے اور اس کے بعد نہ روح باقی ہے اور نہ جسد باقی ہے۔ ان کے اعتقاد میں دوبارہ روح اور جسد کا ملنا ناممکن تھا وہ کہا کرتے تھے کیا تم کو وعدہ دیتا ہے کہ جب تم مرجاؤ اور ہوجاؤ مٹی اور ہڈیاں تو تم کو نکلنا ہے۔ کہاں ہوسکتا ہے، کہاں ہوسکتا ہے جو تم سے وعدہ ہوتا ہے۔ (مؤمنون: ۳۵، ۳۶)

آپ جانتے ہیں کہ قرآن شریف نے ان کا ذہن اور استعمال بدل ڈالا اور جس حقیقت کا زیادہ انکار کیا جاتا تھا اس کے تسلیم کرنے پر زیادہ اصرار کیا گیا۔ آپ کدھر کا رخ لے رہے ہیں کہ کسی ایسے کی امداد سے آپ موت کا انقطاع حیات معنی کرنا چاہتے ہیں۔ جن کے علم پر اس درجہ اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ جس کے اوپر دوسرا درجہ نہیں ہے اور نہ ان کو خود یہ دعویٰ ہوا ہے کہ ان کے علم اور الفاظ کے استعمال نے تمام ان معانی کا احاطہ کرلیا ہے۔ جن کے لئے وہ لفظ مستعمل ہوسکتا ہے اور پھر اہل علم سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ کسی لغت میں یہ بتادیا جائے کہ موت کا استعمال ایسے حال کے لئے کیا گیا ہے۔ جس میں زندگی باقی تھی۔ اہل لغت لفظ موت کا استعمال ایسے حال کے لئے جس میں زندگی باقی اور قائم ہے جانتے ہیں یا نہیں جانتے۔ ہم اس سے بحث نہیں کرتے۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ کتاب اور سنت کی زبان میں ایسے حال کے لئے جس میں زندگی باقی اور قائم ہے۔ بکثرت لفظ موت کا استعمال کیا گیا ہے اور موت کی ٹھیک حقیقت پر پوری اور صاف روشنی ڈالی گئی ہے۔

پھر حال کے لئے جس میں زندگی بھی باقی ہے اور اس پر موت کا اطلاق بھی کیا جاتا ہے یا کیا گیا ہے لغت میں موت کے لئے لغوی معنی کی تلاش کرنے کی کیا مجبوری ہے۔ کیا کتاب وسنت پر اعتماد کی کمی ہے یا کتاب وسنت کے وقوف اور علم میں کچھ خامی محسوس کی گئی ہے یا کتاب وسنت کی حقیقت واقعی کی تسلیم نہ کرنے کے لئے لغت کو آڑ اور بہانہ بنایا جارہا ہے۔ کیا آپ مناسب اور ضروری سمجھتے ہیں کہ لغت میں اگر لفظ موت انقطاع حیات کے۔ لئے استعمال

کیا گیا ہے، جو آپ کی خواہش کو پورا کرنے کے لئے مفید پڑتا ہے۔کیا موت کے اس معنی کے مراد لینے پر مقدم رکھا جائے۔جس معنی اور جس حال کے لئے اس کو کتاب اور سنت نے استعمال فرمایا ہے۔

کتاب وسنت میں موت کا معنی کیا ہے؟

سورہ زمر میں ارشاد فرمایا گیا ہے"اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا فیمسک التی قضی علیھا الموت ویرسل الاخریٰ"(زمر:۴۲) ترجمہ:(اللہ کھینچ لیتا ہے جانیں جب وقت ہو ان کے مرنے کا اور جو نہیں مریں ان کو کھینچ لیتا ہے ان کی نیند میں پھر رکھ چھوڑتا ہے جن پر مرنا ٹھہرایا ہے اور بھیج دیتا ہے اوروں کو ایک وعدہ مقرر تک)

یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ نفس کی توفی کے بعد ایک موت کا وقت ہے اور دوسرا نیند کا وقت اور ایک حال امساک کا ہے اور دوسرا حال ارسال کا۔امساک کی حالت میں موت کے وقت روح روک لی گئی ہے۔اس کی حیات کا مقصد روک لیا گیا۔اس کی علمی زندگی بند کردی گئی ہے اور ارسال کے حال میں نیند کے وقت روح واپس کردی گئی۔ابھی اس کے روکنے کا وقت باقی تھا اس کو عملی زندگی کا موقعہ دیا گیا۔اگرچہ نیند کے وقت بھی ارسال سے پیشتر امساک تھا اور یہ ظاہر ہے کہ تقدم امساک پر آیت مذکورہ ارسال دلالت کرتا ہے۔مگر توفی اور امساک موت اور نیند دونوں حالتوں میں ہے۔مگر یہ رب کی مرضی ہے کہ موت کے وقت موت کی حد پر امساک کو رکھتا ہے اور وہ جانتا ہے جس نفس کی حیات کا وقت ختم ہوتا ہے اور نیند کے وقت بھی امساک ہے۔مگر موت کی حد پر نہیں بلکہ ارسال کی حد پر ہے، رب جانتا ہے کہ ابھی اس کا وقت مقررہ باقی ہے۔

آپ سوچئے کہ قوت عملی کے امساک اور ارسال کے سوا امت اور حیات کی دوسری حقیقت کیا ہے۔نفس کی حیات کو جب اس کے جسم پر اللہ تعالیٰ نے پھیلنے سے روک دیا تو یہ اس کی موت ہے اور جب نفس کو اس کے جسم پر حیات پھیلانے کا موقعہ دیا گیا تو یہ اس کی حیات ہے اور جب نیند اور موت دونوں میں امساک ہے مگر نیند کی حد میں ہے یا موت کی حد پر یہ اللہ کو معلوم ہے۔ہم اس قدر ضرور جانتے ہیں کہ نیند میں بھی قوت عملی روک لی گئی ہے نہ جسم غیر طبعی حرکت کرتا ہے نہ آنکھ کسی ظاہر شئے کو دیکھتی ہے نہ باہر کی آواز کو کان سنتا ہے۔تمام حواس ظاہرہ معطل ہیں اس کے ظاہر پر امساک چھایا ہے اور اس کی روح قوت عملی سے روک لی گئی ہے اور اس کی روح کی حیات اس کے جسم پر بند کردی گئی۔

مگر اس حال میں بھی ابھی زندگی باقی ہے۔اگرچہ حس اور شعور زائل ہو چکا ہے مگر جو باطن میں زندگی قائم ہے خواہ اس کا سبب کچھ بھی ہو مگر اس کے آثار ظاہر ہیں۔کھانا ہضم ہو رہا ہے، نبض چلتا ہے، ارسال کے وقت کا انتظار باقی ہے۔مگر زبان رسالت نے اس کو موت بتا دیا ہے۔آگے اس کا ذکر آتا ہے۔قرآن شریف کی مذکورہ آیت کی طرح حدیث نبوی نے بھی موت اور حیات کی بھی حقیقت بتائی ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ ﷛ کی یہ روایت مذکور ہے:حضور ﷺ فرماتے ہیں:جب تم اپنے بچھونے پر آؤ تو یوں کہو اے میرے رب تیرے نام پر میں نے اپنا کروٹ رکھا ہے اور تیری مدد سے اٹھاؤں گا۔اے میرے اللہ!اگر تو نے میرے نفس کو روک لیا تو اس پر رحم فرما اور اگر اس کو واپس بھیج دیا تو اس کی حفاظت فرما۔ (بخاری کتاب الدعوات ص ۹۳۵)

حدیث میں امساک اور ارسال مذکور ہیں، امساک چونکہ موت ہے اور اس کے مناسب رحمت ہے اور ارسال حیات ہے دنیا میں باقی رہنا ہے۔اس کے مناسب حفاظت ہے۔اس لئے حدیث میں امساک کے بعد رحمت اور ارسال کے بعد حفاظت مذکور ہے۔اس حدیث میں بھی امساک کو موت اور ارسال کو حیات فرمایا گیا ہے

اور یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ نیند میں امساک ہے لیکن معلوم نہیں ہے کہ وہ موت کی حد پر ہے یا ارسال تک موقت ہے۔ مگر امساک ضرور ہے۔ ظاہر کے تعطل کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مگر قیام حیات کا اعتراف بھی ظاہر ہے۔ نیند کی حالت ایسی ہے جس میں زندگی باقی ہے اور امساک بھی زبان رسالت میں موت ہے۔ اس حدیث کے مضمون بیان کرنے میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں امساک کی جگہ موت کی اور ارسال کی جگہ حیات کی تصریح کی ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاحب کو فرمایا: جب تم اپنے بچھونے پر سونے کے لئے کروٹ لگاؤ تو یوں کہو اے اللہ تو نے میرے نفس کو خلق فرمایا اور تو ہی اس کو کھینچے گا میرے نفس کی زندگی اور موت تیرے ہی لئے ہے۔ اگر تو اس کو زندہ رکھے تو اس کی حفاظت فرما اور اگر تو اس کو موت دے تو اس پر رحم فرما۔ (نسائی، ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے) (فتح الباری ج ۱۱ ص ۱۰۶)

یہ دوسری حدیث بھی صحت میں بخاری کی حدیث کے برابر اور ہم پلہ ہے۔ بخاری کی حدیث میں سوتے وقت کی دعا میں امساک اور ارسال فرمانا اور نسائی کی حدیث میں سوتے وقت کی دعا میں امساک اور ارسال کی جگہ موت اور حیات فرمانا صریح نص ہے کہ موت امساک نفس، نفس کے تعطل قوت عملی کے روکنے کا نام اور حیات ارسال نفس، نفس کو قوت عملی کے موقع دینے کا نام ہے۔ کتاب وسنت میں جب موت اور حیات امساک نفس اور ارسال نفس کا نام ہے تو پھر موت کے وجودی ہونے میں کیا شبہ اور اس کے مفہوم میں ازالہ حیات اور انقطاع حیات کا اختراع کرنے میں کیا شک ہے۔

حق تعالیٰ جب کسی نفس کی صفت حیات کو اس کی صفت موت میں بدلنا چاہتا ہے تو اس کی روح کو نکالتا ہے اور اس کی مرضی ہے کہ اس کی روح کے اخراج اور امساک کو اس حد پر پہنچا دے جس پر حیات کا اطلاق نہیں ہوتا ہے یا اس حد پر چھوڑ دے جس میں کچھ زندگی ہے اور اس پر موت کا اطلاق صحیح ہے۔ زبان رسالت نے اس کو موت فرمایا ہے۔

صحیح بخاری کتاب الدعوات میں مذکور ہے، حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے استراحت کے بستر سے اٹھتے تھے تو یوں فرماتے تھے سب خوبیاں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں مرجانے کے بعد زندہ کیا۔ (بخاری ص ۹۳۴)

اور جامع ترمذی میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ایسا مذکور ہے: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نیند سے جاگ جائے تو یوں کہنا چاہئے سب خوبیاں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے میرے جسد میں عافیت بخشی اور میری روح کو مجھ پر لوٹا دیا اور اس کو اپنے ذکر کی اجازت عنایت فرمائی۔ (ترمذی کتاب الدعوات ص ۱۷۶)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نوم کی حالت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے موت فرمایا اور جاگ جانے کو حیات اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بیدار ہو جانے کے بعد کی حالت کو بتایا گیا کہ اس کی روح جو اس کی نیند میں قبض کر لی گئی تھی اس کو واپس لوٹائی گئی اور اس کو اللہ کے ذکر کی اجازت دی گئی۔ جب کہ وہ روک دی گئی تھی۔ اس حدیث نے تو یہ بھی ظاہر کر دیا کہ عمل اللہ کی یاد سے جو منفعت حیات ہے اگر روح کو روک دیا جائے تو یہ موت ہے اور اگر عمل طاعت یاد الٰہی جاری ہے تو یہ اس نفس کی حیات ہے۔ منفعت حیات زندگی ہے اور منفعت حیات کو روکنا موت ہے۔

چنانچہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اپنے رب کو یاد کرتا ہے اور جو اپنے رب کو یاد نہیں کرتا ان کی مثال زندہ اور مردہ کی ہے۔ (بخاری ج ۲ ص ۹۴۸)

اور ذکر تسبیح وتحمید کی طرح ہر اس ذکر کو نماز، حج، جہاد وغیرہ کو شامل ہے۔ جس میں اللہ کی عظمت کا استحضار اور تعظیم کا استشعار ہے۔ جب آپ جانتے ہیں کہ یہ تمام اعمال خیر جسمانی حیات کے مقاصد ہیں۔ جسم کی حیات کے بغیر صرف روح کی حیات میں یہ اعمال ناممکن ہیں تو جب ہم سنتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں، حج کرتے ہیں، قرآن شریف کی تلاوت کرتے ہیں تو ان کی جسمانی حیات میں کیوں شک ہوتا ہے اور ان کی جسمانی حیات کے تسلیم کرنے سے مانع کیا ہے۔

امام طیبی رحمہ اللہ حضرت کی مذکورہ حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ: نوم پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں اس لئے موت کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اس میں سر یہ ہے کہ زندگی سے انسان کا انتفاع تب ہی ہوسکتا ہے کہ وہ اللہ کی رضا اور طاعت کی کوشش اور قصد کرتا ہے اور اس کی سزا اور غضب کے کاموں سے اجتناب کرتا ہے اور جب وہ سوتا ہے تو اس کا یہ انتفاع رک جاتا ہے تو وہ ایسا ہے جیسا مردہ۔ اس لئے کہ وہ اس انتفاع سے روک دیا گیا۔ اللہ کی حمد ہے اس نعمت حیات پر کہ اس نے بخشی اور اس مانع انتفاع پر جو سنت کی نگاہ میں موت ہے اور اس اطلاق کی یہ حکمت اور سر اس حدیث کے مضمون کے مطابق ہے۔ جس میں یہ مذکور ہے (یا اللہ اگر تو نے میری روح کو مجھے واپس بھیج دیا تو اس کی ایسی حفاظت کر جیسے کہ تو نیک بندوں کی حفاظت کرتا ہے۔ (فتح الباری ج ۱۱ ص ۹۵)

حضرت حذیفہ کی مذکورہ حدیث براء بن عازب، ابی ذر غفاری سے بھی جامع صغیر میں مذکور ہے۔ اس کی شرح میں حضرت علامہ مناوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نیند کو اس لئے موت فرمایا ہے کہ نیند میں بھی عقل زائل ہوتی ہے اور حرکت بند ہوتی ہے اور اس لئے کہا گیا ہے کہ نوم حقیقت موت ہے اور موت ثقیل نوم ہے اور کہا ہے ''النوم اخو الموت'' اور نوم مانع ہے تقرب بالعبادات سے۔ اس لئے بیدار ہونے کے بعد زوال مانع کے اس نعمت پر خدا کی حمد کرنے کو فرمایا۔ (فیض القدیر ج ۵ ص ۹۱)

غرض یہ ہے کہ نوم میں حس وحرکت فکر وشعور کا ازالہ اور تعطل ہوتا ہے اور یہ موت کے مناسب امور ہیں۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تعطل کی بنیاد اور مناسبت سے نوم کو موت فرمایا ہے اور یہ ایک محاورہ ہے کہ نیند کو خفیف موت کہتے ہیں اور موت کو ثقیل شدید نوم کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نوم اور موت دونوں بہنیں ہیں۔ نوم موت کی بہن ہے اور موت نوم کی بہن ہے۔ نیند میں یقیناً ازالہ حیات نہیں ہوتا ہے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں اس کو موت فرمانا مذکور ہے اور محاورہ میں اس کو خفیف موت کہا جاتا ہے اور موت میں اگر انقطاع حیات ضروری ہے تو اس کو شدید اور ثقیل نوم کہنا کیوں محاورہ ہے۔

ابی جحیفہ صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے اور صحابہ سو گئے تھے یہاں تک کہ سورج طلوع ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا بیشک تم مردہ پڑے تھے اللہ نے تم کو تمہارے ارواح کو واپس لوٹا دیا۔ جب تم نماز سے سو جاؤ تو اس وقت پڑھو جب تم بیدار ہو جاؤ۔ حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی فرماتے ہیں اس حدیث کو ابو یعلی اور طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رواۃ ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد)

صحابہ جب نیند سے جاگے ہیں تو ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ تم جاگنے سے پہلے مردہ تھے، تمہاری جانیں نکالی گئی تھیں۔ اللہ تعالی نے تم کو تمہاری جانیں واپس کردیں تو تم جاگ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوئے ہوئے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مردہ فرمایا اور ان کی نیند میں ان کی حیات ضرور باقی تھی۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جس وقت اللہ تعالیٰ موحدین کو جہنم میں ڈالے گا ''اماتھم فیھا اماتۃً'' ان کو موت دے گا موت دینا۔ پس جب ان کو نکالنا چاہے گا تو اس وقت ان کو جہنم کا عذاب محسوس ہوگا۔ جامع صغیر میں لکھا ہے۔ یہ حدیث حسن ہے۔ حافظ مناوی کہتے ہیں کہ ان کا حس اور شعور زائل کیا جائے گا تا کہ ان کو جہنم کا عذاب محسوس نہ ہو اور ان کو جہنم سے نکالنے کے وقت ان کو حس اور شعور دیا جائے گا۔ اس وقت ان کو جہنم کا عذاب بھی محسوس ہو جائے گا۔ (فیض القدیر ج اول ص ۲۵۲)

موحدین سابق روسیاہیوں میں جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ اگرچہ ادارہ پھرتے اور ٹیڑھے چلتے تھے۔ مگر اسلام کے اصول، اللہ کی توحید اور رسالت مآب ﷺ کی رسالت پر ایمان لائے تھے۔ اس لئے دوسرے کافروں سے امتیاز دینے کے لئے حق تعالیٰ اپنے لطف وکرم سے موحدین کی جہنم میں ایسی حالت کر دے گا کہ ان کو جہنم کا عذاب محسوس نہ ہوگا۔ مگر آخری وقت احساس وشعور کی واپسی پر ان کو محسوس ہو جائے گا۔ اگرچہ اس حدیث میں احتمال ہے کہ موحدین کو جہنم میں حقیقتاً موت دی جائے گی۔ مگر آپ جانتے ہیں کہ بہشت اور دوزخ میں موت نہیں ہوگی۔ اس سے پہلے موت کے ذبح کرنے کا اعلان کیا جائے گا اور تمام مخلوق کے سامنے موت ذبح کی جائے گی۔

غرض یہ کہ کتاب اور سنت میں ایسے حال کو موت کہا گیا ہے جس میں اس شخص کے اندر اس کی روح موجود نہیں تھی۔ اس کا ظاہر معطل تھا۔ اس کی روح پوری حیات اس کے اندر پھیلنے سے روک دی گئی تھی۔ مگر اس کے اندر خواہ کسی حد اور کسی درجہ میں ہو زندگی تھی۔ حیات کا انقطاع نہیں کیا گیا تھا تو پھر کیا تعجب ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کتاب وسنت کے اطلاقات مذکورہ کے پیش نظر حضور ﷺ کے ظاہری تعطل کو دیکھ کر جان کر آپ کے اس حال پر موت کا اطلاق کیا ہے۔ اگرچہ اس حال میں حیات باقی تھی، اس کا انقطاع نہیں ہوا تھا۔

لفظ مات کے اطلاق سے انقطاع حیات کی ضرورت پر اصرار کیوں ہے اور اس حال میں قیام حیات کے تسلیم کرنے میں تامل کیوں اور مانع کیا ہے اور کتاب وسنت میں مذکورہ اطلاقات کے ہوتے ہوئے ارباب لغت کے دروازہ کھٹکھٹانے اور در در خاک چھاننے کی ضرورت اور مجبوری کیا ہوگئی ہے اور جب ہم کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ جس کو رسالت مآب ﷺ نے وحی کی زبان میں اور اہل عرب نے زبان کے محاورہ میں موت کی بہن کہا ہے۔ یعنی نوم اس میں رسالت مآب ﷺ عوام کی سطح پر نہیں ہے۔ بلکہ رسالت مآب ﷺ کی نیند میں اور عام کی نیند میں اس درجہ فرق ہے۔ جس درجہ موت اور زندگی میں فرق ہو سکتا ہے اور جو لوگ موت کی دوسری بہن یعنی موت میں عوام کی سطح پر رسالت مآب کو دیکھنا چاہتے ہیں اور عوام کی موت کی طرح رسالت مآب ﷺ کی موت انقطاع حیات کی ضرورت پر اصرار کرتے ہیں تو ہمیں افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ جاہلی تصور ان کے ذہن ودماغ میں کہاں سے جم گیا ہے کہ شارع کی زبان میں انقطاع حیات ہی کا نام موت ہے۔

حضور ﷺ کی نیند میں اور عوام کی نیند میں فرق ہے

رسالت مآب ﷺ کی نیند ظاہر کی سطح سے باطن کی گہرائیوں تک اور ظاہر کے احساسات سے قلبی ادراکات تک متجاوز نہیں ہوتی ہے۔ عام انسان جب بیدار ہوتے ہیں تو ان کے قلوب بھی بیدار رہتے ہیں اور بیداری میں بھی صرف دنیا اور دنیا کی دیکھی پہچانی اشیاء کا ادراک کرتے ہیں۔ مگر رسالت مآب ﷺ کا قلب سونے میں بیدار رہتا ہے

اور بیداری بھی اس طرح کی بیداری کہ عالم غیب اس کے سامنے کھلا رہتا ہے اور اس کا ادراک فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے وحی لیتے ہیں، علم الٰہی کو حاصل کرتے ہیں اور محفوظ رکھتے ہیں۔ عام انسان پر جب نیند کی حالت میں پوری غفلت چھا جاتی ہے، نبی ﷺ پر اس حال میں بھی رب علیم جاننا ہے۔ کیا کیا عجیب اور خفیہ اسرار کھلتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سوتے ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا میری آنکھیں سوتی ہیں میرا دل نہیں سوتا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ جب سوتے ہیں تو صرف آپ کی آنکھیں سوتی ہیں اور دل بیدار رہتا ہے اور تمام انبیاء کا یہی حال ہوتا ہے۔ صرف ان کی آنکھیں سوتی ہیں اور ان کے دل بیدار رہتے ہیں۔ (بخاری ج اول ص ۵۰۴ کتاب المناقب)

ابن سعد نے ذکر کیا ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں: ہم انبیاء کے گروہ، ہماری آنکھیں سوتی ہیں اور ہمارے دل نہیں سوتے، بیدار رہتے ہیں۔ (خصائص کبریٰ ج اول ص ۶۹)

مذکورہ حدیثوں میں حضور ﷺ کا ارشاد یہ ہے کہ حضور ﷺ کی نیند آنکھوں تک محدود ہوتی ہے اور قلب نبوی جاگتا ہے، بیدار رہتا ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ عام انسانوں کی نیند میں حس و شعور کا ازالہ ہوتا ہے۔ ظاہر اور باطن دونوں معطل ہوتے ہیں، مگر حضور ﷺ کی نیند میں بیداری اور شعور قائم ہے۔ اگر چہ ظاہر میں نیند کے پردہ کے نیچے اس کا استتار ہے۔ عام انسانوں کی نیند میں بیداری کا ازالہ ہے اور حضور ﷺ کی نیند میں بیداری کا استتار ہے۔ اس پر کوئی بھی انکار اور تعجب نہیں کرتا۔ ممکن ہے اس کے بعد یا فی الحال اس کے انکار کے لئے بھی کوئی راہ نکالی گئی ہو یا کوئی تجویز سوچی جاتی ہو۔ مگر صحابہ رضی اللہ عنہم کو حضور ﷺ کے قلب اور باطن کی بیداری کا اس درجہ یقین تھا کہ جب وہ دیکھتے تھے کہ حضور ﷺ استراحت فرماتے ہیں تو آپ خواب سے نہیں بیدار کئے جاتے تھے۔

اور اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ آپ کے استراحت میں فرق آتا تھا۔ بلکہ اس کی وجہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس کا یقین تھا کہ ظاہر بیداری کی طرح نیند کے حال میں بھی آپ کا قلب مہبط وحی اور عالم قدس سے معانی اور استفادہ میں جاگتا ہے اور آپ کا حیات خواہ آپ بیدار ہوں یا استراحت فرما، دائمی ہے۔ آپ کی بیداری کسی وقت نہیں ٹوٹتی اور غفلت کے چھا جانے کا امکان نہیں ہے۔ حضور ﷺ کے دوام حیات کا بھی خواہ استراحت فرما ہوں یا بیدار، غالباً منکرین حیات جسمانی بھی انکار نہیں کرتے ہیں۔ مگر جب دوام حیات کی خواہ زندگی ہو یا ایسا حال جس پر موت کا اطلاق کیا جاسکتا ہے تلقین کی جاتی ہے تو ان صاحبوں کو ادّعاء امتناع کی اس حد پر اصرار ہوتا ہے جس میں امکان عام کے لئے قطعاً گنجائش کو برداشت نہیں کرتے۔

عمران بن حصین فرماتے ہیں: ہم حضور ﷺ کو نیند سے نہیں بیدار کرتے تھے۔ اس لئے کہ ہم نہیں جانتے ہیں کہ نیند میں آپ کو کیا بات پیدا ہوتی ہے۔ (بخاری ص ۴۹ کتاب التیمم)

اسی طرح مسلم نے باب قضاء الصلوٰۃ الفائتہ میں ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی شرح میں یہ لکھا ہے: کہ صحابہ اس لئے حضور ﷺ کو خواب سے نہیں بیدار کرتے تھے کہ ان کو یہ ڈر ہوتا تھا کہ حضور ﷺ کو وحی ہوتی ہو اور ہم جگا لیں تو وحی الٰہی کا انقطاع ہو جائے گا۔ (فتح الباری ج اول ص ۳۵۶)

صحابہ رضی اللہ عنہم کو یقین اور ہمیں اعتقاد ہے کہ حضور ﷺ کے تمام احساسات اور ادراکات نیند میں بیدار رہتے اور وحی جیسے نازک امر کے لئے ادراک میں بیداری سے اس حیات کی حد کا اندازہ کیا جاسکتا ہے جو آپ کی نیند میں ہوتا تھا اور اس حیات کی آخری حد تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب ہی دیکھا تھا اور اپنے بیٹے حضرت

اسماعیل ؑ کی اتنی بڑی قربانی کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ مذکورہ حدیثوں سے عام انسانوں کی نیند میں اور رسالت مآب ﷺ کی نیند میں یہ فرق ظاہر ہے کہ عوام کی نیند میں شعور وحیات کا ازالہ ہے اور حضور ﷺ کی نیند میں ظاہر تعطل ہے۔ مگر استمرار حیات ہے۔ بیداری اس حد تک موجود ہے۔ جس کے اوپر بیداری کی دوسری حد نہیں ہے۔

اسی طرح عوام کی نیند اور حضور ﷺ کی نیند کی طرح عوام کی موت اور حضور ﷺ کی نیند میں انقطاع حیات اور استمرار حیات کا فرق ہے۔ عوام کی موت میں حیات کا انقطاع ہوتا ہے اور حضور ﷺ کی موت میں حیات کا استمرار ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ موت اور نیند میں ایسی گہری مناسبات ہیں کہ علامہ مناوی ﷫ کے حسب قول سابق عرب کے محاورہ میں نیند کو خفیف موت کہا جاتا ہے اور موت کو گہری نیند کہا جاتا ہے اور ان دونوں میں اس قدر گہرا اتصال ہے کہ جہاں موت نہیں آتی ہے وہاں نیند کا عروض بھی ناممکن ہے اور جہاں نیند کا عروض ہوتا ہے وہاں پر موت ضرور وارد ہوتی ہے اور جس قسم کی نیند ہوگی اس کے مناسب موت ہوگی۔ اگر نیند میں تعطل انقطاع حیات کی حد پر ہے تو اس کی موت بھی انقطاع حیات کے مقام پر اور جس کی نیند استمرار حیات کے مقام پر ہے تو اس کی موت بھی استمرار حیات کی حد پر حضور ﷺ کی نیند میں صرف بیداری اور شعور کا استمرار ہوتا تھا۔ اسی طرح حضور ﷺ کی موت بھی صرف استمرار حیات ضروری ہے۔

نیند اور موت دونوں بہنیں ہیں

عام لوگوں کی زبان پر معروف ہے، نیند موت کی بہن ہے اور رسالت مآب ﷺ کی زبان سے بھی یہ ارشاد ہے نیند موت کی بہن ہے اور اہل جنت نہیں مریں گے، پوچھنے والے نے پوچھا۔ اہل جنت سوتے ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا اہل جنت نہیں سوئیں گے۔ جامع صغیر طبرانی اور بزار نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور حافظ ہیثمی فرماتے ہیں۔ اس حدیث کے رواۃ بخاری کے رواۃ ہیں۔ (فیض القدیر ج ۶ ص ۳۰۰)

ارباب لغت کہتے ہیں ''اخا واخوۃ صار لہ اخا وصدیقا'' دوست اور بھائی کے لئے ایسا کہا جاتا ہے اور کہتے ہیں ''الاخ والاخو من جمعک وایاہ صلب او بطن'' ایک صلب پشت میں یا بطن میں رحم میں جو اکٹھے ہوتے ہیں ان کے لئے اخ اور اخو کہا جاتا ہے۔

علامہ مناوی ﷫ فرماتے ہیں حضور نے نیند کو موت کی بہن اس لئے فرمایا کہ نیند میں بھی موت کی طرح عمل منقطع ہو جاتا ہے۔ آپ نے پڑھ لیا ہے کہ قرآن شریف میں اور حدیث شریف میں بھی نیند اور موت کو امساک فرمایا گیا ہے کہ نیند میں بھی موت کی طرح امساک روح ہوتا ہے اور یہی انقطاع عمل ہے اور دونوں کو کتاب وسنت نے ایک مسلک میں بیان فرمایا اور دونوں میں ایک قسم کا امساک اور انقطاع عمل ہے۔ اس لئے جس کی جس قسم کی بہن ہے اس کی دوسری بہن بھی اس قسم کی ہے جس کی نیند میں بیداری کا ازالہ ہے تو اس کی دوسری بہن میں بھی اس کی حیات کا انقطاع ہے اور جس کی نیند میں بیداری کا استمرار ہے۔ اس کی موت میں بھی استمرار حیات ہے اور اہل جنت نہیں مریں گے۔ اس لئے وہ سوئیں گے نہیں یا اہل جنت سوتے نہیں۔ اس لئے وہ مریں گے بھی نہیں۔ اہل جنت میں ایک بہن نہیں ہے تو دوسری بھی وارد نہیں ہوتی اور اگر اہل جنت کی موت ہوتی تو ان کی حیات کا انقطاع یا ازالہ ضروری ہوتا۔

اس طرح اگر ان کو نیند آتی تو ان کی بیداری کا بھی ضروری ازالہ ہونا چاہیے کہ دنیا میں ان کی نیند اور موت کی یہ کیفیت معلوم اور یقینی تھی۔ اگر نیند میں بیداری کا ازالہ ہوتا ہے اور موت میں حیات باقی رہتی ہے یا نیند میں بیداری کا

استتار ہوتا ہے اور موت میں حیات کا ازالہ ہوتا ہے تو پھر نیند اور موت ہمیں نہیں ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ استتار بقاء کو چاہتا ہے اور ازالہ فناء کا تقاضا کرتا ہے تو پھر موت اور حیات کی طرح اساک اور ارسال کی طرح نیند اور موت دو متضاد ثابت ہوتے ہیں ہمیں باقی نہیں رہتی ہیں۔ اس لئے ہم کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی نیند میں چونکہ صرف بیداری کا استتار ثابت تو حضور ﷺ کی موت میں بھی صرف حیات کا استتار لازم ہے اور اس کی تائید حضور ﷺ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا ''انا معشر الانبیاء تنبت اجسادنا علی ارواح اھل الجنت'' ہم گروہ انبیاء کے اجساد کی ساخت ایسی ہے جیسے اہل جنت کے ارواح کی ساخت جو کچھ اس سے نکلتا ہے زمین اس کو نگل جاتی ہے۔
(خصائص کبریٰ ج اوّل ص ۷۰)

بیہقی رحمہ اللہ نے ابن علوان کے طریقہ سے اس حدیث پر اعتراض کیا ہے لیکن حافظ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''کلا لیس کما قال'' ہرگز ایسا نہیں ہے جیسا کہ بیہقی رحمہ اللہ نے کہا ہے اور ابو نعیم، حاکم، دار قطنی اور خطیب کی سند اور سات طریقوں سے اس حدیث کو خصائص میں روایت کی ہے۔ کثرت طرق حدیث کی قوت کی ہدایت کرتی ہے اور اس کے بعض طرق میں بخاری کے رواۃ اور ثقہ صالح رواۃ ہیں اور ابن دحیہ نے بعض سند کے متعلق کہا ہے کہ یہ سند ثابت ہے اور محدثین کی زبان میں سند ثابت صحیح سند یا اس سے کچھ اوپر ہوتی ہے۔

آگے یہ بحث آتی ہے حدیث کا معنی یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اجساد مقدسہ اہل جنت کی ارواح کی ساخت پر ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ امت کے اہل رشد و صلاح ہی اہل جنت ہیں اور نیز آپ جانتے ہیں کہ موت نفس کو عارض ہوتی ہے اور ''کل نفس ذائقة الموت (العنکبوت: ۵۷) وما کان لنفس ان تموت الا باذن الله'' (آل عمران: ۱۴۵) دلیل ہے کہ موت کا موصوف نفس اور جان ہے اور امت کے صلحاء دنیا میں سوتے تھے اور ان کو موت آتی ہے۔ صلحاء کی ارواح اور نفوس کا نیند میں اور موت میں اساک ہوا۔ نیند میں ان کا اساک بیداری کے ازالہ کی حد پر تھا اور موت میں ان کا اساک حیات کے انقطاع کے مقام پر تھا اور اب جنت میں نہ ان کے لئے نیند ہے اور نہ موت۔ اس کا معنی یہ ہے کہ نہ ان کی بیداری ختم کی جاتی ہے اور نہ ان کی زندگی، بلکہ ہمیشہ بیدار رہیں گے اور ہمیشہ زندہ۔

اسی طرح کا حال انبیاء علیہم السلام کے اجساد کا ہے، اجساد کی نیند میں بیداری بند نہیں ہوتی بلکہ نیند کے پردہ کے پیچھے مستور ہو جاتی ہے۔ اجساد انبیاء کو ارواح اہل جنت کی ساخت میں حضور ﷺ کی حدیث میں مذکور ہونا موت کے وقت استتار حیات اور نیند کے وقت استتار حیات بتلانے پر بلیغ کنایہ ہے اور اگر یہ مراد ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اجساد جنت میں حالت راہنہ میں اہل جنت کی ارواح کی ساخت پر ہیں تو یہ اس لئے صحیح نہیں ہے کہ اہل جنت کی ارواح جنت میں نہ سوتی ہیں اور نہ مرتی ہیں۔ جیسا کہ سابق حدیث میں مذکور ہوا اور انبیاء کے اجساد سوتے بھی تھے اور ان کو موت بھی عارض ہوتی ہے اور اگر یہی مذکورہ مراد صحیح ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ اہل جنت کی ارواح کی طرح انبیاء کے اجساد نہ سوتے ہیں اور نہ مرتے ہیں۔ اگر دنیا میں نہ سونا اور نہ مرنا مراد ہے تو یہ خلاف واقع ہے اور اگر برزخ میں نہ مرنا اور نہ سونا مراد ہے تو یہ ہماری مراد ہے۔ مگر منکرین حیات اس کا انکار کرتے ہیں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم!

یہ تمام تفصیل اس لئے کی گئی کہ قرآن شریف میں اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے خطبہ میں جو حضور ﷺ کی نسبت لفظ مات فرمایا گیا۔ اس کے معنی مراد یہ ہے کہ جو امت کے محدثین اور فقہاء نے لکھا ہے اور نصوص کے معانی دوسروں کے مقابلہ پر فقہاء امت بہت زیادہ جانتے ہیں۔

جامع ترمذی باب غسل المیت میں ام عطیہ کی حدیث پر بحث کرتے ہوئے ترمذی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ام عطیہ کی حدیث میں میت کو تین یا پانچ یا زیادہ بار دھونے پانی ڈالنے کا حکم اگر چہ دیا گیا ہے لیکن یہ توقیت نہیں ہے۔ جیسا کہ امام مالک اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث کا معنی صرف اس قدر ہے کہ صفائی میں احتیاط کے ساتھ مبالغہ کیا جائے۔ لیکن تین یا پانچ کی توقیت مراد نہیں۔ اگر تین سے کم میں بھی خوب صفائی ہوگئی ہے تو یہ کافی ہے اور ان فقہاء کا یہ کہنا حدیث کے معنی مراد اس لئے ہے کہ فقہاء ہی حدیث کے معانی زیادہ جانتے ہیں۔ (ترمذی ج ا اول ص ۱۱۸)

اور منکرین حیات کے انکار کا دوسرا رخ کہ کسی نص سے حضور ﷺ کی جسمانی حیات برزخ میں ثابت نہیں ہوتی ہے۔ آگے اس پہلو پر کلام کیا جاتا ہے۔ لیکن اس سے پہلے محدثین اور فقہاء کا نظریہ جو حضور ﷺ کی موت اور حیات کے متعلق ہے۔ پڑھ لیجئے تا کہ آپ آسانی سے یہ سمجھ سکیں کہ عالم برزخ میں حضور ﷺ کی کس قسم کی حیات کا امت کے علماء محدثین اور فقہاء کو یقین ہے۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ابوعبداللہ قرطبی کہتے ہیں ہمارے شیخ ابن بن عمرو نے خوب کہا ہے اور اس سے مذکورہ اشکال رفع ہو جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ موت عدم محض نہیں ہے بلکہ موت یہ ہے کہ ایک حال سے دوسرے حال میں پہنچ جائے اور اس کے قرائن اور دلائل یہ ہیں کہ شہداء قتل اور موت کے بعد زندہ ہیں۔ ان کو کھانے کے لئے ملتا ہے اور مرزوق ہونا دنیا کی زندگی کی صفت ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ برزخ میں دنیا کی زندگی کی طرح شہداء کے اجساد زندہ ہیں اور جب عالم برزخ میں شہداء کی زندگی کا یہ حال ہے تو انبیاء جن کا مقام اور رتبہ شہداء سے بدرجہا زیادہ ہے اور اس سے بھی زیادہ ہے کہ غیر شہداء سے شہداء کا فوق درجہ ہے۔ اس لئے عالم برزخ میں انبیاء کے اجساد کا انبیاء کو زیادہ حق اور اس جسم کی حیات کا سب سے مقدم حق انبیاء کو ہے۔

اس کے ساتھ یہ بھی صحیح ثابت ہے، حضور ﷺ نے فرمایا انبیاء کے اجساد کو زمین نہیں کھائے گی اور حضور ﷺ بیت المقدس اور آسمانوں میں معراج کی رات انبیاء سے عموماً اور خصوصاً حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملے ہیں اور حضور ﷺ نے نے بتایا کہ جو بھی حضور ﷺ پر سلام پڑھتا ہے تو حضور ﷺ اس کا جواب دیتے ہیں۔ ان مذکورہ حدیثوں سے قطعی ثابت اور یقین ہوتا ہے کہ انبیاء کی موت صرف اس قدر ہے کہ ہم سے پوشیدہ کر دیئے گئے ہیں۔ ہم ان کو نہیں جانتے اگر چہ وہ زندہ موجود ہیں۔ جیسا کہ ملائکۃ اللہ زندہ موجود ہیں۔ مگر ہم ان کو نہیں دیکھتے ہیں۔ (کتاب الروح ص ۵۴)

اور (زرقانی شرح مواہب ج ۵ ص ۳۳۲، اور انباء الاذکیاء ص ۷) پر اس تقریر میں اتنا اور مذکور ہے کہ ہماری نوع میں کوئی فرد ان کو نہیں دیکھ سکتا۔ مگر یہ کہ اللہ اپنے کسی ولی کو بطور کرامت اور خرق عادت بیداری کی حالت میں اس دولت ونعمت سے خصوصیت کے ساتھ سرفراز فرمائے۔

حضرت سعید بن المسیب فرماتے ہیں: کہ واقعہ حرہ کے دنوں میں میرے سوا مسجد نبوی میں کوئی دوسرا نہیں تھا اور مسجد نبوی میں نہ اذان ہوتی تھی اور نہ اقامت اور مجھے نماز کا وقت اس لئے معلوم ہو جاتا تھا کہ آرام گاہ نبوت سے میں اذان کو سنتا تھا۔ (التعلیقات علی حیات الانبیاء للبیہقی، سنن دارمی ص ۴۴)

آرام گاہ نبوت میں اذان کا دیا جانا نماز پڑھنے کے لئے تھا اور یہ نفس حیات نہیں ہے بلکہ اذان دینا حیات سے اور حیات فوق عمل اور فعل ہے۔ جسمانی حیات کے سوا اس کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔

اور طحطاوی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اور جو محققین کو ثابت ہے یہ ہے کہ حضور ﷺ زندہ ہیں۔ کھاتے ہیں اور

جمع ملاذ اور عبادات سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ حضور ﷺ کی موت کی بات صرف اتنی ہے کہ جو لوگ شریف اور بلند مقامات سے قاصر ہیں ان کی نگاہ سے در پردہ میں کئے گئے ہیں اور جو لوگ شریف مقامات کو دیکھتے ہیں ان کی نگاہ میں حضور ﷺ اب بھی ظاہر ہیں۔ (طحطاوی ص ۳۴۱)

ان حضرات محدثین اور فقہاء نے حضور ﷺ کی موت کو صرف اس قدر بتایا ہے کہ حضور رسالت مآب ﷺ ہماری نگاہوں سے اوجھل کردیئے گئے ہیں۔ ان کی موت عوام کی موت کی طرح نہیں ہے۔ حضور ﷺ کی زندگی عالم برزخ میں ایسی ہے کہ آپ کی قبر مبارک میں اذان ہوتی ہے اور آپ نماز پڑھتے ہیں اور کھانا کھاتے ہیں اور یہ افعال جسم کی حیات اور دنیا کے جسم کی حیات کے بدوں ناممکن ہے۔

سعید بن المسیب کے مذکورہ واقعہ کو سعید بن المسیب کی زبان سے ابن جوزی اس طرح نقل کرتے ہیں کہ: حضور ﷺ کی قبر مبارک سے نماز کے وقت میں اذان سنتا تھا، پھر نماز کھڑی ہوجاتی تھی تو میں آگے بڑھتا تھا پس نماز پڑھتا تھا اور میرے سوا مسجد میں دوسرا نہیں تھا۔ (وفاء الوفاء ج ا:ل ص ۱۳۴)

آرام گاہ نبوت میں نماز اور پھر جماعت کی نماز اور سعید بن المسیب آرام گاہ نبوت میں نماز کی اقتداء کرتے ہیں۔ کیا یہ روحانی اور برزخی زندگانی کے واقعات ہیں۔

حضور ﷺ کے جسمانی حیات کی پہلی دلیل

قرآن شریف میں ارشاد ہوتا ہے ”ولاتحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتاً بل احیاء عند ربھم یرزقون“ (آل عمران:۱۶۹) ترجمہ: (اور تو نہ سمجھ ان لوگوں کو جو مارے گئے اللہ کی راہ میں مرے بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس کھاتے پیتے ہیں)

آیت کی مراد یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں جو مارے گئے ہیں۔ تم یہ مت سمجھو کہ وہ مردے ہیں۔ بیشک وہ مارے گئے۔ مگر اللہ نے ان کو حیات بخشی۔ تم ان کو زندہ سمجھو ان کی زندگی دائمی ہے اور ان کی زندگی ایسی ہے جس میں وہ کھاتے پیتے ہیں اور اللہ کے یہاں ان کا بڑا درجہ اور مقام ہے اور یقیناً وہ زندہ ہیں ان کی زندگی میں کچھ شبہ نہیں ہے۔ ان کے قتل فی سبیل اللہ سے تم ان کو مردہ سمجھ رہے تھے جیسا کہ عام مقتول مردہ ہوتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ قتل ہونے سے پیشتر زندگی کی طرح اللہ نے ان کو زندگی بخشی ہے اور پیشتر زندگی کی طرح وہ کھاتے پیتے ہیں۔ کھانا پینا جسم کی صفت اور لوازم جسم سے ہے۔ اس کے معنی یہ ہے کہ ان کی زندگی جسمانی ہے۔ جسمانی زندگی کے معنی یہ ہے کہ جسم اور روح کا تعلق اور اتصال جسم میں تدبیر و تصرف کا تعلق اور اتصال ہے اور کھانا اس قسم کے تعلق کا اثر اور ثمرہ ہے۔ شہداء فی سبیل اللہ کی زندگی نفس زندگی بھی نہیں۔ جس میں جسم اور روح کا اتصال یا تعلق تو ہوتا ہے۔ مگر حیات کے آثار اور اعمال اس میں ظاہر نہیں ہوتے کہ وہ بھی ایک قسم کی مردگی ہے۔ جیسے عام اموات مردہ ہیں مگر ان کے ارواح کو ان کے اجسام کے ساتھ کچھ نہ کچھ تعلق ضرور ہے۔ اس کی تفصیل پہلے کرچکا ہوں۔

سید آلوسی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: شہداء کی حیات پر سورۃ بقرہ میں پورا کلام کرچکا ہوں۔ یہاں اس قدر یاد رکھنا چاہئے کہ شہداء کی حیات اور رزق کو روحانی زندگی اور روحانی رزق بتلانا اور سمجھنا کہ ان کی ارواح افلاک اور کواکب سے متعلق ہوتے ہیں اور اس میں لذت حاصل کرتے ہیں اور کمال بڑھاتے ہیں۔ یہ ایسے

لوگوں کا کہنا اور سمجھنا ہو سکتا ہے۔ جن کے کانوں میں صحیح اور صریح روایات اور اخبار کی آواز نہیں پڑی ہے۔ بلکہ ایسے لوگ شریعت غراء کی لذت سے آشنا نہیں ہیں اور ان کو محجہ بیضاء کی راہ نہیں دکھائی گئی ہے۔ اللہ کی قسم ہے کہ شہداء کا حال اور ان کی زندگی روحانی رزق اور زندگی سے بالاتر اور برتر ہے۔ (روح المعانی ج ۴)

جب قرآن شریف کی مذکورہ آیت میں شہداء کی جسمانی حیات کو ذکر کیا گیا ہے اور علماء کو شہداء کی جسمانی حیات کا اعتراف ہے تو کیا قرآن شریف کی مذکورہ آیت کے عموم یا مفہوم موافق میں نبی کریم ﷺ داخل ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ حضور ﷺ کی تمام زندگی اور زندگی کا ایک ایک واقعہ رشد و ہدایت، درس و تبلیغ، صلح و جنگ، دوستی و دشمنی، عبادات اور معاملات، حیات و ممات تمام اللہ کے لئے تھے اور اللہ کی راہ میں ہیں "ان صلاتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العالمین لا شریک لہ و بذالک امرت و انا اول المسلمین" (الانعام: ۱۶۲) ترجمہ (میری نماز اور حج اور جینا اور مرنا ایک اللہ کے لئے ہے۔ اس کا شریک کوئی نہیں اسی کا میں امر دیا گیا ہوں اور سب سے پہلے حکم بردار ہوں)

حضور ﷺ کا صدقہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور غیر صحابہ امت کے شہداء کو اللہ کے یہاں اونچا درجہ اور بلند مقام ملتا ہے۔ کون سا موقع ایسا آیا ہے جن کے حق میں قرآن شریف کی وہ آیت اترتی ہے اور جن کو اللہ کی طرف سے ابدی حیات کا مژدہ سنایا جاتا ہے اور حضور رسالت مآب ﷺ اس میں ان جانثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے آگے آگے نہ تھے۔ جن کو شہادت کی یہ سعادت ملی۔ وہ بھی حضور ﷺ کی رفاقت اور حضور ﷺ کی دعوت جہاد پر لبیک کہنے کا انعام وصلہ ہے۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ رضاء الٰہی کے لئے جس پیغمبر علیہ السلام نے تمام رشتے ناطے چھوڑ دیئے ہیں اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے ہر وقت رات دن کے خویشوں اور بیگانوں سے شدید سے شدید درد دکھ سہا ہے۔ دین الٰہی کے دشمنوں اور نبوت کے معاندوں کے مقابلہ میں زخم کھائے۔ مغازی جن کی عمر کا بڑا حصہ ہے۔ شہادت کی عزیت اور فضیلت میں ان حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور امت کے شہداء سے پیچھے ہیں۔ جن کو اس کے سامنے قرآن شریف نے بولنے اور اس کی آواز سے آواز اونچی کرنے کو منع فرمایا تھا اور دنیا میں جس کے آگے کسی کا قدم نہیں اٹھتا تھا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ اس منقبت میں حضور ﷺ فداہ ابی و امی سے آگے بڑھ گئے ہیں۔ کلا ایسا بھی کوئی بدنصیب ہے جو اس کا دعویٰ اور یقین کرے۔

پہلے صفحات میں لکھ کر آیا ہوں کہ خیبر کے دن یہودیہ عورت نے حضور ﷺ کو زہر کھلایا تھا اور بخاری کی روایت ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: عائشہ ہمیشہ اس کی تکلیف اٹھاتا رہا ہوں اور اب تو اس نے میری شہ رگ کر کاٹ دیا۔

کیا حضور ﷺ کے اس بیان میں زہر کی دائم اور شدت تکلیف سے آپ کو تسلی نہیں ہوتی ہے کہ تلوار کا قتل اس طویل تکلیف قتل سے دون اور مختصر ہے۔ شعبی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ امام حسن کو زہر دیا گیا تھا اور امام حسین قتل کر دیئے گئے۔ (مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۹)

اور حافظ ابن عبد البر امام حسن کے ترجمہ میں استیعاب میں کہتے ہیں کہ امام حسن رضی اللہ عنہ نے امام حسین رضی اللہ عنہ سے کہا: میں اس سے پہلے بھی کئی دفعہ زہر دیا گیا ہوں لیکن اب تو میری انتڑیوں کو کوٹ دیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دیا گیا اور اسی سے آپ شہید ہوئے ہیں اور حافظ ابن حجر اصابہ میں امام حسن رضی اللہ عنہ کے ترجمہ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: امام حسن رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ اہل جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔ شعبی نے قسم کھا کر کہا ہے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو زہر دیا گیا اور عمر رضی اللہ عنہ قتل کر دیئے گئے۔ (مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۹)

حضور ﷺ نے فرمایا: ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما اہل جنت کے بوڑھوں کے سردار ہیں۔ (جامع صغیر ج اول ص ۸۸) مگر انبیاء و مرسلین امام حسین امام حسن رضی اللہ عنہما سے اور حضرت عمر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما سے حسن شہادت کی فضیلت میں آگے نہیں بڑھے۔ زہر کی موت اور قتل کی موت دونوں شہادت ہیں۔

اس لئے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے پسند ہے کہ نو مرتبہ قسم کھا کر یہ کہہ دوں کہ حضور رسالت مآب ﷺ اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں۔ (مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۸)

اور مسند احمد نیا ایڈیشن (ص ۲۲۰ و ۳۴۴) اور مسند احمد میں عبدالرزاق کے طریقہ میں یہ بھی ہے کہ اعمش نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول ابراہیم نخعی سے ذکر کیا تو ابراہیم نے کہا صحابہ ایسا سمجھتے تھے۔ حضور ﷺ کو اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہود نے زہر دیا تھا۔ حضور رسالت مآب ﷺ کی شہادت فی سبیل اللہ یقینی ہے اور قرآن شریف اپنے عموم اور مفہوم موافق دونوں میں حضور ﷺ کی جسمانی حیات کا اور برزخ میں کھانے پینے کا اعلان کرتا ہے۔ اگر ابن ماجہ کی یہ حدیث کہ حضور ﷺ اپنے مبارک قبر میں زندہ ہیں اور کھاتے پیتے ہیں، منقطع ہے تو اس کا انقطاع کیا ضرر دیتا ہے۔ جب اس کا مضمون قرآن کے مفہوم کے موافق میں مذکور ہے اور بیشک حضور ﷺ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرح شہید نہیں بلکہ صدیق فرمایا ہے۔

مگر اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ حضور ﷺ زہر کے قتل کو شہادت نہیں جانتے تھے۔ بلکہ وہ مقام مدح ہے اور صدیقیت شہادت سے بڑھ کر مقام ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف میں اسی ترتیب سے مذکور ہوا ہے۔ پہلے صفحات میں تفصیل کے ساتھ کتاب و سنت اور صحابہ کے آثار سے ظاہر کر چکا ہوں کہ موت فی سبیل اللہ اور قتل فی سبیل اللہ دونوں کا اجراء کیا ہے اور دونوں شہادت ہیں اور یہ کہ مقتول فی سبیل اللہ اور مائت فی سبیل اللہ دونوں مرزوق ہیں۔

حافظ سخاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: حضور ﷺ کی حیات کے دلائل میں سے ایک دلیل حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے "ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون" (آل عمران: ۱۶۹) اس لئے کہ حضور ﷺ کو بہ اتم وجوہ شہادت حاصل ہے۔ کیونکہ وہ سید الشہداء ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے صاف صاف لفظوں میں فرمایا ہے کہ حضور ﷺ شہادت کی موت فوت ہو گئے ہیں۔ (القول البدیع ص ۱۲۷)

اور حیات الانبیاء بیہقی کے تعلیقات میں محمد بن محمد الحافی البوسنوی لکھتے ہیں: انبیاء کی حیات بعد الوفات کی اس آیت "ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم" میں مفہوم موافق میں قرآن شریف رہنمائی کرتا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام عالم برزخ میں زندہ ہیں۔ اس لئے کہ عالم برزخ میں زندگی منقبت ہے اور انبیاء اس منقبت کے شہداء سے زیادہ حق دار ہیں اور نیز یہ آیت اپنے عموم لفظ میں حضور ﷺ کی حیات کی خصوصیت کے ساتھ بھی رہنمائی کرتی ہے۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ نے حضور ﷺ کے لئے شہادت اور نبوت دونوں وصفوں کو جمع فرما دیا ہے جیسا کہ یہ صحیح ثابت ہے۔ حافظ سیوطی فرماتے ہیں: بہت کم نبی گزرے ہیں مگر حق تعالیٰ نے ان کی نبوت کے ساتھ وصف شہادت کو بھی اکٹھا کیا ہے۔ (حیات الانبیاء ص ۵)

شہداء کی فہرست میں سب سے پہلے اور سب سے زیادہ روشن حضور ﷺ کا نام نامی ہے۔ اس لئے مذکورہ آیت میں سب سے مقدم حضور ﷺ کی جسمانی حیات کی خبر دی گئی ہے۔ حضور ﷺ کو مردہ کہنے اور سمجھنے سے ہم روک دیئے گئے ہیں۔ اب بھی اگر کوئی حضور ﷺ کے جسم مقدس کو آرام گاہ نبوت میں مردہ بے جان گمان کرتا ہے تو

یہ قرآن شریف کی نہی کے خلاف اس کی باغیانہ جسارت ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی جسمانی حیات کی دوسری دلیل

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں۔ (حیات الانبیاء، انباہ الاذکیاء)

اور علامہ مناوی رحمہ اللہ جامع صغیر کی شرح میں لکھتے ہیں کہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث صحیح ہے اور انبیا اپنی زندگی میں شہداء کی زندگی سے افضل ہیں اور قرآن شریف میں مذکور ہے کہ شہداء عند ربھم زندہ ہیں۔ عند ربھم کی قید کا فائدہ یہ ہے کہ عالم برزخ میں ان کی زندگی ہماری دنیا کی زندگی کی طرح ہمارے سامنے اور ظاہر نہیں ہے کہ عالم برزخ میں انبیاء کی زندگی اگرچہ جسمانی ہے لیکن ملائکہ کی زندگی کی طرح غیر ظاہر ہے اور انبیاء زندہ ہیں۔ اس لئے ان کا مال ترکہ نہیں ہوتا۔ (فیض القدیر ج ۳ ص ۱۸۴)

حافظ نور الدین ہیثمی لکھتے ہیں: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو ابو یعلیٰ اور بزاز نے بھی روایت کیا ہے اور ابو یعلیٰ کے رجال ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: بیہقی رحمہ اللہ نے انبیاء کی قبور میں حیات پر ایک لطیف کتاب لکھی ہے۔ اس میں حضرت انس کی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ انبیاء زندہ ہیں اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں۔ بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث یحییٰ بن ابی کثیر عن المسلم بن سعید عن الحجاج عن ثابت عن انس رضی اللہ عنہ کے طریقہ سے تخریج کی ہے۔ یحییٰ بن کثیر صحیح بخاری کے رجال میں سے ہے اور مسلم بن سعید کی توثیق امام احمد اور ابن حبان نے کی ہے اور حجاج کی توثیق امام احمد اور ابن معین نے کی ہے اور ابو یعلیٰ اور بزار نے بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی تخریج کی ہے۔

اور بیہقی نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے شاہد وہ حدیث ہے جس کو امام مسلم نے حضرت انس سے روایت کیا ہے۔ حضور فرماتے ہیں: میں سرخ ٹیلے کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام پر گزرا اور وہ کھڑے ہوئے اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ اگر اعتراض ہو کہ یہ تو صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حال بیان کیا ہے۔ باقی انبیاء کا حال اس میں مذکور نہیں تو ہم کہیں گے کہ مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بھی روایت کی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: میں نے اپنے آپ کو انبیاء کی جماعت میں دیکھا۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے نماز پڑھ رہے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کھڑے ہوئے نماز پڑھتے ہیں اور عروہ بن مسعود سے شکل و شباہت میں ملتے جلتے ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کھڑے ہوئے نماز پڑھتے دیکھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ سب سے زیادہ مجھے مشابہت تھی۔ نماز کا وقت ہوا۔ میں نے ان کو نماز پڑھائی۔ پھر اکٹھے کئے گئے بیت المقدس میں۔

اور ابی ذر رضی اللہ عنہ اور مالک بن صعصعہ کی حدیث میں ہے کہ حضور انبیاء علیہم السلام سے آسمانوں پر ملے ہیں اور یہ تمام احادیث صحیح ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ پہلے آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، پھر حضرت موسیٰ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام آسمانوں پر اٹھائے گئے اور ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات آسمانوں پر ہوئی۔ پھر بیت المقدس میں اکٹھے کئے گئے اور نماز کا وقت ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نماز پڑھائی۔ بیہقی کہتے ہیں مختلف اوقات اور مختلف امکنہ میں انبیاء کی نماز عقلاً جائز ہے اور نقل صحیح اس کی خبر دیتی ہے اور یہ ان کی حیات کی دلیل ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۳۷۸)

حافظ نے بیہقی کی تحریر کا جو حوالہ دیا ہے وہ حیات الانبیاء کے (ص ۸) پر مذکور ہے امام بیہقی نے جو صحیح مسلم کی روایات کا حوالہ دیا ہے۔ وہ صحیح مسلم (باب الاسراء ج اوّل میں ص ۳۴۴) اور (کتاب الفضائل ج ۲ ص ۲۶۸) میں مذکور ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی مراد یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث کہ انبیاء زندہ ہیں اور اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں اور صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہی آپ نے قبر میں نماز پڑھتے نہیں دیکھا بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام نے بیت المقدس میں نماز پڑھی اور ان کو نماز پڑھانے والے سید الرسل، امام الانبیاء حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور بیت المقدس میں ان کی نماز کا اور قبروں میں ان کی نماز کا عقل انکار نہیں کرتی۔ بلکہ جائز جانتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے ان کا ثبوت ہوتا ہے اور یہ ان کی حیات کی دلیل ہے۔ اس لئے ہم جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام وفات کے بعد بھی زندہ ہیں اور بیت المقدس اور آسمانوں میں انبیاء کی یہ ملاقات جسمانی زندوں کی سی ملاقات تھی۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی بجسد عنصری تشریف لے گئے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی بجسد عنصری اوپر آسمانوں سے تشریف لائے تھے اور یہ ایسی ملاقات تھی جس میں ایسے انبیاء بھی شامل تھے جو پہلے وفات پا چکے ہیں اور وہ بھی جو ابھی زندہ تھے اور اب تک ان کی حیات مستمر چلی آرہی ہے۔ جیسے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور ان کے مناسب یہی ہے کہ ان کی ملاقات جسمانی تھی اور انبیاء اپنے اجسام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال اور ملاقات کے لئے تشریف لائے تھے۔ روحانی ملاقات اور مثالی ملاقات کا دعویٰ صرف تکلف ہے۔ اس کی ضرورت کیا ہے۔ اور کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے۔

اگرچہ یہ احتمال ہے کہ انبیاء کی ملاقات صرف روحانی ہے۔ مگر یہ احتمال بھی ہے کہ انبیاء کی ملاقات جسمانی ہے۔ مگر اسریٰ کے واقعہ میں جو حالات بیان کئے گئے وہ یا تو روحانی ملاقات پر چسپاں نہیں ہوتے ہیں یا جسمانی ملاقات پر زیادہ اور مقدم چسپاں ہوتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ اسریٰ کے واقعہ کے واقع ہونے میں حق تعالیٰ نے یہ حکمت اور علت ظاہر اور بیان فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ حرم مکہ سے مسجد اقصیٰ تک اپنے محبوب ترین بندہ اس لئے لے گیا کہ حق تعالیٰ نے یہ چاہا تھا کہ اپنی لامحدود قدرت کے عظیم الشان نشان اور قدرت کے حکیمانہ عجائبات آپ کو دکھلائیں۔ ”لنریه من آیاتنا“ تا کہ دکھلائیں اس کو اپنی قدرت کے نمونے۔ زمین اور آسمانوں کے عجائبات حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دکھائے گئے۔ انسانی قدرت کے نمونے جب ظاہر کئے جاتے ہیں تو انسان کی عقل دنگ رہ جاتی ہے اور اللہ کی قدرت کے نمونے جن کے اعجب الآیات اور اغرب الکائنات ہونے میں شک نہیں ہوتا ہے۔ ایسے خرق عادت فوق العادت قدرت کے نمونے اسریٰ کے واقعہ میں حضرت حق نے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھلانا چاہا ہے۔

اسریٰ کے واقعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء کو نماز پڑھائی، انبیاء سے ملاقات فرمائی۔ اگر یہ نماز بھی روحانی ہے اور ملاقات بھی روحانی ہے تو کیا اس روحانی نماز اور روحانی ملاقات کو اعجب الآیات واغرب الکائنات کو قدرت کے زیادہ سے زیادہ عجیب وغریب نمونے کہنا موزوں ہے یا جب کہ جسمانی نماز اور جسمانی ملاقات ہے تو اس کو قدرت کی عجیب آیات اور کائنات کا زیادہ غریب واقعہ نمونہ بتلانا زیادہ مناسب ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ انسان میں اس مادی جسم کے علاوہ کوئی اور چیز موجود ہے جسے روح کہتے ہیں۔ وہ عالم امر کی چیز ہے اور خدا کے حکم اور ارادہ سے فائض ہوتی ہے ”قل الروح من امر ربی“ آپ فرما دیجئے روح ہے میرے رب کے حکم سے اور خلق کے بالمقابل ہے ”الا له الخلق والامر“ اسی کا کام ہے پیدا کرنا اور حکم فرمانا۔ اللہ تعالیٰ نے امر کو خلق مقابلہ پر رکھا ہے۔ امر کے معنی یہ ہے، مخلوقات کو ایک معین ومحکم نظام پر چلاتے رہنا جسے تدبیر وتصریف کہتے ہیں۔ یہ امر

ہے جیسے پیدا کرنا خلق ہے اور پیدا کرنے کے بعد تکوینی یا تشریعی احکام دینا یہ امر ہے اور یہ امر الٰہی ہے۔ جیسے قرآن شریف میں لفظ کن سے تعبیر کیا گیا ہے"انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون" (یٰسین:۸۲) ترجمہ: اس کا حکم یہی ہے کہ جب کرنا چاہیں کسی چیز کو تو کہے اس کو ہو، وہ اسی وقت ہو جائے۔"خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون" (آل عمران:۵۹) ترجمہ: بنایا اس کو مٹی سے پھر کہا اس کو کہ ہو جا وہ ہو گیا) خلق وابداع کے بعد کن کا ذکر آیا ہے۔

اس کا معنی یہ ہے کہ خلق کے بعد تدبیر وتصریف وغیرہ کے لئے لفظ کن سے خطاب ہوتا ہے اور یہ جنس کلام سے ہے۔ اللہ کی قدیم صفت ہے۔ چونکہ قرآن شریف میں روح کے ساتھ اکثر لفظ امر آتا ہے"روحا من امرنا (الشوریٰ: ۵۲) یلقی الروح من امرہ" (المومن:۱۵) اور امر سے مراد کن کا کلمہ ہے۔ یعنی وہ کلام انشائی جس سے مخلوقات کی تدبیر وتصریف اس طریقہ پر کی جائے جس پر غرض ایجاد وتکوین مرتب ہو۔ غرض یہ کہ روح خواہ جوہر مجرد یا جسم ہوا امر ربی کا مظہر ہے اور مخلوقات میں اس طرح تدبیر وتصرف کرتی ہے۔ جس سے اس کی ایجاد اور خلق کا منشاء پورا ہوتا ہے اور یہ مخلوق میں حلول اور جسم میں دخول کئے بغیر ناممکن ہے۔ بجلی کا کرنٹ اس وقت چھوڑ دیا جاتا ہے جب مشین کے کل پرزوں کو جوڑ کر مشین کو فٹ کیا جائے۔ ورنہ بجلی کے کرنٹ چھوڑنے سے مشین چالو نہیں ہوگی اور نہ وہ کام حاصل ہو سکتے ہیں جو مشین چالو ہونے کے بعد حاصل ہوتے ہیں۔

اسی طرح آپ سمجھ لیجئے کہ اجساد اس مشین کی مانند ہیں جس کے کل پرزے ٹھیک ٹھیک اندازہ پر اور جوڑے ہوئے فٹ ہیں تو جو کام اس سے لینا ہے اس کام کے لینے یا اس میں لگانے کے لئے امر الٰہی کی بجلی چھوڑ دی جاتی ہے اور حسب منشاء ان اجسام میں تدبیر وتصرف ہوتا ہے اور جو کرنٹ مشین کی طرف سے چھوڑا جاتا ہے وہ مشین سے اس کی بناوٹ اور استعداد کے موافق کام لیتا ہے اور اس کی ساخت کے مناسب حرکت دیتا ہے بلکہ جن لیمپوں اور قمقموں میں وہ بجلی پہنچتی ہے ان ہی کے مناسب رنگ وہیئت اختیار کر لیتی ہے۔ لیکن اگر لیمپ اور قمقمے نہیں ہیں۔ مشین نہیں ہے تو صرف کرنٹ چھوڑنے سے روشنی اور مشین کے کاموں اور مقاصد کا تصور بھی نہیں ہو سکتا ہے۔ اگر بیت المقدس میں اور آسمانوں میں انبیاء علیہم السلام کے اجسام نہیں تھے تو صرف روح امر ربی سے حضور ﷺ کا یہ فرمانا کہ میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا، حضرت آدم کو دیکھا، حضرت موسیٰ علیہم السلام کو دیکھا وغیرہ۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مکالمہ اور ان حضرات انبیاء کی نمازوں کا خیال بھی نہیں ہو سکتا۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجسام میں امر ربی کی روح کی روشنی ہو رہی ہے تو حضور ﷺ نے ان حضرات انبیاء کو ان کی صورتوں اور ہیئت میں پہنچانا ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجسام میں امر ربی روح کا کرنٹ پہنچ رہا ہے تو ان کو حضور ﷺ سے ہم کلامی کا موقعہ مل گیا اور ذیل کے واقعات صادق آ سکتے ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ابی عبیدہ کی روایت میں یہ ہے: حضور ﷺ فرماتے ہیں میں بیت المقدس میں داخل ہوا میں نے انبیاء کو پہچانا کوئی کھڑا ہے اور کوئی رکوع میں ہے اور کوئی سجدہ میں ہے۔ پھر جماعت کھڑی ہوگئی۔ میں نے ان کو نماز پڑھائی۔ حضرت انس کی روایت میں یہ ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں میں تھوڑی دیر ٹھہرا حتی کہ بہت لوگ جمع ہو گئے۔ پھر مؤذن نے اذان دی۔ پس جماعت کھڑی ہوگئی اور ہم صفوں میں کھڑے ہوئے انتظار کرتے تھے کہ جماعت کون پڑھائے۔ جبرائیل نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے آگے بڑھایا اور میں نے ان کو نماز پڑھائی۔ الخ (فتح الباری ج ۷ ص ۱۶۴ باب المعراج)

اور صحیح بخاری باب المعراج میں ہے: حضور ﷺ نے فرمایا: حضرت آدم نے میرے سلام کا جواب دیتے ہوئے فرمایا مرحبا بالابن الصالح والنبی الصالح اور حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ نے مرحبا بالاخ الصالح والنبی الصالح اور اسی طرح حضرت ادریس، حضرت موسیٰ اور حضرت یوسف علیہم السلام نے بالاخ الصالح والنبی الصالح فرمایا۔

یہ تمام احوال انبیاء کے اجسام کے ہیں جن میں رکوع اور سجدہ اذان ونماز سلام کے جواب اور اظہار مسرت کی تدبیر وتصریف کے لئے امر الٰہی روح کارفرما ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہاں ایک اشکال ہے وہ یہ ہے کہ انبیاء کے اجساد اپنی اپنی قبروں میں ہیں تو آسمانوں پر ان کے اجساد کو حضور ﷺ نے کیسے دیکھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء کی ارواح ان کے اجساد کی صورتوں میں متشکل ہوگئی تھیں یا یہ کہ ان کے اجساد حضور ﷺ کی تشریف وتکریم میں حاضر کئے گئے تھے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے ''فبعث لہ آدم فمن دونہ من الانبیا'' ترجمہ: حضور ﷺ کی تکریم وتشریف کے لئے حضرت آدم اور آپ کے سوا دوسرے انبیاء علیہم السلام اٹھائے گئے اور بھیجے گئے تھے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۱۶۶)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اہل علم کو اختلاف ہے کہ حضور ﷺ کی ملاقات کے لئے اسریٰ کی رات انبیاء کو اجساد میں پہنچادیا گیا تھا یا ان کی ارواح ان کے اجساد میں منتقل ہوگئی تھیں۔ ابوالوفاء ابن عقیل نے ایسا کہا ہے اور ہمارے بعض مشائخ نے پہلی بات کو پسند فرمایا ہے۔

اور ان کی دلیل مسلم شریف کی یہ حدیث ہے: حضور ﷺ نے فرمایا میں نے اسریٰ کی رات حضرت موسیٰ علیہ السلام کو میں نے دیکھا کہ کھڑے ہوتے نماز پڑھتے ہیں۔ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بیت المقدس پہنچادیئے گئے۔ جب حضور ﷺ آپ پر گزرے ہیں۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۱۶۸)

بعض حضرات منکرین حیات کو انبیاء کی قبروں سے مسجد اقصیٰ اور آسمانوں پر پہنچادینے سے تعجب ہوتا ہے اور کسی نص کے خلاف سمجھتے ہوئے انکار کرتے ہیں۔ لیکن بات یہ ہے کہ اسریٰ کے واقعہ کو مستبعد سمجھتے ہوئے ابوجہل نے اس کا انکار کیا تھا اور قریش کو استبعاد تھا تو حضور ﷺ کو جھٹلایا۔ بخاری حدیث اسراء میں روایت کرتے ہیں قریش نے مجھے جھٹلایا۔ حق تعالیٰ نے حجاب اٹھایا اور میں دیکھ رہا تھا قریش جو مجھے پوچھتے تھے۔ میں ان کو بتاتا تھا۔ امام احمد اور بزار نے بسند حسن روایت کیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا۔ اسریٰ کی رات کے صبح مکہ معظمہ میں ابوجہل میرے پاس سے گزرا اور کہا کہ کوئی نئی بات ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں رات بیت المقدس پہنچایا گیا تھا۔ ابوجہل نے کہا پھر صبح یہاں ہیں۔ آپ حضور ﷺ نے فرمایا ہاں! ابوجہل نے کہا اگر میں آپ کی قوم کو بلاؤں تو آپ ان کے سامنے بھی ایسا ہی فرمائیں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہاں! ابوجہل نے مجلس بلائی اور حضور ﷺ نے ان کے سامنے واقعہ بیان فرمادیا۔ کسی نے تالی بجائی اور کسی نے تعجب میں اپنا سر پکڑا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۱۵۸)

کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر اٹھایا جانا اور قرب قیامت تک وہاں رکھنا ''ولکم فی الارض مستقر'' کے خلاف اور مستبعد ہے اور قرب قیامت سے پیشتر اسریٰ کی رات اپنے مقر سے بیت المقدس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اتارنے پر تعجب نہیں ہوتا ہے۔ کیا اس کا بھی انکار کرنا چاہئے۔ بات یہ ہے کہ جب حق تعالیٰ نے ایسا چاہا تھا تو اس کے سامنے کوئی ضابطہ ایسا نہیں ہے۔ جس نے اللہ کی قدرت کو محدود کردیا ہے اور اس کے ارادہ کو روک دیا ہے یا حق تعالیٰ آپ کے ہویٰ کے تقاضا سے مجبور ہوسکتا ہے۔

امام بیہقی (حیات الانبیاء ص ۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں تمام دوسرے زندہ انسانوں کی طرح ہیں۔ جہاں بھی اللہ تعالیٰ ان کو اتارتے ہیں وہاں پہنچتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے روایت کیا ہے کہ معراج کی رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انبیاء علیہم السلام کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بیت المقدس میں دیکھا۔ پھر آسمانوں پر ان سب حضرات انبیاء علیہم السلام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ "فعال لما یرید" ہے اور انبیاء سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ملاقات بیداری میں تھی اور جسمانی تھی اور انبیاء کا یہ سیر وسفر بھی عام زندہ انسانوں کی سیر وسفر کی طرح تھا۔ اس لئے ہم کہتے ہیں کہ عالم برزخ میں انبیاء علیہم السلام کی حیات دنیا کی حیات کی طرح جسمانی ہے اور یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ اسریٰ اور معراج کے واقعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات میں ایسے انبیاء بھی شامل ہیں جو پہلے دنیا کی زندگی میں وفات پاچکے ہیں اور ایسے بھی شامل ہیں۔ جنہوں نے ابھی وفات نہیں پائی۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔

اور امام بیہقی رحمہ اللہ کے بیان میں مذکور ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت موسیٰ علیہ السلام گھنگر بال والے اور قبیلہ شنوءۃ کے آدمیوں کے رنگ ڈھنگ پر تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام عروۃ بن مسعود سے شکل وصورت میں ملتے جلتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ مشابہ ہیں۔ امام بیہقی اس تفصیل کے بعد لکھتے ہیں۔ ان سب میں ان حضرات انبیاء کی حیات کی دلیل ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور دوسرے حضرات انبیاء کی حیات میں فرق نہیں کرتے بلکہ ایک ہی سمجھتے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات یقیناً دنیاوی اور جسمانی ثابت ہے۔ اسی طرح حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کی طرح جسمانی ہے اور جسمانی مشابہت ان کے اجسام کی نسبت اور مشابہت سے بیان فرمائی گئی۔ یہ ان کی جسمانی حیات کی وجہ ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں کہ انبیاء زندہ ہیں اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں۔ انبیاء کی دنیا کی زندگی کی طرح جسمانی حیات کی دو وجوہات ہیں۔ ایک نماز کا ذکر اور دوسری وجہ قبر کی تخصیص، نماز جسمانی فعل ہے جسم کی حیات کے بغیر وہ ناممکن ہے اور انبیاء کی قبروں میں ان کے اجسام محفوظ ہیں نہ یہ کہ نعوذ باللہ انبیاء کی ارواح قبروں میں قید کردی گئی ہیں۔ اپنی قبروں میں انبیاء کے نماز پڑھنے کے معنی یہ ہیں کہ ان کی قبروں میں ان کے اجسام زندہ ہیں۔ اس لئے نماز پڑھتے ہیں اور سنت کی زبان میں ارشاد ہے کہ وہ نماز پڑھتے ہیں اس لئے وہ ایسی نماز پڑھتے ہیں جیسے کہ اس حدیث میں مذکور ہے۔ تم ایسی نماز پڑھو جیسے کہ مجھے تم نے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔

مولوی صاحب کا اعتراض

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث انبیاء زندہ ہیں، اپنی اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں۔ امام بیہقی رحمہ اللہ، علامہ مناوی رحمہ اللہ نے حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے، ہیثمی رحمہ اللہ نے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے جو علم حدیث کے حاذق اور ارباب بصیرت ہیں۔ اس حدیث کو صحیح بتلایا ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کے ایک ایک راوی کی جرح وتعدیل کے اماموں میں امام احمد ابن حبان، یحییٰ ابن معین سے توثیق نقل کی ہے۔ ان حضرات حذاق علم حدیث کی تصحیح کے بعد اس حدیث کی صحت میں شک نہیں کرنا چاہئے تھا اور ائمہ حدیث کے کسی صاحب بصیرت کی یہ تنقید کہ درحدیث صحیح نہیں ہے۔ میں نہیں جانتا اور بیہقی رحمہ اللہ نے تو صحیح مسلم سے اس کے شواہد بھی ذکر کئے ہیں۔ مگر مولوی اسماعیل کو اس کی

صحت میں شبہ ہے اور صرف شبہ ہی نہیں بلکہ اس کو موضوع کی حد تک لے گئے ہیں اور جب مولوی صاحب کو کہا گیا کہ مخدوم قاضی صاحب شوکانی بھی (تحفۃ الذاکرین ص ۲۸) پر لکھتے ہیں: صحیح ثابت ہے کہ انبیاء علیہم اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ اگرچہ مولوی اسماعیل صاحب گجرانوالہ کو قاضی صاحب کا احترام ضرور ہے۔ مگر اپنی اپنی بات ہے۔ جواب میں کہتے ہیں، صحیح کا معنی ثبت ہی ہوسکتا ہے جب حدیث پر وضع کا حکم یقینی نہ ہو۔ محدثین کے نزدیک اس کی تعبیر ثبت سے ہوسکتی ہے۔ (رحیق ص ۷۴۴، مئی ۱۹۵۸ء)

مولوی صاحب اہل حدیث گروپ کے سلجھے ہوئے متین ممبر ہیں۔ مگر زبان کی آوارگی دیکھئے کہ اس حدیث کے بارے میں محدثین صحیح بمعنی ثبت کہتے ہیں۔ جس کا موضوع ہونا یقینی نہ ہو۔ خدا جانے یہ کس کی زبان کی پیداوار ہے۔ محدثین کی زبان اور اصطلاح یہ ہے کہ صحیح حدیث وہ ہے جس کی سند اوّل سے آخر تک متصل ہے۔ اس کے رواۃ عادل اور ضابط ہیں اور اس کے رواۃ میں کوئی راوی مجہول الحال اور مجہول العدالت نہیں ہے اور وہ حدیث شذوذ اور علت سے خالی ہے۔ محدثین کی زبان اور اصطلاح ایسی حدیث کو صحیح کہتی ہے۔ اگر اس گروپ کی زبان اور اصطلاح یہی ہے تو ہمیں اعتراض نہیں۔ مگر محدثین کی اصطلاح میں ایسی زبان کی مذمت کی گئی ہے۔

چنانچہ جزائری کہتے ہیں قوم نے اگر لفظ کے ایسے معنی میں استعمال کرنے پر اتفاق کرلیا ہے کہ اصل لغت میں اس لفظ کا وہ معنی نہ تھا جیسا لفظ واجب اصل لغت میں اس کا معنی ثابت ہے اور فقہاء کی اصطلاح میں واجب اس فعل کا نام ہے جس کے کرنے پر ثواب اور ترک کرنے پر عقاب ہے تو قوم کے ایسے اتفاق کا نام اصطلاح ہے اور ارباب تحقیق نے کہا ہے کہ جو صاحب کسی فن میں کلام کرتا ہے تو وہ اس فن کے متعارف الفاظ کو اس فن کے متعارف معنی کے لئے استعمال کرے اور جو ایسا نہیں کرتا تو وہ یا مقتضی مقام سے جاہل ہے یا دیدہ دانستہ ابہام اور ایہام کو چاہتا ہے اور اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی ضعیف حدیث کو حدیث حسن کہہ دیا جائے اور جب اعتراض ہوتا ہے تو یہ جواب دیا جاتا ہے کہ اس نے لغوی معنی کے اعتبار سے اس کو حسن کہا ہے تو اس کا یہ عذر مقبول نہیں ہے۔ بلکہ ایسا شخص قابل ملامت ہے، اس کو ملامت کیا جائے۔ (توجیہ النظر ص ۲۰)

محدثین کی اصطلاح میں صحیح حدیث کی تعریف پہلے لکھ دی گئی ہے۔ اگر قاضی شوکانی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کو صحیح کہتے ہیں اور صحیح کہنے سے قاضی شوکانی کی یا مولوی اسماعیل کی مراد یہ ہے کہ اس کا جعلی ہونا یقینی نہیں ہے۔ اگرچہ اس کی صحت مشکوک اور مشتبہ اور جعلی ہونا ظنی ہے تو یا یہ حضرات محدثین کی اصطلاح سے ناواقف ہیں اور یا دیدہ دانستہ فریب کرتے ہیں کہ علم حدیث میں محدثین کی اصطلاح سے ہٹ کر محدثین کے متعارف لفظ کو اس کے متعارف معنی کے علاوہ خودساختہ معنی کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ قاضی شوکانی نے اصطلاح محدثین کے مطابق صحیح کے متعارف لفظ محدثین کے متعارف معنی کے لئے استعمال کیا ہے۔ لیکن مولوی صاحب کو مروڑ ہوا ہے اور بے دردی کے ساتھ قاضی صاحب کے صحیح معنی اور صحیح استعمال کو اپنی ہوئی کے مطابق بنانے کے لئے تحریف کیا ہے۔

محدثین کی اصطلاح میں صرف صحیح حدیث کو ثابت کہا جاتا ہے۔ حسن لذاتہ پر بھی محدثین ثابت کا اطلاق نہیں کرتے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کسی حدیث کے بارے میں محدثین کا یہ کہنا لایثبت اس کو لازم نہیں کرتا ہے کہ وہ حدیث جعلی ہے اس لئے کہ ثابت صرف صحیح حدیث کو شامل ہے اور ضعیف اس سے کم درجہ میں ہے اور اس کے لئے لایثبت کہا جاتا ہے۔ (تذکرۃ الموضوعات للامام محمد طاہر بن علی متوفی ۹۸۶ھ)

حافظ کی مراد ظاہر ہے کہ محدثین صرف صحیح حدیث کو ثابت یا ثبت کہتے ہیں۔ مولوی صاحب نے محدثین پر یہ افتراء کیا ہے کہ محدثین اس حدیث کو ثابت یا ثبت لکھتے ہیں جس کا جعلی ہونا یقینی نہ ہو۔ اس کے علاوہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد کہ انبیاء میں ایک دوسرے پر فضیلت مت دیجئے۔ بخاری خصومات اور باب وفات موسیٰ میں مذکور ہے اور بیہقی (حیات الانبیاء ص ۱۳) پر اس کے متعلق کہتے ہیں۔ یہ ثابت ہے اور ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث مر-با بو صیة رسول اللہ الخ مستدرک میں مذکور ہے اور حاکم اس کی روایت کے بعد لکھتے ہیں: ھذا حدیث صحیح ثابت۔ اس لئے کہ بخاری اور مسلم دونوں حضرات کو سعید بن سلیمان اور عباد بن العوام اور جریری سے احتجاج کرنے پر اتفاق ہے۔ جس حدیث کی صحت پر مسلم اور بخاری کو اتفاق ہے اس کو حاکم نے صحیح ثابت کہا ہے اور جس کو صرف بخاری نے روایت کیا تھا اس کو بیہقی رحمہ اللہ نے ثابت کہا ہے اور ان حضرات محدثین کی مراد یہ ہے کہ جس حدیث کو بخاری اور مسلم دونوں نے روایت کیا ہے یا جس کو بخاری نے صرف روایت کیا ہے اس کی صحت میں کچھ تامل نہیں ہے۔ بلکہ اس کی صحت زیادہ قوی اور مؤکد ہے اور جو مولوی صاحب نے کہا ہے۔ اگر ثابت کہنے سے محدثین کی وہی مراد ہے تو اس کا معنی یہ ہے کہ بخاری اور مسلم کو جس حدیث کی صحت پر اتفاق ہے۔ وہ مشتبہ ضرور ہے۔ مگر اس کا جعلی ہونا یقینی نہیں ہے۔ اگر چہ ظن کے درجہ میں جعلی ہے۔ استغفر اللہ! کیا شان ہے غیر مقلدیت کی۔ جو چاہا لکھ مارا نہ آگے کا ڈر اور نہ حال کا خطرہ ہے۔

شبہ اور اس کا جواب

منکرین حیات حضور رسالت مآب ﷺ کی دائمی اور مستمر حیات کے خلاف ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جب کوئی شخص مجھ پر سلام بھیجے گا تو اللہ میری طرف میری روح لوٹا دے گا تاکہ میں اس کے سلام کا جواب دوں۔ (ابوداؤد ج اول ص ۲۷۹)

یہ شبہ کرتے ہیں سلام بھیجنے سے پیشتر اور رد روح سے قبل حضور ﷺ کی حیات نہیں تھی۔ رد روح کے بعد حیات آتی ہے اور رد روح سلام کے بعد کیا جاتا ہے۔

جواب: اس شبہ کی یہ بنیاد کہ رد روح سے پیشتر حضور ﷺ کی حیات نہیں تھی سراسر غلط ہے اور رد روح سے پیشتر حضور ﷺ کی موت سمجھ لینا بڑی نادانی ہے۔ بخاری میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ کا یہ ارشاد مذکور ہے ''ان اللہ قبض ارواحکم حین شاء وردھا علیکم حین شاء'' اللہ نے جس وقت چاہا تمہاری جانوں کو قبض کر لیا اور جس وقت چاہا تم کو واپس کر دیا۔ (بخاری ج ۱ ص ۸۳ باب الاذان بعد ذہاب الوقت)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو یہ ارشاد حضور ﷺ نے اس وقت فرمایا ہے جب کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور آپ کے دوسرے رفقاء سو گئے تھے اور حضور ﷺ سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے زیادہ گہری نیند سو جانے کا عذر کرتے ہوئے کہا۔ ایسی نیند میرے اوپر کبھی نہیں ڈالی گئی۔ کیا سوئے ہوئے صحابہ رضی اللہ عنہم کو جب ان کی روح لوٹائی گئی تو اس لوٹانے سے پہلے حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور آپ کے دوسرے رفقاء صحابہ رضی اللہ عنہم استغفر اللہ! فوت ہو چکے تھے اور نعوذ باللہ وہ مردہ پڑے تھے۔ کلا ہرگز نہیں۔ رد روح سے یہ مراد نہیں کہ اس سے پیشتر مردگی تھی اور اب زندگی آگئی۔ پہلے بھی زندگی تھی اور اب بھی زندگی ہے۔

چنانچہ بیہقی رحمہ اللہ کہتے ہیں ''رد اللہ علیّ روحی'' جملہ حالیہ ہے اور عربیت کا قاعدہ یہ ہے کہ جب جملہ حالیہ ماضی واقع ہوتا ہے تو اس میں لفظ قد مقدر ہوتا ہے۔ جیسا قرآن شریف میں ''جاءو کم حصرت صدورھم

ای قد حصرت صدورھم" اور حدیث میں حتی تعلیل کے لئے نہیں ہے بلکہ مجرد عطف کے لئے ہے۔ حدیث کا معنی یہ ہے: جو کوئی مجھ پر سلام بھیجے گا اللہ تعالیٰ میری روح کو اس سے پہلے مجھے لوٹا چکا ہے۔ میں اس کا جواب دوں گا۔
(حیات الانبیا ص ۱۱، الحاوی ج ۲ ص ۱۵۴)

علامہ مناوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: رد روح سے مراد رد نطق ہے۔ اس لئے کہ حضور ﷺ کی حیات دائمی ہے۔ کسی وقت بھی حضور ﷺ کی روح آپ سے جدا نہیں ہوتی ہے۔ اس لئے کہ یہ صحیح ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور رد نطق حضور ﷺ کے استمرار اور دوام حیات میں ظاہر ہے۔ اس لئے کہ کوئی ایسا وقت جو حضور ﷺ پر سلام بھیجنے سے خالی گزرے۔ عادۃً محال ہے اور جس نے یہ کہا ہے کہ یہ رد سلام اس سلام پڑھنے والے کے حق میں ارشاد ہے۔ جو مواجہ شریف میں آرام گاہ نبوت کے سامنے کھڑا ہے تو اس تخصیص کے لئے دلیل کی ضرورت ہے۔ بہر حال اس حدیث میں رد روح سے مجاز اً رد نطق مراد ہے۔ جیسا کہ ابن الملقن اور دوسرے حضرات علماء نے کہا ہے اور مجاز کا علاقہ یہ ہے کہ نطق کے ساتھ روح کا وجود لازم ہے۔ جیسے کہ روح کے ساتھ بالفعل یا بالقوۃ نطق کا وجود لازم ہے اور رسالت مآب ﷺ عالم برزخ میں ملکوت کے احوال میں مشغول اور اس کے مشاہدہ میں دوسری طرف سے بے توجہ اور اس اشتغال اور استغراق کے حال میں آپ کا نطق بند ہے۔

اس لئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ رد روح سے یہ مراد لے لینا کہ حضور ﷺ کا نطق حاضر ہو جاتا ہے۔ سلام پڑھنے والے کی طرف توجہ ہو جاتی ہے۔ حدیث کا بہترین معنی ہے اور طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ روح قدسیہ حضرت الٰہیہ میں عجیب شان میں ہوتی ہے اور جب آپ کو کسی کا سلام پہنچتا ہے تو اس حال سے اللہ تعالیٰ رد سلام کی طرف آپ کی روح کو لوٹا دیتا ہے اور آپ سلام کا جواب دے دیتے ہیں۔ جیسا کہ دنیا میں حضور ﷺ کی شان اور عادت یہ تھی کہ امت کو وحی الٰہی سے فیض پہنچاتے تھے۔ حق تعالیٰ کی طرف سے جو فیضان آپ پر ہوتا تھا۔ امت کو آپ فیض فرماتے تھے۔ امت پر انوار قدسیہ کے افاضہ کی شان اور حالت حضرت الٰہیہ کے اشتغال سے آپ کو مشغول اور روگرداں نہیں کرتی تھی۔ اسی طرح برزخ میں حضرت الٰہیہ میں جو حضور ﷺ کی شان اور حال ہے۔ جیسے کہ دنیا میں امت پر وحی الٰہی کے فیضان کے شان اور حالت تھی۔ امت کے سلام کے جواب میں رد سلام کے فیض سے حضور ﷺ توجہ فرماتے ہیں اور امت پر فیضان سے مشغول اور روگرداں نہیں ہوتے ہیں۔ غرض دنیا برزخ آخرت تمام حالات میں حضور ﷺ کو امت پر لطف و توجہ ہوتی ہے اور کسی وقت بھی امت پر فیضان سے اشتغال نہیں فرماتے ہیں۔ (فیض القدیر ج ۵ ص ۴۶۷)

اور مولانا نانوتوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں چراغ کو جس وقت ہنڈیا میں دھر دیجئے اور اوپر سے سرپوش رکھ کر بند کر دیجئے تو وہ نور منبسط جو دور دور تک پھیلا ہوا تھا منقبض ہو کر خود شعلہ کی طرف لوٹ آتا ہے اور اس صورت میں اس شعلہ اور ان شعاعوں پر ان شعاعوں اور اس نور کا وقوع اسی طرح لازم ہے جیسے قبل از انقباض یعنی وقت انبساط در و دیوار کے اوپر مثلاً واقع تھا۔ سو اہل انصاف غور فرمائیں کہ وقت توجہ نفس الی النفس بھی انقباض مبداء انکشاف اور ارتداد مبداء انکشاف الی الاصل ہوتا ہے اور وجہ انکشاف نفس للنفس بھی ارتداد مبداء انکشاف اور انقباض مبداء انکشاف ہوتا ہے۔ اس صورت میں حاصل معنی حدیث شریف کے یہ ہوں گے کہ جب کوئی رسول اللہ ﷺ پر سلام بھیجتا ہے تو خداوند کریم آپ کی روح پر فتوح کو اس حالت استغراق فی ذات الٰہیہ و تجلیات الٰہیہ سے جو بوجہ محبوبیت و محبت تامہ آپ کو حاصل رہتی ہے۔ اپنے ہوش عطا فرما دیتا ہے۔ یعنی مبداء انکشاف نبوی ﷺ کو جو انبساط الی اللہ

حاصل تھا۔ مبدل بانقباض ہو جاتا ہے اور اس و... سے ارتداد علی النفس حاصل ہوتا ہے اور اپنی ذات اور صفات اور کیفیات اور واقعات متعلقہ ذات وصفات سے ... لاع حاصل ہو جاتی ہے۔ سو چونکہ سلام اتیان بھی منجملہ وقائع متعلقہ ذات خود ہیں۔ اس لئے اس سے مطلع ہو کر بوجہ حسن اخلاق ذاتی جواب سے مشرف فرماتے ہیں اور اس حدیث میں جو لفظ رد موجود ہے وہ اس حدیث کے ... معنی پر شاہد ہے۔ (آب حیات ص ۲۲۹)

غرض یہ کہ حدیث میں رد روح سے یہ مراد نہیں ہے کہ سلام کے وقت رد روح کے بعد حضور ﷺ کو حیات دی جاتی ہے اور سلام سے پہلے اور سلام کے بعد موت ہوتی ہے۔ اس لئے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث نے تمام انبیاء کی حیات کی عالم برزخ میں خبر دی ہے اور محدثین اور فقہاء کو بالاتفاق عالم برزخ میں حضور ﷺ کی حیات کا استمرار اور دوام مسلّم ہے۔ اگر چہ علماء محدثین کے جوابات متعدد ہیں۔ مگر ان سب کا مقصد ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ رد روح کے بعد قبر میں حیات اور جسمانی حیات کو جس طرح معترض تسلیم کرتا ہے۔ اسی قسم کی حیات یعنی جسمانی حیات رد روح سے پیشتر بھی حضور ﷺ کو حاصل ہے۔ جیسا کہ بیہقی اور حافظ سیوطی اور حافظ سخاوی کے سابق صفحات میں جوابات میں مذکور ہیں کہ حضور ﷺ کو عالم برزخ میں قدم رکھتے ہی روح لوٹائی گئی ہے اور جسمانی حیات دی گئی اور محدثین کے مذکورہ متعدد جوابات اور کسی قدر مختلف تعبیرات کے جوابات سے آپ یہ اندازہ کر لیجئے کہ حضور ﷺ کے جسمانی حیات کو محدثین یقینی اور حقیقت مسلمہ جانتے ہیں۔ اس لئے جس کسی محدث کو حضور ﷺ کے جسمانی حیات کے دوام اور استمرار میں کچھ وہم وشک ڈالنے والی چیز سامنے آگئی ہے تو اس نے اپنے فکر ونظر میں اس وہم اور شک کے اٹھانے کے لئے مجتہدانہ بصیرت افروز سعی فرمائی ہے اور حضور ﷺ کی حیات اور اس کے دوام واستمرار پر زور دیا ہے اور استمرار ودوام کے منافی معانی کو تکلفات وتاویلات بعیدہ کہہ کر انکار کیا ہے۔

چنانچہ علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: حضور ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں دیکھا اور یہ دیکھنا حقیقتاً بیداری میں تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر میں زندہ ہیں اور ایسی نماز پڑھتے ہیں جس طرح دنیا کی زندگی میں نماز پڑھتے تھے اور یہ ممکن ہے کوئی مانع اس کا نہیں ہے۔ اس لئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آج تک دنیا میں ہیں اور دنیا دار تعبد ہے۔ اگر چہ یہ نماز اور عبادت امر تکلیفی سے نہیں ہے۔ لیکن اکرام وتشریف کے حکم سے ہے۔ اس لئے کہ دنیا میں انبیاء کو نماز محبوب تھی اور اسی کو لازم رکھا اور اسی پر فوت ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اسی پر باقی رکھا۔ ان کی عبادت ملائکہ کی عبادت کی طرح الہامی ہے تکلیفی نہیں ہے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ آدمی اس کام پر فوت ہوتا ہے جو اپنی زندگی میں کرتا تھا اور اس کام پر اٹھایا جائے گا جس پر وہ فوت ہو گیا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں دیکھنے اور اسی رات پھر آسمانوں پر دیکھنے میں کوئی تدافع نہیں ہے۔ اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام کے لئے مراتع اور مسارح ہیں۔ ان میں جہاں چاہتے ہیں پھرتے ہیں، پھر لوٹ کر آتے ہیں یا اس لئے کہ مفارقت بدن کے بعد انبیاء کی ارواح رفیق اعلیٰ میں ہیں اور ابدان پر ان کو اس قدر اقتدار اور تعلق ہے۔ جس سے ابدان میں تصرف اور ابدان کا تقرب ان کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا اور آسمانوں پر دیکھا۔

آپ سوچئے تو آپ سمجھ جائیں گے کہ اس روایت کی بحث میں جو تکلفات اور دور کی تاویلات کی گئی ہیں کہ یہ روایت منامی تمثیل یا مثالی ہے یا دحی ... اخبار ہے روایت عین نہیں ہے۔ ان کی حاجت اور ضرورت نہیں ہے۔ (فیض القدیر ج ۵ ص ۵۱۹)

ف: یہ حدیث جو ابوداؤد میں ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے مذکور ہے۔ اپنی صحت میں مشکوک ہے اور پہلی حدیث کی جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے مذکور ہے کہ انبیاء زندہ ہیں اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں کی ہم پایہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس کی صحت یقینی ہے اور محدثین نے بالاتفاق اس کو صحیح بتلایا ہے اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث جو معترض نے ذکر کیا ہے حسن کے درجہ میں ہے جو صحیح سے قوت اور درجہ میں نیچے ہے۔

چنانچہ حافظ سخاوی رحمہ اللہ کہتے ہیں امام احمد ابوداؤد، طبرانی، بیہقی نے باسناد حسن اس کو روایت کیا ہے۔ نووی نے اس کو صحیح کہا ہے اور اس میں نظر ہے، شبہ ہے۔ حافظ فرماتے ہیں صرف یزید بن عبداللہ بن قسیط اس حدیث کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور اس روایت میں وہ منفرد ہے اور یزید بن عبداللہ بن قسیط میں کلام ہے۔ امام مالک نے اس میں توقف کیا ہے اور فرمایا ہے لیس بذالک ایسے راوی کے منفرد روایت کی صحت پر یقین نہیں ہو سکتا ہے اور تقی ابن تیمیہ نے ذکر کیا ہے۔ اس کا کیا معنی ہے کہ ابوداؤد کی روایت میں یزید بن عبداللہ بن قسیط مذکور ہے۔ گویا اس نے ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا ہے اور یزید بن عبداللہ ضعیف ہے اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس کے سماع میں نظر ہے۔ طبرانی رحمہ اللہ وغیرہ کے طریق میں یہ ضعف نہیں ہے۔ لیکن اس میں ایک راوی مجہول ہے۔ (القول البدیع ص ۱۱۶)

ابن حبان فرماتے ہیں کہ یزید بن عبداللہ بسا اوقات خطا کرتا ہے۔ ابو حاتم فرماتے ہیں یزید بن عبداللہ قوی نہیں ہے۔ (تہذیب التہذیب لابن حجر رحمہ اللہ)

یزید بن عبداللہ کا اس حدیث میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منفرد ہونا ضعف ہے اور ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس کے سماع میں شبہ ہے، نظر ہے۔ امام مالک، ابن حبان، ابو حاتم، ابن تیمیہ کی اس کے متعلق اچھی رائے نہیں ہے۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس کو ضعیف بتلاتے ہیں اور ابن حبان رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں غلطی کرتے ہیں۔ اس لئے حافظ سخاوی فرماتے ہیں کہ یہ مذکورہ حدیث صحیح کے اونچے مقام پر نہیں پہنچ سکتی ہے اور جس سند سے حدیث مذکورہ طبرانی میں مذکور ہے۔ اس میں مجہول راوی ہے اور روایت کے لئے ایک راوی کا مجہول ہونا بڑا ضعف ہے اور ابوداؤد کے مذکورہ حدیث میں حمید بن زیاد ابو صخر راوی ہے۔ حافظ ابن حجر تقریب التہذیب میں لکھتے ہیں کہ یہ سچا ہے۔ مگر وہم اس کو ہوتا ہے۔ بہرحال مذکورہ حدیث حسن ہے اور جب مطلقاً حسن کسی حدیث کو کہا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ حسن لذاتہ ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ حسن لذاتہ صحیح حدیث کی طرح دلیل ہے۔ اس سے احتجاج کیا جاتا ہے کہ سلام کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو روح لوٹائی گئی ہے اور روح لوٹانے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کے لئے (استغفر اللہ) یہ حدیث دلیل ہو سکتی ہے۔

جو حضرات محدثین کے علوم اور اصول حدیث کو جانتے ہیں وہ مذکورہ سوال کا سیدھا اور مختصر یہ جواب دیتے ہیں کہ حسن لذاتہ دلیل نہیں ہے۔ اس کے ساتھ احتجاج کرنا صحیح نہیں ہے۔ جب تک اس کا متن بھی اس کی سند کی طرح حسن ثابت نہ ہو جائے اور اس کے متن میں شذوذ اور علت نہ ہو اور کسی نہ کسی طریق سے بجائے حسن ہونے کے وہ صحیح ثابت ہوتی ہے۔

چنانچہ جزائری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ سنن کی کتابوں میں جن میں ابوداؤد بھی ہے۔ کسی حدیث سے احتجاج کرنے والا اگر صحیح اور غیر صحیح میں تمیز کر سکتا ہے تو اس حدیث کی سند کے اتصال اور روایت کے اصول پر غور کرے اور سوچ کر فیصلہ کرے کہ اس کی بحث و نظر کے نتیجہ میں وہ حدیث صحیح ہے یا حسن ہے یا ضعیف ہے اور اس کے باوجود بھی اگر سنن کی حدیث سند کے اعتبار سے صحیح یا حسن ثابت ہو جائے۔ مگر جب تک اس کا متن شذوذ اور علت سے خالی نہ ہو تو

وہ قابل احتجاج نہیں ہے۔ اس لئے کہ سند کی صحت اور حسن متن کی صحت اور حسن کا ضروری تقاضا نہیں کرتا اور جب ثابت ہو جائے کہ اس کا متن بھی شذوذ اور علت سے خالی اور پاک ہے تو پھر وہ حسن دلیل اور قابل احتجاج ہے۔

ابن صلاح نے کھول کر بیان کیا ہے کہ اسناد کا صحیح اور حسن ہونا حدیث کے صحیح اور حسن ہونے کا تقاضا نہیں کرتا۔ محدثین کا یہ کہنا اس حدیث کی سند صحیح یا حسن ہے۔ محدثین کے اس کہنے سے قوت اور درجہ میں کم ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے یا یہ حدیث حسن ہے۔ اس لئے کہ یہ کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ شاذ ہے یا معلل ہے۔ ہاں اگر مصنف معتمد جب کہ اس قدر کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور کسی علت یا قدح کا اس میں ذکر نہیں کرتا تو اس کا ظاہر یہ ہے کہ وہ اس کو صحیح فی نفسہ سمجھتا ہے۔ اس لئے کہ عدم علت اور عدم قادح اصل اور ظاہر ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن صلاح کے اس آخری حصہ پر اس قدر تبصرہ کیا ہے۔ مجھے شک نہیں ہے کہ معتمد امام حدیث جب کسی حدیث کو صحیح کہنے کی جگہ صحیح الاسناد کہتے ہیں تو اس عدول کی وجہ ہے اور ضرور ہے۔ اتفاقاً صحیح کہنے کی جگہ صحیح الاسناد نہیں کیا ہے بلکہ کسی وجہ سے کہا ہے اگر احتجاج کرنے والا ایسی حدیث سے جس کو صحیح الاسناد کہا گیا ہے صحیح اور غیر صحیح میں تمیز نہیں کر سکتا ہے تو اس کے لئے صرف یہ چارہ ہے کہ وہ ائمہ حدیث کے کلام میں تجسس کرے۔ اگر ان میں سے کسی نے اس کو صحیح اور حسن کہا ہے تو وہ اس کی تقلید کرے اور اس حدیث کے متن کو صحیح یا حسن سمجھ لے۔ ورنہ ایسی صحیح الاسناد یا حسن الاسناد حدیث سے احتجاج کرنے کی جرأت اور پیش قدمی نہ کرے۔ اس لئے کہ اس میں خطر عظیم ہے۔ (توجیہ النظر ص ۱۵۵)

اور تدریب الراوی میں لکھا ہے کہ حدیث حسن احتجاج کرنے میں صحیح حدیث کی مانند ہے۔ اگر چہ قوت میں حسن صحیح سے نیچے ہے اور محدثین کا یہ کہنا حدیث حسن الاسناد یا صحیح الاسناد نیچے درجہ ہے اور اس سے اوپر درجہ محدثین کا یہ کہنا ہے۔ حدیث صحیح یا حسن۔ اس لئے کہ کبھی حدیث کا اسناد صحیح ہوتا ہے یا حسن ہوتا ہے۔ مگر اس حدیث کا متن صحیح یا حسن نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے کہ متن میں شذوذ ہوتا ہے یا علت ہوتی ہے۔ یعنی اس کا مضمون صحیح حدیث کے خلاف ہوتا ہے یا اس میں قادح علت ہوتی ہے یعنی اس کا معنی عام نصوص کے مفہوم کے عموم کے ضد اور مزاحم ہوتا ہے۔

اور جس حسن حدیث کے ایسے دو طریقے ہیں جن دونوں میں سے ہر ایک طریقہ الگ الگ حجت نہیں ہے تو ایسی حدیث حسن قابل احتجاج نہیں ہوتی ہے۔ جیسا کہ ابن صلاح نے کہا ہے اور اقتراح میں کہا ہے یہ جو کہا گیا ہے کہ حسن حدیث حجت ہے۔ اس سے احتجاج کیا جا سکتا ہے۔ اس میں اشکال ہے۔ اس لئے کہ اس میں ایسے اوصاف ضروری ہیں جن کے ہوتے ہوئے اس روایت کا قبول کرنا واجب ہے۔ اگر وہ اوصاف پائے جائیں تو وہ حسن صحیح ہے اور اگر وہ اوصاف نہ پائے جائیں تو ایسے حسن سے احتجاج درست نہیں ہے۔ اگر چہ اس کو حسن کہا جائے گا۔ (تدریب الراوی ص ۹۱)

غرض یہ ہے کہ حسن حدیث کا متن بھی اگر حسن ہے اور متن کے حسن ہونے کی صورت یہ ہے کہ حسن حدیث کے طرق متعدد ہوتے ہیں۔ اگر دو صحیح طریقوں سے مروی ہے تو یہ صحیح محض ہے اور دیگر طریقوں میں سے ایک طریق کی صحت معلوم نہیں ہے تو یہ حدیث حسن ہے اور اس کا متن بھی حسن ہے جیسا کہ اس کی سند حسن ہے۔ (توجیہ النظر ص ۱۶۲)

غرض یہ ہے کہ وہ حسن حدیث قابل احتجاج ہے جو کسی ایک طریقہ سے وہ صحیح ثابت ہوتی ہے اور اگر صحیح طریقہ سے ثابت نہیں ہوتی ہے تو اس کا متن اس کی سند کی طرح حسن ہے اور صرف سند میں جو حدیث صحیح یا حسن ثابت ہوتی ہے تو

وہ قابل احتجاج نہیں ہے۔ اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ اس کے متن میں شذوذ یا علت ہو محدثین کے مذکورہ اصول کے مطابق ابوداؤد کی مذکورہ حدیث کہ سلام کے بعد حضور ﷺ کی روح حضور ﷺ کو لوٹائی جاتی ہے۔ کسی طریقہ سے صحیح ثابت نہیں ہے اور محدثین نے اس کو سند کے اعتبار سے حسن کہا ہے۔ اس کے رجال کو ثقہ کہا ہے۔ اگر چہ اس کے رجال میں ایسے بھی ہیں جن کو وہم ہوتا ہے اور جو خطا کرتے ہیں اور ایسے بھی ہیں جن کو اوپر کے راوی سے سماع میں شبہ ہے اور بعض طریقہ میں مجہول راوی بھی ہیں۔ مگر تعدیل کا پہلوان حضرات کو غالب ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو حسن فرمایا ہے۔

مگر اس کے متن کی تصحیح کسی امام حدیث نے نہیں کی ہے اور جب کسی صحیح طریقہ سے کسی امام حدیث کو ثابت نہیں ہے۔ اس لئے اس کا متن حسن ثابت نہیں ہوتا ہے اور قابل احتجاج نہیں ہے۔ وہ اس دعویٰ کے لئے رد روح سے پیشتر حضور ﷺ کی حیات نہیں تھی دلیل نہیں ہوسکتی ہے اور اس کے متن میں شذوذ اور علت بھی موجود ہے۔ اس لئے کہ اس کا یہ مضمون کہ رد روح سے پیشتر حضور ﷺ کی حیات نہیں تھی۔ اس صحیح حدیث کے خلاف ہے۔ جس نے انبیاء علیہم السلام کی مستمر اور دائمی حیات کی خبر دی ہے اور اس کی تصحیح حدیث کے ائمہ نے کی ہے اور صرف سند کی تصحیح نہیں کی ہے بلکہ سند کی طرح اس کے متن کی تصحیح فرمائی ہے اور علت اس میں یہ ہے کہ حضور ﷺ نے شہداء احد کی قبروں کی زیارت کرتے ہوئے فرمایا: یا اللہ تیرا نبی اور تیرا بندہ گواہی دیتا ہے کہ یہ شہداء ہیں اور جو ان کی زیارت کرتا ہے یا ان پر سلام پڑھتا ہے، قیامت تک یہ اس کو جواب دیتے ہیں۔ (وفاء الوفاء ص ۹۳۳)

اور مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی قبر پر حضور ﷺ نے کھڑے ہو کر فرمایا: یا اللہ تیرا نبی تیرا بندہ گواہی دیتا ہے کہ یہ شہداء ہیں۔ لوگو! ان کے پاس آؤ اور ان پر سلام پڑھو۔ جب تک زمین و آسمان قائم ہیں تو یہ سلام پڑھنے والے کو جواب دیتے ہیں۔ (وفاء الوفاء ص ۹۳۱)

حضور ﷺ نے شہداء احد کی قیامت تک دوام حیات کی خبر دی ہے اور قرآن شریف میں شہداء کی مستمر حیات مذکور ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ انبیاء اپنے مقام میں بدرجہا شہداء سے اونچے اور برتر ہیں اور شہداء کے دوام حیات سے انبیاء کی حیات کا دوام اور استمرار اعلیٰ اور بلند نہ ہو جیسا کہ ابودرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث کا مضمون اس کو موہم ہوتا ہے۔ بہرحال حضور ﷺ کی حیات کے دوام کے خلاف اور رد روح سے پیشتر حضور ﷺ کی موت پر ابوداؤد کی حدیث سے احتجاج کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس میں شذوذ اور علت ہے۔ اس لئے وہ قابل احتجاج نہیں ہے۔

مولوی صاحب کا دوسرا اعتراض اور اس کا جواب

پہلے صفحات میں مفصل لکھا گیا ہے کہ اہل سنت والجماعت کا مسلک محدثین اور فقہاء اور امت مسلمہ کے اہل علم کو اتفاق ہے کہ رسالت مآب ﷺ عالم برزخ میں اپنے آرام گاہ میں دنیا کی حیات جیسی جسمانی حیات میں زندہ ہیں۔ مگر مولوی محمد اسماعیل صاحب کو اس سے شدید انکار ہے اور بڑی بے دردی سے عقل مندوں کی یاوہ گوئی کی آڑ لے کر حضور ﷺ کی جسمانی حیات اور امت مسلمہ کے اس دیرینہ اور مضبوط اعتقاد کا تمسخر اور مذاق اڑایا ہے۔

لکھتے ہیں: اس مذکورہ فکر و نظر پر عقل مندوں کے اعتراضات ہیں۔ جن سے حضور ﷺ کی حیات جسمانی اور حقیقی زندگی کا انکار کرنا ضروری ہے۔ مثلاً زندہ نبی کی دیوار کی اوٹ میں چھپانے کی کیا حکمت ہے اور اس سے کیا حاصل اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت پر کیسے تشریف رکھی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ترکہ کیوں طلب کیا اور

حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی (رضی اللہ عنہم) کی شہادت پر تعزیت کے لئے کیوں تشریف نہ لائے۔ وغیرہ وغیرہ الخ
مجھے افسوس ہے کہ ہماری مولوی صاحب عقلمندوں کے سوالات سے اس قدر متاثر اور عاجز آ گئے ہیں کہ امت مسلمہ کا مسلمہ نظریہ پس پشت ڈال دیا۔ غیر مقلدیت کی تو بڑی شان ہے۔ مبارک احمد ناگوری کے پاس غیر مقلدیت کی دولت تھی۔ جس نے دین الٰہی کی تعمیر میں اکبر کے دربار میں اس کو روسیا کر دیا تھا۔ مرزا کے پاس غیر مقلدیت کا سرمایہ تھا۔ جس نے اس کے دوستوں کی دولت سے اس کو مالا مال اور اسلام کے دائرہ سے باہر کر دیا۔ لیکن ہمارے مولوی صاحب عقل مندوں کی یاوا گوئیوں سے شکست کھا گئے ہیں۔ کیا سنن وآثار اور امت کے مسلمہ اعتقاد کا صرف اس قدر وزن ہے کہ عقل مندوں کے مطالبات پر ان کو قربان کر دیا جائے۔ مخدوما کسی عقل مند کا مطالبہ اور سوال ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام میں نفخ روح سے پیشتر رسالت مآب ﷺ کو نبوت سے نوازا جا چکا تھا۔
مگر واقعہ یہ ہے کہ تمام انبیاء کے تشریف لے جانے کے بعد سب کے آخر میں آپ کا ظہور ہوا۔ معلوم نہیں اللہ میاں کو اس قدر پیشتر حضور ﷺ کو نبوت کے منصب سے سرفراز فرمانے اور ہزارہا سال چھپائے رکھنے کی حاجت کیا تھی۔ شاید یہ کہانی خوش عقیدگی ہے۔ کسی عقل مند کا سوال ہے کہ انسانی مستقر زمین ہے اور انسان کی طبعی عمر معلوم ہے کہ زیادہ سے زیادہ کس قدر ہو سکتی ہے اور انسانی ضروریات بھی سب جانتے ہیں۔ خدا جانے اللہ میاں کو کون سی مجبوری تھی کہ زندہ مسیح کو کسی نامعلوم کونہ میں غائب کر دیا اور اس کی طبعی ضروریات کو بند کر دیا۔ استغفر اللہ!
کسی عقل مند کا سوال ہے کہ بیت المقدس میں حضور ﷺ کی ملاقات کے لئے حضرت مسیح تشریف لائے تھے۔ کیا اچھا موقعہ تھا کہ حضرت مسیح بیت المقدس میں ایک تقریر فرماتے کہ یہود نے اس کو قتل نہیں کیا تھا اور نہ وہ صلیب کی لعنتی موت مارے گئے تھے۔ یہودیوں اور عیسائیوں کی اصلاح ہو جاتی یا ان پر اتمام حجت ہو جاتا۔ معلوم نہیں اللہ میاں کو کیا اس قدر جلدی تھی کہ حضرت مسیح کو موقع دیئے بغیر جلدی سے پھر چھپا دیا۔ تقریباً ایک سو سال مسیح موعود کے آنے کا اور سرینگر میں حضرت مسیح کی وفات کا اعلان کیا جا رہا ہے۔ اگر حضرت مسیح زندہ ہے تو کیا کسی اجلاس میں یا بڑے دنوں کے اجتماع میں ایسے جھوٹوں اور افتراء پردازوں کے جھٹلانے کے لئے حضرت مسیح علیہ السلام کا آنا ضروری نہیں ہے اور کیوں نہیں ہے۔
کسی عقلمند کا سوال ہے اگر ایمان والے کی قبر میت کی انتہا بصر تک وسیع کر دی جاتی ہے تو واقعات میں اس قدر وسعت کیوں ظاہر نہیں ہوتی ہے۔ ہم تو جب بھی دیکھتے ہیں ایمان والے کی قبر بھی اسی قدر رقبہ پر محدود ہے جیسے کہ وہ بنائی گئی تھی۔ وغیرہ وغیرہ! مخدوما عقل مندوں کے کن کن سوالات سے لاچار ہو کر کتاب وسنت کے ارشادات ومسائل کو جواب دو گے۔ عقل مند تو بہت کچھ کہتے ہیں۔ مگر ہم تو اللہ اور اس کے رسول کے ارشاد پر باور کرتے ہیں۔ اگر آپ عالم برزخ میں حضور ﷺ کی موت پر کسی سنت کو دلیل جانتے ہیں تو بیان کیجئے۔ ورنہ عقل مند تو آپ کو کسی دوسرے رخ پر لگانا چاہتے ہیں۔
میں نہیں جانتا کہ مولوی صاحب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صدیقہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کس گروہ میں شمار کرتے ہیں۔ یہ سوالات تو ان سے بھی ہو سکتے ہیں۔ غالباً اس زمانہ میں کوئی عقل مند نہیں تھا۔ ورنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ضرور سوال کیا تھا۔ ابن زبالہ اور یحییٰ نے متعدد حضرات سے جن میں عبدالعزیز بن ابی حازم اور نوفل بن عمارہ بھی ہیں۔ یہ روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب آرام گاہ نبوت سے کسی قریب کے گھر میں کیل یا میخ کے ٹھوکنے کی آواز سنتیں تھیں تو آدمی بھیج کر ان کو یہ کہہ کر روکتی تھیں کہ حضور ﷺ کو اس سے تکلیف ہوتی ہے۔ حضور ﷺ کو تکلیف مت دو

اوران حضرات نے بیان کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مکان کے کواڑ بنوانے کی ضرورت پیش آئی تو بنانے والے کو آپ نے فرمایا کہ شہر سے باہر بنا کر لائیں تاکہ اس کی آواز وغیرہ سے حضور ﷺ کو تکلیف نہ پہنچے۔ (وفاء الوفاء ج اول ص ۳۹۸)

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا اور امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کو آرام گاہ نبوت میں حضور ﷺ کی جسمانی حیات کا اس قدر یقین تھا کہ آرام گاہ نبوت میں کواڑ بنانے کے وقت کی آواز سے اور قریب کے مکان میں کیل یا میخ کے ٹھوکنے کی آواز سے حضور ﷺ کو تکلیف جانتے ہیں اور لوگوں کو روک دیا تھا۔ اگر نعوذ باللہ حضور ﷺ کی جسمانی حیات کا ان حضرات کو یقین اور عقیدہ نہیں ہے تو آرام گاہ نبوت میں قریب کی آواز سے حضور ﷺ کو تکلیف کا یقین ان حضرات کو کیسے ہو سکتا تھا۔ مگر کسی عقل مند نے ان سے یہ نہیں پوچھا ہے کہ آرام گاہ نبوت میں حضور ﷺ کو زندہ حضور ﷺ کو کیوں قید و بند کر دیا گیا ہے۔ استغفر اللہ! مٹی کے اس قدر بوجھ سے حضور ﷺ کی تکلیف کا کیوں پاس نہیں رکھا گیا ہے۔ کاش یہ سوال کیا جاتا تو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا اور امیر المؤمنین کی زبان سے خفیہ اسرار کھل جاتے۔ مگر ایسا عقل مند کون بنتا۔ جیسا کہ مولوی صاحب کو میسر آیا ہے۔

اللہ کے بندے عام ایمان داروں کی قبریں بہشت کے باغیچے ہیں نہ وہ قید کرنے کے لئے دفنائے جاتے ہیں اور نہ کسی خطرہ کے پیش نظر مٹی میں چھپائے جاتے ہیں بلکہ وہ اس عالم شہادت کی محنتوں اور زہد و تقویٰ کے صلہ اور انعامات میں اللہ کی عنایات اور الطاف دکھانے کے لئے دوسرے عالم میں جس کی حقیقت اور اصل خفاء اور تستر پہنچائے جاتے ہیں۔

مولوی صاحب اہل حدیث بنتے ہیں۔ مگر عقل مندوں کی نفسیات کو سنت کے احساسات پر مقدم سمجھتے ہیں۔ شاید آپ کے اہل حدیث ہونے کا یہی معنی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں حضور ﷺ سے یہ سنتی تھی کہ ہر ایک نبی علیہ السلام کو دنیا میں رہنے اور آخرت جانے میں اختیار دیا جاتا ہے۔ (بخاری باب مرض النبی الخ)

اور ابی مویہبہ فرماتے ہیں حضور ﷺ نے مجھے فرمایا: مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دی گئیں اور یہ کہ قیامت تک دنیا میں رہوں پھر اس کے بعد جنت ہے۔ مجھے ان میں اختیار دیا گیا۔ اگر چاہوں تو قیامت تک دنیا میں رہوں اور یا لقاء رب اور جنت میں جانے کے لئے سفر کروں۔ پس میں نے لقاء رب کے لئے اور جنت کے لئے سفر کرنا پسند کر لیا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۱۱۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اور ابی مویہبہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث میں حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ کو دیوار کی اوٹ میں زندہ نہیں چھپایا ہے بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے لقاء رب کے سفر میں جنت اور آخرت کے سفر میں حضور ﷺ کی مشایعت کی ہے۔ حضور ﷺ اپنے اختیار سے اس سفر پر روانہ ہو گئے ہیں اور عالم شہادت سے عالم برزخ کی حد تک صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کا ساتھ دیا ہے۔ عالم غیب کی عالم برزخ کی شان تستر اور خفاء ہے۔ اس لئے اس سفر میں داخل ہونے اور روانہ ہونے کے لئے حضور ﷺ کی شان کے مناسب استتار غیبوبت اللہ کے نظام میں ضروری تھا۔ اس لئے موت کی صورت پیش آ گئی اور وہ بھی اس حد اور اس وقت تک کے لئے کہ جس وقت اور حد تک ایک جہاں سے دوسرے جہاں میں تبدیلی کے لئے بدلنا ضروری تھا۔

جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: انبیاء اہل دنیا کی نسبت اموات کی صورت میں ہیں۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۳۴۵)

خلفاء ثلاثہ کی شہادت کے واقعات ایسے نہیں ہیں کہ واقع ہو چکنے کے بعد حضور ﷺ کو معلوم ہو گئے ہیں

بلکہ احد پہاڑ پر کھڑے ہوئے آپ نے فرمایا تھا۔ احد ٹھہر جاؤ تم پر ایک نبی کھڑے ہیں، دوسرے صدیق اور عمر ﷠ وعثمان ﷠ دو شہید کھڑے ہیں۔ عمار بن یاسر ﷜ نے حضرت علی ﷜ کو حضور ﷺ کی زبان سے آپ کی شہادت کی خبر سنادی تھی۔ اب یہ کون سے نئے واقعات ہیں۔ جن کے لئے عالم غیب سے حضور ﷺ کا آنا ضروری تھا! اور بخاری کے کتاب بدء الخلق میں حضرت عمر ﷜ کا یہ بیان مذکور ہے کہ حضور ﷺ نے ہمیں ابتداء پیدائش سے یہاں تک کہ واقعات بتائے کہ اہل جنت اپنے مقامات میں اور اہل دوزخ اپنے مقامات میں چلے گئے۔ جس نے یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس کو بھول گیا وہ بھول گیا۔

اور بخاری نے کتاب القدر میں حضرت حذیفہ ﷜ کا یہ بیان روایت کیا ہے۔ حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے قیامت تک واقع ہونے والے واقعات کو ایک دن خطبہ میں بیان فرمایا۔ حاکم کہتے ہیں حضور ﷺ نے صبح سے مغرب تک خطبہ دیا اور قیامت تک آنے والے امور کی خبر دے دی۔ (مستدرک حاکم ج ۴ ص ۴۸۷)

آپ جانتے ہیں کہ عالم شہادت اور عالم غیب، عالم برزخ کے باشندوں کے واقعات ایسے مربوط نہیں ہیں جیسا کہ عالم شہادت کے واقعات میں باہمی ارتباط ہوتا ہے اور آپس کے ارتباطات سے مناسبات قائم ہوتے ہیں۔ اس لئے عالم غیب میں قیام فرماؤں اور عالم شہادت کے باشندوں کے مناسبات قائم نہیں ہوتے ہیں۔ عالم غیب میں جو گزرتا ہے، عالم شہادت کے باشندوں کو اس سے کچھ سروکار نہیں اور اہل دنیا پر جو گزرتا ہے۔ اس کے ساتھ عالم برزخ کے باشندوں کو کچھ تعلق نہیں ہے۔ عالم شہادت میں ہونے والے واقعات جو ارتقاء وتنزل کے اسباب سے مربوط ہیں۔ ان میں قضاء وقدر کے فیصلوں میں عالم غیب سے حضور رسالت مآب ﷺ کو مداخلت کی ضرورت کیا ہے۔ اس لئے رسالت مآب ﷺ سے مولوی اسماعیل صاحب کا یہ بے جا گلہ ہے۔ اگر حضور ﷺ زندہ ہیں تو امام حسین ﷜ کی شہادت، مختار کی عیاریوں، مصرہ کے فتنہ میں وغیرہ وغیرہ میں حضور ﷺ کو مداخلت کی ضرورت کیوں محسوس نہیں ہوئی۔

تعجب ہوتا ہے کہ مولوی صاحب اپنے جذبات میں نبوت کے احساسات کا اندازہ کرتے ہیں۔ شکست وریخت کے واقعات میں دوستانہ یا ہمدردانہ مراسم ہمارا رواج تو ہے۔ مگر ایسے مراسم کی پابندیوں سے انبیاء ﷩ کی شان بدرجہا بلند ہے۔ حضور ﷺ نے جب حضرت حمزہ ﷜ پر کھڑے ہو کر دیکھا کہ آپ مثلہ کئے گئے ہیں تو آپ نے فرمایا: اگر حضرت صفیہ ﷞ کے رنج اور دکھ کا خیال نہ ہوتا اور یہ کہ میرے بعد یہ معمول ہو جائے گا تو میں حضرت حمزہ ﷜ کو اسی حالت پر چھوڑ دیتا کہ سباع کے بطون اور طیور کے حواصل میں پہنچے۔ حمزہ! تجھ جیسا دکھ کبھی نہیں پہنچا اور کبھی ایسی جگہ کھڑا نہیں ہوا ہوں جو اس سے زیادہ غصہ دلانے والی ہے۔ (وفاء الوفاء ص ۹۳۵)

احساسات نبوت کا ضبط اور برداشت حضرت صفیہ کے مزاج کی پاسداری اور سید الشہداء کے متعلق تفویض الی اللہ کا سبق آموز درس کو ہمارے مراسم کے ساتھ کچھ لگاؤ ہے۔ کوئی بھی اپنے عم شہید کے جسد کے ٹکڑے سباع وطیور کے حوالہ کرنا پسند نہیں کرتا۔

حافظ ابن حجر ﷫ نقل کرتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: مجھے اختیار دیا گیا کہ اس وقت تک دنیا رہوں کہ امت پر جب فتوحات کے دروازے کھلیں گے تو ان خوش کن اور مسرت آور حالات اور واقعات کو دیکھ لوں یا اس وقت کے آنے سے پہلے ان حالات اور واقعات کا انتظار نہ کروں اور جانے میں جلدی کروں۔ میں نے جلدی اور پہلے جانے کو پسند کر لیا ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۱۱۲)

عالم شہادت کے آنے والے واقعات کے متعلق پیغمبرانہ احساسات یہ ہیں۔ پھر کیا ضرورت ہو سکتی ہے کہ جس پیغمبر علیہ السلام نے ہونے والے واقعات کے وقت آنے کے انتظار میں دنیا میں رہنا پسند نہیں کیا تھا وہ دنیا کے واقعات کے ہو چکنے کے بعد عالم غیب سے عالم شہادت میں آئے اور تمام اسرار الٰہیہ کو فاش کر دے۔

چونکہ یہ مولوی صاحب کے عقل مندوں کے سوالات نہیں ہیں بلکہ ان سے پہلے پیشرو عقلمندوں کے پرانے اٹھائے ہوئے سوالات ہیں۔ لیکن مولوی صاحب نے شاید یہ سمجھ لیا ہے کہ پرانے عقل مندوں کو لوگ نہیں جانتے۔ شاید اس کے زمانہ کے عقل مندوں میں پرانے عقل مندوں کا تعارف خوب ہو سکتا ہے۔ ورنہ جہاں عقل مندوں کے سوالات مولوی صاحب نے پڑھے ہیں وہاں ان کے جوابات بھی مذکور ہیں۔ اس لئے میں یہاں سید آلوسی رحمہ اللہ کی زبان سے مذکورہ سوالات کے جوابات کو ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

سید آلوسی رحمہ اللہ شریعت محمدی سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اخذ و استفادہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضور ﷺ کی وفات کے بعد امت محمدیہ کے کاملین صلحاء کو بیداری میں حضور ﷺ سے ملنے اور اخذ و استفادہ کے واقعات ہو چکے ہیں۔ شیخ عبدالقادر گیلانی رحمہ اللہ قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔ ظہر کی نماز سے پہلے میں نے حضور ﷺ کو دیکھا اور مجھے فرمایا: اے میرے بیٹے بولتے کیوں نہیں؟ میں نے عرض کیا میرے باپ! بغداد کے فصحاء کے سامنے میں عجمی آدمی کیسے بول سکتا ہوں۔ حضور ﷺ نے میرے منہ میں لعاب دہن مبارک ڈال دیا اور فرمایا: اب فرمایئے!

اور خلیفہ بن موسیٰ النہر ملکی اکثر خواب اور بیداری میں حضور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں اور فرماتے تھے کہ اس کے اکثر افعال اس نے خواب اور بیداری میں حضور ﷺ سے حاصل کئے ہیں اور شیخ ابی العباس المرسی رحمہ اللہ سے ایک صاحب نے کہا یا سیدی اس ہاتھ سے آپ مجھ سے مصافحہ کیجئے۔ شیخ نے فرمایا: حضور ﷺ کے سوا اس ہاتھ سے میں نے کسی سے مصافحہ نہیں کیا اور فرمایا اگر طرفۃ العین کے لئے بھی حضور ﷺ میری آنکھوں سے اوجھل ہو جائیں تو میں اپنے آپ کو مسلمانوں میں نہیں گنتا۔

اور اس قسم کے واقعات ارباب حقائق سے بکثرت منقول ہیں اور جن لوگوں نے وفات کے بعد بیداری میں حضور ﷺ کی زیارت کے شرف کا انکار کیا ہے۔ حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے تنویر الحلک فی رؤیۃ النبی والملک میں ان کی تردید کی ہے اور بخاری، مسلم، ابوداؤد کی اس حدیث سے ان پر استدلال کیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ عنقریب مجھے بیداری میں دیکھ لے گا اور طبرانی، دارمی نے بھی اس معنی کی حدیث کو روایت کیا ہے۔ اس حدیث کے مضمون اور معنی میں حضرات علماء نے مختلف قسم کی تاویلیں کی ہیں۔ کسی نے قیامت کے دن بیداری میں زیارت کی تخصیص کی ہے اور کسی نے حضور ﷺ کی حیات کے ساتھ بیداری میں دیکھنے کی تخصیص کی ہے۔

اور امام ابو محمد بن ابی حمزہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آیا یہ حدیث اپنے عموم پر ہے یا اس میں حیات کی تخصیص ہے اور نیز یہ حدیث کہ جس کسی نے حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا اس کو بیداری میں شرف زیارت کی بشارت دیتی ہے یا وہ حضرات اس شرف سے سرفراز ہوں گے جن میں پوری اہلیت اور کامل اتباع سنت ہے۔ حدیث کے الفاظ عام ہیں اور کسی مخصص کی تخصیص کئے بغیر خصوص کا دعویٰ ضد اور تاسف ہے۔

امام موصوف نے مفصل کلام کیا ہے اور کہتے ہیں کہ سلف اور خلف میں بیشار حضرات ہیں جنہوں نے حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا تھا اور حضور ﷺ کے اس ارشاد پر ان کو یقین تھا اور انہوں نے بیداری میں حضور ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل کیا اور انہوں نے رسالت مآب ﷺ سے اپنی تشویش کی شکایت کی اور جن امور میں وہ پریشان تھے ان میں وجوہ اور تدبیر کو حضرت ﷺ سے پوچھا تاکہ ان کی تشویش اور تردد رفع ہو اور اطمینان نصیب ہو جائے۔ حضور ﷺ نے ان کو تدبیر بتادی اور ایسا ہوا جیسا حضور ﷺ نے فرمایا اور انہوں نے چاہا تھا۔

اور حافظ سیوطی ﷫ فرماتے ہیں: اہل علم ارباب حقائق کے نقول اور احادیث کے مجموعہ کا حاصل یہ ہے کہ حضور ﷺ اپنے جسد اور روح دونوں میں زندہ ہیں اور زمین وملکوت کے اقطار واطراف میں جہاں چاہتے ہیں سیر وتصرف فرماتے ہیں اور وفات سے پیشتر جس ہیئت پر حضور ﷺ تھے۔ اب بھی اسی ہیئت پر ہیں۔ کچھ بھی فرق نہیں ہے۔ صرف فرق آیا ہے تو اس قدر کہ نگاہوں سے غائب کر دیئے گئے ہیں۔ جیسا کہ ملائکہ نگاہوں سے غائب کئے گئے ہیں۔ اگرچہ وہ اپنے مناسب اجساد میں زندہ موجود ہیں۔ جب حق تعالیٰ حضور ﷺ کی زیارت سے کسی کا شرف چاہتا ہے تو حجاب اٹھالیتا ہے اور وہ حضور ﷺ کی سابق ہیئت پر زیارت کر لیتا ہے۔ اس سے کوئی دلیل مانع نہیں ہے اور روایت مثالی کی تخصیص کی کوئی وجہ اور ضرورت نہیں۔

سید آلوسی ﷫ نے دوسرے علماء کے دوسرے اقوال بھی ذکر کئے ہیں اور اپنا عندیہ بھی ظاہر کیا ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں تو پڑھ لیجئے اور جن حضرات نے حضور ﷺ کو بیداری میں دیکھا اور انہوں نے استفادہ کیا۔ ان میں سے بعض کا ذکر سید آلوسی ﷫ نے کر دیا ہے۔

اور ان میں بعض حضرات یہ ہیں: حافظ سیوطی ﷫ نے ۲۲ مرتبہ یہ شرف حاصل کیا اور بعض احادیث کے متعلق حضور ﷺ سے دریافت کیا اور حضور ﷺ کی تصحیح کے بعد حافظ نے ان حدیثوں کی تصحیح فرمائی اور امام شاذلی ﷫ نے ایک مرتبہ حافظ سے سلطان وقت سے اپنی سفارش کرنا چاہا تو آپ نے یہ کہہ کر انکار فرمایا۔ میں نے بہت دفعہ حضور ﷺ کی زیارت کی اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ رزق مجھے اللہ نے عنایت فرمایا ہے کہ میں بادشاہوں کے دروازے نہیں کھٹکھٹاتا۔ مجھے ڈر ہے، اگر ایسا کردوں تو مجھے اللہ تعالیٰ اس دولت سے محروم کر دے گا۔ آپ کی تھوڑی سی تکلیف برداشت کرتا ہوں۔ مگر اپنی اور امت کے بہت ضرر کو نہیں پسند کرتا۔

امام شعرانی ﷫ فرماتے ہیں: میں نے آٹھ دوسرے رفقاء کی معیت میں حضور ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل کیا اور میں نے حضور ﷺ کو بخاری کی کتاب پڑھ کر سنائی۔ (فیض الباری ج ۱ ص ۲۰۴)

حضرت حجۃ العلماء سید محمد انور شاہ صاحب ﷫ ان واقعات کے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: بیداری میں حضور ﷺ کی زیارت یقیناً ثابت ہے۔ اس کا انکار کرنا جہل نادانی ہے۔ مجھے ایسے حضرات صلحاء کا استقصاء کرنا مقصود نہیں ہے۔ جن کو حق تعالیٰ نے اس دولت سے نوازا ہے اور یہ رزق بخشا ہے۔ بلکہ سید آلوسی ﷫ نے جو مولوی صاحب کے سوالات کی طرح اپنے زمانہ یا اس سے پہلے عہد کے مستبعدین کے جو سوالات نقل کئے ہیں اور ان کا جواب لکھا ہے۔ ان کے نقل کرنے سے پہلے یہ مختصر سا تذکرہ ضروری تھا تاکہ ہر زمانہ کے علماء کا عندیہ مکمل جائے۔

اب سید صاحب کی باقی تحریر پڑھیے: فرماتے ہیں قبر میں حضور ﷺ کی حیات پر اگرچہ بعض ایسا ترتب ہوتا ہے۔ جیسے دنیا کی معروف زندگی پر نماز، اذان، رد السلام وغیرہ کا ترتب ہوتا ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ جو کچھ دنیا کی معروف زندگی میں کیا جاتا تھا۔ تمام اس ما یمکن کی توقع اب بھی حضور ﷺ سے برزخ عالم غیب کی زندگی میں لازم اور ضروری ہے اور یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ عالم غیب میں حضور ﷺ کی حیات ہر کہ دمہ جانے اور سمجھے۔ اگر اب بھی بالفرض نبی ﷺ کی قبر کھل جائے تو نبی ﷺ کا مقدس جسد ایسا دکھائی دے گا جیسے کہ ان اموات کے اجساد دکھائی دیتے ہیں جن کو زمین نے نہیں کھایا ہے۔

میں پھر اس تمام بحث کے بعد کہتا ہوں کہ بعض ارباب احوال کاملین کے واقعات یہ ہیں کہ انہوں نے رسالت مآب ﷺ کو دیکھا اور حضور ﷺ سے سوالات کے جوابات دریافت کئے ہیں اور استفادہ کیا ہے۔ ہم صدر اوّل میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایسے واقعات نہیں جانتے ہیں۔ حضور ﷺ کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم میں دین اور دنیا کے امور میں اختلافات ہوئے ہیں۔ صحابہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود تھے اور جن حضرات صوفیہ کے مذکورہ واقعات ہیں۔ ان کے اکثر سلاسل ان حضرات صحابہ تک پہنچتے ہیں اور ہم کو ان میں سے کسی ایک صحابی کا یہ واقعہ نہیں پہنچا ہے کہ آپ کو کسی نے بیداری میں دیکھا ہے اور آپ سے استفادہ کیا ہے اور نیز ہم کو یہ بھی معلوم نہیں ہوا ہے کہ صحابہ کرام میں سے کسی ایک صحابی کو تحیر و تردد کے وقت حضور ﷺ نے ظاہر ہو کر کچھ فرمایا ہے اور اس کے تحیر کو رفع فرمایا ہے۔

اور صحیح ثابت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بعض امور میں یہ فرمایا کاش! میں حضور ﷺ سے یہ پوچھا ہوا ہوتا اور یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ ارباب احوال کی حکایات کی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کبھی حضور ﷺ سے دریافت کرنے کا توسل کیا ہے اور نیز حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حزن عظیم حضور ﷺ کی وفات کے بعد آپ جانتے ہیں اور فدک کا اہم مطالبہ بھی آپ کو معلوم ہے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ حضور ﷺ نے آپ کے سامنے ظہور فرمایا ہے کہ حضرت بتول رضی اللہ عنہا کا حزن ہلکا ہو جاتا اور حقیقت حال سے واقف ہو جاتیں۔ آپ نے سنا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بصرہ کی طرف تشریف لے گئی ہیں اور جمل کا ہولناک واقعہ آپ کو پیش آیا ہے۔ کیا آپ نے سنا ہے کہ حضور ﷺ نے کچھ تعرض فرمایا اور ام المؤمنین کو روانہ ہو جانے سے پہلے روکا تھا اور ایسے واقعات بہت ہیں۔

غرض یہ کہ کسی صحابی اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کو حضور ﷺ کے ظاہر ہونے کی زیادہ ضرورت تھی۔ مگر کسی ایک کے لئے بھی آپ نے ظہور نہیں فرمایا ہے اور اگر یہ کہا گیا ہے کہ مسجد قبا کے دروازے کے قریب شیعہ حضور ﷺ کے ظہور کی حکایت کرتے ہیں تو یہ محض افتراء اور فریب ہے۔ ہاں! ضرور ارباب احوال کو حضور ﷺ کے ظاہر ہونے کی ایسی وجہ اور توجیہ ہے اور ہونی چاہئے۔ جس سے ارباب عقل وافہام کو اطمینان ہو۔ مجھ سے اس کہنے کی توقع اور حسن ظن مت رکھو کہ ارباب تصوف کے وہ واقعات جو بیان کئے جاتے ہیں، جھوٹ ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ان کی حقیقت کچھ نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس قسم کے واقعات کثرت سے منقول ہیں اور جن کے واقعات ہیں ان کی شان بڑی ہے۔ ان کی جلالت اور واقعات کی کثرت ان واقعات کی صحت کی شہادت دیتی ہے اور نیز مجھ سے اس کہنے اور اس کہنے کا حسن ظن بھی نہ کیجئے کہ ارباب احوال نے حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا تھا۔ مگر خفت نوم اور قلت وقت سے انہوں نے یہ سمجھا ہے کہ بیداری میں ان کو یہ شرف حاصل ہوا۔ اس لئے کہ ان کی شان سے یہ بعید ہے اور ان کے کلام میں ایسے امور ہیں جو اس سے انکار کرتے ہیں۔

بہت سے بہت میں یہ کہتا ہوں کہ بیداری میں ان حضرات کا حضور ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل کرنا خرق عادت امر تھا۔ جیسے اولیاء کی تمام کرامات کا اور انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا یہ حال ہے اور صدر اوّل میں عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں خوارق بہت ہی نادر ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ عہد آفتاب رسالت کے قریب تھا بلکہ متصل۔ آپ جانتے ہیں کہ آفتاب کے شعاع کے نیچے اور جب آفتاب کا ضوء پھیل جاتا ہے۔ کوئی ستارہ کہاں دکھائی دیتا ہے۔ اگر چہ موجود ہوتا ہے اور ہوسکتا ہے کہ ارباب احوال کی طرح بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے بھی نادر ایسے واقعات ہوں لیکن ان واقعات کا افشاء وقت کے مصالح کا تقاضا نہ تھا۔ تاکہ صحابہ کے بعد لوگ ہمیشہ اس توقع میں نہ رہیں اور اس کو آثار صحابہ رضی اللہ عنہم کی روشنی میں سنت نبوی نہ سمجھیں جیسے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے واقعہ میں حضور ﷺ کا کچھ ارادہ تھا۔ مگر آپ نے اس لئے اس کو پورا نہیں کیا کہ لوگ بعد میں اس کو سنت سمجھیں گے اور ہوسکتا ہے کہ عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں کوئی ایسا واقعہ نہیں ہوا ہے۔ اس لئے کہ ابتلاء کی حکمت کا تقاضا یہ تھا یا اس لئے کہ فتنہ کا خوف تھا۔

آپ جانتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بیان میں والہانہ عقیدت میں کسی اور رنگ کا امکان تھا یا اس لئے کہ عہد صحابہ میں ایسے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم تھے کہ وہ ہو بہو حضور ﷺ کے لئے بمنزلہ آئینہ کے ہیں یا اس لئے کہ اہم اور ضروری دینی اور دنیوی امور میں کتاب وسنت کی طرف لوگ دوڑیں اور حضور کے بالمشافہ ارشادات کا انتظار نہ کریں تاکہ اجتہاد کا باب وسیع تر ہو اور شریعت پھیل جائے یا مثل اس کے اور توجیہات بھی کی جاسکتی ہیں اور یہ کہا گیا ہے کہ عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی کسی کسی صحابی کو حضور ﷺ کا ظہور ہوا ہے۔ جیسا کہ روایت کیا گیا ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے چاہا کہ حضور ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل کریں تو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور اپنا ارادہ ظاہر کی تو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کا آئینہ سامنے کیا۔ اس صحابی رضی اللہ عنہ کو اس میں اپنی صورت نظر نہیں آتی تھی اور حضور ﷺ کی مقدس صورت کی وہ زیارت کر رہا تھا اور یہ ظہور ویسا ظہور ہے۔ جس کا صوفیا دعویٰ کرتے ہیں۔ صرف مرآۃ کے حجاب کا فرق ہے اور یہ تخیل نہیں ہے کہ حضور ﷺ کے آئینہ میں متواتر تصور سے قوی ہوگیا ہے کہ بسا اوقات ایسا ہوجاتا ہے جیسا ابن خلدون نے گمان کیا ہے۔ الخ (روح المعانی تفسیر آیت خاتم النبیین ج ۲۲ ص ۳۷)

غرض یہ ہے کہ ارباب علم کو ارباب حقائق سے بیداری میں حضور ﷺ کی زیارت کے امکان اور وقوع پر اتفاق ہے۔ اس لئے ارباب حقائق کے واقعات کو نہ جھٹلاتے ہیں اور نہ ایسی توجیہ اور تاویل کو پسند کرتے ہیں۔ جس میں حقیقت واقعی ظاہر نہیں ہوتی ہے بلکہ ایسے معانی بتلانے کی کوشش کی گئی ہے۔ جس پر دونوں گروہ متفق ہوسکتے ہیں۔ البتہ ایسے معانی کے تسلیم کرنے میں بظاہر کچھ تامل کرتے ہیں۔ جو عوام کے عامیانہ ذہن میں اوّل وہلہ بیٹھتے اور اترتے ہیں۔ مگر بعض ارباب علم کا یہ فکر ونظر بیداری میں حضور ﷺ کی زیارت اور حضور ﷺ سے استفادہ کے انکار کا متحمل نہیں ہوتا ہے اور اگر عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں ارباب حقائق کی طرح کے واقعات کم نادر ملتے ہیں یا منظر عام پر ظاہر نہیں ہوتے تو وہ ایسی معنوی حکمتوں کا تقاضا ہے۔ جن کی تہہ میں کتاب وسنت کا مرموز منشاء حق تعالیٰ نے پورا کرنا چاہا تھا اور جوں جوں آفتاب رسالت کا قرب دور ہوتا گیا اور دین کے لئے کچھ ظلمات کی راہیں کھلنے لگیں تو حق تعالیٰ کے لطف واحسان کا تقاضا ہوا اور اللہ کے علم میں جو اس قابل اور سرفرازی کا مستحق تھا اس کو یہ موقعہ بخشا گیا ہے۔

اور صحابہ کے فہم وبصیرت میں کتاب وسنت کے معانی کو اللہ نے متعین کرنا چاہا تھا اور صحابہ کے اختلافات میں اجتہاد کے لائنوں کو واضح اور مضبوط کرنا چاہا تھا اور صحابہ کے اجتہاد وسعی کی ابتلاء اور امتحان بھی مقصود تھا۔ اس لئے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مناسب اللہ کی گہری حکمتوں کا تقاضا بھی تھا کہ دنیا کو ان کے علم فہم سے روشناس کیا جائے اور ان کے اختلافات میں دنیا کو ذہنی اور فکری اختلافات کے امکان کا درس دیا جائے اور بتادیا جائے کہ مخلصانہ اختلافات میں صرف ایک مرکز کتاب وسنت تک پہنچنے کی کوشش مقصود ہونا چاہئے اور جیسے کہ تفرقہ اور جماعت بندی سے صحابہ کے دامن اجتہاد پاک رہا ہے۔ اس غرض کے لئے اور اس قسم کے اجتہاد کے لئے بقید ضرورت اور مجتہدانہ بصیرت کی شرط سے ہمیشہ دروازہ کھلا رہتا ہے۔ اس لئے حق تعالیٰ نے اس عہد میں حضور ﷺ کے بیداری کی حمایت کو نادر رکھا یا کسی وقت کے لئے روک دیا۔ یہی حال مولوی اسماعیل صاحب کے مذکورہ سوالات کا حل ہے۔ خوب سوچ لیجئے!

حضور ﷺ کی جسمانی حیات کی تیسری دلیل

کتاب وسنت کے وسیع دفتر میں کوئی صفحہ ایسا نہیں ملتا ہے۔ جس نے نعوذ باللہ آرام گاہ نبوت میں حضور ﷺ کے پاکیزہ اور بابرکت جسد کو بے جان اور مردہ بتادیا ہے۔ امت کے محدثین اور صلحاء نے عالم غیب میں حضور ﷺ کی حیات کی تلقین کی ہے اور تمام اہل علم کو آرام گاہ نبوت میں حضور ﷺ کی جسمانی حیات پر اتفاق ہے۔ امت کے اہل علم اور ارباب حقائق کا اتفاق قطعی دلیل ہے کہ آرام گاہ نبوت میں عام اموات کی طرح حضور ﷺ کو بے جان مردہ بتلانا دین کے ارباب عمائد سے نکل کر باہر ہونے کی بے باکانہ جسارت ہے اور ارباب علم وفقہ کے اس اتفاق کا ماخذ حضور ﷺ کے وہ ارشادات ہیں جو محدثین کو صحیح ثابت ہیں۔ کچھ مذکور ہوئے اور کچھ ذیل میں پڑھیے:

ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص میرے قریب میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھتا ہے تو میں اس کو خود سنتا ہوں اور جو میری قبر سے دور مجھ پر درود پڑھتا ہے تو اس کو میرے پاس فرشتہ پہنچادیتا ہے۔

(بیہقی شعب الایمان، احیاء الاذکیاء)

اس حدیث کے متعلق ملاعلی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابوالشیخ اور ابن حبان نے کتاب ثواب الاعمال میں جید سند کے ساتھ اس کو روایت کیا ہے۔　(مرقات ج ۲ ص ۱۰)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ نے زمین پر کچھ فرشتے مقرر فرمائے ہیں جو زمین پر گشت لگاتے رہتے ہیں اور میری امت کا سلام مجھے پہنچادیتے ہیں۔ (مسند امام احمد حدیث نمبر ۳۶۶۶، ۴۲۱۰، ۴۳۲۰)

احمد شاکر لکھتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ بیہقی نے حیات الانبیاء (ص ۱۰) پر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کیا ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ موکل کیا ہے جو شخص مجھ پر درود پڑھتا ہے وہ فرشتہ اس کو میری قبر میں میرے پاس پہنچادیتا ہے۔ جیسا کہ تمہارے ہدایا پہنچائے جاتے ہیں اور وہ فرشتہ مجھ پر درود پڑھنے کا نام اور نسب بھی مجھے بتلاتا ہے اور میرے پاس ایک سفید صحیفہ ہے اس میں اس کا نام اور اس کا نسب وغیرہ لکھ دیتا ہے۔

بخاری رحمہ اللہ نے تاریخ میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کیا ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں: اللہ کا ایک فرشتہ جس پر حق تعالیٰ نے یہ عنایت فرمائی ہے کہ وہ لوگوں کی آہستہ بات اور زور کی بات دونوں کو سنتا ہے وہ فرشتہ میری قبر پر کھڑا ہے جو مجھ پر درود پڑھتا ہے وہ فرشتہ اس کو میرے پاس پہنچا دیتا ہے۔ (الحاوی ج ۲ ص ۱۴۸)

عبداللہ ابن مسعود، ابو ہریرہ، حضرت انس، عمار بن یاسر (رضی اللہ عنہم) کی مذکورہ حدیثوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص آرام گاہ نبوت کے قریب ہو کر درود پڑھتا ہے تو حضور ﷺ اس کو سنتے ہیں اور اگر کوئی آرام گاہ نبوت سے دور ہو کر درود پڑھتا ہے تو اس کو فرشتہ آپ کے پاس آرام گاہ میں پہنچا دیتا ہے اور حضور ﷺ کے پاس صحیفہ ہے اس میں درود پڑھنے کا نام وغیرہ اس میں درج کرتا ہے۔ حضور ﷺ کے یہ ارشادات حضور ﷺ کی جسمانی حیات کی صحیح رہنمائی کرتے ہیں اور اس کی استدلالی وجوہات یہ ہیں:

پہلی وجہ استدلال یہ ہے کہ حضور ﷺ نے آرام گاہ میں اپنا حال ایسا ظاہر فرمایا ہے۔ جس طرح دنیا کی زندگی میں آپ کا یہ حال تھا کہ جو سامنے آ کر آپ کو سلام عرض کرتا تھا تو آپ خود جواب عنایت فرماتے تھے اور اگر کوئی دور ہوتا تھا اور کسی کی معرفت سلام بھیجتا تھا تو اس کے مناسب جواب عنایت فرماتے۔ آرام گاہ نبوت میں بھی یہی حال حضور ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔ اگر آپ قریب کھڑے ہیں تو خود سلام عرض کرتے ہیں اور اگر آپ دور ہیں تو آپ کا سلام فرشتے حضور ﷺ سے عرض کرتے ہیں۔ دنیا کی زندگی میں کلام وسلام کے سننے اور جاننے کے لئے قرب اور بعد کا جو آئین تھا وہی حضور ﷺ کے لئے آج بھی قائم ہے اور اس سے ہم سمجھتے ہیں کہ آرام گاہ نبوت میں دنیا کی زندگی جیسی حضور ﷺ کی زندگی ہے۔

دوسری وجہ استدلال کی یہ ہے کہ درود پڑھنے والے کے قرب اور بعد کا اندازہ حدیث میں حضور ﷺ کے آرام گاہ کے قرب اور بعد سے بتایا گیا ہے اور قبر میں حضور ﷺ کا مقدس جسد محفوظ اور امانت ہے اور حضور ﷺ کی قبر مبارک میں حضور ﷺ کا جسد زندہ ہے۔ اس لئے اس کے قریب ہونے والے کے براہ راست اور اس سے دور ہونے والے کے درود کو فرشتے کے واسطہ سے آپ سنتے ہیں اور صرف روح کے لئے قبر کی نسبت سے درود وسلام پڑھنے والے کے لئے قرب و بعد کا تصور بھی نہیں ہوتا ہے۔

تیسری وجہ استدلال یہ ہے کہ حضور ﷺ کے ارشادات میں آرام گاہ نبوت کی تخصیص کی گئی ہے کہ میری قبر کے قریب جو مجھ پر درود پڑھتا ہے اور میری قبر سے جو دور مجھ پر درود پڑھتا ہے تو میں سنتا ہوں اور جواب دیتا ہوں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قبر میں آپ کی زندگی ہے۔ اس لئے قبر میں سنتے ہیں اور قبر سے جواب دیتے ہیں اور قبر میں جسد اور جسمانی زندگی کے سوا روحانی زندگی اس لئے متصور نہیں ہے کہ روح کے لئے قبر اور غیر قبر دونوں برابر ہیں۔ قبر کی تخصیص کی اور قبر میں روح کے ہونے کے لئے نہ ضرورت ہے اور نہ لزوم اور اس معنی کی حضور ﷺ کی قبر میں جسمانی حیات کی تائید حضور ﷺ کے مذکورہ ارشادات سے بھی ہوتی ہے۔

حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ارشاد فرمایا: جمعہ کے دن کثرت سے مجھ پر درود پڑھا کرو۔ کیونکہ جمعہ کے دن تمہارا درود میرے سامنے پیش کیا جائے گا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ہمارا درود آپ کے سامنے کیسے پیش کیا جائے

گا۔ آپ کا جسد مٹی میں مل گیا ہوگا۔ مٹی نے اس کو بگاڑ دیا ہوگا۔ حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے جواب یہ ارشاد فرمایا: انبیاء کے اجساد کو اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے۔ اس حدیث کو ابوداؤد نے باب تفریع الجمعہ اور باب الاستغفار میں روایت کیا ہے۔ دارمی نے فضل جمعہ میں روایت کیا اور حاکم نے مستدرک (ج اول ص ۲۷۸) میں روایت کرنے کے بعد لکھا ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ بیہقی نے (سنن کبریٰ ج ۳ ص ۲۴۹) میں روایت کیا ہے اور قرطبی نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے اور حافظ ابن قیم کی قرطبی کی تصحیح کے ساتھ اتفاق ہے۔ (کتاب الروح ص ۵۴)

اس حدیث سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کی اور سابق اس معنی کی کہ حضور ﷺ اپنے آرام گاہ میں اپنے جسد میں زندہ ہیں۔ تائید اس طرح ہوتی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود شریف پڑھا کرو۔ کیونکہ تمہارا درود مجھ پر اس وقت اور اس حال میں بھی پیش کیا جائے گا۔ جب عالم غیب یعنی قبر میں میرے جسد میں میری حیات ہوگی تو صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس سننے پر تعجب ہوا اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے جسد اقدس کے متعلق عالم برزخ میں حال اور وقت کے متعلق تعجب سے سوال کیا کہ یہ کیسے ہوگا۔ قبر میں مٹی آپ کے جسد کو کھالے گی۔ حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ جواب فرما کر سمجھا دیا کہ عالم برزخ میں انبیاء علیہم السلام کے اجساد کو اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے اجساد ان کی قبروں میں محفوظ ہیں اور انبیاء اپنے اجساد میں اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ایسی زندگی میں ہیں۔ جب ان پر درود پڑھتے ہیں ان پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ کو حضور ﷺ کی حیات میں شک نہیں تھا۔ لیکن ان کو خیال تھا کہ قبر میں انبیاء کے اجساد کا نظام بھی بگڑتا ہوگا۔ جیسا کہ عام اموات کے اجسام کا نظام بگڑ جاتا ہے اور نیز حضور ﷺ کے ارشاد سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی یہ سمجھ لیا تھا کہ ان کا درود حضور ﷺ کی جسمانی زندگی میں حضور ﷺ کے سامنے پیش ہونے کی حضور ﷺ نے ان کو خبر دی ہے۔ اس لئے ان کو تعجب ہوا ہے۔

اور اپنے فکر کو حضور ﷺ کے ارشاد کے تطابق میں حیران ہو گئے۔ حضور ﷺ نے ان کے تعجب اور تحیر کو رفع فرمایا اور سمجھا دیا کہ انبیاء کے اجساد کے متعلق ان کو غلط فہمی تھی۔ اگر حدیث میں حضور ﷺ کی مراد یہ ہوتی کہ حضور ﷺ کی روح پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا درود پیش کیا جائے گا تو کیا آپ کے خیال میں نعوذ باللہ صحابہ اس قدر بے سمجھ تھے کہ انہوں نے حضور ﷺ کے ارشاد میں حضور کے جسد پر درود کا معروض ہونا غلط سمجھا اور حضور ﷺ کے جسد کے بارے میں بے جا تعجب اور سوال کیا ہے۔ اگر حضور ﷺ کی مراد یہ ہوتی کہ حضور ﷺ کی روح پر درود پیش کیا جائے گا اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے غلطی سے جسد پر درود کا پیش ہونا سمجھ لیا تھا تو حضور ﷺ کے اس جواب کا زمین پر اللہ نے انبیاء کے اجساد کو حرام کر دیا ہے۔

استغفر اللہ! کچھ محل اور معنی نہیں ہے۔ ایسے حال اور فہم میں حضور ﷺ کا ارشاد یوں ہونا چاہئے تھا کہ حضور ﷺ کے جسد کے بارے میں تمہیں تعجب اور سوال کیوں ہے۔ درود میری روح پر پیش کیا جائے گا۔ مگر حضور ﷺ کا جواب وہی ہے جو مذکور ہوا۔ صحابہ نے بالکل یہ صحیح سمجھا تھا کہ حضور ﷺ پر درود شریف کے پیش ہونے کا یہ معنی ہے کہ حضور ﷺ کا جسد مبارک زندہ ہے اور اس زندہ جسم میں حضور ﷺ پر درود پیش کیا جائے گا۔ حضور ﷺ کے جسم کی زندگی کے متعلق صحابہ کو شک ہوا تو حضور ﷺ نے جواب فرما کر ان کو مطمئن کر دیا کہ ہاں میں اپنی قبر میں اپنے جسد میں زندہ ہوں اور مجھ پر اسی جسدانی حیات میں تمہارا درود پیش کیا جائے گا۔

چند واقعات

سید نور الدین الایجی فرماتے ہیں میں حضور ﷺ کے روضہ مطہرہ کے پاس پہنچا اور میں نے کہا السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مجھے خلوت نبوت سے یہ جواب ملا۔ وعلیک السلام یا ولدی! وہاں اس وقت جس قدر حاضرین تھے سب نے حضور ﷺ کا یہ جواب سنا اور ابونصر عبدالواحد بن عبدالملک فرماتے ہیں میں حج سے فارغ ہوکر حضور ﷺ کی زیارت کے شرف حاصل کرنے کے لئے مدینہ منورہ میں حاضر خدمت ہوا۔ ابھی حجرہ مقدسہ کے پاس بیٹھا ہی تھا کہ شیخ ابوبکر الدیار بکری حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا السلام علیک یا رسول اللہ! میں نے حضور ﷺ کی آرام گاہ کے اندر سے یہ جواب سنا۔ وعلیک السلام یا ابا بکر! اور جس قدر لوگ بھی اس وقت وہاں موجود تھے۔ ان سب نے حضور ﷺ کا یہ جواب سنا۔ (الحاوی ج ۲ ص ۲۶۱)

حضور ﷺ کی قبر سے جواب کا ملنا اور جوار نبوت میں اس جواب کا سننا اہل علم اور ارباب حقائق کے اس قدر کثیر واقعات ہیں جن کا انکار کسی وقت بھی اہل علم نے نہیں کیا ہے اور یہ ان حضرات کے ایسے واقعات ہیں جن سے اس تحقیق کی تصدیق وتائید ہوتی ہے کہ حضور ﷺ آرام گاہ نبوت میں بجسد عنصری حیات ہیں اور امت مسلمہ میں یہ کسی نے نہیں کہا ہے کہ آرام گاہ نبوت میں حضور ﷺ کا جسم مبارک بے جان ہے اور حضور ﷺ کے آرام گاہ میں حضور ﷺ کی روح استغفر اللہ! بند کردی گئی ہے اور اس کی حیات کے آثار گاہ بگاہ ظاہر ہوتے ہیں۔

یہ پہلے لکھا جاچکا ہے کہ حیات کے افعال اور زندگی کے اعمال صرف روح کے لئے بدوں حیات جسم ناممکن ہیں۔ اس تحریر کو میں یہاں ختم کردینا چاہتا ہوں۔ لیکن آخر پر حجۃ الاسلام حضرت شیخ العلامہ سید محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ کے علم کے چند اقتباسات لکھنا چاہتا ہوں۔

خاتمہ

حضرت شاہ صاحب نے بخاری کے درس میں حیات رسالت مآب کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا تھا۔ آج مولوی بدر عالم صاحب میرٹھی کی کوششوں میں فیض الباری کے صفحات میں مذکور ہیں۔ میں اسی کتاب سے حضرت شاہ صاحب کے استفادات یہاں اس لئے نقل کرنا چاہتا ہوں کہ وہ اختصار اس قدر جامع بسط پر شامل ہے کہ اس کے سوچنے اور سمجھنے کے بعد اہل علم کی بہت سی مشکلات اور الجھنیں حل ہوسکتی ہیں اور اس علمی ونظری سرمایہ کے بغیر اس وقت حیات نبوت پر کوئی بصیرت کامل نہیں ہوتی ہے اور میں اور مجھ جیسے دوسرے ہزارہا اس عظیم العلیم اور کبیر الشان فقیہہ کے فیوض اور استفادات سے آثار وسنن کی راہ میں رواں دواں جارہے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب کتاب وسنت کی زبان میں یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ قرآن کی آیات اور حضور ﷺ کی سنت میں جو لفظ حیات انبیاء اور شہداء کے لئے ارشاد فرمایا گیا ہے وہ صرف ایسی حیات نہیں ہے کہ جسم وجسد کی زندگی کے بدوں صرف روحانی زندگی پر منطبق ہوتا ہے۔ اس لئے کہ لفظ حیات کے علاوہ اس کے ساتھ ایسے افعال حیات قرآن وحدیث میں مذکور ہوتے ہیں کہ وہ جسد اور جسم میں حیات کے بغیر صرف روح کے لئے ناممکن ہیں۔ اس لئے انبیاء علیہم السلام کے جسمانی حیات کے علم واعتقاد کے بغیر روحانی

حیات کے سمجھنے اور سمجھانے کے لئے کتاب وسنت میں کوئی چارہ نہیں ہے۔ بخاری کتاب العلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں نم صالحا قد علمنا ان کنت لموقنا بہ آرام سے سو جاؤ ہم نے جان لیا کہ آپ کو اس کا یقین اور باور تھا۔

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں: اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ قبور اعمال سے معطل ہیں۔ باوجود اس کے کہ اکثر اعمال قبروں میں ثابت ہوتے ہیں۔ جیسے حضور ﷺ کے آرام گاہ میں اذان اور اقامت کو دارمی اور قرآن شریف کی تلاوت ترمذی اور بخاری رحمہما اللہ نے انبیاء کے حج کو قبور میں روایت کیا ہے۔ اگر تفصیل چاہتے ہیں تو شرح الصدور مؤلفہ سیوطی رحمہ اللہ کا مطالعہ کیجئے۔ اسی طرح قرآن شریف میں طرفین احساس اور عدم احساس دونوں کا ابہام ہے۔ سورۃ یٰسین میں ارشاد ہے: ”من بعثنا من مرقدنا“ ترجمہ: (کس نے اٹھادیا ہم کو ہماری نیند کی جگہ سے) آیت دلالت کرتی ہے کہ قبور میں احساس نہیں ہے اور تمام سوئے پڑے ہیں اور دوسری آیت میں ارشاد ہے ”النار یعرضون علیھا غدوا وعشیا“ (المومن:۴۶) (ترجمہ: وہ آگ ہے کہ دکھلا دیتے ہیں ان کو صبح وشام) یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ مردوں کو قبروں میں ضرور احساس ہے۔

میں اس کی وجہ یہ سمجھتا ہوں کہ دنیا کی زندگی میں عمل کرنے والوں کے اعمال کے اختلاف سے برزخ کے حالات بھی مختلف ہیں۔ بعض اموات قبروں میں سوئے پڑے ہیں اور بعض اموات قبروں میں لذت اٹھاتے ہیں اور حدیث میں حیات برزخیہ کو نوم کے ساتھ اس لئے تعبیر کیا ہے کہ لغت میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو ٹھیک ٹھیک اس حال اور کیفیت کو ظاہر کر دے جو برزخی حیات میں ہوتی ہے۔ باعتبار وضع لغت اس مضمر معنی کے ادا کرنے کے لئے کوئی لفظ نہیں ہے۔ اس لئے اس حیات برزخی میں حال اور کیفیت کے اظہار اور تفہیم کی غرض سے اس کی نظیر کے لئے جو لفظ موضوع تھا۔ اس کو حدیث نے ذکر اور بیان فرمایا۔ حیات برزخیہ کے ساتھ نوم سے زیادہ کوئی دوسری شئے مشابہ نہیں ہے۔

اس لئے حدیث میں فرمایا گیا ”النوم اخو الموت“ موت کے مشابہ اشیاء میں سب سے زیادہ مشابہ اس کے نوم ہے۔ اس لئے قرآن شریف نے موت اور نوم دونوں کو ایک لفظ توفی کے تحت داخل کر دیا ہے۔ پھر اس کے بعد قرآن شریف نے موت اور نوم میں فرق کر دیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ نوم اور موت میں بعض اشتراک ہے اور بعض امتیاز ہے۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ”اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا فیمسک التی قضی علیھا الموت ویرسل الاخری“ (الزمر:۴۲) ترجمہ: اللہ کھینچ لیتا ہے جانیں جب وقت ہو ان کے مرنے کا اور جو نہیں مریں ان کو کھینچ لیتا ہے ان کی نیند میں پھر رکھ چھوڑتا ہے جن پر مرنا ٹھہرایا ہے اور بھیج دیتا ہے اوروں کو)

غرض یہ کہ اس دنیا کی حیات کے انقطاع کا نام اور دوسری قسم کی حیات کی ابتداء کا نام برزخ ہے اور اسی طرح نوم میں بھی ایک گونہ اس دنیا سے انقطاع ہوتا ہے۔ (فیض الباری ج اول ص ۱۸۳)

غرض یہ ہے کہ قبر میں برزخی زندگی ضرور ہے۔ مگر وہ برزخی زندگی اس قسم کی زندگی ہے کہ اس کی سب سے زیادہ صحیح اور اس کی حقیقت کھولنے والی جامع تعبیر رسالت مآب کی زبان میں نوم ہے اور جیسے نوم من وجہ حیات ہے اور من وجہ موت ہے۔ اسی طرح برزخی زندگی میں فی الجملہ احساس ضرور ہے۔ مگر وہ اس قدر احساس ہے کہ اس پر حیات اور زندگی کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا ہے۔ برزخی زندگی میں اس درجہ احساس حیات اور زندگی کے اطلاق کے

لئے کافی اور موجب نہیں ہے۔ بلکہ وہ برزخی زندگی موت کے اس قدر قریب اور مشابہ ہے کہ نوم جو موت کے سب سے زیادہ قریب اور مشابہ ہے اور پیغمبرانہ فہم ودانست میں برزخی زندگی کے لئے نظیر ہے۔ اس لئے برزخی زندگی پر نوم کا اطلاق فرمایا گیا اور رسالت مآب ﷺ کی زبان میں بھی برزخی زندگی کا صحیح مفہوم اور جامع عنوان ہے۔

یہ زندگی ان اموات کی برزخی زندگی ہے جن کی قبور اعمال سے مملو ہیں اور جن قبور سے ان کے سکان بیت المقدس میں امام المرسلین اور نبی الانبیاء کے استقبال کے لئے نکلتے ہیں اور آپ کے ساتھ نماز میں شریک ہونے کے لئے اور آسمانوں پر ملاقات کے لئے اپنی اپنی قبروں سے باہر آتے ہیں۔ ایسے نفوس قدسیہ کے لئے عالم برزخ میں رسالت مآب ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں۔ وہ عالم برزخ میں ضرور ہیں۔ مگر برزخی زندگی میں نہیں۔ جیسے کہ عام اموات۔ جن کی قبریں اعمال سے معطل ہیں اور برزخی حیات میں سوئے ہیں۔ بلکہ عالم برزخ میں ان کی زندگی نماز، حج، اذان، اقامت وغیرہ اعمال کی زندگی میں اللہ کی عبادت سے لذت اٹھاتے ہیں اور دنیا کی زندگی جیسی زندگی بسر کرتے ہیں۔

عام اموات کی برزخی حیات کو حضور ﷺ کا نوم فرمانا اور عالم برزخ میں انبیاء علیہم السلام کو حیات اور زندہ بتلانا حضور ﷺ کی شہادت ہے کہ عالم برزخ میں انبیاء کی زندگی برزخی زندگی نہیں۔ بلکہ ان کی زندگی عالم برزخ میں ایسی جسمانی زندگی ہے جس میں نماز حج وغیرہ اعمال ادا کئے جاتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ برزخی حیات حضور ﷺ کی زبان میں زندگی نہیں ہے بلکہ نوم ہے اور انبیاء کو قبروں میں زندہ بتلایا گیا ہے۔ اس کے معنی یہ ہے کہ وہ برزخی حیات یعنی نوم کی زندگی طرح زندہ نہیں۔ بلکہ عملی دنیا کی زندگی کی طرح غیر معطل زندہ میں زندگی ہیں۔ شارع کی زبان میں برزخی حیات جس میں اعمال کرنے سے تعطل ہے اور انبیاء کی زندگی جس میں اعمال وقربات سے لذت اندوزی ہے دونوں الگ الگ قسم کی زندگی ہے اور اس کے معلوم کر لینے کے بعد انبیاء علیہم السلام کی حیات کے بارے میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر پڑھئے۔

بخاری کتاب الصلوٰۃ باب رفع الصوت فی المسجد کی حدیث کی شرح میں حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں:

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کو روایت کیا ہے اور اس کی تصحیح بھی کی ہے اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بیہقی کی تصحیح میں موافقت کی ہے کہ انبیاء زندہ ہیں، اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں۔ حافظ کو اس حدیث کی مراد سمجھنے میں کچھ اشکال ہو گیا ہے کہ روح نفس حیات ہے۔ روح فنا نہیں ہوتی ہے۔ خواہ کافر کی روح ہے یا مومن کی، ارواح کل زندہ ہیں۔ اس کا معنی کیا ہے کہ انبیاء زندہ ہیں۔ سمجھو لو کہ یہ احادیث نفس روح کی حیات میں وارد نہیں ہیں۔ روح نے دنیا میں اپنی حیات کو پورا کر دیا۔ برزخ میں وہ اپنی دنیا کی حیات سے فارغ ہے۔ بلکہ یہ احادیث برزخ میں روح کے تعطل اور عدم تعطل افعال کی بحث میں ہدایت کرتی ہیں۔ معنی یہ ہے کہ ارواح انبیاء علیہم السلام عالم برزخ میں عبادات طیبہ اور افعال مبارکہ سے معطل نہیں ہیں۔ بلکہ انبیاء اپنی قبروں میں بھی پاکیزہ افعال میں ایسے مشغول ہیں جیسا کہ دنیا کی زندگی، حج اور نماز وغیرہ عبادات میں مشغول تھے اور یہی حال علیٰ قدر مراتب ان کی اتباع کرنے والوں کا ہے اور جو لوگ اعمال طیبہ سے دنیا میں معطل تھے وہ قبر میں بھی ان سے معطل ہیں۔

''ومن کان فی ھذہ اعمی فھو فی الآخرۃ اعمی'' (الاسراء:۷۲) (ترجمہ: اور جو کوئی رہا اس جہان میں اندھا سو وہ پہلے جہان میں بھی اندھا ہے۔

اور اسی معنی مراد کی طرف حضور ﷺ نے اس ارشاد میں ''یصلون فی قبورھم'' اشارہ فرمایا ہے۔ انبیاء کے اس عمل کا ذکر فرما کر حضور ﷺ نے ان کی قسم حیات پر متنبہ کر دیا ہے کہ ان کی حیات کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں، حج کرتے ہیں، زندوں جیسے افعال کرتے ہیں وہ دنیا کی زندوں جیسی زندگی میں زندہ ہیں اور یہ عام عرف ہے کہ افعال سے معطل کو میت کہا جاتا ہے۔ اگرچہ وہ زندہ ہو۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ اصل حیات افعال حیات سے عبارت ہے اور افعال سے تعطل موت ہے۔ جیسا یہ عرف ہے کہ علم زندگی ہے اور جہل موت ہے اور اس تقریر سے ابوداؤد کی اس حدیث کی مراد بھی ظاہر ہو گئی۔ جس میں حضور ﷺ پر سلام پڑھنے کے وقت رد روح کا ذکر ہے۔ اس حدیث کے یہ معنی نہیں کہ رد روح میں حضور ﷺ زندہ کئے جاتے ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ حضرت الٰہیہ کی جانب سے سلام کے جواب کی جانب توجہ ہو جاتی ہے۔ زندگی دونوں جانب میں قائم تھی۔ نہ حضرت الٰہیہ کی میں موت تھی، تعطل تھا اور نہ سلام کے جواب کی جانب موت اور تعطل ہے۔ بلکہ سلام پڑھنے سے قبل حضرت ربوبیت کی جانب پوری توجہ تھی اور سلام پڑھنے کے بعد اس طرف کا تعطل اٹھ گیا جو پہلے تھا اور شغل پیدا ہوا۔ (فیض الباری ج ۲ ص ۶۵)

اس کی مزید تفصیل خیبر سے واپسی پر لیلۃ التعریس کی حدیث کی شرح کرتے ہوئے حضرت شاہ صاحب نے یہ کی ہے کہ عام لوگ قبض روح کے معنی روح کے نکالنے کے سمجھتے ہیں۔ لیکن اس کی پوری حقیقت پر حافظ سہیلی رحمہ اللہ نے روشنی ڈالی ہے۔ وہ یہ ہے کہ قبض قریب غط اور ضغط کے ہے۔ جیسا کہ بڑی اور موٹی پھولی ہوئی چیز کو آپ انگلیوں میں دبا دیں اور اس کا حجم کم ہو جائے۔ مثلاً روئی پھولی ہوئی ہے اور اس کو مٹھی میں کر لیں اور انگلیوں کو دبا دیں اور اسی قبض اور دبانے سے آپ اس کو صغیر کر دیں۔ جس کو ہندی میں بھینچنا کہا جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے قبض ارواح کا معنی اس کو بعض افعال سے روکنے کے ہیں۔ جب کہ وہ جسم میں چلتی پھرتی حرکت کرتی تھی۔ پھر جب قبض کر لی گئی تو وہ روک لی گئی۔ بعض افعال سے جیسا کہ نوم میں ہوتا ہے۔ پس توفی اور ارسال آیت میں روح کے بعض افعال سے تعطیل اور اس کے رد سے عبارت ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی نفس کی ایسی توفی کا ارادہ کرتا ہے جیسے میت کی توفی تو روح کو اس طرح قبض کرتا ہے جس کے بعد ارسال نہیں ہے تو وہ جن افعال میں مشغول تھی۔ ان سے معطل کر لی گئی اور اجساد سے باہر نکالی گئی۔

اس لئے کہ بالکلیہ تعطل کی یہی صورت ہے جب تک روح جسم کے اندر تھی تو ہمیشہ جسم کے اندر کسی نہ کسی تدبیر میں مشغول رہتی تھی اور جب جسم سے باہر نکال دی گئی تو جسم میں تدبیر سے بالکل روک دی گئی اور اب اس کو جسم کے ساتھ کسی قسم کی تدبیر کا تعلق نہیں رہا تو یہ بھی ایک قسم قبض ہے اور پورا قبض ہے اور یہی معنی ہے اس حدیث کا کہ سلام کے بعد حضور ﷺ کو روح رد کیا جاتا ہے کہ پہلے وہ جناب قدس کی جانب مشغول تھی اور اب رد سلام کی جانب مشغول ہو گئی۔ اس کا معنی احیاء اور اماتت نہیں ہے۔ رد روح سے پیشتر بھی زندگی تھی اور اس کے بعد بھی زندگی۔ مگر التفات میں تبدیلی آ گئی اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عذر کرتے ہوئے حضور ﷺ سے یہ کہا تھا اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا

ہے تو تمہاری ارواح کو قبض کرتا ہے اور جب چاہتا ہے تم کو واپس کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ فوت نہیں ہوئے تھے اور نہ اس کی روح اس کے جسد سے نکالی گئی تھی تا کہ رد روح کے معنی اس کا اعادہ لیا جائے۔ بلکہ معنی یہ ہے کہ تمہاری ارواح بیداری کے کاموں سے روک دی گئی تھیں۔ اس لئے تم میں سے کسی کو جاگ نہیں آئی اور بیدار نہیں ہوا اور جب اللہ نے چاہا تو اس کو روک دیا تو جس طرح بیداروں کی ارواح مشغول ہوتی ہیں۔ اسی طرح وہ بھی مشغول ہوگئی اور پہلی جیسی قدرت اس کو حاصل ہوگئی۔ قبض روح کی یہی تعطل عن الافعال اصل حقیقت ہے۔ (فیض الباری ج ۲ ص ۱۴۴)

غرض یہ ہے کہ قبض ارواح موت اور انقطاع حیات کو مستلزم نہیں ہے اور نہ قبض ارواح کے معنی موت ہے اور نہ رد ارواح سے پیشتر موت ضروری اور لازم ہے۔ انبیاء کی حیات جب حدیث میں ذکر کی گئی تو اس میں نفس حیات صرف روح کی حیات نہیں ذکر کی جاتی ہے۔ اس لئے کہ روح کی حیات خواہ کافر کی روح ہو بہرحال قائم ہے۔ روح کو فنا نہیں ہے۔ بلکہ حیات سے زائد حیات کے افعال کا اس میں جیسے حج، نماز وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے تا کہ نفس حیات صرف روحانی حیات سے انبیاء علیہم السلام کی حیات کو الگ اور علیحدہ فرق کے ساتھ بیان کیا جائے کہ عام لوگوں کی حیات کی طرح ان کی حیات برزخی یا صرف روحانی حیات نہیں ہے۔ بلکہ ان کی حیات ایسی زندگی ہے۔ جس میں نماز اور حج اور قرآن کی تلاوت جیسے اعمال کئے جاتے ہیں اور ایسی زندگی ہے۔ جس میں بیت المقدس کا سفر اور آسمانوں کی سیر اپنے اجساد مقدسہ کے ساتھ کرتے ہیں اور وہ روحانی سیر و سفر اس لئے نہیں ہے کہ روح جسم کے اتصال کے بغیر حیات اور زندگی کا کوئی عمل نہیں کر سکتی ہے اور جب عالم برزخ میں انبیاء علیہم السلام کے یہ اعمال حیات صحیح ثابت ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ انبیاء کی حیات جسمانی ہے۔ والحمد للہ علیٰ ذالک!

تازہ واقعہ

آپ نے سابق اوراق میں پڑھ لیا ہے کہ سلف میں متعدد حضرات کو بیداری میں حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی دولت سے نوازا ہے اور یہ کہ اہل علم کو ارباب حقائق کے ساتھ اس فضیلت اور فوق العادت شرف میں پورا اتفاق ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے جس عاشق زار کے مخلصانہ اور صادق جذبات کو جب حق تعالیٰ خصوصی الطاف سے سرفرازی بخشتا ہے تو حق تعالیٰ کی حکمتوں اور مصلحتوں کے تقاضہ میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی عنایات اس پر مبذول ہو جاتی ہیں اور حق تعالیٰ اس حائل اور حجاب کو اٹھا دیتا ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی عزت و شرف سے بیداری کی حالت میں مانع رہتا ہے اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم مشفقانہ شان پیغمبرانہ رافت میں اس عاشق بے نوا کے والہانہ جذبات کی عزت افزائی اور قدردانی میں اس بے بہا دولت سے اس کو مالا مال اور مستفید فرماتے ہیں اور جس کے اقبال کا ستارہ چمکتا ہے۔ جس پر مہر نبوت کی شفقت کا سایہ پڑتا ہے۔ اس کو افضال خداوندی اور اکرام رسالت کا یہ بخرہ آج بھی ملتا ہے اور صحیح بخاری کی مذکورہ حدیث میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ وعدہ اس سے پورا ہو جاتا ہے۔ جس نے مجھے خواب میں دیکھا ہے وہ عنقریب مجھے بیداری میں دیکھ لے گا۔

ارباب زہد وصلاح کے بے شمار واقعات اس کے ناقابل انکار شواہد ہیں۔ ہم آپ کو عالی مرتبت صاحب سعادت جناب نواب زادہ سعیداللہ خان صاحب کا تازہ واقعہ سناتے ہیں تاکہ آپ یہ سمجھ لیں کہ رسالت مآب ﷺ کے فوق العادت فیاضیوں اور اکرام نوازیوں کے دروازے ہمیشہ کھلے رہتے ہیں اور فریاد کناں کی آواز کو سنتے ہیں اور اس کی آرزو کو برلاتے ہیں اور شرف جواب سے تسلی فرماتے ہیں۔

نواب زادہ صاحب ۱۹۶۰ء ۱۷ ر نومبر بروز جمعرات پانچویں عمرہ کے لئے بیت اللہ شریف پہنچے۔ احرام عمرہ سے فراغت کے بعد مدینہ منورہ جانے کا عزم کیا اور ۱۹ ر نومبر نو بجے صبح مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ جائے قیام سے اطمینان کے بعد حضور نبوت میں حاضری کے لئے حاضر ہوئے۔ مسجد نبوی میں تیغ وتفنگ کا مظاہرہ ہورہا تھا۔ نوابزادہ صاحب کا بیان ہے کہ یہ دیکھ کر تعجب کے ساتھ بے حد رنج ہوا کہ جلال نبوی اور عظمت رسالت کے سامنے یہ شاہی سیاست نمائی کیسی ہے۔

معلوم ہوا کہ ملک ابن سعود تشریف لائیں گے، میں حسب معمول روضہ نبوی کے پاس ریاض الجنۃ میں بیٹھا۔ کچھ دیر کے بعد سپاہی آئے اور وہاں بیٹھے ہوئے تمام حضرات کو اس لئے اٹھایا کہ اپنے لئے جگہ کردیں۔ میں بھی ازخود اپنی جگہ سے یہ کہہ کر اضطرار اور بے اختیاری کے قلق میں اٹھا۔ اللہ کے پیارے رسول تجھ پر سلام اور اللہ تعالیٰ کی ہزار ہا رحمتیں ہوں تیرے دربار میں یہ آگے پیچھے کی ترتیب ریزوریشن کیسی ہے۔ طبیعت بے قابو تھی اور ٹپ ٹپ آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے اور نیازمندانہ گلہ تھا اور اپنی نسبت الفت کو اس اختیار میں ڈال دیا کہ آج اس غریب الوطن مشتاق کی محبت کی قدر اور قرب نبوی میں جگہ ملتی ہے یا حجاز کا امیر آگے بڑھایا جاتا ہے۔ اس والہانہ اور غیر شعوری جذبات میں یہ کلمات زبان سے نکل رہے تھے کہ اللہ کے شفیق ورحیم پیغمبر ﷺ کے حضور میں آج کس کو قرب نصیب ہوتا ہے۔ کچھ ہی وقت گزرا تھا کہ یہ اعلان ہوا کہ ملک کی طبیعت ناساز ہے وہ نہیں آئیں گے۔ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ جایئے۔ سپاہ چلے گئے اور میں اپنی جگہ بڑھا اور قرب نبوی میں بیٹھا۔

بیس نومبر دوسرے دن پھر وہی حال ہوا اور میں اپنے مقام سے پیچھے ہٹا، ملک تشریف لائے۔ مگر ان کی صفوں میں جگہ خالی رہ گئی اور مجھے اس میں آگے بڑھایا گیا، میری آرزو پوری ہوئی۔ تیسری روز اکیس نومبر دوشنبہ کے دن ممبر نبوی کے سامنے میں ظہر کی نماز سے پیشتر نفل پڑھ رہا تھا۔ اچانک ممبر نبوی میں غیر معمولی تیز روشنی ہوئی، غیر اختیاری طور پر میری نگاہ اوپر کو اٹھی۔ واہ خوش بختی کہ جمال جہاں آراء رسالت مآب ﷺ کے مقدس پیغمبرانہ چہرہ کی زیارت سے میری آنکھیں ٹھنڈی ہیں اور پیغمبرانہ شفقت ورافت کے لہجہ میں فرمایا: سعیداللہ! تم نے کیا کہا تھا کہ مجھے تو پیارا ہے یا ابن سعود لاڈلا ہے۔ تیرے دل میں گلہ تھا کہ میرے قرب میں جنت کے ٹکڑے میں تجھے جگہ نہیں ملتی تھی۔ ملک کا اپنا مقام ہے مگر نبوت کا دامن اپنے دیوانوں کو اپنے اندر رکھتا ہے۔ جس کے سر پر رافت نبوت کا ہاتھ اور لطف رسالت کا سایہ ہے اس کو اپنے مقام پر چھوڑتا ہے۔

نواب زادہ صاحب کا بیان ہے کہ میری آنکھیں ندامت سے نیچے ہوئیں اور بے خودی کی کیفیت تھی۔ حضور ﷺ کی آواز کے سوا کسی دوسرے کی آواز نہیں سنتا تھا اور حضور ﷺ کے جمال کے سوا کچھ نہیں دیکھتا تھا۔ تمام

حواس کا شعور وتعقل صرف اس ایک جہان آراء کے رخ پر جما ہوا تھا۔ کچھ احساس ہوا تو میں سجدہ میں تھا۔ اس کے بعد قعدہ پر بیٹھا مگر کچھ جانتا سمجھتا نہیں تھا کہ کیا کر رہا ہوں اور کیا پڑھ رہا ہوں۔ سلام پھیرا تو نقشہ اور تھا۔ ایک طرف روضہ اطہر ہے اور دوسری طرف لوگ بیٹھے ہیں۔ اس سرفرازی کے حال کے بدل جانے اور آنکھوں سے حضور ﷺ کے دور ہوجانے کے بعد آج تک جو میرے قلب کو صدمہ ہورہا ہے۔ نہ کبھی پہلے ہوا اور نہ آئندہ اس کا خطرہ ہوتا ہے اور آج بھی جب نواب زادہ صاحب یہ واقعہ بیان کرتے ہیں تو بار بار آب دیدہ ہوتے ہیں اور آپے سے باہر ہوجاتے ہیں۔

یہ اکیس نومبر ۱۹۶۰ء کے حال کا واقعہ ہے اور ایسے مخلص، بے لوث مسلمان کبیر شخصیت کا واقعہ ہے کہ بچپن سے طبیعت کا محتاط، زبان کا سچا، شب بیدار، صوم وصلوٰۃ کا پابند، ذہن وضمیر کا روشن، علم پرور، علماء کا عقیدت مند، اخلاق کا پاکیزہ، اعمال سنت میں بہتر، معاملات میں صاف اور ستھرا، کارہائے حکومت اور فصل خصومات میں انصاف ودیانت کا پیکر، خدا کا خوف، مخلوق خدا کی خیرخواہی، انفاق فی سبیل اللہ وغیرہ امور نواب زادہ صاحب کے خصوصی فضائل ہیں۔ جس کی تمام زندگی دنیا کی نعمتوں اور تمام قسم کی سہولتوں میں گزرنے کے باوجود دین میں استقامت پر متمکن اور متنبہ رہتے ہیں اور بار بار بیت اللہ کی زیارت کے سفر سے اس کا مقصد وحید صرف اللہ کے گھر کی برکات اور بیت نبوت کے فیوض حاصل کرنے اور سمیٹنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی فیاضیاں اور الطاف رسالت کی سرفرازیاں نہ کسی حد پر ختم ہوتی ہیں اور نہ کسی عہد اور گروہ کے لئے مخصوص ہوتی ہیں۔ بلکہ جس نے بھی صمیم قلب مخلصانہ شوق عقیدت اور والہانہ جذبہ سے ادھر کا رخ کرلیا ہے تو وہ حق تعالیٰ کی فیاضیوں اور حضور ﷺ کے بے پایاں الطاف سے دامن بھر کر واپس ہوتا ہے اور خوش بخت نعمتوں سے مالا مال ہوکر لوٹتا ہے۔

ای کہ چشم تو در عین بیداری مگر از جمال مصطفیٰ شد بہرور

ہوسکتا ہے کہ اس قسم کے فضائل کے واقعات بیداری ہر سال اور بکثرت نفوس قدسیہ کو نصیب ہوتے ہیں۔ مگر جن حضرات کو اسرار الٰہیہ کا حظ نصیب ہے وہ خاموش رہتے ہیں اور راز داری رکھتے ہیں اور جن خوش نصیبوں کو تحدیث نعمت کی شان نصیب ہوتی ہے وہ بیان کرتے ہیں۔

حضرات! یہ ایک پاک سرشت اور نیک نفس مسلمان کا سچا اور صحیح واقعہ ہے اور حضور ﷺ کی دنیاوی حیات جیسی حیات کا نیا گواہ ہے۔ اس پر کسی کو یہ تعجب نہیں ہونا چاہئے کہ دربار رسالت میں نواب زادہ صاحب کو الطاف نبوی کا یہ عظیم شرف روز روشن کا واقعہ ہے اور دوسرے حضرات بھی وہاں موجود ہیں۔ ان کے سامنے یہ حال اور واقعہ کیوں ظاہر نہیں ہوا ہے۔ بات یہ ہے کہ غیب کے اسرار جس پر حق تعالیٰ چاہتا ہے کھول دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے روک لیتا ہے۔ اس کی بنیاد اور منشاء اللہ کی حکمتیں ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی طرف سے حضور ﷺ کو وحی آتی تھی اور پوشیدہ طور پر اندر اندر آتی تھی حضور ﷺ کے وجود سے باہر کوئی علیحدہ ہستی نظر نہیں آتی تھی۔ جبرائیل وحی لے کر آتا تھا۔ حضور ﷺ سے ہم کلام ہوتا تھا۔ اس وقت بیٹھنے والے بیٹھے ہوتے تھے۔ مگر ان میں سے کسی نے بھی اس حال میں نہ فرشتہ کو دیکھا اور نہ اس وحی کو سمجھا۔ انبیاء علیہم السلام بیداری میں اپنی آنکھوں سے مغیبات کو

دیکھتے ہیں اور ہمیں اس وقت بھی ان مغیبات کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوتا۔ امت کے اولیاء اپنے کشف میں اپنی آنکھوں سے بہت امور اشیاء دیکھ لیتے ہیں۔ مگر ہم سے اس وقت بھی وہ امور محجوب ہوتے ہیں۔

شیخ عبدالوہاب شعرانی اپنی کتاب لطائف المنن والاخلاق میں لکھتے ہیں۔ مجھ پر حق تعالیٰ کا ایک احسان یہ بھی ہے کہ میں حضور رسالت مآب ﷺ کے قریب ہوتا ہوں اور میرے اور آرام گاہ نبوت کے درمیان کی مسافت کھنچ جاتی ہے اور فاصلہ دور ہوجاتا ہے۔ یہاں تک کہ میرا ہاتھ حضور ﷺ کے مقصورہ پر ہوتا ہے اور یہ حال اس وقت ہوتا ہے جب کہ میں مصر میں بیٹھا ہوا ہوتا ہوں اور میں حضور ﷺ سے اس طرح باتیں کرتا ہوں جیسا کہ ایک انسان اپنی مجلس میں اپنے جلیس سے باتیں کرتا ہے اور یہ تعلق اور معاملہ وہ شخص جانتا ہے جس کو اس کا ذوق ہے۔ جس کو یہ پیش آیا ہے اور پیش آتا ہے۔ اور جس کو یہ ذوق نہیں ہے جس کو یہ پیش نہیں آیا ہے اور پیش نہیں آتا ہے وہ اس کا انکار کرتا ہے۔ بعض حضرات اولیاء ایک شیخ کے مناقب میں گفتگو کرتے تھے اور اس مجلس میں ایک فقیر بیٹھا ہوا۔ اس شیخ کے مناقب سن رہا تھا اور جو صاحب شیخ کے مناقب بیان کررہے تھے وہ اپنی کرسی سے نیچے اترے اور اس فقیر کو جو زہد وصلاح میں معروف تھے مارا اور اس کے سر پر تین ضرب لگائے۔ اس پر مجلس کے حاضرین نے برا جانا اور اپنے شیخ پر انکار کیا۔ ان کو جواب دیتے ہوئے شیخ نے فرمایا کہ اس فقیر کو قسم دے کر اس سے پوچھو کہ جب میں شیخ کے مناقب بیان کررہا تھا تو اس نے اپنے دل میں یہ نہیں کہا کہ وہ اس شیخ سے بہتر ہے۔ جس کے مناقب میں بیان کررہا تھا تو اس فقیر نے کہا: ہاں! یہ ٹھیک ہے۔ میں اپنے دل میں ایسا کہہ رہا تھا۔ اس کے بعد مناقب بیان کرنے والے صاحب نے فرمایا کہ اس دیوار میں سے اس شیخ نے جس کے مناقب بیان کئے جاتے تھے اپنا سر باہر نکالا اور مجھ سے کہا دیکھو یہ فقیر کس قدر میری گستاخی اور بے ادبی کرتا ہے۔ اس لئے اس کی تادیب کے سوا میرے لئے کوئی چارہ نہیں تھا۔ الخ!

اسی مجلس میں مناقب بیان کرنے والے صاحب کے علاوہ دوسرے حضرات بھی شریک تھے۔ مگر اس دیوار میں سے شیخ کا باہر سر نکالنا کسی اور نے نہیں دیکھا۔ اللہ کی شان اور اس کی مشیت ہے جس پر وہ چاہتا ہے غیب کو کھولتا ہے اور جس سے چاہتا ہے روک دیتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کی حیات میں اگر علماء کو اختلاف ہے تو صرف اس قدر ہے کہ حضور ﷺ کو جب موت عارض ہوئی تھی اس نے حضور ﷺ کی حیات کو منقطع کیا تھا یا اس وقت بھی موت کے پردہ کے نیچے حیات قائم تھی۔ ہر ایک فریق کا الگ فکر ہے اور اس کی وجوہات ہیں اور ہر ایک فریق دوسرے فریق کی وجوہات میں تاویل وتوجیہہ کرتا ہے۔ مگر عالم برزخ میں حضور ﷺ کی جسمانی اور دنیا کی حیات جیسی حیات پر امت کے جمہور علماء کا اتفاق ہے۔

بقول شیخ عبدالحق تین چار علماء کے سوا امت مسلمہ کے تمام اکابر علماء نے حضور ﷺ کی جسمانی حیات کو تسلیم کیا ہے اور عالم برزخ میں حضور ﷺ کی برزخی اور روحانی حیات کو حضور ﷺ کے لئے کوئی خصوصیت اور فضیلت نہیں سمجھتے ہیں اور یہی اکابر علماء دیوبند کا مسلک ہے۔ جس کو دیوبند کے علماء نے بار بار اور جگہ جگہ واضح اور باتفصیل لکھ دیا ہے۔ والحمدللہ علیٰ ذلک!

امین الحق خطیب جامع مسجد شیخو پورہ متوطن طورو ضلع مردان

رجب المرجب ۱۳۸۰ھ

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَلٰكِنْ لَا تَشْعُرُوْنَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (الحدیث)

فَذٰلِكَةُ كُتُبِ الْمِلَّةِ
لِاِبْرَازِ اِجْمَاعِ الْاُمَّةِ
فِي سِلْسِلَةِ
اَلْحَيَاتِ بَعْدَ الْمَمَاتِ
لِسَيِّدِ الْكَائِنَاتِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مرتب وناشر:
حضرت مولانا محمد منظور الحق رحمۃ اللہ علیہ
استاذ الحدیث دار العلوم عیدگاہ کبیر والا

الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون (حدیث شریف)

فذلکۃ کتب الملت

لابراز اجماع الامۃ

فی سلسلۃ

الحیات بعد الممات

لسید الکائنات صلی اللہ علیہ وسلم

مرتب و ناشر

(مولانا) محمد منظور الحق (عفی عنہ)

استاذ الحدیث دار العلوم عیدگاہ کبیر والا (ملتان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(حرفے چند)

حضرت منظور الحق صاحب مدرس دار العلوم کبیر والا

پیدائش: ۱۹۱۹ء ...... وفات: ۱۹۹۱ء

آپ کبیر والا کے مضافات کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد گرامی کا نام مولانا نور الحق اور چچا محترم کا نام حضرت علامہ عبد الخالق المعروف ''صدر صاحب'' تھا۔ (بانی دار العلوم کبیر والا) ان ہر دو حضرات سے آپ نے درس نظامی کی تکمیل کی۔ دورۂ حدیث شریف حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے دار العلوم دیوبند میں کیا۔ دار العلوم کبیر والا کے نامور مدرس تھے۔ استاذ الکل کا آپ کو مقام حاصل تھا۔ آپ نے ''فذلکۃ الکتب الملت لابراز اجماع الامت فی سلسلۃ الحیات بعد الممات لسید الکائنات ﷺ'' نامی حوالہ جاتی رسالہ تحریر فرمایا، جسے ہم اس مجموعہ میں شامل کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ (ناشر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب ہذا میں خاتم الانبیاء سید المرسلین ﷺ کی حیات جسمانیہ پر کتب تفسیر واحادیث صحیحہ وشروح حدیث، عقائد وفقہ واجماع صحابہ واجماع ائمہ اربعہ واجماع علماء امت کے ماخذ ذکر کئے گئے ہیں۔ جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جو شخص حیات جسمانیہ کا عقیدہ نہیں رکھتا وہ اہل سنت والجماعۃ سے خارج ہے۔ نیز اس مسئلہ کے ماخذ بھی ذکر کئے گئے ہیں کہ راحت وعذاب قبر عام موتی کے لئے روح وبدن دونوں پر ہے۔ باتفاق اہل سنت والجماعت جو شخص راحت وعذاب قبر فقط روح پر مانتا ہو وہ بھی اہلسنت والجماعت سے خارج ہے۔

سوال: کیا فرماتے ہو، جناب رسول اللہ ﷺ کی قبر میں حیات کے متعلق کہ کوئی خاص حیات آپ کو حاصل ہے یا عام مسلمانوں کی طرح برزخی حیات ہے؟

الجواب: ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے، بلا مکلف ہونے کے اور یہ حیات مخصوص ہے آنحضرت ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ۔ برزخی نہیں ہے جو حاصل ہے تمام مسلمانوں بلکہ سب آدمیوں کو۔

چنانچہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ "انباہ الاذکیاء بحیات الانبیاء" میں بتصریح لکھا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ: علامہ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ انبیاء وشہداء کی قبر میں حیات ایسی ہے جیسے دنیا میں تھی اور موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا اس کی دلیل ہے۔ کیونکہ نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے۔ الخ

پس اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ﷺ کی حیات دنیاوی ہے اور اس معنی کر کے برزخی بھی ہے کہ عالم برزخ میں حاصل ہے اور ہمارے شیخ مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ کا اس مبحث میں ایک مستقل رسالہ بھی ہے نہایت دقیق اور انوکھے طرز کا بے مثل، جو طبع ہو کر لوگوں میں شائع ہو چکا ہے۔ اس کا نام "آب حیات" ہے۔ انتہیٰ!

(منقول از مہند ص ۱۳ مطبع قاسمی دیوبند)

اسماء گرامی حضرات اکابر دارالعلوم دیوبند جنہوں نے اس فتویٰ پر دستخط فرمائے

(۱) حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی (۲) حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب دیوبندی (۳) حضرت مولانا میر احمد حسن صاحب امروہی (۴) حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (۵) حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری (۶) حضرت مولانا حکیم محمد حسن صاحب دیوبندی (۷) حضرت مولانا قدرت اللہ صاحب شیخ الحدیث مرادآباد (۸) حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب دیوبندی (۹) حضرت مولانا محمد احمد صاحب خلف الرشید حضرت مولانا نانوتوی (۱۰) حضرت مولانا غلام رسول صاحب مدرس اعلیٰ دارالعلوم دیوبند (۱۱) حضرت مولانا محمد بن الفضل صاحب مدرس اعلیٰ دارالعلوم دیوبند (۱۲) حضرت مولانا محمد عبدالصمد بجنوری مدرس اعلیٰ دارالعلوم دیوبند (۱۳) حضرت مولانا حکیم محمد اسحاق صاحب نٹھوری ثم دہلوی (۱۴) حضرت مولانا ریاض الدین صاحب میرٹھی

(۱۵) حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی مفتی اعظم (۱۶) حضرت مولانا ضیاء الحق صاحب مدرس اعلیٰ مدرسہ امینیہ دہلی (۱۷) حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی (۱۸) حضرت مولانا سراج احمد صاحب مدرس اعلیٰ سردھنہ ضلع میرٹھ (۱۹) حضرت مولانا قاری محمد اسحاق میرٹھی (۲۰) حضرت مولانا حکیم مصطفیٰ صاحب بجنوری میرٹھی (۲۱) حضرت مولانا حکیم محمد مسعود احمد صاحب خلف الرشید حضرت گنگوہی (۲۲) حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب سہسرامی مدرس اعلیٰ مظاہر علوم سہارن پور (۲۳) حضرت مولانا محمد کفایت اللہ صاحب مدرس اعلیٰ مظاہر علوم سہارن پور (رحمہم اللہ)

اسماء گرامی اکابر شیوخ ممالک اسلامیہ جنہوں نے اس فتویٰ کی تصدیق فرمائی

تصدیقات علماء مکہ مکرمہ

(۱) الشیخ محمد سعید بن محمد باصبیل مفتی الشافعیہ شیخ العلماء مکہ مکرمہ وخطیب مسجد الحرام (۲) الشیخ احمد رشید خان نواب المکی الحنفی مکہ مکرمہ (۳) الشیخ محب الدین حنفی مہاجر مکی مکہ مکرمہ (۴) الشیخ محمد صدیق افغانی مہاجر مکی مکہ مکرمہ (۵) الشیخ محمد عابد مفتی المالکیہ مکہ مکرمہ (۶) الشیخ محمد علی بن حسین مالکی مدرس حرم شریف مکہ مکرمہ۔ (رحمہم اللہ)

تصدیقات علماء مدینہ منورہ

(۱) الشیخ سید احمد برزنجی شافعی مفتی آستانہ نبویہ مدینہ منورہ (۲) الشیخ ملا محمد خان مدرس حرم نبوی مدینہ منورہ (۳) الشیخ رسوحی عمر مدرس مدرسہ الشفاء مدینہ منورہ (۴) الشیخ خلیل بن ابراہیم مدرس حرم نبوی مدینہ منورہ (۵) الشیخ محمد العزیز الوزیر التونسی مدرس حرم نبوی مدینہ منورہ (۶) الشیخ سید احمد الجزائری شیخ المالکیہ مدینہ منورہ (۷) الشیخ عمر بن حمدان المحرسی مدرس حرم نبوی مدینہ منورہ (۸) الشیخ محمد زکی برزنجی مدرس حرم نبوی مدینہ منورہ (۹) الشیخ محمد السوسی الخیاری مدرس حرم نبوی مدینہ منورہ (۱۰) الشیخ احمد بن المامون البلغیثی مشاہیر علماء العرب (۱۱) الشیخ محمد توفیق مدرس وخطیب جامع السروجی دمشق (۱۲) الشیخ موسیٰ کاظم بن محمد مدرس باب السلام مدینہ منورہ (۱۳) الشیخ سید احمد معصوم مدرس حرم نبوی مدینہ منورہ (۱۴) الشیخ احمد بن محمد خیر الحاج العباسی مدرس حرم نبوی مدینہ منورہ (۱۵) الشیخ عبداللہ القادر بن محمد بن سودہ علماء العرب (۱۶) الشیخ محمد منصور بن النعمان مدرس حرم نبوی مدینہ منورہ (۱۷) الشیخ ملا عبدالرحمن مدرس حرم نبوی مدینہ منورہ (۱۸) الشیخ یٰسین الشہیر بالفراء لدمشقی مدرس حرم نبوی (۱۹) الشیخ محمود عبدالجواد مدرس حرم نبوی مدینہ منورہ (۲۰) الشیخ احمد الہساطی مدرس حرم نبوی مدینہ منورہ (۲۱) الشیخ محمد حسن سندھی مدرس حرم نبوی (۲۲) الشیخ احمد بن احمد اسعد مدرس حرم نبوی مدینہ منورہ (۲۳) الشیخ عبداللہ نابلسی حنبلی مدرس حرم نبوی مدینہ منورہ (۲۴) الشیخ محمد بن عمر الغلانی مدرس حرم نبوی مدینہ منورہ (۲۵) الشیخ احمد محمد خیرا لشنقیطی مالکی، مدنی مدینہ منورہ۔ (رحمہم اللہ)

تصدیقات علماء مصر وجامع الازہر

(۱) الشیخ سلیم البشری شیخ الجامع الازہر مصر (۲) الشیخ محمد ابراہیم القایاتی جامع ازہر مصر (۳) الشیخ سلیمان العبد مدرس اعلیٰ جامع ازہر مصر۔

تصدیقات علماء دمشق شام

(١) الشیخ سید محمد ابوالخیر معروف بابن عابدین حسینی نقشبندی دمشقی نواسہ ابن عابدین مصنف کتاب شامی دمشق شام (٢) الشیخ مصطفیٰ بن احمد شطی حنبلی دمشق شام (٣) الشیخ محمود رشید عطار تلمیذ شیخ بدرالدین محدث شامی دمشق (٤) الشیخ محمد بوشی حموی فاضل جامع از ہر مدرس و امام جامع مدفن شام (٥) الشیخ محمد سعید حموی دمشق شام (٦) الشیخ علی محمد دلال حموی دمشق شام (٧) الشیخ محمد ادیب حورانی مدرس جامع مسجد سلطانہ شام (٨) الشیخ عبدالقادر دمشق شام (٩) الشیخ محمد سعید حنفی لطفی دمشق شام (١٠) الشیخ فارس بن احمد شقفہ حموی دمشق شام (١١) الشیخ مصطفیٰ حداد دمشق شام (رحمہم اللہ)

حیات بعد الممات لسید الکائنات ﷺ کے ثبوت کے لئے احادیث صحیحہ متواترۃ المعنی کے مآخذ

(١) مسلم شریف ج ١ ص ٢٦٨ (٢) فتح الملہم ج ١ ص ٣٣٩ (٣) سنن ابی داؤد شریف ج ١ ص ١٥٠ و ٢٧٩ (٤) مشکوٰۃ شریف ص ٨٦، ٨٧ (٥) مرقاۃ ج ٢ ص ٢٢٣ و ج ٥ و ص ٢٦٣ (٦) سنن نسائی شریف ج ١ ص ١٥٤، ١٤٣، ١٨٥ (٧) سنن ابن ماجہ شریف ص ١٧٧، ١١٩ (٨) سنن کبریٰ ج ٣ ص ٢٤٨ (٩) سنن دارمی ص ١٩٥، ٢٧٣ (١٠) مستدرک حاکم ج ١ ص ٢٧٨، ج ٣ ص ٥٨، ج ٢ ص ٥٩٥ (١١) مسند احمد، کمافی تفسیر ابن کثیر ج ٣ ص ٥١٤، ج ٢ ص ٢٩٠، ج ٢ ص ٥٢٧ (١٢) مجمع الزوائد ج ٢ ص ٢١١، ٢٤ (١٣) انوار المحمود ج ٢ ص ٦١٠ (١٤) طبرانی کمافی نیل الاوطار ج ٣ ص ٢١٠، ٢١١ (١٥) نیل الاوطار ج ٣ ص ٢٦٤ ج ٥ ص ١٠١ مصری (١٦) مسند ابو یعلی کمافی جامع صغیر ص ١٠٣ (١٧) فتح الباری ج ٦ ص ٣١٩، ج ٧ ص ٢٢ (١٨) تیسیر القاری ج ٣ ص ٢٦٢ (١٩) البدایہ والنہایہ ج ١ ص ٥٤ (٢٠) عمدۃ القاری عینی ج ١٦ ص ١٨٥ (٢١) فیض الباری ج ١ ص ١٨٣ (٢٢) اشعۃ اللمعات ج ١ ص ٦١٣ (٢٣) خصائص الکبریٰ ج ٢ ص ٢٨٠، ٢٨١ (٢٤) ابن خزیمہ کمافی شرح العلامہ البوسنوی رحمہ اللہ ص ٨ مصری (٢٥) ابن حبان کمافی شرح العلامہ البوسنوی ص ٨ (٢٦) ابن ابی شیبہ کما فی شرح العلامہ البوسنوی ص ٨ وکمافی الشرح الشفا ج ٢ ص ١٤٢ (٢٧) ترجمان السنۃ ج ٣ ص ٢٩٧ (٢٨) اعلاء السنن ج ١٠ ص ٣٣٠ (٢٩) ابن بزار کمافی جمع الفوائد ج ٢ ص ١٧٦ مطبوعہ میرٹھ (٣٠) ابن عدی رحمہ اللہ کمافی شفاء السقام ص ١٣٤ (٣١) جلاء الافہام ابن قیم رحمہ اللہ ص ٥٠ (٣٢) حیات الانبیاء بیہقی رحمہ اللہ ص ٣، ١٢ (٣٣) حلیۃ الاولیاء ابونعیم ج ٢ ص ٢١٩ (٣٤) ابوالشیخ اصبہانی کما فی المرقاۃ ج ٢ ص ١٠۔ (٣٥) القول البدیع سخاوی ص ١١٦ (٣٦) سراج منیر ج ٨ ص ١٣٤، ج ٣ ص ٢٧٨ (٣٧) فیض القدیر مناوی رحمہ اللہ ج ٢ ص ١٨٤ (٣٨) جامع صغیر ج ١ ص ٩٣، ج ٢ ص ١٤٠ (٣٩) مدارج النبوۃ ج ٢ ص ٤٤٧ (٤٠) جذب القلوب ص ١٨٠ (٤١) تحفۃ الذاکرین مصری ص ٢٨ (٤٢) انباہ الاذکیاء ص ٢، ١٠ (٤٣) فتاویٰ امام سیوطی رحمہ اللہ ج ٢ ص ١٤٧ (٤٤) شرح علامہ بوسنوی رحمہ اللہ ص ٤ (٤٥) فتح المنۃ شعرانی رحمہ اللہ

ص ۹۲ (۴۶) مختصر الفتاویٰ المصریہ بدرالدین یعلی حنبلی ص ۱۷۰ (۴۷) زرقانی شرح مواہب ج ۵ ص ۳۳۲ (۴۸) تحقیق النصرۃ زین الدین مراغی ص ۱۱۶ (۴۹) نسیم الریاض خفاجی رحمہ اللہ ج ۳ ص ۴۹۹ (۵۰) موارد الظمان ص ۱۴۶، ۵۹۴ (۵۱) الصارم المنکی ص ۵۴ مصری (۵۲) مناسک الحج ابن تیمیہ رحمہ اللہ ص ۸۴ (۵۳) تحریرات حدیث مولانا حسین علی صاحب واں بچھراں ص ۲۱۱ (۵۴) طبقات الشافعیہ تاج الدین سبکی ج ۶ ص ۲۶۶، ۲۸۱ (۵۵) شرح شفا ملا علی قاری ج ۲ ص ۱۴۲ (۵۶) وفاء الوفا سمہودی رحمہ اللہ ج ۲ ص ۴۰۵، ۴۱۳ (۵۷) شفاء السقام ص ۱۵۴، ۱۴۳ (۵۸) رسائل قشیریہ ص ۱۰ (۵۹) الروضۃ البہیۃ ص ۱۴ (۶۰) رسالہ مدینہ محمد عابد سندھی ص ۱۴ (۶۱) کتاب المعتمد فی المعتقد علامہ شہاب الدین فضل اللہ بن حسین تورپشتی باب ۲ فصل ۴۔

تتمہ مسئلہ حیات

روضہ مطہرہ پر صلاۃ وسلام آنحضرت ﷺ بلاواسطہ سنتے ہیں، اس کا ثبوت جو تواتر سے ہے اس کا ماخذ:

(۱) تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۲۰، ج ۲ ص ۳۸، ۴۳۴، ۳۸۴ (۲) تفسیر مدارک ج ۱ ص ۳۹۹ (۳) تفسیر روح المعانی ج ۲۱ ص ۵۷، ج ۲۲ ص ۳۵، ۳۶ (۴) تفسیر مظہری ج ۷ ص ۲۵۳، ج ۱۰ ص ۲۲۴ (۵) تفسیر بیان القرآن ج ۸ ص ۸۴ (۶) ابوداؤد شریف ج ۱ ص ۲۷۹ (۷) مسند احمد ج ۲ ص ۵۲۷ (۸) فتح الباری ج ۶ ص ۳۱۹، ۳۵۲ (۹) مرقات ج ۲ ص ۱۰ (۱۰) فیض الباری ج ۲ ص ۴۶۷ (۱۱) فتح الملہم ج ۲ ص ۴۷۹، ج ۱ ص ۳۴۰، ج ۳ ص ۴۲۱ (۱۲) اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۳۳۵ (۱۳) عرف شذی ص ۳۵۳ (۱۴) فیض القدیر مناوی رحمہ اللہ ج ۶ ص ۱۷۰ (۱۵) سراج منیر عزیزی ج ۳ ص ۲۷۸،۳۷۰ (۱۶) جلاء الافہام ابن القیم رحمہ اللہ ص ۲۵ (۱۷) القول البدیع سخاوی رحمہ اللہ ص ۱۱۶، ۱۲۷ (۱۸) رسائل ابن تیمیہ ص ۱۶، ۳۹۱ (اقتضاء الصراط المستقیم ابن تیمیہ رحمہ اللہ ص ۱۸۱ (۲۰) کتاب الروح ابن القیم رحمہ اللہ ص ۴، ۵۴ (۲۱) طحطاوی ۴۰۵ مصری (۲۲) فتح القدیر ابن الہمام رحمہ اللہ ج ۲ ص ۳۳۸ (۲۳) فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۲۸۲ (۲۴) فتاوی رشیدیہ ج ۱ ص ۱۰۰ (۲۵) السعی المشکور عبدالحئی لکھنوی ص ۴۵۵ (۲۶) الدلیل الطالب صدیق حسن خان ص ۸۴۴ (۲۷) تذکرۃ الخلیل ص ۳۹۸ (۲۸) نشر الطیب ص ۱۸۴، ۲۵۴ (۲۹) جذب القلوب ص ۱۸۳، ۱۹۵ (۳۰) کتاب الاذکار نووی رحمہ اللہ ص ۱۵۵، ۱۸۴ (۳۱) شفاء السقام ص ۴۶، ۱۲۸ (۳۲) شرح شفا ملا علی قاری ج ۳ ص ۵۲۰، ج ۲ ص ۱۴۲ مصری (۳۳) جمال قاسمی نانوتوی رحمہ اللہ ص ۹ (۳۴) قصیدہ نونیہ ابن القیم رحمہ اللہ ص ۱۴۵ (۳۵) حیات الانبیاء بیہقی رحمہ اللہ ص ۱۲ (۳۶) الدرۃ المضیۃ ملا علی قاری سالم رسالہ (۳۷) التعلیقات السلفیہ علی سنن النسائی ج ۱ ص ۲۳۷ (۳۸) ترجمہ مشکوٰۃ مولانا عبدالغفور غزنوی ج ۱ ص ۴۰۱ باب الجمعہ (۳۹) اتحاف النبلاء عبداللہ محدی ص ۴۱۵ مطبوعہ کانپور (۴۰) زاد المعاد ابن القیم ج ۲ ص ۴۹۔

آنحضرت ﷺ کی حیات جسمانی پر حضرات خلفاء الراشدین رضی اللہ عنہم کا اجماع

جو کہ مستلزم ہے جمیع حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع کو

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

(۱) عینی شرح بخاری ج ۱۶ ص ۱۸۵ مصری (۲) فتح الباری ج ۷ ص ۲۲ مصری (۳) تیسیر القاری ج ۳ ص ۲۵ ۴، ۲۶۲، ج ۴ ص ۲۱۷ کتاب المغازی (۴) مدارج النبوۃ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ ج ۲ ص ۵۷۵۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

(۱) صحیح بخاری ج ۱ ص ۶۷ مطبوعہ دہلی (۲) شفاء السقام ص ۱۷۳ (۳) جذب القلوب ص ۲۰۰۔

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ

(۱) جذب القلوب ص ۱۸۸ (۲) زرقانی شرح مواہب ج ۸ ص ۳۰۴۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

(۱) جذب القلوب ص ۱۸۰، ۱۹۵ (۲) زرقانی شرح مواہب ج ۸ ص ۳۰۴، ۲۹۹ (۳) شفاء السقام ص ۱۷۳ (۴) البحر المحیط ج ۱ ص ۲۸۳ (۵) وفاء الوفاء ص ۱۵۱ (۶) تفسیر قرطبی رحمہ اللہ ج ۵ ص ۲۶۵ (۷) المسلک المتقسط ملا علی قاری رحمہ اللہ ص ۲۸۱ (۸) شرح شفا خفاجی ج ۳ ص ۳۹۸ (۹) تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۱۲ (۱۰) تفسیر مدارک ج ۱ ص ۳۹۹۔

تتمہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

(۱) زرقانی شرح مواہب ج ۸ ص ۳۰۴ (۲) شفاء السقام ص ۱۷۳۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

(۱) مؤطا امام محمد رحمہ اللہ ص ۳۹۶ (۲) مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۳۸ (۳) درمنثور ج ۲ ص ۲۴۵۔

ائمہ اربعہ کا اس پر اجماع

حضرت امام مالک رحمہ اللہ

(۱) تفسیر قرطبی ج ۵ ص ۲۶۵ (۲) نشر الطیب ص ۲۱۰ (۳) وفاء الوفا ج ۲ ص ۴۲۳، ۴۱۳ (۴) بحر المحیط ج ۱ ص ۲۸۳۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ

(۱) حیات الانبیاء بیہقی سالم رسالہ (۲) انباء الاذکیاء سیوطی سالم رسالہ (۳) طبقات شافعیہ ج ۲۲ ص ۴۸۲ (۴) فتح الباری ج ۶ ص ۳۵۲۔ (۵) فتاویٰ سیوطی ج ۲ ص ۱۴۷۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ

(۱) انوار المحمود ج ۱ ص ۶۱۰ (۲) الروضۃ البہیۃ ص ۱۴ (۳) مناسک الحج از ابن تیمیہ ص ۸۴ (۴) زاد المعاد ابن قیم ص ۴۹ (۵) کتاب الروح ابن القیم ص ۵۴ (۶) کتاب الصلوٰۃ ص ۴۵ مطبوعہ قاہرہ۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ

(۱) فقہ اکبر مع شرح ملا علی قاری رحمہ اللہ ص ۱۲۰ (۲) رد المختار شامی ج ۳ ص ۳۶۶ (۳) رسائل ابن عابدین ج ۲ ص ۲۰۳ (۴) فتح القدیر ابن الہمام ج ۲ ص ۳۳۷ (۵) طحطاوی علی المراقی ص ۴۰۵ (۶) مراقی الفلاح ص ۴۰۵ (۷) نور الایضاح ص ۱۷۷، الرحیق المختوم شرح قلائد المنظوم (۸) عینی شرح بخاری ج ۱۶ ص ۱۸۵ (۹) مرقات ملا علی قاری رحمہ اللہ ج ۲ ص ۲۲۳۔ (۱۰) شرح شفاء ملا علی قاری ج ۲ ص ۱۴۳۔

اکابر علماء اہل حدیث کا اس پر اجماع

قاضی شوکانی یمنی رحمہ اللہ: (۱) نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۱۰، ۲۱۱۔

عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نجدی: (۱) اتحاف النبلاء ص ۴۱۵ مطبوعہ کانپور۔

نواب صدیق حسن خان صاحب: (۱) الدلیل الطالب ص ۸۴۴ (۲) حج الکرامہ ص ۲۸۵۔

مولانا نذیر حسین صاحب دہلوی: (۱) فتاویٰ نذیریہ ج ۲ ص ۵۵ ضمیمہ۔

مولانا عظیم آبادی صاحب: (۱) عون المعبود شرح ابوداؤد ج ۱ ص ۴۰۵ (۲) التعلیقات السلفیہ علی سنن النسائی ج ۱ ص ۱۹۵ (۳) الہدیۃ السنیہ والتحفہ الوہابیہ النجدیہ ص ۴۷ مصری۔

اکابر متکلمین کا اجماع

علامہ شہاب الدین فضل اللہ بن حسین تورپشتی الحنفی رحمہ اللہ: (۱) کتاب المعتمد فی المعتقد باب ۲ فصل ۴

اشاعرہ اور ماتریدیہ حضرات کا متفقہ فیصلہ

(۱) الروضۃ البہیۃ فیما بین الاشاعرۃ والماتریدیہ ص ۱۵ (۲) اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۳۳۰۔

آنحضرت ﷺ کی حیات جسمانی پر اجماع

نقل کرنے والوں کے اسماء: (۱) علامہ سیوطی فتاویٰ حافظ سیوطی ج ۲ ص ۱۴۷ مطبوعہ مصر (۲) علامہ سخاوی تمیذ حافظ ابن حجر عسقلانی، القول البدیع ص ۱۲۵ (۳) علامہ عینی شارح بخاری، عینی علی البخاری ج ۱۶ ص ۱۸۵ (۴) علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۶۱۳ (۵) علامہ محمد عابد سندھی استاذ حضرت شاہ عبدالغنی، رسالہ مدینہ ص ۴۱ (۶) نواب قطب الدین صاحب دہلوی، مظاہر حق ج ۱ ص ۴۴۵ (۷) حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ، فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۱۰۰ (۸) حضرت مولانا ابوالعتیق عبدالہادی محمد صدیق نجیب آبادی، انوار المحمود شرح ابوداؤد ج ۱ ص ۶۰۱۔

حضرات اکابر دارالعلوم دیوبند کی تصریحات

(۱) حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی، ہدیۃ الشیعۃ از نانوتوی رحمہ اللہ ص ۲۶۹، لطائف قاسمیہ ص ۳، ۴، آب حیات ص ۵، ۲۱۹، ۲۲۰، جمال قاسمی ص ۱۳ (۲) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ ہدایۃ الشیعہ از گنگوہی ص ۱۸، الکوکب الدری ج ۱ ص ۳۲۴، فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۹۹، ۱۰۰ (۳) شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رحمہ اللہ المہند ص ۴۶ حاشیہ ابی داؤد تصحیح کردہ شیخ الہند ص ۱۵۷ کے حاشیہ پر (۴) حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری، المہند ص ۱۳، بذل المجہود ج ۲ ص ۱۱۷، ۱۶۰، تذکرۃ الخلیل ص ۳۹۸ (۵) حضرت مولانا احمد علی صاحب سہارن پوری، ہامش بخاری شریف ج ۱ ص ۵۱۷ (۶) حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری، فیض الباری ج ۲ ص ۱۴۵، ج ۳ ص ۴۲۵ (۷) حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثانی، فتح الملہم ج ۱ ص ۳۲۵، ۳۳۰، ج ۳ ص ۴۱۹، ۴۲۱ (۸) حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ، التکشف ص ۴۴۶، نشر الطیب ص ۲۱۱، ص ۳۵۷ مطبوعہ اشرفیہ لاہور (۹) مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ، المہند ص ۵۲ مطبوعہ اعزازیہ (۱۰) حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی، الشہاب الثاقب ص ۴۸، ۴۹، نقش حیات ج ۱ ص ۱۰۳، مکتوبات شیخ الاسلام ج ۱ ص ۲۴۳، ۲۴۴۔

موجودہ صدی کے اکابر علماء کرام کا اس پر اجماع

(۱) حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند، الصدیق ملتان شمارہ ۳۰ ربیع الاوّل ۷۷ھ، رسالہ دارالعلوم ربیع الاوّل ۱۳۷۳ھ، مضمون حضرت قاری صاحب، ایک تحریر قلمی موجود در خیر المدارس ملتان (۲) حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ شیخ الحدیث سہارن پور، مدارک الاذکیاء ص ۲۵۷ تا ۲۶۴ خالد محمود صاحب، اوجز المسالک ج ۶ ص ۴۸۳ (۳) حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثانی کراچی: اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۳۳۹ (۵) حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب مدظلہ مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند: مدارک الاذکیاء ص ۲۶۷ (۶) حضرت مولانا مفتی محمود قاسم العلوم ملتان، تسکین الصدور ص ۱۵ (۷) حضرت مولانا محمد

سرفراز خان صاحب صفدر مصنف تسکین الصدور (۸) حضرت مولانا نصیر الدین صاحب غور غشتی خلیفہ اعظم حضرت مولانا حسین علی صاحب واں بھچراں: مدارک الاذکیا ص ۲٦۹ (۱۰) حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمہ اللہ: مدارک الاذکیاء ص ۲۷۰ (۱۱) حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری: ایضاً ص ۲۷۱ (۱۲) حضرت مولانا محمد عبدالغنی صاحب مدرس مدرسہ امینیہ دہلی: ایضاً ص ۲۷۱ (۱۳) حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمہ اللہ کراچی: ایضاً ص ۲۷۲، تسکین الصدور ص ۱۴ (۱۴) حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ مہتمم مدرسہ اکوڑہ خٹک: مدارک الاذکیا ص ۲۷۲ (۱۵) حضرت مولانا مفتی محمد صادق صاحب سابق ناظم امور مذہبیہ بہاول پور: ایضاً ص ۲۷۲ (۱٦) حضرت مولانا محمد رسول خان صاحب جامعہ اشرفیہ لاہور: ایضاً ص ۲۷۲ (۱۷) حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی پشاور: ایضاً ص ۲۷۲ (۱۸) حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب رحمہ اللہ جامعہ اشرفیہ لاہور: ایضاً ص ۲۷۲، (۱۹) حضرت مولانا غلام اللہ خان راولپنڈی: رسالہ ماہنامہ تعلیم القرآن ج ۵ ش ۸، اگست ۱۹٦۲ء ص ۲۴ (۲۰) حضرت مولانا خیر محمد صاحب خیر المدارس ملتان: ایضاً ص ۱۷، ۲۵ (۲۱) حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری رحمہ اللہ: ص ایضاً (۲۲) حضرت مولانا قاضی نور محمد صاحب لاہور: ص ایضاً۔

الحاصل

بلا خوف تردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ آج تک اہل سنت والجماعت کا کوئی فرد کسی بھی فقہی مسلک سے وابستہ دنیا کے کسی خطہ میں اس کا قائل نہیں رہا کہ آنحضرت ﷺ اور اسی طرح دیگر حضرات انبیاء علیہم السلام کی روح مبارک کا جسم اطہر سے قبر شریف میں کوئی تعلق اور اتصال نہیں اور یہ کہ آپ عندالقبر صلوٰۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے۔ کسی اسلامی کتاب میں عام اس سے کہ وہ کتاب حدیث وتفسیر کی ہو یا شرح حدیث اور فقہ کی۔ علم کلام کی ہو یا علم تصوف وسلوک کی، سیرت کی ہو یا تاریخ کی، کہیں بھی یہ صراحت نہیں ہے کہ آپ عندالقبر صلوٰۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے۔ اس لئے جو شخص عدم سماع عندالقبر کا عقیدہ رکھے وہ اہل سنت والجماعت سے خارج ہے۔

من اُدعی خلافه فعلیه البیان ولا یمنکه الی یوم البعث والمیزان

اہل سنت والجماعت سے خارج ہونے کی تصریح

(۱) الشہاب الثاقب ص ۴۸، ۴۹ (۲) نقش حیات ج ۱ ص ۱۰۳ (۳) مدارک الاذکیاء ص ۲۵۲ حاشی

راحت وعذاب قبر، عام موتی کے لئے روح وبدن عنصری دونوں پر ہے

باتفاق اہل سنت والجماعت جو شخص راحت وعذاب قبر فقط روح پر مانتا ہو، وہ بھی اہل سنت سے خارج ہے۔ اس کا ماخذ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ٦۷، ج ۲ ص ۵۳۱۔ تفسیر کبیر ج ۱ ص ۱۵۱۔ تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۱۲۴، ۲۲۴۔

تفسیر بیضاوی ص ۵۶۔ تفسیر فتح القدیر ج۱ ص ۳۶۵۔ تفسیر ابوالسعود ج۱ ص ۶۲۔ تفسیر روح المعانی ج ۲۴ ص ۵۲، ج ۲ ص ۱۷، ج ۲۲ ص ۵۷۔ تفسیر نیشاپوری بر ہامش طبری ج ۲ ص ۴۴۔ مشکوۃ شریف ج۱ ص ۱۴۲، ۲۵۔ ابوداؤد شریف ج ۲ ص ۲۹۸۔ مستدرک حاکم ج۱ ص ۳۷۔ تلخیص المستدرک ذہبی ج۱ ص ۳۸۔ مسند احمد ج ۴ ص ۲۸۷۔ مجمع الزوائد ہیثمی ج ۳ ص ۴۹۔ الترغیب والترہیب منذری ج ۲ ص ۳۶۵۔ شرح مسلم نووی ج ۲ ص ۳۸۵، ۳۸۶۔ فیض الباری ج۱ ص ۱۸۵، ج ۲ ص ۴۶۷۔ نیل الاوطار ج ۲ ص ۴۸۴۔ شرح حدیث النزول ابن تیمیہ ص ۴۷، ۵۰، ۵۱، ۸۸ طبع امرتسر۔ اجتماع جیوش الاسلامیہ ابن القیم ج ۲۳ ص ۵۳ طبع امرتسر۔ تحریرات حدیث ص ۲۰۸۔ کتاب الزہد والرقاق ابن المبارک ص ۱۳۴ مطبع علیمی پریس مالی گاؤں۔ فتح الباری ج ۳ ص ۱۸۵۔ تنقیح الرواۃ احمد حسن ج۱ ص ۱۳، ۲۳، ۳۱۴۔ کتاب الروح ابن القیم ص ۵۱، ۵۸، ۵۹۔ مختصر تذکرہ قرطبی ص ۳۳، ۳۵، ۶۱، ۶۳۔ شفاء السقام سبکی ص ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۳۔ نبراس ص ۳۲۲۔ التنکیت فی شرح اثبات التثبیت صدیق حسن خان ص ۲۳ طبع ۱۲۹۲ھ۔ مسامرہ مع المسائرہ قطلو بغا ج ۲ ص ۱۱۶ تا ۱۱۸۔ حجۃ اللہ البالغہ ج۱ ص ۳۶۔ مواقف مع الشرح ص ۷۱۷۔ الخیالی ص ۱۱۸۔ ایوبی علی الخیالی ص ۱۱۸۔ عبدالحکیم علی الخیالی ص ۱۱۸۔ احیاء العلوم غزالی ج ۴ ص ۴۰۹۔ البیان المبدی ص ۱۰۲۔ ہدایہ ج ۲ ص ۴۸۴۔ شامی ج ۳ ص ۲۰۱۔ فتح القدیر ج ۴ ص ۹۹ مصری۔ (التبصیر علامہ طاہر اسفرائنی ص ۱۵۸۔ الاقتصاد فی الاعتقاد غزالی رحمہ اللہ ص ۹۷۔ شرح عقائد تفتازانی ص ۷۷۔ الدوانی علی العقائد العضدیہ ص ۹۳۔ الیواقیت والجواہر شعرانی ج ۲ ص ۱۳۹۔ شرح فقہ اکبر ملا علی قاری ص ۱۲۰، ۱۲۱ طبع کانپور۔ شرح عقیدۃ الطحاوی ص ۳۳۰ طبع مکہ مکرمہ۔ عینی شرح کنز ص ۱۶۳۔ احکام القرآن ابوبکر جصاص رازی ج۱ ص ۱۰۸۔ کتاب الصلوۃ احمد بن حنبل ص ۴۵ مصری۔ مختصر الفتاوی بدر الدین حنبلی ص ۱۹۰۔

ایک عمومی ضابطہ

آیات کریمہ واحادیث شریفہ کا وہی معنی اور مطلب معتبر ہے جو کہ سلف صالحین نے سمجھا ہے، یا کیا ہے۔ متاخرین میں سے کسی نے کوئی جدید معنی یا مطلب سلف صالحین کے خلاف سمجھا ہو یا کیا ہو، وہ مردود ہے، خواہ وہ شخصیت متاخرین میں کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو۔ اس کا ماخذ (۱) الصارم المنکی ص ۲۴۷ طبع مصری (۲) مکتوبات امام ربانی دفتر اول حصہ سوم ص ۳۳ مکتوب نمبر ۱۵۷ مطبوعہ امرتسر۔

ایک ہنگامی ضرورت کے تحت بالاختصار یہ چند ماخذ پیش کیے گئے ہیں تا کہ عوام کو اطمینان ہو۔ آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراط مستقیم پر رکھے۔ آمین او اللہ یقول الحق و ھو یھدی السبیل!

تہی دستاں قسمت را چہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آب حیواں تشنہ مے آرد سکندر را

احقر الخلق محمد منظور الحق عفی عنہ
استاذ الحدیث دار العلوم عیدگاہ کبیروالہ ضلع ملتان
شعبان المعظم ص ۱۳۹۵ھ

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ اَحْيَاۤءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَاءُ اَحْيَاۤءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (الحديث)

حضرت مولانا عبدالسلام صاحب (مدظلہ) کے خط کے جواب میں

امام المحدثین، بقیۃ السلف

حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ

صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان، شیخ الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی

کا

مکتوبِ سلیم

ناشر:

اتحاد اہل السنۃ والجماعۃ پاکستان

حضرت مولانا عبد السلام صاحب مدظلہ (حضرو)

کے خط کے جواب میں

امام المحدثین، بقیۃ السلف

حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم

صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان، شیخ الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی

کا

مکتوبِ سلیم

اتحاد اہل السنۃ والجماعۃ پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(حرفِ چند)

شیخ المحدثین حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ

پیدائش: ۱۵ر دسمبر ۱۹۲۶ء ...... وفات: ۱۵ر فروری ۲۰۱۷ء

آپ پاکستان کے نامور محدث، جامعہ فاروقیہ کراچی کے بانی، وفاق المدارس کے صدر اور تنظیمات مدارس دینیہ پاکستان کے سربراہ تھے۔ بہت ہی بیدار مغز دینی قائد تھے۔ صائب الرائے اور اپنے موقف کے مضبوط انسان تھے۔ ان سے اکابر کی یادیں وابستہ تھیں اور وہ ان اکابر کی روایات کے امین تھے۔ پاکستان میں اشاعت التوحید والسنۃ کے ایک مرکزی عہدیدار احمد سعید ملتانی نے ''قرآن مقدس اور بخاری محدث'' کتاب لکھی۔ جس میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تنقیص میں انتہائی بے دردی سے کام لیا، بہت سارے حضرات نے اس کتاب کے جوابات لکھے، ان میں مولانا مفتی ظفر اقبال بھکروی کی کتاب عادلانہ دفاع بھی تھی، اسی کا مقدمہ مولانا نثار احمد الحسینی حضروی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر کیا۔ اس کتاب پر تقریظ شیخ المحدثین حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمائی۔ حضرت مولانا سلیم اللہ خان کی تقریظ پر جامعہ اشاعت القرآن حضرو کے بانی اور اشاعۃ التوحید والسنۃ کے مرکزی رہنما حضرت مولانا عبدالسلام حضروی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تحفظات پر مشتمل خط حضرت مولانا سلیم اللہ خان کو تحریر فرمایا۔ اس خط کا جواب حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا، جسے ''حضرت مولانا عبدالسلام صاحب رحمۃ اللہ علیہ (حضرو) کے خط کے جواب میں امام المحدثین، بقیۃ السلف حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان، شیخ الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی کا مکتوب سلیم'' کے نام پر رسالہ کی شکل میں اتحاد اہل سنت والجماعۃ پاکستان نے شائع کیا۔ یہ ۲۰۱۱ء کی بات ہے۔ ہم اس مجموعہ میں اس رسالہ کو بھی شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ (ناشر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مولانا عبدالسلام صاحب (حضرو)
کے خط کے جواب میں امام المحدثین بقیۃ السلف
حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب نور اللہ مرقدہ کا مکتوب سلیم

احمد سعید ملتانی، اشاعۃ التوحید والسنہ کی کوکھ سے اٹھا اور توحید کے نام پر اس نے گستاخی و بے ادبی کی زبان سے رب تعالیٰ، قرآن مجید، حضرات انبیاء علیہم السلام سے کر سلف وخلف میں سے کسی کو معاف نہیں کیا بالآخر" قرآن مقدس اور بخاری محدث" جیسی بدنام زمانہ کتاب اور اس گستاخانہ لب ولہجہ کا خسارہ اپنے سر لے کر اپنے انجام کو پہنچ گیا۔

" قرآن مقدس اور بخاری محدث" کے جواب میں کئی وقیع کتب علمائے حق نے لکھیں ہیں۔ دلائل اور سلجھے ہوئے انداز تحریر کے اعتبار سے حضرت مولانا مفتی محمد ظفر اقبال صاحب دامت برکاتہم (بھکر) کی کتاب " عادلانہ دفاع" کو اللہ تعالیٰ نے مقبولیت سے نوازا ہے۔

" عادلانہ دفاع" کا مقدمہ حضرت مولانا نثار احمد الحسینی دامت برکاتہم خلیفہ مجاز امام الزاہدین والعارفین، قطب الارشاد حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی نور اللہ مرقدہ کا تحریر کردہ ہے۔ اس مقدمہ میں انہوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ احمد سعید ملتانی کو اس انجام تک پہنچانے والا" اشاعۃ التوحید والسنہ" ہی کا ماحول ہے اور اشاعۃ التوحید والسنہ اور احمد سعید ملتانی میں کوئی بنیادی اختلاف نہیں۔ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم نے" عادلانہ دفاع" پر اپنی تقریظ میں مولانا نثار احمد الحسینی دامت برکاتہم کے پیش کردہ اس موقف کی تائید فرماتے ہوئے اسے مبنی بر حقیقت قرار دیا ہے۔ اس پر" اشاعۃ التوحید والسنہ" کے اکابر میں سے حضرت مولانا عبدالسلام صاحب مدظلہ، جامعہ عربیہ اشاعۃ القرآن، حضرو نے حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ کو خط لکھا، اس پر حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم نے دلائل وحقائق سے بھرپور جواب لکھا۔ دونوں خطوط قارئین کی دلچسپی اور الفارق بین الحق والباطل کے طور پر پیش خدمت ہیں۔ (ادارہ)

خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ (حدیث)

دینی علوم کا مرکز

جامعہ عربیہ اشاعت القرآن

محلہ اشاعت القرآن حضرو ضلع اٹک پاکستان
فون: 0572-310423
0572-313181

مورخہ ۳ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
9-3-2011

مخدوم العلماء، شیخ المحدثین حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

بعد ادب و احترام کے ساتھ، آپ کی تعلیم ترمذی اور دینی کا احساس کرتے ہوئے یہ گزارش کر رہا ہوں۔

[illegible]

کسی نے مکرر ان سے ذکر کیا تھا ہیں۔

آگے اس مقصد پر شدید تشویش پیدا ہو رہی ہے اگر آپ وضاحت فرما دیں۔ "ترمیم مشکل ہوگی"

فقط والسلام!

طالب دعا

سلیم خادم العلم

دو رسالے جو ارسال ہوئے ہیں [illegible]۔ دو ایسی [illegible] ارسال خدمت ہے

سلیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بخدمت گرامی قدر حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام صاحب دامت برکاتہم

امید ہے آپ بعافیت ہوں گے، آپ کی خدمات دینیہ اور مساعی جمیلہ پر دل سے دعاء گو ہوں۔ آپ کا خط اور دو رسالے ملے اس یاد فرمائی پر مشکور ہوں۔ جزاک اللہ تعالیٰ فی الدارین خیرا!

آپ نے مولانا مفتی محمد ظفر اقبال صاحب دام ظلہم کی کتاب ''عادلانہ دفاع'' پر بندہ کی تقریظ پر تشویش کا اظہار فرمایا اور وضاحت طلب فرمائی ہے۔ یہ آپ کا حق ہے، البتہ اس سلسلہ میں آنجناب کی خدمت میں گزارش ہے کہ بندہ نے احمد سعید خان ملتانی کے متعلق ''اشاعۃ التوحید والسنہ'' کے حوالہ سے جو کچھ لکھا ہے با حوالہ لکھا ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ: ''آپ کی تقریظ میں ''خس کم جہاں پاک'' سے چند حوالے درج ہیں جو حافظ نثار صاحب نے بغض وعناد سے بھرے لکھے ہیں۔''

اس پر عرض ہے کہ ''خس کم جہاں پاک'' مولانا حافظ نثار احمد الحسینی مدظلہم کی کتاب نہیں پروفیسر محمد افضل ضیاء المعروف محمد الفضاد صاحب کی کتاب ہے جو کہ اشاعۃ التوحید والسنہ کے مرکزی نائب ناظم اور اشاعۃ التوحید والسنہ کے ترجمان ماہنامہ ''نغمہ توحید'' گجرات کے مدیر ہیں اور یہ کتاب ''مرکز اشاعۃ التوحید والسنۃ'' لالہ موسیٰ، گجرات، پاکستان سے مطبوعہ ہے۔

''خس کم جہاں پاک'' کے حوالہ جات کو ''اشاعۃ التوحید والسنہ'' کی نسبت سے اسی لیے لکھا گیا ہے کہ یہ کتاب ''اشاعۃ التوحید والسنہ'' ہی کے ذمہ دار حضرات کی ہے۔

اشاعۃ التوحید والسنہ کی طرف سے شائع کردہ ''خس کم جہاں پاک'' میں اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے کہ احمد سعید خان ملتانی، جماعت سے نکالے جانے سے پہلے سے اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی، قرآن مجید میں تحریف، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی، ائمہ اسلاف اور خاص کر اکابر علمائے دیوبند کی گستاخی اور تکفیر کا مرتکب رہا ہے اور آخر تک اس پر قائم رہا۔ اس کے باوجود مؤلف لکھتے ہیں: ''یہ تو قائدین کا حوصلہ تھا کہ وہ پھر انہیں ساتھ لے کر چلنے کی کوشش فرماتے رہے۔'' (خس کم جہاں پاک ص ۱۱۲)

مؤلف ''خس کم جہاں پاک'' احمد سعید خان ملتانی کو ''اشاعۃ التوحید والسنہ'' سے نکالنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''مولانا احمد سعید خان ملتانی کو کسی فقہی مسئلے میں اختلاف کی بنا پر نہیں بلکہ ''اشاعۃ التوحید والسنۃ پاکستان'' کے دستور سے انحراف کے جرم میں جماعت سے خارج کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔'' (خس کم جہاں پاک ص ۹)

اس اقتباس پر آپ ہی انصاف سے فیصلہ کریں کہ اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی، قرآن میں تحریف، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی، ائمہ اسلاف اور خاص کر علمائے دیوبند کی تکفیر کو برداشت کرنا کیا حوصلہ کہلاتا ہے؟

حوصلہ تو شرعاً محمود، عزیمت اور باعث اجر وثواب ہے۔ اور ایسے لب ولہجہ کو برداشت کرنے پر اکابرین اشاعۃ التوحید والسنۃ کس اجر وثواب کے مستحق ہیں؟

اتنی گستاخیوں اور بے باکیوں کو فقہی یعنی دینی اختلاف نہ کہنا کون سی شریعت ہے؟

جہاں تک احمد سعید خان ملتانی کو صحیح بخاری، رواۃ صحیح بخاری اور کبار محدثین کے متعلق توہین آمیز کتاب "قرآن مقدس اور بخاری محدث" اور اس جیسی دوسری حرکات پر ابھارنے والے حضرات کے ناموں کا تعلق ہے جو بندہ نے لکھے ہیں، اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں اور نہ میں نے لکھا ہے کہ ان حضرات نے احمد سعید خان ملتانی سے یہ کتاب لکھوائی ہے بلکہ بندہ نے تو لکھا ہے کہ: "احمد سعید خان چتروڑی کو اس حرکت پر ابھارنے والے یہی سب لوگ ہیں۔" (عادلانہ دفاع ص ۲۳ طبع دوم)

اور "اشاعۃ التوحید والسنہ" کی انہی باتوں نے چتروڑی کو مہمیز کیا ہے۔" (عادلانہ دفاع ص ۲۴ طبع دوم)

مولانا سید عنایت اللہ صاحب گجراتی، مولانا محمد امیر بندیالوی، مولانا محمد حسین شاہ صاحب نیلوی، یہ حضرات احمد سعید خان ملتانی کی اس کتاب سے پہلے فوت ہو چکے ہیں۔ مگر "اشاعۃ التوحید والسنہ" کا یہ ماحول انہی حضرات کا بنایا ہوا ہے اور احمد سعید خان ملتانی وغیرہ حضرات انہی لوگوں کے تربیت یافتہ ہیں۔

"خس کم جہاں پاک" میں مذکور احمد سعید خان ملتانی کی تمام گستاخانہ باتوں کو "اشاعۃ التوحید والسنہ" کے اکابرین نے حوصلہ سے برداشت کیا اور اسے مجلس منتظمہ کا نائب صدر بنایا، اشاعۃ التوحید والسنہ کے مرکزی مبلغین میں شمار کیا۔ مولانا سید عنایت اللہ شاہ گجراتی صاحب نے اسے اپنا بیٹا کہا اور جماعت نے اسے امام انقلاب، شیخ القرآن اور قاطع شرک و بدعت قرار دیا تو احمد سعید ملتانی کے اس لب ولہجہ کا اشاعۃ التوحید والسنہ کو ذمہ دار نہ ٹھہرایا جائے تو کیا کیا جائے؟

بندہ نے احمد سعید خان ملتانی کے تربیت کنندگان کے طور جو نام لکھے ہیں، ان کی طرف سے صحیحین، رواۃ صحیحین، محدثین اور اکابرین امت کے متعلق فکری آزادی اور گستاخی کا ماحول ان حضرات کی طرف سے احمد سعید خان ملتانی کی کتاب "قرآن مقدس اور بخاری محدث" سے پہلے کا ہے، اس کا کچھ اجمال آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

مولانا سید عنایت شاہ صاحب گجراتی صاحب مرحوم

مولانا سید عنایت شاہ گجراتی صاحب مرحوم صحیحین کے رواۃ کے متعلق لکھتے ہیں: "اللہ تعالیٰ ان محققین، محدثین اور ائمہ پر لاکھوں رحمتیں برسائے جنہوں نے بخاری و مسلم جیسی اصح الکتب بعد کتاب اللہ میں پوری تحقیق و تفتیش کے بعد ان کے ضعیف، شیعہ اور معتزلہ رواۃ کی نشاندہی کر دی ہے۔"

(ادخال الباطنین ص ۳۶، مشمولہ ماہنامہ تعلیم توحید گجرات ج ۸ شمارہ ۲/ صفر ۱۴۱۷ھ/ جولائی ۱۹۹۶ء)

مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب کا پاک اور انداز دعوت توحید ملاحظہ فرماتے ہیں: "قرآن کی واضح آیات ہیں کہ مردے نہیں سنتے۔ ایسی احادیث، جو قرآن مجید کی آیات کے خلاف ہوں نا قابل تسلیم ہیں۔ ہماری جماعت اشاعت التوحید والسنہ کی مجلس شوریٰ جس میں تمام ملک کے نمائندے شریک تھے، حضرت الامیر جناب شیخ القرآن مولانا محمد طاہر رحمہ اللہ نے اعلان فرمایا کہ: "سماع موتی کا عقیدہ قرآن کے خلاف ہے۔" اور نام لے کر فرمایا کہ یہ جو مولوی

سرفراز گکھڑ والے ہیں، انہوں نے ایک کتاب "سماع موتی" پر لکھی ہے جس میں بہت فریب دہی اور غلط بیانی کی ہے۔ لہٰذا یہ دجالوں میں بڑا دجال ہے۔ اور اس مجلس کے ہر فرد کا فرض ہے کہ اس کا نام لے کر تردید کریں۔ اس کی کتابوں کی بھی تردید کریں، اگر نہ کرو گے کل کو آنے والی نسل تم پر لعنت بھیجے گی اور فرمایا کہ جو حدیث قرآن کے خلاف نہ ہو اس کو تسلیم کیا جائے اور یہ بھی کہا کہ کوئی صحیح حدیث مخالف قرآن نہیں۔" (ماہنامہ الاخوت لاہور، جون ۲۰۰۲ء ص ۳۸)

مولانا محمد حسین شاہ صاحب نیلوی مرحوم اور مولانا محمد امیر بندیالوی مرحوم

مولانا محمد حسین شاہ صاحب نیلوی مرحوم صحیح بخاری کے رواۃ کو رافضی، معتزلہ، قدریہ اور ضعیف قرار دیتے ہیں۔ مولانا محمد امیر بندیالوی مرحوم نے نیلوی صاحب کی اس تحقیق کو اردو میں نقل کیا ہے۔ چنانچہ نیلوی صاحب لکھتے ہیں: "فاعلم انا قد اعتمدنا علی اخراج الامام البخاری ھذا الحدیث واخذنا و قبلناہ و ان کانت الرواۃ منھم روافض قدریۃ و منھم قدریۃ فقط و منھم مدلسون و لو لم یکن رواہ البخاری فی صحیحہ ھذا الرددنا کما رددنا الحدیث الذی اخرجہ ابن ماجہ فی سننہ عن عبد الاعلی و القیناہ علی الحائط فان البخاری و ان روی عن مثل ھؤلاء الرواۃ محتاط لا یاخذ عنھم الا ما کان علی شرطہ و لو لم یکن علی شرطہ لم یخرجہ کما انہ لم یخرج حدیث اکل الداجن الصحیفۃ" (شفاء الصدور فی تحقیق عدم سماع من فی القبور ص ۱۲۲)

"پس جان لو کہ ہم نے اس حدیث کو امام بخاری کی تخریج پر اعتماد کرتے ہوئے قبول کیا ہے۔ اگرچہ اس کے روایوں میں کچھ روافض قدریہ اور کچھ فقط قدریہ ہیں اور میں مدلسین بھی ہیں اور اگر یہ روایت امام بخاری اپنی صحیح میں روایت نہ کرتے تو ہم اس روایت کی اسی طرح رد کر دیتے جس طرح ہم نے اس حدیث کو رد کر دیا ہے جسے ابن ماجہ اپنی سنن میں عبد الاعلیٰ سے لائے ہیں۔ اور ہم نے اس روایت کو دیوار پر مار دیا ہے۔ پس بخاری اگرچہ ان جیسوں سے محتاط ہو کر روایت کرتے ہیں۔ اور ان سے وہی لیتے ہیں جو ان کی شرط پر ہو اور اگر ان کی شرط پر نہ ہو تو اس کی روایت نہیں لیتے جس طرح انہوں نے "اکل الداجن" والی روایت نہیں لی۔"

اشاعۃ التوحید والسنہ کے مشہور مناظر اور آپ کے دیرینہ رفیق مولانا یونس نعمانی صاحب نے اپنی کتاب "تحقیق مسائل" میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایات کو رد کرتے ہوئے یہ دعویٰ کیا ہے کہ صحیحین کی یہ روایات قرآن مجید کی مخالف ہیں اور موضوع ہیں ملاحظہ ہو، ص ۹۳، ۱۷۷

مولانا محمد طیب طاہری، مولانا یار بادشاہ، مفتی سراج الدین، مولانا غلام حبیب ویسہ، اٹک

مولانا محمد طیب طاہری صاحب امیر مرکزیہ اشاعۃ التوحید والسنہ، مولانا یار بادشاہ صاحب شیخ الحدیث دار القرآن پنج پیر، مولانا سراج الدین مفتی دار القرآن پنج پیر، مولانا غلام حبیب صاحب ویسہ، ان حضرات نے "تحفۃ الاشاعۃ" نامی کتاب کی تائید و تحسین کی ہے جس میں اکابر علمائے دیوبند کو یہودیت و نصاریٰ اور بت پرست ہندؤں کی طرح قرار دیا گیا اور ان اکابر کی تصانیف اور تبلیغی جماعت کو یہودیت، نصرانیت اور بت پرستی کی دعوت دینے والی بتایا گیا۔

چنانچہ "تحفۃ الاشاعۃ" میں ہے: "ومن تقصیرات بعض الدعاۃ انهم يخصون النجاة بمذهب ومسلک واحد... فهذا القول لا يصح لانه تشابه باليهود والنصارىٰ" (تحفۃ الاشاعۃ ص۲۵۶، ۲۵۷)

"اور بعض داعیوں کی تقصیرات میں سے یہ بھی ہے کہ نجات کو ایک ہی مذہب اور مسلک سے خاص کرتے ہیں...... یہ بات درست نہیں کہ یہ یہود ونصاریٰ سے مشابہت ہے۔"

حضرت قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی رحمہ اللہ کا ایک حوالہ نقل کر کے لکھا: "انا لله وانا اليه راجعون، يا ايها الاخوان فاسمعوا الى هذا الهفوات والخرافات ما الفرق بينهم وبين اهل التناسخ والثنوية وهل هذا الا دين النصارىٰ واليهود" (تحفۃ الاشاعۃ ص۳۰۰، ۳۰۱)

"انا للہ وانا الیہ راجعون اے بھائیو! یہ بکواسات اور خرافات سنو! ان لوگوں اور اہل تناسخ (ہندوں) اور بت پرستوں میں کیا فرق ہے؟ کیا یہ دین (جو یہ لوگ پیش کر رہے ہیں) یہود ونصاریٰ کا دین نہیں ہے؟"

مولانا محمد طیب طاہری صاحب امیر مرکز یہ اشاعۃ التوحید والسنہ غیر مقلدین کی طرف سے فضائل اعمال کے مقابلہ میں "فضائل الاعمال" عربی اردو، پشتو کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "وان يجتنبوا من مجالسهم وافكارهم وخرافاتهم وخاصة من اهل البدع والخرافين الذين ينشرون البدع والخرافات باسم الدين الصحيح فهولاء مساكين فى العلم والعمل بان العمل يكون بمقتضى العلم والتحقيق فهم مايستطيعون بان يميزو بين قول الله وقول رسوله وقول الصحابة لقلّة العلم والفهم والرشد فمن اشهر اقوالهم التى يقدمونها فى المحاضرات والمجالس العلمية والمحافل الدينية فينسبون الاقوال الى الزهاد واصحاب الورع وكبار الناس قولهم "قال الذهاد والرهبان" فاكثر مواعظهم مبنية بالحكايات المحدثة والمنامات الكاذبة والكشف الباطل فالعاقل البصير يمشى ويتبع بمنهج السلف الصالح وهو القرآن والسنة وأثار الصحابة والتابعين الائمة المجتهدين ويبتعد نفسه عن منهج الخلف فأساس منهجهم بالحكايات والمنامات وبالاحاديث الضعيفة والموضوعة والمناكير، فالرجل البليد يصير صيدا لهم فى شبكاتهم فلا يتخلص نفسه منهم الا من رحم ربى۔

فأخص بتوصيتى ونصيحتى لجميع الدعاة والمسلمين الذين يخرجون ويتجولون مع هؤلاء المساكين فى سبيل الدعوة والتبليغ فعليهم ان يجتنبوا منهم وان يبتعدوا انفسهم من هولاء الذين يسمونهم "جماعة التبليغ" ويشاركوا ويلتحقوا انفسهم بالاخوة الذين يجتهدون ليلا ونهارا ببذل جهودهم الخالصة ومحنهم الدائمة فى نشر الدعوة الصحيحة لاشاعة التوحيد والسنة فى جميع اطراف العالم" (فضائل الاعمال ص۱۹، ۲۰)

"اور اہل توحید کو چاہیے کہ ان باطل اور گمراہ فرقوں کی مجالس، افکار اور ان کے خرافات سے بچیں اور خاص کر اہل بدعت اور خرافین جو بدعات اور خرافات کو دین صحیح کے نام سے پھیلا رہے ہیں ان سے بچیں یہ علم وعمل سے تہی دست ہیں اس لیے کہ ان کا عمل (ان کے) علم وتحقیق پر ہی ہوتا ہے یہ اپنے علم وفہم اور رشد کے قلت کی وجہ

سے اللہ تعالیٰ اس کے رسول ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال میں فرق نہیں کر سکتے۔ پس ان کے بیانات، مجالس اور دینی محافل میں ان کی مشہور باتیں وہ بھی ہوتی ہیں کہ مختلف اقوال کو زاہدوں، نیک لوگوں اور بڑے بزرگوں کی طرف منسوب کر کے کہتے ہیں: زاہدوں نے فرمایا، بزرگوں نے فرمایا۔ ان کے اکثر بیانات من گھڑت واقعات، جھوٹی خوابوں اور باطل کشف پر مبنی ہوتے ہیں۔ پس سمجھدار دیکھنے والا تو سلف صالح کے طریقہ پر چلتا ہے جو قرآن، سنت، آثار صحابہ، تابعین اور ائمہ مجتہدین کا راستہ ہے اور والوں کے راستہ سے بچتا ہے اور پس ان (تبلیغ والوں) کی بنیاد حکایات، خوابیں، ضعیف موضوع اور منکر احادیث۔

پس ناسمجھ آدمی جب ان تبلیغ والوں کے پنجے کا شکار ہو جاتا ہے تو اپنے آپ کو ان سے نہیں نکال سکتا۔ صرف میرے رب کا رحم ہی اسے بچا سکتا ہے۔" پس وہ تمام داعی، مسلمان جو علم و عمل سے تہی دست ان تبلیغ والوں کے ساتھ دعوت و تبلیغ کے راستہ میں نکلتے ہیں، انہیں میری خاص نصیحت اور وصیت ہے کہ اپنے آپ کو ان تبلیغ والوں سے بچائیں اور ان سے دور رہیں جو اپنا نام "تبلیغی جماعت" رکھتے ہیں۔ اور اپنے ان بھائیوں کے ساتھ شرکت کریں اور اپنے آپ کو ان کے ساتھ جوڑے رکھیں جو رات دن اپنی صلاحیت اور محنت "اشاعت التوحید والسنۃ" کے لئے دین کی صحیح محنت میں اطراف عالم میں خرچ کر رہے ہیں۔"

اشاعۃ التوحید والسنہ کے ان حضرات مولانا محمد طیب طاہری صاحب امیر مرکزیہ اشاعۃ التوحید والسنہ، مولانا یار بادشاہ صاحب شیخ الحدیث دار القرآن پنج پیر، مولانا سراج الدین مفتی دار القرآن پنج پیر، مولانا غلام حبیب صاحب ویسہ، نے اپنی تائید سے مولوی عبد المقدس کی کتاب "تحقیق الحق" اشاعۃ التوحید والسنہ، صوابی سے چھپوائی ہے۔ "تحقیق الحق" میں حضور نبی کریم ﷺ کے متعلق قرآن و سنت سے ثابت عقیدہ حیات النبی کریم ﷺ کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے: "نبی کریم ﷺ گر بحیات دنیویہ حیات ہوتے تو زمین کے اوپر رہتے۔" (تحقیق الحق ص ۱۲۶)

اب ظاہر ہے علماء دیوبند حیات دنیویہ برزخیہ کے قائل ہیں۔ دنیاوی ظاہری کا تو اکابر میں سے کوئی بھی قائل نہیں۔ اسی عقیدہ پر مزید لکھا ہے: "اجساد کے ساتھ عنصری کا قید لگانا مبتدعین کا خود ساختہ اور خانہ ساز قید ہے۔" (تحقیق الحق ص ٦)

بانی دار العلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کو (تحقیق الحق ص ۱۴۷) پر ان کا عقیدہ ان کی عبارت کے مطابق ہونے پر گمراہ لکھا ہے۔ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے متعلق لکھا: "حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے شیعوں کی تردید کے لئے یہ ایک فرضی عقیدہ اختیار کیا ہے۔" (تحقیق الحق ص ۱۳۱)

اسی "تحقیق الحق" میں (ص ۱۳۲ تا ۱۳۷) حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی تصنیف "آب حیات" کو قرآن کریم کی ستائیس آیات کے مقابل ثابت کیا گیا۔

"المھند علی المفند" کے متعلق لکھا: "مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ نے شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمہ اللہ کے ایماء پر المھند علی المفند سے جواب لکھا جو ایک دفاعی کارروائی تھی۔ بالفاظ دیگر بیان صفائی ہے۔ عقائد علماء دیوبند نہیں ہے۔" (تحقیق الحق ص ۱۳۷)

دارالعلوم دیوبند کے استاذ تفسیر حضرت علامہ شمس الحق افغانی رحمہ اللہ کے متعلق لکھا: ''شمس الحق افغانی صاحب نے بھی یہی کچھ خیانت کا ارتکاب کیا ہے۔'' (تحقیق الحق ص ۱۰۷)

امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کے متعلق لکھا: ''مبتدعین کا اس دور میں مقتدیٰ مولانا سرفراز خان صاحب ہے۔'' (تحقیق الحق ص ۶)

اشاعت کے مشہور محقق مولانا خان بادشاہ صاحب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی رحمہ اللہ کے متعلق لکھتے ہیں: ''جاہل مبلغ جس نے چالیس خرافات فضائل حج میں لکھتے ہیں۔''

(الصوق الرسلہ ص ۱۵ بحوالہ ''التقید الجوہری'' ص ۱۱ مطبوعہ مئی ۲۰۰۵ء دارالقرآن پنج پیر صوابی)

''فضائل حج میں کافی خرافات اور واہیات ہیں۔ اگر تجھ میں علمی غیرت ہو تو اس کو دلائل شرعیہ سے ثابت کرلو۔ فضول بکو اس سے کچھ نہیں بنتا۔'' (التقید الجوہری ص ۷۲ مطبوعہ مئی ۲۰۰۵ء دارالقرآن پنج پیر صوابی)

مولانا سید عنایت اللہ شاہ گجراتی صاحب کے صاحبزادہ اور اشاعۃ التوحید والسنہ کے ناظم اعلیٰ مولانا سید ضیاء اللہ شاہ گجراتی صاحب ایک تقریر میں آیت کریمہ: ''لئن اشرکت لیحبطن عملک'' کا ترجمہ یوں کیا ہے: ''اے محمد رسول اللہ! میں نے تمہیں سب کا سردار بنایا۔ اگر کوئی اور معبود بنایا، میرے ساتھ شریک بنایا تو نبوت چھین لوں گا اور جو بڑوں سے بھی ابتر کر دوں گا۔'' (پنجابی سے ترجمہ ضرب حیدری ص ۱۷)

بندہ نے اشاعۃ التوحید والسنہ کے بانیان میں سے بعض حضرات سے لے کر موجودہ امیر اور اشاعت کے بڑے حضرات کے جو نام اپنی تقریظ میں لکھے ہیں ان حضرات کے اس انداز دعوت توحید اور بیان وتحریر کو آپ ملاحظہ کرلیں اور اپنے انصاف ہی سے فیصلہ کریں کہ اس انداز تربیت سے کیا احمد سعید خان ملتانی جیسے نہ پیدا ہوں گے؟

بندہ نے ان حضرات کے جو حوالہ جات آپ کو پیش کئے ہیں، ان میں شیخین کی روایات پر حکم زنی کی گئی ہے۔ رواۃ شیخین کو رافضی، معتزلی، خارجی، بدعتی اور ضعیف کہا گیا ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کو گمراہ اور فرضی عقائد گھڑنے والا ثابت کیا گیا ہے۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی رحمہ اللہ کو اور ان اکابر کی تصانیف کو یہودیوں، عیسائیوں اور بت پرستوں سے ملایا گیا ہے۔ حضرت علامہ شمس الحق افغانی رحمہ اللہ کو خائن کہا گیا اور مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کو دجالوں میں بڑا دجال کہا گیا ہے اور قائلین سماع موتی جن میں امام بخاریؒ سمیت کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، ائمہ کرام اور اسلاف امت شامل ہیں پر کفر وشرک کا اشاعۃ التوحید والسنہ کی طرف سے متفقہ فتویٰ بھی آپ کے علم میں ہے۔ جب اس ماحول سے احمد سعید خان ملتانی جیسے پیدا ہونے والوں کو اگر اس ماحول کی پیداوار کہا جائے تو آپ شکوہ کرتے ہیں کہ یہ نزلہ اشاعت پر کیوں گرایا جارہا ہے ؎

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے ہے

''اشاعۃ التوحید والسنہ'' کے ان اکابرین کے شیخین، رواۃ شیخین، محدثین کرام اور خاص کر اکابر علمائے دیوبند کے متعلق ان نظریات اور اس ماحول میں احمد سعید خان ملتانی جیسے لوگ پیدا ہوں گے یا اکابر کے متبع اور ادب واحترام والے؟

آپ نے بندہ کے نام خط میں لکھا ہے: ''علامہ سعید احمد ملتانی کا غلو اور اب قرآن مقدس اور بخاری محدث کے نام سے امام بخاریؒ اور رواۃ بخاری پر ۵۴ اعتراضات جو تمام غیر مسلموں، یہود و نصاریٰ، قادیانیوں، پرویزیوں اور روافض کے خلاف مواد ہے۔ (غالباً یہ سہو قلم ہے یہ مواد ان باطل مذاہب کے خلاف نہیں حق میں ہے)

آپ کی یہ بات لاریب حق ہے مگر اس پر بھی غور فرمائیں کہ اشاعۃ التوحید والسنہ کا یہ مواد جس کا کچھ نمونہ بندہ نے جناب کو پیش کیا ہے اور یہ انداز دعوت و تربیت کس کے حق میں ہے اور جن باطل مذاہب کا آپ نے تذکرہ کیا ہے وہ اس مواد سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں یا نہیں؟

یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ بندہ نے ''اشاعۃ التوحید والسنۃ'' کے ذمہ دار حضرات کے ان مذکورہ ناموں میں شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ کا نام نہیں لکھا تھا، اس کی یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اس طرح کے گستاخانہ ماحول کو فروغ نہیں دیا اور اہل حق کے اتباع میں ۱۹۶۲ء میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ کے فیصلہ عقیدہ حیات النبی ﷺ پر دستخط کر دیئے تھے۔ اور تا عمر اس پر قائم رہے۔'' جزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء''

جہاں تک احمد سعید ملتانی کا تعلق ہے۔ ''اشاعۃ التوحید والسنۃ'' نے تو اسے جماعت سے نکالنے کے بعد بھی اس سے تعلق رکھا۔ اس سلسلہ میں آپ کے قریب ہی اٹک اور ٹیکسلا کے دو اشتہارات کا عکس بھیج رہا ہوں جن میں احمد سعید ملتانی کو للکار شیخ القرآن لکھا گیا اور یہ اس کے ''اشاعۃ التوحید والسنۃ'' سے اخراج ۹ ستمبر ۱۹۹۸ء کے بعد ۲۹/اپریل ۲۰۰۶ء اور ۴/اپریل ۲۰۰۷ء کے جلسوں کے اشتہار ہیں۔

اور کمال تو یہ ہے کہ اٹک کا جلسہ آپ کے زیر صدارت ہے۔ یہ واقعہ احمد سعید ملتانی کو اشاعۃ التوحید والسنہ سے نکالنے کے آٹھ سال بعد کا ہے۔

بندہ آپ کے اس اقدام پر قلبی مسرت کا اظہار کرتا ہے کہ آپ نے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ کے فیصلہ عقیدہ حیات النبی ﷺ کو علاقہ چھچھ کے علماء اور اپنے تلامذہ کے دستخطوں سے طبع کرایا ہے۔ مگر آپ کا یہ اقدام پوری ''اشاعۃ التوحید والسنۃ'' کی ترجمانی نہیں کر رہا ہے۔ اس لیے کہ اشاعۃ التوحید والسنہ کی مرکزی قیادت نے آپ کی ابھی تک تائید نہیں کی بلکہ یہ لوگ تو شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ کی طرف بھی اس عقیدہ کی نسبت نہیں مانتے۔

مثلاً مولانا محمد حسین شاہ نیلوی صاحب لکھتے ہیں: ''اور جو فیصلہ راولپنڈی میں کیا گیا تھا، اگرچہ اس مجلس میں شامل بڑے بڑے جید علماء نے متفقہ طور پر لکھا تھا، اس کے باوجود وہ فیصلہ شرع کی کسوٹی پر صحیح نہیں اترتا۔ اس لیے اس فیصلہ کا ماننا صحیح نہیں اور اس فیصلہ کا انکار کرنے والے کو اہل السنت والجماعت سے خارج قرار دینا اور اس کی اقتداء میں نماز نہ ہونے کا فتویٰ دینا ناقابل فہم بات ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس فیصلہ کی بنیاد بننے والی روایت کی تحقیق ہو جانے کے بعد بھی اس فیصلہ کو درست کہنے والوں میں رفض کی بو آتی ہے۔''

(ماہنامہ گلستان اسلام، شوال ۱۴۱۷ھ/ مارچ ۱۹۹۷ء ج ۲ ش ۱۰ ص ۱۷، ۱۸)

سوانح شیخ القرآن میں میاں محمد الیاس صاحب لکھتے ہیں: ''بعض علماء دیوبند صلح نامہ راولپنڈی کی عبارت سے استدلال کر کے مولانا (غلام اللہ خان ﷫) کو سماع صلوۃ وسلام کے قائلین میں شمار کرتے ہیں۔ جو مولانا سے زیادتی اوران حضرات کی کور باطنی ہے۔'' (ص ۲۸۳ حاشیہ نمبر ۲۳)

میاں محمد الیاس صاحب کی اس ''سوانح شیخ القرآن'' کی تائید ماہنامہ تعلیم القرآن، راجہ بازار راولپنڈی، (ربیع الاول ۱۴۲۸ھ/ مارچ ۲۰۰۷ء ج ۶۳ ش ۳ ص ۴۵، ۴۶، ۴۷) پر موجود ہے۔

خود ماہنامہ تعلیم القرآن نے المہند علی المفند کے متعلق لکھا ہے: ''اسے عقائد کا خلاصہ کہنا یا عقائد علماء دیوبند کہنا پرلے درجے کی ضلالت ہے۔'' (ماہنامہ تعلیم القرآن فروری، مارچ ۱۹۹۷ء ص ۴۰ بحوالہ تحقیق الحق ص ۱۳۸ مصدقہ مولانا محمد طیب طاہری امیر مرکزیہ اشاعۃ التوحید والسنہ، مولانا غلام حبیب (ویسہ) شائع کردہ اشاعۃ التوحید والسنہ، صوابی)

اب آپ ہی انصاف فرمائیں کہ: ''اشاعۃ التوحید والسنہ'' حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان ﷫ کے فیصلہ پر کاربند ہے؟

یا یہ کہا جا سکتا ہے اشاعۃ التوحید والسنہ عقیدہ حیات النبی ﷺ کی قائل ہے؟ یا علمائے دیوبند کے عقائد کے ساتھ متفق ہے؟

اب اشاعۃ التوحید والسنہ کی اکابر علمائے دیوبند کے عقائد سے متصادم واضح پالیسی اور گستاخانہ انداز دعوت کے بعد بھی جو علماء خود صحیح العقیدہ ہونے کے باوجود ''اشاعۃ التوحید والسنہ'' کی سرپرستی کرتے ہیں یا ان سے تعلق رکھتے ہیں وہ اشاعۃ التوحید والسنہ کی ان باتوں میں شریک ہی سمجھے جائیں گے۔

یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ جب ماہنامہ القاسم جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ بابت اکتوبر، نومبر ۲۰۰۸ء نے بندہ کا ایک تقریری اقتباس شائع کیا جس میں رئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علیؒ اور ان کے تلامذہ کو صحیح العقیدہ بیان کیا گیا تو اس پر اشاعۃ التوحید والسنہ سے متعلق مولانا محمد اسماعیل، راولپنڈی نے بندہ کے نام اپنے خط میں جو ماہنامہ ''التوحید والسنہ'' زیرادارت مولانا محمد طیب طاہری صاحب امیر مرکزیہ اشاعۃ التوحید والسنہ میں مطبوعہ ہے اور اس کی تشہیر کی گئی۔ اس میں بندہ کے متعلق جو زبان استعمال کی ہے ملاحظہ ہو: ''حکومت ملازم کو ساٹھ سال میں ریٹائرڈ کر دیتی ہیں۔ لیکن ہمارے ہاں ارذل العمر میں وہ یادگار اسلاف بن جاتا ہے۔''

(ماہنامہ التوحید والسنہ اکتوبر ۲۰۰۸ء ص ۳۶)

بندہ نے اگرچہ اسے برا نہیں منایا مگر آپ کی خدمت میں گزارش ہے کہ کیا یہ اخلاق علماء اور اساتذہ حدیث رسول ﷺ کے لائق ہیں؟

اور کیا آپ نے اشاعۃ التوحید والسنہ کے اس اخلاق پر بھی کبھی انہیں سرزنش کی ہے اور تشویش کا اظہار فرمایا ہے؟

آخر میں آنجناب کی خدمت میں گزارش ہے کہ: ''اشاعۃ التوحید والسنہ'' کی مرکزی قیادت اب تک صحیحین کے رواۃ کو شیعہ، معتزلہ، خارجی قرار دے رہی ہے صحیحین کی روایات کو قرآن مجید کا مخالف ثابت کر رہی

ہے۔عقیدہ حیات النبی ﷺ جو آپ نے شائع کیا ہے کہ قائلین کو رفض کی بو والا، کور باطن، اور ضلالت قرار دے رہی ہے اور قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی رحمہ اللہ اور ان اکابر کے متبعین کو یہود و نصاریٰ اور ہندؤں سے ملا رہی ہے اور ان کے تصنیفی ذخیرہ کو یہود و نصاریٰ اور بت پرستی کا داعی کہہ رہی ہے تو آپ کو اس ''اشاعۃ التوحید والسنۃ'' سے کیا دلچسپی اور کیا ہمدردی ہے؟

بلکہ آپ نے فیصلہ راولپنڈی ۱۹۶۲ء کے حوالہ سے جو رسالہ شائع کیا ہے اس کی تردید میں اشاعۃ التوحید والسنۃ کی طرف سے مولانا عطاء اللہ بندیالوی صاحب نے چوالیس صفحات کا رسالہ ''مسلک شیخ القرآن'' کے نام سے چھپوایا ہے۔جس میں اس نے حضور نبی کریم ﷺ کے جسد اطہر سے روح مبارکہ کے کسی بھی قسم کے تعلق اور سماع صلوۃ وسلام عند القبر کا انکار کیا ہے اور آپ کو شیخ القرآن پر بہتان اور الزام لگانے والا لکھا ہے۔آپ کے خلاف مولانا عطاء اللہ بندیالوی صاحب نے یہ کتاب ''جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ'' کی طرف سے شائع کی ہے اور اس پر مولانا قاضی عصمت اللہ صاحب کی تقریظ اور تائید ہے۔گویا مولانا عطاء اللہ بندیالوی کا یہ رسالہ پوری اشاعۃ التوحید والسنہ کی ترجمانی کے لیے لکھا گیا ہے۔

جب کہ آپ نے حال ہی میں بتاریخ ۱۶ ربیع الاوّل ۱۴۳۲ھ/ ۲۰ فروری ۲۰۱۱ء اپنے مدرسہ جامعہ عربیہ اشاعت القرآن، حضرو میں ''مقصد میلاد کانفرنس'' کے اشتہار میں مولانا عطاء اللہ بندیالوی صاحب کو ''ترجمان علمائے دیوبند'' لکھا ہے جب کہ مولانا عطاء اللہ بندیالوی صاحب اپنے رسالہ ''مسلک شیخ القرآن'' اور آپ کے ترجمان علمائے دیوبند لکھنے سے پہلے بھی اپنے رسالہ ''مسئلہ حیات النبی ﷺ میں آپ کے پیش کردہ عقیدہ کو قرآن، حدیث، سنت، صحابہ کرام اور ائمہ امت کے خلاف قرار دے چکے۔

آپ حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کے فیصلہ کی نشر و اشاعت بھی کر رہے ہیں اور اس فیصلہ کو قرآن وسنت کے خلاف قرار دینے والوں کو ترجمان علمائے دیوبند بھی کہہ رہے ہیں اور اسی تعارف سے اپنے ہاں بلا رہے ہیں آخر یہ کیا معاملہ ہے؟ اس طرح تو آپ نے اپنے آپ کو الجھا دیا ہے۔

اسی طرح آپ نے مولانا قاری طیب صاحب رحمہ اللہ کے فیصلہ پر مشتمل جو رسالہ بھیجا ہے وہ اس فیصلہ کی حد تک تو درست ہے مگر آخر میں آپ نے جو اپنی تحقیقات لکھی ہیں ان میں عقیدہ حیات النبی ﷺ پر عنوانات ''مسئلہ کی شرعی حیثیت'' ''حیات تعلق روح کے ساتھ ہے نہ کہ کامل'' اور'' سماع صلوۃ وسلام عند القبر النبی ﷺ روحانی ہے۔'' سے اس عقیدہ میں الجھاؤ پیدا کر دیا گیا ہے۔

عقیدہ حیات النبی ﷺ کو اکابر کا فرعی مسئلہ لکھنا روح مبارکہ کے جسد مبارک سے تعلق کی جو کیفیات ائمہ اہلسنت نے لکھیں ہیں ان میں سے کسی کیفیت کو ماننا ہے نہ کہ مطلق تعلق اور جسد مبارک کی حیات مراد ہے مطلق تعلق روح اور جسد مبارک کی حیات تو اصولی مسئلہ ہے۔اسی طرح جسمانی سماع کا انکار کرتے ہوئے روحانی سماع کہنا یا محض روحانی سماع پر زور دینا بھی سماع کا انکار ہے۔اکابر میں سے یہ کسی کا موقف نہیں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ تو انہی جسمانی کانوں سے سماع کی تصریح کرتے ہیں۔چنانچہ آپ لکھتے ہیں: ''قریب سے

صلوۃ وسلام کو ترجیح اور فضیلت حاصل ہوتی ہے کیونکہ زائر کی آواز کا آنحضرت ﷺ کے گوش مبارک تک پہنچنا بڑے شرف اور بہتر کی بات ہے۔" (مکتوبات شیخ الاسلام ج ا ص ۲۴۳ بحوالہ مقام حیات طبع دوم ص ۲۶۲)

اس لئے کہ ظاہر ہے کہ حضرت مدنی رحمہ اللہ کے ہاں سماع روحانی سے مراد سماع جسمانی ہی ہے۔

اکابر کے اس طرح کے حوالہ جات پیش کر کے اپنے وضعی مطلب کو کشید کرنا درست نہیں۔ مولانا محمد حسین نیلوی صاحب مرحوم نے بھی اپنی تصانیف میں اس انداز کو اختیار کیا ہے۔ اس طرح اکابر کی تحریرات میں تعارض ثابت کر کے امت کو اپنے اسلاف سے دور رکھنے کا ماحول پیدا ہوتا ہے نہ کہ اکابر کے اتباع کی دعوت ہے۔

آپ نے اپنے رسالہ "مسئلہ حیات النبی ﷺ" میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کے فیصلہ کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: "اور یہی فیصلہ ہماری اشاعت التوحید والسنہ کا ہے۔" (ص ۱۸)

اسی طرح آپ نے اپنے ابتدائیہ میں حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کے متعلق لکھا: "انہوں نے بھی اس فیصلہ کی تعریف فرمائی اور فرمایا کہ اس فیصلہ کے بعد اشاعت التوحید کے علماء سے اختلاف ختم ہو گیا ہے۔" (ص ۴)

آپ نے جو ہماری اشاعت التوحید والسنہ لکھا ہے اس سے کیا مراد ہے؟ کیا اشاعت تقسیم ہو گئی ہے؟ یا آپ نے مرکزی اشاعت کے مقابل اپنی الگ اشاعت بنالی ہے؟ یا مرکزی اشاعت نے آپ کا فیصلہ تسلیم کر لیا ہے؟

آپ کے جواب میں مولانا عطاء اللہ بندیالوی صاحب کی کتاب "مسلک شیخ القرآن" سے آخری بات کی تو تردید ہو جاتی ہے کہ انہوں نے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کے فیصلہ کے خلاف یہ کتاب "اشاعۃ التوحید والسنہ" ہی کی طرف سے شائع کی ہے۔

آخر میں مکرر عرض ہے کہ بندہ نے مولانا مفتی محمد ظفر اقبال صاحب اور مولانا نثار احمد الحسینی مدظلہم کی تحریرات پر جو کچھ لکھا ہے الحمدللہ باحوالہ لکھا ہے اور محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے لکھا ہے۔ بندہ آپ کی خدمت میں اپنے پیش کردہ حوالہ جات کے عکسی نقول بھی اسی لفافہ میں ارسال کر رہا ہے مجھے نہ کسی سے تعصب ہے اور نہ عداوت۔ آپ سے بھی یہ درخواست ہے کہ ان لوگوں کا دفاع کرنے کے بجائے اکابر علمائے دیوبند قدس سرہم اور ان کی تعلیمات کا دفاع فرمائیں۔ "جزاک اللہ خیرا۔"

عالم اسلام اور خصوصاً پاکستان کے موجودہ حالات کا تقاضا بھی یہی ہے کہ دیوبندیت جو صحیح عقائد اور درست فکر کا نام ہے کا تحفظ کیا جائے۔ اور غلط عقائد ونظریات سے اس کی حفاظت کی جائے۔ اس لیے کہ امت کا ایمان ہے اسی سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

دعوات صالحہ کی درخواست ہے۔ والسلام

.....

سلیم اللہ خان

۳ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ / ۷ر اپریل ۲۰۱۱ء

مہتمم جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی کراچی رئیس وفاق المدارس العربیہ پاکستان صدر اتحاد تنظیمات مدارس پاکستان

مکتوب سلیم

احمد سعید ملتانی کو "اشاعۃ التوحید والسنۃ" سے ۱۹۹۸ء میں نکالا گیا۔ اس کے آٹھ سال بعد کے اشتہار میں احمد سعید ملتانی علمبردار توحید و سنت اور للکار شیخ القرآن۔



مکتوب سلیم

احمد سعید ملتانی کو "اشاعۃ التوحید والسنۃ" سے ۱۹۹۸ء میں نکالا گیا۔ نو سال بعد کے اشتہار میں
احمد سعید ملتانی بطور امام انقلاب، محقق العصر، مفسر القرآن، للکار شیخ القرآن بعد سلطان العاظمین۔ ؟



مکتوب سلیم

مسلکِ شیخ القرآن رحمہ اللہ

فی حیاتِ

سیّدِ الانس والجان

مسئلہ حیات النبی ﷺ اور سماع سلام عند قبر النبی ﷺ کے متعلق
حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان کا مسلک و نظریہ
نیز اس سلسلہ میں پھیلائی گئی غلط فہمیوں کا مدلل جواب

تلمیذ شیخ القرآن علامہ محمد عطا اللہ بندیالوی

منتظر نشر و اشاعت جمعیۃ اشاعۃ التوحید والسنۃ

جامعہ ضیاء العلوم جامع مسجد سیدنا معاویہ فاروق اعظم روڈ سرگودھا

مکتبہ حسینیہ فاروق اعظم روڈ سرگودھا فون 0300-6029183

— ۲۱ —

مکتوب سلیم

۱۱

ارادہ اور کوشش تو ان حضرات کی نیک ہے لیکن کیا دیوبند سے منسوب تمام جماعتیں آپ کے صرف اتنے فیصلے اور ۱۹۶۲ء کے معاہدے پر دستخط کرنے سے آپ سے راضی ہو جائیں گی؟ خدارا سوچیے اور جواب دیجیے کہ علاقہ کے خدام اہل سنت صرف اتنے عقیدہ کے رکھنے پر آپ کو گلے لگالیں گے، اور آپ کے گلے میں پھول ڈال کر آپ کو "دیوبندی" تسلیم کریں گے، یا ان کا مطالبہ یہ ہوگا کہ المہند علماء دیوبند کی مستند دستاویز ہے۔ جب تک آپ اس پر دستخط نہیں کرتے ہم اس وقت تک آپ کو دیوبندی تسلیم نہیں کرتے ---- تو کیا آپ اتحاد و اتفاق کے نیک جذبے کے لیے یہ قدم بھی اٹھالیں گے؟ پھر خدام اہل سنت اور اٹک کے قاضیاں کا یہ بھی مطالبہ ہوگا کہ صرف عند قبر النبیؐ صلوۃ و سلام کے سماع کے عقیدہ اپنانے سے اتفاق و اتحاد نہیں ہو سکتا ---- بلکہ اس کے لیے آپ کو استشفاع عند قبر النبیؐ کا قائل ہونا پڑے گا۔ تو کیا آپ اتحاد کے ثمرات سمیٹنے کے لیے اس سیڑھی پر بھی اتر آئیں گے ------ پھر ان کا مطالبہ یہ ہوگا کہ جب تک آپ دعاؤں میں انبیاء کرام کے توسل اور بزرگوں کے وسیلے کے قائل نہ ہوں تو ہم آپ کو دیوبندی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ---- تو کیا آپ اس اتحاد کی خاطر توحید کے گلے پر چھری رکھ کر وسیلے اور توسل کے قائل ہو جائیں گے؟۔

ہمیں دکھ اور افسوس اس بات کا ہے کہ یہ قابل احترام اور بزرگ علماء اتحاد و اتفاق کے نیک جذبے کے لیے اپنے نظریات میں معمولی لچک پیدا کر لیتے مگر حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ تعالیٰ کو اس کام کے بطور ڈھال اور بطور دلیل استعمال نہ فرماتے ---- ان کی اس کارروائی اور پمفلٹ بازی کا نتیجہ یہ نکلا کہ اشاعت التوحید والسنت کے موجودہ احباب خصوصاً نوجوان طبقہ اس مخمصے اور پریشانی میں مبتلا ہو گیا کہ حضرت شیخ القرآنؒ ۱۹۶۲ء کے معاہدے پر دستخط کرکے اپنے پہلے مسلک سے رجوع کرکے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عند القبر صلوۃ و سلام کے سماع کے قائل ہو گئے تھے۔

مکتوب سلیم

علمائے دیوبند کے معتقد عقائد کو توحید کو ذبح کرنے والے (شرکیہ عقائد) قرار دینے کے باوجود مولانا عطاء اللہ بندیالوی ترجمان علمائے دیوبند



اکابر علمائے دیوبند قدس سرہم کا عقیدہ

۱۳۷۶ھ/۱۹۵۷ء میں جب ''اشاعۃ التوحید والسنۃ'' کے بعض علماء نے علمائے دیوبند کے عقیدہ ''حیات الانبیاء جسمانی، برزخی'' کی تردید کرتے ہوئے جدا راستہ اختیار کیا اور علمائے دیوبند میں رخنہ ڈالنے کی کوشش کی تو اس وقت کے اکابر علمائے دیوبند نے اپنے عقیدہ کا اظہار کرتے ہوئے درج ذیل اعلان شائع کروایا۔

عقیدہ حیات النبی ﷺ کے متعلق اکابر علمائے دیوبند کا مسلک علمائے دیوبند کا متفقہ اعلان

حضرت اقدس نبی کریم ﷺ اور سب انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں اکابر دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے ابدان مقدسہ بعینہٖ محفوظ ہیں اور جسد عنصری کے ساتھ عالم برزخ میں ان کو حیات حاصل ہے اور ''حیات دنیوی کے مماثل'' ہے۔

صرف یہ ہے کہ احکام شرعیہ کے وہ مکلف نہیں ہیں۔ لیکن وہ نماز بھی پڑھتے ہیں اور روضہ اقدس میں جو درود پڑھا جائے، بلا واسطہ سنتے ہیں اور یہی جمہور محدثین اور متکلمین اہل السنت والجماعت کا مسلک ہے۔ اکابر دیوبند کے مختلف رسائل میں یہ تصریحات موجود ہیں۔ حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کی تو مستقل تصنیف حیات انبیاء پر ''آب حیات'' کے نام سے موجود ہے۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ جو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کے ارشد خلفاء میں سے ہیں۔ ان کا رسالہ ''المہند علی المفند'' بھی اہل انصاف اور اہل بصیرت کے لئے کافی ہے۔ اب جو اس مسلک کے خلاف دعویٰ دائر کرے، اتنی بات یقینی ہے کہ ان کا اکابر دیوبند کے مسلک سے کوئی واسطہ نہیں۔

''واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل''

۱...... مولانا محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ، مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی نمبر ۵
۲...... مولانا عبد الحق عفی عنہ، مہتمم دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک
۳...... مولانا محمد صادق عفا اللہ عنہ، سابق ناظم محکمہ امور دینیہ بہاولپور
۴...... مولانا ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ، شیخ الحدیث دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو اللہ یار سندھ
۵...... مولانا شمس الحق عفا اللہ عنہ، صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان
۶...... مولانا محمد ادریس کان اللہ لہ، شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور
۷...... مولانا مفتی محمد حسن، مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور
۸...... مولانا محمد رسول خان عفا اللہ عنہ، جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور
۹...... مولانا مفتی محمد شفیع عفا اللہ عنہ، مہتمم دار العلوم کراچی نمبر ۱
۱۰...... مولانا احمد علی عفی عنہ، امیر نظام العلماء وامیر خدام الدین لاہور

(پیام مشرق لاہور ج ۳ ش ۴، مؤرخہ ۱۳۸۰ھ/ستمبر ۱۹۶۰ء)

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَآءٌ وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَآءُ أَحْيَآءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (الحديث)

اَلْعُرْوَةُ الْوُثْقٰى

فِي

اِثْبَاتِ سَمَاعِ الْمَوْتٰى

زیر اہتمام:

جناب محمد عبد الرحمٰن کانپوری رحمۃ اللہ علیہ



بسم اللہ الرحمن الرحیم

(حرفے چند)

"العروۃ الوثقی فی اثبات سماع الموتی"

کانپور سے شوال ۱۲۹۷ھ (ستمبر ۱۸۸۰ء) میں یہ رسالہ شائع ہوا۔ اس کے طابع حاجی عبدالرحمن کانپوری تھے۔ یہ دراصل ایک فتویٰ ہے۔ ایک سوال کے جواب میں جناب مولانا شیخ احمد قاضی، مولانا شیخ محمد عادل، مفتی عبدالقدوس، مفتی محمد عبداللہ الحسینی، مولانا عبدالعزیز بن غلام احمد، مولانا ابوالحسنات عبدالحئی، مولانا مفتی محمد نعیم، مولانا عبدالعلی مدراسی، مولانا سید عبدالحق، مولانا عبدالغفار لکھنوی، ابوعطاء محمد اور مولانا محمد علی کے جوابات فتویٰ ہیں۔ ڈیڑھ سو سال کے قدیم فتویٰ پر اس رسالہ کو اس مجموعہ میں شائع کرنے پر خوشی ہورہی ہے۔ (ناشر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں کہ سماع موتی اور پہچاننا موتی کا غسل دینے والے کو اور کفن پہنانے والے کو اور اٹھانے والے کو اور قبر میں رکھنے والے کو اور زائر کو اور سلام کا جواب دینا اور اذان کا سننا احادیث صحیحہ وآثار وروایات صحابہ رضی اللہ عنہم وغیرہ سے ثابت ومقرر ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا!

جواب: واضح ہو کہ سماع موتی وغیرہ حدیث واثر وروایت صحابہ وقول علماء سے ثابت ہے جیسا کہ تفصیل اس کی مذکور ہوتی ہے۔ یہ حدیث قتادہ اور انس رضی اللہ عنہ وابی ہریرہ رضی اللہ عنہ وابن ابی الدنیا واحمد وحسن وغیرہم سے ثابت ومقرر باتفاق جمہور ہے۔

"عن قتادة قال ذكر لنا انس بن مالك عن ابی طلحة ان النبی ﷺ امر يوم بدر باربعة وعشرين رجلا من صناديد قريش فقذفوا فی طوی من اطواء بدر خبيث مخبث وكان اذا ظهر علی قوم اقام بالعرصة ثلث ليال فلما كان ببدر اليوم الثالث امر براحلته فشد عليها رحلها ثم مشی واتبعه اصحابه حتی قام علی شفة الركی فجعل يناديهم باسماءهم واسماء آبائهم يا فلان بن فلان يا فلان بن فلان ايسركم انكم اطعتم الله ورسوله فانا وجدنا ما وعدنا ربنا حقا فهل وجدتم ما وعد ربكم حقا۔ فقال عمر يا رسول الله ﷺ اتكلم من اجساد لا ارواح لها؟ قال النبی ﷺ والذی نفس محمد بيده ما انت باسمع لما اقول منهم وفی رواية ما انتم باسمع منهم ولكن لا يجيبون متفق عليه"

ترجمہ شیخ عبدالحق دہلوی میں ہے: روایت از قتادہ گفت قتادہ کہ ذکر کرد برای ما انس بن مالک از ابی طلحہ کہ آنحضرت ﷺ امر کردہ روز غزوہ بدر بست وچہارم در مہتران کفار قریش پس انداختہ شدند در چاہے از چاہہائے بدر پلید وپلید کنندہ وبود آنحضرت ﷺ وقتیکہ غالب می شد برقومی اقامت می کرد در جائے جنگ سہ ۳ شب پس چوں بود آنحضرت ﷺ در بدر روز سوم امر کرد آنحضرت ﷺ بربستن پالان برشتر سواری خود پس بستہ شد بران پالان آن پس تر رواں شد آنحضرت ﷺ وپیروی کردند آنحضرت ﷺ را یاران او تا آنکہ ایستاد آنحضرت ﷺ برکنار آنچاہ پس شروع کرد آنحضرت کہ ندا می کند مردہا را بنامہائے ایشاں ونامہائے پدر ایشان ای فلاں بن فلاں ای فلاں بن فلاں آیا شاد وخوشحال میگرداند شمارا کہ فرمان برداری میکردند خدا ورسول خدا را پس بدرستیکہ ما بتحقیق یافتم چیزے را کہ وعدہ کردہ بود مارا پروردگار مارا راست ودرست پس آیا یافتید شما چیزے را کہ وعدہ کردہ بود پروردگار شما حق۔ پس گفت عمر رضی اللہ عنہ اے رسول خدا چہ سخن میگوئی تو تنہا را کہ نیست جان دراں یعنی اینہا مردہ اند ونمی شنوند سخن کردن بایشاں چیست وچہ معنی دارد۔ گفت پیغمبر ﷺ سوگند بخدا ایکہ بقائے ذات محمد دردست قدرت اوست نیستے شنواتر امر چیز را کہ میگویم من از ایشان یعنی اینہا شنواتر اند از تو ودر روایتے ایں چنیں آمدہ است کہ نیستید شما شنواتر از یشاں ولکن جواب نمیدہند متفق علیہ۔

اور شیخ موصوف تتمہ ترجمہ اس حدیث میں فرماتے ہیں: بدانکہ ایں حدیث صحیح متفق علیہ صریح ست در ثبوت سماع مر اموات را وحصول علم مر ایشان را بانچہ خطاب کردہ میشوند وہم چنیں در حدیث مسلم آمدہ است کہ میشنود کوفتن نعال مردم را وقتیکہ برمیگردند از دفن وہم چنیں آنکہ در زیارت آنحضرت ﷺ اہل بقیع را آمدہ کہ سلام کرد برایشان وخطاب کرد مر ایشان را وگفت برشما ای اہل دار مسلمانان آوشمارا نچہ وعدہ کردہ شدہ بود وما نیز ان شاء اللہ تعالی می پیوندیم بشما زیرا کہ خطاب باکسی کہ نشنود ونفہمد معقول نیست ورد یک است کہ شمار کردہ شود از جملہ عبث۔

ودر حدیث ترمذی آمدہ کہ چون زیارت کرد عائشہ قبر برادر خود را عبدالرحمن بن ابی بکر بمکہ خطاب کرد اورا گفت اگر حاضر میشدم وقت موت تو دفن نمی کردم ترا مگر آنجا کہ مردہ بودی واگر حاضر میشدم در آن قوت زیارت نمی کردم ترا۔ چنانچہ در باب زیارت القبور گزشت اور نعلین کی آواز بھی سنتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث متفق علیہ میں روایت انس رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔

''عن انس قال قال رسول اللہ ﷺ ان العبد اذا وضع فی قبرہ وتولّٰی عنہ اصحابہ انہ لیسمع قرع نعالھم۔ الحدیث'' ترجمہ: روایت ست از انس رضی اللہ عنہ بدرستیکہ بندہ چون نہادہ شود در گور ورو بگردانند وے از یاران وبدرستیکہ وی بتحقیق می شنود کوفتن نعال اصحاب را یعنی آواز پاہائے ایشاں را کہ برزمین میروند۔

اور جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح صدور میں ایک باب مستقل واسطے اثبات سماع موتی وادراک عمل زندوں اور زائروں کے لکھا ہے اور حدیث ادراک المیت لمن یزور بھی ذکر کی ہے اور وہ یہ ہے: ''عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ ﷺ ان اعمالکم تعرض علی اقاربکم وعشائرکم من الاموات فان کان خیرا استبشر وان کان غیر ذالک قالوا اللھم لاتمتھم حتی تھدیھم'' ترجمہ: روایت ست از انس بن مالک گفت مالک گفت رسول اللہ ﷺ بدرستیکہ عملائے شما پیش میشوند برنزدیکاں وگروہ ہائے شما کہ مردہ اند پس اگر آن عمل نیک می باشد خوش میشوند از ان واگر بد باشد دعا میکنند کہ خداوندا نمیران اوشا نرا تا آنکہ ہدایت نمائی اوشان را۔

اور یہی مضمون دوسری حدیث کا بھی ہے: ''عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ لا تفضحوا موتاکم بسیأت اعمالکم فانھا تعرض علی اولیائکم من اھل القبور۔ اخرج ابن ابی الدنیا والاصبھانی فی الترغیب'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا فرمایا رسول اللہ ﷺ نے نہ رسوا کرو تم اپنے مردوں کو اپنے بدعملوں سے۔ پس تحقیق وہ بداعمال پیش کئے جاتے ہیں تمہارے دوستوں پر مردوں سے۔

اور پہچاننا موتی کا غسل دینے والے کو اور کفن پہنانے والے کو اور دیکھنا موتی کا اہل وعیال اپنے کو جو کام کہ کرتے ہیں اور پہچاننا دفن کرنے والے کو بھی ان دو حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے۔

''روی ابن ابی الدنیا عن بکر بن عبداللہ المزنی قال بلغنی انہ مامن یموت الا وروحہ فی ید ملک الموت فھم یغسلونہ ویکفنونہ وھو تری ما یصنع اھلہ فلو یقدر علی الکلام لنھاھم عن النوحۃ والعویل وروی وابن وابی الدنیا والطبرانی فی الاوسط عن ابی سعید الخدری ان النبی ﷺ قال ان المیت یعرف من یغسلہ ویحملہ ومن یکفنہ ومن یدلیہ فی حفرتہ'' روایت کی ابن ابی الدنیا نے بکر بن عبداللہ مزنی سے انہوں نے کہا کہ مجھے روایت پہنچی ہے کہ کوئی مردہ مرتا ہے مگر روح اس کی فرشتہ موت کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ پس وہ غسل دیتے ہیں اور اس کو کفن دیتے ہیں اس کو اور وہ مردہ دیکھتا ہے کہ کیا کرتے ہیں اہل اس کے۔ پس اگر قدرت رکھے کلام پر البتہ منع کرے ان کو نوحہ سے اور روایت کی احمد اور ابن ابی الدنیا اور طبرانی نے اوسط میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے کہ بیشک نبی ﷺ نے فرمایا بہ تحقیق مردہ پہچانتا ہے اس شخص کو جو نہلاتا ہے اس کو اور اٹھاتا ہے اس کو اور کفناتا ہے اس کو اور اتارتا ہے اس کو قبر میں۔

اور رسول اللہ ﷺ نے قبر کے لیپنے سے منع فرمایا اور علت اس کی تخفیف عذاب قبر بسبب سننے اذان کے ٹھہرائی۔ حدیث یہ ہے ''عن الحسن وعن ابن مسعود قال قال رسول اللہ ﷺ لا یزال المیت یسمع الاذان ما لم یطین قبرہ ذکرہ فی المغنی'' روایت ہے حسن بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ مردہ اذان سنتا ہے جب تک کہ مٹی نہ لگائی جاوے اس کی قبر پر۔ ذکر کیا اس کو مغنی نے۔

اور آثار وروایات بھی اس پر دال ہیں: ''قال ابن القیم الاحادیث والآثار تدل علی ان الزائر متی جاء علم به المزور وسمع کلامه وانس به ورد علیه السلام وھذا عام فی حق الشھدا وغیرھم قال السبکی واما الادراکات کالعلم والسماع فلا شک ان ذالک ثابت لھم ولسائر الموتی قال جلال الدین سیوطی فی شرح الصدور فی باب زیارة القبور وعلم الموتی بزوارھم ورد یتھم اخرج ابن ابی الدنیا والبیھقی فی شعب الایمان عن ابی ھریرة قال اذا مر الرجل بقبر یعرفه فسلم علیه رد علیه السلام وعرفه واذا مرّ بقبر لا یعرفه فسلم علیه رد علیه السلام ولم یعرفه واخرج ابن عبدالبر فی الاستذکار والتمھید عن ابن عباس وقال قال رسول الله ﷺ مامن احد یمر بقبر اخیه المومن فی الدنیا فیسلم علیه الا عرفه ورد علیه السلام۔ صححه عبدالحق[۱] فی اللآلی الفاخرہ فی تذکرة الآخرة التی صفنها الشیخ الاجل مولانا عزة الله بن الشیخ الاکمل ابی المعالی العثمانی نقلا عن الشرعة الاسلام وفی شرح الصدور اخرج ابن ابی الدنیا فی کتاب القبور والصابونی فی الماتین عن ابی ھریرة عن النبی ﷺ مامن عبد یمر بقبر رجل یعرفه فی الدنیا فیسلم علیه الا عرفه ورد علیه السلام کذا فی خزانة الروایات وفی احیاء العلوم للامام حجة الاسلام الغزالی قدس سره الازلی وفی شرح الصدور''

کہا ابن قیم نے احادیث اور آثار دلالت کرتے ہیں کہ بتحقیق زیارت کرنے والا جب آوے جانتا ہے اس کو مردہ اور سنتا ہے اس کا کلام اور چین پاتا ہے اس سے اور جواب سلام کا دیتا ہے اور یہ حکم عام ہے حق شہداء اور اوروں میں۔ کہا سبکی نے اور مگر دریافت کرنا مثل علم اور سننے کے پس نہیں شک کہ یہ ثابت ہے ان کے واسطے اور سب مردوں کے لئے۔ کہا جلال الدین سیوطی نے شرح الصدور میں باب زیارالقبور میں جواب دینا مردہ کا اپنی زیارت کرنے والوں کو اور دیکھنا ان کو۔ بیان کیا اس کو ابن ابی الدنیا نے شعب الایمان میں ابوہریرہ ﷜ سے کہا جب گزرتا ہے مرد کسی قبر پر پہچانتا ہے وہ اس کو پس سلام کرتا ہے اس پر تو وہ جواب سلام دیتا ہے اور پہچانتا ہے اس کو اور جب گزرتا ہے قبر پر کہ نہیں پہچانتا اس کو پس مردہ پہچانتا ہے اور جواب سلام کا دیتا ہے۔ صحیح کیا اس حدیث کو عبدالحق نے لآلی فاخرہ فی تذکرۃ آخرۃ میں جس کو تصنیف کیا شیخ بزرگ عزت اللہ بن شیخ کامل ابوالمعالی عثمانی نے نقل کیا اس کو شرعۃ الاسلام میں اور شرح صدور میں ہے کہ روایت کیا ابن ابی الدنیا نے کتاب قبور میں اور صابونی ماتین میں ابوہریرہ ﷜ سے وہ نبی ﷺ سے، نہیں کوئی بندہ گزرتا ہے قبر سے پہچانتا ہوا اس کو دنیا میں پس سلام کرتا ہے اس پر مگر مردہ اس کو پہچانتا ہے اور سلام کا جواب دیتا ہے۔ اسی طرح ہے خزانۃ الروایات میں اور احیاء العلوم تصنیف امام حجۃ الاسلام غزالی اور شرح الصدور میں۔

''اخرج ابن ابی الدنیا فی کتاب القبور عن ام المؤمنین عائشة قالت قال رسول الله ﷺ مامن رجل یزور قبر اخیه ویجلس عنده الا استانس به ورد علیه حتی یقوم'' ابن ابی الدنیا نے کتاب القبور میں حضرت ام المؤمنین سے کہا فرمایا رسول اللہ ﷺ نے نہیں کوئی مرد کہ زیارت کرتا ہے قبر اپنے بھائی کی اور بیٹھتا ہے اس کے نزدیک مگر چین پکڑتا ہے اس سے اور جواب سلام دیتا ہے اس کو یہاں تک کہ اٹھے۔

---

[۱] قولہ عبدالحق از اعاظم علمائے حدیث است ذکرہ الشیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ قاضی شیخ احمد عفا اللہ عنہ

اس بیان صداقت نشان مفید انسان مذکورالذکر سے بخوبی صاف ظاہر وواضح ہوا کہ سماع موتی وادراکات وغیرہ کا باتفاق جمہور وتابعین وخلف وسلف کے ثابت ہے۔ پس منکر سماع وشعور وغیرہ کا اموات سے مخالف جمہور ہے۔ حررہ العبد المعتصم الی اللہ الاحد المدعو بقاضی شیخ احمد غفراللہ لہ ولابویہ واحسن الیہما والیہ۔ شیخ احمد عفی عنہ ہوالمصوب

فی الواقع سماع وادراک موتی اور جواب دینا ان کا سلام زائرین کا اور پہچاننا ان کا تجہیز وتکفین کرنے والوں اور جنازہ اٹھانے والوں اور قبر میں اتارنے والوں کو بروایات صحیحہ ثابت وکتب معتمدہ میں مسطور اور منکر اس کا بلاشبہ مخالف مذہب منصور ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب! حررہ العبد الخامل محمد عادل عاملہ اللہ تعالی بفضلہ الشامل وجعلہ من الآمنین یوم الرجف والزلازل۔ محمد عادل حاکم محکمہ شرع۔ الجواب مطابق: عبدالقدوس۔ ہوالموفق

واقعی اموات کا ادراک وسماع اور ان کا جواب سلام دینا احادیث صحیحہ سے ثابت ومحقق ہے اور قرآن شریف میں جو آیا ہے ''وماانت بمسمع من فی القبور'' (فاطر:۲۲) وہ نفی اسماع ہے نہ نفی سماع اور نفی اسماع کا مفاد ویسا ہے جیسا اس آیت کریمہ کا ''انک لاتہدی من احببت'' (القصص:۵۶) واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ محمد عبداللہ الحسینی بگرامی عاملہ اللہ بلطفہ السامی۔ محمد عبداللہ الحسینی

بیشک احادیث سے سننا اموات کا ثابت ہے۔ مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ قرآن شریف کے ترجمہ کے فائدہ میں لکھتے ہیں کہ فرمایا تو نہیں سناتا قبر میں مردوں کو اور حدیث میں ہے کہ مردوں سے سلام علیک کرو وہ سنتے ہیں اور بہت جگہ مردے کو خطاب کیا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ مردے کی روح سنتی ہے اور قبر میں پڑا ہی دھڑ، وہ نہیں سن سکتا۔ تمام ہوا کلام مولانا۔

اور یہ جو لوگ خیال کرتے ہیں کہ روح قبر سے بہت دور ہے وہ کیونکر سنے گی۔ سید مولانا جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے شرح الصدور میں ابن القیم رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ روح کو آسمان سے قبر تک آتے دیر نہیں لگتی روح کا حال مثل نگاہ کے ہے دم بھر میں ادھر ہے دم بھر میں ادھر ہے۔ جو کوئی قبروں پر جاتا ہے روحیں آکر اس وقت آسمان پر بھی ہوں تو اس کے واسطے قبر میں آجاتی ہیں۔ اسی مضمون کو مولانا نظامی رحمہ اللہ سکندر نامہ میں فرماتے ہیں:

درودم رسانی رسانم درود بیائی بیائم ز گنبد فرود

یعنی جب تو میری قبر پر آوے گا اور سلام کہے گا میں جواب دوں گا اور گنبد سے یعنی آسمان سے اتر آؤں گا۔ واللہ اعلم وعلمہ الاتم۔ العبد عبدالعزیز بن غلام احمد عفی اللہ عنہما۔

اس مسئلہ میں اگرچہ قدیم سے اختلاف رہا۔ بعض صحابہ اور طائفہ حنفیہ منکر سماع اموات رہے۔ مگر مذہب منصور کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے یہی ہے کہ اموات کو سماع وادراک باقی رہتا ہے۔ واللہ اعلم حررہ الراجی غفور بہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔ ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ

واقعی سماع الموتی اور پہچاننا غسل دینے والے اور کفن پہنانے والے اور اٹھانے والے اور قبر میں رکھنے والے کو اور زیارت کرنے والے کو سلام کا جواب دینا اور اذان کا سننا احادیث سے ثابت ہے۔ ہاں بعضے مشائخ حنفیہ سماع موتی کا انکار کرتے ہیں۔ لیکن محققین اثبات کرتے ہیں۔ واللہ علیم حررہ ابوالاحیاء محمد نعیم عفی عنہ ۱۲۹۷ھ

بے شک اموات مومنین بسبب تعلق روح کے کہ ان کو عالم برزخ میں رہتا ہے زندوں کی آواز سنتے ہیں یہاں تک کہ قبرستان میں چلنے پھرنے والوں کی جوتیوں کی چپ کا ان کو ادراک ہوتا ہے۔ کما ثبت بالا حادیث الصحیحۃ اور جو بعض معترضین عدم سماع موتی پر نص قرآنی دلیل لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر مردوں کو قوت سامعہ ہوتی تو آنحضرت ﷺ کو حق تعالیٰ ساتھ عدم اسماع موتی کے خطاب نہ فرماتا جیسا کہ قرآن پاک میں آیا ہے۔ ''انک لاتسمع الموتی (النمل: ۸۰) اور ماانت بمسمع من فی القبور'' (فاطر: ۲۲) یعنی تو ہرگز مردوں کو نہیں سنا سکتا ہے اور نہیں سنا سکتا ہے تو ان لوگوں کو جو قبروں میں ہیں۔

جواب اس کا یہ ہے کہ لغت میں سماع کے معنی ماننے کے بھی آئے ہیں اور سماع کے معنی منوا دینے کے ہوئے۔ پس ظاہر ہے کہ مردوں کو منوا دینا زندوں کے اختیار میں نہیں اور مردوں کو زندوں کی بات۔ کے ماننے نہ ماننے کا اختیار ہے۔ اس کی نفی سے یہ نہیں لازم آتا ہے کہ مردے زندوں کی آواز نہیں سنتے ہیں کیونکہ سننا شے دیگر ہے اور ماننا امر آخر۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ حررہ العبدالآسی محمد عبدالعلی المدراسی عفا اللہ عن جمیع المعاصی

یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے مگر حق اس جانب ہے کہ مردے سنتے ہیں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ کتبہ سید عبدالحق۔ السید محمد عبدالحق ۱۲۹۷ھ

اور اصح اور احق ثبوت اس کا ہے روایات احادیث صحیحہ سے جیسا کہ مجیب نے ذکر کیا لیکن اس کے منکر کو کافر و ملحد نہ کہنا چاہئے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم! حررہ العبدالراجی رحمۃ ربہ القوی محمد عبدالغفار لکھنوی عفا اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔ اللھم ثبت لسانی واھد قلبی۔ محمد عبدالغفار!

اصل جواب حق ہے اور حق یہی ہے کہ میت کو علم وفہم وادراک سمعی وبصری حاصل ہے اور حقیقت میں مدرک روح ہے نہ جسم بے روح کما لایخفی۔ اس پر جماہیر مشاہیر کو اتفاق ہے نہ اختلاف ہاں کچھ خلاف ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے آیا ہے کہ آپ نے کہا کہ کفار مقتولین بدر کے حق میں ''انھم الآن لیعلمون ان ما کنت اقول لھم'' حق ارشاد ہوا ہے نہ انھم لیسمعون ما اقول بالقطع نظر اس سے کہ حضرت نافیہ شاہد قصہ نہیں ہیں اور مثبتین فاروق وابن مسعود وابوطلحہ اور جماعت سحابہ جو مراد قول انس ہیں اسی قصے میں ''ثم مشی واتبعہ اصحابہ قالوا فما نراہ یطلق الا یقتضی حاجۃ الحدیث اخرجہ الامام احمد فی المسند بسند احتج بہ السنۃ وھذا صریح بان انسا سمعہ من جماعۃ من الصحابۃ شھدوا القصۃ'' شاہد قصہ ہیں اس قول کو ربط نہیں ہے۔ سوال فاروق ہے کہ یارسول اللہ ''اتکلم من اجساد لاارواح لھا''

چنانچہ خود ام المؤمنین سے وارد ہے ''فقال اصحابہ یارسول اللہ اتکلم قوما موتی فقال لھم قد علموا ان ما عدتم حق قالت والناس یقولون لقد سمعوا ما قلت لھم اخرجہ احمد بشرط السنۃ'' علاوہ مغازی ابن اسحاق روایت یونس بن بکیر میں باسناد جید اور مسند احمد میں بسند حسن ام المومنین سے مثل حدیث ابی طلحہ وغیرہ آیا ہے کہ جواب میں ارشاد ہوا ''وما انتم باسمع لما اقول منھم'' حافظ حدیث عسقلانی وغیرہ کہتے ہیں 'فان کان محفوظا ناعلھا رجعت عن الانکار لما ثبت عندھا من روایۃ الصحابۃ لکونھا لم تشھد القصۃ قالت وان لم یکن محفوظات فقد اسند احمد شرط السنۃ عن ابراھیم النخعی عن عائشۃ فی ھذہ القصۃ قالوا یارسول اللہ

کیف تکلم قوما جیفوا فقال ما انتم بافهم لقولی منهم او لهم افهم لقولی منکم و لا یخفی ان فهم القول فرع سماعة و النخفی ان لم یسمع من عائشة فمراسیله کمواصیله لکونها لا یقبل الحدیث الا عمن عرف و حفظ نص علیه الامام الشافعی و قد تظافرت الروایات عن الصدیقة روایة و درایة فی ادراک الاموات و للعبد الذلیل کلام طویل و تحقیق جلیل فی هذه المسئلة فی رسالة مستقلة و فی الکتاب الاوّل من الکتب الاثنی عشر فی علوم اهل بیت سید البشر کتاب فقه الایمان عن اهل بیت النبوة و الایقان الملقب کتاب الفقه الاکبر عن اهل البیت الطهر ﷺ و علی ابیهم و علیهم و قد زل قدم آحاد من الحنفیة و المالکیة و الشافعیة فی المسئلة و اصل ذالک من نحلة المعتزلة التی انتحلت فی الفرع مذاهب اهل السنة فاتبع ذالک اشخاص من الفرق الثلثة کبعض مسائل اخری غافلین عن تشعبها من اصولهم الفاسدة و العصمة من اللہ تعالٰی'' *کتبہ عبداللہ ابوعطاء محمد المعروف بحسن الزمان عاملہ ربہ الرحمن بالاحسان! ہوالمصیب*

واقعی سماع موتی بشواہد نقلیہ و بدلائل عقلیہ ثابت ہے۔ چنانچہ علامہ تفتازانی شرح مقاصد میں لکھتے ہیں

''و عندنا نما لم تکن الآلات شرطا فی ادراک الجزئیات اما لانه لیس بحصول الصورة لا فی النفس و لا فی الحس و اما لانه لا یمتنع ارتسام صورة الجزئی فی النفس بل الظاهر من قواعد الاسلام انه یکون للنفس بعد المفارقة ادراکات متجددة جزئیة و اطلاع علی بعض جزئیات احوال الاحیاء سیما الذین کان بینهم و بین المیت تعارف فی الدنیا و لهذا ینتفع بزیارة القبور و الاستعانة بنفوس الاخیار من الاموات فی استنزال الخیرات و استدفاع الملمات فان للنفس بعد المفارقة تعلقا ما بالبدن و بالتربة التی دفنت فیها فاذا زار الحی تلک التربة و توجهت تلقا نفس المیت حصل بین النفسین ملاقات و افاضات انتهی''

اور تفصیل اس کی رسالہ سبیل النجاح الٰی دارالفلاح میں مسطور ہے۔

واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم!

حررہ العبد المعتصم بلطف اللہ القوی محمد علی عفا اللہ عنہ

خاتمة الطبع: الحمدللہ علی احسانہ *کہ یہ قطعہ استفتاء دستخطی و مہری علمائے محققین مسئلہ سماع و ادراک موتی میں موسومہ بالعروۃ الوثقیٰ فی اثبات سماع الموتی مطبع نظامی واقع کانپور میں اہتمام عاجز محمد عبدالرحمن عفا عنہ ربہ السبحان سے عشرہ دوم شوال المکرم ۱۲۹۷ھ کو چھپ کے مفید خاص و عام ہوا۔*

العبد: عبدالرحمن بن حاجی محمد روشن خان

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَآءُ أَحْيَآءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (الحدیث)

مسئلہ حیوۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مرتب:

حضرت مولانا اخلاق حسین قاسمی رحمۃ اللہ علیہ

مطبوعات نادیۃ الادب الاسلامی ـــــ (۹)

مسئلہ حیوۃ النبی

مرتبہ

مولانا اخلاق حسین قاسمی

ناشر

مرکزی مکتبہ نادیۃ الادب الاسلامی پاکستان ملتان شہر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(حرفِ چند)

حضرت مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی رحمہ اللہ

آپ دارالعلوم دیوبند کے فاضل اجل تھے۔ دہلی میں رہتے تھے۔ آپ نے ''حیات النبی ﷺ'' کے عنوان پر ایک مضمون لکھا جو ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند میں ربیع الاوّل ۱۳۷۳ھ مطابق دسمبر ۱۹۵۳ء میں شائع ہوا۔ ملتان میں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے بڑے صاحبزادہ مولانا سید عطاء المنعم شاہ بخاری نے ''نادیۃ الادب الاسلامی'' کے نام سے ایک علمی ادبی انجمن قائم کی تھی۔ آپ نے اس اکیڈمی کے تحت نومبر ۱۹۵۵ء میں اس مضمون کو اپنے مقدمہ کے ساتھ پمفلٹ کی شکل میں شائع کیا۔ مارچ ۱۹۵۶ء میں اس کا چوتھا ایڈیشن شائع ہوا۔ اس ایڈیشن کو جسے ہم اس مجموعہ میں شامل کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ (ناشر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہ وعلیٰ آلہ وصحبہ الذین اوفوا عہدہ اما بعد!

۱...... موجد کی صناعی اور تجربہ کاری کا اثر اس کی ایجاد واختراع میں نظر آتا ہے، مربی کے طرز تربیت اور انداز پرورش کا نشان اس کے مربوب اور پروردہ کے عادات واخلاق میں نمایاں ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ ایک داعی اور ایک ہادی کے نہج تبلیغ ودعوۃ اور طریق ہدایۃ ورہبری کے آثار اس کی امت کے علم وعمل میں جلوہ گر ہوں گے۔

۲...... جس امت کے صلحاء تو درکنار عوام کو یہ شرف حاصل ہو کہ ان کے نیک اعمال کی بدولت موت کے بعد اور قیامت سے پہلے انہیں برزخ کے آثار محمودہ سے حصہ ملے تو اس کے نبی کے احوال دنیا آثار برزخ اور واردات آخرت کا کیا عالم ہوگا؟

۳...... اوّل المسلمین، اولی بالمومنین، اعلم الاوّلین والآخرین، قائد المرسلین وخاتم النبیین پیغمبر انقلاب سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا وجود گرامی خالق مطلق کے کمال قدرۃ کا بے نظیر نمونہ ہے۔ اگر اسلام کا خدا اپنی ذات وصفات میں وحدہ لاشریک لہ ہے اور اسلام کا قرآن اپنی اکملیت اصول اور تمامیت قوانین میں وحدہ لاشریک لہ ہے تو اسلام کا رسول بھی اپنی جامعیت اخلاق ومناقب اور خاتمیۃ نبوت ورسالت کی بدولت وحدہ لاشریک لہ ہے۔

۴...... نبی علیہ السلام کو جیسے دیگر اخلاق وصفات میں بطور معجزہ ساری کائنات پر فضیلت حاصل ہے اسی طرح حیات برزخیہ میں بھی انہیں تمام عالم پر فوقیۃ حاصل ہے کہ وہ قانون کل نفس ذائقۃ الموت سے دوچار ہونے کے باوجود روضہ مطہرہ میں اپنے ہی اقوال صادقہ اور مصدقہ کی رو سے بقید جسم وروح، روح کے ساتھ احساس وعلم اور اثر وتصرف کی شان سمیت استراحت پذیر ہیں۔

''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں (حقیقتاً) زندہ ہیں اور (قوانین برزخ کے مطابق) نمازیں پڑھتے ہیں۔ (رواہ البیہقی فی سنن)

۵...... زیر نظر رسالہ میں اسی اعتقادی گوشہ کو کتاب وسنۃ اور اجماع امت کی روشنی میں امۃ وسطاً کے سچے مصداق حضرات اکابر دیوبند (کثر اللہ امثالہم وحعنا بفیوضہم آمین) کے محفوظ اور حقانی مسلک کے مطابق پوری متانت، مضبوط استدلال اور وضاحت کے ساتھ واشگاف کیا گیا ہے اور اہل بدعت کے اس افتراء اور لغو اعتراض کا نہایت حسین ومؤثر مگر خاموش اور مثبت جواب دیا گیا ہے کہ اہل دیوبند حیات الانبیاء کے قائل نہیں ہیں۔

چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند'' والکذب یہلک فالعیاذ باللہ''

توقع ہے ہر سعید روح اور قلب صافی اس تحریر سے صراط مستقیم کو پانے میں کامیاب ہوگا۔ ''من یہدہ اللہ فلا مضل لہ'' اللہ تعالیٰ ہم سب کو تخلق باخلاق اللہ والرسول کی توفیق اور دین وعلم کے آثار وبرکات کو اہل حق کے واسطہ سے ان کی اصلی شکل میں حاصل کرنے کا شرف نصیب فرمائے۔ آمین! امید ہے کہ جملہ اہل اسلام اس رسالہ کو توسیع اشاعت سے ادارہ نادیہ کے استحکام اور خدمت دین کی مہم میں قابل قدر تعاون پیش کریں گے۔ فاللہ الموفق وعلیہ التکلان وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین! عصر الخمیس ۸/ ۴/ ۱۳۷۵ھ، ۲۴/ ۱۱/ ۱۹۵۵ء

راقم السطور خادم العلم والعلماء سید ابوذر بخاری غفرلہ الباری امیر نادیۃ الادب الاسلامی پاکستان
ومہتمم مدرسہ حریۃ اسلامیہ نمبر ۲۳۲ کوٹ تغلق خان ملتان شہر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ حیات النبی ﷺ دیوبندی مکتب خیال کی روشنی میں

اس عقیدہ پر تو ساری امت کا اتفاق ہے کہ سرور عالم ﷺ حیات ہیں۔ لیکن وہ حیات کیسی ہے؟ برزخی (روحانی) یا دنیوی (جسمانی) اس کے جواب میں علماء کے دو مشہور مسلک سامنے آتے ہیں۔ ایک طبقہ جسمانی زندگی کا قائل ہے اور کچھ حضرات صرف روحانی اور برزخی زندگی کے۔

پہلا طبقہ کہتا ہے: سرور عالم ﷺ قبر شریف میں اسی طرح حیات ہیں جس طرح آپ جسم مبارک کے ساتھ دنیا میں حیات تھے۔

دوسرا طبقہ کہتا ہے: آپ کی حیات برزخی ہے جیسی کہ شہداء فی سبیل اللہ کی۔ لیکن نہ صرف ان جیسی بلکہ ان سے بہت ممتاز اور افضل۔

پہلے طبقہ کی ترجمانی حضرت شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے مدارج النبوت میں اس کی طرح کی ہے۔ جسمانی زندگی کے دلائل:

پہلی دلیل: انبیاء علیہم السلام کے اجسام قبروں میں محفوظ ہوتے ہیں زمین کے لئے ممنوع ہے کہ وہ انہیں گلائے یا سڑائے۔ ''ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء'' اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کردیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اجسام کو کھائے۔ (بوادر النوادر ص ۵۰ بحوالہ ابوداؤد، ابن ماجہ، حاکم)

قبروں میں جسم اسی لئے محفوظ ہیں کہ ان کے ساتھ روحوں کا تعلق قائم ہے۔ اس کے سوا اور کوئی وجہ نہیں۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ (مشہور تابعی) نے جسموں کی حفاظت کا سبب بیان کرتے ہوئے کہا ہے ''بلغنی ان الارض لاتسلط علی جسد الذی لم یعمل خطیئة'' مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ زمین اس جسم پر مسلط نہیں کی جاتی جس نے گناہ کا ارتکاب نہ کیا ہو۔ (تفسیر مظہری بحوالہ طبرانی عن جابر رضی اللہ عنہ)

حضرت قتادہ نے حیات انبیاء کی اصل وجہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یعنی جو جسم گناہوں کی آلودگی سے پاک ہیں وہ جسمانی عالم سے جدا ہونے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں اور زمین ان کا ایک رونگٹا بھی خراب نہیں کرسکتی۔ یہ مسلم ہے کہ خطاؤں سے حضرات انبیاء علیہم السلام کے سوا کسی دوسرے کو عصمت حاصل نہیں۔ اس لئے ان ہی کے اجسام قبروں میں محفوظ ہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ اگر قبروں میں جسموں کی حفاظت اس بات کی دلیل ہے کہ حیات جسمانی کے ساتھ زندہ ہیں تو پھر انبیاء علیہم السلام کے علاوہ ان لوگوں کے بارے میں کیا کہا جائے گا جن کے جسم قبروں میں محفوظ رہتے ہیں۔ مثلاً خود سرور عالم ﷺ نے قرآن کے حافظوں کے متعلق فرمایا: ''اذامات حامل القرآن اوحی اللہ تعالٰی الی الارض ان لا تاکل لحمه فتقول الارض یا رب کیف اکل لحمه و کلامک فی جوفه'' جب حامل قرآن مرتا ہے تو خدا تعالیٰ زمین کو حکم دیتا ہے کہ وہ اس کا گوشت نہ کھائے تو وہ کہتی ہے اے پروردگار میں اس کا گوشت کیسے کھا سکتی ہوں۔ جب تیرا کلام اس کے سینے میں محفوظ ہے۔ (تفسیر مظہری)

اسی طرح احد کے شہیدوں کے متعلق یہ ثابت ہے کہ ان کی لاشیں اپنے مدفن میں محفوظ نکلیں۔ جب واقعہ احد کے چالیس سال بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں میدان احد میں نہر نکالنے کے لئے زمین کھودی گئی تو حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ ابن جبیر رضی اللہ عنہ انصاری کی لاشیں بالکل تر و تازہ پائی گئیں اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش پر کدال لگنے سے ان کے پیر میں سے خون نکلا۔ (تفسیر مظہری)

یہ واقعات صحیح ہیں اور سرور کائنات کا ارشاد بھی درست ہے۔ لیکن یہ محض جزوی فضیلتیں ہیں۔ جو اظہار کرامت کے طور پر خدائے تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو عطا فرما دیتا ہے۔ یہ کوئی عام کلیہ نہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر حافظ قرآن کا جسم لازمی طور پر محفوظ رہتا ہے یا بلا استثناء ہر شہید کے جسم کو قبر میں وہ خاص حفاظت میسر ہوتی ہے۔ جس کا اعلان انبیاء کرام علیہم السلام کے متعلق کیا گیا ہے۔

جزوی فضیلت کے خاص خاص واقعات میں اور کلیہ میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ سرور عالم ﷺ کا جسم پاک قبر میں محفوظ ہے اور ہمیشہ محفوظ رہے گا۔ جس یقین کے ساتھ ہم اس حقیقت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ کسی نیک سے نیک انسان کے بارے میں بھی اس قسم کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔

سرور عالم ﷺ کے جسم اطہر کا قبر میں محفوظ ہونا ایک تاریخی حقیقت کے طور پر بھی ثابت ہو چکا ہے۔ اس واقعہ سے جو پانچ سو ستاون ۵۵۷ھ میں سلطان نور الدین زنگی رحمہ اللہ کے ساتھ پیش آیا اور جسے مدینہ منورہ کے تمام مؤرخین جمال مطری، علامہ مجد الدین فیروز آبادی وغیرہ نے اپنی تاریخوں میں بیان کیا ہے۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۵۷۸)

دوسری دلیل: عام طور پر موت کے بعد انسان کے جسم میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے چہرے پر وحشت برسنے لگتی ہے، ہاتھ پیر اکڑ جاتے ہیں۔ ناک کا بانسہ پھر جاتا ہے۔ لیکن سرور عالم ﷺ کا جسد اطہر اس قسم کے تمام تغیرات سے محفوظ رہا۔ وصال کے بعد کسی نے آپ کے روئے انور میں کوئی ادنیٰ فرق بھی محسوس نہیں کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں: غسل دیتے وقت میں نے حضور ﷺ کے جسم میں وہ علامات تلاش کیں جو مرنے کے بعد انسان میں نمودار ہو جاتی ہیں۔ لیکن باوجود تلاش کے میں نے کوئی علامت نہیں پائی۔ "بابی انت وامی ماطیبک حیاً ومیتاً" میرے ماں باپ آپ پر قربان! کس قدر پاکیزہ رہے آپ زندگی میں بھی اور موت میں بھی۔ (ابن ماجہ کتاب الجنائز)

ہر دور میں علمائے امت نے اس تاریخی حقیقت کی پوری قوت سے حفاظت کی۔ اگر کسی نے اس کے خلاف کچھ کہا تو اس کے ایمان میں کلام ہونے لگا۔

وکیع ابن جراح نے اسماعیل ابن خالد سے یہ کہا کہ وفات کے بعد سرور عالم ﷺ کا پیٹ پھول گیا تھا،

انگلی مڑ گئی تھی اور ناخن سبز ہو گئے تھے۔ کیونکہ آپ پیر کے دن کے وفات پائے ہوئے بدھ کی رات کو دفن کئے گئے تھے اور اس کی حکمت یہ بیان کی: اس کی وجہ یہ تھی کہ صحابہ کی جماعت میں سے جن لوگوں نے آپ کی وفات کا انکار کیا تھا وہ ان علامات کو دیکھ کر آپ کی وفات کا یقین کرے۔

وکیع کی باتیں جب مکہ کے والی حاکم عثمان کے پاس پہنچائی گئیں تو حاکم نے وکیع کو حرم سے باہر پھانسی دینے کا حکم دیا۔ سفیان ابن عیینہ کو والی مکہ کا یہ فیصلہ معلوم ہوا، انہوں نے آ کر وکیع کے لئے سفارش کی۔ والی مکہ نے ان کی سفارش قبول کر لی اور وکیع مکہ سے مدینہ طیبہ چلے گئے۔ (نسیم الریاض شرح شفاء ج ۱ ص ۳۹۰)

سرور عالم ﷺ کے جسد مبارک میں تغیر نمودار ہونے کی روایت کو ابن سعد نے طبقات میں نقل کیا ہے۔ اس کے متعلق حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ابن سعد عرصہ سے مفقود تھی، اسے اب یورپ والوں نے چھپوایا ہے۔ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ اصل نسخہ کے مطابق ہے یا اس میں اضافہ کر دیا گیا ہے۔ اس میں امہات المؤمنین اور حضور ﷺ کی وفات سے متعلق بعض ایسی روایات موجود ہیں جن کا دوسری اسلامی تصنیفات میں باوجود تلاش کے کہیں پتہ نہ چلا۔ پھر ابن سعد خود بھی کوئی ایسی کتاب نہیں جس کی تمام روایات قابل قبول ہوں۔ لہٰذا اس کی وہی باتیں قابل اعتبار ہو سکتی ہیں جو تفسیر و حدیث کی دوسری متداول کتابوں میں موجود ہیں۔ ملا علی قاری نے موضوعات کبیر میں جو قاعدہ لکھا ہے اس کا حاصل یہی ہے۔

تیسری دلیل: (۱) پہلی حدیث: "الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون" انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔ (بحوالہ مسند ابو یعلیٰ عن انس)

(۲) دوسری حدیث: خدا تعالیٰ نے کچھ فرشتے اس کام کے لئے پیدا کئے ہیں کہ وہ زمین پر گشت کریں اور میری امت کا درود و سلام مجھ تک پہنچائیں۔ (نسائی عن ابن مسعود)

(۳) تیسری حدیث: امام عبدالحق جو کبار محدثین میں سے ہیں انہوں نے احکام صغریٰ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک صحیح روایت نقل کی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے اس مسلمان بھائی کی قبر پر جاتا ہے جس مسلمان کو وہ جانتا تھا اور جا کر سلام کرتا ہے تو وہ صاحب قبر اسے جواب دیتا ہے۔ پس جب عام مسلمانوں کے بارے میں یہ ثابت ہے تو حضور ﷺ تو ہر حال میں افضل و اکمل ہیں۔

(۴) چوتھی حدیث: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر فرشتے تمہارے اچھے اعمال مجھ تک پہنچاتے ہیں تو میں خوش ہوتا ہوں اور اپنے پروردگار کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور اگر برے اعمال پہنچاتے ہیں تو ان کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہوں۔

ان احادیث کے بعد شاہ صاحب لکھتے ہیں: ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ سرور عالم ﷺ کو اپنی قبر شریف میں حیات حسی حاصل ہے۔ نہ صرف حیات معنوی جیسی کہ شہیدوں کو حاصل ہوتی ہے۔

دوسرے طبقہ میں علامہ علاؤ الدین قونوی جو علماء شافعیہ میں ایک بڑے صاحب تصوف بزرگ ہیں۔ حضور ﷺ کی زندگی پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ہمارا عقیدہ ہے کہ حضور ﷺ اپنے پروردگار کے پاس جنت الماوئی میں حیات متعارف سے بہتر حیات کے ساتھ قیام گیر ہیں اور یہ حالت قبر میں مقیم رہنے کی حالت سے کہیں زیادہ افضل و بہتر ہے۔

اگرچہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ مومن کی قبر حد نگاہ تک وسیع ہوتی ہے۔ پھر انبیاء علیہم السلام کی قبروں کا کیا کہنا۔ لیکن اس کے باوجود آپ کا جنت الماوی میں ہونا افضل و اعلیٰ حالت ہے۔

چنانچہ خود حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں اپنے پروردگار کے پاس تم سے بہتر حالت میں ہوں گا۔ کیونکہ مجھے میرا رب تین روز کے بعد قبر میں نہیں چھوڑے گا۔

شاہ صاحب علامہ کے عقیدہ پر لکھتے ہیں: قبر شریف کے قیام اور پروردگار کے پاس قیام ان دونوں باتوں میں کسی قسم کا تضاد نہیں ہے۔ کیونکہ قبر کی زندگی کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ خدا تعالیٰ نے حضور ﷺ کو اتنی قدرت عطا فرمائی ہے کہ آپ جہاں چاہیں جائیں۔ بعینہ یا بمثالہ۔ لیکن ہر حال میں آپ کو اپنی قبر شریف کے ساتھ ایک خصوصی نسبت قائم رہتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب ایک مومن کی قبر کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ مومن کی قبر جنت کے ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا ہے۔ پھر اس لحاظ سے نبی کی قبر تو جنت کا عمدہ ترین ٹکڑا ہونا چاہئے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ خدا تعالیٰ نے آپ کی قبر اور زمین و آسمان اور جنت و عرش کے درمیان سے تمام پردے اٹھا دیئے ہیں اور آپ کو اتنا تصرف اور نفوذ حاصل ہو گیا ہے کہ آپ بلا انتقال مکانی جہاں چاہیں تشریف لے جائیں۔ یہ بات اس عالم کے لئے ممکن ہے کیونکہ احوال دنیا محدود ہیں اور احوال برزخ غیر محدود ہیں۔

قبر شریف کے متعلق علامہ تاج الدین سبکی فرماتے ہیں: وہ کون سی جنت ہے جو حضور ﷺ کی قبر مبارک سے افضل ہوگی۔ آپ کی قبر مبارک جنت ہی سے نہیں بلکہ تمام مقاموں سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ اگر یوں کہا جائے کہ اس قطعہ مبارک کا جو حصہ حضور کے جسم اقدس سے ملحق ہے وہ عرش سے بھی افضل ہے تو اس میں بھی کسی مومن کو توقف نہیں ہو سکتا۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۵۷۸)

ان دونوں طبقوں کی تشریحات آپ کے سامنے پیش کر دی گئیں۔ اب اس مسئلہ پر دیوبندی مکتب خیال کی وہ تشریح ملاحظہ کیجئے جو متقدمین کے سارے اختلافات کو ختم کر کے تمام صورتوں میں بہتر تطبیق پیدا کرتی ہے۔ نہ نصوص میں کوئی اشکال باقی رہتا ہے اور نہ عقلاً کوئی الجھاؤ سامنے آتا ہے۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ اپنے ایک مکتوب میں زیارت قبر نبوی ﷺ کے

متعلق حافظ ابن تیمیہ کے مسلک کو مرجوح قرار دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: مدینہ منورہ کی حاضری محض سرور کائنات ﷺ کی زیارت اور آپ کے توسل کی غرض سے ہونی چاہئے۔ آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام مؤمنین اور شہداء کو حاصل ہے۔ بلکہ جسمانی بھی ہے اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت سے وجوہ سے اس سے قوی تر ہے۔ آپ سے توسل نہ صرف وجود ظاہری کے زمانہ میں کیا جاتا تھا بلکہ اس برزخی زمانہ میں بھی کیا جانا چاہئے۔ محبوب حقیقی تک وصال اور اس کی رضا صرف آپ ہی کے ذریعہ اور وسیلہ سے ہو سکتی ہے۔ (مکتوبات شیخ الاسلام ص ۱۳۱)

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند جو ہمارے اکابر میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کے علوم و معارف کے بہترین شارح ہیں۔ اس مسئلہ پر تحریر فرماتے ہیں: حضور ﷺ کی حیات برزخی ہے مگر اس قدر قوی ہے کہ بلحاظ آثار وہ دنیوی بھی ہے یعنی دنیا میں جب تک حضور ﷺ تشریف رکھتے تھے حیات ناسوتی تھی۔ مگر اسی آن وہ برزخی بھی تھی اور برزخ ایک درمیانی عالم ہے وہ حیات اخروی بھی تھی۔ چنانچہ اسی حیات ناسوتی اور اسی جسم اطہر کے ساتھ سماوات اور ارضین طے کرنا عرش تک جا پہنچنا، مسجد اقصیٰ میں انبیاء علیہم السلام کی امامت کرنا ظاہر ہے کہ ترک جسد کے ساتھ نہ تھا۔ پس حیات تو اسی جسدانی عالم کی تھی لیکن جسد اطہر خود اتنا لطیف تھا کہ وہ اسی آن عالم برزخ بلکہ عالم غیب کے معاملات اور مشاہدات کی طاقت لئے ہوئے تھا۔ پس اگر وہی جسد اطہر جو دنیا میں ہمرنگ روح تھا، بعد وفات اگر عالم برزخ میں پہنچ کر بحق دنیا اسی طرح زندہ رہے جیسے معراج کے وقت سارے غیبی عالموں میں پہنچ کر اپنی جسدانی ہستی کو بحق دنیا سنبھالے ہوئے رہا اور دنیوی حقوق اس کے بدستور قائم رہے تو اس میں تعجب یوں نہیں کہ یہ معاملہ تو اس جسد پاک کو بوقت معراج پہلے بھی پیش آچکا تھا۔ فرق اتنا ہوا کہ شب معراج میں جسم اطہر کے ساتھ روح پر فتوح کا تعلق حسی طور پر اس طرح قائم تھا کہ اگر ہم ہوتے تو ہم بھی احساس کر سکتے تھے اور بعد وفات اسی طرح حسی طور پر قائم نہیں رہا کہ ہمیں بھی نظر آئے۔

سو یہ قصہ ہمارا ہوا نہ کہ تعلق روح و جسد کی نوعیت کا۔ یہی وجہ ہے کہ بعد وفات حضور ﷺ کے ہونٹوں میں حرکت ہوئی۔ جنازہ میں کلام فرمایا کہ "ہنر ادیس و ماہنر ادیس سوف تعلمون" اور قبر میں کلام فرمایا جس کو بعض صحابہ نے سنا۔ یہ تو وفات کے بعد فوری بات تھی کہ روح نے جسم کو کلیۃً نہیں چھوڑا لیکن بعد میں تا حشر بھی روح کا وہی تعلق بدن سے قائم رہے گا۔ جیسا نص حدیث اجساد انبیاء کا مٹی پر حرام ہونا ثابت ہے۔ اگر ان ابدان میں کوئی روح نہیں ہے تو انہیں گل جانا چاہئے۔ پھر حیات کا یہ اثر عالم برزخ میں ہے عالم دنیا میں یہ ہے کہ ان کے اموال میں میراث جاری نہیں ہوئی۔ ان کی ازواج میں بیوگی نہیں آتی۔ ان کے نکاح حرام ہوتے ہیں، نہ صرف عظمت انبیاء کی وجہ سے بلکہ حقیقتاً حیات کی وجہ سے کہ وہ بیوہ ہی نہیں ہیں۔

پس انبیاء کی یہ برزخی حیات جسمانی از قبیل حیات دنیوی بھی ہے کہ اجسام میں حس و حرکت بھی ہے، قبروں میں عبادت بھی ہے کلام بھی ہے، امت کی طرف توجہ بھی ہے، تصرف بھی ہے، بقاء اجسام بھی ہے اور حیات

اجسام بھی ہے، پھر یہی حیات از قبیل حیات برزخی بھی ہے کہ نگاہوں سے اوجھل ہیں ان کی آواز ان کانوں میں نہیں آتی اور کلام ان حسّی کانوں میں نہیں پڑتا۔ نیز توجہ الی الامۃ اور رخ کا پھیرنا ان آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتا۔ سو اس میں ہماری کمزوری اور ضعف قویٰ کو دخل ہے نہ کہ ان آثار کے موجود نہ ہونے کے یا قابل وجود ہونے کا۔ بالفاظ مختصر دونوں حیاتیں اس طرح جمع ہیں کہ حیات برزخی اصل ہے اور حیات دنیوی اس کے تابع یعنی وہ عیناً موجود ہے۔ یہ آثاراً موجود ہے۔ اسی طرح دونوں حیاتیں جمع ہو جاتی ہیں۔ مگر نہ استعارۃً بلکہ حقیقتاً۔ پہلی حیات یعنی دنیوی زندگی میں عین نبوی اس جہان میں تھا اور تمثل اس جہان میں (اور عکس یا تمثال عین شئی ہوتا ہے) اور اس دوسری حیات میں عین نبوی اس جہان میں ہے اور تمثل اس جہان میں جیسے وہاں کا تمثل ہر کس و ناکس نہیں دیکھ سکتا۔ مگر سب جانتے ہیں کہ عکس شئی اور شئی میں عینیت کا علاقہ ہوتا ہے۔ اگر تباین کا ہو تو مثال یا صورت دیکھ کر کبھی بھی عین کا تعارف نہ ہوا کرے۔ اس لئے جس جہاں میں جب بھی وجود ہو، دوسرا وجود اس کا عین ہے۔ اس لئے حضور ﷺ اس برزخی جہان میں رہ کر متجلی اور منعکس ہوں تو بعینہٖ ہیں نہ کہ کسی استعارہ یا تشبیہ کے طور پر۔ واللہ اعلم!

ایک اشکال اور اس کا حل

مسئلہ حیات النبی ﷺ پر ایک مشہور اشکال ہے جو حسب ذیل حدیث پر پیدا ہو گیا ہے۔ ضروری ہے کہ بحث کی تکمیل کے لئے اس کی بھی وضاحت کر دی جائے۔ حدیث یہ ہے: "مامن احد یسلم علیَّ الا ردّ اللّٰہ علیَّ روحی حتی ارد علیہ السلام" جب مجھ پر کوئی سلام بھیجتا ہے تو خدا تعالیٰ میری روح کو میری طرف لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

اس حدیث نے یہ سوال پیدا کر دیا کہ حضور ﷺ کی روح آپ کے جسد پاک سے جدا رہتی ہے۔ اس وجہ سے سلام کا جواب دینے کے لئے آپ کے تن پاک میں اس کا لوٹانا ضروری ہوتا ہے۔ پھر اگر یہ بات ہے تو حیات جسمانی کے کیا معنی؟

اس اشکال کا جواب ایک تو حضرت شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے دیا ہے۔ فرماتے ہیں: سرور عالم ﷺ کی روح ہمیشہ مشاہدہ الٰہی میں مستغرق رہتی ہے۔ جب کوئی مسلمان آپ پر درود بھیجتا ہے تو آپ کی روح کو افاقہ دے کر اس عالم کی طرف توجہ دینے کی فرصت دے دی جاتی ہے تاکہ آپ اس کا جواب دے سکیں۔"

حضرت شاہ صاحب کے جواب پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضور ﷺ کو مشاہدہ میں استغراق کا موقع ہی نہیں ملتا۔ کیونکہ کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا جس میں آپ پر درود و سلام نہ بھیجا جاتا ہو تو پھر آپ کی توجہ اس عالم کی طرف ہر آن لگا رہنا ضروری ہوا۔

اس اشکال کی وضاحت حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نے اپنے ایک مکتوب میں اس طرح فرمائی ہے۔

''اگر لفظ الی روحی فرمایا گیا ہوتا تو آپ کا شبہ وارد ہوسکتا ہے الی اور علیٰ کے فرق سے آپ نے ذہول فرمایا۔ علیٰ استعلاء کے لئے آتا ہے اور الی نہایت طرف کے لئے۔ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ وسلام سے پہلے روح کا استعلاء نہ تھا۔ نہ یہ کہ وہ جسم اطہر سے بالکل خارج ہوگئی تھی اور اب اس کو جسم اطہر کی طرف لوٹا یا گیا ہے۔

چونکہ آنحضرت ﷺ مدارج قرب ومعرفت میں ہروقت ترقی پذیر ہیں۔ اس لئے توجہ الی اللہ کا انہماک اور استغراق دوسری جانب کی توجہ کو کمزور کردیتا ہے۔ چنانچہ اہل استغراق کی حالتیں روزانہ مشاہدہ ہوتی ہیں۔ مگر جب رسول اللہ ﷺ کو رحمۃ للعالمین بنایا گیا ہے۔ اس لئے بارگاہ الوہیت سے درود بھیجنے والے پر رحمتیں نازل فرمانے کے لئے متعدد مزایا میں ایک مزیت یہ بھی عطا فرمائی گئی ہے کہ خود سرورکائنات ﷺ کو اس استغراق سے منقطع کر کے درود بھیجنے والے کی طرف متوجہ کردیا جاتا ہے اور آپ اس کی طرف متوجہ ہو کر اس کے لئے دعا فرماتے ہیں۔ (مکتوبات شیخ الاسلام ص ۲۴۳)

جو اشکال حضرت شاہ صاحب پر وارد ہوتا ہے وہی اشکال اس جواب پر بھی وارد ہوسکتا ہے۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے زادالمعاد میں اس گتھی کو سلجھایا ہے۔ لکھتے ہیں ''اس کی گرہ یوں کھلتی ہے کہ وہاں آسمان پر جو موسیٰ علیہ السلام کو آپ نے دیکھا تو وہ ان کی روح کا مقام ومستقر تھا اور قبر ان کے جسم کا جہاں وہ قیامت تک روح کے لوٹانے تک رہے گا۔ اسی طرح آپ نے ان کو ان کی قبر میں نماز پڑھتے بھی دیکھا۔ جس طرح وفات کے بعد آنحضرت ﷺ اس سے بلند تر مقام یعنی رفیق اعلیٰ میں بھی قرار گیر ہیں اور جسم مبارک قبر شریف میں بھی موجود ہے۔ جب درود وسلام بھیجنے والا آپ پر سلام بھیجتا ہے تو خدا تعالیٰ آپ کی روح کو واپس کرتا ہے تا آنکہ آپ جواب دیتے ہیں حالانکہ مقام رفیق سے آپ علیحدہ نہیں ہوئے۔ جو موٹی طبیعت کا آدمی اس مطلب کو نہ سمجھ سکے اسے چاہئے کہ آفتاب کی مثال کو سمجھے کہ اس کی دوری اور بلندی کے باوجود اس کا تعلق زمین سے قائم ہے اور اس کے اندر وہ اثر ڈالتا ہے اور نباتات وحیوانات کی زندگی میں اس کو دخل ہے۔ پھر روح کا مرتبہ تو اس سے بدرجہا زیادہ ہے۔ کیونکہ روح کا معاملہ اور ہے اور جسم کا معاملہ اور ہے۔ دیکھو آگ اپنی جگہ رہتی ہے اور اس کی گرمی دور کے جسم پر اثر انداز ہوتی ہے۔ روح اور بدن کا باہمی تعلق تو اس سے بھی زیادہ قوی اور کامل ہے۔ اس لئے کہ روح آگ سے زیادہ اعلیٰ اور لطیف ہے۔

فقل للعیون الرمد ایاک ان تری سنا الشمس فاستغشی ظلام اللیالیا

گرد آلود آنکھوں سے کہہ دو کہ وہ آفتاب کی روشنی کو نہیں دیکھ سکتیں۔ کیونکہ انہیں راتوں کی تاریکی نے ڈھانپ لیا ہے۔ (زادالمعاد ج ا ص ۳۰۴)

اب وہ جواب ملاحظہ کیجئے جو حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ نے اپنی مشہور کتاب آب حیات میں دیا ہے۔ مولانا رحمہ اللہ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ امت کی طرف توجہ فرمانے سے حضور ﷺ کے استغراق میں قطعاً فرق نہیں پڑتا۔ فرماتے ہیں "روح پرفتوح نبوی ﷺ جب منبع اور اصل ارواح باقیہ خصوصاً ارواح مؤمنین امت ٹھہری تو جون سا امتی آپ پر سلام عرض کرے گا اس کی طرف کا شعبہ لوٹنے کا ارتداد جملہ شعب لازم نہیں اور ظاہر ہے کہ اس شعبہ کا ارتداد باعث اطلاع اسلام تو ہوگا۔ پر موجب زوال استغراق مطلق نہ ہوگا۔ آخر شعب غیر متناہی اور ہیں۔" (آب حیات ص ۲۴۳)

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب اس عبارت کی تشریح میرے ایک استفسار پر اپنے مکتوب گرامی میں اس طرح فرماتے ہیں "آب حیات وہ کتاب ہے کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے یہ کتاب استاد رحمہ اللہ سے درساً درساً پڑھی ہے تب مصنف کے مدارک پر مطلع ہوا ہوں، میں نے مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمہ اللہ سے اس واقعہ کا حوالہ دے کر عرض کیا تھا کہ مجھے یہ کتاب آپ پڑھا دیں تو انہوں نے بایں ذہن وذکا فرمایا کہ یہ میرے بس کی بات نہیں تو ایسی کتاب ہم جیسے نالائقوں کے بس کی بات کیا ہو سکتی ہے اور پھر اس کا بھی ایک ٹکڑا جس کا سیاق وسباق بھی سامنے نہ ہو تو خیال فرمائیں کہ ہم جیسوں سے کیا بن پڑے گا۔ تاہم "مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ"

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کا یہ ایک مستقل نظریہ ہے اور عین مطابق کتاب وسنت ہے کہ اولاً وحقیقتاً مخلوقات میں مومن آپ ہیں اور آپ کے پرتو سے دوسرے لوگ اس طرح مومن ہیں جیسے آفتاب بالاصل منور ہے اور درودیوار اس کے دھوپ پڑ جانے سے منور کہلانے لگے۔

پس حقیقتاً درودیوار منور نہیں ہوتے بلکہ دھوپ اور سورج منور ہوتے ہیں۔ ان کے لگ جانے سے یہ بھی منور کہلانے لگتے ہیں۔ پس اصل میں مومن حضور اکرم ﷺ ہیں آپ کے نامزد ہو کر جس کا حاصل انتساب کلی ہے امتی کو بھی مومن کہا جانے لگتا ہے۔ پس جس طرح دھوپوں کے ٹکڑوں کی اس کے سوا کوئی تعریف نہیں کہ وہ آفتاب کا ایک اثر ہے، اسی طرح مومن کی اس کے سوا کوئی تعریف نہیں کہ وہ پیرو نبوی ہے اور اس کی روح وہاں سے کوئی حصہ پائے ہوئے ہے۔ اس کا قدرتی اثر یہ ہے کہ دھوپ کو آفتاب کا نورانی سایہ کہا جائے گا۔ جدھر اس کا رخ ہوگا ادھر ہی دھوپ کی نقل وحرکت ہوگی۔ وہ ٹھہر جائے گا یہ بھی ٹھہر جائے گی، وہ لوٹ جائے گا یہ بھی لوٹ جائے گی۔

اسی طرح مومن بحیثیت مومن حضور ﷺ کا ایمانی سایہ ہے، جدھر کو آپ کے عقیدہ وعمل کا رخ ہوگا ادھر ہی کو اس کا بھی رخ ہوگا۔ پس مومن کی ایمانی نقل وحرکت تابع ہے حضور ﷺ کی ایمانی نقل وحرکت کے اسی کو ادھر سے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اگر دھوپ حرکت کر رہی ہے تو یہ دلیل ہوگی کہ آفتاب ضرور حرکت میں ہے۔ گویا پہلے وہ

حرکت میں آیا تب یہ حرکت میں آئی۔ گویا آفتاب متوجہ ہوا تو دھوپ میں نقل وحرکت پیدا ہوگئی۔ لیکن اس قطعہ دھوپ کی طرف آفتاب کی توجہ کرنے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اب وہ دوسری دھوپوں کی طرف متوجہ نہیں رہا۔ ہمہ تن اسی دھوپ کا ہوگیا۔ بلکہ اسے بھی حرکت میں لارہا ہے اور دوسرے قطعہ ہائے دھوپ بھی اپنی اپنی جگہ اپنے ظرف میں اس کی حرکت سے متحرک ہیں۔ پس بظاہر تو دھوپ آفتاب کی طرف متوجہ ہے اور حقیقت آفتاب دھوپ کی طرف متوجہ ہے۔ اسی طرح بظاہر تو امتی درود وسلام پڑھ کر حضور ﷺ کی طرف متوجہ ہے۔ مگر حقیقت پہلی توجہ حضور ﷺ کی ہے۔ جس سے اس کے قلب کا رخ حضور ﷺ کی طرف ہوگیا ہے اور جیسے آفتاب ایک قطعہ کی طرف توجہ کرکے ہمہ تن اس ایک قطعہ میں مستغرق نہیں ہوجاتا۔ ایسے ہی حضور ﷺ بھی کسی ایک دو دس امتیوں کی طرف یہ توجہ خاص فرما کر دوسرے امتیوں سے بے رخ نہیں ہوتے اور استغراق کلی فرد واحد کی طرف نہیں ہوتا۔ جس کو دوسرے افراد سے زوال مستغرق سے تعبیر کیا جائے۔ کیونکہ شعب بے انتہا ہیں۔ جن کی طرف توجہ ہے۔

اسی لئے یہ واضح ہوا کہ اگر استغراق ہوسکتا ہے تو پوری امت کی طرف ہوسکتا ہے نہ کہ ابعاض کی طرف۔ لہٰذا استغراق بھی ثابت۔ مگر لجمیع الامۃ اور عدم استغراق بھی مگر لابعاض الامۃ۔ پھر یہ بھی یہیں سے واضح ہوجاتا ہے کہ آفتاب اگر ساری دھوپوں کی طرف متوجہ ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ اپنے نفس اور مالک النور کی طرف متوجہ نہیں۔ اگر اس کا رخ خود اس کی ہی اصل کی طرف نہ ہو تو یہ نور ہی اس میں کہاں سے آئے؟ اس لئے وہ اپنے اصل منبع النور یعنی ذات خداوندی کی طرف بلاشبہ رخ کئے ہوئے ہے۔ اس منبع النور کی طرف سے اس کا رخ دھوپوں کی طرف کل کی طرف اور بعض کی طرف کردیا ہے کہ تکوینا وہ ادھر سے نور لیتا ہے اور نیچے کو دیتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح حضور پرنور ﷺ اگر تمام امت یا ابعاض امت کی طرف متوجہ ہیں تو اس کے یہ معنی نہیں کہ آپ اپنے نفس کریمہ اور اپنے اصل حقیقی یعنی رب العزت کی طرف متوجہ نہیں۔ نہیں بلکہ ادھر متوجہ ہوکر نور لیتے ہیں۔ حاصل شدہ نور کا ذخیرہ اپنے نفس کریمہ میں جمع فرماتے ہیں اور پھر اس مخزن نور سے توجہ امت کی طرف فرماتے ہیں تو امتی بھی بطور ردعمل حضور ﷺ کی طرف متوجہ ہوکر جس کی صورت صلوٰۃ وسلام ہے نور حاصل کرتے ہیں۔ اسی من جانب اللہ رخ کا اپنے نفس کریمہ کی طرف پھیرنا ذ اللہ روحی سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

اور پھر نفس کریمہ کو امتی کی طرف متوجہ کرنے کو حتی اسلم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پس رد روح کا مطلب نفخ روح نہیں۔ بلکہ اقبال وتوجہ ہے۔ اس لئے یہ حدیث درحقیقت شرح ہے اس نظریہ کی جو آب حیات کی عبارت میں مرقوم ہے اور اس عبارت قاسم العلوم کی شرح اپنے فکر ناقص سے وہ ہے جو عرض کی گئی ہے۔ واللہ اعلم!

حاصل یہ ہوا کہ سرور عالم ﷺ ہر آن مشاہد جمال الٰہی میں بھی مستغرق رہتے ہیں اور امت کی طرف بھی آپ کی توجہ ہر لحہ مبذول رہتی ہے۔ نہ یہ استغراق توجہ میں مانع ہوتا ہے نہ توجہ استغراق میں۔ یہی وجہ ہے کہ جب

امت کا ایک عارف کامل حالت کشف میں اپنے محبوب کے جمال جہاں آراء کے دیدار سے مشرف ہوا تو اس نے سرور عالم ﷺ کو اس حال میں پایا۔

"ورایته مستقراً علی حالة واحدة متوجها الی الخلق لابسا لباس العظمة فاذا توجه الیه انسان بجهد همته ولا اريد الانسان العالي الهمة فقط بل كل ذی كبد يشتاق الى شئى ويتوجه اليه بقصده وشوقه فانه يتدلى اليه ورايته ﷺ ينشرح انشراحاً عظيماً لمن صلى عليه وسلم ومدحه"

میں نے سرور عالم ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ آپ بندگان الٰہی کی طرف متوجہ تھے۔ پوری توجہ کے ساتھ عظمت و بڑائی کا لباس آپ کے زیب تن تھا۔ جب کوئی خدا کا بندہ ذوق شوق کے ساتھ آپ کی طرف متوجہ ہوا تو میں نے دیکھو کہ سرور عالم ﷺ اس سے قریب ہو گئے اور میں نے دیکھا کہ جس شخص نے حضور ﷺ پر درود و سلام بھیجا اور آپ ﷺ کی تعریف کی تو آپ اس سے بہت زیادہ خوش ہوئے۔

یہ کشف ہے ان کا جو عارفوں کے امام اور محدثوں کے سردار تھے۔ یعنی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جسے انہوں نے اپنی مشہور کتاب فیوض الحرمین میں ذکر کیا ہے۔"

(واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم)

(منقول از ماہنامہ دارالعلوم دیوبند بابت ربیع الاول ۷۳ ۱۳ ھ مطابق دسمبر ۱۹۵۳ء)

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَآءٌ وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (القرآن)

اَلْأَنْبِيَآءُ أَحْيَآءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (الحديث)

الاقوال المرضیہ

فی

اثبات سماع سید البریہ

مؤلف:

حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمہ اللہ

بانی جامعہ عربیہ فاروقیہ شجاع آباد

سلسلہ اشاعت ۲

از مدرسہ عربیہ فاروقیہ شجاع آباد

بمشورہ بانی اقامۃ التوحید والسنۃ شجاع آباد

الاقوال المرضیہ

فی

اثبات سماع سید البریہ

مؤلفہ

رشید احمد خادم مدرسہ عربیہ فاروقیہ شجاع آباد

شائع کردہ

برادران معاویہ و زبیر شجاع آباد

ملنے کا پتہ :۔ مدرسہ عربیہ جامعہ فاروقیہ شجاع آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفصیلی فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(حرفے چند)

حضرت مولانا رشید احمد شجاع آبادی رحمہ اللہ

پیدائش: ۱۹۳۳ء ...... وفات: ۱۴/اکتوبر ۱۹۹۹ء

آپ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے فارغ التحصیل اور شیخ الاسلام مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کے تلمیذ رشید تھے۔ ۱۹۵۸ء میں فراغت کے بعد مختلف مدارس میں پڑھاتے رہے۔ پھر شجاع آباد میں جامعہ فاروقیہ قائم کیا جو آج ملک کے بڑے مدارس میں شمار ہوتا ہے۔ آپ نے ۱۹۸۲ء میں ''الاقوال المرضیہ فی اثبات سماع سید البریہ'' نامی رسالہ تحریر فرمایا جسے اس مجموعہ میں ہم شریک اشاعت کر رہے ہیں۔ (ناشر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باسمہ سبحانہ

مکرم برادم مولوی رشید صاحب سلمہ

سلام مسنون، مکتوب ملا۔ مسئلہ سماع اور حیات النبی ﷺ میں میرا مسلک وہی ہے جو اکابرین علمائے دیو بند کا ہے۔ حضور انور ﷺ کا سماع عند القبر میں آج تک کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ میں بھی قائل ہوں۔ میرے نام سے یہ جعلی دستخط شائع کیا گیا۔ واللہ میں اس سے بری ہوں۔ والسلام

محمد عبدالشکور دین پوری صدر مجلس تحفظ حقوق اہل السنت رجب ۱۴۰۲ھ

مولانا اللہ بخش صاحب فاضل دیو بند

کتاب ہذا کے اکثر حوالہ جات مؤلف مکرم کے ذریعہ سنے۔ سماع انبیاء علیہم السلام اور سماع عامۃ المسلمین کے بارے میں جو اپنی سخت محنت اور کاوش سے تحقیق فرمائی۔ ہمارا عین ایمان ہے۔ امید ہے ان شاء اللہ تعالیٰ عوام الناس کے لیے اس عقیدہ میں ہدایت کا باعث ہوگا۔ اللہ بخش فاضل دیو بند خطیب جامع مسجد قاسمیہ جلہ آرائیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سماع لازم دائم یعنی ہر وقت ہر جگہ سے ہر بات ہر کسی کی سننا یہ خصائص الوہیت سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ صفت ہے مخلوق میں سے کسی کے لیے یہ صفت ثابت کی جائے تو یہ شرک ہے۔ وہ مخلوق جاندار ہو یا بے جان انسان ہو یا جن فرشتہ زندہ ہو یا مردہ، مسلم ہو یا کافر، کسی کے متعلق بھی مذکورہ بالا سماع کا عقیدہ رکھا جائے۔ اس کو شریک ٹھہرالیا گیا۔ ایسا عقیدہ رکھنے والا مشرک ہے۔ ''لاریب فیہ''

برس ہا برس سے اللہ تعالیٰ نے کتاب وسنت میں غور فکر کی توفیق دی ہے۔ چونتیس سالہ تعلیم و تعلم کی مدت میں مجھے کسی آیت میں یا روایت میں اللہ تعالیٰ کی صفات میں سماع عند القبر یا سماع فی الجملہ کی صفت خاصہ نہیں ملی۔ اس لیے یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اس کا اثبات غیر اللہ کے لیے شرک کیسے ہوگیا۔

حیرت کی بات ہے کہ ایک طرف تو کہا جارہا ہے کہ مشرکین کے معبود دبے جان پتھر نہیں تھے۔ بلکہ انبیاء تھے، اولیاء تھے، ملائکہ اور جنات تھے۔ (مشرکین مکہ کی حد تک ان کے معبودوں کی فہرست میں انبیاء کو شمار کرنا غور طلب ہے۔ آیات قرآن سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ نبوت اور بشریت میں منافات کے قائل تھے۔ کسی بشر کو نبی ماننا ان کے فہم سے بعید تھا) دوسری طرف یہ بھی کہا جارہا ہے کہ قریب سے سننے کا عقیدہ بھی شرک ہے۔ کیا واقعی فرشتے اور جنات مردہ تھے۔ جن کو وہ پکارتے تھے اور قریب ہونے کے باوجود بھی وہ نہیں سن سکتے تھے۔ اصلی بات یہی ہے دور سے پکارتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ جس کو پکارتے تھے۔ اس کی بے جان تصویر سامنے رکھ لیتے تھے۔ یہ مشرکانہ عقیدہ اور عمل ہے۔

باقی رہا مدفون فی القبر کو قبر کے قریب جا کر سلام کرنا یا اس سے کوئی بات کرنا یہ سماع اسلاف میں مختلف فیہ ہے۔ اس کا اختلافی ہونا دلالت کرتا ہے کہ یہ مسئلہ ضروریات دین اور قطعیات میں سے نہیں ہے۔ لہٰذا اس کو کفر وایمان کا معیار نہیں قرار دیا جاسکتا۔ دونوں طرف دلائل ہیں۔ دونوں طرف علماء کے اقوال ہیں۔

میدان بدر میں سرور کائنات ﷺ نے اموات کو خطاب کر کے کچھ باتیں کیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ ''ماتکلم اجساد الاارواح فیہا'' اور آج کے منکر بھی یہی تو کہتے ہیں اس سے زائد کوئی بات نہیں۔ یعنی جن بدنوں میں روح نہیں ان سے باتیں کرنے کا کیا فائدہ۔ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم ان سے زیادہ نہیں سنتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سعادت مند تھے۔ حضور ﷺ قسم نہ بھی کھاتے تو وہ یقیناً آپ کے فرمان کو قبول فرماتے۔ حضور ﷺ کی قسم کے بعد بھی انکار کرتے چلے جاتا کیسے ممکن تھا۔

رئیس الموحدین مولانا حسین علی صاحب خواجہ محمد عثمان صاحب قدس سرہ کے مرید ہیں اور خواجہ صاحب صاحبزادہ اور جانشین خواجہ سراج الدین صاحب قدس سرہ سے آپ کو خلافت ہے۔ خواجہ محمد عثمان کے حالات کشف وکرامات خواجہ سراج الدین صاحب نے جمع کروائے جو فوائد عثمانیہ کے نام سے فارسی میں شائع ہوئے۔ تصدیق وتصحیح مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ نے کی اور آخری ورق پر اپنے دستخط ثبت کئے۔ جابجا حاشیہ بھی چڑھایا۔ ناظرین کی ضیافت طبع کے لیے ایک واقعہ پیش خدمت ہے۔

''ایک دفعہ میاں غوث علی اور مولوی محمد عیسیٰ صاحبزادوں کے لیے پھل لے کر موسیٰ زئی حاضر ہوئے۔ حضرت خواجہ محمد عثمان صاحب رحمہ اللہ نے اپنے صاحبزادہ محمد بہاؤالدین اور محمد سیف الدین سے کہا کہ یہ حضرات آپ کے لیے میوہ لائے ہیں۔ پس شمارا نیز باید کہ بر مزار پر انوار حضرت پیر مرشد دعا بارش باراں بکنید پس ہر دو صاحبزادگان حسب الارشاد بر مزار شریف رفتہ دعا خواستند پس آمدہ پیش حضرت قبلہ نشستند۔ حضرت قبلہ بصاحبزادگان مخاطب شدہ فرمودند ز مزار شریف چہ آگاہی شد یعنی حضرت چہ می فرمائید۔ صاحبزادوں نے وہی جواب دیا جو آج کل کے منکر سماع کہتے ہیں۔ بابا حضرت مردہ اند ہیچ جواب نہ دہندہ۔ حضرت نے جوش میں آکر فرمایا کہ واپس جاؤ سنو حضرت کیا جواب دیتے ہیں۔

پس آپ کو بھی چاہیے۔ کہ حضرت پیر ومرشد، خواجہ دوست محمد صاحب قندھاری کے مزار پر انوار پر ان کے لیے بارش کی دعا کریں۔ حسب الارشاد دونوں صاحبزادے مزار پر گئے اور دعا چاہی پھر آکر حضرت خواجہ محمد عثمان صاحب کے سامنے بیٹھ گئے۔ حضرت خواجہ صاحب نے صاحبزادوں سے پوچھا کہ قبر شریف سے کیا اطلاع ملی۔ صاحبزادوں نے کہا بابا حضرت مرے ہوئے ہیں کوئی جواب نہیں دیتے۔ صاحبزادوں نے کچھ دیر کے بعد آکر عرض کیا۔ کہ حضرت فرماتے ہیں کہ بارش بہت ہو جائے گی۔ (فوائد عثمانیہ ص ۱۲۷ طبع دوم)

سید عنایت اللہ شاہ صاحب گجراتی اور مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمہ اللہ دونوں علم حدیث میں علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری کے شاگرد ہیں شاہ صاحب کشمیری فرماتے ہیں۔ (رئیس المدرسین دار العلوم دیوبند)

"وفی رسالة غیر مطبوعة لعلی القاری ان احدا من المتالم یذهب الی انکارها وانما استنبطوها من مسالة فی باب الایمان۔" ائمہ احناف ملا علی قاری کے غیر مطبوعہ رسالہ میں ہے کہ ہمارے ائمہ میں سے کوئی بھی سماع کے انکار کی طرف نہیں گیا۔

اقول: "والاحادیث فی سمع الاموات قد بلغت مبلغ التواتر وفی حدیث صححه ابو عمرو ان احدا اذا سلم علی المیت فانه یرد علیه ویعرفه ان کان یعرفه فی الدنیا (بالمعنی) واخرجه ابن کثیر ایضا وتردد فیه فالانکار فی غیر محله سیما اذا لم ینقل" (فیض الباری ج ۲ ص ۴۶۷)

میں کہتا ہوں کہ اموات کے سماع میں احادیث تواتر کو پہنچ گئی ہیں ایک حدیث جس کو ابو عمرو نے صحیح قرار دیا کا مضمون یہ ہے کہ کوئی شخص میت کو سلام کرتا ہے تو مردہ اس کو سنتا ہے اور جواب دیتا ہے اگر دنیا میں پہچانتا ہو تو اس کو پہچانتا بھی ہے۔ ابن کثیر نے بھی یہ روایت نقل کی اور اس میں تردد ظاہر کیا ہے۔

ان اخلاف کی نسبت اسلاف کی طرف واضح کرنے کے لیے یہی دو حوالہ کافی ہیں۔

برادرم مکرم مولانا رشید احمد صاحب نے اپنے اکابر کا مسلک واضح کرنے کے لیے قابل قدر نقول جمع کیے ہیں۔ جو طالب ہدایت کے لیے کافی ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزا خیر دے اور علماء دیو بند کی طرف نسبت رکھنے والوں کے اپنے اسلاف کے مسلک کو سمجھنے کی توفیق دے۔

میرا عقیدہ یہ ہے کہ سماع لازم دائم شرک ہے۔ سماع انبیاء علیہم السلام عند القبور کا قائل ہوں اور عام اموات کے سماع عند القبور کو مختلف فیہ سمجھتا ہوں۔ قائل مشرک نہیں منکر کافر نہیں۔ "اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه"

جاوید حسین عفا اللہ عنہ — عبد المجید — حبیب احمد غفرلہ

خادم دار الافتاء باب العلوم کہروڑ پکا — ۲۷ رجب ۱۴۰۲ھ — مدرس جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑ پکا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرات انبیاء علیہم السلام کا پاک قبروں میں حیات کا مسئلہ جمہور علماء کا اجماعی مسئلہ ہے۔ کہ حضور ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی پاک قبروں میں زندہ ہیں۔ وہ عبادت میں مشغول ہیں اور قبور مبارکہ پر حاضر ہونے والوں کے صلوۃ وسلام بھی سنتے ہیں۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری رحمہ اللہ نے المہند علی المفند میں حضرات علماء حرمین شریفین، مصر وشام دیو بند وغیرہ کے اجماعی عقیدہ حیات انبیاء فی القبور کو واضح الفاظ میں تحریر فرمایا ہے۔

اب جو شخص حیات انبیاء علیہم السلام فی القبور کو نہیں تسلیم کرتا۔ علماء اہل سنت دیو بند سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

والسلام

دعا گو: محمد عبد الستار تونسوی عفی عنہ

۲۸ رر جب المرجب ۱۴۰۲ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرات علماء اہلسنت والجماعت دیوبندی حنفی کے یہاں حیات الانبیاء علیہم السلام اور سماع سید الانام ﷺ جیسے مسائل بالکل طے شدہ ہیں اور المہند علی المفند نامی رسالہ جو حضرت فخر المحدثین مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی قدس سرہ کے قلم سے ہے اور تمام اکابر دامیان برصغیر نیز مصر و شام اور علماء حریت نے اس پر تصدیقی دستخط کئے۔ اس کی موجودگی پر اس طائفہ منصورہ سے اپنی نسبت کا اظہار کرنے والے کسی بھی دوست کے لیے زیبا نہیں۔ افسوس کہ بعض حضرات خواہی نخواہی ان مسائل کو چھیڑ کر جگ ہنسائی کا سامان فراہم کرنے اور جماعتی صفوں میں انتشار کا باعث بنتے ہیں۔ جب ایسی صورت حال پیدا ہو جائے تو اہل حق کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ حقائق سے دنیا کو مطلع کریں۔ اس قسم کی سنجیدہ کوششوں میں برادر دینی مولانا رشید احمد صاحب مہتمم مدرسہ فاروقیہ شجاع آباد کا یہ رسالہ ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ رسالہ خیر و بہتر کا ذریعہ ہوگا اور اصلاح بین الناس کا سبب۔ والسلام

احقر عبید اللہ انور

باسمہ سبحانہ

”منجانب ابی الزاہد الی محترم المقام حضرت العلام مولانا رشید احمد صاحب دام مجدھم وعلیکم وعلی من لدیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“

مزاج سامی! آپ کا گرامی نامہ مع قرار داد اشاعۃ التوحید والسنہ در اجلاس ملتان منعقد ۲ ربیع الاول ۱۴۰۲ھ کی دستخط شدہ فوٹو سٹیٹ کاپی موصول ہوا۔ پڑھ کر انتہائی حیرت اور سخت افسوس ہوا۔ کیونکہ اس پر راقم اثیم کا دستخط بھی درج ہے۔ بایں عنوان احقر ابوالزاہد محمد سرفراز گکھڑ ضلع گوجرانوالہ۔ جو اس روشن زمانہ میں دجل تلبیس اور جعل سازی کی بدترین مثال ہے۔ نہ تو راقم آثیم وہاں موجود تھا اور نہ کسی ایسی تحریر پر راقم اثیم نے دستخط کئے ہیں۔ جس جماعت کے بعض افراد ہند و پاک کے اکابر کے مصنوعی فتوے ان کے دستخط سے شائع کر سکتے ہیں۔ ان سے راقم اثیم جیسے طالب علموں سے یہ کھیل مستبعد نہیں ہے۔ بہر حال راقم اثیم بلا خوف وتردید لومۃ لائم اس کی پرزور تردید کرتا ہے۔ راقم اثیم کا نظریہ بالکل عیاں ہے۔ جو تسکین الصدور اور سماع الموتی میں بادلائل مذکور ہے۔ کہ عام مردوں کے عند القبور سماع کا مسئلہ حضرات صحابہ کرام ﷡ سے لے کر تا ہنوز اختلافی چلا آرہا ہے۔ لیکن جمہور امت اور علماء دیوبند کی اکثریت سماع کی قائل ہے۔ گو بعض حضرات منکر بھی ہیں۔ مگر آنحضرت ﷺ کے عند القبور سماع کا ۱۳۷۴ھ تک کوئی منکر نہیں رہا اور حضرت گنگوہی ﷫ کا فتویٰ رشیدیہ میں یہ ارشاد کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں (محصلہ) اپنی جگہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے۔ بہر حال راقم اثیم حیران ہے کہ اس قرار داد پر راقم اثیم کا دستخط کس دجل سے ثبت کیا گیا ہے؟ آپ کو اجازت ہے کہ یہ تحریر بلا نقص وزیادت اگر آپ کسی اخبار و رسالہ یا اشتہار میں طبع کرانا چاہتے ہیں تو طبع کرا سکتے ہیں۔ نیک دعاؤں میں نہ بھولیں۔ بفضلہ تعالیٰ

راقم اثیم بھی دعا جو ہونے کے ساتھ دعا گو بھی ہے اور حاضرین محلہ سے سلام مسنون ارشاد فرمائیں اور عزیزوں کو دعوت۔ والسلام! احقر الناس ابوالزاہد محمد سرفراز، خطیب جامع مسجد گکھڑ

صدر مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

۶ر جمادی الاوّل ۱۴۰۶ھ / ۳ر مارچ ۱۹۸۲ء

استاذ العلماء مولانا سلیم اللہ خان (ناظم اعلیٰ وفاق المدارس پاکستان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سماع موتی کے مسئلہ میں احقر کا عقیدہ وہی ہے جو عقائد علماء دیوبند میں درج ہے۔ اس قسم کے مسائل کو موضوع بحث بنا کر جس شد و مد کے ساتھ عوام میں پیش کیا جاتا ہے اور اکابر علماء کے مسلک حق سے انحراف کی دعوت دی جاتی ہے۔ یہ دین کی کوئی خدمت تو کیا ہوتی۔ الٹی نفاق و شقاق کی بدترین شکل ہے۔

سماع موتی کا مسئلہ تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مختلف فیہ رہا ہے۔ بعد میں بھی اہل علم میں اس مسئلہ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اگر بات اسی حد تک ہوتی اور اس کو تفریق و تفتیش کا ذریعہ نہ بنایا جاتا تو چنداں شکایت نہ ہوتی۔ اگرچہ اہل حق کی اکثریت سماع ہی کی قائل ہے۔ لیکن افسوس کی انتہا نہیں رہتی جب حضور اکرم ﷺ کی ذات سے عدم سماع کو منسوب کیا جاتا ہے اور انتہائی نازیبا انداز میں پھر اس کی تشریح و تفصیل کی جاتی ہے۔ حالانکہ حضور اکرم ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے سماع کے بارے میں کوئی اختلاف ہی سلف میں موجود نہیں ہے۔ بالاتفاق حضرات انبیاء علیہم السلام کے سماع کو قبول کیا گیا ہے۔ تو پھر اس کی بنیاد پر ہنگامہ آرائی کرنا یہ کس طرح درست قرار دیا جا سکتا ہے اور کس طرح ایسے لوگ دین کی خدمت کے لیے مخلص قرار پا سکتے ہیں۔

جوابی کارروائی میں بھی بعض غیر ذمہ دار حضرات جس لب و لہجہ کے عادی ہو چکے ہیں اس سے فائدہ کی بجائے نقصان رونما ہو رہا ہے۔ حق کی تبلیغ و اشاعت بے شک علماء حقانی کا فریضہ ہے۔ لیکن التی ھی احسن کا نظر انداز کرنا مفید نہیں ہو سکتا۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب شجاع آبادی کی یہ کوشش و محنت مبارک ہے جس میں سلیقہ و قرینہ کا پہلو ملحوظ رکھ کر حق کی اشاعت کا فریضہ ادا کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مقبول اور نافع فرمائے آمین!

سلیم اللہ خان، جامعہ فاروقیہ کراچی ۶/ ۷/ ۱۴۰۲ھ

حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے۔ وہی مسلک اکابر ہے اور وہی مسلک اعتدال ہے اس کی مکمل تائید کرتا ہوں۔ محمد عبدالمجید

خادم الحدیث جامعہ قاسمیہ چوک منڈا ضلع مظفر گڑھ، ۶ر رجب ۱۴۰۲ھ

یادگار اسلاف حضرت درخواستی رحمہ اللہ

ہمارے مشائخ کا عقیدہ آنحضرت ﷺ اپنی مزار مبارک میں زندہ ہیں آپ کی مزار اقدس پر پہنچ کر جو ادب سے صلوٰۃ وسلام عرض کرتا ہے۔ آپ ﷺ خود سنتے ہیں اور دور والوں کا صلوٰۃ وسلام فرشتوں کے ذریعے بھیجا جاتا ہے۔ دیر نہیں ہوتی۔ مولوی رشید احمد نے اکابرین کے اقوال جمع کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی سعی کو قبول فرمائے۔ آمین!

فقیر تصدیق کرتا ہے۔ حضرات اکابر سب کا حتی کہ شیخ گنگوہی رحمہ اللہ اور ان کے شاگرد رشید شیخ الطریقت مولانا حسین علی صاحب کا فرمان ہے۔ ''لا اختلاف فی سماع النبی سیدنا محمد ﷺ وحیاتہ ھو حی فی قبرہ الذی یصلی عند قبرہ المبارک یسمع ویجیب والذی یصلی نائیا تبلغ الملائکۃ فی الفور۔'' محمد عبد اللہ درخواستی

مسلک بزرگوں کا بالکل درست ہے۔ ہمارے مشائخ نقشبندیہ کا بھی عقیدہ رہا ہے اور اسی پر قائم رہنے کی ہدایت فرماتے رہے ہیں۔ مسکین بھی تائید کرتا ہے۔ مسکین کلیم عفی عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال، قال رسول اللہ ﷺ ما من احد یسلّم علیّ الا ردّ اللہ علیّ روحی حتی اردّ السلام'' سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب کوئی مجھ پر سلام کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ضرور میری روح کو اس طرف متوجہ کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس کو جواب دیتا ہوں۔ (ابوداؤد ج۱)

تشریح: جو لوگ خود حاضر ہو کر آپ ﷺ پر درود وسلام پیش کرتے ہیں۔ وہ تو آپ ﷺ بنفس نفیس خود سنتے ہیں اور جو دور سے درود وسلام پڑھتے ہیں۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرشتے معین فرما دیئے ہیں۔ وہ اس کو آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیتے ہیں۔ یہی طریقہ دنیا میں ہے۔ اپنی موجودگی میں سلام کی سنت آپ ﷺ خود ادا کرتے ہیں اور غائب ہو کر کسی دوسرے شخص کی معرفت اپنا سلام بھیجتے ہیں۔ چونکہ وفات کے بعد یہ طریقہ قائم نہیں رہ سکتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ سے اس خدمت کے لیے ملائکۃ اللہ مقرر فرما دیئے ہیں۔ جو اس خدمت کو انجام دیتے ہیں۔ اگر انبیاء علیہم السلام میں آثار حیات نہیں۔ تو پھر یہ کس لیے ہوتا ہے۔ اگر یہاں حضور وغیبت کا فرق نہیں تو پھر فرشتوں کا تقرر کس لیے ہے۔ اس لیے نہ یہ صحیح ہے۔ کہ ان کی حیات کو عام لوگوں کی حیات کے برابر سمجھا جائے۔ نہ اس کو بڑھاتے بڑھاتے اتنے مبالغے کی ضرورت ہے۔ کہ عیاذ باللہ حاضر وناظر کی صفت ان کے لیے ثابت کر دی جائے۔ دین میں افراط وتفریط کی گنجائش کہیں نہیں ہے۔ اعتدال کا راستہ یہی صراط مستقیم ہے۔ فافہموا! (ترجمان السنہ ج۳ ص۳۰۲)

حدیث کا فہم مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ

اس حدیث کا خاص پیغام یہ ہے کہ جو امتی بھی اخلاص قلب سے آپ ﷺ پر سلام بھیجتا ہے۔ آپ ﷺ عادی اور سرسری طور پر صرف زبان سے نہیں بلکہ روح اور قلب سے متوجہ ہو کر اس کے سلام کا جواب عنایت فرماتے ہیں۔ (معارف الحدیث ج۵ ص۳۷۹)

مقام حدیث محدثین کی نظر میں

مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔''رواہ ابو داؤد بسند صحیح واعتمد علیہ جماعۃ قال السبکی وھو اعتماد صحیح ''امام ابو داؤد نے صحیح سند سے روایت کی ہے۔علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت پر اعتماد کیا ہے اور یہ اعتماد صحیح ہے۔ (اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۳۳۴)

نوٹ: مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب یہ حدیث صحیح ہے۔تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام کا سماع اور جواب سلام بھی ثابت ہے۔حافظ ابن الحجر اور مولانا شبیر احمد عثمانی، سید انور شاہ (رحمہم اللہ) ہر تینوں محدثین نے فرمایا ہے۔''رواتہ ثقات''اس حدیث کے سب راوی قابل اعتماد ہیں۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۹۷، فتح الملہم ج ۱ ص ۲۲۲، عقیدۃ الاسلام ص ۵۲)

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ حدیث قابل اعتماد ہے۔

''والامام احمد اعلم الناس فی زمانہ لما سئل عن ذالک لم یکن عندہ ما یعتمد علیہ فی ذالک من الاحادیث الاحدیث ما من رجل ''امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کا بڑا عالم تھا جب ان سے سوال کیا گیا۔کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سلام سنتے ہیں؟ تو انہوں نے اسی حدیث پر اعتماد کرتے ہوئے جواب میں یہی حدیث پیش کردی، کہ سنتے ہیں۔ (فتویٰ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ج ۲۷ ص ۲۲۶)

روضہ اقدس پر جو سلام عرض کرے میں صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتا ہوں

''عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی نائیا بلغتہ، رواہ ابن حبان والبیھقی ''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص میری قبر کے پاس آکر مجھ پر درود بھیجتا ہے۔اسے تو میں خود سنتا ہوں اور جو مجھ پر دور سے درود بھیجتا ہے اسے فرشتے میرے پاس پہنچا دیتے ہیں۔ (جلاء الافہام ص ۱۹، القول البدیع ص ۱۵۴)

مسلک وتشریح، از مولانا بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

یعنی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی وفات عام انسانوں کی طرح نہیں ہوتی۔وہ جس طرح اپنی بعض حیات کے احکام میں ممتاز ہوتے ہیں۔اسی طرح بعض وفات کے احکام میں بھی ممتاز ہوتے ہیں۔ان کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔ان کی ازواج مطہرات سے نکاح حرام ہوتا ہے۔البتہ قریب وبعید باتوں کے سننے اور جاننے کا جو آئین ان کی زندگی میں تھا۔وہی آئین ان کی وفات کے بعد بھی قائم رہتا ہے۔یعنی جس طرح اپنی حیات میں وہ قریب کی بات خود سنا کرتے تھے۔اسی طرح وفات کے بعد قریب کی درود شریف بنفس نفیس خود ہی سنتے ہیں اور جس طرح پہلے دور کی باتوں کا علم ان کو کسی قاصد یا خطوط کی معرفت ہوا کرتا تھا اسی طرح درود شریف کے حق میں بھی وہی نظم ونسق قائم رہتا ہے۔بقیہ معاملات کا نظم کس طرح ہے؟ اس کا ذکر اس حدیث شریف میں نہیں ہے۔پس جس نے یہ دعویٰ کیا کہ حیات یا وفات میں ہمہ وقت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر ہر جزئی وکلی کا علم ہوتا ہے۔یہ بھی بے دلیل دعویٰ ہے اور جس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق عام انسانوں جیسا عقیدہ رکھا۔وہ بھی مقام رسالت سے قطعا نا آشنا و نابلد ہے۔(ترجمان السنۃ ج ۲ ص ۴۳۶)

مسلک وتشریح حدیث از مولانا محمد منظور صاحب نعمانی

فرشتوں کے ذریعے آپ ﷺ کو صرف وہی درود وسلام پہنچتا ہے۔ جو کوئی دور سے بھیجے۔ لیکن اللہ تعالیٰ جن کو قبر مبارک کے پاس پہنچا دے اور وہ وہاں حاضر ہو کر صلوۃ وسلام عرض کریں۔ تو آپ ﷺ اس کو بنفس نفیس سنتے ہیں۔ جیسا کہ ابھی معلوم ہو چکا ہے ہر ایک کا جواب بھی عنایت فرماتے ہیں۔

کتنے خوش نصیب ہیں۔ وہ بندے جو روزانہ سینکڑوں یا ہزاروں بار صلوۃ وسلام عرض کرتے ہیں اور آپ ﷺ کا جواب پاتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ اگر ساری عمر کے صلوۃ وسلام کا ایک ہی دفعہ جواب مل جائے تو جن کو محبت کا کوئی ذرہ نصیب ہے۔ ان کے لیے وہی دو جہاں کی دولت سے زیادہ ہے۔

بہر سلام مکن رنجہ در جواب آں لب　　　　کہ صد سلام مرا بس یکے جواب از تو

(معارف الحدیث ج ۵ ص ۳۸۰)

مقام حدیث، ماہرین فن حدیث کی نظر میں

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ عسقلانی فرماتے ہیں۔ رواہ ابو شیخ بسند جید۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۳۷۹)

ملا علی قاری رحمہ اللہ مرقات شرح مشکوۃ ج ۲ ص ۳۲۷، علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فتح الملہم ج ۱ ص ۲۲۲، ہر دونوں بزرگ لکھتے ہیں۔ بسند جید۔

امام العصر الشیخ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ ابن حبان وغیرہ کی تخریج صحت حدیث کے لیے دلیل کافی ہے۔ (فیض الباری ج ۲ ص ۵۸)

اس حدیث کی سند جو سدی صغیر پر مشتمل ہے اس کو بوجہ راوی مذکور کے کمزور کہا جائے گا اور جس سند میں یہ راوی نہیں وہ کمزور نہیں ہے۔ (ماہنامہ دار العلوم تعلیم القرآن راولپنڈی ص ۴۸، اکتوبر ۱۹۶۷ء بحوالہ تسکین الصدور ص ۳۲۵)

مسلک بانی دار العلوم قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ

جب کوئی رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجتا ہے۔ تو خداوند کریم ﷺ آپ ﷺ کی روح پر فتوح کو اس حالت استغراق فی ذات اللہ وتجلیات اللہ سے جو بوجہ محبوبیت ومحبیت تامہ آپ ﷺ کو حاصل رہتی ہے۔ اپنے ہوش عطا فرما دیتا ہے۔ یعنی مبدأ انکشاف نبوی کو جو انبساط الی اللہ حاصل تھا۔ مبدل بانقباض ہو جاتا ہے اور اس وجہ سے ارتداد علی النفس حاصل ہوتا ہے اور اپنی ذات وصفات اور کیفیات اور واقعات متعلقہ ذات وصفات سے اطلاع حاصل ہو جاتی ہے سو چونکہ سلام اتیاں بھی من جملہ وقائع متعلقہ ذات خود ہیں۔ اس لیے اس سے مطلع ہو کر بوجہ حسن اخلاق ذاتی جواب سے مشرف فرماتے ہیں۔ (آب حیات ص ۱۷۵)

مسلک قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ

مگر انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۱۲)

مسلک اسیر مالٹا حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمہ اللہ

''ان الصحابة سالوا بيان كيفية العرض بعد اعتقادهم بانه كائن لا محالة لقول الصادق رفعا للاشتباه ان العرض هل على روح المجرد على المتصل بالجسد'' (حاشیہ ابوداؤد)

ترجمہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس یقین کے بعد کہ لامحالا آپ ﷺ پر درود پیش کیا جائے گا۔ کیونکہ صادق ﷺ کا فرمان ہے محض شک دور کرنے کے لیے عرض صلوۃ کی کیفیت دریافت کی، کہ آیا صرف روح مبارک پر پیش کیا جائے گا۔ یا روح جو جسم سے متصل ہو، یعنی اگر عرض صلوۃ میں آپ ﷺ کے جسم مبارک کا دخل نہ ہوتا۔ تو آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ جواب نہ دیتے۔ ''ان اللہ حرم علی الارض'' الحدیث (حاشیہ ابوداؤد)

مسلک امام العصر خاتم المحدثین الشیخ سید محمد انور شاہ رحمہ اللہ

''رواه ابو داؤد في رد روحه حين يسلم عليه ليس معناه انه يرد روحه انى انه يحيى فى قبره بل توجه من ذالك الى هذا الجانب فهو حى فى كلتا الحالتين۔'' ترجمہ: ابوداؤد کی روایت میں سلام مسلم کے وقت رد روح کا ذکر آیا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ آپ کی توسلام مسلم کی جانب توجہ مبذول کرائی جاتی ہے۔ تا کہ جواب دیں حالانکہ سلام مسلم اور اس سے پہلے ہر دونوں حالتوں میں زندہ ہیں۔ (فیض الباری ج ۲ ص ۶۵)

مسلک شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ

اگر مزار اقدس کے پاس صلوۃ وسلام عرض کیا جاتا ہے۔ تو روحانی سماع ہوتا ہے۔

مکتوبات کے مرتب مولانا اصلاحی فرماتے ہیں۔ اس گرامی نامہ میں امام العصر نے جو تحقیق فرمائی ہے۔ ایسی تحقیق ہے۔ جو عرفا اور کاملین کا ہی حصہ ہے اور اہل نظر کے لیے اس میں وہ کچھ ہے۔ جواب دوسری جگہ سننے میں نہ آئے گا۔ تحقیق ذیل میں مذکور ہے۔

آنحضرت ﷺ کا زائر کے سلام کو جواب دینا۔ یقینی اور متفق علیہ ہے اور غیر زائر کو جواب دینا، علماء کے نزدیک مختلف فیہ ہے۔ مگر بعض روایات کی بنا پر علماء نے جمع کی یہ صورۃ بیان فرمائی ہے کہ سلام غائب کی صرف بذریعہ ملائکہ تبلیغ ہوتی ہے اور سلام حاضر کی تبلیغ بھی ہوتی ہے۔ اور سماع بھی ہوتی ہے۔ لہٰذا قرب سے صلوۃ وسلام کو ترجیح اور فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ زائر کی آواز کا آنحضرت ﷺ کے گوش مبارک تک پہنچنا بڑی شرف اور مجد کی بات ہے۔ (مکتوبات ج ۱ ص ۲۴۳)

مسلک حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

خود حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔ مروی ہے کہ جو شخص میری قبر کے پاس درود پڑھتا ہے۔ اس کو میں خود سن لیتا ہوں اور جو شخص دور سے درود بھیجتا ہے وہ مجھ کو پہنچائی جاتی ہے۔ بذریعہ فرشتوں کے۔ پھر آگے لکھتے ہیں۔ کہ سلام کا سننا نزدیک سے خود اور دور سے بذریعہ ملائکہ اور سلام کا جواب دینا تو دائما ثابت ہے۔ (نشر الطیب ص ۱۸۴)

مسلک محدث اعظم مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ

''فاذا بلغه سلام احد من الامة رد الله روحه المطهرة من تلك الحالة الى رد من سلم عليه''

ترجمہ: جب آپ ﷺ کو کسی امتی کا سلام پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی روح مبارک کو اس طرف سے سلام کہنے والے کے سلام کے جواب دینے والے کے لیے متوجہ فرمادیتا ہے۔ (بذل المجہود ج ۳ ص ۲۰۷)

حضرت محدث اعظم دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔ ''فھی دائما تعرض علیہ بواسطۃ الملائکۃ الا عند روضہ فیسمعھا بحضرتہ'' ترجمہ: صلوۃ ہروقت پیش کی جاتی ہے۔ آپ ﷺ پر ملائکہ کے ذریعہ مگر روضہ اقدس پر حاضر ہونے والے کی صلوۃ کو خود سنتے ہیں۔ (بذل المجہود ج ۱ ص ۱۲۰)

تذکرۃ خلیل میں ہے۔ آنحضرت ﷺ حیات ہیں۔ لہٰذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہیے مسجد نبوی کی حد میں کتنی ہی پشت آواز سے سلام عرض کیا جائے۔ اس کو حضرت ﷺ سنتے ہیں۔ (تذکرۃ خلیل ص ۳۰۷)

مسلک فقیہ النفس مفتی اعظم ہند مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی ﷫

حضرت مفتی صاحب کے شاگرد رشید مولانا محمد عبدالغنی صاحب نے مبتدع اور اہل سنت والجماعت کے مابین متنازعہ فیہ مسائل پر محققانہ انداز میں ''الجنۃ لاھل السنۃ'' نامی رسالہ میں بحث کی ہے۔ حضرت مفتی صاحب اس رسالہ کا تعارف ان الفاظ میں کراتے ہیں۔ میں نے رسالہ ''الجنۃ لاھل السنۃ'' کو دیکھا۔ فاضل مؤلف عزیز محترم مولوی عبدالغنی صاحب سلمہ نے ان تمام مسائل کی پوری تحقیق فرما کر جن کی وجہ سے ہندوستان کے مقدس علماء کی جماعت کو دوسرے لوگ وہابی کے نام سے یاد کرتے ہیں اور عامۃ المسلمین کو ان کی طرف سے غلط فہمیوں میں مبتلا کر کے نفرت دلاتے تھے۔ مسلمانان ہندوستان پر احسان عظیم کیا ہے۔

منصف مزاج: اس کتاب کے مطالعہ کے بعد منصف مزاج مسلمان کسی دھوکہ میں نہیں آئیں گے اور ان کو اتباع سنت کی سعادت نصیب ہوگی۔ (الجنۃ لاھل السنۃ ص ۱)

نوٹ: مفتی اعظم ہند کے تائیدی کلمات سے ان کے مسلک پر روشنی پڑتی ہے۔ مجوزہ مسائل میں سے مسئلہ سماع آنحضرت ﷺ بھی ہے۔ جس کو مولانا عبدالغنی صاحب نے اچھے انداز میں تحریر فرمایا ہے۔

''جمہور علماء اہل السنت والجماعت نے اتفاق کیا ہے۔ آنحضرت ﷺ پر صلوۃ وسلام ملائکہ کے ذریعہ پہنچایا جاتا ہے اور احادیث کثیرہ سے ثابت ہے۔ بیہقی شعب الایمان میں حضرت ابوہریرہ ﷛ سے روایت کرتے ہیں۔'' قال قال رسول اللہ ﷺ من صلّی علیّ عند قبری سمعتہ من صلّی علیّ نائیا ابلغتہ'' اور ابن حجر مکی ﷫ شرح ہمزیہ میں لکھتے ہیں۔'' اذا صلّی وسلّم علیہ عند قبرہ سمعہ سماعا حقیقیا ویرد علیہ من غیر واسطۃ وان صلّی وسلم علیہ من بعید لا یسمعہ الا بواسطۃ یدل علیہ احادیث کثیرۃ'' اور شیخ عبدالحق ﷫ ترجمہ مشکوۃ شریف میں لکھتے ہیں۔

''سلام زائراں بنفس شریف خود بے واسطہ سماع فرمایند ورد سلام نمایند و دیگراں بوساطت ملائکہ سیاحین بود۔''

اور امام احمد مجتہد سے تقی الدین سبکی ﷫ نے اپنی کتاب ''شفاء السقام'' میں اس کے علاوہ بہت سی احادیث نقل فرمائی ہیں۔ ان تمام احادیث کا حاصل مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایک جماعت ملائکہ سیاحین فی الارض کی اللہ عزوجل نے اس لیے مقرر کی ہے۔ کہ میری وفات کے بعد میرے امتی کے درود وسلام مجھ تک پہنچائیں اور حضور ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص میری قبر کے پاس آکر درود وسلام مجھ پر کہتا ہے۔ میں خود بلا واسطہ سن لیتا ہوں اور جواب دیتا ہوں۔ جو دور سے درود وسلام بھیجتا ہے۔ اس کو خود نہیں سنتا۔ لیکن فرشتوں کے ذریعے سے

اس کو میرے پاس پہنچا دیا جاتا ہے۔" (الجنۃ لاہل السنۃ ص ۹۹)

ثانی ابوحنیفہ رحمہ اللہ مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نداوخطاب کے مسئلہ پر بحث فرماتے ہوئے۔نواب صدیق حسن بھوپالی رحمہ اللہ سے تائید نقل کرتے ہیں۔انہوں نے فرمایا۔"ومنھا انھا سبب لرد النبی ﷺ علی المصلی والمسلم علیہ کما ورد بسند حسن بل صححہ النووی فی الاذکار وغیرہ انتھی ملتقطا" نواب صاحب رحمہ اللہ صلوٰۃ وسلام کے فوائد بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔صلوٰۃ وسلام کا سماع نبی کریم ﷺ کے جواب کا سبب ہے۔ہاں اس خیال اور اعتقاد سے ندا کرنا آنحضرت ﷺ کی روح مبارک مجلس مولود میں آتی ہے۔اس کا شریعت مقدسہ میں کوئی ثبوت نہیں۔کئی وجہ سے یہ خیال باطل ہے۔اول یہ کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ قبر مبارک میں زندہ ہیں جیسا کہ اہل السنت والجماعت کا مذہب ہے۔ (کفایت المفتی ج۱ ص ۱۶۰)

مسلک حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ، قاضی نور محمد رحمہ اللہ، قلعہ دیدار سنگھ اور مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ اور شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ

ہر چار بزرگون نے مل بیٹھ کر فیصلہ کیا اور امت کو انتشار سے بچانے کی سعی کی،اور اکابر علماء دیوبند کثر اللہ سوادھم کے مسلک کو مسخ کرنے والوں نے جو سعی لاحاصل کی تھی (یعنی مسخ مسلک علماء دیوبند) ان کے منصوبہ کو متفقہ عبارت پر دستخط کر کے خاک میں ملا دیا۔عبارت ذیل میں درج ہے۔

"وفات کے بعد نبی کریم ﷺ کے جسد اطہر کو برزخ وقبر شریف میں تعلق روح حیات حاصل ہے۔اس حیات کی وجہ سے روضہ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ ﷺ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔"

دستخط: احقر محمد طیب نزیل راولپنڈی، نور محمد قلعہ دیدار سنگھ، محمد علی جالندھری عفا اللہ عنہ، لاشیٔ غلام اللہ خاں، ۸ محرم الحرام ۸۲ ۱۳ھ/ ۲۲ جون ۱۹۶۲ء، (ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی بابت ماہ اگست ۱۹۶۲ء)

حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمہ اللہ ومولانا قاضی نور محمد صاحب، ہر دونوں حضرات نے عہد کیا کہ سماع وحیاۃ النبی ﷺ والی تحریر پر دستخط کرائیں گے۔سید عنایت اللہ شاہ صاحب سے اس تحریر پر دستخط کرائیں گے۔جس پر ہم نے دستخط کئے ہیں۔اگر سید عنایت اللہ شاہ اس پر دستخط نہ کریں گے۔تو ہم مسئلہ حیات النبی ﷺ میں اس تحریر کی حد تک ان سے برأت کا اعلان کر دیں گے۔

دستخط: نور محمد قلعہ دیدار سنگھ، لاشیٔ غلام اللہ خان، ماہنامہ تعلیم القرآن بابت ماہ اگست ۱۹۶۲ء ص ۲۵

شیخ القرآن کا فتویٰ

بخدمت جناب واجب الاحترام،ذی الشرف بین الانام شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب مدظلہ العالی،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

المرام آنکہ ہمارے علاقہ میں ایک عالم صاحب نے یہ مسئلہ فرمایا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی قبر اطہر پر جا کر درود وسلام پڑھنا اور عقیدہ رکھنا کہ آنحضرت ﷺ بذات خود سنتے ہیں۔یا سن رہے ہیں۔بالکل صریح شرک ہے قرآن وحدیث میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ایسا عقیدہ رکھنے والا میرے نزدیک کافر اور مشرک ہے۔

جناب والا! آپ کا کیا عقیدہ ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح فرمائیں۔ (ملخص)

''الجواب وھو الموفق للصواب''

کتب فقہ حنفی اور احادیث سے ثابت ہے کہ عند القبر بذات خود حضور ﷺ درود وسلام سنتے ہیں۔ سلف اہل سنت والجماعت میں اس کے اندر کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ایسے عقیدے والے کو کافر ومشرک کہنا بڑی دلیری ہے۔ العیاذ باللہ، اور سلف کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ''ھذا واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب''

(عبدالرشید مفتی دارالعلوم تعلیم القرآن، راجہ بازار راولپنڈی، مہر دارالعلوم تعلیم القرآن، ۲۲ صفر ۱۳۹۶ھ)

الجواب صحیح: لاشئی غلام اللہ خان، ۲۵ صفر ۱۳۹۶ھ جواب درست ہے۔ ناکارہ خلائق غلام ربانی۔ (فوٹو کاپی محفوظ ہے۔)

سوال نمبر ۱: جو شخص کشف سیکھے یا سکھلائے یا خود کرے اور اس کو جائز سمجھے وہ بالکل کافر ہے۔ جیسا کہ مرزائی کافر ہیں۔

سوال نمبر ۲: جو شخص نبی کریم ﷺ کو روضہ اطہر میں زندہ باشعور سمجھے یا یہ عقیدہ رکھے۔ نبی کریم ﷺ روضہ اطہر پر حاضری کے وقت خود درود وسلام سنتے ہیں۔ اس عقیدہ والا بھی کافر ہے۔

سوال نمبر ۳: جو شخص درود وسلام پڑھے وہ بذریعہ فرشتے نہیں پہنچایا جاتا۔ (محمد یوسف جلوال ۳۰-۳-۱۹۷۸ء)

''الجواب واللہ الموفق للصواب''

نمبر ۱: سادات دیوبند کشف قبور کے قائل ہیں۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ ودیگر حضرات علماء دیوبند کی تصریح ان کی کتابوں میں موجود ہے اور ہم بھی اس کے قائل ہیں۔ اس کا انکار صحیح نہیں ہے اور قائل کو کافر کہنا بہت بڑی جہالت ہے۔

نمبر ۲: روضہ اطہر پر حاضری کے وقت پیغمبر ﷺ خود سنتے ہیں۔ جمہور امت اس پر متفق ہے اور سادات دیوبند کا عقیدہ بھی یہی ہے۔ اس کا انکار بھی جہالت ہے اور قائل پر کفر کا فتویٰ جاہلانہ جسارت ہے۔

نمبر ۳: یہ بھی جہالت ہے کہ علماء دیوبند کا یہ مسلک نہیں۔ ایسے شخص کی تقریر سننا سخت گناہ ہے۔ اہل ایمان پر لازم ہے کہ اپنا ایمان محفوظ رکھے اور ایسی صحبت سے پرہیز کرے۔ ''ھذا واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب''

عبدالرشید مفتی دارالعلوم تعلیم القرآن، راجہ بازار راولپنڈی، ۳ جمادی الاول ۱۳۹۸ھ (ہمارے پاس فوٹو کاپی محفوظ ہے)

مسلک شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین صاحب غورغشتوی

خلیفہ اعظم رئیس الموحدین مولانا حسین علی صاحب ''اگر قبر کے پاس کوئی مسلمان درود شریف جہراً سلام ڈالے تو حضور اکرم ﷺ خود سنتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں اور اگر کوئی دور سے درود شریف پڑھے تو فرشتے رسول اکرم ﷺ کے پاس پہنچاتے ہیں۔ میں اس مسئلے کو حق اور صحیح سمجھتا ہوں۔ احادیث شریف فقہاء عظام، سلف صالحین سے بھی اس مسئلے کی حقانیت اور صحت ثابت ہے۔ میں نے مولانا حسین علی صاحب سے اس مسئلہ میں کبھی اختلاف نہیں سنا اور نہ کبھی ان سے پوچھا تھا۔ یہ تو اہل سنت والجماعت کا متفقہ حق مسئلہ ہے۔ (مقام حیات ص ۲۷۰)

حضرت مولانا غور غشتوی حاشیہ مشکوۃ شریف ج ا ص ۹۳ پر لفظ سمعتہ کی شرح میں لکھتے ہیں۔ ''سمعا حقیقیا بلا واسطۃ'' لفظ نائیا کی شرح میں لکھتے ہیں۔ ای بعیدا۔ (بحوالہ تسکین الصدور ص ۳۳۲)

مسلک برکۃ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ

حضرت کو ایک پاکستانی نے خط لکھا، کہ آپ مسئلہ سماع انبیاء کے بارے میں تحریر فرمائیں، آپ کی تحریر فیصل ثابت ہوگی، حضرت والا نے جوابا لکھا۔ جن لوگوں کو اس ناکارہ کے جملہ اکابر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ قدس سرہ سے لے کر حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ تک کی تحریرات قابل قبول نہیں وہ اس ناکارہ کی تحریر کو کیا قبول کر سکتے ہیں۔ نمبروار سوالات کے جوابات بھی لکھے۔

سوال نمبر ۵: کا جواب دیا۔ جو شخص صلی اللہ علیہ وسلم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کے پاس کھڑا ہو کر درود پڑھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کو سنتے ہیں۔ ''من صلی عند قبری سمعتہ'' نص صریح ہے۔ علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے۔ سندہ جید، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ مستقل قاصد مدینہ پاک بھیجا کرتے تھے۔ تاکہ قبر اطہر پر سلام پہنچائے۔ اگر کوئی فرق نہیں تھا تو ان کا یہ فعل عبث تھا۔ فقط، (مقام حیات ص ۲۶۱)

مسلک مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی شیخ الحدیث، جامعہ اشرفیہ لاہور

مزار مبارک پر جو شخص حاضر ہو کر صلوۃ و سلام پڑھتا ہے۔ اس کو خود سنتے ہیں۔ (سیرۃ مصطفیٰ ج ۳ ص ۲۸۴)

مسلک مولانا محمد عبدالخالق صاحب مظفر گڑھی، تلمیذ و خلیفہ حضرت مولانا حسین علی صاحب

سماع انبیاء عند القبور بلا واسطہ کا احادیث سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تقریر اور جمہور علماء اہل سنت کے اقوال سے ثابت مانا گیا ہے۔ (تسکین الصدور ص ۲۵)

مسلک شیخ طریقت مولانا محمد عبداللہ صاحب بہلوی رحمۃ اللہ علیہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا ترجمہ فرماتے ہیں جو کوئی مجھ پر سلام بھیجتا ہے۔ اس پر سلام کا جواب دیتا ہوں۔ (القول المتین، ص ۲۲)

قائد انقلاب اسلامی حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ

''حامدا و مصلیا و مسلما''

امابعد! حضرات انبیاء علیہم السلام پر موت کا طاری ہونا قطعی ہے۔ کسی کا اس میں اختلاف نہیں۔ انک میت وانھم میتون اور قول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فانہ قدمات اس کے شاہد و مصدق ہیں۔ لیکن اس میں اختلاف ہے۔ کہ انبیاء علیہم السلام کی موت سے حیات زائل ہو جاتی ہے۔ یا صرف مستور ہو جاتی ہے۔ یعنی موت رافع الحیات ہے یا ساتر الحیات ہے۔ بانی دارالعلوم دیوبند حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ آب حیات میں دلائل سے ثابت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت سے حیات مستور ہوئی ہے۔ زائل نہیں ہوئی۔ آپ کی موت عامۃ المسلمین کی موت سے ممتاز قرار دے کر وضاحت سے لکھا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دنیوی علی الاتصال اب تک برابر مستمر ہے۔ اس میں انقطاع یا تبدل و تغیر جیسے حیات دنیوی کا حیات برزخی ہونا واقع نہیں ہوا۔ لیکن اکثر محققین کے اقوال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر موت بمعنی رفع الحیات طاری ہوئی۔ بہر حال حقیقت موت جو بھی ہو۔ علی اختلاف القولین۔ یہ امر مسلم

ہے کہ آپ ﷺ پر موت طاری ہوئی۔ لیکن ساتھ ساتھ علماء اہل سنت والجماعت کے نزدیک مسلم اور مجمع علیہ ہے۔ بحالت موجود عالم برزخ میں آپ ﷺ جسمانی حیات سے زندہ ہیں۔ آپ ﷺ کی روح مبارک کا تعلق آپ ﷺ کے جسد عنصری کے ساتھ ایسا قائم کر دیا گیا ہے کہ اسی دنیوی جسد اطہر کے ساتھ جسے اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے۔ تمام افعال وحرکات مثل سمع وبصر وبطش ومشی وکلام وغیرہ پر قادر ہیں۔ یہ عقیدہ کہ آپ ﷺ کا جسد اطہر ساکن صامت قبر مبارک میں صحیح سلامت موجود ہے۔ اس سے افعال وحرکات کا صدور نہیں ہوتا۔ عقیدہ فاسدہ ہے۔ تمام علماء اہل سنت والجماعت اور علماء دیوبند کے مسلک کے خلاف ہے۔ ۲/۲۱/ ۷۷ ۱۳ھ

الاحقر الافقر ابوالفضل محمود عفا اللہ، خادم الافتاء والتدریس بقاسم العلوم ملتان، بحوالہ القول النقی فی حیات النبی، مؤلفہ مولانا محمد عبداللہ صاحب بہلوی،

مسلک شیخ الحدیث مولانا علی محمد صاحب کبیر والا اور حضرت مولانا محمد شریف صاحب کشمیری، شیخ الحدیث خیر المدارس

"سماع الانبیاء حق وھو مسلک اکابرنا ومسلکنا الحق وشذ من انکر" سماع انبیاء کرام علیہم السلام قبور کے پاس حق ہے۔ ہمارے اکابر کا مسلک یہی ہے اور یہی مسلک حق ہے۔ منفرد ہے، وہ جو منکر ہے۔

محمد شریف کشمیری، الاحقر الافقر الی الصمد علی محمد صانہ الاحد الی الابد، الثامن جمادی الاخریٰ ۱۴۰۲ھ۔

اصل تحریر محفوظ ہے۔

متفقہ اعلان

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ، مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی۔

حضرت مولانا محمد رسول خان صاحب جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی، شیخ الحدیث دار العلوم اسلامیہ ٹنڈو اللہ یار سندھ۔

حضرت مولانا عبدالحق صاحب مہتمم دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک۔

حضرت مولانا شمس الحق افغانی صاحب صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان۔

حضرت مولانا مفتی محمد صادق صاحب سابق ناظم محکمہ امور مذہبیہ بہاولپور۔

حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب مہتمم جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، دار العلوم کراچی۔

حضرت اقدس ﷺ اور سب انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں اکابر علماء دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ وفات کے بعد اپنی قبر میں زندہ ہیں اور ان کے ابدان مقدسہ بعینہ محفوظ ہیں اور جسد عنصری کے ساتھ عالم برزخ میں ان کو حیات حاصل ہے اور حیات دنیوی کے مماثل ہے۔ فرق یہ ہے کہ احکام شریعت کے مکلف نہیں ہیں۔ لیکن وہ نماز بھی پڑھتے ہیں۔ روضہ اقدس میں جو درود پڑھا جائے۔ بلا واسطہ سنتے ہیں اور یہی جمہور محدثین اور متکلمین اہل سنت

والجماعت کا مسلک ہے۔ اکابر دیوبند کے مختلف رسائل میں تصریحات موجود ہیں۔ حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی تو مستقل تصنیف حیات انبیاء پر ''آب حیات'' کے نام سے موجود ہے۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب جو کہ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے ارشد خلفاء میں ہیں۔ ان کا رسالہ المہند علی المفند بھی اہل انصاف اور اہل بصیرت کے لئے کافی ہے۔ اب جو اس مسلک کے خلاف دعویٰ کرے اتنی بات یقینی ہے۔ ان کا اکابر دیوبند کے مسلک سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ دستخط جملہ اکابر مرقومۃ الاسماء (مقام حیات ص ۲۷۴)

اعلان برأت

فتویٰ نمبر ۲۴/۱۷ رسالہ تنبیہ الغافلین علی اقوال الخادمین پر جو تقریظ ہے۔ جسے بعنوان فتویٰ منجانب خطباء اہل سنت ڈیرہ شائع کیا گیا۔ یہ عبارت میری ہے۔ میں اب بھی اس کا قائل ہوں۔ کہ اگر روضہ اقدس پر صلوۃ وسلام پڑھا جائے تو آپ ﷺ خود سنتے ہیں۔ بلکہ جمیع اہل سنت والجماعت اس کے قائل اور مثبت ہیں اور اکابر دیوبند کا یہی عقیدہ ہے۔ جو شخص اس عقیدے کو عقائد شرکیہ یا بدعیہ میں شمار کرتا ہے وہ بالکل جاہل ہے اور پرلے درجہ کا احمق اور ملحد ہے۔ وہ حقیقت شرک سے قطعاً ناآشنا ہے مسلمانوں کو ایسے شخص سے دور رہنا چاہیے۔

اب میں علی وجہ البصیرت بتائید مفتیان خیر المدارس اور قاسم العلوم ملتان۔ مذکورہ بالا کی اشاعت کی اجازت دیتا ہوں۔ جو اس کے خلاف میری طرف منسوب کر کے شائع کیا جائے۔ اسے غلط سمجھیں۔

میری طرف منسوب کر کے اعلان برأت کے عنوان سے جو تحریر شائع کی گئی ہے۔ حدیث ''من صلی علیّ عند قبری سمعتہ'' کی ایک سند کے بارے میں فنی بحث تھی۔ لیکن کسی حدیث کی سند کا متکلم فیہ ہونا اس کے مضمون کے بطلان کی دلیل نہیں۔ خود ابن عبدالہادی نے اس حدیث کے مضمون و معنی کو صحیح قرار دیا ہے۔ (الصارم المنکی ص ۱۰۳)

اور یہ بھی تسلیم کیا ہے۔ حضور پاک ﷺ کی قبر کے پاس سے سلام خود سنتے ہیں۔ (الصارم المنکی ص ۳۸۲)

علامہ شوکانی اسی حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں۔ ''ثم حکم ابن عبد البرّ مع ذالک بصحتہ لتلقی العلماء لہ بالقبول۔'' (نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۴)

پھر ابن عبدالبر نے اس بحث کے باوجود یہ فیصلہ دیا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اس لیے تمام علماء نے قبول کیا ہے۔

محمد شریف کشمیری شیخ الحدیث وصدر مدرس خیر المدارس ملتان، ۲۶ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۱ھ

تحریر صحیح، محمد اسحاق عفا اللہ عنہ، محمد شریف جالندھری مہتمم خیر المدارس ملتان، نائب مفتی قاسم العلوم ملتان،

حضور پاک ﷺ کے روضہ اقدس پر جو شخص صلوۃ وسلام پڑھتا ہے۔ آپ ﷺ خود سنتے ہیں۔ سب اکابر دیوبند کا یہی مسلک ہے۔ فقط واللہ اعلم، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس ملتان، ۲۶/۶/۱۴۰۰ھ

احقر محمد انور نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔ (مذکورہ بالا فتویٰ رجسٹر نقول فتویٰ خیر المدارس میں محفوظ ہے۔) استفتاء نمبر ۱۹۹۸۔

یہ عقیدہ رکھنا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی روح مبارک علیین میں ہے اور آپ ﷺ کا اپنی قبر اور جسد کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ کی قبر پر درود وسلام پڑھا جائے۔ تو پڑھنے والے کو ثواب ملتا ہے لیکن آپ ﷺ سنتے نہیں۔ کیا ایسا عقیدہ صحیح ہے؟ کہ نہیں اور غلط ہونے کی صورت میں بدعت سیئہ ہے یا نہیں اور ایسے عقیدے والے کی امامت کا کیا حکم ہے؟ ''بینوا و توجروا''

الجواب

آنحضرت ﷺ اپنے مزار مبارک میں بجسدہ موجود ہیں اور حیات ہیں۔ آپ ﷺ کے مزار کے پاس کھڑے ہوکر جو سلام کرتا ہے اور درود شریف پڑھتا ہے۔ آپ ﷺ خود سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔ ہمارے کان نہیں کہ ہم سنیں۔ آپ ﷺ اپنے مزار میں حیات ہیں۔ مزار مبارک کے ساتھ آپ ﷺ کا خصوصی تعلق بجسدہ وروحہ ہے۔ جو اس کے خلاف کہتا ہے وہ غلط کہتا ہے۔ وہ بدعتی ہے۔ خراب عقیدے والا ہے۔ اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ یہ عقیدہ صحیح نہیں ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔ ''ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء'' الحدیث۔ ''عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال، قال رسول اللہ ﷺ من صلّی علیّ عند قبری سمعتہ ومن صلّی علیّ بعیدا علمتہ'' رواہ ابو شیخ وسندہ جید۔ (القول البدیع ص ۱۵۴)

''عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ الانبیاء صلوٰۃ اللہ تعالیٰ علیھم احیاء فی قبورھم یصلون رواہ ابن عدی والبیھقی'' (شفاء السقام ص ۱۷۹)

دو تین حدیثیں نقل کردی ہیں۔ اس باب میں بکثرت احادیث وارد ہیں۔ جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا اور جو انکار کرتا ہے۔ بدعتی اور خارج اہل السنۃ والجماعۃ ہے۔ غرض پڑھنے والوں کو ثواب بھی پہنچتا ہے اور مزار مبارک کے قریب پڑھنے سے آپ ﷺ سنتے بھی ہیں اور حیات ہیں۔ ''واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب''

کتبہ مہدی حسن مفتی دارالعلوم دیوبند، مہر دارالعلوم دیوبند ۳/ ۵/ ۱۳۷۶ھ

الجواب صحیح: جمیل احمد تھانوی جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور، ۲۱ شوال ۱۳۷۶ھ

اصاب المجیب واجاد: محمد ضیاء الحق کان اللہ لہ، جامعہ اشرفیہ لاہور۔

الجواب صواب: محمد رسول خان عفا اللہ عنہ، مولانا سرفراز خاں صاحب نے بھی دستخط فرمائے۔

غور فرمائیں کہ دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی صاحب مرحوم مغفور اور حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی اور استاذ الکل حضرت مولانا محمد رسول خان صاحب رحمہ اللہ نے ایسا عقیدہ رکھنے والے کو اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج اور بدعتی قرار دیا ہے۔ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ کے فتویٰ کے چند حوالے بھی ملاحظہ فرمائیں۔

سوال نمبر ۱: بدعتی کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب: بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ فقط کذا فی رد المختار باب الامامت۔

(فتاویٰ رشیدیہ ج ۳ ص ۱۱۸ طبع جید برقی پریس دہلی)

سوال نمبر ۲: بدعتی کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب: مکروہ تحریمی ہوتی ہے۔ (ج ۳ ص ۱۱۳)

سوال نمبر ۳: اور بدعتی امام کے پیچھے نماز پڑھنا گناہ ہے۔ جب کہ دوسری جگہ متبع سنت امام موجود ہے۔

(ج ۳ ص ۹۳، تسکین الصدور ص ۴۱، ۴۲، ۴۳)

نوٹ: جو لوگ اکابر علماء دیوبند کے نظریات سے ہٹ گئے ہیں۔ خلاف عقائد عقائد ہیں وہ اہل بدعت ہیں اہل السنۃ نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے عقائد ونظریات سے محفوظ رکھے۔ آمین!

حضرت مولانا عبید اللہ انور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سرور کائنات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے متعلق حضرات علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ سوادھم کا عقیدہ یہی ہے کہ جب کوئی شخص آپ کے روضہ اطہر پر حاضری کے دوران آپ کے حضور ہدیہ سلام پیش کرتا ہے تو آپ ﷺ خود سنتے ہیں۔ بدقسمتی یہ ہے کہ اس دور میں ان قدوسی صفات بزرگوں کا نام لے کر بعض گمراہ کن نظریات پھیلاتے ہیں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ایسے لوگوں کا ان حضرات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان حضرات کا معاملات میں صحیح نظریہ وہی ہے۔ جو المہند علی المفند میں موجود ہے اور بحمد اللہ تعالیٰ ہم اسی کو صحیح دین سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس پر استقامت نصیب فرمائے۔ تنبیہ الغافلین۔

احقر عبید اللہ انور

استفتاء

نمبر ۱: قرآن مجید میں بیان کردہ عقائد کے لیے تشریح رسول کی ضرورت نہیں۔

نمبر ۲: اللہ فرمائیں مردے نہیں سنتے۔ رسول کہے جی سنتے ہیں۔ کیا؟ رسول خدا تعالیٰ کی مخالفت کرتا ہے۔

نمبر ۳: اللہ فرمائے اے رسول آپ کو ان کے اعمال کا پتہ نہیں۔ یہ کہتے ہیں قریب سے سنتے ہیں۔

نمبر ۴: موت کے بعد سماع انبیاء اور خواب میں رویت انبیاء یہودیوں کی ایجاد ہے۔

نمبر ۵: درود وسلام عند القبر سنا من گھڑت قصہ ہے۔

نمبر ۶: سماع اموات کا مسئلہ توحید کے راستوں میں رکاوٹ ہے۔ ملخص

یہ تمام عقائد ''اربعین احادیث دعوت الارشاد اربعین آیات'' مؤلفہ مولوی اللہ بخش، مؤید عنایت اللہ شاہ گجراتی، میں موجود ہیں۔

نمبر ۷: ''من صلی علیّ عند قبری سمعتہ'' حدیث موضوع ہے اس پر عمل خدام الشیطان سے تمغہ حاصل ہو جائے گا۔

نمبر ۸: نبی کریم ﷺ درود وسلام نہ قریب سے سنتے ہیں اور نہ دور سے پہنچایا جاتا ہے۔

نمبر ۹: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ غیر معروف الفقہ والحدیث ہے۔

نمبر ۱۰: انبیاء علیہم السلام کے اجساد محفوظ ہونے کی کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔ اگرچہ ہمارا دعویٰ ہے کہ اجساد محفوظ ہیں۔ اقامۃ، ملخص

نمبر ۱۱: قبر اس گڑھے کا نام نہیں جس میں انسان دبایا جاتا ہے۔ ملخص

مولوی محمد حسین نیلوی، ممبر اشاعت التوحید

کیا یہ عبارات مذہب اہل سنت وعلماء دیوبند کے مطابق ہیں؟ یا مخالف۔ نیز اس قسم کے عقائد رکھنے والے گمراہ ہیں یا اہل سنت؟ ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا ناجائز؟

المستفتی احقر محمد حبیب اللہ مدرس دار العلوم مدرسہ نعمانیہ شہر ڈیرہ اسماعیل خان

الجواب باسمہٖ تعالیٰ

جواب نمبر ۱: یہ بات کہ ہم عقائد کی تشریح میں رسول اللہ ﷺ کے محتاج نہیں ہیں۔ غلط ہے اللہ تعالیٰ نے کتاب اللہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے اقوال کے بھی حجت بتایا ہے۔ ''وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیھم'' (النحل: ۴۴) نیز رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یعلّمھم الکتاب والحکمۃ' بھی فرمایا ہے۔ احادیث بھی وجوب عمل میں قرآن کے حکم میں ہے عقائد کا ثبوت احادیث سے بھی ہوتا ہے۔ عذاب قبر کے بارے میں شرح عقائد میں مذکور عقائد اکثر احادیث سے ثابت ہیں۔

نمبر ۲: اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا: کی مردے نہیں سنتے بلکہ ''ان اللہ یسمع من یشاء'' میں سننے کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے۔ صحیح روایات کو موضوع کہنا باطل ہے۔

نمبر ۳: یہ خود آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ میں قریب سے درود سنتا ہوں اور بعید سے فرشتے درود پہنچاتے ہیں۔

نمبر ۴، ۵: سماع انبیاء علیہم السلام یہودیوں کی ایجاد نہیں۔ بلکہ صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ ''اخرج ابو الشیخ فی کتاب الثواب بسند جید بلفظ من صلّی علیّ عند قبری سمعتہ ومن صلّی علیّ غائبا بلغتہ'' (فتح الباری پ ۱۳ ص ۲۷۹)

دیگر بہت سے ائمہ کبار رحمہم اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

نمبر ۶: سماع موتی میں علماء کا اختلاف ہے اگر سماع اموات ثابت بھی ہو تو توحید میں رکاوٹ نہیں۔ بلکہ توحید کی تائید ہے۔ اللہ وحدہ لاشریک سنانے والے ہیں۔

نمبر ۷: صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کا مذہب بھی یہی ہے کہ قریب سے سنتے ہیں اور بعید سے فرشتے پہنچاتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ صحیح بخاری میں موجود ہے کہ دو شخص آنحضور ﷺ کے روضہ اقدس کے سامنے آواز بلند کر رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بلوایا اور پوچھا کہاں کے ہو کہنے لگے۔ طائف کے۔ فرمایا، اگر اہل مدینہ سے ہوتے تو میں سزا دیتا۔ جب کوئی شخص دیوار میں کیل لگاتا۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتیں کہ آپ کیوں آنحضور ﷺ کو تکلیف دیتے ہیں۔

نمبر ۸: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہرزہ سرائی کرنا غلط ہے۔ نیز یہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ کما فی جذب القلوب۔

نمبر ۹: انبیاء کے اجساد کی حفاظت کی حدیث صحیح ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور قاضی شوکانی رحمہ اللہ نے اس کو صحیح کہا ہے۔ استشفاع بمعنی توسل جائز ہے۔

نمبر ۱۰: قبر اس گڑھے کا نام ہے جس میں مردہ دفن ہو۔ اس پر تخفیف عذاب کے لیے آنحضور ﷺ نے شاخیں رکھی ہیں۔ جس شخص کے یہ عقائد ہوں ان کے پیچھے مبتدع ہونے کی وجہ سے نماز مکروہ ہے۔ کما فی الشامی والدر مختار۔ کتبہ، رضاء الحق عفا اللہ عنہ، دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

الجواب، ولی حسن مہر المفتی ولی حسن رئیس، دارالافتاء الجامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی۔

مہر جامعۃ العلوم الاسلامیہ کراچی

سماع انبیاء علیہم السلام کے منکروں کا فتنہ ۱۳۷۴ھ کے بعد ظہور پذیر ہوا۔ بلا خوف تردید یہ بات کہی جا سکتی ہے۔ تقریباً ۱۳۷۴ھ تک اہل السنت والجماعت کا کوئی فرد کسی بھی فقہی مسلک سے وابستہ دنیا کے کسی خطہ میں اس کا قائل نہیں رہا کہ آنحضرت ﷺ اور اسی طرح دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی روح مبارک کا جسم اطہر سے قبر شریف میں کوئی تعلق اور اتصال نہیں اور عندالقبر صلوٰۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے۔ کسی اسلامی کتاب میں عام اس سے کہ وہ کتاب حدیث وتفسیر کی ہو یا شرح حدیث اور فقہ کی، علم کلام کی یا علم تصوف وسلوک کی، سیرت کی ہو یا تاریخ کی۔ کہیں صراحت کے ساتھ اس کا ذکر نہیں کہ آپ ﷺ کی روح مبارک کا جسم اطہر سے کوئی تعلق اور اتصال نہیں اور یہ کہ آپ ﷺ عندالقبر صلوٰۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے۔

''من ادعی خلافه فعلیه البیان ولا یمکنه ان شاء الله تعالیٰ الی یوم البعث والجزاء والمیزان''

(تسکین الصدور ص ۲۸۲) ''اعدل الاقوال فی سماع عام الاموات سماع عامة الاموات عند القبور'' کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے ہمارے زمانے تک مختلف فیہ چلا آرہا ہے۔ علماء فقہاء نے بڑی بڑی بحثیں کی ہیں۔ ہر دونوں جانب سے دلائل ذکر کئے گئے۔ مگر تین مواقع میں سماع کا کوئی منکر نہیں۔

(بدر والوں کا سماع، جوتوں کی آہٹ، سلام کا سماع) یہ امر مسلم ہے۔ جس مسئلہ میں شاگردان رسول مقبول ﷺ کو اختلاف ہو جائے۔ وہ مسئلہ نہ تو منصوص ہو سکتا ہے۔ اور نہ اس کا فیصلہ ہو سکتا ہے۔ اس کو ایمان وکفر کی مدار سمجھے بغیر ترجیح دی جا سکتی ہے۔ جیسے کہ مختلف فیہ مسائل میں ہوتا ہے۔ ہم یہاں اکابر علماء دیوبند کثر اللہ سوادھم کے چند حوالے ذکر کئے دیتے ہیں۔ جس سے مسئلہ کی ہر دونوں جانب معلوم ہو سکتی ہے۔

ارشاد گرامی امام العصر خاتم المحدثین مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ

موتی سماع سلام کے قائل بھی مسلمان ہیں۔ ''اقول والاحادیث فی سمع الاموال قد بلغت مبلغ التواتر فالانکار فی غیر محله سنما اذا لم ینقل عن احد من ائمتنا'' (فیض الباری ج ۲ ص ۴۶۷)

میں کہتا ہوں احادیث سماع اموات کے بارے میں تواتر کو پہنچ چکی ہیں۔ انکار کی کوئی وجہ نہیں جب کہ ہمارے اماموں (ابوحنیفہ رحمہ اللہ، ابو یوسف، محمد) سے انکار منقول ہی نہیں۔ لہٰذا ہم کیوں انکار کریں کہ مردے سنتے نہیں۔

نوٹ: اسی عبارت کے ہم معنی عرف شذی ص ۴۸۳ میں حضرت شاہ صاحب کا فرمان موجود ہے۔

ارشاد گرامی شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ

''اعلم ان سماع الموتی ثابت فی الجمله بالاحادیث الکثیرة الصحیحة'' ترجمہ: سماع موتی فی الجملہ بہت سی احادیث سے ثابت ہے۔ (فتح الملہم ج ۲ ص ۴۷۹)

ارشاد گرامی مفتی اوّل دیوبند مولانا عزیز الرحمن صاحب رحمہ اللہ

الجواب: سماع موتی میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے ہے۔ بہت سے ائمہ

سماع موتی کے قائل اور حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتب میں بعض مسائل ایسے مذکور ہیں۔ جن سے عدم سماع موتی معلوم ہوتا ہے۔ مگر امام صاحب سے کوئی تصریح اس بارے میں نقل نہیں کرتے اور استدلال عدم سماع کا آیت انک لاتسمع الموتی وغیرہ آیت سے کرتے ہیں اور مجوزین سماع کا استدلال حدیث اور ما انتم وباسمع حدیث سماع قرع النعال۔

اور آیت مذکور کا یہ جواب دیتے ہیں کہ نفی سماع قبول کی ہے۔

غرض یہ کہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور قول فیصل ہونا دشوار ہے۔ بس عوام الناس کو سکوت اس میں مناسب ہے۔ جب علماء کو بھی اس میں تردد ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ج ۵ ص ۳۶۱)

مسلک مفتی اعظم ہند مولانا محمد کفایت اللہ صاحب

سوال۔ سماع موتی محققین علماء کے نزدیک ہے یا نہیں۔

جواب ۱۹۵۔ مسئلہ سماع موتی قرون اولی سے مختلف فیہ چلا آتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی اس میں اختلاف تھا۔ ان صحابہ کے بعد بھی ہمیشہ علماء اس میں مختلف رہے۔ اکثر صوفیہ سماع موتی کے قائل ہیں۔ لیکن علماء حنفیہ کے ہاں ثابت نہیں۔ ہاں میت کو قبر میں رکھنے کے بعد اس قدر حیات اس میں ڈالی جاتی ہے کہ وہ آرام یا تکلیف محسوس کر سکے۔ (بالحذف عبارات العربی)

تاہم کسی فریق کو یہ حق نہیں کہ وہ دوسرے فریق کی تضلیل یا تفسیق یا تجہیل کر سکے۔ کیونکہ اس صورت میں مسئلہ قرون اول میں بھی مختلف فیہ تھا۔ اس تضلیل و تفسیق کا اثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تک پہنچے گا۔ لاشک فی فساد۔
(کفایت المفتی ج ۱ ص ۱۹۶، ۱۹۷)

مسلک حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

بعض احادیث میں مردوں کا سننا قریب جگہ سے نہ کہ بعید سے وارد ہے۔

اس لیے بعض علماء نے آیت میں کہا ہے کہ مراد سماع منفی سے سماع نافع ہے۔ (بیان القرآن ص ۷۵۴)

مسلک شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ

سماع موتی کا مسئلہ زمان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے۔ یہ مسئلہ اعتقادیات ضروریہ میں سے نہیں۔ جن کی نفی یا اثبات پر کفر و اسلام کا مدار ہے۔ یہ ایک علمی و تحقیقی بحث ہے۔ جس میں بحث و تمحیص اور نظر و تحقیق کی گنجائش ہے۔ امت محمد یہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کے علماء کے درمیان اس مسئلہ میں ہمیشہ دو رائیں رہی ہیں۔ (تفسیر جواہر القرآن سورۃ روم)

مفتی اعظم پاک و ہند مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ

اعدل الاقوال اور اصح و مختار یہ ہے۔ جن جن مواضع میں میت کا کلام وغیرہ سننا منصوص ہے۔ وہاں بلا تامل یقین کیا جاوے۔ باقی عام کلام خطاب کے متعلق کوئی ضابطہ تو نہیں کہ ضرور سنتے ہیں۔ لیکن نہ سننا بھی ضروری نہیں۔ اگر حق تعالی چاہیں تو سنا دیں۔ غرض ایسی حالت میں جیسے زندگی میں بطور جریان عادت سننا ضروری ہوتا ہے۔ (امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۲۰۱)

نوٹ: اکابر علماء دیو بند کے چند حوالے پیش کر دیئے ہیں۔ جن کے مطالعہ سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ یہ مسئلہ مدار ایمان و کفر نہیں ہے۔ اگر اس مسئلہ میں انکار یا اثبات پر ایمان کی بنیاد استوار ہوتی تو یہ حضرات بجائے راہ اعتدال کے فتویٰ کفر دیتے۔ مگر ان اکابر میں کوئی بھی منکر یا مثبت کو فاسق تک نہیں کہتے۔ بلکہ ان مواضع میں جہاں احادیث نبوی ﷺ میں سماع کا ذکر آیا ہے۔ وہاں سماع یقینی فرماتے ہیں۔ رشید احمد

محقق العصر مولانا سرفراز خان صاحب کی رائے ملاحظہ ہو

اگر کوئی شخص حضرات سلف صالحین رحمہم اللہ کے مقابلہ میں اپنی رائے پر مصر ہے اور اسی کو حرف آخر سمجھے اس جہاں میں اس کا کیا علاج ہو سکتا ہے۔ عام سماع موتی کا مسئلہ اگرچہ اختلافی ہے۔ مگر سارے مالکی رحمہ اللہ، شافعی رحمہ اللہ، حنبلی رحمہ اللہ، احناف کی اکثریت اور اکابر علماء دیو بند کثر اللہ جماعتہم کی اکثریت سماع موتی کی قائل ہے۔ اگر سماع موتی کے مسئلہ سے شرک پیدا ہوتا۔ یا منجر (ذریعہ) الی الشرک ہوتا۔ تو یہ اکابر اسلام کبھی سماع کا اقرار نہ کرتے۔ ''انک لاتسمع الموتی'' اور اسی مضمون کی دیگر آیات سے سماع موتی کی نفی ثابت ہوتی۔ تو اکابر قرآن کریم کے خلاف ہرگز نظریہ نہ رکھتے اور اگر اپنے مقام پر سماع موتی کے دلائل و براہین ثابت و محقق نہ ہوتے تو یہ اکابر سماع موتی کا کیوں اقرار کرتے؟

ان میں سے ایک ایک بات صراحت کے ساتھ اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ حق جمہور کے ساتھ ہے اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا سماع تو اجماعی مسئلہ ہے۔ اس کے حق ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور علامہ ابن قیم وغیرہ وہ بزرگ ہیں کہ کسی بات سے شرک کا ادنیٰ ترین وہم بھی پیدا ہوتا تو وہ اس کا سد باب کرتے ہیں اور اس کے خلاف محاذ قائم کر دیتے ہیں۔ مگر سماع موتی کا مسئلہ اتنا صاف اور ایسا بے غبار ہے کہ یہ بزرگ اس کے پرزور حامی ہیں چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

''سمع المیت لا اموات من السلام والاقراۃ حق'' مردے کا سلام و قرات کی آوازوں کا سننا حق ہے۔ (اقتضاء الصراط المستقیم ص ۳۷۹)

اس سے معلوم ہوا کہ موتی کا سماع حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے نزدیک صرف سلام کی حد تک محدود نہیں۔ بلکہ ان کے نزدیک قرآن کریم کی قرات بدستور سنتے ہیں۔ اگر اس سماع میں شرعاً کوئی خرابی ہوتی یا نصوص کے خلاف ہوتا۔ تو موصوف اس کو حق سے کبھی تعبیر نہ کرتا۔ (تسکین الصدور ص ۳۸۴)

عذاب قبر

قبر مراد گڑھا ہے۔ جو زمین میں کھودا جاتا ہے ان میں خواہ کوئی کتنا ہیر پھیر یا تاویل کرے بات بنتی نہیں۔

''ثم اماتہ فاقبرہ'' (عبس: ۲۱) ''ان اللہ یبعث من فی القبور'' (الحج: ۷) ''وما انت بمسمع من فی القبور'' (فاطر: ۲۲) ''حتی زرتم المقابر'' (التکاثر: ۲) ''فلا تقم علی قبرہ'' (توبہ: ۸۴) ''واذاالقبور بعثرت'' (انفطار: ۹)

نوٹ: ان تمام آیات میں قبر سے مراد ظاہری قبر ہی ہے۔ نہ کہ عالم برزخ کا کوئی مقام۔

سیدنا حضرت عثمان ﷛ کیسوں سے کھودی ہوئی قبر کو قبر سمجھتے تھے۔ ”عن عثمان ﷛ انہ وقف علی قبرہ بکی حتی یبل لحیتہ فقیل لہ تذکر الجنۃ والنار فلا تبکی وتبکی من ھذا وقال ان رسول اللہ ﷺ قال ان القبر اول منزل من منازل الاخر فان نجا منہ فما بعدہ ایسر منہ وان لم ینج منہ فما بعدہ اشد منہ قال قال رسول اللہ ﷺ ما رأیت منظرا قط الا والقبر افظع منہ“ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عثمان ﷛ سے روایت ہے۔ (آپ کا حال یہ تھا) جب وہ کسی قبر کے پاس کھڑے ہوتے تو بہت روتے۔ یہاں تک کہ آنسوؤں سے ان کی داڑھی تر ہو جاتی۔ ان سے پوچھا گیا (یہ کیا بات ہے) کہ جنت و دوزخ کو یاد کرتے ہیں تو نہیں روتے اور قبر کی وجہ سے اس قدر روتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے۔ قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے۔ بس اگر بندہ اس سے نجات پا گیا۔ تو آگے کی منزلیں اس سے زیادہ آسان ہو گئیں۔ اگر قبر کی منزل سے بندہ نجات نہ پاسکا۔ اس کے بعد کی منزلیں اس سے زیادہ سخت اور کٹھن ہیں۔ نیز رسول اللہ ﷺ یہ بھی فرماتے تھے۔ کہ نہیں دیکھا میں نے کوئی منظر مگر یہ کہ قبر کا منظر اس سے زیادہ خوفناک اور شدید ہے۔

تشریح: جس کسی قبر سے میرا گزر ہوتا ہے۔ تو قبر کے بارے میں حضور ﷺ کے ارشادات مجھے یاد آجاتے ہیں۔ فکر و غم میں مبتلا کر کے مجھے رولاتے ہیں۔ (معارف الحدیث ج ا ص ۱۹۸)

عذاب قبر کہاں ہوتا ہے

”عن جابر ﷛ قال خرجنا مع رسول اللہ ﷺ الی سعد ابن معاذ حین توفی فلما صلّی رسول اللہ ﷺ ووضع فی قبرہ وسوی علیہ سبح رسول اللہ ﷺ فسبحنا طویلا ثم کبر فکبرنا فقیل یا رسول اللہ ﷺ لم سبحت ثم کبرت فقال لقد تضایق علیٰ ھذا العبد الصالح قبرہ حتی فرجہ اللہ“ ترجمہ: حضرت جابر ﷛ سے روایت ہے کہ جب (مشہور انصاری صحابی ﷛) سعد بن معاذ ﷛ کی وفات ہوئی۔ تو ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کے جنازے پر گئے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ ان کو قبر میں اتار کر قبر برابر کر دی گئی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے سبحان اللہ، سبحان اللہ کہا۔ (آپ ﷺ کو دیکھ کر آپ ﷺ کی اتباع میں) ہم بھی سبحان اللہ، سبحان اللہ کہتے رہے۔ پھر آپ ﷺ نے اللہ اکبر، اللہ اکبر کہنا شروع کیا۔ (ہم بھی آپ ﷺ کی اتباع میں) اللہ اکبر، اللہ اکبر کہنے لگے۔ پھر آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا۔ یا رسول اللہ ﷺ اس وقت آپ ﷺ کی تسبیح اور تکبیر کا کیا خاص سبب تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ کے اس نیک بندے پر اس کی قبر تنگ ہو گئی تھی۔ (جس سے اس کو تکلیف تھی) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے تنگی کی اس تکلیف کو دور فرما کر کشادگی پیدا فرما دی اور اس کی تکلیف دور کر دی۔

تشریح: سعد بن معاذ ﷛ انصاری رسول اللہ ﷺ کے مشہور و ممتاز اصحاب کرام ﷡ میں سے تھے۔ غزوہ بدر کی شرکت کی فضیلت اور سعادت بھی انہیں حاصل تھی۔ ۵ھ میں ان کا وصال ہوا اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ ستر ہزار فرشتوں نے ان کے جنازہ میں شرکت کی اور آسمان کے دروازے ان کے لیے کھولے گئے۔ باوجود اس کے قبر کی تنگی کی تکلیف سے بھی ان کو واسطہ پڑا۔ اگرچہ فوراً ہی اٹھالی گئی۔ (معارف الحدیث ج ا ص ۲۰۰)

تر شاخ بھی اسی قبر ڈالی تھی

"عن ابن عباس ﷛ قال مر النبی ﷺ بقبرین فقال انھما لیعذبان و ما یعذبان فی کبیر اما احدھما فکان لا یستبرء (فی روایۃ لا یستنزہ) من لابول و اما الاخر فکان یمشی بالنمیۃ ثم اخذ جریدۃ رطبۃ فشقھا بنصفین ثم غرز فی کل قبر قالوا یا رسول اللہ لم صنعت ھذا فقال لعلہ ان یخفف عنھما ما لم ییبسا" ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر دو قبروں پر ہوا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا، کہ دو آدمی ان کی قبروں میں مدفون ہیں۔ ان پر عذاب ہو رہا ہے اور کسی ایسے گناہ کی وجہ سے یہ عذاب نہیں ہو رہا ہے۔ جس کا معاملہ بہت مشکل ہوتا بھی جس سے بچنا بہت دشوار ہوتا۔ بلکہ دونوں ایسے ایسے گناہ کی پاداش میں عذاب دیئے جا رہے ہیں۔ جس سے بچنا کچھ زیادہ مشکل نہ تھا۔ ان میں سے ایک کا گناہ تو یہ تھا۔ کہ وہ پیشاب کی گندگی سے بچاؤ کی یا پاک صاف رہنے کی کوشش اور فکر نہیں کرتا تھا اور دوسرے کا گناہ یہ تھا۔ کہ وہ چغلیاں لگاتا پھرا کرتا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے کھجور کی ایک تر شاخ لی اور اس کو بیچ سے چیر کر دو ٹکڑے کیا۔ پھر ایک ایک قبر پر ہر ایک ایک ٹکڑا گاڑھ دیا۔ صحابہ کرام ﷡ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ نے کس مقصد سے کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ امید ہے کہ جس وقت تک شاخ کے ٹکڑے بالکل خشک نہ ہو جائیں ان دونوں کے عذاب میں تخفیف کردی جائے۔ (رواہ البخاری والمسلم)

تشریح: حدیث نے دونوں صاحبوں کے عذاب کا سبب دو چیزوں کو بتایا۔ ایک پیشاب وغیرہ کی نجاست سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کی پوری کوشش اور فکر کی جائے۔ جسم اور کپڑوں کے پاک صاف رکھنے کا اہتمام کیا جائے۔ دوسرا چغل خوری جیسی منافقانہ ومفسدانہ عادت سے بچا جائے۔ ورنہ دونوں باتوں میں کوتاہی اور بے احتیاطی کا خمیازہ قبر میں بھگتنا ہوگا۔ (معارف الحدیث ج ۳)

فائدہ: اگر عذاب اس قبر یعنی مدفن میں نہیں ہوتا بلکہ علیین میں ہوتا ہے تو آنحضرت ﷺ کا تر شاخ کا قبر رکھنا فعل عبث ہے۔

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی کی زبان مسلک دیوبند کی ترجمانی

عذاب قبر تواتر سے ثابت ہوا ہے اور بغیر حیات کے ثواب نہیں ہو سکتا۔ اس لیے حیات قبری ہر انسان کے لیے اس قدر یقینی ومتواتر احادیث سے ثابت ہے کہ جس سے عذاب وثواب کا ادراک ہو جاتا ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں۔

انکار شعور و ادراک اموات اگر کفر نہ باشد در الحاد بودن او شبہ نیست

(فتاوی عزیزی ج ا ص ۹۳)

مردوں کے شعور وادراک کا انکار اگر کفر نہیں ہے تو ملحد ہونے میں شبہ نہیں ہے۔ نیز مفتی صاحب لکھتے ہیں

عذاب قبر سے عذاب برزخ مراد لینا عذاب قبر کا انکار ہے گا۔ (تسکین الصدور ص ۲۳۱، ۲۳۲)

مولانا افغانی صاحب و مولانا بنوری صاحب کا ارشاد

عذاب قبر ہمارے اور ہمارے مشائخ کے نزدیک قبر میں ثواب وعقاب کا تعلق روح اور جسم دونوں کے ساتھ رہتا ہے۔ جسم سے جسم عنصری مراد ہے۔ نہ کہ جسم مثالی جو کہ حقیقی جسم نہیں ہے۔ بلکہ عالم مثال کے آئینہ میں جسم کا عکس ہے۔ "کما صرح بہ المجدد الالف الثانی" اور جیسا کہ کتب فقہ وعقائد میں مذکور ہے کہ "ان المیت اذا مات یکون فی نعیم او عذاب وان ذالک یحصل لروحہ وبدنہ" (کتاب الروح)

ترجمہ: جب آدمی فوت ہو جاتا ہے۔ نعیم یا عذاب میں ہوتا ہے یہ نعمت وعذاب روح اور بدن دونوں کے لیے ہوتا ہے۔ یہی اکابر دیوبند کا مسلک ہے۔ کاتب الحروف، عبدالکریم عفی عنہ بحکم سیدی افغانی مدظلہ۔

دستخط: مولانا شمس الحق افغانی، مولانا محمد یوسف بنوری، احمد الرحمن غفرلہ، ولی حسن عفا اللہ عنہ

قاضی ثناء اللہ کا ارشاد

"یصح ان یعرض علی الانسان المجموع المرکب من الجسد والروح مقعد من الجنۃ والنار یحس الذۃ والالم ویسمع سلام الزائر" ترجمہ: جنت اور نار والی جگہ جسم اور روح ہر دونوں کے مجموعے پر قبر میں پیش کی جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے مردہ کو راحت وعذاب کا احساس ہوتا ہے۔ منکر نکیر کا جواب دیتا ہے۔ زیارت کرنے والے کے سلام کو سنتا ہے۔

سراج السالکین میاں مسعود احمد کا ارشاد

ہمارے اکابرین کا وہی عقیدہ ہے۔ جو المہند علی المفند میں تحریر کیا گیا ہے۔ اس عقیدہ کے خلاف جو لوگ ہیں۔ وہ علمائے دیوبند سے دور کا واسطہ بھی نہیں رکھتے۔ ہم اپنے اکابرین کے عقائد پر پابند ہیں۔ جو دستخط کیے گئے ہیں۔ یہ ان لوگوں کی اپنی جعل سازی ہے۔ بندہ نہ اس جماعت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور نہ ان کے اجلاس میں شریک ہوا ہوں جھوٹ اور بہتان عظیم باندھا ہے۔

مسعود احمد دین پوری

فخر اماثل مفسر قرآن مولانا عبدالعزیز صاحب رکن سابق مرکزی مبلغ اشاعت التوحید والسنہ

جمعیت اشاعت التوحید نے اپنی عالمی کانفرنس ملتان میں امت رسول سے علیحدگی کا ایک اعلامیہ شائع کیا۔ جس میں میرا نام بھی دے دیا۔ مذہبی عوام کو مغالطہ دیا۔ میں نے اپنا مسلک اپنی کتاب دعوت الانصاف میں واضح کر دیا ہے۔ تشدد گروپ کو فریب کاری، مغالطہ نوازی اور کافر سازی کی تکلیف سے اللہ تعالیٰ شفا نصیب فرماوے۔

عبدہ عبدالعزیز شجاع آبادی بانی اقامۃ التوحید والسنہ

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَآءُ أَحْيَآءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (الحديث)

کتاب القاضی الیٰ القاضی

بجواب

القول الجلی

مؤلف:

حضرت مولانا قاضی عبداللطیف شجاع آبادی رحمۃ اللہ علیہ

کتاب القاضی الی القاضی

بجواب ! القول الجلی

قاضی محمد شمس الدین

مؤلفہ

مولانا قاضی عبد اللطیف صاحب شجاع آبادی

سابق مبلغ مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفصیلی فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(حرفے چند)

مولانا قاضی عبداللطیف شجاع آبادیؒ

پیدائش: اکتوبر ۱۹۱۹ء ...... وفات: ۲۵؍جنوری ۲۰۰۴ء

آپ حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ کے چچازاد بھائی تھے۔ مخزن العلوم عیدگاہ خانپور سے دورۂ حدیث شریف کیا۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے شعبہ تبلیغ کے تحت گوجرانوالہ میں خدمات سرانجام دیں۔ شاہی جامع مسجد شجاع آباد میں خطیب رہے۔ اشاعۃ التوحید کے رہنماء حضرت مولانا قاضی شمس الدینؒ نے اپنے رسالہ ''القول الجلی'' میں مولانا قاضی عبداللطیف کو مخاطب بنایا۔ قاضی عبداللطیف صاحب نے اس کا جواب ''کتاب القاضی الی القاضی بجواب القول الجلی'' کے نام سے تحریر کیا۔ اس مجموعہ میں اس کو شامل کیا جارہا ہے۔ (ناشر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس کتاب میں حضرت قاضی شمس الدین صاحب گوجرانوالوی کا رسالہ ''القول الجلی'' پر تنقیدی تبصرہ کر کے واضح کیا گیا ہے۔ کہ مسئلہ حیات النبی ﷺ میں علماء دیو بند کے مخالفین کس طرح دلائل سے خالی ہیں۔

پیش لفظ

''حامداو مصلیاو مسلما''

گزشتہ سال مجلس تحفظ ختم نبوت کی طرف سے میں حلقہ گوجرانوالہ میں متعین تھا۔ تبلیغی اجتماعات کے دوران بعض مقامات پر حیات النبی ﷺ کا مسئلہ ضمنی طور پر سوال میں آیا۔ میں نے اپنے اکابر حضرات علماء دیو بند کے مسلک کو بیان کیا اور ایسے مسائل میں باہمی طور پر الجھنے سے بچنے کی تلقین کی۔ میرا مقصد ہرگز کسی شخصیت یا دعوے کی تردید نہ تھی، بلکہ اپنے مسلک کو صرف مبلغاً بیان کرنا تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب میری تردید میں ایک پورا رسالہ لکھ ڈالیں گے۔ پہلے قاضی صاحب کئی مقامات پر میرے خیالات کی زبانی تردید کرتے رہے، میں پھر بھی خاموش رہا کہ وہ بڑے ہیں۔ میں چھوٹا، اس پر بھی بس نہیں، پھر قاضی صاحب نے ''القول الجلی'' کے نام سے ایک مستقل رسالہ میری تردید میں شائع کر دیا۔ اگر موضوع سخن صرف میری طرف رہتا تو کوئی بات نہ تھی۔ انہوں نے میرے تمام اکابر کو بھی اس میں اس طرح لے لیا کہ دیکھنے والے حیران رہ گئے۔ طالب علمانہ نوک جھوک میں آپ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ﷫ بانی دارالعلوم دیو بند پر بھی نہایت مکروہ طریقے سے برسے۔ ان وجوہات سے میں یہ چند سطور آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں کہ میرے اور قاضی صاحب کے اس اختلاف کی حقیقت سب کے سامنے آجائے۔ میں قاضی صاحب کے اس رسالہ سے مستفید بھی ہوا ہوں۔ میرے علمی معلومات میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ میں نے پہلے حافظ ابن حجر ﷫ قرطبی کا نام بھی نہ سنا تھا۔ عسقلانی یا ہیثمی کا نام تو جانتا تھا۔ لیکن اس نئے قرطبی بزرگ کا پتہ (القول الجلی ص ۲۹) سے ہی چلا۔ اس شکریہ کے ساتھ عرض کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ اس رسالہ کے اکثر مضامین مقفے، جذباتی کلمے اور دعوے کے شاخسانے ہیں۔ اس میں اگر کوئی چیز نہیں تو وہ اصل مسئلے کا بیان ہے۔ اس کے علاوہ سب کچھ ہے اس رسالے کے عوامی اثرات کیا ہیں اس کے بارے میں میں کچھ نہیں کہہ سکتا، اس کا غالباً قاضی صاحب کو بھی علم نہیں ہوگا۔ میں اس کے متعلق جو کچھ سمجھ سکا ہوں آپ کے سامنے آرہا ہے۔ امید ہے کہ اب قاضی صاحب میری تردید سے باز آجائیں گے۔

ناچیز، (قاضی) عبداللطیف شجاع آبادی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم" اما بعد!

جب بعض مفاد پرست مولویوں اور زراندوز پیروں نے اصلی حنفیت پر تاویلات فاسدہ کے پردے ڈال رکھے تھے عقائد حقہ اہل السنت والجماعت کو ذاتی اغراض اور رسوم شرکیہ سے آلودہ کیا جارہا تھا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اکابر دیوبند سے یہ خدمت لی کہ انہوں نے عقائد حقہ اہل السنت والجماعت کو شرک وبدعت کی آلائش سے بالکل محفوظ رکھا اور حنفی مسلک کی تائید وتعیین میں علم وتحقیق کے سمندر بہادیے۔ تاویل والحاد کے ہر چور دروازے کو بند کر کے اسلام کو اس کی اصلی صورت میں پیش کیا۔ حق سبحانہ وتعالیٰ نے اکابر دیوبند کی مساعی مشکور فرمائیں اور دارالعلوم دیوبند اور اس کی تمام علمی شاخیں ساری دنیا پر ضیا پاشیاں کرنے لگیں۔ بزرگان دیوبند نے جہاں اصول وفروع میں تشریح وتحقیق کا ایک عظیم ذخیرہ فراہم فرمایا۔ وہاں اپنے مسلک وخیالات کے اظہار کے لیے اپنے عقائد ایک مختصر کتاب (المہند علی المفند) میں جمع ومرتب فرما کر اپنے تمام متوسلین اور معتقدین کے لیے ایک مشعل ہدایت روشن کردی۔ اسی مسلک کو سلف صالحین کا سرمایہ تحقیق اور عقائد اہلسنت کی صحیح تعبیر قرار دیا۔ جمیع اکابر دیوبند اور اساتذہ دیوبند کے علاوہ عرب وعجم، شام ومصر اور حجاز وغیرہ کے علماء اہل سنت والجماعت کی اس پر تصدیقات لی گئیں۔ اس طرح مسلک دیوبندیت ایک واضح اعتقاد ایک معین راہ عمل ہو کر سامنے آگیا اور ہر مخالف کی بہتان تراشی اپنا منہ چھپا کر رہ گئی۔

حضرات دیوبند کے تلامذہ ومتوسلین پاک وہند کے سب علاقوں میں عملاً واعتقاداً اپنے اکابر کے نقش قدم پر رہے۔ طریق کار میں اختلاف کی راہیں بھی انہیں اپنی مرکزیت سے جدا نہ کرسکیں۔ اساتذہ کرام کا تحقیقات اور فتاویٰ کے باب میں بھی اگر کہیں خفیف سا اختلاف ہوا تو اس سے "عقائد دیوبند کی یہ تاریخی دستاویز" ہرگز محل نزاع نہ بن سکی، اور سب اکابر واصاغر "المہند علی المفند" کو دائرہ دیوبندیت کا مرکز قرار دیتے رہے۔

بعض علاقوں سے دو چار ایسے بزرگ اٹھے جو حضرات دیوبند سے سلسلہ عقیدت ظاہر کرنے کے باوجود بعض مسائل میں اختلاف کی راہ چلنے لگے، اہل بدعت کی جارحانہ روش اور حاسدانہ تپش نے ان حضرات کو رد شرک وبدعت میں کافی متشدد بنادیا۔ یہ حضرات مبتدعین کی جارحیت سے یہاں تک متاثر ہوئے۔ کہ اکابر دیوبند کے مسلک کو بھی بھول گئے اور مقابلانہ انداز میں یہاں تک بڑھتے چلے گئے کہ اپنا ایک مستقل مکتب فکر بنالیا اور مبلغانہ جوش بیان میں اکابر کی علمی اور تحقیقی قدروں کی بھی پرواہ نہ کی۔ بعض حضرات تو اپنے آپ کو زیادہ اہل حق سمجھتے ہوئے اکابر دیوبند پر بھی مداہنت کا الزام لگانے لگے۔ اس مکتب فکر نے پھر ایک دھڑے کی شکل اختیار کرلی، اور ان میں اور علمائے دیوبند میں کچھ کلامی مسائل تو پہلے سے ہی اختلافی تھے۔ اب یہ چند اور مسائل ممتاز طور پر مابہ النزاع بن گئے۔ مثلاً:

۱...... مسئلہ وسیلہ، آیا صرف توسل بالصفات ہی جائز ہے یا توسل بالذوات اور توسل بالاموات بھی ہوسکتا ہے۔

۲...... مسئلہ حیات النبی ﷺ آیا انبیاء کرام کو اپنی قبور شریفہ میں جسمانی حیات حاصل ہے یا نہیں۔ وغیرہا من المسائل۔

اس دھڑے کے حامی کار عقائد وفروعات کی اکثر تعبیرات میں حنفی المسلک ہیں اور ماحول سازی میں اپنے آپ کو اکابر دیوبند کا ارادت کیش ظاہر کرتے ہیں۔ یہ لوگ کبھی کھل کر علماء دیوبند کے مقابلہ میں نہ آئے تھے اور نہ کبھی

انہوں نے اکابر دیوبند کے خلاف سٹیج لگایا تھا۔ اس لیے ان چند اختلافی مسائل کے باوجود جو صرف مجالس خاصہ تک محدود اور صرف ذہنی طور پر معروف تھے ان میں اور دیوبندی حضرات میں باہمی تعاون واشتراک رہا۔ ہر دو جانب ایک دوسرے سے ذہنی طور پر مختلف بھی جاتی تھیں اور مشترک اجتماعات میں ایک دوسرے کے خیالات اور رجحانات کا احترام برابر ملحوظ رکھا جاتا رہا۔ علاوہ ازیں اس دھڑے کی پوری حقیقت اور ذہنیت اس وقت تک بے نقاب نہ ہوئی تھی۔

برسرِ سٹیج اختلاف کا پہلا اظہار

جب یہ اتفاق واتحاد پامال ہونے لگا تو یوں پہل ہوئی کہ مولانا غلام اللہ خان صاحب نے ایک مشہور دیوبندی عالم دین مولانا بہاؤالحق صاحب قاسمی کو اپنے جلسہ میں خود بلا کر خود تقریر میں کھڑا کر کے پھر خود ہی مولانا قاسمی کو برسرِ سٹیج تقریر کرنے سے روک دیا۔ عام پبلک کے سامنے اپنے نظریاتی اختلاف ظاہر کرنے کی طرف یہ پہلا یہ قدم تھا۔

باہمی اختلاف کا دوسرا اظہار

کچھ عرصہ بعد مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری نے خیر المدارس ملتان کے ایک رات کے اجلاس میں مسئلہ حیات النبی ﷺ کو آماجگاہ بنالیا۔ شاہ صاحب کو چاہیے تھا کہ وہ خیر المدارس اور اس کے کارکن حضرات کے خیالات کا احترام رکھتے اور کوئی ایسا موضوع نہ چھیڑتے جو ان میں اور علمائے دیوبند میں اختلافی نہ تھا، کیونکہ انہوں نے اس مشترک سٹیج کا کوئی لحاظ نہ کیا۔ پھر کیا تھا اختلاف کی ایسی آندھی چلی کہ الامان والحفیظ۔

اس سلگتے ہوئے ماحول میں علمائے مسلک دیوبند نے عافیت اسی میں سمجھی کہ معاملے کو طول نہ دیا جائے اور مسئلے کے اثبات وابطال میں عوام کو نہ الجھایا جائے۔ انہوں نے اسی کو سلامتی کے قریب جانا، کہ یہ اعلان کر دیا جائے کہ شاہ صاحب اوران کے ہم خیال اس مسئلہ حیات النبی ﷺ میں اکابر دیوبند کے مسلک پر نہیں ہیں اور روضہ شریفہ میں حضور کی حیات جسمانی کا انکار دیوبندیت نہیں ہے۔

اس میں یہ بات نہ تھی کہ دلائل کس مسلک کی تائید کرتے ہیں اور کس کی نہیں، کتاب سنت کے مآخذ سے کیا ثابت ہوتا ہے اور کیا نہیں مطلب صرف یہ تھا کہ عوام کے سامنے یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ اس مسئلہ میں شاہ صاحب نے جو کچھ کہا ہے وہ اکابر دیوبند کی تحقیقات کے خلاف ہے۔

اگر شاہ صاحب کے اپنے مذہب کو کتاب وسنت کی تائید حاصل بھی ہوتی تو بھی اس حقیقت کی تردید نہیں کہ اکابر دیوبند حضور ﷺ کی روضہ طاہرہ میں حیات جسمانی کے قائل ہیں اور اگر شاہ کا مسلک کتاب وسنت کے خلاف بھی ہے تو بھی یہ اس سے انکار نہیں کہ اکابر دیوبند حضور ﷺ کے روضہ منورہ میں حیات عنصری کے قائل ہیں۔

اگر یہ بات اسی پر محدود رہتی تو یہ اختلاف پہلے دن ہی ختم ہو جاتا۔ لیکن افسوس کہ موضوع کو الجھایا گیا، حالانکہ اکابر دیوبند کا مسلک اس دھڑے کے زعم میں خواہ کتاب وسنت سے تائید یافتہ ہو یا نہ ہو، اس باب میں بالکل بے غبار تھا کہ اکابر دیوبند آنحضرت ﷺ کی روضہ منورہ میں حیات جسمانی کے قائل ہیں۔

اگر شاہ صاحب اوران کے دھڑے کے لوگ اس حقیقت کا اعتراف کر لیتے کہ واقعی وہ اس مسلک میں اکابر دیوبند کے مسلک کے خلاف ہیں تو بات ہرگز آگے نہ بڑھتی، اہل علم میں اختلافات ہوتے چلے آئے ہیں۔ کوئی

ان سے یہ حق تحقیق کو ہرگز سلب نہ کرسکتا تھا۔ لیکن یہ تقاضائے انصاف یہ ضروری تھا کہ وہ اپنی ان تحقیقات کو بیان کرتے وقت یہ اظہار کردیتے کہ یہ ان کی اپنی تحقیق ہے، اکابر دیو بند کا یہ مسلک نہیں۔

خیر المدارس کے سالانہ جلسہ میں شاہ صاحب کی تقریر کے جواب میں جو کچھ کہا گیا تھا وہ یہی تھا، کہ حیات النبی ﷺ کے مسئلہ میں شاہ صاحب نے جو کچھ کہا ہے وہ اکابر دیو بند کا مسلک نہیں۔

ان اختلافات سے دلچسپی رکھنے والے ہر چھوٹے بڑے پر یہ حقیقت واضح ہے کہ آج تک کسی صاحب کو یہ ہمت نہیں ہوئی کہ اس دعوے کی تردید کا دم بھرے۔ ہاں دھڑے بندی کی خاطر اس حقیقت واقعہ کا اعتراف نہ کیا گیا اور بحث یہ چھیڑ دی گئی کہ یہ مسلک کتاب وسنت سے کہاں تک ثابت ہوتا ہے۔ اس طرح معاملے کو بگاڑا گیا اور مسئلے کو الجھایا گیا۔

پھر ان حضرات کی طرف سے برابر یہ کہا جاتا رہا کہ ہم دیو بندی ہیں۔ ہماری کوئی علیحدہ جماعت نہیں۔ ہم اس مسئلہ حیات النبی ﷺ میں بھی دیو بندی ہی ہیں۔

علمائے مسلک دیو بند نے نفس مسئلہ اور اس کے اثبات وابطال کو نہ موضوع بنایا اور نہ ہی یہ اس کا کوئی موقعہ تھا۔ ہاں جماعت دیو بند کی غلط نمائندگی سے چونکہ خود مسلک دیو بند بدنام اور مشتبہ ہو رہا تھا، اس لیے پارٹی ڈسپلن کے ماتحت صرف یہی حقیقت واضح کردی کہ اس دھڑے کے یہ مسائل اکابر دیو بند کی تحقیقات کے خلاف ہیں۔ میں نے بھی اگر کہیں یہ مسئلہ بیان کیا تو صرف اسی حد تک، لیکن افسوس کہ میری تردید میں حال ہی میں ایک رسالہ ''القول الجلی فی حیات النبی ﷺ'' کے نام سے مولانا قاضی شمس الدین نے شائع کرایا ہے۔ آپ نے اس میں اسلام کی کیا خدمت کی ہے۔ یہ غالباً قاضی صاحب نے خود بھی نہیں سوچا ہوگا۔ عام تاثر تو یہی ہے کہ اس میں علمائے دیو بند کے اس موقف کو پامال کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو انہوں نے تقریباً نصف صدی سے اہل بدعت کے خلاف اختیار کر رکھا تھا۔ اہل بدعت علمائے دیو بند پر طرح طرح کے بہتان باندھتے جو عقیدے ان کے نہیں۔ وہ ان کے ذمہ لگاتے اور ان کی عبارات کو غلط معانی کا جامہ پہناتے۔ اس پر علمائے دیو بند اپنے عقائد کی تاریخی دستاویز ''المہند علی المفند'' پیش کر کے ان کے دجل وفریب کو تار تار کر دیتے اور ان سے کوئی جواب باصواب بن نہ پڑتا۔ اب القول الجلی نے ان کے ہاتھ میں ایک ہتھیار دے دیا کہ المہند پر خود بعض دیو بندی کہلانے والوں کو بھی اعتماد نہیں اور ان کے نزدیک بھی یہ دستاویز صحیح نہیں بلکہ جعلی ہے۔ اس دھڑے کے بعض ذمہ دار لوگوں سے تو یہاں تک سنا گیا ہے کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری رحمہ اللہ نے (معاذ اللہ) المہند میں اپنی طرف سے ہی سب دستخط بنا کر اسے شائع کر دیا ہوا ہے۔ القول الجلی کی اس علمی خدمت نے اہل بدعت کے ہاتھ جس طرح مضبوط کئے ہیں۔ اس کا ایک ہی جواب ہمارے پاس ہے کہ یہ مذکورہ موقف ''دھڑے'' کا ہے۔ جماعت دیو بند کا نہیں۔ ہم حضرت محدث سہارنپوری اور دوسرے اکابر دیو بند کی نہ دیانت پر شبہ کرتے ہیں اور نہ ان کی امانت کو شبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ جن حضرات اکابر کے اس پر دستخط ہیں وہ اس کی اشاعت کے بھی کافی عرصہ بعد زندہ رہے اور کسی نے اس پر نکیر نہیں کی، بلکہ سب اسے اپنی مرکزی دستاویز عقائد ہی قرار دیتے رہے۔

ممکن ہے بعض اہل حدیث حضرات اس سے خوش ہوں۔ کہ قاضی صاحب نے (القول الجلی ص ۳۶) پر ہدایہ کی بعض کمزوریوں کا اقرار کر کے ان کی بھی تائید کی ہے۔ لیکن جب وہ اس حقیقت پر مطلع ہوں گے کہ اس میں پرویزیت کے لیے کافی مواد ہے تو ان کو بھی اس پر افسوس ہی کرنا پڑے گا۔

اس رسالہ کے اکثر مندرجات جہاں علمائے دیوبند سے اختلاف رکھتے ہیں۔ وہاں یہ خوشی ہے کہ اس میں قاضی صاحب نے بعض ایسی تصریحات بھی فرمائی ہیں۔ جن سے مولانا غلام اللہ خان صاحب اور مولانا عنایت اللہ صاحب کے بیانات اور خیالات کی بھی کافی حد تک تردید ہوگئی ہے۔

مولانا غلام اللہ خان کی تردید قاضی صاحب کے قلم سے

مولانا غلام اللہ خان کی سرپرستی میں ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی سے شائع ہوتا ہے۔ اس میں قرآن کی تعلیم کتنی ہوتی ہے اور ادھر ادھر کی باتیں کتنی ہوتی ہیں۔ اس سے ہمیں بحث نہیں۔ اس رسالہ میں موضوع روایات (من کثرت روایات) کے عنوان کے تحت لکھا گیا ہے: "ابوداؤد نے اوس بن اوس سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ بہتر دنوں سے بہتر جمعہ کا دن ہے، اس میں مجھ پر زیادہ درود بھیجا کرو، اس لیے کہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، آپ پر ہمارا درود کیسے پیش کیا جائے گا حالانکہ آپ کے جسم کے اجزاء منتشر ہوگئے ہوں گے۔ فرمایا، کہتے ہیں اجزاء منتشر ہوگئے ہوں گے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کا جسم حرام کردیا ہے۔

راقم کہتا ہے کہ اس روایت کا ایک راوی عبدالرحمن بن یزید بن جابر ہے اور ابن حجر نے اس کے متعلق لکھا کہ امام بخاری نے اسے کمزور راویوں میں شمار کیا ہے۔ متروک ہے کثرت سے منکر روایتیں بیان کرتا ہے۔"

(تعلیم القرآن راولپنڈی، ماہ فروری ۱۹۵۸ء ص ۱۸ کالم ۱)

مولانا قاضی شمس الدین صاحب القول الجلی کے ٹائیٹل پر اسی حدیث کو جبین کتاب بنایا ہے، جسے ماہنامہ تعلیم القرآن نے موضوع روایات کے تحت درج کیا ہے۔ علاوہ ازیں قاضی صاحب نے (ص ۵۸ سطر ۱۷) پر اس حدیث صحیح کو صاف تسلیم کیا ہے۔ قاضی صاحب کی اس کتاب سے یہ تو فائدہ کہ راولپنڈی کے مذکورہ ماحول کی غلط روی واضح ہوگئی۔ "فجزاہ اللہ احسن الجزاء"

ہاں قاضی صاحب نے اس حدیث کے جو معنی کئے ہیں، وہ آج تک کسی شارح حدیث کو نہیں سوجھے۔ یہ محض قاضی صاحب کے اپنے اجتہادات یا وساوس ہیں۔ جن کی تردید کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب کی تردید قاضی شمس الدین صاحب کے قلم سے

شاہ صاحب کافی مدت سے یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم دیوبندی ہیں۔ ہماری کوئی علیحدہ جماعت نہیں قاضی صاحب اپنے اس دھڑے کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ہم تو آج تک ان حضرات کے بھی خدام رہے ہیں، جو ہی مورد طعن اور ہدف سہام بنا رہے ہیں۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ یا کسی اور بزرگ پر اگر کسی مبتدع نے طعن کیا تو ہماری جماعت اپنی بساط کے مطابق مدافعت کرتی رہی۔" (القول الجلی ص ۵۴ سطر ۱۳، ۱۴)

دیکھئے قاضی صاحب اکس صفائی سے تسلیم کر رہے ہیں کہ ان کے چند ساتھیوں کا دھڑا ایک علیحدہ مستقل جماعت ہے اور یہ احسان خود دیوبندیوں کے مقابلہ میں ہی گنوائے جا رہے ہیں۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کی دیوبندیوں کے علاوہ ایک جماعت ہے۔

ہوا ہے مدعی کا فیصلہ میرے حق میں زلیخا نے کیا خود چاک دامن ماہ کنعان کا

اگر شاہ صاحب پہلے دن ہی اپنی دھڑے کو دیوبندیوں سے ایک علیحدہ جماعت تسلیم کر لیتے تو کون کہہ سکتا ہے کہ یہ جھگڑا کچھ بھی آگے بڑھتا جو بات اب قاضی صاحب نے تسلیم کی ہے شاہ صاحب اس کا تنا عرصہ انکار کرتے رہے اور معاملے کو یوں ہی طول دیتے رہے۔ اب معلوم ہوا ہے کہ شاہ صاحب نے بھی اپنے ہم خیالوں کا ایک علیحدہ جماعت ہونا تسلیم کر لیا ہے۔ (تعلیم القرآن راولپنڈی ماہ دسمبر ص ۶۷ سطر ۷)

قاضی صاحب کا اقرار کرنا کہ ان کی جماعت اس مسئلہ میں علمائے دیوبند کے خلاف ہے

اس قضیہ اختلاف کے طول پکڑنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ شاہ صاحب اس حقیقت کا اعتراف کرنے سے گریز کرتے رہے ہیں کہ ان کی جماعت اس مسئلہ میں علمائے دیوبند کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے قاضی صاحب کو کہ انہوں نے اس کا صاف صاف لفظوں میں اقرار کر کے شاہ صاحب کی مدتوں کی کوشش پر پانی پھیر دیا ہے۔ قاضی صاحب فرماتے ہیں: ''ہم نے ایک جزئیہ میں اختلاف کیا تو آپ نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔'' (القول الجلی ص ۹۰ سطر ۱۵)

حضرت! علمائے مسلک دیوبند نے آسمان سر پر اٹھایا ہے یا نہیں۔ یہ تو پھر دیکھا جائے گا۔ آپ نے تو واشگاف الفاظ میں کہ آپ اس مسئلہ میں علمائے دیوبند کے خلاف ہیں۔ اگر پہلے دن ہی یہ اقرار شاہ صاحب سے کرا دیتے تو بات آگے نہ بڑھتی۔ اب اتنے عرصہ بعد اس اعتراف حقیقت میں آپ نے کیا فائدہ دیکھا۔

مولانا عنایت اللہ صاحب کی تردید میں قاضی صاحب کی دوسری صراحت

شاہ صاحب یہ بھی کہتے رہے ہیں کہ قبر کی حیات عنصری کی نفی میں ہمارا موقف قطعی اور کتاب وسنت کی نصوص صریحہ پر مبنی ہے۔ ہمارے دلائل قطعی الثبوت بھی ہیں اور ان کی دلالت بھی اپنے اس مفہوم پر قطعی ہے۔ ہمارا موقف کوئی اجتہادی مسئلہ نہیں۔ (اگر اب شاہ صاحب یہ کہہ دیں کہ انہوں نے کبھی اپنے اس عقیدہ کو قطعی اور یقینی نہیں کہا تو پھر ہم اسے ''دروغ برگردن راوی'' پر محمول کریں گے)

اب قاضی صاحب شاہ صاحب کی یوں تردید فرماتے ہیں۔ ''اس مسئلہ میں حضرت نانوتوی مرحوم سے ہمارا اختلاف ایسا ہی ہے۔ جیسا صاحبین کا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے۔'' (القول الجلی ص ۴۵ سطر ۱۷)

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موت شریفہ کو ''انقباض الروح فی القلب'' کے معنی میں لیتے ہیں۔ ان کے نزدیک ''اِبانۃ الروح عن الجسد'' ایک لمحے کے لیے بھی واقع نہیں ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریفہ صرف ساترِ حیات تھی کہ آثار حیات ظاہر نہ رہے تھے اور یہ اس لیے تھا کہ کفن ودفن کے بعد پردہ قبر فرما سکیں۔

قاضی صاحب اس موقف سے اختلاف تو کر رہے ہیں لیکن اسے اسی طرح کا اختلاف قرار دے رہے ہیں۔ جیسا کہ حضرت امام صاحب اور صاحبین میں تھا اور ظاہر ہے کہ ان بزرگوں کا اختلاف، اجتہادات میں ہی تھا، مسائل قطعیہ میں ہرگز نہ تھا، کسی ایک جانب کو اختیار کر کے دوسری جانب کو بھی احتمال ثواب سے خالی نہ سمجھا جاتا تھا۔

اب سوال یہ ہے کہ موت کے معنوں میں اگر تنوع کا احتمال لغۃً یا شرعاً کسی صورت میں بھی نہ تھا، تو موت کے مذکورہ بالا معنی کرنا آیت کریمہ ''انک میت وانھم میتون'' (الزمر: ۳۰) اور ارشاد صدیقی رضی اللہ عنہ ''ان محمدا قد

مات'' کے قطعی طور پر خلاف کیوں نہ ہوا اور اگر یہ معنی کرنا قرآن وحدیث کا قطعی طور پر انکار ہے تو پھر اس موقف کو اجتہادی قرار دینا اور اسی طرح کا اختلاف کہنا جو حضرت امام صاحب اور صاحبین میں تھا، یہ کس طرح درست ہوا۔

کیا قاضی صاحب ایک بھی ایسی مثال پیش کر سکتے ہیں کہ حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہ میں اجتہادیات اور اخبار احاد کے علاوہ بھی قرآنی قطعیات میں بھی اختلاف ہوا ہو، اور ان نصوص قرآنیہ میں کسی دوسرے معنی کی لغۃً یا شرعاً کوئی گنجائش اور احتمال بھی نہ ہو؟ امام صاحب اور دوسرے آئمہ فقہ واجتہاد میں جہاں اختلاف نہیں وہاں مذھبنا صواب ویحتمل الخطاء بھی ملحوظ خاطر رہتا ہے۔

اختلاف کی نوعیت کو اجتہادی بتانا اور پھر دھڑے کی خاطر آسمان سر پر اٹھا لینا جانب مخالف کو اس طرح سمجھنا گویا کہ قطعی طور پر قرآن کی تحریف کر رہے ہیں۔ ضروریات دینی کا انکار ہو رہا ہے اور وہ آیات جو کفار کے حق میں نازل ہوئیں۔ علمائے مسلک دیو بند پر چسپاں کرتے چلے جانا۔ اس پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔ تعصب اور تحزب کا یہ پیرایہ اور غیظ وغضب کا یہ مظاہرہ کم از کم ہماری سمجھ سے تو بالا ہے۔ اختلاف تو ہوتے ہی رہتے ہیں۔ لیکن اوچھے انداز اختیار کرنا ہرگز شایان اہل علم نہیں۔

قرآن پاک کی وہ آیات شریف جو کفار کے حق میں تھیں اور قاضی صاحب نے جوش غضب میں انہیں علمائے مسلک دیو بند پر چسپاں کر دیا

۱...... ''بل تؤثرون الحیوۃ الدنیا والاخرۃ خیر وابقی'' (سورۃ اعلیٰ:۱۶،۱۷) ترجمہ: تم دنیا کے جینے کو بڑھا رہے ہو اور آخرت بہتر ہے اور باقی رہنے والا گھر ہے۔ (القول الجلی ص ۲۹ سطر ۷۔)

یعنی تم یہاں کے عیش وآرام کو اعتقاداً وعملاً آخرت پر ترجیح دے رہے ہو، اس مرض کے حقیقی مریض کفار تھے۔ قاضی صاحب نے یہ آیت اس عاجز پر چسپاں کر دی ہے۔ اسی طرح یہ آیت دیکھئے۔

۲...... ''وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا'' (القول الجلی ص ۳۶ سطر ۱۰)

القصہ کفار ومشرکین پر صادق آنے والی آیات کو علمائے دیو بند کے پیروں بلکہ خود ان پر پڑھتے چلے جانا کوئی امر مستحسن نہیں، ہمیں اس سے پرہیز کرنا چاہیے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ''شرار الحق'' کی صفت یہ بیان فرماتے ہیں: ''انطلقوا الی آیات نزلت فی الکفار فجعلوھا علی المؤمنین'' (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۲۴)

وہ ان آیات کو جو کفار کے حق میں نازل ہوئیں مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں۔

''اشر منھم من یجعل آیات فی اشرار الیھود علی العلماء الامۃ المعصومہ'' (مجمع البحار: ص ۲۴۲)

ان میں سے سب سے برے وہ لوگ ہیں جو یہودیوں کے حق میں اتری ہوئی آیات علمائے امت پر چسپاں کرتے ہیں۔

قاضی صاحب کی واعظانہ پھبتیاں اور طالب علمانہ چٹکلے

۱...... چار آدمی نماز پڑھ رہے تھے اتنے میں مؤذن آیا۔ ایک بولا، دوسرے نے کہا، تیسرے نے کہا، چوتھے نے کہا، چاروں نے نماز توڑ دی۔ (ص ۱۳)

(ماشاء اللہ کیا علمی باتیں ہیں)

۲ ...... سبحان اللہ! نحو ہو تو ایسی ہو۔ جس نے خلیل بن احمد...اور مرد کی کمر توڑ دی۔ ایک نحو میر اور ہدایۃ النحو پڑھا ہوا طالب علم بھی جانتا ہے۔ (ص ۴۷)

یہ اس استدلال کا جواب دیا جا رہا ہے جو اصل میں حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم رحمہ اللہ نے پیش کیا تھا۔

۳ ...... اگر ان سے یہ پوچھا جائے کہ ہند کے انصراف اور عدم انصراف میں نحاۃ کے کتنے مذہب ہیں تو یہ نہ بتا سکیں گے۔ اگر پوچھا جائے، اضراب کی تصغیر اضیرب منصرف ہے یا غیر منصرف، منصرف ہے تو کیوں اور غیر منصرف ہے تو کیوں۔ (ص ۶۴)

دیکھئے مسئلہ حیات النبی ﷺ کی خوب تحقیق ہو رہی ہے۔

۴ ...... ایک شخص اپنے سسرال چلا...انہوں نے پلاؤ، کورے اور زردے سے تواضع کی۔ (ص ۹۵)

ماشاء اللہ ابطال حیات عنصری کے لیے خوب مثال ہے۔

۵ ...... ملا دو پیازے نے کہا۔ اعوذ باللہ من البان والگان (کوچبان، گاڑیبان، شاہزادگان، صاحبزادگان) اور میں نے اس کے ساتھ ''ومن لیاڈرو وعاظ ہذا الزیان'' کا ایک فقرہ اضافہ کر دیا۔ (ص ۹۶)

قاضی صاحب! آپ کے کیا کہنے آپ نے تو ملا دو پیازہ کو بھی مات کر دیا اور اس کی رہی سہی کسر پوری کر دی۔

حضرت مولانا عنایت اللہ صاحب کی تردید میں قاضی صاحب کی تیسری صراحت

شاہ صاحب یہ بھی کہتے رہے ہیں کہ: ''آنحضرت ﷺ کی روح مبارک صرف اعلیٰ علیین میں ہے اور اسے آپ ﷺ کے جسد قبری سے کوئی تعلق نہیں آپ کا جسد محض بے حس وشعور پڑا ہے۔'' قاضی صاحب اس کی تردید اس انداز میں کرتے ہیں۔

''یہاں حافظ ابن قیم کی ایک عبارت بھی ہدیہ ناظرین ہے۔ جو حقیقت پر روشنی ڈالتی ہے۔ زاد المعاد ج ۲ ص ۴۹ میں تحریر فرماتے ہیں: ''فالانبیاء انما استقرت ارواحھم ھناک بعد مفارقۃ الابدان وروح رسول اللہ ﷺ صعدت الی ھناک فی حال الحیوۃ ثم عادت وبعد وفاتہ استقرت فی الرفیق الاعلیٰ مع ارواح الانبیاء ومعھذا فلھا اشراف علی البدن واشراق تعلق بہ بحیث یرد السلام علی من سلم علیہ وبھذا التعلق رای موسیٰ قائما یصلی فی قبرہ، وقبرہ مقام بدنہ'' (القول الجلی ص ۸۲)

(ترجمہ) از قاضی صاحب، حافظ ابن قیم یہ فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے ارواح طیبہ بعد مفارقۃ الابدان رفیق اعلیٰ میں اور آنحضرت ﷺ کی روح طیبہ بھی بعد الوفات بدن سے مفارقت کر کے دوسرے انبیاء کی ارواح طیبہ کے ساتھ رفیق اعلیٰ میں جا ٹھہری (اور اس کے باوجود اس روح کا بدن پر پرتو پڑ رہا ہے اور انعکاس ہو رہا ہے اور روح کا بدن سے ایسا تعلق قائم ہے کہ آپ پر سلام کرنے والے کے سلام کا جواب دیتے ہیں اور اسی روح و بدن کے تعلق سے حضور ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا) اور بدن مبارک ضریح (قبر) میں ہے۔

(نوٹ) ترجمہ ہذا میں خطوط وحدانی کے اندر جو عبارت ہے وہ بھی حافظ ابن قیم کی ہی عبارت کا ترجمہ ہے۔ یہاں اسے بریکٹ میں اس لیے دیا گیا ہے کہ قاضی صاحب نے ترجمہ کرتے ہوئے اتنے حصے کو بالکل چھوڑ دیا

ہے۔ کیونکہ اس سے مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب کے اس عقیدہ کی صریح تردید ہوتی ہے۔ ''روح پاک کا روضہ منورہ میں پڑے جسم سے کوئی تعلق نہیں وہ محض بے حس وشعور ہے۔''

عربی عبارت پیش کر کے پھر اس لیے کہ عوام الناس پر اصل حقیقت نہ کھل جائے۔ ترجمہ میں کتر بیونت کرنا اور حق چھپانا کسی کے نزدیک بھی لائق تحسین نہیں۔ دھڑے کی حمایت میں قاضی صاحب سے ایسی حرکت کا صدور نہایت قابل افسوس ہے۔ یا وہ ترجمہ کرتے ہی نہ، اہل علم کو اس کی ضرورت نہ تھی اور اگر عوام الناس کے لیے کیا ہی تھا۔ تو پھر وہ بات نہ چھپاتے جو شاہ صاحب کے عقیدے کی بنیاد منہدم کر رہی ہے۔ ترجمے کو اس طرح شکار کرنے پر بریلوی واعظین بھی سر دھنتے ہوں گے۔

نشان راہ منزل دیا اے حکیم تو نے مجھے کیا گلہ ہو تجھ سے تو نہ راہ نشین نہ راہی

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کا مسلک بیان کرنے میں قاضی صاحب کی توجیہ قول القائل لما لا یرضی بہ قائلہ!

قاضی صاحب نے اپنے رسالہ القول الجلی (جس کا اشہر وصف یہ ہے کہ اسم کی مسمی سے کوئی مناسبت نہیں، نہ قاضی صاحب کا موقف اپنے مفہوم میں جلی ہے اور نہ اس میں مقصود حیات النبی ﷺ کا اثبات ہے) کے پہلے صفحہ پر حضرت مولانا محمد قاسم نونوتوی رحمہ اللہ کا موقف اس طرح پیش کیا ہے کہ یہ ان کا اصل عقیدہ نہیں تھا۔ بلکہ ایک وقتی ضرورت (تردید شیعہ دربارہ عدم وراثت انبیاء) کے پیش نظر آپ کی برق طبع کا نتیجہ تھا۔ گویا کہ یہ طریق بحث صرف شیعہ کی بات کاٹنے کے لیے الزاما تھا۔ تحقیقاً نہ تھا (اصل عبارت کے لیے دیکھئے القول الجلی ص ۱)

معلوم ہوتا ہے کہ قاضی صاحب نے کبھی آب حیات کو دیکھنے کی تکلیف ہی گوارا نہیں فرمائی اور اگر انہوں نے آب حیات دیکھی ہے تو پھر جان بوجھ کر قلب موضوع فرما رہے ہیں۔ ایسے بزرگوں سے ایسی جسارت نہایت افسوسناک ہے۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ حج کے موقعہ پر اپنے پیر ومرشد حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی سے مکہ معظمہ میں ملے اور آب حیات کا مسودہ پیش کیا۔ اس کے متعلق آب حیات کے شروع میں لکھتے ہیں۔

''اس ہدیہ مختصرہ کو قبول فرما کی صلہ وانعام میں دعائیں دیں، علاوہ بریں صحیح وجدانی وتحسین زبانی سے اس ہیچمدان کی اطمینان فرمائی۔ انہی کم مائگی اور ہیچمدانی کے سبب جو تحریر مذکور کی صحت میں تردد تھا رفع ہو گیا۔ پھر کوئی سمجھے تو اور متعجب ہو، قاسم نادان کی تحقیق اور تنقیح اور ایسی مستحسن اور صحیح'' (آب حیات ص ۴)

اس عبارت کے ہوتے ہوئے کوئی طالب علم یہ جسارت نہ کر سکتا تھا، کہ آب حیات محض ایک الزامی تحریر تھی اور اس کا مضمون محض ایک مناظرانہ جواب تھا۔ حضرت حاجی صاحب کون سے شہرہ آفاق مناظر تھے۔ جو ان سے صحیح لی جا رہی تھی۔ حق یہ ہے کہ جو کچھ آپ نے آب حیات میں لکھا وہی آپ کی تحقیق اور وہی آپ کا عقیدہ تھا۔ آپ اسے ہی حق اور صواب سمجھتے تھے۔ اور حضرت نانوتوی رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں۔

''اصل مضامین کی حقیقت تو اپنے نزدیک محقق ہو گئی، یوں کوئی منکر نہ مانے تو وہ جانے، منکروں کا کام یہی ہے۔'' (آب حیات ص ۵، مطبوعہ مجتبائی)

حضرت مولانا قاضی صاحب نے اسے محض مناظرانہ انداز جواب قرار دینے میں جس طرح حقیقت کا منہ چڑایا ہے، ہم اس پر کچھ کہنے کی بجائے ان کے تقویٰ و دیانت پر اعتماد کرنا سلامتی کے زیادہ قریب سمجھتے ہیں اور ان کی اس کی کارگردگی کو اس پر محمول کرتے ہیں کہ انہوں نے شاید اصل کتاب آب حیات دیکھی ہی نہ ہوگی۔

ایک مقام پر حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ ''بغرض اطمینان وتصدیق مولانا ومخدومنا رونق طریقت، زیب شریعت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سلمہ اللہ تعالیٰ وادام فیوضہ کی خدمت میں عرض کی۔''

(آب حیات ص ۲۰۶ سطر ۲۰، ۲۱)

اگر قاضی صاحب نے واقعی کتاب آب حیات دیکھی ہے، اور پھر دھڑے کی خاطر یہ قلب موضوع فرمایا ہے تو اس دھڑے بندی پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔

قاضی صاحب کی عوام الناس کو مرعوب کرنے کی کوشش

قاضی صاحب نے عوامی سطح پر یہ تاثرات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ انہوں نے نہایت بلند پایہ اور علمی تحقیقات سپرد قلم فرمائی ہیں اس مقصد کے لیے اپنے رسالہ (القول الجلی کے ص ۲) سے لے کر ص ۸ تک پورے چھ صفحوں میں حدیث وفقہ اور اصول ومنطق کی جتنی اصطلاحات آپ کو یاد تھیں یا تلاش کتب سے مل سکیں، آپ نے یکجا جمع فرمادی ہیں۔ ایک آدھ صفحہ آگے چل کر پھر علم بیان کی جتنی اصطلاحات آپ کو میسر آئیں سب کے نام لکھ ڈالے ہیں۔ اہل علم پر اگر اس طالب علمانہ شوق کا کوئی اثر نہیں تو کوئی حرج نہیں، عوام الناس تو ضرور سمجھ رہے ہوں گے کہ یہ جو مشکل الفاظ قاضی صاحب نے لکھے ہیں۔ یہ سب حیات جسمانی کے ابطال میں دلائل ہی دلائل ہوں گے۔

تکرار کلام سے تکثیر دلائل کا ابہام

تفردات مجتہدین شمار فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''اتمام الصلوۃ فی المنی از امیر عثمان۔ اتمام الصلوۃ فی السفر السفر از عائشۃ۔ عدم اشتراط وطی زوج ثانی'' در تحلیل از ابن المسیب جواز مزامیر وملاہی از ابن حزم.... (ص ۴)

پھر ص ۵ پر ان تمام کا تکرار فرماتے ہیں۔ پھر ص ۶ سطر ۱۱، ۱۲ میں ان تمام جزئیات کو شمار فرمارہے ہیں۔ پھر ص ۷ سطر ۱، ۲ میں ان تمام کا تکرار ہورہا ہے۔

اگر اس بھرمار سے کتاب کا حجم بڑھانا مقصود ہے تو پھر ہمیں اعتراض نہیں۔ لیکن اگر عوام کو مرعوب کرنا پیش نظر ہے تو پھر یہ اقدام افسوسناک ہے کہ مسئلہ زیر بحث پر تو کوئی دلیل نہ ہو اور جو مسائل اس وقت محل نزاع نہیں ان کے تذکرہ سے اپنے آپ کو خوش کرلیا جائے۔

جن حضرات اکابر کے یہ تفردات ہیں۔ انہوں نے اپنے مسلک کلی کے تعین میں ان مسائل کو کبھی مابہ الامتیاز قرار نہیں دیا اور نہ کبھی ان مسائل کی بنیاد پر انہوں نے اپنے فرقے اور اپنے مسلک کلی کی نشاندہی کی ہے۔ اس لیے ان مسائل میں ان کی پیروی نہ کرنے والے ان کے مسلک کلی سے خارج نہ ہوئے بخلاف عقیدہ حیات النبی ﷺ کے کہ اسے علمائے دیوبند ان اہم امور میں بیان کرتے رہے ہیں جو دیوبندی مسلک کی تعیین اور دیوبندی دائرہ اعتقاد کی نشان دہی کرتے ہیں۔ حیات

النبی ﷺ فی القبر کے عنصری اور جسمانی ہونے کو علمائے دیوبند نے محض ایک اتفاقی تحقیق یا ضمنی استنباط قرار نہیں دیا بلکہ ان مسائل میں شمار کیا ہے۔ جن کی بناء پر ان کی جماعت دوسرے فرقوں سے امتیاز پاتی ہے۔ (دیکھئے حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ الشہاب الثاقب) اسے تفردات مذکورہ پر قیاس کرنا قاضی صاحب جیسے بزرگوں کا ہی کام ہے۔

ہاں اگر قاضی صاحب کیفیت موت بمعنی انقباض الروح فی الجسد کو تفردات مذکورہ پر قیاس کرتے اور دوسروں کو اختلاف کرنے کا حق دیتے تو یہ چنداں قابل اعتراض نہ تھا۔ اس لیے کہ خود مابعد کے اکابر دیوبند نے کیفیت موت کے اس معنی کو اپنے مسلک کا مابہ الامتیاز نشان نہیں کہا اور نہ اسے ضروری طور پر اپنا جماعتی عقیدہ قرار دیا ہے۔ بلکہ اسی بات کو کافی جانا ہے کہ انجام کار قبر شریف کی حیات جسمانی کا اقرار ہو جائے۔ جو منشاء ترتب آثار و احکام ہو سکے۔ اب جب کہ روضہ منورہ کی اس حیات عنصری کو مابعد کے جمیع اکابر دیوبند اپنا جماعتی عقیدہ قرار دیتے ہیں اور اسے ان مسائل میں شمار کرتے ہیں۔ جن سے دیوبندی مسلک کی نشان دہی ہوتی ہو۔ تو پھر اسے ان تفردات مذکورہ پر کیسے قیاس کیا جا سکتا ہے۔ اصل بات جو مابہ النزاع ہے وہ حیات النبی ﷺ کی موجودہ حقیقت ہے۔ وفات النبی ﷺ کی سابقہ کیفیت نہیں۔ اس لیے کہ وہ جو کچھ بھی ہوا ایک وقتی معاملہ تھا کہ طریان موت کس طرح ہوا اور کس طرح نہیں تعجب ہے کہ قاضی صاحب اس گزری ہوئی کیفیت اور اس ضمنی اور وقتی مسئلے کا اصل اور حیات کی موجودہ حقیقت کو اس کے تابع قرار دے رہے ہیں۔

''جب حضرت مرحوم کے اصلی موقف کو چھوڑ دینے میں سب شریک ہیں تو آگے چل کر جھگڑنے میں کیا فائدہ؟'' (القول الجلی ص ۱۲ سطر ۱۶)

کیا قاضی صاحب کو یہ معلوم نہیں کہ مابعد کے علمائے دیوبند نے طریان موت کی اس کیفیت کو اپنے جماعتی مسلک کا امتیازی شان کہا ہے۔ یا روضہ شریفہ کی حیات جسمانی کو دیوبندی مسلک کی نشان دہی کے لیے پیش کیا ہے۔ تفردات پر اجماعیات کو قیاس کرنا ہماری سمجھ میں تو نہیں آتا۔ پھر جب کہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ خود فرما چکے ہوں۔

''ہم بھی رسول اللہ ﷺ کی حیات کے لیے ایسے یقین کے خواستگار نہیں۔۔ فقط اس قدر کافی ہے کہ منشاء ترتب آثار و احکام ہو سکے۔'' (آب حیات ص ۳۲)

پس اگر کوئی کیفیت بمعنی ابانۃ الروح عن الجسد بھی مان لے اور پھر حضور ﷺ کے لیے روضہ شریفہ کی ایسی حیات جسمانی کا قائل ہو، کہ اس پر صلوۃ و سلام بھی پیش ہوتا ہے اور جو قریب سے عرض کرے اسے آپ خود بھی سنتے ہیں تو پھر اس کا عقیدہ قابل اعتراض نہیں اور نہ وہ حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کلی سے خارج ہوتا ہے اگر یہ بات محض سٹیج کی زینت بننے والے اور جھوم جھوم کر مر گئے مر گئے کی رٹ لگانے والے مقرر اور واعظ کہتے تو چنداں حیرانگی کی بات نہ تھی، اس لیے کہ ''ذالک مبلغھم من العلم'' (النجم: ۳۰) تعجب تو یہ ہے کہ قاضی صاحب جیسے صاحب علم محض ایک کیفیت کو اصل قرار دے رہے ہیں اور تنوع موت کا ثبوت لغۃ دستیاب نہ آنے پر جوش غضب کی انتہا فرما رہے ہیں۔

نرالے دلائل

مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب کے متعلق سنا گیا کہ آپ نے کہا تھا کہ: ''اگر رسول اللہ ﷺ اپنی قبر میں جسمانی طور پر زندہ ہیں، تو کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کو ایک گڑھے میں بند کر رکھا ہوا تھا۔ ایسا تو کسی دشمن سے بھی نہیں کیا جاتا۔''

اس پر یہ اعتراض ہوا کہ قبر کی حیات جسمانی کا موضوع تو درکنار یہاں گڑھے کا اطلاق بھی درست نہیں۔ اس لیے کہ لسان شریعت میں کسی ادنیٰ مؤمن کی قبر پر بھی درست نہیں۔ حفرہ (گڑھے) کا اطلاق نہیں کیا گیا۔ بلکہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: "انما القبر روضہ من ریاض الجنۃ و حفرۃ من حفر النار" (رواہ الترمذی)

دیکھیے! کتنے واضح الفاظ میں حضور کریم ﷺ گڑھے کا لفظ جہنمیوں کی قبر کے لیے استعمال فرمارہے ہیں۔ پھر اس میں تو شک کی گنجائش قطعاً نہ تھی کہ گڑھے کا لفظ جب روضہ کے مقابلہ میں آئے تو یہ قبور کفار کے لیے خاص ہوتا ہے، کون نہیں جانتا کہ ساری دنیا حضور نبی کریم ﷺ کی قبر شریف روضہ اور روضہ منورہ سے یاد کرتی ہے۔ خود حدیث میں بھی اس پر روضہ کا اطلاق موجود ہے۔ اب ان سب حقائق کے باجود اس پر گڑھے کا اطلاق کرنا کیا روضہ کے مقابلہ میں گڑھے کا اطلاق نہیں، اور کیا گڑھے کا ایسا اطلاق قبور کفار سے مختص نہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ شاہ صاحب اس اعتراض کے جواب میں یہ کہتے رہے ہیں کہ "میں نے ایسا ہرگز نہیں کہا تھا۔ میری تقریر کی یہ کسی نے غلط رپورٹ پہنچائی ہے۔ میں نے تو یہ کہا تھا کہ کوئی اپنے دشمن سے بھی یہ سلوک نہیں کیا کرتا کہ اسے زندہ کسی گڑھے میں بند کئے رکھے۔ چہ جائے کہ صحابہ کرام ﷡ سے توقع کی جائے کہ انہوں نے حضور ﷺ کو قبر میں بند کر رکھا ہوا ہے۔"

اگر شاہ صاحب نے اپنے خطابی انداز میں یہ ملحوظ نہیں رکھا کہ علمائے دیوبند روضہ شریفہ کی حیات جسمانی ماننے کے ساتھ اختلاف دارین کے بھی قائل ہیں۔ کہ آپ نے یقیناً اس عالم دنیا سے اس عالم برزخ میں انتقال فرمایا۔ ہاں وہاں کی حیات کو اگر حیات دنیاوی کہہ دیا جاتا ہے تو وہ روح کا تعلق بالبدن کی بناء پر ہے، نہ یہ کہ آپ اسی دنیا میں موجود ہیں، رہا انتقال من الدار الی الدار کے باوجود اسے دنیاوی کہا تو ایسے اطلاق کے لیے تو ادنیٰ ملابست کافی ہے۔

یہ اختلاف دارین ابانۃ الروح عن الجسد کے ساتھ ہوا اور پھر قبر شریف میں روح لوٹائی گئی یا منعکس ہوئی اور یا یہ انتقال انقباض الروح فی القلب کی صورت میں ہوا اور پھر قبر شریف میں روح پھیلادی گئی۔ اس یقین سے چارہ نہیں کہ اس دنیا میں آپ کے جسد اطہر سے آثار حیات سلب کر لیے گئے اور یہ صحابہ کے لیے کافی حجت تھی کہ وہ آپ کو پردہ قبر میں اتادیں۔ اس کے بعد جس حیات عنصری اور تعلق روح بالبدن کا اقرار کیا جارہا ہے۔ وہ بہر صورت عالم برزخ میں ہی ہے اور اس کے پردہ قبر میں آنا ضروری تھا۔ صحابہ پر یہ اعتراض قطعاً نہیں ہوسکتا کہ انہوں نے آپ کو قبر میں کیوں بند کر رکھا ہوا تھا۔ اس لیے کہ اختلاف دارین اور "انتقال من الدار الی الدار" اجماعیات میں سے ہے اور اس سے کسی کو انکار نہیں۔

خیر شاہ صاحب کا یہ کہنا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کی قبر پر گڑھے کا اطلاق بالکل نہیں کیا۔ یہ رپورٹ غلط ہے، میں نے تو اس کی تمثیل بیان کرنے کے لیے گڑھے کا اطلاق کیا تھا۔ اگرچہ پھر بھی محل اعتراض ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس جواب سے اصل اعتراض اٹھ جاتا ہے اور اس سے بہتر کوئی جواب نہیں کہ یہ رپورٹ خلاف واقعہ ہے۔

لیکن تعجب ہے کہ قاضی صاحب نے بایں ہمہ ادّعائے علم یہ ثابت کرنے کے لیے کہ مؤمنین کی قبروں پر بھی حفرہ کا لفظ بولا جاسکتا ہے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کر دیئے ہیں۔ (دیکھئے القول الجلی ص ۹)

بات کی حقیقت

دفن کرنے کے لیے پہلے زمین میں گڑھا کھودا جاتا ہے۔ پھر اس کے ایک طرف لحد بناتے ہیں۔ میت کبھی پہلے گڑھے میں رکھ کر پھر لحد میں رکھی جاتی ہے اور کبھی اسے پہلے ہی براہ راست لحد میں اتارتے ہیں۔ اس کے بعد

اسے ڈھانپ دیتے ہیں، اب اس کا نام قبر ہو جاتا ہے۔ گڑھا اسے اس وقت تک کہا جا سکتا تھا، جب تک یہ گڑھا ہی تھا اور اسے میت اتارنے کے بعد ڈھانپ نہیں دیا گیا تھا۔ لیکن جب میت مدفون ہو کر ڈھانپی جا چکی تو اب اس کا نام قبر ہے گڑھا نہیں، ہاں جہنمیوں کی قبور کے لیے اس کے بعد گڑھے کا اطلاق لسان شریعت میں ملتا ہے۔ پس مقبور (ڈھانپا ہوا) ہو چکنے کے بعد حفرہ (گڑھے) کا اطلاق کسی مؤمن کی قبر کے لیے درست نہیں۔

قاضی صاحب کے نرالے دلائل

قاضی صاحب کو ایسی نظائر پیش کرنا چاہیے تھیں جن میں کسی مؤمن کی قبر پر لفظ حفرہ اطلاق کیا گیا ہو، لیکن افسوس کہ قاضی صاحب سوال گندم جواب چینا کا مظاہرہ کر دیا۔ فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری حضرت سیدنا امام بخاری کی قبر پر حفرہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ ''لما صلّی علیه و وضع فی حفرته فاح من تراب قبره رائحة طیبة'' جب امام بخاری رحمہ اللہ پر نماز جنازہ پڑھ لی گئی اور آپ کو گڑھے میں اتارا گیا تو جس مٹی سے آپ کی قبر بنی تھی اس سے بہت عمدہ خوشبو آنے لگی۔[1]

[1] سبحان اللہ! خاصہ مؤمنین کی قبور محض ذخیرہ اجسام نہیں۔ بلکہ ان کے روح کے اثرات ایک نہایت لطیف انداز میں ان کے اجسام بلکہ ان اجسام کے متعلق ہونے والی مٹی پر بھی اپنا اثر دکھلا رہے ہوتے ہیں۔ یہ خوشبو محض روحانی نہ تھی۔ بلکہ اس عالم دنیا کے لیے بھی حسی اور جسمانی تھی۔ تبھی تو حاضرین اسے محسوس کر رہے تھے۔

حضرت محدث سہارنپوری کا کسی لفظ کو استعمال فرمانا لسان شریعت کہلا سکتا ہے یا نہیں۔ ہم اس بحث میں نہیں جانا چاہتے۔ اپنے ناظرین کو صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ حضرت محدث سہارنپوری رحمہ اللہ نے اس حفرہ (گڑھا) صرف اسی وجہ سے کہا ہے جب کہ وہ گڑھا ہی تھا، اس میں میت رکھی جا رہی تھی اور اس وقت تک اس نے ڈھانپا جا کر قبر کی صورت نہیں پائی تھی۔ جب اسے ڈھانپ دیا گیا تو اب اس کا نام قبر ہے، حفرہ ہرگز نہیں۔ اسی طرح (سنن ابن ماجہ ص ۱۳) میں، حفر حفرتہ یا ص ۱۱ میں نزل فی حفرتہ کے اطلاقات صرف گڑھے کے لیے ہی ہوئے ہیں۔ قبر ہو چکنے کے بعد کسی مؤمن کی قبر پر حفرہ کا اطلاق نہیں کیا جاتا۔ تعجب پر تعجب ہے کہ ایک طرف خود زبان نبوت پر لفظ (گڑھے) کا اطلاق جہنمیوں کی قبور کے لیے ثابت ہے پر اس کی پرواہ نہیں نہ اسے لسان شریعت سمجھا جا رہا ہے اور دوسری طرف کچھ بزرگوں کے اطلاقات میں اپنی طرف سے معنی ڈال کر (حالانکہ نہ ان کی یہ مراد ہے اور نہ انہوں نے ان عبارات میں اسے محکوم بہ بنایا ہے) اس کے خدا اور اس کے رسول کا فرمان نہ ہوتے ہوئے بھی اسے لسان شریعت قرار دیا جا رہا ہے۔ ''فو اسفا علی و التخرب و کسوف الشمس و اتیان القوم علی خلاف ما کانوا علیه بالامس''

الحصحصہ برفع الوسوسہ

علمائے دیوبند آں حضرت ﷺ کی عالم برزخ کی زندگی کو جو دنیاوی زندگی کہتے ہیں۔ تو اس کا مطلب یہی ہے کہ عالم دنیا میں آپ کا جو جسد اطہر تھا اب اس عالم برزخ میں اسی جسد اطہر سے روح کا تعلق قائم ہو چکا ہے اور اس تعلق کے اعتبار سے آپ اسی طرح زندہ ہیں جیسے کہ اس دنیا میں تھے۔

یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ زندگی ہر اعتبار سے اسی دنیا کی زندگی ہے اور اس دنیا کے تمام نوازم تمام کثافتیں، حوادث اور احتیاجات اس زندگی میں بھی پائے جاتے ہیں۔ حاشا وکلا ہم آپ کے لیے ایسی زندگی کے

لیے ہرگز قائل نہیں۔ جو ہر اعتبار سے دنیاوی ہو۔ بلکہ ہمارے عقیدے میں آپ کی حیات طیبہ صاف ان لفظوں میں مندرج ہے: ''ان حیوتہ دنیویۃ برزخیۃ لکونہا فی عالم البرزخ'' وہ حیات عالم اور ظروف کے لحاظ سے برزخی اور تعلق بالبدن العنصری کے لحاظ سے دنیاوی ہے۔ اسے ہر اعتبار سے دنیاوی کہنا اور اس دنیا کی تمام ضروریات اور آلائشیں اس کے لازم کرنا نہ یہ ہمارا عقیدہ ہے اور نہ ہمارے کسی بزرگ نے اس ایسا لکھا ہے جو ہماری طرف جان بوجھ کر اس اعتقاد کو منسوب کرے ہم سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں: ''ان ھذا الا بھتان عظیم''

قاضی صاحب کی غلط فہمی

قاضی صاحب کی تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو ہنوز ہمارے مؤقف کا علم نہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ ہم اختلاف دارین کے بھی قائل نہیں اور حضور ﷺ کو اسی جہان میں زندہ مان رہے ہیں۔ گویا کہ انتقال من الدار الی الدار کا تحقق ہی نہیں ہوا۔ (معاذ اللہ)

قاضی صاحب لکھتے ہیں۔ ''قبر میں نماز پڑھنے سے قبر (عالم برزخ) میں حیات ثابت ہوئی یا دنیا میں۔''
(القول الجلی ص ۸۱)

معلوم ہوتا ہے قاضی صاحب ہنوز اسی غلط فہمی میں ہیں کہ ہم حضور ﷺ کی حیات طیبہ قبر شریف میں نہیں مان رہے اور نہ ہی ہمارا عقیدہ ہے کہ آپ عالم برزخ میں منتقل ہو چکے بلکہ آپ نے اس عالم دنیا سے انتقال ہی نہیں فرمایا (حاشا وکلا یہ عقیدہ ہمارا ہرگز نہیں)

ایک مقام پر قاضی صاحب فرماتے ہیں: ''کبھی یہ لوگ یہ فرماتے ہیں کہ موت فنا کلی کا نام نہیں، بلکہ انتقال من دار الی الدار کا نام ہے۔ مگر اس سے یہ واضح نہیں کیا کہ یہ اپنے لیے دلیل بنا رہے ہیں۔ یا اپنے خلاف۔ اس لیے کہ یہ دلیل بنتی تو ان حیات نبویہ کہنے والوں کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ اس میں ایک تو لفظ انتقال ہے جس کا معنی ہٹ جانا۔ ہے اور دوسرا لفظ من دار الی الدار ہے۔'' (القول الجلی ص ۷۵)

اس سے قاضی صاحب کی وہی غلط فہمی ٹپک رہی ہے۔ انصاف یہ ہے کہ جب تک انسان دوسرے کے مؤقف کو سمجھ نہ لے اور مابہ الاختلاف کی تنقیح نہ کر لے اسے مقابلے میں آنے کا کوئی حق نہیں ہوتا ہاں عادت کرنا اور بات ہے۔

ایک جگہ لکھتے ہیں: ''آپ نے کہ کہہ کر کہ آنحضرت ﷺ کی وہاں حیات برزخی نہیں دنیوی ہے، اس کو جواب کا نفاذ بھی روک دیا۔'' (القول الجلی ص ۱۶)

جناب والا! علمائے دیوبند میں سے یہ کس نے کہا ہے کہ آپ کی وہ حیات طیبہ برزخی نہیں۔ یہ آپ خواہ مخواہ دوسروں کے ذمہ تھوپ رہے ہیں۔ ہم تو صرف ایسی حیات برزخی کا انکار کرتے ہیں جس میں تعلق روح البدن کے لحاظ سے حیات دنیاوی کا کلی انکار ہو۔ اگر حیات برزخی دنیاوی کا مسلک اختیار کیا جائے تو یہی تو علمائے دیوبند کا عقیدہ ہے۔ (دیکھو المہند ص ۱۴)

''لو لا الاعتبارات لبطلت الحکمۃ'' قاضی صاحب ایسی غلط فہمی میں (ص ۵۰) سے لے کر (ص ۵۵) تک مذمت دنیا میں اوراق سیاہ کرتے چلے گئے ہیں۔ فرماتے ہیں: ''انبیاء کی جماعت کو نہ دنیا سے لگاؤ ہے نہ دلچسپی نہ محبت نہ پیار نہ اس کے مزخرفات کی طرح التفات۔''

یہاں سے لے کر آپ (مشکوٰۃ شریف ص ۴۳۱، ۴۴۲، ۴۴۳) تک کی احادیث مذمت دنیا میں نقل کرتے چلے گئے ہیں، حالانکہ یہ بحث ہی نہ تھا۔ نہ ہم بجمیع الوجوہ آپ کی دنیاوی زندگی کے قائل ہیں اور ان میں اختلاف دارین ماننے والوں کے خلاف کوئی حجت موجود ہے۔ غور کیجئے کس طرح ان احادیث کے بیان میں تبدیل مراد، قلب موضوع اور حمل علی غیر محلہ کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔

قاضی صاحب! القول الجلی ص ۳۳ پر یہ کہہ کر علمائے دیوبند کی تردید کر رہے ہیں۔ کہ مرنے کے بعد اس دنیا میں دوبارہ آنے کا عقیدہ روافض کا ہے اور بقول حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ وہ رجعت کے قائل ہیں۔ اہل سنت کا یہ عقیدہ نہیں۔ اس سے قاضی صاحب کی وہی غلط فہمی ظاہر ہو رہی ہے کہ گویا علمائے دیوبند آں حضرت ﷺ کا اس عالم دنیا میں دوبارہ لوٹنا مان رہے ہیں اور آپ کے عالم برزخ میں ہونے کا انکار کر رہے ہیں۔ (معاذ اللہ) جب قاضی صاحب کو اصل موضوع اختلاف کا ہی پتہ نہیں تو معلوم نہیں تو انہوں نے بے محل اتنے اوراق کس غلط فہمی میں سیاہ کر ڈالے ہیں اور پھر نام رکھا ہے "القول الجلی" قاضی صاحب کی اس بے چارگی پر حیرت در حیرت ہوتی ہے۔

ارسطو فارابی اور ابن سینا کی قبر پر لات

قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ اگر حضور ﷺ قبر میں بحیات دنیویہ زندہ ہیں تو آپ پر نماز کیوں فرض نہیں رہی۔ روزے کیوں فرض نہیں رہے، جہاد کیوں فرض نہیں رہا، لوازم منتفی ہیں تو ملزوم یعنی حیات دنیاوی اس کی نفی کیوں نہ ہو۔" (اصل عبارت کے لیے دیکھیے، القول الجلی ص ۱۴)

قاضی صاحب نے دنیا جیسی زندگی کے لیے نماز روزے کو لوازم میں سے قرار دیا ہے۔ یہ ہمارے علم میں ایک نیا اضافہ ہے ہم تو اس زندگی کے لیے نماز، روزے کو "عرض مفارق" سمجھ رہے تھے۔ عرض لازم ہونا ہمیں کسی طرح سمجھ میں نہ آتا تھا۔ اب قاضی صاحب نے اس عقدے کو بھی حل کر دیا ہے۔ اب ہم اپنے لوازم کی نفی کے ساتھ ملزوم کی نفی کے لیے قاضی صاحب کو مجبور کرتے ہیں۔ چونکہ یہ تمہید آپ نے ہی باندھی ہے۔ اس لیے امید ہے کہ وہ اتنے ادعائے علم کی وجہ سے اقرار سے ہرگز گریز نہ فرمائیں گے۔

حائضہ عورت جس پر نماز فرض نہیں وہ ہرگز دنیا میں زندہ نہیں، لازم کی نفی سے ملزوم کی نفی ضروری ہے ورنہ ارسطو کی قبر پر لات ہے۔ شیخ فانی جس پر روزے فرض نہیں وہ بھی ہرگز زندہ نہیں، ورنہ فارابی کی کمر ٹوٹ جائے گی۔ غریب پر حج فرض نہیں، اس لیے ہرگز زندہ تسلیم نہ کیا جائے گا ورنہ ابن سینا کی خیر نہیں۔ "انتفاء لازم واحد کی صورت میں وجود ملزوم کا قول کرنا بداہت عقل کے خلاف ہے۔" (القول الجلی ص ۱۵ ص ۱۶)

قاضی صاحب کی نرالی منطق

قاضی صاحب اپنے رسالہ القول الجلی میں پہلے صفحہ پر ہی صراحت سے لکھتے ہیں کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کا ارشاد حیات النبی ﷺ کے متعلق ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔ بعد ازاں قاضی صاحب حضرت مولانا نانوتوی رحمہ اللہ کی موقف کی تردید میں بزعم خود دلائل کی بھرمار شروع کر دیتے ہیں اور جوش غضب میں کہیں تھمتے ہی نظر نہیں آتے۔ یہ منطق ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ حضرت کا موقف اگر سمجھ میں نہیں آیا تھا تو اس کا مقتضاء توقف اور

سکوت تھا یہ جوش تردید کیسا؟ اور اگر حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے دلائل واقعی غلط اور قابل تردید تھے تو پھر سمجھ میں نہ آنا کیا؟ پھر یہ کہنا چاہیے تھا کہ ہمیں سمجھ میں آ گیا ہے کہ حضرت نے جو کچھ فرمایا ہے غلط ہی غلط ہے۔ (معاذ اللہ)

افسوس ہے قاضی صاحب نے دھڑے کی خاطر بہت سے ایسے امور کا ارتکاب کیا ہے جو ان کی شان اور ان کے مقام کے ہرگز مناسب نہ تھا۔ معقول کے بعد قاضی صاحب کے منقول کو بھی دیکھئے۔

القول الجلی صحت نقل کے معیار پر

حضرت قاضی شمس الدین صاحب نے حضور ﷺ پر صلوٰۃ وسلام عرض ہونے کی احادیث کو مضطرب ثابت کرنے کے لیے جس جوش علم کا اظہار فرمایا ہے وہ القول الجلی ص ۷۷ پر نہایت روشن ہے اس ضمن میں آپ فرماتے ہیں: ''سنن ابن ماجہ میں ہے۔ ''فان صلوتکم معروضة علیَّ وان احدالن یصلی علی الا عرضت علیَّ صلوتہ حتی یفرغ منہا۔'' ان میں نہ کل یوم کا ذکر ہے نہ یوم جمعہ کا۔ (القول الجلی ص ۷۷)

ناظرین عالی مقام! جب میں نے سنن ابن ماجہ کو کھول کر دیکھا تو تو اس کے ص ۱۱۹ پر یہ حدیث مل گئی۔ لیکن یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوا کہ وہاں صریح طور پر یوم جمعہ کا لفظ موجود ہے۔ جسے قاضی صاحب نے نہ صرف چھوڑ دیا ہے بلکہ اس کے نہ ہونے کا دعویٰ فرما دیا ہے۔ اگر کوئی شخص قاضی صاحب کے باقی منقولات کو بھی اسی طرح غلط اور خلاف واقع سمجھنے لگے تو میں اسے کس طرح روک سکوں گا۔

این کار از تو آید ومرداں چنیں کنند

حرف آخر

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں۔ ''حیات متفق علیہ است ہیچ کس را دروے خلافے نیست حیات جسمانی دنیاوی حقیقی نہ حیات معنوی روحانی'' (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۶۱۳)

یعنی انبیاء کرام کی حیات پر تمام امت کا اتفاق ہے۔ کسی کو اس سے اختلاف نہیں۔ اس حیات سے مراد حیات جسمانی دنیاوی حقیقی ہے نہ کہ فقط روحانی معنوی، حضرت قاضی شمس الدین صاحب کی خدمت میں ایک سوال معتبر منقولات کی روشنی میں بیان فرمایئے کہ:

تمام اہل سنت والجماعت حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، سلف صالحین، فقہاء، محدثین ومتکلمین میں سے کیا کوئی ایسی معتبر شخصیت گزری ہے جس کا یہ عقیدہ ہو کہ حضور انور ﷺ کا بدن پاک روضہ منورہ میں ہے تو بالکل محفوظ لیکن اس میں کوئی حس اور شعور نہیں اور روح مبارک کا قبر میں پڑے ہوئے جسم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر پوری سواد اعظم اور ساری امت اہل حق میں سے کسی ایک نامور شخصیت کا بھی یہ عقیدہ نہیں ملتا تو فرمایئے کہ شاہ صاحب کا یہ عقیدہ، کیا واقعی معتزلہ کا مذہب تو نہیں ہے۔ جس کی آپ ایسا عقیدہ رکھنے کے بغیر حمایت کر رہے ہیں۔ ''بینوا وتوجروا''

خادم علمائے مسلک دیوبند
ناچیز عبداللطیف شجاع آبادی
سابق مبلغ ختم نبوت گوجرانوالہ

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَلٰكِنْ لَا تَشْعُرُوْنَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (الحدیث)

"مسالك العلماء"

پر بے لاگ

تبصرہ

تصنیف:

حضرت مولانا علامہ غلام مصطفیٰ بہاولپوری رحمۃ اللہ علیہ

۱

مسالک العلماء پر بے لاگ

تبصرہ

از

مولانا علامہ غلام مصطفےٰ صاحب بہاولپوری

ملنے کا پتہ

ایوب بک ڈپو اردو بازار گوجرانوالہ

قیمت ۲ / ۰ ۰ ۰ ۰ ۰ ۰ ۰ ۰ . علاوہ محصولڈاک

نوٹ :۔ ایک روپیہ سے کم وی پی نہ ہوگی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(حرفے چند)

مولانا غلام مصطفیٰ بہاول پوری رحمہ اللہ

وفات: ۱۳/مارچ ۱۹۹۷ء

آپ بہاول پور جامعہ دارالعلوم مدنیہ کے بانی مہتمم تھے۔ کسی زمانہ میں مجلس تحفظ ختم نبوت کے سکھر، لاہور میں مبلغ رہے۔ اشاعۃ التوحید والسنۃ کے رہنما مولانا قاضی شمس الدین رحمہ اللہ نے ''مسالک العلماء'' نامی حیات النبی ﷺ کے عنوان پر اپنے نقطہ نظر سے کتابچہ لکھا۔ مولانا غلام مصطفیٰ صاحب رحمہ اللہ نے ''مسالک العلماء پر بے لاگ تبصرہ'' لکھا جو اس مجموعہ میں شامل اشاعت ہے۔ (ناشر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''الحمد للہ الذی جعل الصالحین سببا لهدایة الطالحین والصلوٰة والسلام علٰی سید الرسل و خاتم النبیین''

عرصہ سے شنید تھی کہ مسئلہ حیات النبی ﷺ کے موضوع پر مولانا قاضی شمس الدین صاحب ایک کتاب تصنیف فرما رہے ہیں۔ ایک مدت اسی شنید ہی میں گزری۔ پھر یہ خبر اڑی کہ تصنیف مذکور زیر طبع ہے۔ خاصہ وقت اس میں بھی بسر ہوا۔ خیر بڑی انتظار اور بے تابی سے قاضی صاحب کی مایہ ناز تصنیف منظر عام پر آئی۔ ہوسکتا ہے قاضی صاحب کے بعض مخلصین کے نزدیک غزالی اور رازی کی تصانیف بھی ''مسالک العلماء'' کے مقابلہ میں پھیکی اور بے رنگ سی نظر آتی ہوں مگر ان کے دو ایک مخلصین کی رائے جو ہمارے سامنے ہے وہ عرض کئے دیتا ہوں۔

تنظیم اہل حدیث

فرقہ اہل حدیث کے ہفت روزہ جریدہ تنظیم اہل حدیث لاہور ۲۰/اکتوبر ۱۹۶۱ء نے قاضی صاحب کی مایہ ناز کتاب مسالک العلماء پر تبصرہ کرتے ہوئے مندرجہ ذیل الفاظ تحریر فرمائے ہیں۔

''اس لحاظ سے یہ کتاب قابل ستائش ہے کہ ایک دیوبندی عالم نے اپنے حلقہ سے کٹ کر اہل حدیث نقطہ نظر سے اتفاق کیا ہے۔''

تعلیم القرآن

ماہنامہ تعلیم القرآن نومبر ۱۹۶۱ء راولپنڈی میں ایک عرصہ سے کتاب مذکور کا بڑے زور و شور سے اشتہار آتا رہا ہے۔ مگر جب یہ معرکۃ الآراء تصنیف معرض وجود میں آئی تو مدیر محترم کو بھی اپنے تبصرہ میں گاہے گاہے حقیقت کی طرف مجبوراً اشارہ کرنا پڑا۔ شاید مدیر محترم ایسا نہ کرتے کہ ان کی پارٹی کی طرف سے یہ مایہ ناز تصنیف تھی مگر قدرے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ اگر تبصرہ میں حقیقت سے بالکل صرف نظر کیا گیا تو ان کی صحافت پر حرف آئے گا۔ مجبور ہوئے اور بے ساختہ کتاب کے مندرجات بھی ذکر کر دیئے۔'' (۱) کاغذ ردی (۲) مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر بحث نہیں کی (۳) محترم قاضی صاحب کی تحریر میں اردو ادب و انشاء کی خوبیوں کی کمی (۴) ناشرین نے کتاب کی قیمت بہت زیادہ رکھی ہے۔''

مسالک

قاضی صاحب نے مسلک فلاں، مسلک فلاں لکھ کر کتاب میں ایک اچھا خاصا رعب قائم کرنے کی سعی فرمائی ہے۔ چنانچہ اسی دام تزویر میں تعلیم القرآن کے مدیر بھی پھنسے ہیں اور فرماتے ہیں۔'' حضرت صدیق اکبر سے لے کر مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ تک اس مسئلہ کی نوعیت کے مختلف ادوار کا ذکر کیا ہے۔''

ناظرین کو معلوم ہوگا کہ مسلک صدیق اکبر سے مسلک شاہ ولی اللہ تک تقریباً تیرہ عنوانات کے تحت جو کچھ لکھا ہے اس میں اصل مسئلہ سے کوئی بھی سروکار نہیں ہے بلکہ یہ لکھ کر قاضی صاحب نے اپنے تدبر اور فہم کا بھانڈا پھوڑ دیا ہے۔

اصل بات یہ کہ صاحب مقام حیات نے اپنی تصنیف میں رقم فرمایا ہے۔'' یہی وجہ ہے کہ اصولی مسائل کے سوا اکابر ہمیشہ سنت سے استدلال کرتے رہے ہیں۔'' اس جملے کا صاف مطلب یہی ہے کہ فروع دین میں اکابر ہمیشہ سنت رسول ﷺ ہی سے استدلال کرتے رہے ہیں۔ مگر نہ جانے قاضی صاحب کو کیا سوجھی کہ انہوں نے الزام تراشی سے کام لے کر یہ بہتان باندھا کہ صاحب مقام حیات عامۃ الناس کی توجہ قرآن پاک سے ہٹانا چاہتا ہے اور پھر اس پر چند عنوانات کے تحت ضرورت قرآن پر چند حوالجات درج فرما کر اس کتاب کی ضخامت بڑھانے کی سعی فرمائی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ حسب تنقید تعلیم القرآن ہم قاضی صاحب کو اردو ادب میں کمزور (بلکہ صفر) ہونے کی وجہ سے اس بات میں معذور سمجھتے ہیں کہ انہوں نے مقام حیات کی مشار الیہ عبارت سے یہ سمجھ لیا کہ مقام حیات کے مصنف نے قرآن سے لوگوں کی توجہ ہٹانے کی کوشش کی ہے اور یہ الزام ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی شخص قاضی صاحب کی کتاب دیکھنے کے بعد یہ کہے کہ قاضی صاحب بار بار قرآن، قرآن کہہ کہہ کر انکار حدیث کا راستہ صاف کر رہے ہیں۔

چھ ادوار: قاضی صاحب نے اپنی تصنیف میں چھ ادوار کا ایک عنوان قائم کیا ہے اور ان ادوار کے علمائے کرام کی عبارتیں بھی گاہے گاہے نقل کی ہیں جن کا خلاصہ صرف اتنا ہے کہ شہداء کی زندگی برزخی ہے اور وہ اپنے برزخی وجود سے کھاتے، پیتے، چلتے، پھرتے ہیں اور بس۔ کتاب کے اکثر اور بیشتر صفحات اسی مضمون سے بھرے ہوئے ہیں اور ساتھ ہی بغیر کسی دلیل کے اپنا یہ نتیجہ لگاتے چلے جاتے ہیں کہ روح کا بدن عنصری سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

بس قاضی صاحب ہیں کہ کتاب لکھنے کے شوق میں صفحات کے صفحات سیاہ کرتے اور اپنے علمی شاہکار درج فرماتے جاتے ہیں اور اصل مسئلہ پر ذرا بھی توجہ نہیں فرمائی کہ بدن عنصری سے تعلق روح کے انکار پر کوئی شافی اور کافی دلائل نہ سہی صرف ایک ہی دلیل ذکر فرما دیتے تاکہ اپنے نیاز مندوں کی کچھ تو تسلی ہو جاتی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے سامنے قرع نعالہ اور مجلسانہ کی صحیح روایات بھی سامنے تھیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ مردہ دفن کر کے جانے والوں کے پاؤں کی آہٹ سنتا ہے اور قبر میں منکر نکیر مردہ کو بٹھا کر سوال بھی کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ پاؤں کی آہٹ کا سماع اور اس کو بٹھلا کر سوال و جواب تب ہی ہو سکتا ہے جب کہ اس کے جسد عنصری ہی میں حیات کا قول کیا جائے۔

مغالطہ: قاضی صاحب ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:'''' فلا تکن فی مریۃ من لقائہ'' (السجدۃ: ۲۳) میں ضمیر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف نہیں بلکہ قرآن پاک کی طرف راجع ہے۔ افسوس ہے قاضی صاحب نے کتنی جرأت کی ہے کہ ایک جلیل القدر صحابی غالباً حضرت ابن عباس کی تفسیر کو ٹھکرا رہے ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھو ابن کثیر جس میں

صاف ذکر ہے کہ ضمیر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔ قاضی صاحب نے ایک جلیل القدر صحابی کی تفسیر کو نظر انداز صرف اس لیے کیا کہ اس میں جسد عنصری کی حیات ثابت ہوتی تھی۔ کیونکہ روح اور جسد عنصری ہی کو موسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں۔

الزامات: قاضی صاحب نے محدث سہانپوری رحمہ اللہ، مفتی محمد کفایت اللہ رحمہ اللہ وامثالہم پر جو الزامات لگائے ہیں کہ وہ جسد عنصری کی حیات کے قائل نہیں تھے اور دنیا کی سی حیات کے قائل کو مسلک اہلسنت سے خلاف کہتے تھے اس پر بس بے ساختہ الامان، الامان اور الحفیظ، الحفیظ زبان سے جاری ہوتا ہے۔ تعجب ہے قاضی صاحب کو یہ جرأت کیوں ہوئی جب کہ المہند محدث سہارنپوری رحمہ اللہ ہی کی لکھی ہوئی ہے اور اس پر حضرت مفتی صاحب کے دستخط بھی موجود ہیں اور علمائے دیوبند کے اعتقادات کی یہ کتاب آج بھی جگہ جگہ موجود ہے جس میں صاف ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات دنیا کی سی ہے۔ قاضی صاحب نے یہ کہہ کر بظاہر اپنا پیچھا چھڑانے کی کوشش کی ہے کہ اصل فتویٰ مولوی محمد امیر بندیالوی کے پاس ہے مگر مولوی صاحب موصوف کا یہ سفید جھوٹ المہند کے سامنے کیسے چل سکتا ہے۔ ہم حضرت قاضی صاحب سے عرض کئے دیتے ہیں۔ کہ واقعی اگر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب حیات عنصری کے مخالف ہیں تو اس سلسلہ میں حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب (بہبودی) حضرت مولانا نصیر الدین غور غشتی، حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب، مولانا ظفر احمد عثمانی میں سے کسی ایک بزرگ کو ثالث تسلیم کریں تاکہ وہ فیصلہ دیں کہ مولانا خلیل احمد صاحب کا عقیدہ کیا ہے تاکہ آپ کی صدق گوئی کا عوام کو پورا پتہ چل جائے

تحریف: قاضی صاحب نے المہند کی عبارت میں خوب تحریف فرمائی ہے مثلاً المہند میں صاف ہے۔'' ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے بلا مکلف ہونے کے اور یہ حیات مخصوص ہے آں حضرت ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ برزخی نہیں ہے جو حاصل ہے تمام مسلمانوں کو بلکہ سب آدمیوں کو۔''

اس پر قاضی صاحب ''برزخی نہیں ہے'' کی یوں تحریف فرماتے ہیں:'' یہاں نفی مطلق برزخی کی نہیں بلکہ برزخی مطلق کی نفی ہے۔''

دیکھا آپ نے قاضی صاحب کی منطق۔ اخر قاضی صاحب ہیں جب تک ایک سیدھی سادھی عبارت کے الفاظ میں نہ سہی مگر مفہوم میں اپنا پیچ نہ لگائیں تو قاضی صاحب کو قاضی صاحب کون کہے گا اور قاضی صاحب کی الٹی منطق سے عوام الناس فیض یاب کیسے ہوں گے۔ اردو کی عبارت ہے جسے ہر آدمی آسانی سے سمجھ سکتا ہے مگر افسوس قاضی صاحب اپنی عادت سے مجبور ہیں کہ تحریف کرتے جاتے ہیں۔

قبر: قاضی صاحب کو یہ بھی دکھ ہے کہ لوگ ان کے ارشاد پر عالم برزخ ہی کو کیوں قبر نہیں کہتے۔ چنانچہ

. اس موضوع پر بھی آپ نے چند صفحات سیاہ کئے ہیں۔ یوں تو جگہ جگہ دعویٰ ہے کہ ہم قرآن وسنت کے مطابق کہتے ہیں مگر کیا قرآن نے "ولا تقم علی قبرہ" (التوبہ: ۸۴) اور حدیث نے "دلونی علی قبرھا" فرما کر اسی قبر کو قبر نہیں کہا؟ جسے فقہاء بھی بقول آپ کے قبر کہتے ہیں۔ ان حضرات کی جسارت پر ہم حیران ہیں کہ قرآن وحدیث کی تصریحات کے مقابل میں اپنی مخترعات ہی کو ترجیح دیتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ موت کے بعد عالم برزخ ہی شروع ہوتا ہے اور قبر بھی عالم برزخ کی ایک کڑی ہے۔ عالم برزخ اور قبر میں کوئی منافات نہیں ہے۔ مگر ہمارے یہ صاحب علم وفضل حضرات ہی ہیں کہ قبر کے نام سے گھبراتے چلے جاتے ہیں۔ جیسا کہ انہوں نے قبر جانا ہی نہیں ہے۔

سلف: قاضی صاحب جگہ جگہ یہ جملہ دہراتے جاتے ہیں کہ سلف میں حضرت مجدد اور سید آلوسی وامثالہم جب ہمارے ساتھ ہیں تو ہم کیسے غلطی پر ہو سکتے ہیں۔

اجی حضور! ان بزرگوں کے بیان کردہ معانی غلط نہیں ہیں اور نہ ہی ان کے بیان کردہ مفہوم غلط۔ مگر کیا کریں ان حضرات کے ترجمان جب آپ ایسے بزرگ مل جائیں تو پھر الحفیظ، الحفیظ، الامان، الامان۔

میں حیران ہوں کہ آپ نے ان سب حضرات کو اپنے ہم نوا بنانے کی جسارت کیوں کی۔ کیا ان بزرگوں میں سے کسی ایک کی عبارت پر آپ نشان دہی فرما سکتے ہیں، جس سے یہ عیاں ہو کہ انبیاء علیہم السلام کے اجساد عنصری کے ساتھ روح کا تعلق قائم نہیں ہے۔ اگر واقعی آپ کے پلے کچھ ذخیرہ ہے تو لایئے۔ "ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین"

دیوبندیت: قاضی صاحب نے دیوبندیت کو اپنے مزاج پر ڈھالنے کی کافی سعی فرمائی ہے۔ مگر دیوبندیت کوئی تنکا تو نہیں کہ کسی کے چھپائے چھپ جائے وہ تو ایک چمکتا ہوا سورج ہے جو تاریک آندھیوں میں بھی بالکل صاف اور شفاف ہی رہتا ہے۔ اکابر دیوبند کا مسلک واضح طور پر المہند میں درج ہے۔ اگر آپ اور آپ کے ساتھی واقعی دیوبندیت پر قائم ہیں تو اعلان فرمائیں کہ ہم قدم قدم ان کے ساتھ ہیں مگر ایسا ہونا اب مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن نظر آتا ہے۔

استسقاء: قاضی صاحب نے ایک سطحی بات ذکر کر کے رعب ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً حضرت فاروق اعظم ﷜ نے حضرت عباس سے استسقاء کی دعا کرائی اگر حضور ﷺ جسد عنصری سے حیات رکھتے تو آپ ہی سے دعا کراتے تعجب ہے کہ قاضی صاحب نے اتنی سطحی بات کیوں کر ڈالی جب کہ ان کے پیر ومرشد حضرت مولانا حسین علی ﷫ صاحب نے اپنی تحقیقی تصنیف یعنی تحریرات حدیث میں اس قسم کی روایات درج فرمائی ہیں۔

مثلاً: حضرت بلال نے روضہ اطہر پر حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ پانی کی قلت ہے اور آپ کی امت ہلاک ہو رہی ہے۔ حضرت بلال نے خواب میں دیکھا حضور ﷺ فرما رہے ہیں کہ پانی مل جائے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نے روضہ پاک پر عرض کیا یارسول اللہ میرے لیے بارگاہ الٰہی میں بخشش کی سفارش فرمادیں۔ روضہ پاک سے باواز بلند جواب آیا تیرے گناہ معاف ہو گئے ہیں۔

اب قاضی صاحب خود ہی بتائیں کہ اگر حیات عنصری نہیں تو استشفاء کی درخواست اور مغفرت کی سفارش کا اور روضہ پاک کے اندر سے جواب آنے کا کیا مطلب ہے اور یہ سب کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں ہو رہا ہے۔ ہاں ایسا کرنا کوئی فرض وواجب نہیں ہے۔ ورنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ضرور روضہ اطہر پر درخواست پیش کرتے۔

دورنگی: قاضی صاحب نے اپنی اس تازہ تصنیف میں کافی سے زیادہ اوراق صرف اسی پر سیاہ کئے ہیں کہ روح کا تعلق جسد عنصری سے نہیں ہے (اگرچہ اس پر دلیل ایک بھی ذکر نہیں فرمائی) پھر جب لکھتے لکھتے تھک گئے تو جھٹ پلٹا کھایا اور فرمایا روح کا تعلق جسد سے ہے مگر جسد سے مراد فلاں کے نزدیک یہ ہے اور فلاں کے نزدیک یہ ہے۔ پھر سلف کے نصوص سے جب جسد عنصری سے روح کا تعلق ثابت ہوا تو فرمادیا کہ یہ تعلق محض تنعم اور تعذب کے لیے ہے حیات کی غرض سے نہیں ہے۔

اس بھلے آدمی کو کون سمجھائے۔ حضرت روح کا تعلق جسد عنصری سے تنعم اور تعذب کے لیے تسلیم ہے تو خود ہی انصاف فرمائیں یہ تنعم اور تعذب جس عنصری کی حیات کے بغیر کیونکر متصور ہو سکتا ہے۔ غرض یہ کہ قاضی صاحب نے اس مسئلہ کی تشریح وتوضیح میں کئی رنگ بدلے ہیں۔ راقم الحروف صرف اتنا عرض کئے دیتا ہے۔ دورنگی چھوڑ کر یک رنگ ہو جا۔

فریب: قاضی صاحب نے حضرت سلیمان علیہ السلام وامثالہ کے واقعات بھی درج فرمائے ہیں اور استدلال یوں بیان کرتے ہیں۔ اگر ان حضرات میں بعد از موت بھی حیات ہوتی تو لاٹھی کو دیمک لگ جانے کے بعد وہ نہ گرتے وغیرہ ذالک۔

حضور والا! آپ کے مخاطب سب کے سب بزاخفش ہی نہیں ہیں کہ آپ کے ارشاد پر سر ہلاتے جائیں۔ خوب سمجھ لیں کہ سلف صالحین اور علمائے دیوبند کے مسلک کا خلاصہ صرف اتنا ہے کہ انبیاء علیہم السلام عالم برزخ میں حیات عنصری رکھتے ہیں۔ اگر وصال کے بعد بھی عالم دنیا میں زندہ نظر آئیں تو برزخ کے کیا معنی؟

ہم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ارشاد کی روشنی میں دفن ہونے کے بعد قبر میں جسد مبارک کے ساتھ حیات اور صلوٰۃ وسلام سننے اور اس کا جواب دینے اور قبر کے اندر زندہ ہوتے ہوئے نمازیں پڑھنے کا ذکر کرنے پر آنکھیں بند کر کے ایمان لاتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ آپ ان ارشادات سے آنکھیں بند کر کے قبر میں داخل ہونے سے پہلے کی باتیں کر کے غلط بحث کرتے ہوئے مسلمانوں کے ذہنوں کو الجھا کر زبردستی اصلی دیوبندی بننے کی بے سود کوشش کرتے ہیں۔

تعاقب: قاضی صاحب نے اپنی تالیف میں جگہ جگہ مقام حیات کا تعاقب کیا ہے۔ اگر نظر انصاف سے مقام حیات اور مسالک العلماء کا مطالعہ کیا جائے تو دودھ اور چھاچھ کا فرق نظر آئے گا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ مقام حیات میں حیات

عنصری سماع صلوٰۃ وسلام عند القبر پر اتنے زبردست دلائل ہیں جن کا جواب قیامت تک نہیں دیا جا سکتا اور نہ ہی قاضی صاحب نے مقام حیات کی کسی ایک دلیل کو دلائل سے رد کیا ہے۔ میں تو صاحب مقام حیات کو مشورہ دوں گا کہ وہ قاضی صاحب کو شکریہ کا خط ارسال کریں۔ کیونکہ قاضی صاحب کی تصنیف کے منظر عام آنے پر مقام حیات کا مقام اور بلند ہو گیا ہے۔

ردعمل: یہ وجہ ہے کہ کافی شہرت اور انتظار کے بعد یہ کتاب جب قاضی صاحب کے شہر گوجرانوالہ میں پہنچی تو ایک کتب فروش دوکان دار نے فوراً سو پچاس نسخے منگوا لیے اس نے سمجھا کہ کتاب دھڑا دھڑ فروخت ہوگی اور پھر کمالوں گا۔ خدا کی شان ہوا یہ کہ ابھی تک اس مایہ ناز تصنیف کے صرف اور صرف دو ہی نسخے فروخت ہو سکے ہیں وہ بھی ایک غیر مقلد اور نیم غیر مقلد حضرات میں سے کسی نے خریدے ہیں اور بس۔

تاثر: قاضی صاحب نے حیات عنصری کا عقیدہ بریلوی اور شیعہ کا عقیدہ بتایا ہے اور جگہ جگہ یہ تاثر پیدا کیا ہے کہ شیعہ اور بریلویوں کے عقیدہ سے دور رہنا چاہیے۔ قاضی صاحب سے یہ استفسار تو غالباً بے سود ہوگا کہ آپ کے نزدیک حضرت امام سیوطی، شیخ عبدالحق، مولانا نانوتوی اور حضرت مدنی (رحمہم اللہ) وامثالہم شیعہ ہیں یا بریلوی۔

مگر اتنا ضرور عرض کیے دیتا ہوں۔ شیعہ حضرات حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مانتے ہیں کیا ہم انکار کر دیں اور وہ خدا اور رسول کو بھی مانتے ہیں کیا ہم اس کا بھی انکار کر دیں؟ اسی طرح بریلوی حضرات ختم نبوت اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو مانتے ہیں کیا ہم ان کا بھی انکار ہی کر دیں؟ حضور آپ اس قسم کے ہتھکنڈوں سے باز رہیں۔ یہ اوچھے ہتھیار ابلیسی سیاست میں ہی استعمال ہوتے ہیں۔ قاضی صاحب نے یہ طریق مولوی محمد اسماعیل صاحب اہل حدیث گوجرانوالہ سے غالباً سیکھا ہے کیونکہ اس نے بھی جگہ جگہ یہ عقیدہ بریلویوں ہی کا بتایا ہے۔ مگر قاضی صاحب ایک قدم آگے چلے اور فرمایا کہ شیعوں کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ "یک نہ شد دو شد"

مشورہ: قاضی صاحب کے جملہ ہم نواؤں سے التماس ہے کہ موصوف کو مزید تالیف وتصنیف سے روکے رکھیں۔ قاضی صاحب ایک اچھے مدرس ہیں اور درسی کتب بھی پڑھانے کی قابلیت رکھتے ہیں مگر تالیف وتصنیف میں قدم رکھنا کار مرداں ہے۔ موصوف نے اب تک جس مضمون پر بھی قلم اٹھایا ہے سوائے خجالت اور شرمندگی کے اور کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ امید ہے قاضی صاحب اب خود بھی سمجھ گئے ہوں گے اور آئندہ مزید رسوائی سے خود کو اور اپنی جماعت کو بچانے کی پوری پوری کوشش کریں گے۔ قوت نیکی نداری بدمکن

آغاز: قاضی صاحب کے چیلے کوئی کوثر صاحب بھی ہیں جنھوں نے اپنے "جواہر پاروں" سے کتاب کا مقام دوبالا کر دیا ہے۔ اس نے یہ اقرار کیا ہے کہ مسئلہ کا آغاز ایک "بطل جلیل" یعنی سید عنایت اللہ شاہ صاحب کی ایک تقریر سے ہوا ہے۔ جو کہ توحید کے موضوع پر تھی اور اصل مسئلہ کا ذکر ہی نہیں کیا جس سے پورے ملک میں فساد کی آگ بھڑک اٹھی۔

اخراج: اس میں کوئی شک نہیں کہ منکرین حیات کا فی مقامات میں مساجد اور مدارس سے نکالے گئے ہیں جن کا ہمیں افسوس بھی ہے مگر ہمارے دوست کوثر صاحب کو مسجد سے نکالنے کی اصل وجہ کوئی اور ہے جس کو گوجرانوالہ کے احباب بخوبی جانتے ہیں اور جس کا ذکر کرنا ہم اخلاقاً مناسب نہیں سمجھتے۔ مگر افسوس ہے کہ کوثر صاحب نے اصل حقیقت پر پردہ ڈال کر اپنے اخراج کی وجہ ان کے الفاظ سے بیان کی ہے چنانچہ میرے ساتھ بھی یہی واقعہ (محض مسئلہ کی بنا پر اخراج) رونما ہوا جب کہ میں گوجرانوالہ میں امام تھا۔

کوثر صاحب (برعکس نہند نام زنگی کافور) تجھے صرف اتنا کہہ دینے پر بس کرتا ہوں۔

شرم تم کو مگر نہیں آتی

دعوت: حضرت قاضی صاحب اور ان کے جملہ ہم نواؤں کو خلوص اور نیک نیتی سے اتحاد اور یگانگت کی دعوت ہے۔ اس کا ذریعہ صرف اور صرف ایک ہے وہ یہ کہ ہم اپنے اکابر کی بیان کردہ تحقیق عمیق کو تسلیم کرلیں جو کہ کتاب وسنت کے عین مطابق ہے اور رسالہ المہند میں درج ہے۔ ''وما علینا الا البلاغ''

مسلک اہل سنت والجماعت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جب اخلاص کی کمی ہو جب دینی کاموں میں بھی جاہ ونمود ہو یا دوسروں کو نیچا دکھانا مقصود ہو تو یہ دینی کام دینی نہیں رہتے بلکہ دنیا بن جاتے ہیں۔ دنیا کے اکثر کام مباح ہوتے ہیں ان کے کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ مگر دین کا کام اگر اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں ہے تو وہ شرک کی ایک قسم بن جب جاتی ہے اور الٹا مضر ہوتی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ دکھاوے کی نماز پڑھنے والوں کے لیے ارشاد فرمایا ہے۔ ''فویل للمصلین۔ الذین ھم عن صلوٰتھم ساھون'' (الماعون: ۴،۵) کہ دکھاوے کے نمازیوں کے لیے جہنم ہے۔ علماء اہل السنت والجماعت کا متفقہ اور خاص کر اکابر دیوبند کا دستخطی مطبوعہ فتوی رسالے کی شکل میں بھی موجود تھا۔ پچپن سال قبل رسالہ المہند میں حضرت تھانوی، حضرت مولانا کفایت اللہ، حضرت شیخ الہند، حضرت اعلیٰ رائے پوری (﷭) وغیرہم حضرات اکابر نے اپنے اور اپنے مشائخ کا عقیدہ قبر مبارک میں حضور ﷺ پر نور کی حیات کا شائع کر رکھا ہے۔ ملک میں اس کے خلاف کوئی آواز نہیں تھی۔ مگر اچانک چند سال قبل ملتان میں مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب گجراتی نے اس کے خلاف تقریر کر کے ایک فتنہ کی بنیاد رکھ دی ہے۔ یہ جلسہ خیر المدارس کا تھا۔ اس کے مہتمم حضرت مولانا خیر محمد صاحب نے مناسب الفاظ میں آپ کی تردید فرماتے ہوئے علماء دیوبند کے عقیدے کی وضاحت فرما مجلس کے بعد گجراتی صاحب اور مولانا

غلام اللہ خان صاحب راولپنڈی نے ملتان اور سارے پاکستان میں تین سال تک حیات النبی ﷺ کے خلاف اودھم مچائے رکھا۔ پکار پکار کر بحثوں کے لیے بلاتے رہے۔ جیسا کہ خود ان کے رسالہ تعلیم القرآن میں شائع ہو چکا ہے۔ علماء دیوبند محض دین کی خاطر اس انتشار انگیزی کے مقابلہ میں حوصلہ کرتے ہوئے نرمی سے کام لیتے رہے۔ لیکن برخود غلط غلام خانی طبقہ کے طرز عمل سے تمام علماء دیوبند کی طرف غلط مسائل منسوب ہونے کا خطرہ تھا۔ اس لیے انہوں نے بالآخر اس کے جواب میں اعلان کر دیا کہ غلام خانی طبقہ کا مسلک علماء دیوبند کا مسلک نہیں ہے اس سے زیادہ وضاحت اور کیا ہو سکتی تھی کہ ہمارے بڑے بڑے مرکزوں نے اعلان کر دیا کہ انبیاء ﷩ اپنی قبروں میں اجسام عنصری کے ساتھ حیات ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں قریب سے درود و سلام سنتے اور اس کا جواب دیتے ہیں۔

اس سلسلہ میں جو کچھ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے سب برحق ہے۔ چنانچہ کراچی سے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا احتشام الحق تھانوی، حضرت مولانا محمد یوسف بنوری، ٹنڈو اللہ یار کے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی، دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور کے، مفتیان کرام، لاہور، ملتان کے اجلہ علمائے نے اس کی تصدیق کی۔ علمائے دیوبند کے ان نمائندوں کے مقابلہ میں غلام خانی طبقہ مسلسل رٹ لگا رہا ہے کہ فلاں فلاں اکابر دیوبند ہمارے ساتھ ہیں۔

ان کو وقت کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے ضد اور ہٹ دھرمی کو ترک کر دینا چاہیے تھا۔ ورنہ کم از کم خاموش ہی ہو جاتے۔ مگر اس پارٹی کا ایک بگل شجاع آباد سے یہ بجا کہ دعا میں وسیلہ پکڑنا لعنتی کام ہے (بالمعنی) دوسرا بگل سرگودھا سے بجا کہ حیات النبی ﷺ کا عقیدہ شرک فی الحیات ہے غیر مقلدوں نے ان کو خوب اچھالا۔ اپنے جلسوں میں بلایا۔ غیر مقلد مولوی اسماعیل راولپنڈی والے نے مولوی عنایت اللہ شاہ صاحب کی تقریر سے پہلے جہلم میں یہ کہا کہ حیات النبی ﷺ جیسے مسئلے شرک کا دروازہ کھولتے ہیں۔ اب مولانا قاضی شمس الدین صاحب گوجرانوالہ نے ایک کتاب حیات النبی ﷺ کے خلاف مسالک العلماء کے نام سے مقام حیات کی تردید میں لکھی ہے۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے غیر مقلدوں نے قاضی صاحب کو داد دی ہے کہ وہ مسلک دیوبند سے کٹ کر اہل حدیث سے متفق ہو گئے ہیں۔ قاضی صاحب نے اس کتاب میں بہت سی باتیں لکھی ہیں صرف مقام حیات کے دلائل کا جواب نہیں دیا۔ زیادہ سے زیادہ اتنی بات کہہ دی ہے کہ اس کا مصنف طفل مکتب ہے علماء دیوبند جو حیات النبی ﷺ کے قائل ہیں خود کیوں کتاب نہیں لکھتے۔ میں ادب سے درخواست کروں گا کہ المہند اور حضرت نانوتوی ﷫ کی آب حیات وغیرہ آپ کو کیوں نظر نہیں آتیں اور آپ حضرت سید امین الحق صاحب فاضل دیوبند خطیب جامع مسجد شیخوپورہ کی بہترین علمی کتاب تنبیہ الانبیاء سے کیوں آنکھیں بند کرتے ہیں جس نے منکرین حیات کی کمر توڑ دی ہے اور خاص کر گوجرانوالہ کے غیر مقلد مولوی اسماعیل کی گستاخانہ تحریروں اور قوت دلائل کا بھانڈا پھوڑ دیا ہے اگرچہ یہ غلط بیانی

بھی حضرت قاضی صاحب کے شایان شان نہیں مگر ہمیں افسوس اس کا ہے کہ انہوں نے نفس مسئلہ کی تحقیق میں بعض اکابر دیوبند کے سلسلہ میں بھی سچ کہنے کو ضروری نہیں سمجھا مثلاً وہ حضرت علامہ انور شاہ صاحب کو اپنے حق میں بتاتے ہوئے ان کی پیچیدہ عبارتوں سے غلط باور کراتے ہیں مگر تحیۃ الاسلام میں حضرت شاہ صاحب موصوف کے ان صریح الفاظ کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ''انما المراد بقوله الانبیاء احیاء فی قبورھم مجموع الاشخاص لا الارواح فقط'' کہ سرور کائنات ﷺ کا جو ارشاد ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اس سے مراد مجموعہ اشخاص میں صرف روحیں مراد نہیں ہیں۔ کتنا صاف ارشاد ہے کہ قبروں کے اندر کی حیات ذکر ہو تو اس سے صرف روحوں کی حیات سمجھنا عقل و دانش کے تقاضوں سے صرف نظر کرنا ہے۔

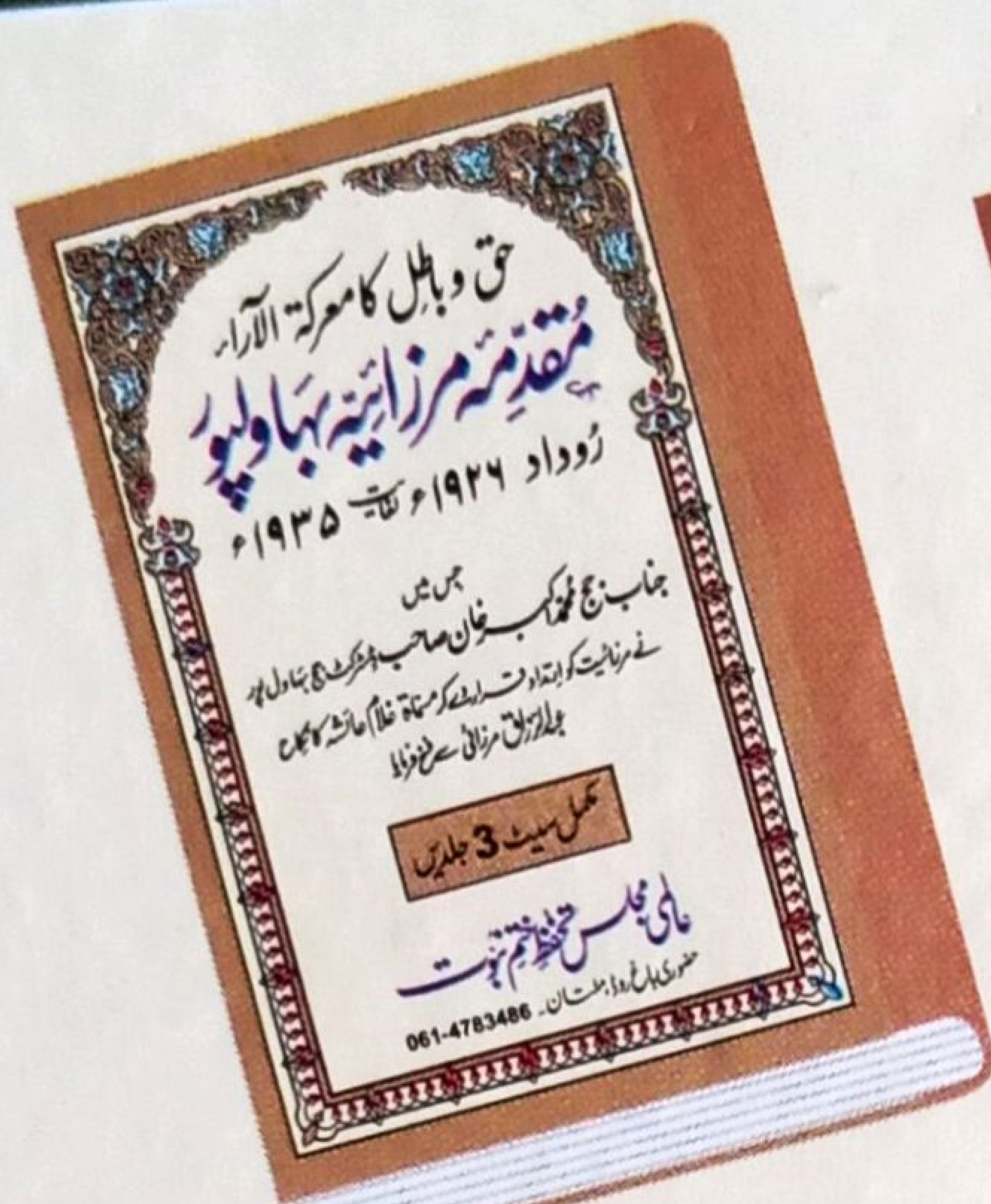
اس سے بھی زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ حضرت قاضی صاحب نے مسالک العلماء میں زیادہ زور اس مسلک پر دیا ہے کہ استدلال کے لیے پہلے قرآن ہے بعد میں حدیث۔

قاضی صاحب اسی قسم کی باتیں جن سے حدیث کا مقام کمزور ہوتا ہو منکرین حدیث کے لیے راہ ہموار کرتی ہیں۔ اس امر پر تو ساری امت کا اتفاق ہے کہ قرآن کا مقام باقی ہر بات سے مقدم ہے مگر قرآن مطالب کی تشریح اور اس کے معانی کو متعین کرنے میں حضور ﷺ کے ارشادات سے بے نیاز ہو جانا الحاد ہی الحاد ہے۔ سب سے اہم و مقدم دلیل قرآن ہے۔ مگر قرآن کا وہ مطلب نہ لیا جائے گا جو غلام احمد قادیانی یا غلام احمد پرویز کریں بلکہ قرآن کا وہی مفہوم حق ہوگا جو حضور ﷺ کی حدیثوں اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال سے واضح ہوگا۔

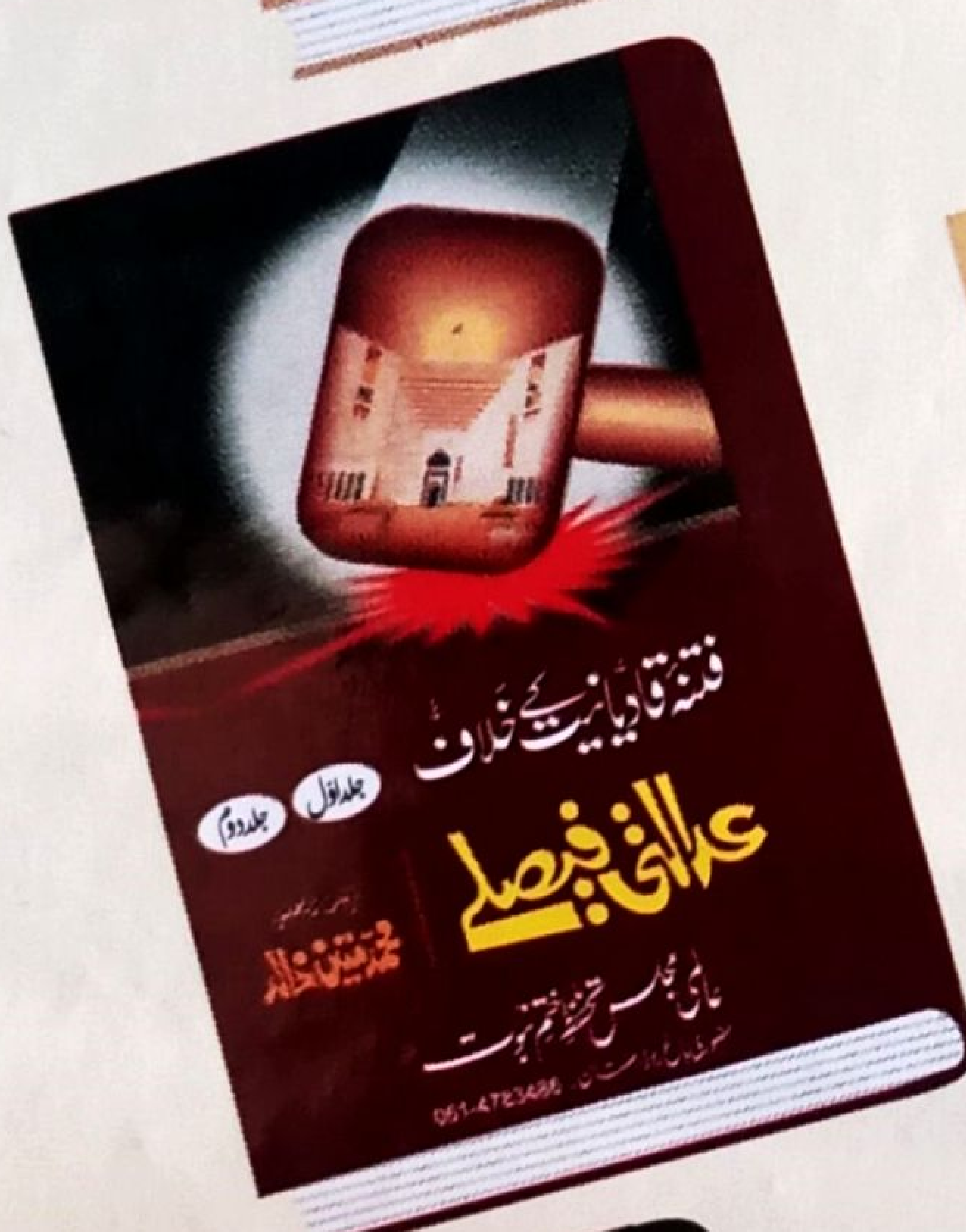
اس سلسلہ میں اتنی بات اور بھی عرض کرنی ضروری ہے کہ کیا قرآن پاک کی آیتوں کا مفہوم پہلے بزرگوں اور المہند پر دستخط کرنے والے اکابر امت نے نہیں سمجھا۔ اگر آپ اسلاف سے مسلمانوں کے ذہن کو دور کریں گے تو پھر ہر طرح کے الحاد کا راستہ صاف ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا غلام مصطفیٰ صاحب علامہ عباسیہ یونیورسٹی نے جناب قاضی صاحب کی مذکورہ کتاب پر جو تبصرہ کیا ہے۔ اس میں اسی مطلب کو زیادہ واضح کیا گیا ہے۔ میرا مشورہ بھی یہی ہے کہ قاضی صاحب موصوف اگر صرف تدریس و تعلیم ہی کی خدمت انجام دیں تو بہتر ہوگا۔

(مولانا) محمد اجمل خطیب جامع مسجد قلعہ گوجر سنگھ لاہور

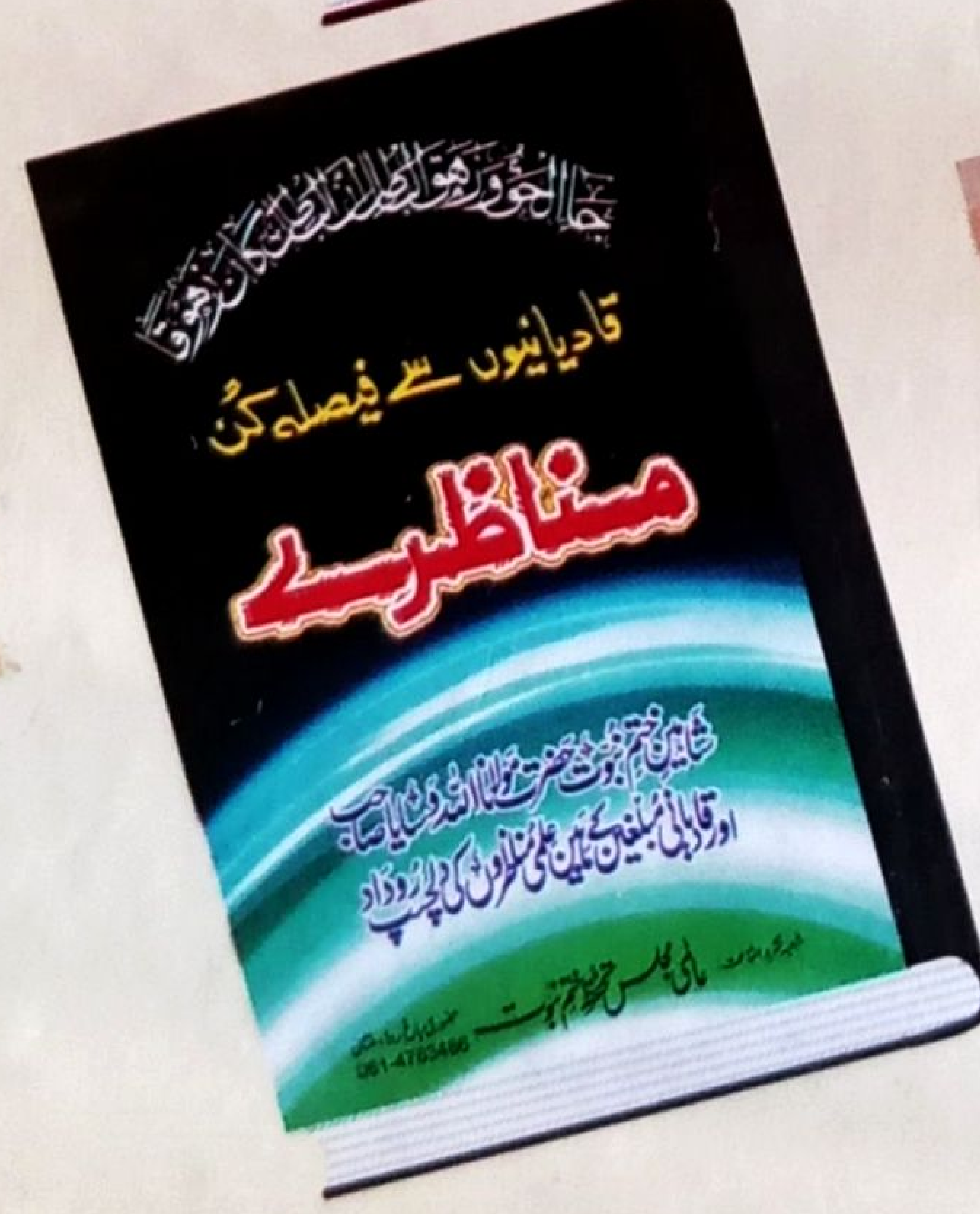
مطبوعات عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

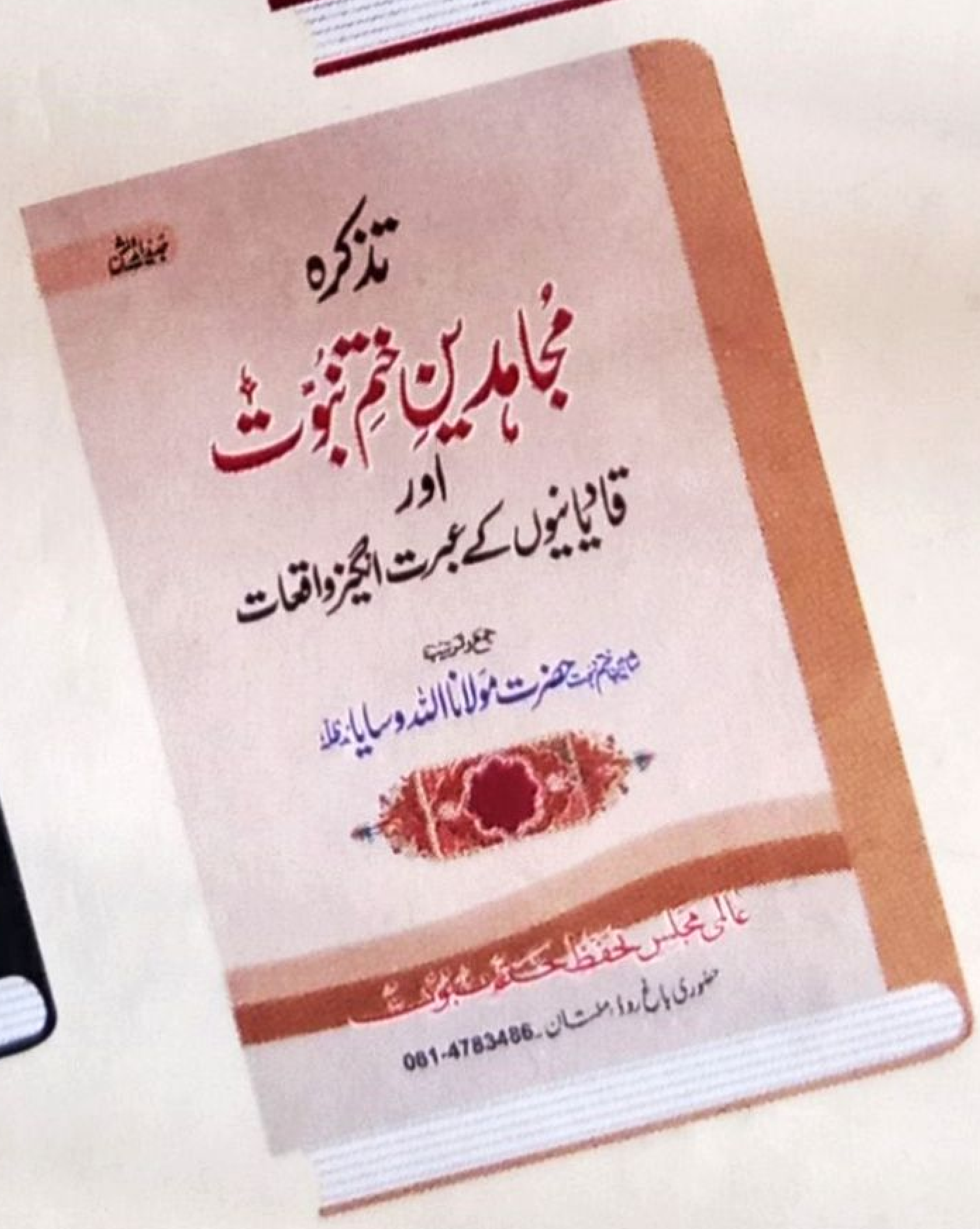












www.amtkn.com, www.laulak.info, www.khatm-e-nubuwwat.info,
www.khatm-e-nubuwwat.com, ameer@khatm-e-nubuwwat.com